[illegible]

شرح
جامع ترمذی

[illegible]

[illegible]

مفتی محمد ہاشم خان عطاری مدنی

مکتبہ امام اہلسنت

0332-9292026
0332-1632626

شرح
جامع ترمذی
(جلد دوم)

شارح:
استاذ الفقه والحدیث
استاذالعلماء حضرت علامہ مولانا
مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی متعنااللہ باطالۃ عمرہ

مکتبہ امام اہلسنت: داتا دربار مارکیٹ، لاہور
0332:1632626

بسم الله الرحمن الرحیم

الصلوة والسلام علیك یا رسول الله وعلی آلك واصحابك یا حبیب الله

نام کتاب	شرح جامع ترمذی (جلد دوم)
شارح	استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی متعنا اللہ باطالۃ عمرہ
سن اشاعت	ربیع الثانی 1438ھ بمطابق جنوری 2017ء
صفحات	1056
قیمت	1100 روپے
ناشر	مکتبہ امام اہلسنت: داتا دربار مارکیٹ، لاہور

ملنے کے پتے:

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور	مکتبہ فیضان اسلام، فیصل آباد
مکتبہ اعلیٰ حضرت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور	کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور
حسان پرفیومرز، کراچی	مکتبہ نوریہ، رضویہ، لاہور
مکتبہ فیضان مدینہ، جوہر ٹاؤن، لاہور	مکتبہ قادریہ، کراچی
مکتبہ غوثیہ، کراچی	مکتبہ غوثیہ، راولپنڈی
مکتبہ فیضان سنت، ملتان	فیضان رضا، راولپنڈی

فہرست

ابواب الصلاة

ابواب الصلوۃ

ترتیب میں مناسبت:

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

جب نماز کی شرط طہارت اور اس کی قسام کے بیان سے فارغ ہوئے تو نماز اور اُس کی انواع کا بیان شروع فرمایا کیونکہ شرط، مشروط سے پہلے ہوتی ہے۔اور نماز کے بیان کو زکوۃ اور روزے وغیرہ کے بیان پر اس لئے مقدم کیا کہ قرآن وسنت میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے۔نیز دیگر عبادات کے مقابلہ میں اس کے بکثرت واقع ہونے کی وجہ سے اس کی تعلیم کی زیادہ حاجت ہے۔اور"صلوٰۃ" کا لغوی معنی سُرین کے پاس موجود دو ہڈیوں کو حرکت دینا ہے۔بعض نے کہا کہ اس کا لغوی معنی "دُعا" ہے۔پہلے معنی کے اعتبار سے "صلوٰۃ" اُن اسماء میں سے ہے جو شرعاً تبدیل شدہ اور لغۃً ثابت ہیں۔اور دوسرے معنی کے لحاظ سے اسماء منقولہ میں سے ہے۔اور شریعت کی اصطلاح میں ارکان معلومہ اور افعال مخصوصہ کا نام "صلوٰۃ" ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مواقیت الصلاۃ وفضلہا، ج5،ص3، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صلوۃ کا لغوی، اصطلاحی معنی اور وجہ تسمیہ:

علامہ مبارک ابن اثیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

"صلوٰۃ" مخصوص عبادت کا نام ہے۔اور"صلوٰۃ" کا لغوی معنی "دعا" ہے۔اور نماز کو اُس کے ایک جزء (یعنی دُعا) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ اس کا لغوی معنی "تعظیم" ہے اور مخصوص عبادت کو "صلوٰۃ" اس لئے کہا گیا کہ اُس میں رب تبارک وتعالیٰ کی تعظیم ہے۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، صلا، ج3،ص50، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی (620ھ) فرماتے ہیں:

"صلوٰۃ" کا لغوی معنی دُعا ہے۔اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔ (پ10، سورۃ التوبہ، آیت103)

اس آیت میں "صلوٰۃ" کا معنی دعا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَاِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ، وَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ)) ترجمہ: جب تم میں سے کسی شخص کی دعوت کی جائے تو اُسے چاہئے کہ قبول کرے، اگر روزہ نہ ہو تو کھالے اور

روزہ دار ہو تو دُعا کرے۔

شریعت میں مخصوص افعال کا نام "صلوٰۃ" ہے۔ لہٰذا اگر شریعت میں "صلوٰۃ" کا حکم آئے یا ایسا حکم آئے کہ جس پر "صلوٰۃ" کی تعلیق کی گئی ہو، تو اس سے مراد شرعی صلوٰۃ (یعنی نماز) ہوگی۔ (المغنی لابن قدامہ، کتاب الصلوۃ، ج 1، ص 267، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی (1252ھ) فرماتے ہیں:

("صلوٰۃ" کا لغوی معنی دُعا ہے) یعنی "صلوٰۃ" کی حقیقت یہ ہے، جمہور کا موقف یہی ہے اور جوھری وغیرہ ماہرین لغات نے اسی پر جزم کیا ہے۔ کیونکہ "ارکان مخصوصہ" کے ساتھ شرع کے وارد ہونے سے قبل کلام عرب میں یہی شائع وذائع تھا۔ بعض نے کہا "صلوٰۃ" کا حقیقی معنی "صلوین" کو حرکت دینا ہے یعنی اُن دو ہڈیوں کو (حرکت دینا) جو اُن دورانوں کے اوپری حصہ میں ہوتی ہیں کہ جن پر دوسُرین ہیں۔ اور مجازی لغوی ہے "ارکان مخصوصہ" کے معنی میں کیونکہ نمازی رکوع وسجود میں ان دو ہڈیوں کو حرکت دیتا ہے، دوسرے مرتبہ میں دُعا میں استعارہ تصریحیہ ہے دُعا کرنے والے کو رکوع وسجود کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے۔ مکمل بحث نہر الفائق میں ہے۔

اُصولیوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ معانی شرع پر دلالت کرنے والے الفاظ، جیسے "صلوٰۃ" اور "صوم" (کی حقیقت کیا ہے؟) کیا وہ اپنے لغوی معانی سے شرعی معانی کی طرف اس طرح منقول ہوئے کہ لغوی معنی کا بالکل لحاظ نہ کیا گیا یا لغوی معانی میں تبدیلی ہوئی ہے یوں کہ لغوی معنی باقی ہے اور اس پر شرعی قیودات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بعض پہلی بات کے قائل ہیں، اور "الغایۃ" میں اسی کی تصریح کی یہ علت بیان کرتے ہوئے کہ اُمّی کی نماز بغیر دُعا ہو جاتی ہے۔ اور بعض علما دوسری صورت کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ دُعا پر باقی اَرکان مخصوصہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور جزء (دُعا) کا کل (نماز کے باقی ارکان مخصوصہ) پر اطلاق کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، ج 1، ص 351، دار الفکر، بیروت)

نماز کی فرضیت:

نماز ہر مکلف یعنی عاقل و بالغ پر فرض عین ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، ج 1، ص 351، دار الفکر، بیروت)

نماز کی فرضیت کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اور اجماع امت سے ہے۔

کتاب اللہ: قرآن کریم میں اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (پ5، سورۃ النساء، آیت 103)

اور اس کے علاوہ متعدد آیتیں ہیں جن سے نماز کا ثبوت ہوتا ہے۔

سنت: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا)) ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (1) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (2) نماز قائم کرنا (3) زکوٰۃ دینا (4) ماہ رمضان کے روزے رکھنا (5) خانہ کعبہ کا حج کرنا جو اُس کے راستہ کی استطاعت رکھے۔

(صحیح بخاری، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنی الاسلام علی خمس، ج 1، ص 11، دار طوق النجاۃ۔ صحیح مسلم، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنی الاسلام علی خمس، ج 1، ص 45، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اجماع: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے آج تک پوری اُمت کا نماز کی فرضیت پر اجماع ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا نماز کی مشروعیت کا منکر بالاتفاق کافر ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، تعریف الصلاۃ، ج 2، ص 5، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نماز کب فرض ہوئی:

علامہ امین ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

شیخ اسماعیل نے بھی اَحکام شرح دُرر الحکام میں اس کو نقل کیا۔ اور پھر آپ نے فرمایا: شیخ محمد بکری نے جو کچھ ذکر کیا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ معراج شریف بعثت کے بعد ہوئی لیکن کون سے سن میں ہوئی؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے، علما کی ایک جماعت نے اس پر جزم کیا کہ ہجرت سے ایک سال قبل معراج ہوئی اور ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا جبکہ ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ پھر معراج کونسے مہینہ میں ہوئی؟ اس کے بارے میں بھی علما کا اختلاف ہے۔ علامہ ابن اثیر اور علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں اس پر جزم کیا ہے کہ ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی۔ علامہ نووی نے فرمایا: ستائیسویں شب کو ہوئی۔ بعض نے کہا ربیع الآخر میں، ایک قول یہ ہے کہ معراج رجب کے مہینہ میں ہوئی اور امام نووی نے "الروضۃ" میں رافعی کی اتباع میں اس آخری قول پر جزم کیا ہے۔ ایک قول کے مطابق شوال میں معراج ہوئی۔ حافظ عبدالغنی مقدسی نے اپنی سیرت میں جزماً ذکر کیا ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب کو معراج ہوئی۔ اور شہروں میں لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، ج 1، ص 352، دار الفکر، بیروت)

نماز کے منکر اور تارک کا حکم:

در مختار میں ہے:

(نماز کا منکر کافر ہے) کیونکہ نماز کی فرضیت دلیل قطعی سے ثابت ہے (اور قصداً سستی کی وجہ سے نماز ترک کرنے والا) فاسق ہے (اُسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے) کیونکہ جب کسی کو حق العبد کی بنا پر قید کیا جاسکتا ہے تو حق اللہ کی وجہ سے بدرجۂ اَولیٰ قید کیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا کہ بے نمازی کو اتنا مارا جائے کہ اُس سے خون بہنے لگے۔ اور امام شافعی کے نزدیک ایک نماز کے ترک پر بھی بطورِ حد قتل کیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ بطورِ کفر کے قتل کیا جائے گا یعنی نماز کے ترک کرنے والے کو اس لیے قتل کیا جائے گا کہ وہ نماز کے ترک کے سبب کافر ہو گیا۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، ج1، ص352، دارالفکر، بیروت)

اس کے تحت فتاوی شامی میں ہے:

(اور امام شافعی کے نزدیک بے نمازی کو قتل کیا جائے گا) یوں ہی امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بھی قتل کا حکم ہے۔ امام احمد سے ایک روایت اور آپ کے اکثر تلامذہ کے نزدیک جو مختار ہے، یہ ہے کہ بے نمازی کو بطورِ کفر کے قتل کیا جائے گا، اس کی تفصیل ''الحلیۃ'' میں ہے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، ج1، ص353، دارالفکر، بیروت)

نمازِ پنجگانہ اس امت کا خاصہ ہے:

نمازِ پنجگانہ اللہ عزّ وجلّ کی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عظیم سے خاص ہم کو عطا فرمائی ہم سے پہلے کسی امت کو نہ ملی، بنی اسرائیل پر دو ہی وقت کی فرض تھی وہ بھی صرف چار رکعتیں دو صبح دو شام، وہ بھی ان سے نہ نبھی۔ سنن نسائی شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیثِ معراج مبارک میں ارشاد فرماتے ہیں: ((ثُمَّ رُدَّتْ إِلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ. قَالَ: فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ، فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ؛ فَإِنَّهُ فَرَضَ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ صَلَاتَيْنِ، فَمَا قَامُوا بِهِمَا)) ترجمہ: پھر پچاس (50) نمازوں کی پانچ رہیں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی کہ حضور پھر جائیں اور اپنے رب سے تخفیف چاہیں کہ اس نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض فرمائی تھیں وہ انہیں بھی بجا نہ لائے۔

(سنن النسائی، کتاب الصلوٰۃ، فرض الصلاۃ، ج1، ص221، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: ''وردان بنی اسرائیل کلفوا برکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی قیل، ورکعتین عند الزوال، فماقاموا بما کلفوا بہ'' ترجمہ: روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو پڑھنے کا مکلف بنایا گیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ دو رکعتیں زوال کی بھی تھیں مگر وہ اس پر کاربند نہ رہ سکے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الخامس فی المعراج والاسراء، ج6، ص142، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ، مصر)

اور امتوں کا حال خدا جانے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ پانچوں اُن میں کسی کو نہ ملیں علماء نے بلا خلاف اس کی تصریح فرمائی، مواہب شریف بیان خصائص امت مرحومہ میں لکھا: ''ومنها مجموع الصلوات الخمس، ولم تجمع لاحد غيرهم'' ترجمہ: اور ان خصوصیات میں سے پانچ نمازوں کا مجموعہ بھی ہے کیونکہ اُمتِ مسلمہ کے علاوہ کسی اور اُمت کیلئے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ (المواھب اللدنیۃ، المقصد الرابع خصائص تعلق بالصلوۃ، ج2، ص711، المکتب الاسلامی، بیروت)

شرح زرقانی مقصد معراج مقدس میں زیر حدیث مذکور نسائی لکھا: ''هذا هو الصواب، وماوقع فی البیضاوی انه فرض عليهم خمسون صلاة فی اليوم و الليلة، فقال السيوطی: هذا غلط، ولم يفرض علی بنی اسرائيل خمسون صلاة قط بل ولا خمس صلاة، ولم تجمع الخمس الالهذه الامة، وانما فرض علی بنی اسرائيل صلاتان فقط، كما فی الحديث ''ترجمہ: یہی درست ہے اور جو بیضاوی میں ہے کہ بنی اسرائیل پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں، تو سیوطی نے کہا کہ یہ غلط ہے، ان پر پچاس نمازیں کبھی بھی فرض نہیں کی گئی تھیں بلکہ ان پر تو پانچ نمازیں بھی فرض نہیں تھیں، پانچ صرف اس امت کیلئے جمع کی گئی ہیں۔ بنی اسرائیل پر تو صرف دو نمازیں فرض تھیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، فی المقصد الخامس تخصیصہ علیہ السلام بخصائص المعراج والاسراء، ج6، ص141، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر)

لمعات شیخ محقق دہلوی وشرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی میں ہے: ''مجموع هذه الخمس من خصوصياتنا ''ترجمہ: ان پانچ نمازوں کا مجموعہ ہماری خصوصیات میں سے ہے۔

(لمعات التنقیح، الفصل الثانی، کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت، ج2، ص231، مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور)

اشعۃ اللمعات میں ہے: ''مجموع خمس اوقات مخصوص ایں اُمت ست ''ترجمہ: پانچ اوقات کا مجموع اس امت کی خصوصیت ہے۔ (اشعۃ اللمعات، الفصل الثانی، کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت، ج1، ص287، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی پانچوں نمازیں ادا کرو۔ (جامع الترمذی، باب ماذکر فی فضل الصلاۃ، ج2، ص516، مصطفی البابی، مصر)

تیسیر وسراج المنیر شروح جامع صغیر میں زیر حدیث ''وصلوا خمسكم ''(اور پڑھو اپنی پانچ نمازیں) لکھا: ''اضافها اليهم لانها لم تجتمع لغيرهم ''ترجمہ: (اپنی کہہ کر) پانچ نمازوں کو امت کی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ کسی اور اُمت کیلئے یوں جمع نہیں کی گئیں۔ (السراج المنیر شرح جامع صغیر، تحت حدیث ''اتقوا اللہ وصلوا خمسکم ''، ج1، ص37، مطبوعہ مطبعہ ازہریہ، مصر)

مصنف ابن ابی شیبہ اور ابوداؤد وبیہقی سنن میں بسند حسن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشا کی نسبت فرمایا: ((أَعْتِمُوا بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فَإِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ))

ترجمہ: اس نماز کو دیر کر کے پڑھو کہ تم اس سے تمام امتوں پر فضیلت دیئے گئے ہو تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہ پڑھی۔
(سنن ابی داؤد، باب وقت العشاء الآخرۃ، ج 1، ص 114، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

پُر ظاہر کہ جب نمازِ عشا ہمارے لئے خاص ہے تو پانچوں کا مجموعہ بھی ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا۔
عشا کے ہمارے ساتھ خاص ہونے سے مراد یہ ہے کہ پہلی امتوں پر فرض نہیں تھی۔ امام قاضی ناصر الدین بیضاوی شرح مصابیح میں فرماتے ہیں: ''ان العشاء کانت تصلیها الرسل نافلة لهم ولم تکتب علی اممهم کالتهجد وجب علی نبینا دوننا'' ترجمہ: پہلے رسول عشاء کی نماز اضافی طور پر پڑھتے تھے مگر ان کی اُمتوں پر فرض نہیں تھی، جس طرح تہجد کی نماز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی مگر ہم پر واجب نہیں ہے۔
(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الرابع، خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم، ج 5، ص 426، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ، مصر)

رہا ہمارے نبی سید الانبیاء صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم وسلم کے سوا کسی نبی کو یہ پانچوں نہ ملنا، علماء اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں،
امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ایک باب وضع فرمایا: ''باب اختصاصه صلی اللہ تعالی علیه وسلم بمجموع الصلوات الخمس ولم تجمع لاحد'' یعنی وہ باب جس میں بیان کیا گیا ہے کہ پانچ نمازوں کے مجموعے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختص ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کیلئے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔
(الخصائص الکبریٰ، باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس الخ، ج 2، ص 204، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں بعض علماء سے ناقل ''هذه الصلوات تفرقت فی الانبیاء وجمعت فی هذه الامة'' ترجمہ: یہ نمازیں باقی انبیاء کو متفرق طور پر عطا کی گئیں اس اُمت کے لئے جمع کردی گئیں۔
علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں: ''لم تجمع لاحد غیرهم من الانبیاء والامم'' ترجمہ: اس امت کے علاوہ باقی انبیاء اور اُمتوں میں سے کسی کیلئے یہ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔
(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الرابع، خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم، ج 5، ص 424، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ، مصر)

اُسی میں ہے: ''ولا یعارضه قول جبریل فی حدیث المواقیت حین صلی الخمس بالنبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم: هذا وقتك ووقت الانبیاء من قبلك، لان المراد، کما قال الرافعی، انه وقتهم اجمالا، وان اختص کل منهم بوقت'' ترجمہ: اور اس کے معارض نہیں ہے جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور آپ سے پہلے انبیاء کا بھی۔ حدیث مواقیت کے مطابق جبریل نے یہ بات اُس وقت کہی تھی جب انہوں نے رسول اللہ کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں عدمِ تعارض کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوقات دیگر انبیاء کو اجمالی طور پر ملے تھے، انفرادی طور پر تو ہر نبی کو ان میں سے کچھ وقت دیے گئے تھے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الرابع، خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم، ج 5، ص 425، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ، مصر)

لمعات وشرح ابن حجر مکی میں ہے، واللفظ للاول:"قوله هذا وقت الانبياء من قبلك، يدل بظاهره على ان الصلوات الخمس كانت واجبة على الانبياء عليهم الصلاة والسلام، والمراد التوزيع بالنسبة الى غير العشاء اذ مجموع هذه الخمس من خصوصياتنا، واما بالنسبة اليهم فكانما عدا العشاء متفرقا فيهم، كما جاء فى الاخبار" ترجمہ: جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور پہلے انبیاء کا بھی، بظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ پانچ نمازیں پہلے انبیاء پر واجب تھیں لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ عشاء کے علاوہ باقی نمازیں دیگر انبیاء پر تقسیم کی گئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کا مجموع ہماری خصوصیات میں سے ہے۔ باقی انبیاء کو تو عشاء کے علاوہ باقی نمازیں متفرق طور پر ملی تھیں، جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔

(لمعات التنقیح، مواقیت الصلوٰۃ، الفصل الثانی، ج2، ص231، مطبوعہ مکتبہ معارف علمیہ، لاہور)

علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: "الصلوات الخمس لم تجتمع لغيره ولغير امته صلى الله تعالى عليه وسلم، ولا لنبى قبله، فانما الانبياء قبله كانت لهم صلاة موافقة لبعض هذه، دون مجموعها" ترجمہ: پانچ نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے علاوہ کسی اُمت کیلئے جمع نہیں کی گئیں، نہ آپ سے پہلے کسی نبی کیلئے۔ پہلے انبیاء کو جو نمازیں ملی تھیں تو ان میں سے ہر نبی کی نماز ان اوقات میں سے کسی ایک وقت کے ساتھ مطابقت رکھتی تھی، مجموع طور پر پانچ نمازیں اُن میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں۔

(نسیم الریاض شرح الشفاء، فصل فی تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم بما تضمنہ کرامۃ الاسراء، ج2، ص257، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

صحیح مسلم میں ہے: ((فَأُعْطِیَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا: أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتُ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ کی امت کے ہر اس شخص کی مغفرت جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

(صحیح مسلم، باب فی قول اللہ تعالی ولقد راٰہ نزلۃ اخری، ج1، ص157، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، لاہور)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پانچ نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص ہیں، ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موقعہ اکرامِ خاص کا تھا اس لئے پانچ نمازیں بھی آپ کیلئے خاص ہونی چاہئیں جس طرح باقی دو چیزیں آپ کیلئے خاص ہیں۔

نسیم الریاض میں علامہ خفاجی نے فرمایا: "(فاعطى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ثلثا) من الفضائل المخصوصة به صلى الله تعالى عليه وسلم" ترجمہ: ((پس رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں)) یعنی اُن فضائل میں سے جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

(نسیم الریاض شرح الشفاء، فصل فی تعظیمہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بما تضمنہ کرامۃ الا... 2، مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان)

امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالی نے "تنبیہ الغافلین" میں حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: "قرأت فی بعض ماانزل اللّٰہ تعالی علی موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام یاموسٰی ارکعتان یصلیھما احمد وامتہ، وھی صلاۃ الغداۃ، من یصلیھما غفرت لہ مااصاب من الذنوب من لیلہ ویومہ ذلک ویکون فی ذمتی یاموسٰی اربع رکعات یصلیھا احمد وامتہ، وھی صلاۃ الظھر، اعطیھم باول رکعۃ منھا المغفرۃ، و بالثانیۃ اثقل میزانھم، وبالثالثۃ اوکل علیھم الملئکۃ یسبحون ویستغفرون لھم، وبالرابعۃ افتح لھم ابواب السماء ویشرفن علیھم الحور العین یاموسٰی اربع رکعات یصلیھا احمد وامتہ، وھی صلاۃ العصر، فلا یبقی ملک فی السموات والارض الا استغفرلھم، ومن استغفرلہ الملئکۃ لم اعذبہ یاموسٰی ثلاث رکعات یصلیھا احمد وامتہ حین تغرب الشمس، افتح لھم ابواب السماء لایسألون من حاجۃ الاقضیتھا لھم یاموسٰی اربع رکعات یصلیھا احمد وامتہ حین یغیب الشفق، ھی خیرلھم من الدنیا ومافیھا یخرجون من ذنوبھم کیوم ولدتھم امھم یاموسٰی ایتوضؤ احمد وامتہ کماامرتھم، اعطیتھم بکل قطرۃ تقطر من الماء جنۃ عرضھا کعرض السماء والارض یاموسٰی ایصوم احمد وأمتہ شھرا فی کل سنۃ، وھو شھر رمضان، اعطیھم بصیام کل یوم مدینۃ فی الجنۃ، واعطیھم بکل خیر یعملون فیہ من التطوع اجر فریضۃ، واجعل فیہ لیلۃ القدر، من استغفر منھم فیھا مرۃ واحدۃ نادماصادقامن قلبہ، ان مات من لیلہ اوشھرہ اعطیتہ اجر ثلثین شھیدا۔ یاموسٰی ان فی امۃ محمد رجالا یقومون علی کل شرف یشھدون بشھادۃ ان لاالٰہ الّا اللّٰہ، فجزاؤھم بذلک جزاء الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام، و رحمتی علیھم واجبۃ، وغضبی بعید منھم، ولااحجب باب التوبۃ عن واحد منھم ماداموا یشھدون ان لاالٰہ الا اللّٰہ"

ترجمہ: میں نے توریت مقدس کے کسی مقام میں پڑھا اے مُوسٰی! فجر کی دو رکعتیں احمد اور اس کی اُمت ادا کرے گی جو انہیں پڑھے گا اُس دن رات کے سارے گناہ اُس کے بخش دُوں گا اور وہ میرے ذمّہ میں ہوگا۔ اے موسٰی! ظہر کی چار رکعتیں احمد اور اس کی اُمّت پڑھے گی انہیں پہلی رکعت کے عوض بخش دُوں گا اور دوسری کے بدلے ان کا پلّہ بھاری کردوں گا اور تیسری کیلئے فرشتے موکل کروں گا کہ تسبیح کریں گے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے، اور چوتھی کے بدلے اُن کیلئے آسمان کے دروازے کشادہ کردُوں گا، بڑی بڑی آنکھوں والی حُوریں اُن پر مشتاقانہ نظر ڈالیں گی۔ اے مُوسٰی! عصر کی چار رکعتیں احمد اور ان کی اُمت ادا کرے گی تو ساتوں آسمان وزمین میں کوئی فرشتہ باقی نہ بچے گا سب ہی ان کے لیے استغفار کریں گے اور ملائکہ جس کے لیے استغفار کریں میں اسے ہرگز عذاب نہ دُوں گا۔ اے موسٰی! مغرب کی تین رکعت ہیں انہیں احمد اور اس کی اُمت پڑھے گی آسمان کے سارے دروازے ان کیلئے کھول دُوں گا، جس حاجت کا سوال کرینگے اسے پُورا ہی کردوں گا۔ اے

موسیٰ اشفق ڈوب جانے کے وقت یعنی عشاء کی چار رکعتیں ہیں پڑھیں گے انہیں احمد اوران کی اُمت، وہ دنیا و مافیہا سے اُن کیلئے بہتر ہیں، وہ انہیں گناہوں سے ایسا نکال دیں گی جیسے اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اے موسیٰ! وضو کرے گا احمد اور اسکی اُمت جیسا کہ میرا حکم ہے میں انہیں آسمان سے ٹپکنے والے ہر قطرے کے عوض ایک جنت عطا فرماؤں گا جس کا عرض آسمان وزمین کی چوڑائی کے برابر ہوگا۔ اے موسیٰ! ایک مہینے کے ہر سال روزے رکھے گا احمد اوراس کی اُمت اور وہ ماہِ رمضان ہے عطا فرماؤں گا اسکے ہر دن کے روزے کے عوض جنت میں ایک شہر اور عطا کروں گا اس میں نفل کے بدلے فرض کا ثواب اور اس میں لیلۃ القدر کروں گا جو اس مہینے میں شرمساری وصدق سے ایک بار استغفار کریگا اگر اسی شب یا اس مہینے بھر میں مرگیا اسے تیس (۳۰) شہیدوں کا ثواب عطا فرماؤں گا۔ اے موسیٰ! امتِ محمد یہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کچھ ایسے مرد ہیں کہ ہر شرف پر قائم ہیں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتے ہیں تو ان کی جزا اس کے عوض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ثواب ہے اور میری رحمت ان پر واجب اور میرا غضب ان سے دور، اوران میں سے کسی پر بابِ توبہ بند نہ کروں گا جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دیتے رہیں گے۔

(حجیۃ العالمین، باب فضل امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ص404، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

امامِ اجل ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام عبیداللہ بن محمد ابن عائشہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ''وَأَوَّلُ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ ,نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ '' ترجمہ: سب سے پہلے عشاء ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی۔ (شرح معانی الآثار، باب الصلوٰۃ الوسطی، ج1، ص175، مطبوعہ عالم الکتب)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بالجملہ اس قدر بلاشبہہ ثابت کہ نمازِ عشاء ہم سے پہلے کسی اُمت نے نہ پڑھی نہ کسی کو پانچوں نمازیں ملیں اور انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ظاہراً راجح یہی ہے کہ عشاء ان میں بھی بعض نے پڑھی تو اثر مذکور امام طحاوی سے اجتماع خمس کو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہمارے حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے خاص ثابت کرنا جس کا مدار اسی نفی عشاء عن سائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء پر تھا تام التقریب نہیں کہ جب ہر نماز کسی نہ کسی نبی سے ثابت تو ممکن کہ بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے کبھی یا ہمیشہ پانچوں بھی پڑھی ہوں اگرچہ کسی اُمت نے نہ پڑھیں یہاں تک کہ مغرب کی اولیت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے لئے ماننے جیسا کہ قول دوم وسوم میں آتا ہے جب بھی وہ احتمال مندفع نہیں ممکن کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے پانچوں پڑھی ہوں اور اس میں حکمت یہ ہو کہ وہ دنیا کی نظر ظاہر میں بھی صاحب صلوات خمس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہو کر زمین پر تشریف لانے والے ہیں اگرچہ حقیقۃً تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے حضور نبی الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں انہیں نبوت دی ہی اس وقت ہے جب انہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُمتی بنالیا ہے جس پر قرآن عظیم ناطق اور ہمارے رسالہ تجلی

الیقین بان نبینا سید المرسلین میں اُس کی تفصیل فائق وللہ الحمد۔

غرض یہاں دو مطلب تھے ایک یہ کہ اجتماع خمس ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا یہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں خود ارشاد اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت دوسرے یہ کہ پانچوں نمازوں کا اجتماع انبیاء میں بھی صرف ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یہ باعتماد علمائے کرام مانا جائے گا اگرچہ ہم اُس پر دلیل نہ پائیں کہ آخر کلمات علماء کا اطباق واتفاق بے چیزے نیست ہمارا دلیل نہ پانا دلیل نہ ہونے پر دلیل نہیں۔

اقول: شاید نظرِ علما اس طرف ہو کہ جب حدیث صحیح سے ثابت کہ اللہ عزوجل نے اس نعمتِ جلیلہ وفضیلتِ جلیلہ سے اس اُمتِ مرحومہ کو تمام اُمم پر تفضیل دی اور قطعاً ہمارے جس قدر فضل ہیں سب ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور صدقہ میں ہیں تو مستبعد ہے کہ ہم تو اس خصوص نعمت سے سب اُمتوں پر فضیلت پائیں اور ہمارے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے انبیا علیہم الصلاۃ والسلام پر یہ تخصیص واختصاص نہ ہو اس تقدیر پر یہی حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلالۃً اس دعوے کی بھی مثبت ہوگی۔

رہی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (ان کے کریم بیٹے پر پھر ان دونوں پر صلوٰۃ وسلام ہو) والی حدیث (کہ انہوں نے منٰی میں پانچوں نمازیں پڑھی ہیں)، تو شاید وہ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی کیونکہ اگر ثابت ہوتی تو اتنی کثرت سے علماء کے اقوال اس کے خلاف نہ ہوتے علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ خصوصیت، فرضیت کے اعتبار سے ہے (یعنی پانچ نمازیں فرض صرف رسول اللہ پر ہوئیں) ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام پر اُن میں سے جو فرض ہوں گی وہ انہوں نے بطور فرض منٰی میں پڑھی ہوں گی اور باقی اوقات میں نفل ادا کیے ہوں گے، لیکن وہ نفل چونکہ واقع انہی پانچ اوقات میں ہوئے تھے، اس لئے ان کی تعبیر نمازوں کے ناموں سے کردی گئی۔ اور اللہ ہی پوشیدہ باتوں کو بہتر جاننے والا ہے اس مقصد کی زیادہ سے زیادہ توجیہ میرے خیال میں یہی ہوسکتی ہے۔

اقول: مگر استبعاد مذکور کا جواب واضح ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ مولیٰ عزوجل بعض نعمتیں بعض انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے اگلی اُمتوں میں نبی کے سوا کسی کو نہ ملتی ہوں مگر اس امت مرحومہ کیلئے اُنہیں عام فرمادے جیسے کتاب اللہ کا حافظ ہونا کہ اُمم سابقہ میں خاصہ انبیاء علیہم الصلاۃ والثناء تھا اس اُمت کے لئے رب عزوجل نے قرآن کریم حفظ کیلئے آسان فرمادیا کہ دس دس برس کے بچے حافظ ہوتے ہیں اور ہمارے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فضل ظاہر ہے کہ اُن کی اُمت کو وہ ملا جو صرف انبیاء کو ملا کرتا تھا علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والثناء واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ ملخصاً، ج5، ص66 تا 73، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی

علامہ امین ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

کوئی شریعت اصل نماز سے خالی نہ رہی، ایک قول یہ ہے کہ نماز فجر، آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو، ظہر حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو، عصر حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو، مغرب حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اور عشا حضرت یونس علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو عطا ہوئی۔ اور اس اُمت میں ساری نمازیں جمع کر دی گئیں۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، ج 1، ص 351، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی ''بنایہ'' میں فرماتے ہیں:

ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے:

نماز فجر: جس وقت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام جنت سے تشریف لائے اُس وقت دنیا تاریک تھی مزید برآں رات کی بھی تاریکی آگئی، جب صبح چمکی دو رکعت شکرِ الٰہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ رات کی تاریکی سے نجات ملی، اور دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی آگئی۔ انہوں نے نفل پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں (تاکہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دُور ہو اور عبادت کا نور حاصل ہو)۔

نماز ظہر: یہ نماز حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ادا فرمائی جب حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ذبح کا حکم ہوا، اور یہ نماز زوال کے بعد پڑھی، پہلی رکعت اس کے شکر میں کہ بیٹے کا غم دُور ہوا، دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری رکعت اللہ کے راضی ہونے کے سبب اور چوتھی اِن کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے گردن رکھ دی۔ یہ چار رکعتیں اُن کے نفل تھیں ہم پر فرض ہوئیں۔

نماز عصر: یہ نماز یونس علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے پڑھی کہ اس وقت اللہ عزوجل نے انہیں چار ظلمتوں سے نجات دی (۱) لغزش کی ظلمت (۲) سمندر کی ظلمت (۳) مچھلی کے پیٹ کی ظلمت (۴) ظلمت شب۔

مغرب: یہ نماز عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے پڑھی (۱) پہلی رکعت اپنے سے معبود ہونے کی نفی کرنے کے لئے (۲) دوسری اپنی ماں سے معبودیت کی نفی کرنے کے لئے (۳) تیسری رکعت اللہ عزوجل کی اُلوھیت کو ثابت کرنے لئے۔

عشا: سب سے پہلے عشا مُوسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے پڑھی جب خشک مقام سے نکل کر راستہ میں داخل ہوئے (جو سمندر میں بنائے گئے) اُس وقت آپ اپنی زوجہ کے غم، اپنے بھائی ہارون علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی فکر، فرعون کے غرق ہونے کی فکر اور اپنی اولاد کے غم میں تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا اور آپ کے دشمن فرعون کو پانی میں غرق کیا اور ان تمام فکروں سے اللہ نے آپ کو نجات بخشی اور آپ کو وادی کے کنارے سے ندا کی گئی تو آپ نے چار نفل شکرانے کے پڑھے۔ اور یہ

رکعتیں ہم پر فرض ہوئی تا کہ اللہ عزوجل ہمیں شیطان کے شر سے نجات بخشے۔

(البنایہ شرح الہدایہ تعریف الصلاۃ، ج2، ص6,7، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی، اس میں چار قول ہیں:

(1) اوّل: قول امام عبید اللہ بن عائشہ کہ جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ وقتِ فجر قبول ہوئی انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں وہ نماز صبح ہوئی، اور اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ وقت ظہر آیا ابرہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار پڑھیں وہ ظہر مقرر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام سو برس کے بعد عصر کے وقت زندہ کیے گئے انہوں نے چار پڑھیں وہ عصر ہوئی۔ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ وقتِ مغرب قبول ہوئی چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھک کر تیسری پر بیٹھ گئے، مغرب کی تین ہی رہیں۔ اور عشاء سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ (شرح معانی الآثار، باب الصلوٰۃ الوسطیٰ، ج1، ص175، مطبوعہ عالم الکتب)

(2) دوم: قول امام ابوالفضل کہ سب سے پہلے فجر کو دو رکعتیں حضرت آدم، ظہر کو چار رکعتیں حضرت ابرہیم، عصر حضرت یونس، مغرب حضرت عیسیٰ، عشاء حضرت موسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی۔ ذکرہ الامام الزندوستی فی روضتہ قال سالت ابا الفضل فذکرہ (اس کو امام زندوستی نے اپنی روضہ میں ابوالفضل کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ کہا میں نے ابوالفضل سے پوچھا تو انہوں نے یہ ذکر کیا) یہ حکایت ایک لطیف کلام پر مشتمل ہے لہذا اُس کا خلاصہ لکھیں امام زندوستی فرماتے ہیں میں نے امام ابوالفضل سے پوچھا صبح کی دو رکعتیں ظہر و عصر و عشاء کی چار مغرب کی تین کیوں ہوئیں۔ فرمایا حکم۔ میں نے کہا مجھے اور بھی افادہ کیجئے۔ کہا ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے دنیا آنکھوں میں تاریک تھی اور ادھر رات کی اندھیری آئی، انہوں نے رات کہاں دیکھی تھی بہت خائف ہوئے، جب صبح چمکی دو رکعتیں شکرِ الٰہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ تاریکی شب سے نجات ملی دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی پائی انہوں نے نفل پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں کہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دُور ہو اور طاعت کا نُور حاصل۔ زوال کے بعد سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار رکعت پڑھیں جبکہ اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ اُترا ہے پہلی اس کے شکر میں کہ بیٹے کا غم دُور ہوا دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری رضائے مولیٰ سبحنہ وتعالیٰ کا شکر، چوتھی اس کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گردن رکھ دی، یہ ان کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئیں کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں قتلِ نفس پر قدرت دے جیسی اُنہیں ذبح ولد پر قدرت دی اور ہمیں بھی غم سے نجات دے اور یہود و نصاریٰ کو ہمارا فدیہ کر کے نار سے ہمیں بچالے اور ہم سے بھی راضی ہو۔

نمازِ عصر سب سے پہلے یونس علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھی کہ اس وقت مولیٰ تعالیٰ نے انہیں چار ظلمتوں سے نجات دی: ظلمتِ لغزش، ظلمتِ غم، ظلمتِ دریا، ظلمتِ شکمِ ماہی۔ یہ اُن کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئی کہ ہمیں مولیٰ تعالیٰ ظلمتِ گناہ وظلمتِ قبر وظلمتِ قیامت وظلمتِ دوزخ سے پناہ دے۔

مغرب سب سے پہلے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھی، پہلی اپنے سے نفی الوہیت، دوسری اپنی ماں سے نفی الوہیت، تیسری اللہ عزوجل کے لئے اثباتِ الوہیت کیلئے۔ یہ ان کے نفل ہم پر فرض ہُوئے کہ روزِ قیامت ہم پر حساب آسان ہو، نار سے نجات ہو، اُس بڑی گھبراہٹ سے پناہ ہو۔

سب سے پہلے عشاء مُوسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھی جب مدائن سے چل کر راستہ بھُول گئے۔ بی بی کا غم، اولاد کی فکر، بھائی پر اندیشہ، فرعون سے خوف، جب وادیٔ ایمن میں رات کے وقت مولیٰ تعالیٰ نے اِن سب فکروں سے انہیں نجات بخشی، چار نفل شکرانے کے پڑھے ہم پر فرض ہُوئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی راہ دکھائے ہمارے بھی کام بنائے ہمیں اپنے محبوبوں سے ملائے دشمنوں پر فتح دے آمین!

(3) سوم: قول بعض علماء کہ فجر آدم، ظہر ابراہیم، عصر سلیمان، مغرب عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی اور عشا خاص اس اُمت کو ملی کما تقدم عن الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ کے حوالے سے گزرا ہے)

(4) چہارم: وہ حدیث کہ امام اجل رافعی نے شرح مسند میں ذکر فرمائی کہ صبح آدم، ظہر داؤد، عصر سلیمٰن، مغرب یعقوب، عشاء یونس علیہم الصلاۃ والسلام سے ہے ذکرہ عنہ الزرقانی فی شرح المواھب والحلبی تماما فی الحلیۃ قال واورد فی ذلک خبرا (اس کو زرقانی نے شرح مواہب میں رافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور حلبی نے حلیہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، حلبی نے کہا کہ رافعی نے اس سلسلے میں ایک روایت پیش کی ہے۔)

غرض نمازِ صبح میں چاروں متفق ہیں باقی چار میں اختلاف۔

اقول: فقیر کی نظر میں ظاہراً قول اخیر کو سب پر ترجیح کہ اوّل تو وہ حدیث ہے لا اقل اثر صحابی یا تابعی سہی اقوال علمائے مابعد پر ہر طرح مقدم رہے گی خصوصاً ایسے امر میں جس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔

بل اقول عسی ان یکون ماذکر الامام ابو الفضل بمعزل عما نحن فیہ، فانہ انما ذکر التطوعات، والکلام فی المکتوبات، لا ایقاع نفل فی ھذہ الاوقات، فانہ ثابت فی جمیع الساعات فی المعالم عن جعفر بن سلیمٰن قال سمعت ثابتا یقول: کان داؤد نبی اللہ علیہ الصلاۃ والسلام قد جزأ ساعات اللیل والنھار علی اھلہ، فلم تکن تأتی ساعۃ من ساعات اللیل والنھار الا وانسان من ال داؤد قائم یصلی۔ بلکہ میں کہتا ہوں: ایسے لگتا ہے کہ

امام ابوالفضل نے جو کچھ کہا ہے وہ زیرِ بحث مسئلے سے غیر متعلق ہے کیونکہ انہوں نے نوافل کا ذکر کیا ہے جبکہ بحث فرائض سے ہو رہی ہے۔ان اوقات میں نوافل ادا کرنا بحث سے خارج ہے کیونکہ نوافل تو ان اوقات کے علاوہ بھی ہر وقت ادا کیے جاسکتے ہیں ۔معالم میں جعفر ابن سلیمٰن سے منقول ہے کہ میں نے ثابت کو کہتے سنا ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے رات اور دن کی گھڑیوں کو اپنے اہلِ خانہ پر نماز کے لئے تقسیم کر رکھا تھا تو رات اور دن کی گھڑیوں میں کوئی ایسی گھڑی نہیں ہوتی تھی جس میں آلِ داؤد کا کوئی فرد نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ (معالم التنزیل مع الخازن، زیرِ آیۃ "وقلیل من عبادی الشکور، ج5، ص285، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

معہذا اُن سب اقوال میں کہیں کہیں گرفت ضرور ہے اوّل نے صاف تصریح کی کہ عشاء انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والتسلیم میں کسی نے نہ پڑھی اور سوم کا بھی یہی مفاد کہ صدرِ کلام میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر کیا ہے اور اُمتوں سے موازنہ مقصود نہیں کماقدمنا (جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے) تو یہ اطلاق تخصیص اپنے عموم پر ہے جس طرح اشعہ وغیرہا کی عبارتوں میں تھا نہ بلحاظ امم۔اور ہم اوپر بیان کر چکے کہ یہ ظاہر دلائل کے خلاف وقول مرجوح ہے۔اول و دوم نے عصر کو عزیر و یونس علیہما الصلاۃ والسلام کی طرف نسبت کیا حالانکہ حضرت سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا عصر پڑھنا روشن ثبوت سے ثابت۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ۙ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۟﴾ ترجمہ:اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ بہت اچھا بندہ ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، جب اس کے سامنے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے اچھی چیز کی محبت نے اپنے رب کی یاد سے غافل کر دیا۔

علماء فرماتے ہیں یہ نماز نمازِ عصر تھی، جلالین میں ہے:"عن ذکر ربی ای صلاۃ العصر" ترجمہ:اپنے رب کی یاد سے مراد نمازِ عصر ہے۔ (تفسیر جلالین زیرِ آیت مذکور، ص380، مطبع مجتبائی، دہلی)

مدارک میں ہے:"غفل عن العصر و کانت فرضا فاغتم" ترجمہ:عصر سے غافل ہو گئے تھے اور وہ ان پر فرض تھی اس لئے غمزدہ ہو گئے۔ (تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک التنزیل زیرِ آیت مذکور، ج4، ص41، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

اور سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ یونس و عزیر علیہم الصلاۃ والسلام سے مقدم ہے تو اولیتِ صلاۃ عصر ان دونوں صاحبوں کیلئے کیونکر ہو سکتی ہے۔نسیم الریاض میں زیرِ حدیث "ماینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متی" (کسی کیلئے یہ کہنا روا نہیں کہ میں یونس ابن متی سے افضل ہوں) ہے:"ھو من ولد بنیامین بن یعقوب علیھم الصلاۃ والسلام، و کان بعد سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام،اھ وفیہ فی فصل حکم عقد قلب النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، یونس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، کمافی مراۃ الزمان، کان بعد سلیمٰن نبی اللہ، علیہ الصلاۃ و السلام" ترجمہ:یونس، بنیامین ابن یعقوب علیہم السلام

کی اولاد میں سے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے بعد تھے، اھ۔ نسیم الریاض ہی کی اس فصل میں، جس کا عنوان ہے حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مرأۃ الزمان کے حوالے سے مذکور ہے کہ یونس علیہ السلام اللہ کے نبی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تھے۔

(نسیم الریاض شرح الشفاء، فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج4، ص23، مطبوعہ دار الفکر، بیروت لبنان)

یہ تو یونس علیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت تصریح تھی اور حضرت عزیر کا سیدنا سلیمان علیہما الصلاۃ والسلام کے بعد ہونا خود ظاہر کہ اُن کا واقعہ موت وحیات کہ قرآن عظیم میں مذکور بعد اس کے ہوا کہ بخت نصر بیت المقدس کو ویران کر گیا تھا اور احادیث سے ثابت کہ بیت المقدس کی بناء داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے شروع اور سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے ختم فرمائی تو سلیمان وعزیر علیہما الصلاۃ والسلام میں صدہا سال کا فاصلہ تھا، معالم التنزیل میں ہے: ''قال الذی قال ان المار کان عزیرا: ان بختنصر لما خرب بیت المقدس واقدم سبی بنی اسرائیل ببابل، کان فیھم عزیر ودانیال وسبعۃ الاف من اھل بیت داؤد علیھم الصلاۃ والسلام، فلما نجا عزیر من بابل ارتحل علی حمار لہ الخ'' ترجمہ: جس نے کہا ہے کہ گزرنے والے عزیر علیہ السلام تھے، اس نے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو برباد کردیا اور بنی اسرائیل کو قید کرکے بابل لے آیا تو ان میں عزیر اور دانیال کے علاوہ داؤد علیہ السلام کے خاندان سے تعلق رکھنے والے سات ہزار افراد بھی تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے عزیر کو نجات دی اور وہ اپنے گدھے پر سوار ہوکر سفر کے لئے نکلے۔

(تفسیر معالم التنزیل، زیر آیت او کالذی مر علی قریۃ، ج1، ص277، مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

اُسی میں ہے: ''یعملون لہ مایشاء من محاریب کان مما عملوا لہ بیت المقدس، ابتدأہ داؤد علیہ الصلوۃ والسلام، فلما توفاہ اللہ تعالی استخلف سلیمٰن علیہ الصلوۃ والسلام، فبنی المسجد بالرخام والجواھر واللالیٔ والیواقیت، فلم یزل بیت المقدس علی مابناہ سلیمٰن علیہ الصلوۃ والسلام، حتی غزاہ بخت نصر، فخرب المدینۃ ونقض المسجد اھ ملتقطا'' ترجمہ: (بناتے تھے اس کے لئے جو وہ چاہتا تھا یعنی محراب وغیرہ) جنوں نے جو کچھ ان کے لئے بنایا ان میں ایک بیت المقدس بھی تھی جس کی ابتداء داؤد علیہ السلام نے کی تھی، ان کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے تو انہوں نے مسجد کو سنگ مرمر، ہیروں موتیوں، اور یاقوتوں سے بنوایا، یہ مسجد مدتوں اسی طرح برقرار رہی جس طرح سلیمان علیہ السلام نے بنوائی تھی تا آنکہ بخت نصر اس پر حملہ آور ہوا، اس نے شہر برباد کردیا اور مسجد گرادی۔

(معالم التنزیل مع الخازن، آیت یعملون لہ مایشاء الخ کے تحت، ص284,285، مصطفی البابی مصر)

بخلاف قول چہارم کہ اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں تو ظاہراً وہی مرجح وقرین قیاس اور حقیقتِ حال کا علم مولی سبحنہ کے پاس واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص67 تا 73، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

معراج سے پہلے کتنی نمازیں فرض تھیں

ایک قول یہ ہے کہ معراج سے پہلے دو نمازیں فرض تھیں ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ صرف ایک رات کی نماز فرض تھی اور دوسرا قول اصح ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پیش از اسراء دو وقت یعنی قبل طلوع شمس وقبلِ غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیام لیل کی فرضیت باقی پر کوئی دلیل صریح قائم نہیں۔ (فتاوی رضویہ،ج5،ص76،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

درمختار میں ہے: "الصلاة فرضت في الاسراء، وكانت قبله صلاتين، قبل طلوع الشمس وقبل غروبها، شمنى" ترجمہ: نماز معراج میں فرض ہوئی تھی، اس سے پہلے صرف دو نمازیں تھیں، ایک طلوع سے پہلے دوسری غروب سے پہلے۔ (درمختار، کتاب الصلوٰۃ، ج1، ص58، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

مواہب اللدنیہ میں ہے: "قال مقاتل: كانت الصلاة اول فرضها ركعتين بالغداوة و ركعتين بالعشي، لقوله تعالى وسبح بحمد ربك بالعشي والابكار۔ قال في فتح الباري: كان صلى الله تعالى عليه وسلم قبل الاسراء يصلي قطعاً، وكذلك اصحابه؛ ولكن اختلف هل افترض قبل الخمس شيء من الصلاة ام لا؟ فقيل ان الفرض كان صلاة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها والحجة فيه قوله تعالى و سبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها انتهى، قال النووي اوّل ماوجب الانذار والدعاء الى التوحيد، ثم فرض الله تعالى من قيام الليل ماذكره في اول سورة المزمل ثم نسخه بمافي آخرها ثم نسخه بايجاب الخ بايجاب الصلوٰة والخمس ليلة الاسراء بمكة، اه مافي المواهب" ترجمہ: مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی صرف دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو فرض تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ﴾ ترجمہ: اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور سویرے۔ فتح الباری میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے نماز تو یقیناً پڑھتے تھے اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے کوئی نماز فرض بھی تھی یا نہیں! تو کہا گیا ہے کہ ایک نماز طلوع سے اور ایک غروب سے پہلے فرض تھی اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ ترجمہ: اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ شمس سے پہلے اور غروبِ شمس سے پہلے۔

اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ڈرسنانا اور توحید کی طرف بلانا فرض کیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے قیام لیل فرض کردیا جس کا سورہ مزمل کی ابتداء میں ذکر ہے پھر اس کو منسوخ کردیا اس حکم سے جو سورہ مزمل کے آخر میں ہے، پھر اس کو بھی منسوخ کردیا اور اس کے بجائے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ نمازیں فرض کردیں۔ مواہب کی عبارت ختم ہوئی۔

(المواھب اللدنیہ، المقصد الاول، اول امر الصلوۃ، ج، ص، ج1، ص211،212، المکتب الاسلامی، بیروت)

مواہب کی شرح میں علامہ زرقانی نے نویں مقصد میں لکھا ہے: "ذهب جماعة الى انه لم تكن قبل الاسراء صلاة مفروضة الا ماوقع الامر به من صلاة الليل بلا تحديد، وذهب الحربى الى ان الصلاة كانت مفروضة ركعتين بالغداة و ركعتين بالعشى، و رده جماعة من اهل العلم، اه " ترجمہ: ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہیں تھی، صرف رات کو نماز پڑھنے کا حکم تھا مگر اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی۔ اور حربی کی رائے یہ ہے کہ نماز معراج سے پہلے بھی فرض تھی۔ دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو۔ لیکن حربی کی رائے کو اہل علم کی ایک جماعت نے رَد کیا ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواھب، المقصد التاسع فی عبادتہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج7، ص323، مطبعۃ عامرہ، مصر)

اور مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی کے پانچویں مقصد میں جو کہ معراج کے بیان میں ہے جہاں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باقی انبیاء کو نماز پڑھانا مذکور ہے، وہاں لکھا ہے: "(قد اختلف فى هذه الصلاة) هل هى الشرعية المعروفة او اللغوية؟ وصوّب الاول لان النص يحمل على حقيقة الشرعية، مالم يتعذر وعلى هذا اختلف (هل هى فرض) و يدل عليه كما قال النعمانى حديث انس عند ابى حاتم المتقدم قريبا للمصنّف (او نفل؟ و اذا قلنا انها فرض، فاى صلاة هى؟ قال بعضهم الاقرب انها الصبح، ويحتمل ان تكون العشاء) والاحتمالان، كما قال الشامى، ليسا بشئ سواء قلنا صلى بهم قبل العروج اوبعده لان اول صلاة صلاها النبى صلى الله تعالى عليه وسلم من الخمس مطلقا، الظهر بمكة باتفاق ومن حمل الاولية على مكة فعليه الدليل قال: والذى يظهر انها كانت من النفل المطلق، او كانت من الصلاة المفروضة عليه صلى الله تعالى عليه وسلم قبل ليلة الاسراء وفى فتاوى النووى مايؤيد الثانى، اه باختصار " ترجمہ: (اس نماز میں اختلاف پایا جاتا ہے) کہ آیا اس کی مشروعیت وہی معروف مشروعیت ہے یا لغوی مشروعیت مراد ہے؟ پہلا قول درست قرار دیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک ممکن ہو نص کو اپنی شرعی حقیقت پر حمل کیا جاتا ہے۔ مشروعیت معروفہ مراد لینے کے بعد اس میں اختلاف ہے (کہ کیا یہ فرض ہے) اور جیسا کہ نعمانی نے کہا ہے اس پر انس کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ابن ابی حاتم کے ہاں پائی جاتی ہے اور تھوڑا سا پہلے مصنف نے بھی ذکر کی ہے (یا نفل ہے؟ اگر ہم کہیں کہ فرض ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نماز ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ اقرب یہ ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے اور

یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عشاء کی نماز ہو) اور دونوں احتمال جیسا کہ شامی نے کہا ہے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، خواہ ہم یہ کہیں کہ یہ نماز آسمانوں پر جانے سے پہلے پڑھائی تھی یا بعد میں، کیونکہ پانچ نمازوں میں مطلقاً پہلی نماز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی وہ بالاتفاق ظہر کی نماز تھی جو آپ نے مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی تھی۔ اور جو شخص اس روایت کو مکّہ کے ساتھ مختص کرے تو اس پر دلیل لازم ہے۔ شامی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی نفلی نماز تھی یا ان نمازوں میں سے تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر شب معراج سے پہلے فرض تھیں اور فتاوی نووی سے دوسری شق کی تائید ہوتی ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الخامس فی المعراج والاسراء، ج6، ص63، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر)

صبح وشام کی نمازوں کی فرضیت کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(1) اللہ کے اس فرمان ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ (تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے) (سورۃ طٰہٰ، آیت 130) سے صبح وشام کی نمازوں کی فرضیت پر استدلال محل نظر ہے۔

کیونکہ مکمل آیت اس طرح ہے: ﴿وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی﴾ ترجمہ: اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کہو اور دن کے اطراف میں بھی تا کہ تم راضی ہو جاؤ۔ (سورۃ طٰہٰ، آیت 130)

اب اگر ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ میں تسبیح سے مراد نماز لی جائے اور امر کو وجوب کے لئے قرار دیا جائے تو آیت کا آخری حصہ دو سے زیادہ نمازوں کے فرض ہونے پر دلالت کرے گا۔

اس کا یہ جواب تو دیا جاسکتا ہے کہ دو میں حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ رات کی نماز بھی بالیقین پہلے سے فرض تھی، لیکن اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "اور دن کے اطراف میں " بغیر کسی مفہوم کے رہ جاتا ہے کیونکہ اگر اس سے مراد طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے والی دو نمازیں لی جائیں تو تکرار لازم آئے گی (کیونکہ ان کا ذکر آیت کی ابتداء میں ہو چکا ہے)۔

(2) رہا مقاتل کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے: ﴿وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ "اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور صبح سویرے"۔ تو میں کہتا ہوں کہ بہت ضعیف ہے اور بہت ہی ضعیف ہے، بلکہ سرے سے بیکار ہے، کیونکہ یہ آیت سورہ حم مومن کی ہے اور اس کا نزول سورہ بنی اسرائیل سے، جس میں معراج کا ذکر ہے، طویل زمانے کے بعد ہوا ہے۔ چنانچہ ابن ضریس نے فضائل قرآن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سُورتیں نازل ہونے کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ "قرآن میں سب سے پہلے سورہ "اِقْـرَاْ بِـاسْمِ رَبِّكَ" نازل ہوئی، پھر "نٓ"۔

ابن ضریس نے یہ روایت پوری بیان کی ہے یہاں تک کہ کہا: پھر "بنی اسرائیل"، پھر "یونس"، پھر "ہود"، پھر "یوسف"، پھر "حجر"، پھر "انعام"، پھر "صٰفّٰت"، پھر "لقمان"، پھر "سبا"، پھر "زمر"، پھر "حم مومن" آخر تک۔

تو پھر "حم مومن" کی آیت سے کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی نماز فرض تھی جبکہ اس وقت تک یہ سورۃ نازل ہی نہیں ہوئی تھی، اسی لئے ترجمان القرآن رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر پانچ نمازوں سے کی ہے۔ جیسا کہ معالم میں ہے۔ (معالم التنزیل مع تفسیر الخازن، زیر آیت فلولا انہ کان من المسبحین، ج6، ص98، مصطفیٰ البابی، مصر)

(3) اور کبھی استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث سے جو ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ معراج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس میں آنے کے بارے میں روایت کی ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لم البث الا یسیرا حتی اجتمع ناس کثیر، ثم اذن مؤذن واقیمت الصلاۃ "قال:فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام بیدی فقدّمَنی فصلیت بھم، فلما انصرفت، قال لی جبریل:اتدری من صلی خلفك؟ قلت:لا، قال:صلی خلفك كل نبی بعثه الله)) ترجمہ: ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب صفیں باندھ کر اس انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ ہمارا امام کون بنتا ہے، تو جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کردیا، چنانچہ میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں نے سلام پھیرا تو جبریل نے مجھ سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں جبریل نے کہا آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ یہی وہ حدیث ہے جس کی طرف زرقانی کے کلام میں نعمانی کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الخامس فی المعراج والاسراء، ج6، ص62، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ، مصر)

میں کہتا ہوں کہ شاید دلیل پیش کرنے والے کا مطمح نظر یہ ہو کہ اس نماز میں اذان واقامت ہوئی تھی اور یہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں، لیکن اس پر اعتراض ظاہر ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ معروف اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہُوئی تھی، جبکہ معراج ہجرت سے پہلے ہُوئی تھی۔ اسی لئے زرقانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "ایک مؤذن نے اذان کہی" کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اس نے نماز کے لئے طلب کیے جانے سے ان کو آگاہ کیا، "اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس کیلئے تیار ہوگئے اور اس میں شروع ہوگئے، اس لئے یہ اعتراض نہیں پیدا ہوگا کہ اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہوئی تھیں اور معراج مکّہ میں ہُوئی تھی۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الخامس فی المعراج والاسراء، ج6، ص57، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر)

ثانیاً اس لئے کہ اذان واقامت کا فرائض کے ساتھ مخصوص ہونا تو اُمت کیلئے ان کے مشروع ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے۔ مشروعیت سے پہلے تخصیص پر کون سی دلیل ہے؟

ثالثاً، اور یہ اعتراض استدلال کی جڑ کاٹنے والا ہے کہ معراج رات کو ہوئی تھی اور یہ ہم جان چکے ہیں کہ رات کی نماز، پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے بھی فرض تھی، تو کیا پتا، ہوسکتا ہے یہ وہی رات کی نماز ہو! اسی سے اس کا جواب بھی ظاہر ہو جاتا ہے جس کو ہوسکتا ہے کوئی مستدل بطور دلیل پیش کرے یعنی مسلم کی وہ روایت جو ابو ہریرہ سے حدیثِ معراج میں مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ((وحانت الصلاۃ فاممتھم)) ترجمہ: اور نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے انہیں نماز پڑھائی۔

(صحیح مسلم، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج 1، ص 96، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تاہم اس قدر یقیناً معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمازیں پڑھتے۔ نمازِ شب کی فرضیت تو خود سورہ مزمل شریف سے ثابت اور اُس کے سوا اور اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد عام ازینکہ فرض ہو یا نفل۔

حدیث میں ہے: ((کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوات الخمس یصلون الضحٰی والعصر فکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ اذا صلوا أخر النھار، تفرقوا فی الشعاب فصلوھا فرادی)) ترجمہ: فرضیت پنجگانہ سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر پڑھا کرتے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام جب آخر النہار کی نماز پڑھتے گھاٹیوں میں متفرق ہو کر تنہا پڑھتے۔ اس کو ابن سعد وغیرہ نے عزیزہ بنت تجراۃ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ یہ بات اصابہ میں عزیزہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں مذکور ہے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ترجمہ عزیزہ بنت ابی تجراۃ، ج 4، ص 364، مطبوعہ دار صادر، بیروت لبنان)

احادیث اس باب میں بکثرت ہیں اور ان کی جمع وتلفیق کی حاجت نہیں بلکہ نماز شروع روز شریفہ سے مقرر ومشروع ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اوّل بار جس وقت وحی اُتری اور نبوتِ کریمہ ظاہر ہوئی اُسی وقت حضور نے بہ تعلیم جبریلِ امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نماز پڑھی اور اُسی دن بہ تعلیمِ اقدس حضرت اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پڑھی، دُوسرے دن امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الاسنی نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورہ مزمل نازل بھی نہ ہوئی تھی تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔ مسند احمد بن حنبل، سنن ابن ماجہ اور مسند حارث وغیرہا میں ہے، حضرت زید بن حارثہ سے روایت ہے: ((ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فی اول ما اوحی الیہ فاراہ الوضوء والصلاۃ فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفۃ من ماء فنضح بھا فرجہ)) ترجمہ: وحی کے آغاز میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو وضو اور نماز

کا طریقہ بتایا، جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلّو بھر پانی لیا اور اپنے فرج پر چھڑکا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج 4، ص 161، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

سیرت ابنِ اسحٰق، سیرت ابنِ ہشام، مواہب لدنیہ کے کتاب الخمس، ابن حجر مکی کی افضل القریٰ لقراء ام القریٰ، سید ابو السعو دازہری کے حاشیہ کنز، سید احمد طحطاوی کے حاشیہ درمختار میں مذکور ہے اور الفاظ قسطلانی کے ہیں جن میں اس کی شرح زرقانی سے اضافہ کیا گیا ہے: "(قد روی) مرّضه لان له طرقا لا تخلو من مقال؛ لكنها متعددة يحصل باجتماعها القوة (ان جبريل بدا له صلی اللہ تعالی علیه وسلم)وهو باعلى مكة، كماعند ابن اسحق، اى بجبل الحراء، كما فى الخميس (فى احسن صورة و اطيب رائحة فقال:يامحمد!ان اللّٰه يقرئك السلام ويقول لك: انت رسولى الى الجن والانس فادعهم الى قول لااله الااللّٰه، ثم ضرب برجله الارض فنبعت عين ماء فتوضأ منها جبريل) زاد ابن اسحق، ورسول اللّٰه ينظر اليه، ليريه كيف الطهور الى الصلاة (ثم امره ان يتوضأ، وقام جبريل يصلى، وامره ان يصلى معه) زاد فى رواية ابى نعيم عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها، فصلى ركعتين نحوا الكعبة (فعلمه الوضوء والصلاة، ثم عرج الى السماء ورجع رسول اللّٰه صلی اللہ تعالی علیه وسلم، لايمر بحجر ولا مدر ولا شجر الا وهو يقول:السلام عليك يارسول اللّٰه!حتى اتى خديجة، فاخبرها فغشى عليها من الفرح، ثم امرها فتوضأت، وصلى بها كماصلى به جبرئيل) زاد فى رواية، وكانت اول من صلى (فكان ذلك اول فرضها)اى تقديرها (ركعتين) "ترجمہ: (روایت کی گئی ہے) بصیغہ مجہول اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے جتنے طریقے بھی ہیں وہ اعتراض سے خالی نہیں ہیں، لیکن چونکہ متعدد ہیں اس لئے ان کے اجتماع سے قوت حاصل ہوجاتی ہے (کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے) جبکہ آپ مکہ کے بالائی حصہ میں تھے جیسا کہ سیرت ابن اسحٰق میں ہے، یعنی کوہِ حرا پر تھے جیسا کہ خمیس میں ہے (اچھی صورۃ اور عمدہ خوشبو میں اور کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ انسانوں اور جنوں کی طرف میرے رسول ہیں اس لئے انہیں دعوت دیں کہ وہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہیں۔ پھر جبریل نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور جبریل نے اس سے وضو کیا) ابن اسحٰق نے اضافہ کیا ہے کہ "اور رسول اللہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے تاکہ رسول اللہ کو نماز کیلئے طہارت کا طریقہ بتائے (پھر آپ سے کہا کہ آپ بھی وضو کریں۔ پھر جبریل نماز پڑھنے لگے اور رسول اللہ کو کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ پڑھیں) ابونعیم نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جبریل نے قبلہ رُخ ہوکر دو رکعتیں پڑھیں (چنانچہ وضو اور نماز سکھانے کے بعد جبریل تو آسمان پر چلے گئے اور رسول اللہ گھر کی طرف واپس

ہوئے تو راستے میں جس پتھر، ڈھیلے یا درخت کے پاس سے آپ گزرتے وہ کہتا "السلام علیک یا رسول اللہ"۔ یہاں تک کہ آپ خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا تو انہیں فرطِ مسرت سے غشی آ گئی پھر رسول اللہ نے انہیں بھی وضو کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ نے اُن کو بھی اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے آپ کو پڑھائی تھی) ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ خدیجہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والی ہیں (تو یہ نماز کی پہلی فرضیت تھی) یعنی اس کا اندازہ تھا (دو رکعتیں)۔

(شرح الزرقانی و مواہب اللدنیہ، المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ج1، ص273، مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ، مصر)

امام طبرانی نے حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا: ((صلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اول یوم الاثنین، وصلت خدیجة آخرہ وصلی علی یوم الثلثاء)) ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کے ابتدائی حصّے میں پہلی نماز پڑھی، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سوموار کے آخری حصے میں اور علی رضی اللہ عنہ نے منگل کے دن۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، عن عبید اللہ ابن ابی رافع، ج1، ص320، مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت ☆ فتاوی رضویہ تلخیصاً و تسہیلاً، ج5، ص76 تا 85، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

معراج سے پہلے نماز کس طرح پڑھتے تھے

معراج کے بعد جس طرح نماز کا طریقہ ہے معراج سے پہلے بھی بالکل اسی طرح تھا۔ فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت نے اس پر تفصیلاً کلام کیا ہے اس میں سے خلاصۃً کچھ درج ذیل ہے:

بالجملہ یہ سوال ضرور متوجہ ہے کہ معراج سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، اقول (میں کہتا ہوں): ملاحظہ آیات و احادیث سے ظاہر کہ وہ نماز اسی انداز کی تھی:

(1) اُس میں طہارتِ ثوب بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ سوۂ مدثر میں فرماتا ہے: ﴿وَ ثِیَابَکَ فَطَهِّرْ﴾ ترجمہ: اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔

(2) وضو بھی تھا۔ جیسا کہ ابھی گزرا مسند احمد بن حنبل، سنن ابن ماجہ اور مسند حارث وغیرہا میں ہے، حضرت زید بن حارثہ سے روایت ہے: ((ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فی اول ما اوحی الیہ فاراہ الوضوء والصلاۃ فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفة من ماء فنضح بھا فرجه)) ترجمہ: وحی کے آغاز میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا، جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلّو بھر پانی لیا اور اپنے فرج پر چھڑکا۔

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج4، ص161، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

(3) استقبالِ قبلہ بھی تھا۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری ہے کہ جبریل علیہ السلام نے قبلہ

رخ ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔

اور ابنِ اسحٰق نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے کہ حدیث بیان کی مجھ سے عبداللہ ابن نجیح مکی نے اپنے ساتھیوں عطا اور مجاہد سے اور کچھ لوگوں سے جنہوں نے یہ روایت بیان کی ہے۔اس کے بعد ابن اسحٰق نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اس میں ہے:((فجعلت امشي رويدا ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قائم يصلي يقرؤ القرآن حتى قمت في قبلته مستقبله مابيني وبينه الاثياب الكعبة قال:فلما سمعت القرآن رق له قلبي)) ترجمہ:(حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں آہستہ آہستہ چلتا جارہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کی تلاوت کر رہے تھے یہاں تک کہ میں آپ کے سامنے آپ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو گیا، میرے اور آپ کے درمیان کعبے کے غلاف کے سوا کوئی حائل نہیں تھا۔عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن سُنا تو میرا دل اس کے لئے نرم ہو گیا۔

(4) تکبیر تحریمہ بھی تھی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ o﴾ ترجمہ:اور اپنے رب کی تکبیر کہو۔

(سورہ مدثر،آیت3)

اور اللہ تعالیٰ نے سورہ اعلیٰ میں، جو پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے، کہا ہے:﴿ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى o﴾ ترجمہ:اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو پھر نماز پڑھی۔

(سورۃ الاعلیٰ،آیت15)

(5) قیام بھی تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّيْلَ﴾ ترجمہ کنز الایمان:اے جھرمٹ مارنے والے! رات کو قیام فرما۔

(سورہ مزمل،آیت1,2)

مزید فرماتا ہے:﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ﴾ ترجمہ کنز الایمان:بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی۔

(سورہ مزمل،آیت20)

(6) قرأت بھی تھی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ترجمہ:پس پڑھو جتنا قرآن میسر ہو سکے۔

(سورہ مزمل،آیت20)

اور مقاتل کا جو قول پہلے گزرا ہے کہ "دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں رات کی فرض تھیں" اس کے تحت زرقانی نے کہا ہے:"يحتمل انه كان يقرؤ فيهما بما اتاه من سورة اقرء، حتى نزلت الفاتحة" ترجمہ:ممکن ہے کہ نزولِ فاتحہ سے پہلے رسول اللہ ان رکعتوں میں سورۃ اقرأ کی وہ آیات پڑھتے ہوں جو نازل ہو چکی تھیں۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ لہ علیہ الصلوۃ والسلام، ج1، ص274، المطبعۃ العامرۃ مصر)

(7) رکوع بھی تھا۔ علی خلف فیہ، کما سیاتی، وقد تظافرت الاحادیث الحاکیۃ عما قبل الاسراء بصلاۃ رکعات او رکعتین، منھا ما تقدم انفا من حدیث ابی نعیم فصلی رکعتین، ومن حدیث غیرہ فکان ذلک اول فرضھا رکعتین، وانما سمیت رکعۃ للرکوع. ترجمہ: مگر اس میں اختلاف ہے جو عنقریب آ رہا ہے۔ اور بکثرت احادیث معراج سے پہلے رکعات یا دو رکعتوں کا بیان کرتی ہیں، ان میں سے ایک تو وہی ہے جو ابھی ابونعیم کے حوالے سے گزری تھی کہ نماز پڑھی دو رکعتیں۔ اور ابونعیم کے علاوہ ایک دوسرے محدث کی روایت کہ ابتدا میں صرف دو رکعتیں فرض تھیں. اور رکعت کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس میں رکوع پایا جاتا ہے۔

(8) سجود بھی تھا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں ابوجہل اور دیگر کفار لعنھم اللہ کی ایذا رسانی کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو کفار نے اُن کے سجدے پر نگاہ رکھی اور آپ پر وہ کچھ ڈال دیا (یعنی اوجھڑی وغیرہ) جس کے بدلے میں بدر کے کنویں میں ملعون کر کے پھینک دیئے گئے۔ اور یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معروف ہے اور اس میں ہے کہ: ((یجیء بہ ثم یمھلہ حتی اذا سجد وضع بین کتفیہ قال: فانبعث اشقاھم فلما سجد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضعہ بین کتفیہ وثبت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ساجدا)) کوئی جا کر اوجھڑی لائے پھر محمد کو اتنی مہلت دو کہ وہ سجدے میں چلا جائے، اس وقت اس کے شانوں کے درمیان اوجھڑی رکھ دے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں سے جو بہت بدبخت تھا وہ اس کام کیلئے تیار ہو گیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑی آپ کے شانوں کے درمیان رکھ دیں اور آپ سجدے میں پڑے رہے، الخ۔

(صحیح البخاری، باب المرأۃ تطرح علی المصلی شیئا من الاذی، ج1، ص74، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور اللہ تعالٰی نے سورۃ اقرأ میں فرمایا ہے: ﴿ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ ﴾ اور سجدہ کرو اور قُرب حاصل کرو۔

(9) جماعت بھی تھی۔ جیسا کہ بعثت والی حدیث گزری ہے اور اس کے الفاظ ابنِ اسحٰق کے ہاں اس طرح ہیں: ((ثم قام بہ جبرئیل فصلی بہ وصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بصلاتہ (الی ان قال فی خدیجۃ) صلی بھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما صلی بہ جبرئیل فصلت بصلاتہ)) پھر جبریل آپ کے ساتھ کھڑے ہُوئے اور آپ کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ نے جبریل کی نماز کے مطابق نماز پڑھی (یہاں تک کہ حضرت خدیجہ کے بارے میں کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے رسول اللہ کو پڑھائی تھی چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق نماز پڑھی۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ﴾ ترجمہ: اور ایک جماعت ان لوگوں کی جو تمہارے ساتھ ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے جس میں ابتداءِ وحی کے دوران رسول اللہ کے پاس جنات کے آنے کا ذکر ہے۔ اس میں ہے: ((انھم اتوہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یصلی باصحابہ صلاۃ الفجر)) ترجمہ: جب جنات آپ کے پاس آئے اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری، ابواب صفۃ الصلوٰۃ، ج1، ص123، رقم 732، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ زرقانی نے کہا: "المراد بالفجر الرکعتان اللتان کان یصلیھا قبل طلوع الشمس الخ" ترجمہ: فجر کی نماز سے مراد وہ دو رکعتیں ہیں جو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد الاول، ذکر الجن، ج1، ص349، مطبوعہ المطبعۃ الازھریۃ مصر)

(10) جن بھی تھا۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ کہو وحی کی گئی ہے میری جانب کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر سُنا تو کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور جنات نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ قرأت نمازِ فجر میں سُنی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور ابن اسحق کی روایت بھی گزر چکی ہے جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ہے۔ اور ابن اسحاق نے اپنے مسند میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں: ﴿خرجت اتعرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل ان اسلم، فوجدتہ قدسبقنی الی المسجد، فقمت خلفہ فاستفتح سورۃ الحاقۃ فجعلتُ اتعجّب من تألیف القرآن، فقلت ھو شاعر کما قالت قریش، فقرأ انہ لقول رسول کریم ٥ وماھو بقول شاعر قلیلا ماتؤمنون ٥ فقلت: کاھن، علم ما فی نفسی، فقرأ ولابقول کاھن قلیلا ماتذکرون ٥ الی آخر السورۃ فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع﴾ ترجمہ: اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ کا سامنا کرنے کے لئے گھر سے نکلا تو آپ اُس وقت مسجد کو جا چکے تھے میں جا کر ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا، انہوں نے سورۃ الحاقہ شروع کی تو میں قرآن کی تالیف وترتیب پر حیران رہ گیا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ٥ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ٥﴾ بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں کتنا کم یقین رکھتے ہو۔

(سورۃ الحاقۃ، آیت 40,41)

میں نے سوچا کہ یہ کاہن ہے کہ اس کو میرے دل کی بات معلوم ہو گئی، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ٥﴾ اور نہ کسی کاہن کی بات کتنا کم دھیان کرتے ہو۔ سورت کے آخر تک۔

چنانچہ اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر گیا۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، مقصد اول اسلام عمر فاروق، ج 1، ص 322، مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ، مصر)

اقول: لکن ذکر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی حدیثہ المذکور نزول الحاقۃ بعد بنی اسرائیل بسبع وعشرین سورۃ، وجعلھا من اواخر ما نزل بمکۃ، ولا یظھر الجمع بان بعضھا نزل قدیما فسمعہ عمر قبل ان یسلم وتأخر نزول الباقی، واعتبر ابن عباس بالاکثر، فان امیر المؤمنین یقول فی ھذا الحدیث، ان صح: فاستفتح سورۃ الحاقۃ، ویذکر الآیات من اواخرھا، ثم یقول الی اخر السورۃ، فاللہ تعالی اعلم۔ میں کہتا ہوں: لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے اپنی مذکورہ روایت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ الحاقہ کا نزول اس وقت ہوا جب سورۂ بنی اسرائیل کے بعد ستائیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں اور حضرت ابن عباس نے الحاقہ کو ان سورتوں میں شمار کیا ہے جو مکّہ کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں (پھر حضرت عمر نے الحاقہ کی آیات اسلام لانے سے پہلے کس طرح سُن لی تھیں، جبکہ وہ نبوت کے چھٹے سال میں ایمان لائے تھے اور اس وقت یہ سورت نازل ہی نہیں ہوئی تھی) اور یہ تطبیق کرنا غیر ظاہر ہے کہ ہوسکتا ہے اس کا کچھ حصّہ پہلے نازل ہوا ہو اور حضرت عمر نے اس کو سُن لیا ہو اور باقیماندہ زیادہ تر حصّہ بعد میں نازل ہوا ہو اور حضرت ابن عباس نے اکثر باقیماندہ حصے کے نزول کو ملحوظ رکھا ہو۔ غیر ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر (اسلام عمر والی) یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "پس شروع کی رسول اللہ نے سورۃ الحاقہ، پھر سورۃ کے آخری حصّے کی چند آیات ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "سورت کے آخر تک" (یعنی اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سورت شروع سے آخر تک اس وقت نازل ہوچکی تھی پھر مندرجہ بالا تطبیق کیسے ظاہر ہوسکتی ہے؟) واللہ تعالیٰ اعلم۔

بل قال مجاھد فی قولہ تعالی فاصدع بما تؤمر ھو الجھر بالقران حکاہ فی المواھب من المقصد الاول، قال: قالوا وکان ذلک بعد ثلث سنین من النبوۃ۔

بلکہ مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ (اے نبی!) جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اس کا اعلان کرو۔" اس سے مراد قرآن کو جہراً پڑھنا ہے۔ یہ بات مواہب کے مقصدِ اول میں مذکور ہے۔ صاحبِ مواہب نے کہا: کہتے ہیں کہ یہ آیت نبوت کے تین سال گزرنے کے بعد نازل ہوئی"۔ (المواہب اللدنیہ، الجہر بالدعوۃ، ج 1، ص 222، المکتب الاسلامی، بیروت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے نمازِ سابق اصول وارکان میں اسی نمازِ مستقر کے موافق نظر آتی ہے بلکہ حدیث مذکور بلفظ مواہب میں بعد فکان ذلک اول فرضھا رکعتین (ابتدا میں نماز کی دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں۔) کے فرمایا: "ثم ان اللہ تعالی اقرھا فی السفر کذلک واتمھا فی الحضر" ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے سفر میں دو رکعتیں برقرار رکھیں اور حضر میں (چار

)مکمل کردیں۔ (المواہب اللدنیہ، اول امر الصلوۃ، ج1، ص287، المکتب الاسلامی بیروت)

شرح زرقانی میں ہے: ''اقرھا ای شرعھا علی ھیأۃ ما کان یصلیھا قبل '' ترجمہ: "برقرار رکھیں" کا مطلب یہ ہے کہ ان دو رکعتوں کو اسی طرح مشروع قرار دے دیا جس طرح آپ پہلے سے پڑھتے تھے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب، مراتب الوحی، ج1، ص273، مطبوعہ المطبعۃ العامرہ، مصر)

اس سے ظاہر یہ کہ پیش از معراج دو رکعتیں اسی طرح کی تھیں جیسی اب ہیں۔ مگر بعض علماء فرماتے ہیں معراج سے پہلے رکوع اصلاً نہ تھا نہ اس شریعت میں نہ اگلے شرائع میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اُن کی اُمتِ مرحومہ کے خصائص سے ہے کہ بعد اسراء عطا ہوا بلکہ معراج مبارک کی صبح کو جو پہلی نماز ظہر پڑھی گئی اُس تک رکوع نہ تھا اُس کے بعد عصر میں اُس کا حکم آیا اور حضور وصحابہ نے ادا فرمایا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (فتاوی رضویہ ملخصا، ج5، ص85 تا 91، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے بعد امام اہلسنت نے معراج سے پہلے رکوع نہ ہونے کا اختلاف تفصیلاً ذکر کیا۔

باب نمبر 112

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اوقاتِ نماز کے بارے میں

149- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الحَارِثِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمٍ وَهُوَ ابْنُ عَبَّادٍ قَالَ :أَخْبَرَنِي نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، قَالَ :أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :أَمَّنِي جِبْرِيلُ عِنْدَ البَيْتِ مَرَّتَيْنِ، فَصَلَّى الظُّهْرَ فِي الأُولَى مِنْهُمَا حِينَ كَانَ الفَيْءُ مِثْلَ الشِّرَاكِ، ثُمَّ صَلَّى العَصْرَ حِينَ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهِ، ثُمَّ صَلَّى المَغْرِبَ حِينَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ وَأَفْطَرَ الصَّائِمُ، ثُمَّ صَلَّى العِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ صَلَّى الفَجْرَ حِينَ بَرَقَ الفَجْرُ، وَحَرُمَ الطَّعَامُ عَلَى الصَّائِمِ، وَصَلَّى المَرَّةَ الثَّانِيَةَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ لِوَقْتِ العَصْرِ بِالأَمْسِ، ثُمَّ صَلَّى العَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ، ثُمَّ صَلَّى المَغْرِبَ لِوَقْتِهِ الأَوَّلِ، ثُمَّ صَلَّى العِشَاءَ الآخِرَةَ حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ حِينَ أَسْفَرَتِ الأَرْضُ، ثُمَّ التَفَتَ إِلَيَّ جِبْرِيلُ، فَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ، هَذَا وَقْتُ

حدیث: حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیت اللہ کے پاس جبرئیل علیہ السلام نے دو مرتبہ میری امامت کی ،چنانچہ پہلے دن اُنہوں نے ظہر کی نماز اُس وقت پڑھی کہ جب سایہ جوتے کے تسمہ کے برابر ہو گیا، پھر عصر کی نماز اُس وقت ادا کی کہ جب ہر شے کا سایہ اُس کی مثل ہو گیا، پھر مغرب کی نماز اُس وقت پڑھی کہ جب سورج غروب ہوا اور روزہ دار نے روزہ افطار کیا، پھر جب شفق غائب ہوا تو عشاء کی نماز ادا کی، پھر فجر کی نماز پڑھی اُس وقت پڑھی کہ جب فجر (صبح صادق) طلوع ہوئی اور روزہ دار پر کھانا حرام ہوا۔ اور دوسری بار (دوسرے دن) ظہر کی نماز اُس وقت پڑھی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کی مثل تھا اور گذشتہ دن نمازِ عصر اسی وقت ادا کی تھی، پھر جب ہر شے کا سایہ دو مثل ہوا تو نمازِ عصر پڑھی، پھر مغرب کی نماز پہلے ہی وقت پر (کہ جس وقت گذشتہ دن ادا کی) ادا کی، پھر عشاء کی نماز اُس وقت ادا کی کہ جب ایک تہائی رات گزر چکی، پھر فجر کی نماز اُس وقت پڑھی کہ جب زمین روشن ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور بولے: اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ سے پہلے کے انبیاء کا وقتِ (نماز) یہ ہی ہے، اور ان

الأنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِي مُوسَى، وَأَبِي مَسْعُودٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَجَابِرٍ، وَعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، وَالْبَرَاءِ، وَأَنَسٍ

150- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أَمَّنِي جِبْرِيلُ، فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِمَعْنَاهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ لِوَقْتِ الْعَصْرِ بِالْأَمْسِ، حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ "وَقَالَ مُحَمَّدٌ :أَصَحُّ شَيْءٍ فِي الْمَوَاقِيتِ حَدِيثُ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ جَابِرٍ فِي الْمَوَاقِيتِ قَدْ رَوَاهُ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، وَأَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قال ابو عيسى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ .،وقَالَ مُحَمَّدٌ :أَصَحُّ شَيْءٍ فِي الْمَوَاقِيتِ حَدِيثُ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

دونوں اوقات کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت بریدہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عمرو بن حزم، حضرت براء اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) احادیث مذکور ہیں۔

حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جبرئیل علیہ السلام نے میری امامت کی" پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہم معنی حدیث ذکر کی۔ البتہ اُس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ "کل جس وقت نمازِ عصر پڑھی تھی"

اور اوقات کے بارے میں حضرت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت عمرو بن دینار اور ابو زبیر نے بھی وہب بن کیسان کی مثل روایت کی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث "حدیث حسن" ہے۔

اور امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ اوقاتِ نماز کے بارے میں سب سے صحیح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

تخریج حدیث149: بالفاظ مختلفۃ (سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب فی المواقیت،1 /107، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اوقات کے بارے میں

اوقات کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابوالعباس احمد بن محمد حموی (متوفی 770ھ) لکھتے ہیں:

''وقت'' زمانہ کی اُس مقدار کا نام ہے جو کسی بھی چیز کے لئے مقرر کی گئی ہو۔اور ہر وہ چیز جس کے لئے تو نے کسی وقت کا اندازہ لگایا تو بلاشبہ تو نے اُس کا وقت مقرر کیا۔اور یوں ہی جس چیز کے لئے تو نے انتہا کا اندازہ لگایا ہو۔اور "وقت" کی جمع "اوقات" ہے۔

(المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، وق ت، ج2، ص667، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

علامہ قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

اَوقات "توقیت" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے "حد بندی کرنا" زمانہ کو "وقت" کہا جائے گا جب اُس کی حد بندی کسی معین فعل کے ساتھ کر دی جائے۔لہذا ہر زمانہ، وقت ہے لیکن ہر وقت زمانہ نہیں ہے۔اہلسنت کے نزدیک کسی حادث کا کسی حادث کے ساتھ ملنے کا نام زمانہ ہے۔مازری نے کہا: اگر خفی چیز جلی چیز کے ساتھ مل جائے تو جلی چیز کو زمانہ کہا جائے گا، جیسے جَاءَ زید طُلُوع الشَّمس یعنی زید طلوع آفتاب کے وقت آیا۔تو طلوع آفتاب آنے کا زمانہ ہے جبکہ طلوع ہونا معلوم ہو اور آنا مخفی ہو،اور اگر کسی اندھے یا قیدی کے نزدیک طلوع آفتاب مخفی ہو تو پھر تُو اُس سے کہے گا: تطلع الشَّمس عِنْد مجیء زید۔ترجمہ: سورج طلوع ہوتا ہے زید کے آنے کے وقت۔تو زید کا آنا طلوع آفتاب کا زمانہ ہے۔یہ بھی کہا گیا کہ اَوقات، فلک کی حرکتوں کا نام ہے۔تو جب فلک سورج کے ساتھ اپنے اُفُق پر حرکت کرے تو دن ہے اور اُفق کے نیچے حرکت کرے تو رات ہے۔اور اللہ عزوجل نے اوصاف کی طرح اوقات کو بھی بطورِ اسباب مقرر کیا ہے۔

(الذخیرۃ للقرافی، الباب الاول فی الاوقات، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

اوقات نماز، وہ اوقات ہیں جن کو شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی ادائیگی کے لئے مقرر کیا ہے۔ثابت ہوا کہ وقت، نماز کے واجب ہونے کا سبب ہے لہذا وقت شروع ہونے سے پہلے نماز درست نہ ہوگی، اور وقت ختم ہونے کے بعد قضا ہو جائے گی۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ، اوقات الصلاۃ، ج7، ص170، وزارۃ الاوقات الشئون الاسلامیہ، کویت)

نماز کے لیے اوقات کا ثبوت

بلاشک وشبہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا فرض ہے، جس پر قرآن وحدیث سے متعدد دلائل موجود ہیں:

آیات کریمہ

(1) فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (پ5، سورۃ النساء، آیت103)

یعنی نہ وقت سے پہلے صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا، بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔

(2) اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ ترجمۂ کنزالایمان: نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی۔ (پ2، سورۃ البقرۃ، آیت238)

یعنی محافظت کرو کہ کوئی نماز اپنے وقت سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے، بیچ والی نماز نمازِ عصر ہے اُس وقت لوگ بازار وغیرہ کے کاموں میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور وقت بھی تھوڑا ہے اس لئے اُس کی خاص تاکید فرمائی۔ مدارک شریف میں ہے: "حافظوا علی الصلوات، داوموا علیها لمواقیتها" ترجمہ: نمازوں پر محافظت کرو، یعنی ہمیشہ بروقت پڑھو۔

(تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک، تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ، ج1، ص121، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

(3) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○﴾ ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں (کہ اُسے وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے) وہی سچے وارث ہیں کہ جنت کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (سورۃ المؤمنون، آیت9تا11)

معالم شریف امام بغوی شافعی میں ہے: "یحافظون، ای یداومون علی حفظها ویراعون اوقاتها، کرر ذکر الصلاۃ لیتبین المحافظة علیها واجبة" ترجمہ: محافظت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ نگہبانی کرتے ہیں اور ان کے اوقات کا خیال رکھتے ہیں۔ نماز کا ذکر مکرر کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ اس کی محافظت واجب ہے۔

(تفسیر البغوی المعروف معالم التنزیل مع الخازن، تحت آیۃ مذکورہ، ج5، ص33، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

(4) اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ○ أُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ﴾ ترجمہ: اور وہ لوگ کہ اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں وہ جنتوں میں عزت کیے جائیں گے۔ (سورۃ المعارج، آیت34،35)

جلالین شریف امام جلال الملۃ والدین میں ہے: ''یحافظون، بادائھا فی اوقاتھا'' ترجمہ: محافظت کرتے ہیں یعنی وقت پر ادا کرتے ہیں۔ (تفسیر جلالین، آیہ مذکورہ کے تحت، ج2، ص472، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

(5) اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک۔ (پ15، سورۃ الاسراء، آیت78)

اسی لیے وقت کے بار بار آنے سے نماز کا وجوب بھی ہر بار ہوگا اور نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنا ہوگا۔

(مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص141، دار المعرفہ، بیروت)

(6) اللہ جل شانہ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ ھُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

(سورۃ الانعام، آیت92)

تفسیر کبیر میں ہے: ''المراد بالمحافظة التعهد لشروطهامن وقت وطهارة وغيرهماوالقيام على اركانهاو اتمامها حتى يكون ذلك دابه فی کل وقت'' ترجمہ: محافظت سے مراد یہ ہے کہ وقت اور طہارت وغیرہ تمام شروط کو ملحوظ رکھا جائے، اس کے ارکان کو قائم کیا جائے اور اسے مکمل کیا جائے یہاں تک کہ جب نماز کا وقت آئے تو آدمی ان کاموں کو بطور عادت کرنے لگے۔ (تفسیر کبیر، والذین ہم علی صلوتہم یحافظون کے تحت، ج23، ص81، مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ، مصر)

(7) اللہ رب العزت فرماتا ہے: ﴿فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں۔ (سورۂ مریم، آیت59)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اخروها عن مواقيتها وصلوها لغير وقتها'' ترجمہ: یہ لوگ جن کی مذمت اس آیہ کریمہ میں فرمائی گئی وہ ہیں جو نمازوں کو ان کے وقت سے ہٹاتے اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری، باب تضییع الصلوات، ج5، ص17، مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ، بیروت)

اور نماز کے پانچ اوقات کی جانب بھی قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے:

(8) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ۝ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡہِرُوۡنَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور جب صبح ہو، اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں اور کچھ دن رہے اور جب تمہیں دوپہر ہو۔ (پ21، سورۃ الروم، آیت17,18)

ان آیات میں پانچوں نمازوں کے اوقات کا ذکر ہے، ﴿حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ﴾ سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اور بعض کے

نزدیک اس سے مراد مغرب ہے۔ اور ﴿حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ سے فجر کی نماز مراد ہے ﴿وَعَشِيًّا﴾ میں عشا کی نماز کا اور ﴿وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ میں نمازِ ظہر کا بیان ہے۔ (مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص141، دار المعرفۃ، بیروت)

اور علامہ آلوسی نے کہا کہ ﴿وَعَشِيًّا﴾ سے مغرب اور عشا دونوں مراد ہیں۔

(9) اور اللہ عزوجل کا فرمان مقدس ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾

ترجمۂ کنزالایمان: نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن۔ (پ15، سورۃ الاسراء، آیت78)

اس آیت میں بھی پانچ نمازوں کا ذکر ہے کیونکہ سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر رات کے اندھیرے تک چار نمازیں پڑھی جاتی ہیں، ان میں ظہر، عصر، مغرب سورج ڈھلنے کے بعد ہیں اور عشا رات کا اندھیرا چھا جانے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور قرآن الفجر میں فجر کی نماز کا ذکر ہے۔

مبسوط للسرخسی میں اس آیت کے تحت لکھا ہے: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ﴿دُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ آفتاب کا ڈھل جانا ہے۔ لہٰذا اس سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ﴿دلوک الشمس﴾ کا معنیٰ آفتاب کا غروب ہونا ہے۔ اس سے مغرب کی نماز مراد ہے۔ ﴿اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ میں عشا کی نماز کا بیان ہے۔ ﴿قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ سے نمازِ فجر مراد ہے۔ (مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص141، دار المعرفۃ، بیروت)

(10) اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ ترجمۂ کنزالایمان: نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی۔

(پ2، سورۃ البقرۃ، آیت238)

اس آیت مبارکہ میں بھی پانچ نمازوں کا ذکر ہے کیونکہ صلوات جمع کا صیغہ ہے، عربی قاعدہ کے اعتبار سے اس کا اطلاق کم از کم تین نمازوں پر ہوگا اور صلوۃ وسطیٰ کا اس پر عطف کیا گیا ہے جو مغائرت کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے صلوۃ وسطیٰ ان تین نمازوں کے علاوہ ہوگی، اس طرح چار نمازیں ثابت ہوئیں اور چار میں درمیانی نماز نہیں ہوسکتی، اس لیے صلوات سے کم از کم چار نمازیں مراد ہوں گی اور ایک صلوۃ وسطیٰ ملا کر پانچ نمازیں ہو جائیں گی۔

(11) نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں۔

(پ12، سورۂ ہود، آیت114)

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ سے فجر اور مغرب کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ یہ دن کے دونوں کناروں پر ہیں اور ﴿وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ سے عشا کی نماز مراد ہے کیونکہ عشاء رات کے ایک حصے میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث مبارکہ

نماز کے ثبوتِ اوقات پر تیئس (23) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے چالیس (40) سے زیادہ احادیث مروی ہیں، ان صحابہ کرام کے اسماء یہ ہیں:

(1) عمر فاروق (2) علی مرتضی (3) سعد ابن وقاص (4) عبد اللہ بن مسعود (5) عبد اللہ بن عباس (6) عبد اللہ بن عمر (7) عبد اللہ بن عمرو (8) جابر بن عبد اللہ (9) ابوذر غفاری (10) ابوقتادہ انصاری (11) ابودرداء (12) ابوسعید خدری (13) ابومسعود بدری (14) بشیر بن عقبہ بن عمرو مدنی (15) ابوموسیٰ اشعری (16) بریدہ اسلمی (17) عبادہ بن صامت (18) کعب بن عجرہ (19) فضالہ زہرانی (20) حنظلہ بن الربیع (21) انس بن مالک (22) ابوہریرہ (23) ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص274، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام احمد بسند صحیح حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: ((سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ: رُكُوعِهِنَّ، وَسُجُودِهِنَّ، وَوُضُوئِهِنَّ، وَمَوَاقِيتِهِنَّ، وَعَلِمَ أَنَّهُنَّ حَقٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ "أَوْ قَالَ: وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع وسجود واوقات پر محافظت کرے اور یقین جانے کہ وہ اللہ جل وعلا کی طرف سے ہیں جنت میں جائے یا فرمایا جنت اس کے لئے واجب ہو جائے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث حنظلہ کاتب الاسدی، ج30، ص287، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((خَمْسٌ مَنْ جَاءَ بِهِنَّ مَعَ إِيمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ: مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَلَى وُضُوئِهِنَّ وَرُكُوعِهِنَّ وَسُجُودِهِنَّ وَمَوَاقِيتِهِنَّ ـــ ـــ الـخ)) ترجمہ: پانچ چیزیں ہیں کہ جو انہیں ایمان کے ساتھ لائیگا جنت میں جائے گا جو پنجگانہ نمازوں کی ان کے وضوؤں کے رکوع اُن کے سجود اُن کے اوقات پر محافظت کرے۔ (سنن ابی داؤد، باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوات، ج1، ص116، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ضمام بن ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: ((آللَّهُ أَمَرَكَ أَنْ نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الخَمْسَ فِي اليَوْمِ وَاللَّيْلَةِ؟ قَالَ: اللَّهُمَّ نَعَمْ)) ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا، فرمایا: جی ہاں۔ (صحیح بخاری، باب ما جاء فی العلم الخ، ج1، ص23، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اجماعِ امت

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ پانچ نمازوں کے پانچ اوقات ہیں جو نماز کی صحت کے لئے شرط ہیں، اور اُن میں سے بعض اوقات مستحبہ ہیں اور بعض اوقات جواز، البتہ اوقات جواز اور اوقات مستحبہ کی حدّوں کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔

(بدایۃ المجتہد، القسم الاول من الفصل الاول، ج1، ص100، دار الحدیث، القاہرہ)

جن علاقوں میں عشا کا وقت نہیں آتا ان میں نمازِ عشا کا حکم

بلغار و لندن جہاں بعض راتوں میں عشا کا وقت ہی نہیں آتا شفق ابیض ابھی باقی ہوتی ہے اس کے ڈوبنے سے پہلے ہی فجر طلوع کر آتی ہے یا شفق ڈوبتے ہی فجر طلوع کر آتی ہے، ایسے علاقوں میں عشاء لازم ہوگی یا نہیں، اس کے متعلق امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی قول مروی نہیں۔ ہمارے مشائخ میں سے علامہ بقالی، علامہ حلوانی اور ان کے متبعین کا قول یہ ہے کہ عشاء ساقط ہو جائے گی اور علامہ برھان کبیر، محقق علی الاطلاق ابن ہمام اور ان کے متبعین کا قول یہ ہے کہ عشاء لازم ہوگی۔ اور دونوں اقوال کی تصحیح کی گئی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا جو علماء عشاء لازم ہونے کا قول کرتے ہیں ان کے قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ان کے موافق ایک امام مجتہد امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جبکہ سقوط کا قول کرنے والوں کے موافق کسی مجتہد فی الشرع کا قول نہیں ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نمازِ مغرب کا وقت پانچ رکعات کی مقدار کے برابر رہتا ہے اور اس کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک شفق کا باقی رہنا کوئی نقصان نہیں دے گا یعنی ان کے نزدیک عشاء لازم ہوگی۔ اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہار شریعت کے حصہ سوم میں ان علاقوں میں عشا کی نماز قضا پڑھنے کا فرمایا اور بہار شریعت کے تیسرے حصہ پر امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ بھی ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کو میں نے مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔

درمختار میں ہے: ”(وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى أربعينية الشتاء (مكلف بهما فيقدر لهما) ولا ينوى القضاء لفقد وقت الأداء به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال، وتبعه ابن الشحنة فى ألغازه فصححه، فزعم المصنف أنه المذهب (وقيل لا) يكلف بهما لعدم سببهما وبه جزم فى الكنز والدرر والملتقى وبه أفتى البقالى، ووافقه الحلوانى والمرغينانى ورجحه الشرنبلالى والحلبى“ ترجمہ: (اور ان دونوں نمازوں کے وقت کو نہ پانے والا) جیسا کہ بلغار کا علاقہ، پس بے شک اس علاقے میں سردیوں کی چالیس راتوں میں غروبِ شفق سے قبل ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے (وہ مکلف ہے ان دونوں نمازوں کا پس وہ ان کا وقت مقدر نکالے گا) اور اس نماز

کے وقت کی نہ پائے جانے کی وجہ سے ان میں قضا کی نیت نہیں کرے گا، برہان کبیر نے اس پر فتوی دیا اور کمال نے اسے مختار رکھا اور ابن شحنہ نے اپنی الغاز میں ان کی پیروی کی پس اسے صحیح قرار دیا پس مصنف نے گمان کیا کہ وہی مذہب ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان دونوں نمازوں کا مکلف نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا سبب نہیں ہے اور اسی پر کنز، درر، ملتقی میں جزم فرمایا اور بقالی نے اسی کا فتوی دیا اور حلوائی اور مرغینانی نے ان کی موافقت اختیار کی اور شرنبلالی اور حلبی نے اسی کو ترجیح دی۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 362، دار الفکر، بیروت)

ردالمحتار میں ہے: ''هذه المسألة نقلوا فيها الاختلاف بين ثلاثة من مشايخنا وهم البقالي والحلواني والبرهان الكبير فأفتى البقالي بعدم الوجوب، وكان الحلواني يفتي بوجوب القضاء ثم وافق البقالي لما أرسل إليه الحلواني من يسأله عمن أسقط صلاة من الخمس أيكفر؟ فأجاب السائل بقوله: من قطعت يداه أو رجلاه كم فروض وضوئه؟ فقال له: ثلاث، لفوات المحل، قال فكذلك الصلاة فبلغ الحلواني ذلك فاستحسنه ورجع إلى قول البقالي بعدم الوجوب. وأما البرهان الكبير فقال بالوجوب ''ترجمہ: اس مسئلے میں علماء نے ہمارے تین مشائخ کا اختلاف نقل کیا ہے اور وہ مشائخ بقالی، حلوانی اور برہان کبیر ہیں تو علامہ بقالی نے واجب نہ ہونے کا قول کیا ہے اور علامہ حلوانی قضاء کے واجب ہونے کا فتوی دیتے تھے پھر انہوں نے علامہ بقالی کی موافقت کی جب علامہ حلوانی نے ان کی طرف یہ سوال بھیجا کہ جو پانچ نمازوں میں سے کوئی نماز ساقط کردے تو کیا اس کی تکفیر کی جائے گی؟ تو انہوں نے سائل کو جواب دیا جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کاٹ دیئے گئے ہوں اس کے وضو کے کتنے فرائض ہیں؟ تو اس نے ان سے کہا: تین کیونکہ محل فوت ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا تو اسی طرح نماز کا معاملہ ہے پس علامہ حلوانی کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس کو اچھا سمجھا اور علامہ بقالی کے قول کہ اس صورت میں نماز واجب نہیں ہوگی اس کی طرف رجوع فرمایا۔ اور رہے برہان کبیر تو انہوں نے وجوب کا قول کیا ہے۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 362، دار الفکر، بیروت)

ردالمحتار میں اسی بحث میں یہ بھی مذکور ہے: ''والحاصل أنهما قولان مصححان، ويتأيد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد وهو الإمام الشافعي ''ترجمہ: اور حاصل یہ ہے کہ یہ دو قول ہیں تصحیح شدہ اور وجوب والے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی کے موافق ایک مجتہد امام نے قول کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 365، دار الفکر، بیروت)

جدالممتار میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت "قال به امام مجتهد وهو الامام الشافعي" کے تحت مرقوم ہے: ''

اقول: وايضاً من مذهب الامام مالك رضى الله تعالى عنه أنّ وقت المغرب قدر خمس ركعاتٍ ثمّ العشاء، فبقاء

الشّفق لا یضرّ ''ترجمہ: میں کہتا ہوں اور یہ بات بھی ہے کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے کہ مغرب کا وقت پانچ رَکعات کی مقدار کے برابر ہے پھر اس کے بعد عشاء ہے تو شفق کا باقی رہنا مضر نہیں ہوگا۔ (جد المتار، باب الاوقات، ج3، ص17، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاوی رضویہ میں ہے: "ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں): صبح صادق کے لیے ۱۵ درجے انحطاط ہونے کا بطلان اور ۱۸ درجے انحطاط کی صحت، اس واقعہ مشہورہ سے بھی ثابت ہے جو فتح القدیر و بحر الرائق و درمختار میں وعامہ کتب معتبرہ میں مذکور کہ بلغار سے ہمارے مشائخ کرام کے حضور استفتاء آیا تھا کہ گرمیوں کی چھوٹی راتوں میں ان کو وقت عشاء نہیں ملتا آدھی رات تک شفق ابیض رہتی ہے اور وُہ ابھی نہ ڈوبی کہ مشرق سے صبح صادق طلوع کر آئی، امام برہان الدین کبیر نے حکم دیا کہ عشاء کی قضاء پڑھیں اور امام بقالی و امام شمس الائمہ حلوانی وغیر ہما نے فرمایا اُن پر سے عشاء ساقط ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج10، ص623، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بہار شریعت میں ہے: "جن شہروں میں عشا کا وقت ہی نہ آئے کہ شفق ڈوبتے ہی یا ڈوبنے سے پہلے فجر طلوع کر آئے (جیسے بلغار و لندن کہ ان جگہوں میں ہر سال چالیس راتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عشا کا وقت آتا ہی نہیں اور بعض دنوں میں سیکنڈوں اور منٹوں کے لیے ہوتا ہے) تو وہاں والوں کو چاہیے کہ "ان دنوں کی عشا و وتر کی قضا پڑھیں۔"

(بہار شریعت، جلد1، صفحہ 451، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

شرح حدیث

ظہر سے ابتداء کرنے کی وجہ

نماز رات میں فرض ہوئی جس کا قیاس یہ ہے کہ پہلی فرض نماز فجر کی ہو تو پھر جبرئیل علیہ السلام نے نمازِ ظہر سے ابتداء کیوں کی!!! اس کی وجہ یہ ہے کہ صبح کے اوّل وقت میں پوشیدگی ہے، تو اگر اس میں بیان واقع ہوتا تو اتنا ظہور نہ ہوتا جتنا ظہر کے وقت واقع ہونے میں ہوا، مزید یہ کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دین عنقریب تمام اَدیان پر غالب ہو جائے گا جس طرح کہ ظہر کی نماز بقیہ تمام نمازوں پر غالب ہے۔ (ایک جواب یہ دیا گیا کہ پہلی فرض نماز فجر نہیں بلکہ ظہر ہے کیونکہ) واجب کی ادائیگی، کیفیت کے معلوم ہونے پر موقوف ہے اور اس کا علم ظہر میں ہوا ہے تو پہلی نماز یہ ہی فرض ہوئی۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المواقیت، ج2، ص519، دار الفکر، بیروت)

ظل اور فی میں فرق اور فی کی وجہ تسمیہ

ظل کا معنی بھی سایہ ہے اور فی کا معنی بھی سایہ ہے مگر دونوں میں فرق ہے، یہ فرق بیان کرتے ہوئے علامہ جلال الدین

سیوطی فرماتے ہیں:

ابن قتیبہ نے کہا: لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ "ظل" اور "فیء" کا ایک معنی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ "ظل" صبح، شام اور دن کے شروع سے دن کے آخر تک ہوتا ہے۔ جبکہ "فیء" صرف زوال کے بعد ہوتا ہے۔ اور زوال سے پہلے والے سایہ کے لئے "فیء" نہیں کہا جائے گا۔

صرف زوال کے بعد والے سایہ کو "فیء" اس لیے کہا گیا کہ زوال کے بعد والا سایہ ایک طرف سے دوسری طرف لوٹتا ہے، اور "فیء" کا معنی "الرجوع" یعنی لوٹنا ہے۔

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص99، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

ظہر اور عصر کا وقت الگ الگ ہے

((دوسرے دن ظہر کی نماز سے اُس وقت فارغ ہوئے جس وقت پہلے دن عصر کی نماز شروع کی)) امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس سے ایک وقت میں ظہر اور عصر کا مشترک ہونا باطل ہو گیا جیسا کہ ایک جماعت کا زعم ہے۔ اور مسلم شریف کی یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے: ((وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ)) یعنی ظہر کا وقت اُس وقت تک ہے جب تک عصر نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں اگر دونوں حدیثوں کے مابین تطبیق نہ ہونا فرض کر لیا جائے تو مسلم شریف کی حدیث کی تقدیم واجب ہے کیونکہ وہ مؤخر ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ صحیح بھی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المواقیت، ج2، ص520، دار الفکر، بیروت)

عشاء کی نماز اس امت کا خاصہ ہے

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ابن حجر کہتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام نے جو عرض کیا کہ **((یہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی نمازوں کا وقت ہے))** یہاں عشا کے علاوہ نمازوں کا وقت مراد ہے کیونکہ ان پانچ نمازوں کا اجتماع اس امت کی خصوصیت ہے، باقی انبیاء کو تو عشاء کے علاوہ باقی نمازیں متفرق طور پر ملی تھیں۔ امام ابوداؤد نے اپنی سُنن میں، ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور امام بیہقی نے اپنی سُنن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، آپ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رات عشا کی نماز میں تاخیر فرمائی یہاں تک کہ گمان ہوا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ((اَعْتِمُوا بِهَذِهِ الصَّلَاةِ فَإِنَّكُمْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ)) ترجمہ: تم اس نماز کو دیر کر کے پڑھو کیونکہ تم اس نماز کے ذریعہ تمام اُمتوں پر فضیلت دیئے گئے ہو اور تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

امام طحاوی نے حضرت عبید اللہ بن محمد کے واسطہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی: ((انَّ آدمَ لمَّا

تِيبَ عَلَيْهِ عِنْدَ الْفَجْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَصَارَتِ الصُّبْحَ، وَفُدِيَ إِسْحَاقُ عِنْدَ الظُّهْرِ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَصَارَتِ الظُّهْرَ، وَبُعِثَ عُزَيْرٌ فَقِيلَ لَهُ: كَمْ لَبِثْتَ؟ قَالَ: يَوْمًا فَرَأَى الشَّمْسَ فَقَالَ: أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَصَارَتِ الْعَصْرَ، وَغُفِرَ لِدَاوُدَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ فَقَامَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَجُهِدَ فِي الثَّالِثَةِ أَيْ: تَعِبَ فِيهَا عَنِ الْإِتْيَانِ بِالرَّابِعَةِ لِشِدَّةِ مَا حَصَلَ لَهُ مِنَ الْبُكَاءِ عَلَى مَا اقْتَرَفَهُ مِمَّا هُوَ خِلَافُ الْأَوْلَى بِهِ فَصَارَتِ الْمَغْرِبُ ثَلَاثًا، وَأَوَّلُ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) جب آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ صبح صادق کے وقت قبول ہوئی تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں تو وہ نمازِ فجر ہوگئی۔ اور حضرت اسحاق علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا فدیہ ظہر کے وقت آیا تو ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعتیں پڑھیں تو وہ ظہر مقرر ہوئی۔ حضرت عزیر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (100 سو سال کے بعد) اٹھے تو آپ سے پوچھا گیا کہ کتنا عرصہ سوئے؟ آپ نے کہا: ایک دن، اور سورج دیکھ کر کہا: یا دن کا بعض حصہ، اور آپ نے چار رکعتیں پڑھیں تو وہ عصر کی نماز ہوگئی۔ حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ وقتِ مغرب قبول ہوئی تو آپ چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے لیکن اپنی لغزش (خلاف اَولیٰ) کے ارتکاب پر زیادہ رونے کی وجہ سے جو تھکن ہوئی اُس سے تھک کر آپ تیسری پر بیٹھ گئے۔ تو مغرب کی نماز تین رکعتیں ہوئیں۔ اور نماز عشا سب سے پہلے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائی۔

علامہ ابن حجر مزید فرماتے ہیں: اس تشریح سے اور جو تشریح میں نے ((هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ)) کے تحت کی اُس سے امام بیضاوی کا قول مندفع ہو جاتا ہے جو قول آپ نے اس حدیث اور عشاء کے متعلق ابوداؤد وغیرہ کی حدیث کے مابین تطبیق دیتے ہوئے کیا کہ نماز عشاء رسل عظام نے بطور نفل پڑھی، اُن کی اُمتوں پر یہ نماز فرض نہ ہوئی جیسا کہ تہجد ہمارے نبی پر فرض ہوئی اور ہم پر فرض نہ ہوئی یا اس کو اسفار کے وقت کی طرف اشارہ قرار دیا جائے گا کیونکہ اس میں گذشتہ تمام انبیاء اور سابقہ اُمتیں مشترک ہیں (علامہ ابن حجر کا کلام ختم ہوا)۔

(علامہ علی قاری فرماتے ہیں) درست یہ ہے کہ قاضی بیضاوی حق پر ہیں کیونکہ پہلی حدیث میں انبیاء کرام (سے نماز عشاء) کی نفی پر کوئی چیز دلالت نہیں کر رہی، محض (سابقہ) اُمتوں سے اُس کی نفی واقع ہوئی ہے۔ اور دوسری حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی اُمت کے ساتھ، عشا کی نماز ادا فرمائی ہے۔ اور یہ اس بات کے منافی نہیں کہ دیگر انبیاء کرام نے بھی عشا کی نماز پڑھی ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دوسری حدیث میں یہ ہے کہ سب سے پہلے عشاء ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مشروع فرمائی ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ہر نبی نے ایک نماز کو مشروع کیا ہے جس کی دیگر انبیاء کرام نے اتباع کی ہے۔ لہذا حدیث میں اُس تقسیم پر دلالت نہیں جس کا وہم ہوا۔ مزید یہ ہے کہ

امام طحاوی کی روایت ابوداؤدوغیرہ کی اُس روایت کے مخالف نہیں جو مقصود میں صریح ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المواقیت، ج2، ص520.521، دار الفکر، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

((ھذا وقت الأنبياء من قبلك)) یعنی یہ آپ سے پہلے نبیوں کے اوقات ہیں، ابن عربی فرماتے ہیں: اس حدیث کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ نمازیں (بعینہ) اِن اوقات میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مشروع تھیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔حدیث کا معنی ومفہوم صرف یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وسیع وقت جس کی حدبندی دوطرفوں کے ذریعہ کردی گئی ہے اس طرح آپ سے پہلے انبیا علیہم السلام کے لیے بھی وسیع اور کشادہ وقت تھا وگرنہ ان اوقات کے مطابق یہ نمازیں اس اُمت کی خصوصیت ہے۔اگرچہ بعض نمازوں میں دیگر اُمتیں بھی شریک ہیں۔امام ابوداؤد نے نماز عشا کے بارے میں ایک حدیث روایت کی: ((أعتموا بهذه الصلاة فإنكم قد فضّلتم بها على سائر الأمم)) ترجمہ: تم اس نماز کو دیر کر کے پڑھو کیونکہ تم اس نماز کے ذریعہ تمام اُمتوں پر فضیلت دیے گئے ہو۔

اور ابن سید الناس نے بھی یہی کہا: (اس کی مثل آپ سے پہلے انبیاء کرام کی نماز کے اوقات ہیں) مراد یہ کہ جس طرح اُن انبیاء کی نماز کا وقت وسیع اور اُس کی ابتدا اور انتہاء تھی یوں ہی آپ کی نمازیں بھی ہیں، نہ یہ کہ آپ کی نمازوں کی اَوقات مِن وعَن اُن انبیاء کرام کی نماز کے وقت کی طرح ہیں۔

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص99.100، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

امامت جبرئیل:

امام نسائی نے بھی یہ حدیث روایت کی اور اُس میں یہ اضافہ ہے: ((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خَلْفَ جِبْرِيلَ وَالنَّاسُ أَيِ: الْمُسْلِمُونَ حِينَئِذٍ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُلِّ الْأَوْقَاتِ)) بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام کی اقتدا میں تھے اور تمام اوقات میں اُس وقت صحابہ کرام، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقتدی تھے۔مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام صحابہ کرام سے آگے تھے تاکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اَفعال اپنے صحابہ تک پہنچائیں۔لہذا صحابہ کرام حقیقت میں حضرت جبرائیل کے مقتدی تھے نہ کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے۔لیکن امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے: ((فَصَلَّى بِهِ جِبْرِيلُ، وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِهِ)) ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور کو نماز پڑھائی، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو پڑھائی۔اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ مُقتدِی کی اقتدا کرنا درست ہے، کیونکہ صحابہ کرام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نہیں دیکھا، اگر دیکھا ہوتا تو یہ بات ضرور منقول ہوتی۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس بات کو رد کیا جائے کیونکہ حضرت جبرائیل کی امامت اپنی حقیقت پر نہیں بلکہ آپ کی طرف امامت کی نسبت مجازی ہے یعنی حضرت جبرائیل نے اشارہ کے ذریعہ تعدادِ ارکان اور اُن کی ادائیگی کی کیفیت کی طرف رہنمائی کی جیسا کہ بعض معلمین نماز میں نہیں ہوتے لیکن اپنے تلامذہ کو قولی اشارہ کے ذریعہ نماز سکھاتے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب المواقیت، ج2، ص521، دار الفکر، بیروت)

امام جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں: میں نے مجالس میں کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز نہیں پڑھی بلکہ محض اپنے قول کے ذریعہ امامت کی یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم دینے کے لیے نماز کی صورت اختیار کی۔ میں نے یہ بات کسی کتاب میں نہیں دیکھی، اور یہ ضعیف قول ہے جس کی تردید (امامت جبرائیل والی) حدیث پاک کے اِن الفاظ سے ہوتی ہے ((فَصَلّٰی)) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی طرح حضرت جبرائیل نے بھی نماز پڑھی۔ میرے خیال میں جس نے یہ بات کی ہے اس نے شوافع کے اس حدیث سے متنفل کے پیچھے متفرض کے نماز پڑھنے کے استدلال سے بچنے کے لیے کی ہے کہ شوافع یہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہ نماز نفل کے طور پر پڑھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اقتداء میں بطورِ فرض ادا فرمائی، لہذا اس کے جواب کے طور پر یہ کہا گیا کہ جبرئیل علیہ السلام نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اس شخص کا قول حدیث کے ان الفاظ (اَمّنی، یعنی جبرئیل نے میری امامت کی) سے ساقط ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف شوافع کا استدلال بھی محلِ نظر ہے کیونکہ یہ کہنا کہ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام نے نفل نماز ادا کی صرف ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ ملائکہ اس شریعت کے مکلف نہیں ہیں، صرف انسان اور جنات مکلف ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات عقل سے نہیں جانی گئی اور شرع سے محض اتنا معلوم ہوا کہ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کا حکم تھا اور دیگر فرشتوں کو اس کا حکم نہیں تھا تو جس طرح امامت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیت ہے تو ممکن ہے کہ نماز کا فرض ہونا بھی آپ ہی کی ساتھ مخصوص ہو۔ اور ہم نے حدیثِ مالک میں حضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ قول ((بھذا اُمِرت)) یعنی مجھے اس کا حکم دیا گیا۔ یہ حضرت جبرائیل کو نماز کا حکم ہونے میں صریح ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس امر کی صفت نہیں جانی گئی کہ ان سے یہ فرمایا کہ نماز کی ہیئت میرے نبی کی طرف قولی طور پر پہنچاؤ یا فعلی طور پر پہنچاؤ یا قولی اور فعلی دونوں طور پر پہنچاؤ یا جس طرح چاہو پہنچاؤ، لہذا یہ الزام لازم نہیں آئے گا۔

ابن التین نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نماز کی تعلیم دینے کا حضرت جبرائیل کو حکم ارشاد فرمایا تو اس حکم کی وجہ سے وہ نماز اُن پر فرض ہو گئی لہذا حضرت جبرائیل کی اقتدا میں حضور کی نماز، فرض پڑھنے والے کی

اقتدا میں فرض پڑھنے والے کی نماز ہوئی۔ (قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص97،98، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث سے علامہ ابن عربی نے اس پر استدلال کیا ہے کہ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہے کیونکہ ملائکہ اُس چیز کے مکلف نہیں جس کے انسان مکلف ہیں (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نماز فرض تھی اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں نفل تھی)۔ میں (بدر الدین عینی) کہتا ہوں کہ یہ استدلال درست نہیں کیونکہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس نماز کی تبلیغ کے مکلف تھے، یہ نماز (آپ کے حق میں) نفل نہ تھی۔ لہذا فرض پڑھنے والے کی نماز، فرض پڑھنے والے کی اقتدا میں ہوئی۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں ممکن ہے کہ وہ نماز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اُس وقت واجب نہ ہو لیکن ان کا رد یوں کیا گیا کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نماز پڑھانا نماز فرض ہونے کی رات کے بعد آنے والی صبح کو ہوا تو نماز فرض ہو چکی تھی۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مواقیت الصلاۃ، ج5، ص5، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حدیث جابر مرسل ہے:

حافظ ابن قطان (متوفی 628ھ) فرماتے ہیں:

حدیثِ جابر مرسل ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر نہیں کیا کہ انہیں یہ حدیث کس نے بیان کی ہے اور انہوں نے معراج کی صبح اس واقعہ کا مشاہدہ بھی نہیں کیا کیونکہ وہ انصاری ہیں انہوں نے مدینہ ہی میں صحبت پائی ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی یہ امامتِ جبریل کا قصہ روایت کیا مگر ان کی روایت میں وہ ارسال نہیں جو حضرت جابر کی روایت میں ہے کیونکہ انہوں نے یہ بیان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام، باب ذکر احادیث اوردہا علی انہا الخ، ج2، ص467، دار طیبہ، ریاض)

مگر یہ مرسل الصحابی ہے اور مرسل الصحابی متصل کے حکم میں ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

مرسل الصحابی وہ حدیث ہے جو صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نہ سنی ہو دیگر صحابہ سے روایت کی ہو، یہ متصل مسند کے حکم میں ہے کیونکہ صحابی نے دیگر صحابہ سے روایت کیا ہے اور صحابی کی جہالت غیر قادحہ ہے کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

(مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث، النوع العاشر معرفۃ المنقطع، ج1، ص56، دار الفکر، بیروت)

فجر کے وقت میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

(فجر کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے) فجر دو ہیں (1) فجر کاذب: وہ روشنی جو (آسمان کے بیچ میں) لمبائی میں ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے بعد تاریکی آجاتی ہے، اس کی وجہ سے نہ عشا کا وقت ختم ہوتا ہے اور نہ ہی روزہ دار پر کھانا حرام ہوتا ہے۔ (2) صبح صادق: وہ سفیدی جو آسمان کے کناروں میں پھیل جائے۔ اس کے سبب سحری کھانا حرام ہو جاتا ہے اور فجر کا وقت بھی شروع ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ وَلٰكِنِ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيرُ)) ترجمہ: تمہیں بلال کی اذان اور دراز سفیدی سے دھوکا نہ ہو جائے البتہ (آسمان کے کناروں پر پھیلنے والی روشنی (صبح صادق ہے)۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ صَلَاةِ الْفَجْرِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ، وَآخِرُ وَقْتِهَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ)) ترجمہ: بے شک نماز کا ایک وقت آغاز ہے اور ایک وقت انتہا، اور نماز فجر کا وقت آغاز طلوع فجر ہے اور وقت انتہا طلوع آفتاب ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، اوقات الصلوات الخمس، ج1، ص38، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ہماری دلیل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((أمنی جبریل علیه الصلوۃ والسلام عند البیت فصلی بی الفجر فی الیوم الأول حین طلع الفجر وفی الیوم الثانی حین أسفر جدا ثم قال ما بین هذین وقت لك ولأمتك وهو وقت الأنبیاء قبلك)) ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ کے پاس میری امامت کی تو انہوں نے پہلے روز مجھے فجر کی نماز اُس وقت پڑھائی جب فجر طلوع ہوئی اور دوسرے روز اُس وقت پڑھائی جب خوب اُجالا ہوا، پھر کہا: ((ما بین هذین وقت لك ولأمتك وهو وقت الأنبیاء قبلك)) ترجمہ: ان دو وقتوں کے مابین آپ کا اور آپ کی اُمت کا وقت ہے، اور یہی وقت آپ سے پہلے انبیاء کا وقت ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إن للصلاة أولا وآخرا وإن أول وقت الفجر حین یطلع الفجر وآخره حین تطلع الشمس)) ترجمہ: بے شک نماز کا ایک وقت آغاز ہے اور ایک وقت انتہا، اور بے شک نماز فجر کا وقت آغاز طلوع فجر ہے اور وقت انتہا طلوع آفتاب ہے۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نمازوں کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اُس کا جواب نہیں دیا البتہ پہلے دن فجر کی نماز اُس وقت پڑھی جب فجر (صبح صادق) طلوع ہوئی اور دوسرے روز اُس وقت کہ جب سورج طلوع ہونے کے قریب تھا، پھر حضور نے فرمایا: ((أین السائل عن الوقت الوقت بین هذین)) ترجمہ: نماز کا وقت پوچھنے والا کہاں ہے؟ نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔

اور فجر کا آخری وقت وہ ہے کہ جب سورج طلوع ہو...... حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إنکم سترون ربکم یوم القیامة کما ترون القمر لیلة البدر لا تضامون فی رؤیته فإن استطعتم أن لا تغلبوا علی صلاة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا)) ترجمہ: بے شک تم عنقریب قیامت کے روز اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کو چاند کو دیکھتے ہو، اور اسے دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت پیش نہیں آتی، پس اگر تم سے حفاظت ہو سکے اُس نماز کی جو سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے ہے، تو یہ کرو۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے۔

(مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلوۃ، ج 1، ص 142، دار المعرفہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

نماز فجر کے وقت کی ابتدا اُس وقت ہے کہ جب مشرق کے اُفق میں روشنی طلوع ہو، اور وہ دن کی سفیدی کی ابتدا ہے (یعنی صبح صادق)، فجر کا وقت اسفار یعنی اجالا ہونے تک باقی رہتا ہے، جب اُجالا ہو جائے تو وقتِ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اور جسے کوئی عذر نہ ہو اُسے اتنی تاخیر کرنا جائز نہیں کہ اُس کے ایک رکعت پڑھنے سے پہلے سورج طلوع ہو جائے۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب مواقیت الصلاۃ، ج 1، ص 191,192، مکتبۃ الریاض الحدیثہ، ریاض)

علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

فجر کے آخری وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن عرفہ نے اس سلسلہ میں دو (2) روایات ذکر کی ہیں:

(1) ایک یہ ہے کہ فجر (کے آخری وقت میں صرف ایک ہی قول ہے اور وہ یہ ہے کہ اس) کا آخری وقت طلوع آفتاب ہے، یہ قول قاضی عبدالوہاب اور مازری کا ہے، علامہ ابن عربی نے فرمایا کہ اس کے علاوہ کوئی قول صحیح نہیں۔

(2) دوسری روایت جو اکثر علما اور (بالخصوص) ابوعمر بن عبدالبرّ کی ہے، یہ ہے کہ اس کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) ایک قول یہ ہے کہ اچھی طرح اسفار ہونا، (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب آخری وقت ہے۔ پہلا قول ابن قاسم کی روایت ہے جبکہ دوسری رائے ابن وہب کی روایت ہے اکثر اسی کے قائل ہیں۔ اور ابن حاجب کے کلام سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ دوسرا قول ہی مشہور ہے کیونکہ اس کو شروع میں ذکر کیا نیز پہلے قول کا ''قیل'' کے ساتھ دوسرے قول پر عطف کیا ہے۔ ''التوضیح'' میں فرمایا: حقیقۃً ایسا نہیں ہے بلکہ شروع میں ابن حبیب کا قول مذکور ہے۔ اور ''المدوّنۃ'' کا مسلک اِسفار والا ہے۔ ابن عطاء اللہ نے کہا: یعنی اِسفار اَعلیٰ (آخری وقت ہے) اور المختصر میں اُن کا یہ ہی قول مذکور ہے۔ ابن عبدالسلام نے کہا یہ ہی مشہور ہے۔ ہاں! ابن حاجب کا کلام اُس کے موافق ہے جو ابن عربی نے کہا کہ: امام مالک سے صحیح روایت (ایک ہی) ہے کہ نمازِ فجر کا اختیاری وقت طلوع آفتاب تک ہے۔ ابن حاجب نے کہا آپ سے جو اس کے خلاف منقول ہے وہ درست نہیں۔ ابن عطاء اللہ نے اُن کے کلام کے بعد فرمایا: اگر یہاں کوئی صورت ہو جو "مُدوّنہ" کے کلام کی تاویل کا سبب بنے تو فبہا ورنہ "المُدوّنۃ" کی نقل کے بارے میں عدم صحت کا قول نہیں کیا جاسکتا۔

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، باب مواقیت الصلاۃ، ج1، ص399، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی شافعی (متوفی 1004ھ) فرماتے ہیں:

(نمازِ فجر کا وقت صبح صادق سے سورج طلوع ہونے تک۔ اور وقت اختیار یہ ہے کہ فجر کو اسفار سے مؤخر نہ کیا جائے)

اور نماز فجر کے چار اوقات ہیں: (1) وقت فضیلت: وہ اوّل وقت ہے (2) وقت اختیار: اسفار تک (3) وقت جواز بلا کراہت: طلوع آفتاب سے پہلے سُرخی (سے پہلے) تک (4) پھر وقت جواز مع الکراہت وہ یہ ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے سرخی تک تاخیر کرنا۔

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، وقت الصبح، ج1، ص371، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

فجر کا وقت بالاتفاق فجر ثانی (صبح صادق) کے طلوع ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس کی دلیل نماز کے اوقات (کے بارے میں وارد ہونے) والی احادیث ہیں۔ اور فجر ثانی وہ سفیدی ہے جو آسمان کے کناروں میں پھیل جاتی ہے۔ اور اس کو صبح صادق کہا جاتا ہے، کیونکہ اُس نے صبح کے حوالہ سے تیری تصدیق کی اور تیرے لئے صبح کو واضح کر دیا۔۔۔۔ پھر وقتِ

مختار اسفار تک رہتا ہے جیسا کہ حدیث جبرائیل اور حدیث بُریدہ میں گزر چکا۔ اور اس کے بعد طلوع آفتاب تک وقت عذر اور وقت ضرورت ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ((وَقْتُ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ)) ترجمہ: فجر کا وقت جب تک ہے کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔ اور جس نے فجر کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پالی، اُس نے فجر کی نماز پالی۔ (المغنی لابن قدامہ، باب المواقیت، مسئلۃ الصبح، ج 1، ص 279، مکتبۃ القاہرہ)

ظہر کے وقت میں مذاہب ائمہ

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

نماز ظہر کا ابتدائی وقت زوال شمس ہے یعنی سورج کا آسمان کے درمیان سے ڈھل جانا۔ اور اس کی علامت سایہ کا کم ہونے کے بعد کا بڑھ جانا ہے۔ اور یہاں سے وقتِ اختیاری شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ اُس کی ایک مثل ہو جائے۔ (الذخیرۃ للقرافی، الفصل الثالث فی وقت صلوۃ العصر، ج 2، ص 13، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

جب سورج ڈھل جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جب ہر چیز کا سایہ، سایہ اصلی کے علاوہ اُس کے ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أمنی جبریل علیہ الصلوۃ والسلام عند باب البیت مرتین فصلی بی الظھر فی المرۃ الأولی حین زالت الشمس والفیء مثل الشراك ثم صلی بی المرۃ الأخیرۃ حین كان ظل كل شیء مثلہ)) ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے دو بار بیت اللہ کے پاس میری امامت کی، اور مجھے پہلی بار ظہر کی نماز اُس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمہ کے برابر ہوا، پھر دوسری بار اُس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اُس کی مثل ہو گیا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب مواقیت الصلاۃ، ج 1، ص 101، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ ظہر کا وقت آفتاب ڈھل جانے سے شروع ہوتا ہے اور جب ہر چیز کا سایہ، سایۂ اصلی کے علاوہ اُس کی ایک مثل ہو جائے تو ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أمني جبريل عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر في المرة الأولى حين زالت الشمس، والفيء مثل الشراك، ثم صلى بي في المرة الأخيرة حين صار ظل كل شيء مثله، وقال: الوقت ما بين هذين)) ترجمہ: بیت اللہ کے پاس جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام نے دو مرتبہ میری امامت کی، چنانچہ پہلی مرتبہ اُنہوں نے ظہر کی نماز اُس وقت پڑھائی کہ جب آفتاب ڈھل گیا اور سایہ جوتے کے تسمہ کے برابر ہو گیا، پھر دوسری بار (دوسرے دن) ظہر کی نماز اُس وقت پڑھائی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کی مثل تھا۔ اور فرمایا: ان دونوں اوقات کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب اوقات الصلوۃ، ج 1، 187، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

احناف کا موقف:

علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

(ظہر کا وقت سورج کے ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ سایہ، اصلی سایہ کے علاوہ اُس کی دو مثل ہو جائے) اوّل وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف آخری وقت کے بارے میں ہے۔ متن میں امام اعظم کا قول مذکور ہے۔ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: جب سایہ ایک مثل ہو جائے (تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور یہ حسن بن زیاد کی امام ابو حنیفہ سے روایت ہے۔ اور المنتقی میں اسد کی امام اعظم سے یہ روایت ذکر کی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کی ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا اور عصر کا وقت شروع نہیں ہوگا یہاں تک کہ سایہ اُس کی دو مثل ہو جائے (اس روایت کے مطابق) ان کے مابین مہمل وقت ہو جائے گا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَمَّنِي جِبْرِيلُ مَرَّتَيْنِ عِنْدَ الْبَيْتِ، فَصَلَّى بِيَ الظُّهْرَ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَصَلَّى بِيَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي الظُّهْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ، وَالْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ وَقَالَ: مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ وَقْتٌ لَكَ وَلِأُمَّتِكَ)) ترجمہ: "حضرت جبرائیل نے دو بار بیت اللہ کے پاس میری امامت کی، اور مجھے پہلے دن ظہر کی نماز اُس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور عصر کی اُس وقت کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کی مثل ہو گیا۔ اور مجھے دوسرے دن ظہر کی نماز اُس وقت پڑھائی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے برابر ہو گیا اور عصر کی نماز اُس وقت پڑھائی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے دوگنا ہو گیا اور فرمایا: ان

دو وقتوں کے درمیان آپ کے لیے اور آپ کی اُمت کے لئے وقت ہے۔"

امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ)) ترجمہ: "وقت ٹھنڈا کر کے ظہر پڑھو کیونکہ سخت گرمی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔اور ہر چیز کا سایہ اُس کے دوگنا ہونے سے پہلے ٹھنڈا وقت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے پہلے سخت گرمی ہوتی ہے بالخصوص حجاز مقدس میں۔"

اور یوں ہی امامت جبرائیل والی حدیث کا آخر امام اعظم کی دلیل ہے کیونکہ حضرت جبرائیل نے (دوسرے دن) ظہر کی امامت اُس وقت کروائی جب سایہ اُس کی مثل ہوگیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مثل اوّل وقت ظہر ہے نہ کہ وقت عصر۔اور یہ ہی محل اختلاف ہے۔اور جب وقت ختم ہونے میں تعارض واقع ہوا تو شک کی وجہ سے وقت ختم نہیں ہوگا۔

(الاختیار لتعلیل المختار، اوقات الصلوات الخمس، ج1، ص38، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إنما مثلكم ومثل أهل الكتابين من قبلكم كمثل رجل استأجر أجيرا فقال من يعمل لي من الفجر إلى الظهر بقيراط فعملت اليهود ثم قال من يعمل لي من الظهر إلى العصر فعملت النصارى ثم قال من يعمل لي من العصر إلى المغرب بقيراطين فعملتم أنتم فغضبت اليهود والنصارى وقالوا نحن أكثر عملا وأقل أجرا قال الله تعالى فهل نقصت من حقكم شيئا قالوا لا قال فهذا فضلي أوتيه من أشاء بين أن المسلمين أقل عملا من النصارى)) ترجمہ: تمہاری اور اہل کتاب کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے (کام پر) مزدور رکھا اور کہا: کون ہے جو فجر (صبح) سے ظہر (دوپہر) تک ایک قیراط کے بدلہ میرا کام کرے؟ پس یہود نے کام کیا۔پھر اُس نے کہا: کون ہے جو ظہر سے نمازِ عصر تک ایک قیراط پر میرا کام کرے؟ چنانچہ نصاریٰ نے کام کیا۔پھر اُس نے کہا: کون ہے جو نماز عصر سے نمازِ مغرب تک دو قیراط پر کام کرے؟ چنانچہ تم نے کام کیا۔پس یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور بولے: ہمارا کام تم سے زیادہ اور ہماری مزدوری کم ہے؟ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے تمہارے حق میں سے کچھ کم کر دیا؟ عرض گزار ہوئے: نہیں، تو اللہ عزوجل نے فرمایا: تو یہ میرا فضل ہے، جس کو چاہوں دوں۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ مسلمانوں کا کام نصاریٰ سے کم ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ عصر کا وقت، ظہر کے وقت سے کم تر ہے۔اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہے۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالیشان ہے: ((أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم))

ترجمہ:"وقت ٹھنڈا کر کے ظہر پڑھو کیونکہ سخت گرمی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔" اور اُن کے علاقوں میں شدید گرمی اُس وقت ہوتی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کی مثل ہو جاتا۔

مزید ایک دلیل یہ ہے کہ ہم نے جان لیا کہ یقین کے ساتھ ظہر کا وقت شروع ہو چکا ہے اور جب سایہ قد انسانی کے برابر ہو تو اُس وقت اس کے ختم ہونے میں شک ہے، احادیث کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ اور یقین، شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔ اور نمازوں کے اَوقات امامت جبرائیل والی حدیث کے مطابق ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ دوسرے دن فجر کی نماز اسفار کے وقت پڑھی اور اس کے بعد طلوع آفتاب تک وقت باقی رہتا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ دوسرے دن عشا کی نماز اُس وقت پڑھی جب تہائی رات گزر گئی اور اس کے بعد نماز کا وقت باقی رہا۔

(مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص143، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

امامت جبرائیل والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے دوسرے روز ظہر کی نماز (بعینہٖ) اُس وقت پڑھی جس وقت پہلے روز عصر کی نماز ادا کی، حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ ظہر اور عصر کے وقت جُدا گانہ ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں حدیث جبرائیل منسوخ ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلوۃ، ج1، ص123، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عصر کے وقت میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

عصر کا ابتدائی وقت وہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے برابر ہو جائے، اور آخری وقت وہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے دوگنا ہو جائے۔ کیونکہ حدیث جبرائیل میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالیشان ہے: ((وصلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثلہ ثم صلی بی المرۃ الآخرۃ حین صار ظل کل شیء مثلیہ)) ترجمہ: اور حضرت جبرائیل نے مجھے نمازِ عصر پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اُس کے برابر ہو گیا، پھر دوسری بار اُس وقت پڑھائی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے دوگنا ہو گیا۔ اور امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ نمازِ عصر کا آخری وقت جب تک ہے کہ سورج زرد نہ پڑ جائے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وقت العصر ما لم تصفر الشمس)) ترجمہ: نمازِ عصر کا وقت آفتاب کے زرد ہونے تک (باقی رہتا) ہے۔ اسے امام مسلم نے

روایت کیا ہے۔

پھر وقتِ اختیار ختم ہو جاتا ہے اور وقتِ جواز، غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔

اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے نمازِ عصر کا ایک جز پالیا اُس نے نمازِ عصر کو پالیا، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من أدرك سجدة من صلاة العصر قبل أن تغرب الشمس فليتم صلاته)) ترجمہ: جس نے نمازِ عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی، اُسے چاہیے کہ اپنی نماز پوری کر لے، متفق علیہ۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب اوقات الصلوۃ، ج1، 187,188، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ عصر کا ابتدائی وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اُس کی مثل سے بڑھ کر کچھ زیادہ ہو جائے، اور آخری وقت وہ ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے دوگنا ہو جائے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وصلى بي جبريل العصر حين كان ظل كل شيء مثله ثم صلى بي المرة الأخيرة حين كان ظل كل شيء مثليه)) ترجمہ: اور حضرت جبرائیل نے مجھے نمازِ عصر پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اُس کی مثل ہو گیا، پھر دوسری بار اُس وقت پڑھائی کہ جب ہر چیز کا سایہ اُس کے دو مثل ہو گیا۔

پھر وقتِ اختیار ختم ہو جاتا ہے اور وقتِ جواز اور وقتِ ادا غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ حضرت ابو سعید اصطخری فرماتے ہیں: جب ہر چیز کا سایہ اُس سے دوگنا ہو جائے تو نماز قضا ہو جائے گی کیونکہ اُس کے بعد قضا کا وقت ہو جاتا ہے۔ مذہب قولِ اول ہے کیونکہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ليس التفريط في النوم إنما التفريط في اليقظة أن تؤخر صلاة حتى يدخل وقت صلاة أخرى)) ترجمہ: سوئے رہنے کی صورت میں کوتاہی نہیں، کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ ایک نماز کو اتنا مؤخر کر دیا جائے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ اسے مسلم، ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب مواقیت الصلاۃ، ج1، ص101,102، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

جب ہر شے کا سایہ اُس کی مثل ہوگا تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا شروع ہو جائے گا، اور ظہر و عصر کے مابین کوئی فاصل نہیں ہے۔ پھر دو مثل سایہ ہو جانے تک وقتِ عصر باقی رہے گا۔ اور "مثل" اور "دو مثل سایہ" سایہ اصلی کے علاوہ ہو۔ اور یہ ہی مختار وقت ہے، اور جس شخص سے یہ وقت فوت ہو گیا اُس سے وقتِ اختیار فوت ہو گیا۔ اور جب تک سورج میں سفیدی اور صفائی ہو تو ہمارے نزدیک وہ بھی عصر کا مختار وقت ہے۔

اور جس شخص نے عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی، اس حال میں کہ وہ مقیم ہو اور اُسے کوئی عذر بھی نہ ہو، اُس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علما نے فرمایا: نمازِ عصر میں اتنی تاخیر کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔ اور بعض علما نے فرمایا کہ گناہ گار تو نہیں لیکن اُس نے وقتِ اختیار کو ترک کر دیا۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص190، 191، مکتبہ الریاض الحدیثہ، ریاض)

احناف کا موقف:

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

(جب نمازِ ظہر کا وقت علی الاختلاف ختم ہو جائے تو نمازِ عصر کا وقت شروع ہو جائے گا اور اس کا آخری وقت سورج غروب ہونے تک ہے) کیونکہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ)) ترجمہ: جس شخص کی نمازِ عصر قضا ہو جائے یہاں تک سورج غروب ہو جائے تو گویا کہ اُس کے گھر والے اور اُس کا مال ہلاک ہو گئے۔ (اس حدیث میں) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آفتاب کے غروب ہونے پر نمازِ عصر کو قضا قرار دیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غروبِ آفتاب عصر کا آخری وقت ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، اوقات الصلوات الخمس، ج1، ص38، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور ہمارا موقف درست ہے کیونکہ وقتِ عصر کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے: ((وَآخِرُهَا حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ)) ترجمہ: اور عصر کا آخری وقت وہ ہے کہ جب آفتاب ڈوب ہو جائے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَهَا)) ترجمہ: جس نے نمازِ عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی، اُس نے نمازِ عصر پالی۔

(بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلوۃ، ج1، ص123، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مغرب کے وقت میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

نمازِ مغرب کا اوّل وقت وہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہو جائے، اور آخری وقت وہ ہے جب شفق احمر غائب ہو جائے، کیونکہ حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا تو آپ نے مغرب کی اقامت کہی جب سورج غائب ہوا، پھر دوسرے روز مغرب کی نماز اُس وقت پڑھی جب شفق غائب ہو گیا، پھر فرمایا:((وقت صلاتکم بین ما رأیتم)) تمہاری نمازوں کا وقت ان کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((وقت المغرب ما لم یغب الشفق)) ترجمہ: مغرب کا وقت (باقی) ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔

اور اس وقت سے تاخیر کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے دونوں دن اوّل وقت میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نمازِ مغرب پڑھائی۔ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:((کان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یصلی المغرب إذا وجبت الشمس)) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نمازِ مغرب اُس وقت ادا کرتے جب سورج غروب ہو جاتا۔ متفق علیہ۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب اوقات الصلوۃ، ج1، 189، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف:

شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی شافعی (1004ھ) فرماتے ہیں:

(نمازِ مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے) حدیث جبرائیل اس کی دلیل ہے۔ "مغرب" کو مغرب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسے غروب آفتاب کے بعد ادا کیا جاتا ہے **(اور قدیم قول کے مطابق مغرب کا وقت شفق احمر کے غائب ہونے تک رہتا ہے)** کیونکہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:((وَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ یَغِبْ الشَّفَقُ)) ترجمہ: مغرب کا وقت باقی رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ اس قول کی ترجیح کا بیان آگے ہوگا **(اور جدید قول یہ ہے کہ وضو) اور غسل یا تیمم (ستر عورت، اذان، اقامت اور پانچ رکعات پڑھنے کی مقدار وقت گزر جانے سے مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے)** کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے دیگر نمازوں کے برعکس دونوں دن مغرب کی نماز ایک وقت میں ادا کی۔ اور حدیث جبرائیل سے

استدلال کی تردید اس طرح کی گئی کہ حضرت جبرائیل نے صرف وقت مختار کا بیان کیا ہے، رہا وقتِ جواز (جس میں اختلاف ہے)، اُس کے (بیان کے) درپے نہیں ہوئے۔ اور (قول جدید میں) ان امور (وضو وغسل وغیرہ) کا ضرورۃً استثناء ہے۔ اور پانچ رکعت سے مراد مغرب کے فرائض اور اُس کی سنت بعدیہ ہیں۔

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، وقت العصر، ج1، ص366، دار الفکر، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ مغرب کے دو وقت ہیں جن کے مابین مغرب کا وقت رہتا ہے شفق کے غائب ہونے تک۔ اور اس میں سے کسی بھی وقت میں نماز مغرب شروع کرنا جائز ہے۔ تو اس بنیاد پر مغرب کے تین اوقات ہیں: (1) وقت فضیلت اور اختیار۔ اور وہ اوّل وقت ہے۔ (2) وقتِ جواز، اور وہ غروب شفق تک ہے۔ (3) وقتِ عذر۔ وہ عشاء کا وقت ہے اُس شخص کے حق میں جو سفر یا بارش کی وجہ سے (مغرب اور عشا کی نمازوں کو) ایک ساتھ پڑھے۔ اور یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ وقت فضیلت اور وقت اختیار "اوّل وقت" ہے، درست یہ ہی ہے، محققین نے اسی پر جزم کیا ہے۔

(المجموع شرح المہذب، باب مواقیت الصلاۃ، ج3، ص31، دار الفکر، بیروت)

اس پر دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ ہی قول درست ہے، چند احادیث صحیحہ کی وجہ سے: (1) ایک حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبْ الشَّفَقُ)) ترجمہ: مغرب کا وقت (باقی رہتا ہے) جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ اور ایک روایت میں ہے: ((وَقْتُ الْمَغْرِبِ إِذَا غَابَتْ الشَّمْسُ مَا لَمْ يَسْقُطْ الشَّفَقُ)) ترجمہ: مغرب کا وقت غروب آفتاب سے غروب شفق تک ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: ((وَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَسْقُطْ ثَوْرُ الشَّفَقِ)) ترجمہ: مغرب کا وقت ہے جب تک شفق کی سفیدی غائب نہ ہو جائے۔ یہ تمام روایات ان الفاظ کے ساتھ امام مسلم نے روایت کی ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: ((ثُمَّ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى كَانَ عِنْدَ سُقُوطِ الشَّفَقِ)) ترجمہ: پھر مغرب کو سقوطِ شفق تک مؤخر کیا۔ (صحیح مسلم) اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ)) ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے دن مغرب شفق غائب ہونے سے پہلے ادا فرمائی۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: ((لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ إِنَّمَا التَّفْرِيطُ عَلَى مَنْ لَمْ يُصَلِّ الصَّلَاةَ حَتَّى يجيء وَقْتُ الْأُخْرَى)) ترجمہ: نیند میں کوئی تقصیر نہیں ہے، تقصیر اُس صورت میں ہے کہ جب کوئی شخص (جاگتے میں) نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت

آجائے۔

جب احادیث صحیحہ کو جان لی گئیں تو اس قول پر جزم متعین ہوگیا کیونکہ امام شافعی نے اپنے قولِ قدیم میں اس پر نص کی ہے جیسا کہ اسے ابوثور نے نقل کیا ہے۔ (المجموع شرح المہذب، باب مواقیت الصلاۃ، ج3، ص30، دارالفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

اور رہی حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام کے دونوں دن ایک ہی وقت میں (مغرب کی) نماز پڑھنے والی حدیث، تو اُس کے تین جوابات ہیں: (1) سب سے اچھا اور درست جواب یہ ہے کہ (اس حدیث میں) وقتِ اختیار کا بیان ہے، وقتِ جواز (یعنی جس وقت میں نماز درست ہوجائے) کا بیان نہیں ہے۔ اور اکثر نمازوں جیسا کہ عصر، عشاء، فجر میں وقتِ اختیار ہی کا بیان ہے، اور یوں ہی مغرب میں بھی ہے۔ (2) دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث جبرائیل مقدم، ابتدائے اسلام میں اور مکی ہے جبکہ یہ احادیث مؤخر اور مدنی ہیں لہذا عمل کے اعتبار سے ان احادیث کا مقدم ہونا ضروری ہوا، اور (3) تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث، دو وجوہات کی بناء پر حدیث جبرائیل کی بہ نسبت قوی ہیں، ایک یہ کہ ان احادیث کو روایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے، دوم یہ کہ یہ احادیث اسناد کے اعتبار سے اصح ہیں، اسی لیے تو امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں حدیث جبرائیل کو چھوڑ کر ان احادیث کو روایت کیا ہے۔ (المجموع شرح المہذب، باب مواقیت الصلاۃ، ج3، ص31، دارالفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ مغرب کا ایک ہی وقت ہے (اور وہ) سورج کے غروب ہونے اور رات کے آنے کا وقت ہے۔ امام مالک، آپ کے تلامذہ اور جمہور اہل مدینہ کا حضر (مقیم ہونے کی صورت) میں مغرب کے وقت کے بارے میں یہ ہی مشہور مسلک ہے۔ اور اس کے وقت کے بارے میں امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ سفر وحضر میں جس نے شفق، غائب ہونے سے پہلے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لی تو بلا شبہ اُس نے وقت میں نماز ادا کرلی۔ پہلا قول امام مالک سے زیادہ مشہور ہے اور اُسی پر عمل ہے۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص191، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

علما کا اختلاف ہے اس بارے میں کہ کیا بقیہ نمازوں کی طرح نمازِ مغرب کا وقت بھی وسیع ہے یا نہیں؟ ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ مغرب کا صرف ایک ہی وقت ہے، اس کے وقت میں وسعت نہیں ہے۔ امام مالک، اور امام شافعی کا مشہور قول

یہ ہی ہے۔اور ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ اس کے وقت میں وسعت ہے۔اور وہ غروب آفتاب سے غروب شفق تک ہے۔امام ابو حنیفہ، امام احمد، ابو ثور اور داؤد (ظاہری) کا یہ ہی قول ہے۔امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ قول منقول ہے۔

اور اس اختلاف کا سبب امامت جبرائیل والی حدیث کا عبداللہ بن عمر والی حدیث سے معارض ہونا ہے وہ یوں کہ امامت جبرائیل والی حدیث میں ہے:((صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الْيَوْمَيْنِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ)) یعنی حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے دونوں دن نماز مغرب ایک وقت میں پڑھی۔اور حضرت عبداللہ بن عمر والی حدیث میں ہے:((وَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ)) نماز مغرب کا وقت (باقی رہتا ہے) جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔تو جن علما نے امامت جبرائیل والی حدیث کو ترجیح دی تو اُنہوں نے نماز مغرب کے لئے ایک وقت قرار دیا، اور جن علما نے حضرت عبداللہ بن عمر والی حدیث کو راجح کہا اُنہوں نے نماز مغرب کے لئے وسیع وقت ٹھہرایا۔اور حضرت عبداللہ بن عمر والی حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور شیخین (امام بخاری وامام مسلم) نے امامت جبرائیل والی حدیث (یعنی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو روایت نہیں کیا جس میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دس نمازوں میں امامت کروائی جن کے اوقات واضح ہیں۔پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:''نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے مابین ہے'' اور اس حدیث کا جو حصہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں موجود ہے وہ بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی موجود ہے۔اور یہ حدیث اس باب میں اصل ہے۔

علما نے فرمایا: حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اُولیٰ ہے کیونکہ اس حدیث کا معاملہ مدینہ منورہ میں اُس شخص کے سوال کے وقت تھا جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نماز کے اَوقات کے بارے میں دریافت کیا۔اور امامت جبرائیل والی حدیث مکہ میں اور اُس وقت پیش آئی جب نماز شروع میں فرض ہوئی تھی۔

(بدایۃ المجتہد، القسم الاول من الفصل الاول، ج1، ص103، دار الحدیث، القاہرہ)

احناف کا موقف:

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

(جب آفتاب غائب ہو جائے تو مغرب کا وقت شروع ہو جائے گا) کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((أَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِينَ تَسْقُطُ الشَّمْسُ)) ترجمہ: مغرب کے وقت کی ابتدا سورج کے غائب ہونے کے وقت ہے۔اور اُس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(اور اس کا آخری وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے) اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ)) ترجمہ: مغرب کا وقت شفق، غائب نہ ہونے تک ہے۔ اور "شفق" وہ سفیدی ہے جو سُرخی کے بعد باقی رہتی ہے۔ اور صاحبین نے فرمایا: وہ سُرخی "شفق" ہے۔ اور اسد کی امام اعظم سے ایک روایت اسی طرح ہے، اُنہوں نے خلیل اور ابن عمر سے اسی طرح روایت کیا۔ اور امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا اسْوَدَّ الْأُفُقُ)) ترجمہ: جب اُفق سیاہ ہو جائے تو یہ مغرب کا آخری وقت ہے۔ اور ثعلب سے منقول ہے کہ شفق، سفیدی ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عائشہ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی موقف ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار، اوقات الصلوات الخمس، ج1، ص39، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(ہمارے نزدیک مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شفق غائب ہونے تک ہے) امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مغرب کا صرف ایک وقت ہے جو اُس کے فعل (یعنی ادائیگی) کے ساتھ مقدر ہے لہٰذا اگر غروب آفتاب کے بعد اتنا وقت گزر گیا جس میں تین رکعات پڑھی جاسکیں، مغرب کا وقت ختم ہو جائے گا، امامت جبرائیل والی حدیث کی بناء پر کہ حضرت جبریل نے دونوں دن مغرب کی نماز ایک وقت میں ادا کی۔

احناف کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إن أول وقت المغرب حين تغيب الشمس وآخره حين يغيب الشفق)) ترجمہ: بے شک مغرب کا ابتدائی وقت وہ ہے کہ جب آفتاب ڈوب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب شفق غائب ہو جائے۔

اور امامت جبرائیل (علیہ الصلوۃ والسلام) والی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ حضرت جبرائیل نے (مغرب کی) ادائیگی کا مستحب وقت بیان کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد نمازِ مغرب میں تاخیر کرنا مکروہ ہے مگر اس قدر کہ جس میں غروب آفتاب خالص ہو جائے۔ اس کو حضرت حسن نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لا تزال أمتي بخير ما عجلوا المغرب وأخروا العشاء)) ترجمہ: میری اُمت اُس وقت تک بھلائی پر رہے گی جب تک نماز مغرب میں جلدی اور نماز عشا میں تاخیر کرے گی۔ اور ایک دن نماز مغرب میں ستاروں کے ظہور تک تاخیر ہو جانے کی بنا پر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک غلام آزاد کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب پڑھنے سے پہلے ستاروں کو طلوع ہوا دیکھا تو آپ نے دو غلام آزاد کر دیے۔ پس یہ تاخیر کے مکروہ ہونے کا بیان ہے۔ بہر حال شفق کے غائب ہونے تک نماز کا وقت رہتا ہے۔

اور امام اعظم کے نزدیک ''شفق'' وہ سفیدی ہے جو سُرخی کے بعد آتی ہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک اسی طرح ہے۔ مزید امام اعظم فرماتے ہیں کہ ''سُرخی'' سورج کا اثر ہے اور ''سفیدی'' دن کا اثر ہے لہذا جب تک سُرخی اور سفیدی دونوں نہ چلی جائیں، مطلقاً رات کی طرف دن کا رجوع نہیں ہوگا اور حال یہ ہے کہ عشا کی نماز صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز) ہے۔ کیونکر نہ ہو، حالانکہ حدیث میں آیا: ((وقت العشاء إذا ملأ الظلام الظراب)) ترجمہ: عشا کا وقت وہ ہے جب ٹیلہ تاریکی سے بھر جائے۔ اور ایک روایت میں ہے: ((إذا ادلهم الليل)) یعنی اُفق جب تاریکی میں ہلاک ہو جائے۔ اور یہ اُسی صورت میں ہوگا جب سفیدی چلی جائے لہذا اس کے چلے جاتے ہی مغرب کا وقت ختم اور عشا کا شروع ہو جائے گا۔ (مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص145،144، دار المعرفۃ، بیروت)

عشاء کے وقت میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

نماز عشا کا اوّل وقت وہ ہے کہ جب شفق احمر غائب ہو جائے اور آخری وقت تہائی رات (تک) ہے۔ کیونکہ حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے دن عشا کی نماز اُس وقت ادا کی جب شفق غائب ہوگیا، اور دوسرے دن اُس وقت پڑھی جب تہائی رات گزر گئی۔ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث، اس کی مثل ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الشفق الحمرة فإذا غاب الشفق، وجبت الصلاة)) ترجمہ: شفق، سُرخی کا نام ہے، لہذا جب شفق غائب ہو جائے تو نماز واجب ہو جائے گی (دار قطنی)۔ اور امام احمد سے ایک قول یہ مروی ہے کہ عشا کا آخری وقت آدھی رات تک رہتا ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وقت العشاء إلى نصف الليل)) ترجمہ: عشا کا وقت آدھی رات تک ہے۔ پھر وقتِ اختیار ختم ہو جاتا ہے اور وقت جواز، فجر ثانی (صبح صادق) کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے عصر کے وقت کے بارے میں ذکر کیا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب اوقات الصلوۃ، ج1، 190، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی شافعی (1004ھ) فرماتے ہیں:

Scanned by CamScanner

(شفق احمر کے غائب ہوتے ہی عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور پھر فجر صادق تک باقی رہتا ہے) حدیث جبرائیل کی وجہ سے، اور اس کے علاوہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: ((لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ إِنَّمَا التَّفْرِيطُ عَلَى مَنْ لَمْ يُصَلِّ الصَّلَاةَ حَتَّى يَدْخُلَ وَقْتُ الْأُخْرَى)) ترجمہ: سوئے رہنے کی صورت میں کوتاہی نہیں، کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ ایک نماز کو اتنا مؤخر کر دیا جائے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ اس حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فجر (جیسا کہ اس کے وقت کے بارے میں بیان آنے والا ہے) کے علاوہ ہر نماز کا وقت باقی رہتا ہے جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آجائے۔ اور علامہ نووی نے المجموع شرح المھذب میں نماز عشا کے چار اوقات ذکر کیے ہیں:

(1) وقت جواز، صبح صادق تک (2) وقت اختیار، (اگلی لائن میں متن میں آ رہا ہے) (3) وقتِ فضیلت، وہ ابتدائی وقت ہے (4) وقت عذر، وہ نماز مغرب کا وقت ہے اُس شخص کے لیے کہ جو (مغرب وعشا کو) جمع کرے۔ (وقتِ اختیار یہ ہے کہ نماز عشا کو تہائی رات سے مؤخر نہ کیا جائے) حدیث جبرائیل کی بنا پر (ایک قول یہ ہے کہ نصف رات سے مؤخر نہ کیا جائے) اس حدیث کی بنا پر ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ)) ترجمہ: اگر مجھے اپنی اُمت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہوتا تو ضرور میں عشا کی نماز نصف رات تک مؤخر کر دیتا۔

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، وقت العصر، ج 1، ص 369 تا 371، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابن عبد البر مالکی (463ھ) فرماتے ہیں:

نماز عشا کا وقت، شفق (یعنی وہ سُرخی جو غروب آفتاب کے بعد مغرب کے وقت ہوتی ہے) کے غائب ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور پھر وقتِ اختیار تہائی رات تک رہتا ہے، کہا گیا کہ نصف رات تک رہتا ہے۔ پہلا قول امام مالک کا ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک جو شخص فجر (صبح صادق) سے پہلے نماز عشا پڑھ لے، اُس نے وقت میں نماز ادا کرلی، اگرچہ (اتنی تاخیر) مکروہ ہے۔ اور نماز عشا سے پہلے سونا مکروہ ہے۔ (الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب مواقیت الصلوۃ، ج 1، ص 191، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

احناف کا مؤقف

علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

(مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی عشا کا وقت شروع ہو جائے گا) بالاتفاق (اور عشا کا آخری وقت فجر کے طلوع ہونے تک ہے) کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وَآخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ)) ترجمہ: نماز

عشاء کا وقت (باقی رہتا ہے) جب تک فجر (صبح صادق) طلوع نہ ہو جائے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، اوقات الصلوات الخمس، ج1، ص39، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((وآخر وقت العشاء حين يطلع الفجر)) ترجمہ: نماز عشاء کا آخری وقت فجر کے طلوع ہونے تک ہے۔ نیز عشاء کی نماز رات کی نماز ہے لہذا جب تک رات باقی ہے، عشاء کا وقت بھی باقی رہے گا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((لا يخرج وقت صلاة حتى يدخل وقت صلاة أخرى)) ترجمہ: ایک نماز کا وقت ختم نہیں ہوتا جب تک دوسری کا وقت شروع نہ ہو جائے۔ (مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلوۃ، ج1، ص145، دار المعرفہ، بیروت)

وتر کے وقت میں مذہب ائمہ

علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

عشاء اور وتر کا وقت ایک ہی ہے مگر عشاء کو وتر سے پہلے پڑھنے کا حکم ہے۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) فرماتے ہیں: وتر کا وقت عشاء کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور آخری وقت طلوع فجر تک ہے۔ اور یہ اختلاف، اُس کی صفت کے مختلف ہونے پر مبنی ہے، چنانچہ امام اعظم کے نزدیک وتر واجب ہے، اور جب کوئی وقت دو واجب نمازوں کو جامع ہو تو وہ دونوں نمازوں کا وقت ہوتا ہے۔ اگرچہ اُن میں سے ایک کی تقدیم کا حکم ہو جیسا کہ وقتی نماز اور فوت شدہ نماز (میں سے وقتی کو پہلے پڑھنے کا حکم ہے)۔

اور صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہے۔ لہذا بقیہ سنتوں کی طرح اس کا وقت بھی فرض پڑھنے کے بعد شروع ہوگا۔ اور اس بارے میں اصل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالیشان ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى زَادَكُمْ صَلَاةً فَصَلُّوهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ، أَلَا وَهِيَ الْوَتْرُ)) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے۔ تم وہ نماز، عشاء اور طلوع فجر کے درمیان پڑھو۔ سُن لو! وہ وتر ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، اوقات الصلوات الخمس، ج1، ص39، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا موقف صاحبین کے مطابق ہے۔

(جواہر الاکلیل 1/75، قلیوبی 1/212، المغنی 2/161)

باب نمبر113

باب منه

اوقات نماز کا دوسرا باب

151- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ صَلَاةِ الظُّهْرِ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَآخِرَ وَقْتِهَا حِينَ يَدْخُلُ وَقْتُ العَصْرِ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ صَلَاةِ العَصْرِ حِينَ يَدْخُلُ وَقْتُهَا، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ تَصْفَرُّ الشَّمْسُ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ المَغْرِبِ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ يَغِيبُ الأُفُقُ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ العِشَاءِ الآخِرَةِ حِينَ يَغِيبُ الأُفُقُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ يَنْتَصِفُ اللَّيْلُ، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الفَجْرِ حِينَ يَطْلُعُ الفَجْرُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ .وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو.قال ابو عيسى سَمِعْتُ مُحَمَّدًا، يَقُولُ :حَدِيثُ الأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ فِي المَوَاقِيتِ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ فُضَيْلٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ فُضَيْلٍ خَطَأٌ أَخْطَأَ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ :حَدَّثَنَا هَنَّادٌ أَبُو

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک نماز کا ایک ابتدائی اور ایک انتہائی وقت ہے۔ ظہر کی نماز کا ابتدائی وقت وہ ہے کہ جب آفتاب ڈھل جائے اور آخری وقت ہے کہ جب عصر کا وقت آجائے، اور عصر کی نماز کا ابتدائی وقت وہ ہے کہ جب اُس کا وقت داخل ہوتا ہے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب آفتاب کی ٹکیہ زرد ہو جائے، اور مغرب کا ابتدائی وقت وہ ہے کہ جب آفتاب ڈوب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب شفق غائب ہو جائے، اور عشاء کا اول وقت وہ ہے کہ جب شفق ڈوب جائے اور آخری وقت وہ ہے کہ جب آدھی رات ہو جائے، اور بے شک فجر کا ابتدائی وقت وہ ہے کہ جب صبح صادق طلوع ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے کہ جب سورج نکل آئے۔

اور اس باب میں حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (بھی) روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: میں امام محمد بن اسماعیل بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اوقاتِ نماز کے بارے میں مجاہد سے اعمش نے جو روایت نقل کی اُس کی صحت اُس روایت سے زیادہ ہے کہ جسے محمد بن فضیل نے اعمش کے حوالے سے نقل کیا محمد بن فضیل کی روایت میں خطاء ہے جو آپ سے سرزد ہوئی

أُسَامَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْفَزَارِيِّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ :كَانَ يُقَالُ إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا، فَذَكَرَ فُضَيْلٍ خَطَأٌ أَخْطَأَ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ نَحْوَ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ

ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں: کہا جاتا تھا کہ نماز کا ایک ابتدائی اور ایک آخری وقت ہے۔اس کے بعد انہوں نے محمد بن کیا۔محمد بن فضیل کی روایت میں خطاء ہے جو آپ سے سرزد ہوئی ہے۔فضیل کی اعمش سے نقل کردہ روایت کی ہم معنی روایت ذکر کی۔

152- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَالْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ، وَأَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى، الْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَسَأَلَهُ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ :أَقِمْ مَعَنَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ، فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ، فَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْمَغْرِبِ حِينَ وَقَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْعِشَاءِ فَأَقَامَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ مِنَ الْغَدِ فَنَوَّرَ بِالْفَجْرِ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالظُّهْرِ، فَأَبْرَدَ وَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْعَصْرِ فَأَقَامَ، وَالشَّمْسُ آخِرَ وَقْتِهَا فَوْقَ

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ (حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ہمارے ساتھ ٹھہرو، اللہ نے چاہا (تو معلوم ہو جائے گا)، پھر آپ نے حضرت بلال کو حکم فرمایا تو آپ نے صبح صادق کے وقت اقامت کہی، پھر حکم دیا تو زوال شمس (سورج ڈھل جانے) کے وقت اقامت کہی اور حضور نے نماز ظہر ادا فرمائی، پھر حضور نے آپ کو حکم دیا تو آپ نے اقامت کہی اور نمازِ عصر ادا فرمائی حال یہ تھا کہ سورج ابھی سفید اور بلند تھا، پھر آپ نے نمازِ مغرب کے لئے اُس وقت حکم دیا کہ جب سورج غروب ہوا، پھر عشاء کی نماز کے لئے آپ کو کہا تو انہوں نے اُس وقت اقامت کہی کہ جب شفق غائب ہوا۔ پھر اگلے دن حضرت بلال کو حکم دیا اور فجر کی نماز کو روشنی میں پڑھا، پھر ظہر کے لئے حکم فرمایا اور اُسے اچھی طرح ٹھنڈا کر کے پڑھا، پھر عصر کی نماز کے لئے حکم فرمایا تو انہوں نے اقامت کی اس حال میں کہ سورج ابھی اپنے آخری وقت پر تھا کہ جو اُس وقت کے بعد تھا کہ جو (پہلے دن) تھا۔ پھر حکم فرمایا تو مغرب کی نماز میں شفق

مَا كَانَتْ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ إِلَى قُبَيْلِ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالْعِشَاءِ فَأَقَامَ حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، ثُمَّ قَالَ : أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ؟، فَقَالَ الرَّجُلُ :أَنَا، فَقَالَ :مَوَاقِيتُ الصَّلَاةِ كَمَا بَيْنَ هَذَيْنِ،قال ابو عيسى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ أَيْضًا

غائب ہونے سے کچھ پہلے تک تاخیر کی۔ پھر آپ نے اُنہیں عشاء کی نماز کی تلقین کی تو انہوں نے اُس وقت اقامت کہی جب ایک تہائی رات گزر گئی۔

پھر آپ نے دریافت کیا کہ نماز کے اوقات کے بارے میں پوچھنے والا شخص کہاں ہے؟ اُس شخص نے عرض کی: حضور! میں ہوں، آپ نے فرمایا: نماز کے اوقات ان دونوں وقتوں کے درمیان ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث "حسن غریب صحیح" ہے۔ اور اس حدیث کو شعبہ نے بھی علقمہ بن مرثد کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔

تخریج حدیث 152: (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب اوقات الصلوۃ الخمس، 1/ 428، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب اول وقت المغرب، 1/ 258، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، ابواب مواقیت الصلوۃ، 1/ 219، داراحیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

(1) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((إِذَا صَلَّيْتُمُ الصُّبْحَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ قَرْنُ الشَّمْسِ الْأَوَّلُ)) ترجمہ: جب فجر کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو اُس کا وقت سورج کی پہلی کرن کے طلوع ہونے تک ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت میں نمازِ فجر ادا کہلائی گی، اور جب سورج طلوع ہو گا تو ادائیگی کا وقت نکل جائے گا اور نماز قضا ہو جائے گی اور اس کی قضا ہر وقت میں جائز ہے۔

اور اس حدیث میں جمہور کی دلیل ہے کہ وقتِ ادا طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ ہمارے اصحاب شوافع میں سے ابو سعید اِصطخری نے فرمایا: جب فجر روشن ہو جائے تو اُس کے بعد نماز قضا ہو جائے گی کیونکہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے روز فجر کی نماز اسفار کے وقت (یعنی اُجالے میں) ادا کی اور فرمایا: ((اَلْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ)) یعنی نماز کا وقت ان دونوں کے درمیان ہے۔ اور جمہور علما اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام والی حدیث، وقت اختیار کے بیان کے لئے ہے نہ کہ وقتِ جواز کے استیعاب کے لئے۔ تاکہ اس حدیث میں اور اُن تمام احادیث صحیحہ میں تطبیق ہو جائے جن میں ہے کہ ایک نماز کا وقت دوسری نماز کا وقت آنے تک رہتا ہے سوائے فجر کے۔ اور یہ تاویل اُن کے قول سے بہتر ہے کہ جو کہتے ہیں کہ یہ احادیث، حدیث جبرائیل کے لئے ناسخ ہیں۔ اُس (قول کے اَولیٰ ہونے) کی وجہ یہ ہے کہ نسخ کی طرف اُس وقت رجوع کیا جاتا ہے کہ جب ہم تاویل کرنے سے عاجز ہو جائیں جبکہ اس مسئلہ میں ہم عاجز نہیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(شرح النووی علی مسلم، باب اوقات الصلوات الخمس، ج5، ص109، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان: ((إِذَا صَلَّيْتُمُ الظُّهْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَحْضُرَ الْعَصْرُ)) ترجمہ: "جب ظہر کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو عصر کے آنے تک اُس کا وقت ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارا وقت نماز ظہر کی ادائیگی کا ہے۔ اس حدیث میں امام شافعی اور اکثر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم کی دلیل ہے کہ ظہر اور عصر کے وقتوں میں کسی قسم کا اشتراک نہیں ہے بلکہ جب ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو عصر کا وقت شروع ہو جائے گا اور جب عصر کا وقت شروع ہو گیا تو ظہر کا وقت باقی نہ رہے گا۔

(شرح النووی علی مسلم ملخصا، باب اوقات الصلوات الخمس، ج5، ص110، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: ((فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعَصْرَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ))

ترجمہ: "جب عصر کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو اُس کا وقت رہتا ہے جب تک سورج زرد نہ پڑ جائے۔" کا مطلب یہ ہے کہ (سورج کے پیلا پڑھنے سے پہلے پہلے) اس وقت نماز عصر بغیر کراہت کے ادا ہو جائے گی لیکن جب سورج پیلا پڑ گیا تو مکروہ وقت ہو گیا البتہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے نماز پھر بھی ادا کہلائے گی کیونکہ حدیث پاک میں ہے: ((وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ)) ترجمہ: جس شخص نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، اُس نے عصر کی نماز پالی۔ (شرح النووی علی مسلم، باب اوقات الصلوات الخمس، ج5، ص110، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْمَغْرِبَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى أَنْ يَسْقُطَ الشَّفَقُ)) ترجمہ: جب تم مغرب کی نماز ادا کرو تو بے شک اُس کا وقت (باقی رہتا) ہے یہاں تک کہ شفق غائب ہو جائے۔ ایک روایت میں ہے: ((وَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَسْقُطْ ثَوْرُ الشَّفَقِ)) ترجمہ: مغرب کا وقت (باقی رہتا ہے) جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ)) ترجمہ: جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((مَا لَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ)) یعنی جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ اس حدیث اور اس کے بعد والی احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے کہ مغرب کا وقت، شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ اور یہ مذہب شوافع کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ اور ہمارے ناقلینِ مذہب میں سے جمہور کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور نے کہا صحیح یہ ہے کہ نماز مغرب کا صرف ایک وقت ہے۔ اور وہ غروب آفتاب کے بعد اتنی دیر ہے کہ جس میں طہارت، ستر عورت، اذان اور اقامت ہو سکے۔ لہٰذا اگر اس وقت نماز شروع نہیں کی تو گناہ گار ہو گا اور یہ نماز قضا ہو جائے گی۔

ہمارے محققین علما کا مسلک یہ ہے کہ مغرب میں تاخیر کرنا جائز ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔ اور اس پورے وقت میں سے کسی بھی وقت نماز شروع کرنا جائز ہے اور اوّل وقت سے تاخیر کرنے کے باعث گناہ گار نہ ہو گا۔ یہ ہی قول صحیح اور درست ہے، اس کے علاوہ کوئی قول درست نہیں ہے۔

اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت یعنی غروب آفتاب کے وقت ادا کی، اس کے تین جوابات ہیں:

(۱) ایک جواب یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقتِ اختیار بیان کرنے پر اکتفاء کیا اور وقتِ جواز (یعنی۔ جس وقت میں نماز درست ہو جائے) کا استیعاب نہیں فرمایا۔ اور یہ بات (استیعاب کا نہ ہونا) ظہر کے علاوہ تمام نمازوں کے بارے میں ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث مکی اور ابتدائے اسلام کے بارے میں، اور وقت مغرب کے غروب شفق تک باقی

رہنے والی احادیث مدنی اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے آخری دور کی ہیں۔ لہٰذا اِن پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث، سند کے لحاظ سے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام والی حدیث کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہیں لہٰذا اُن کی تقدیم واجب ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، باب اوقات الصلوات الخمس، ج5، ص111، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ((فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعِشَاءَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ)) ترجمہ: نمازِ عشاء کا وقت نصف رات تک ہے۔ یعنی اس کی ادائیگی کا وقتِ اختیار یہ ہے، رہا وقتِ جواز وہ صبح صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام مسلم نے اس کے بعد "بَابُ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا" میں ذکر کیا وہ حدیث یہ ہے: ((لَيْسَ فِي النَّوْمِ تفريط إِنَّمَا التَّفْرِيطُ عَلَى مَنْ لَمْ يُصَلِّ الصَّلَاةَ حَتَّى يَجِيءَ وَقْتُ الصَّلَاةِ الْأُخْرَى)) ترجمہ: سوئے رہنے کی صورت میں کوتاہی نہیں ہے، کوتاہی تو ایسے شخص پر ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ (شرح النووی علی مسلم، باب اوقات الصلوات الخمس، ج5، ص111، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(6) حدیث بُریدہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک آدمی نے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا: ((صَلِّ مَعَنَا هَذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ)) یعنی تم ہمارے ساتھ ان دونوں میں نماز پڑھو۔ اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ نماز کا ایک وقت فضیلت ہے اور ایک وقتِ اختیار ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مغرب کا وقت (غروب آفتاب سے غروب شفق تک) رہتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی پتا لگا کہ (قولی تبلیغ کے مقابلہ میں) عملی تبلیغ سے چیز زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ اور عملی تبلیغ کا فائدہ سائل اور غیر سائل دونوں کو ہوتا ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وقت حاجت تک بیان کو مؤخر کرنا جائز ہے۔ اور جمہور اصولیوں کا یہی مذہب ہے۔ اور اس حدیث میں نماز کو اوّل وقت سے مؤخر کرنا اور کسی راجح مصلحت کی وجہ سے اوّل وقت کی فضیلت کو ترک کرنے کا جواز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ((وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ)) یعنی جس طرح تم نے دیکھا، تمہاری نمازوں کے اوقات ان کے درمیان ہیں یہ خطاب سائل اور غیر سائل سب سے ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے "تمہاری نماز کا وقت اُن دو طرفوں میں ہے جن میں تم نے نماز پڑھی اور اُن کے مابین ہے۔ اور فعلی تبلیغ کے ذریعہ علم حاصل ہو جانے کی وجہ سے "دونوں طرفوں" کا ذکر نہیں کیا۔ یا "پہلی طرف" سے تکبیر تحریمہ اور "دوسری طرف" سے سلام مراد ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب اوقات الصلوات الخمس، ج5، ص114، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر114

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيسِ بِالْفَجْرِ

صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنا

153 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، ح وقَالَ حَدَّثَنَا الأَنْصَارِيُّ :حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ، قَالَ الأَنْصَارِيُّ :فَتَمُرُّ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الغَلَسِ، وقَالَ قُتَيْبَةُ : مُتَلَفِّعَاتٍ، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَنَسٍ، وَقَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ .قال ابو عيسى:حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ،وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ :أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، يَسْتَحِبُّونَ التَّغْلِيسَ بِصَلَاةِ الفَجْرِ

حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے،فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز پڑھاتے اور عورتیں واپس لوٹ جاتیں۔انصاری (راوی) نے کہا: خواتین اپنی چادروں میں لپٹ کر گزرتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں۔اور قتیبہ نے کہا: اُن خواتین نے چادروں سے اپنے آپ کو ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔

اور اس باب میں حضرت ابن عمر، حضرت انس اور قیلہ بنت مخرمہ سے (بھی) روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

اور متعدد علماء صحابہ جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں، اور اُن کے بعد آنے والے تابعین نے یہ ہی قول اختیار کیا ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہ ہی نظریہ ہے کہ وہ صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کرنے کو مستحب قرار دیتے تھے۔

تخریج حدیث153: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت الفجر، 1/ 120، حدیث578، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها......الخ، 1/ 446، حدیث645، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی وقت الصبح، 1/ 115، حدیث423، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب التغلیس فی الحضر، 1/ 271، حدیث545، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب وقت صلوۃ الفجر، 1/ 220، حدیث669، دار احیاء الکتب العربیہ)

باب نمبر115

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِسْفَارِ بِالفَجْرِ

صبح کی نماز اُجالے میں پڑھنا

154- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :أَسْفِرُوا بِالفَجْرِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلأَجْرِ وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ، وَجَابِرٍ، وَبِلَالٍ :وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ، وَالثَّوْرِيُّ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ .وَرَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ أَيْضًا، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ .قال ابو عيسى:حَدِيثُ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَأَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ :الإِسْفَارَ بِصَلَاةِ الفَجْرِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وقَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ " :مَعْنَى الإِسْفَارِ :أَنْ يَضِحَ الفَجْرُ فَلَا يُشَكُّ فِيهِ "وَلَمْ يَرَوْا أَنَّ مَعْنَى الإِسْفَارِ :تَأْخِيرُ الصَّلَاةِ

حضرت سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے ،فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا: فجر کی نماز اُجالے میں پڑھو کیونکہ اس میں بہت ثواب ہے۔

اوراس باب میں حضرت ابوبرزہ،حضرت جابراور حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہم سے (بھی) احادیث مروی ہیں۔

شعبہ اور سفیان ثوری نے محمد بن اسحاق سے اور محمد بن عجلان نے عاصم بن عمر بن قتادہ کے حوالہ سے روایت کی ہے۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

اور متعدد صحابہ کرام اور تابعین نے صبح کی نماز اُجالے میں پڑھنے کو اختیار کیا۔اور امام سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔

امام شافعی،امام احمد اور امام اسحاق نے فرمایا کہ فجر کی نماز اُجالے میں پڑھنے کا مطلب ہے کہ صبح اتنی روشن ہوجائے کہ اُس (کے طلوع ہونے) میں شک باقی نہ رہے۔اُن کے نزدیک اس (اُجالے میں پڑھنے) کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز کو تاخیر سے ادا کیا جائے۔

تخریج حدیث153:(سنن ابی داؤد،کتاب الصلوۃ،باب فی وقت الصبح،1/ 115،حدیث424،المکتبۃ العصریہ،بیروت ☆سنن نسائی،کتاب المواقیت،باب الاسفار،1/ 272، حدیث548،المطبوعات الاسلامیہ،حلب ☆سنن ابن ماجہ،کتاب الصلوۃ،باب وقت صلوۃ الفجر،1/ 221،حدیث672،داراحیاء الکتب العربیہ)

فجر کے مستحب وقت میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

فتاوی ہندیہ میں ہے: نماز فجر میں تاخیر مستحب ہے البتہ اتنی تاخیر نہ ہونے پائے کہ سورج کے طلوع ہونے کا شک ہونے لگے بلکہ اتنا اُجالا ہونے دے کہ اگر (نماز کے بعد) نماز کے فاسد ہونے کا پتہ چلے تو قرأتِ مستحبہ کے ساتھ اسی وقت میں لوٹا سکے۔تبیین الحقائق میں اسی طرح ہے۔البتہ حاجی کے لئے مزدلفہ میں تغلیس افضل ہے۔محیط میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی بیان فضیلۃ الاوقات، دارالفکر، بیروت)

درمختار میں ہے:

مرد کے لئے مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز شروع بھی اُجالے میں کرے اور ختم بھی اُجالے میں کرے۔یہی مختار ہے، اس طرح کہ اس میں چالیس 40 (تا ساٹھ 60، شامی) آیتیں ترتیل سے پڑھے اور بعد میں اگر فاسد ہونے کا پتہ چلے تو وضو کر کے لوٹا سکے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، ج 1، ص 366، دارالفکر، بیروت)

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

(فجر کی نماز اُجالے میں پڑھنا مستحب ہے) کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ)) یعنی فجر کی نماز اُجالے میں پڑھو کہ اس میں بڑا ثواب ہے۔ایک روایت میں ہے: ((نَوِّرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ)) ترجمہ: فجر کی نماز روشنی میں ادا کیا کرو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، الاوقات المستحبۃ للصلاۃ، ج 1، ص 39، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

کوفیوں، امام ابو حنیفہ اور اُن کے تلامذہ، امام ثوری اور اکثر عراقی علماء کا مذہب یہ ہے کہ فجر کی نماز اُجالے میں پڑھنا افضل ہے۔امام مالک، امام شافعی اور اُن کے اصحاب، امام احمد بن حنبل، امام ابو ثور اور داؤد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا اُفضل ہے۔

(بدایۃ المجتہد، القسم الاول من الفصل الاول، ج 1، ص 105، دارالحدیث، القاہرہ)

علامہ شہاب الدین نفراوی مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ فجر اوّل وقت میں ادا کرنا افضل ہے کیونکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الصَّلٰوۃُ فِی اَوَّلِ وَقْتِھَا)) ترجمہ: بہترین عمل اوّل وقت میں نماز ادا کرنا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((اَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰہِ)) اوّل وقت میں نماز ادا کرنا اللہ کی خوشنودی (کا ذریعہ) ہے۔

(الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی، باب فی اوقات الصلاۃ واسمائہا، ج 1، ص 166، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ہمارا (شوافع) کا مذہب یہ ہے کہ فجر کی نماز ابتدائی وقت میں پڑھنا افضل ہے یعنی اُس وقت کہ جب طلوعِ فجر یقینی ہو جائے۔

(المجموع شرح المہذب، باب مواقیت الصلاۃ، ج 3، ص 51، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

فجر کی نماز تاریکی میں پڑھنا افضل ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل التغلیس بصلاۃ الصبح افضل، ج 1، ص 286، مکتبۃ القاہرہ)

دلائل پر بحث ونظر:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

سفر ہو یا حضر، سردی ہو یا گرمی تمام لوگوں کے حق میں نمازِ فجر اُجالے میں پڑھنا، تاریکی میں پڑھنے سے افضل ہے سوائے حاجی کے کیونکہ اُس کے حق میں مزدلفہ کے مقام پر نمازِ فجر تاریکی میں پڑھنا افضل ہے۔۔۔۔امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سب لوگوں کے لئے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ فرمانِ ربّانی ہے ﴿وَسَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان وزمین آجائیں پرہیزگاروں کے لئے تیار رکھی ہے۔ اور نماز جلدی ادا کرنا بھلائی کی طرف سبقت کرنے کے قبیل سے ہے۔ اور اللہ عزوجل نے نماز میں سُستی کرنے والوں کی مذمت بیان کی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ﴿وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے۔ اور تاخیر سے نماز ادا کرنا، نماز میں سُستی کرنے کے قبیل سے ہے۔

نیز حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کونسا عمل اَفضل ہے؟ آپ نے ارشادفرمایا: ((الصَّلَاۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا)) یعنی نماز کواوّل وقت میں ادا کرنا۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ((اَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَآخِرُ الْوَقْتِ عَفْوُ اللّٰہِ)) ترجمہ: "اوّل وقت میں نماز ادا کرنا اللہ کی رضا (کا ذریعہ) ہے اور آخری وقت میں ادا کرنا اللہ کی (طرف سے) معافی (کا ذریعہ) ہے۔" یعنی اوّل وقت میں نماز ادا کرنے کی برکت سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور آخری وقت میں ادا کرنے کے سبب اللہ کی معافی ملے گی۔اور اللہ عزوجل کی خوشنودی کا حقدار ہونا اُس کی معافی کے حقدار ہونے سے بہتر ہے کیونکہ اللہ کی رِضا سب سے بڑا ثواب ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشادفرمایا: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: "اور اللہ کی رضا سب سے بڑی۔" اور اللہ کی رِضا عبادات کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جبکہ معافی کے حصول کے لئے پہلے گناہ ہوجانا ضروری ہے۔اور خاص نمازِ فجر کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ عورتیں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں پھر واپس چلی جاتیں اور حال یہ ہوتا کہ شدید اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔

احناف کے دلائل

(1) حضرت رافع بن خدیج نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((اَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ)) ترجمہ: فجر کی نماز روشنی میں پڑھو کیونکہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔

(2) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ((مَا صَلَّی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَاۃً قَبْلَ مِیْقَاتِھَا اِلَّا صَلَاتَیْنِ صَلَاۃُ الْعَصْرِ بِعَرَفَۃَ وَصَلَاۃُ الْفَجْرِ بِمُزْدَلِفَۃَ فَاِنَّہٗ قَدْ غَلَّسَ بِھَا)) ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نماز اُس کے وقت سے پہلے نہیں پڑھی، سوائے دو نمازوں کے، ایک عصر کی نماز میدانِ عرفہ میں، دوسری نمازِ فجر مزدلفہ میں، کیونکہ وہ آپ نے اندھیرے میں ادا فرمائی۔

یہاں نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کرنے کو وقت سے پہلے نماز پڑھنا کہا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ نمازِ فجر اُجالے میں ادا فرماتے۔

(3) حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ((مَا اجْتَمَعَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی شَیْءٍ کَاجْتِمَاعِھِمْ عَلٰی تَاْخِیْرِ الْعَصْرِ وَالتَّنْوِیْرِ بِالْفَجْرِ)) ترجمہ: صحابہ کرام کا کسی چیز پر ایسا اتفاق نہیں ہوا جیسا اتفاق عصر کی نماز کو مؤخر کرنے اور نمازِ فجر کو روشن وقت میں پڑھنے پر ہے۔

(4) اندھیرے میں نمازِ فجر ادا کرنا تقلیلِ جماعت کا سبب ہے کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، جبکہ اُجالے میں نماز پڑھنا تکثیرِ جماعت کا باعث ہے لہذا اسفار اَفضل ہوا۔ تکثیرِ جماعت ہی کے باعث گرمیوں میں نمازِ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مستحب ہے کیونکہ (گرم وقت میں) لوگ قیلولہ کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

(5) اس وقت میں لوگوں کی جماعت کے حاضر ہونے میں ایک قسم کی مشقت ہے بالخصوص کمزوروں کے لئے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((صَلِّ بِالْقَوْمِ صَلَاةَ أَضْعَفِهِمْ)) ترجمہ: لوگوں کو اُن میں سے ضعیف کے اعتبار سے نماز پڑھاؤ۔

(6) ایک دلیل یہ ہے کہ جہاں نمازِ فجر ادا کی، طلوعِ آفتاب تک وہاں ٹھہرنا مستحب ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ وَمَكَثَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ أَرْبَعَ رِقَابٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ)) ترجمہ: جو فجر کی نماز ادا کرے اور طلوعِ آفتاب تک ٹھہرے رہے گویا اُس نے اولادِ اسماعیل سے چار غلام آزاد کئے۔ اور اندھیرے میں نماز ادا کرنے کی صورت میں اس فضیلت کو حاصل کرنے پر بہت کم قدرت ہوگی کیونکہ (نماز کے بعد طلوعِ آفتاب ہونے تک) ٹائم زیادہ ہونے کی وجہ سے کم ہی ٹھہرنا پایا جائے گا جبکہ اسفار میں نماز ادا کی جائے تو اس فضیلت کو (باآسانی) حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اسفار کے وقت نماز ادا کرنا افضل ہے۔

شوافع وغیرہ کے دلائل کا جواب

اور جو دلائل (امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ کی طرف سے) مذکور ہوئے، اُنہیں بعض نمازوں کے بعض اوقات میں ہم بھی مانتے ہیں، لیکن بعض نمازوں کے متعلق دلائل اس پر قائم ہیں کہ تاخیر کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے افضل ہے جو تاخیر سے نماز ادا کرنے میں موجود ہے۔ اسی لئے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تہائی رات تک نمازِ عشا کو مؤخر کرنے کا کہا تاکہ عشا کی نماز کے بعد سَمَر (رات کی گفتگو) میں مبتلا نہ ہو۔

پھر قرآن کریم میں (بھلائی کی طرف) سبقت کرنے کا حکم ایسی جلدی کی طرف راجع ہے جو شرع سے ثابت ہے۔ یہ دیکھیے قبل از وقت نماز ادا کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں مسارعت (بھلائی کی طرف سبقت کرنا) ہے، کیوں؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ شرع سے ثابت نہیں۔

اور (شوافع کی طرف سے پیش کردہ) حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہاں ''عفو'' سے مراد ''فضل'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل

بچے۔

اس بناء پر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اوّل وقت میں نماز ادا کرے گا وہ اللہ کی رضا کو پالے گا نیز اللہ کی ناراضگی اور عذاب سے محفوظ رہے گا کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے حکم کو بجالایا اور اللہ کے واجب کو ادا کیا۔ اور جو آخری وقت میں نماز ادا کرے گا وہ اللہ کا فضل پائے گا۔ اور اللہ کا فضل بغیر اُس کی رضا کے حاصل نہیں ہوتا لہذا یہ درَجہ (یعنی اللہ کے فضل والا درَجہ) اُس درجہ (یعنی اللہ کی رضا والے درَجہ) سے اَفضل ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحیح روایات سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسفار میں نماز پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ ہم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث نقل کی۔ اگر کسی وقت تغلیس (اندھیرے) میں نماز پڑھنا ثابت ہے تو وہ سفر میں نکلنے کے عذر کی وجہ سے ہے۔ یا وہ ابتدائے اسلام میں تھا جب عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں، پھر اُنہیں گھر میں ٹھہرنے کا حکم ہوا تو اندھیرے میں نماز پڑھنا منسوخ ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلوۃ، ج1، ص125,124، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

عورتوں کی پہچان نہ ہونے والی روایت محتمل ہے کیونکہ جہاں اس میں یہ احتمال ہے کہ اُن خواتین کو نہ پہچاننا رات کی تاریکی کے باقی رہنے کی وجہ سے ہو، وہاں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اُن خواتین کے چادروں میں اچھی طرح چُھپے ہونے کی وجہ سے ان کی پہچان نہ ہوتی ہو۔ (عمدۃ القاری، باب فی کم تصلی المرأۃ من الثیاب، ج4، ص90، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان عالیشان ہے: ((أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ)) ترجمہ: فجر کو روشنی میں ادا کرو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور دیگر محدثین نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةً لِغَيْرِ مِيقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْعِشَاءِ وَالْمَغْرِبِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيقَاتِهَا بِغَلَسٍ)) ترجمہ: میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نماز بغیر وقت کے پڑھی ہو مگر دو نمازیں، مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کیا اور اس دن فجر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔

اور حضرت ابوداؤد بن یزید کے والد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہمیں فجر کی نماز پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں طلوع نہ ہو گیا ہو۔ اس حدیث کو امام طحاوی نے (شرح

معانی الآثار میں) روایت کیا۔ اور اس کو الماما میں ذکر کیا۔

ایک دلیل یہ ہے کہ اِسفار (یعنی فجر کو اُجالے میں پڑھنے) میں تکثیر جماعت ہے نیز سونے والوں اور ضعیف لوگوں پر جماعت کی فضیلت کو پانے میں گنجائش پیدا کرنا ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث میں مخالفین کے لیے کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ اُس حدیث میں "غلس" (یعنی اندھیرے) سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نماز ادا کرتے تھے اور وہاں فجر کے وقت چراغ نہیں ہوا کرتے تھے۔ کیا تم اُس حدیث کو مدّ نظر نہیں رکھتے جس میں ہے کہ کوئی شخص اپنے ہم نشین کو نہیں پہچان پاتا۔ اگر مسجد نبوی میں چراغ ہوتے تو نصف رات کے وقت بھی (اپنے ہم نشین کی) پہچان ہوتی۔ اور حال یہ ہے کہ نہایت روشنی میں بھی عمارتوں میں اندھیرا باقی رہتا ہے، عرب کا مقولہ ہے: ((هٰذَا بَيْتٌ غَلَسٌ بِالنَّهَارِ)) یعنی "یہ ایسا گھر ہے جس میں دن کے وقت بھی اندھیرا چھایا ہوتا ہے۔" تو طلوع آفتاب سے قبل (عمارت کے اندھیرے کے متعلق) تیرا کیا خیال ہے؟ اور کوئی خاتون جب اپنی چادر میں لپٹی ہوئی ہو تو دن کے وقت بھی نہ پہچانی جائے تو طلوع آفتاب سے پہلے پہچان ہونا کیونکر ممکن ہے؟ لہٰذا (اُس دور میں) خواتین کی پہچان نہ ہونا اور مسجد میں اندھیرے کا باقی رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی۔

اور "غلس" یعنی اندھیرے سے مراد مسجد کا اندھیرا ہونے پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی وہ حدیث ہے جو ابھی گزری کیونکہ اُس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ فرمان ہے: ((وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيقَاتِهَا بِغَلَسٍ)) ترجمہ: "اور اس دن رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز اپنے وقت سے پہلے اندھیرے میں پڑھی۔" بالفرض اگر وہ مسجد کے علاوہ کوئی اور اندھیرا ہو تو دو حدیثوں میں تعارض لازم آجائے گا۔

ایک اور جواب یہ ہے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا فعل مبارک موجود ہے اور ہماری حدیث میں آپ کا قول مبارک۔ اور قول، فعل پر مقدم ہوتا ہے۔

(مخالفین کی پیش کردہ حدیث میں) ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کبھار بیان جواز کے لئے نماز فجر اندھیرے میں ادا فرمائی ہو۔ اور اس سے ہمارے موقف پر زَد نہیں پڑتی۔

اور دوسری حدیث: ((أول الوقت رضوان الله ووسطه رحمة الله وآخره عفو الله)) (یعنی اوّل وقت اللہ کی خوشنودی، درمیانی وقت اللہ کی رحمت اور آخری وقت اللہ کی طرف سے معافی ہے)) صحیح نہیں کیونکہ اُس کی سند میں ابراہیم بن زکریا راوی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو بھی تو اس (حدیث میں "عفو") سے مراد فضل

ہے کیونکہ "عفو" بول کر فضل مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: "اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے۔" یعنی جو راُس المال (اصل مال) سے زائد ہو وہ خرچ کرو۔ اور گناہ کے نہ ہونے کی وجہ سے حد سے بڑھنے والے معنی کے مقابلہ میں "فضل" والا معنی زیادہ لائق اور درست ہے۔ کیونکہ تاخیر کرنا جائز ہے اور فضل میں خوشنودی ہے اور ان دونوں (مباح کام اور اللہ کی خوشنودی) میں منافات نہیں ہے۔

اور جو احادیث (بطور دلیل) ہم نے ذکر کیں اُن میں موجود "اِسفار" کو طلوع فجر کے واضح اور ظاہر ہونے پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ طلوع فجر سے پہلے نماز اصلاً نہیں ہوتی حالانکہ حدیث: ((أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ)) کا تقاضا یہ ہے کہ نماز جائز ہے لیکن اسفار کی وجہ سے زیادہ ثواب ہے۔ اور جواب میں یہ نہ کہا جائے کہ نمازی کو اُس کی نیت پر اجر ملے گا اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو اس اعتبار سے اِسفار کا اجر بڑا ہوگا، (یہ اس لئے نہ کہا جائے) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ثواب کا ترتب نماز پر کیا ہے، نیت پر نہیں۔ چنانچہ اسفار کا اجر زیادہ ہے اور جواز نماز میں دونوں (وقتوں میں پڑھی جانے والی نمازیں) مشترک ہیں۔ اور غور وفکر کے ذریعہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اسفار (میں پڑھی جانے والی نماز) کا اجر بڑھانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے، نماز کو جائز قرار دینے کے لئے نہیں فرمایا۔

(تبیین الحقائق، الاوقات التی یستحب فیہا الصلاۃ، ج1، ص82، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، القاہرہ)

امام کمال ابن الہمام حنفی (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تاویل کرنا کہ "اسفار سے مراد ہے فجر کے وقت کا متحقق ہونا اس طرح کہ اُس کے طلوع میں شک نہ رہے، اس تاویل کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ جب تک یقینی طور پر طلوع فجر نہ ہو جائے تو نماز کے درست ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا چہ جائے کہ ثواب ملے کیونکہ حدیث میں زیادہ ثواب کا ذکر ہے۔ (فتح القدیر، فصل یستحب الاسفار بالفجر، ج1، ص225، دار الفکر، بیروت)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اسفار کا معنی "فجر کے وقت کا متحقق ہونا" ہو تو حدیث شریف کا معنی ہوگا کہ فجر کا وقت متحقق ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت سے پہلے نماز پڑھ لی جائے تو بھی اجر ملے گا حالانکہ یہ بات بداہۃً باطل ہے کیونکہ وقت سے پہلے نماز پڑھنے کی صورت میں تو نماز ہی نہیں ہوگی چہ جائیکہ ثواب ملے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے اس موقف کے دلائل میں کثیر احادیث کریمہ موجود ہیں جو متعدد صحابہ سے مروی ہیں:

(1) اُن میں سے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ ہیں، امام ابوداؤد نے محمود بن لبید کے حوالہ سے آپ سے روایت کی، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأَجْرِكُمْ أَو

أعظم لِلْاجرِ)) ترجمہ: فجر کی نماز روشن وقت میں ادا کرو کہ اس میں زیادہ اَجر ہے۔اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ نیز امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ((أَصْبِحُوا بِالْفَجْرِ))۔اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اِن الفاظ کے ساتھ روایت کیا: ((أسفروا بِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَإِنَّهُ أعظم لِلْاجرِ)) اور ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت کیا: ((فَكلما أَصْبَحْتُمْ بالصبح فَإِنَّهُ أعظم لأجركم)) اور امام طبرانی نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت فرمائی: ((فَكلما أسفرتم بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أعظم لِلْاجرِ))۔

(2) اُن صحابہ میں حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں جن کی حدیث کو امام احمد نے اپنی مُسند میں روایت کیا ہے۔اُس میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔اور محمود بن لبید مشہور صحابی ہیں، اسی طرح کہا گیا ہے۔میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں کہ امام مزّی نے فرمایا: محمود بن لبید بن عصمہ بن رافع بن امرأالقیس اَوسی اَشہلی کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہوئی لیکن آپ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔امام مزی کی عبارت ختم ہوئی۔میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں: امام مسلم نے محمود بن لبید کا ذکر تابعین کے دوسرے طبقہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا کہ امام بخاری فرماتے ہیں: آپ صحابی ہیں۔ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے فرمایا: محمود کا صحابی ہونا نہیں معروف نہیں۔ابو عمر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا قول اَولیٰ ہے۔ممکن ہے کہ محمود بن لبید نے یہ حدیث اَوّلاً حضرت رافع بن خدیج سے سُن کر روایت کی ہو اور پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست سُن کر روایت کی ہو۔

(3) اُن رایوں میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں جن کی حدیث رافع بن خدیج حدیث کی مثل ہے، بزار نے اپنی مُسند میں روایت کی۔اس کی سند میں ایوب بن یسار ہے، بزار نے فرمایا: وہ ضعیف ہے۔

(4) اُن راویوں میں سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ان کی حدیث بھی بزار ہی نے مرفوعاً روایت کی۔جس کے الفاظ یہ ہیں: ((أسفروا بِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَإِنَّهُ أعظم لِلْاجرِ))۔

(5) اُن راویوں میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔اُن کی حدیث کو امام طبرانی نے اپنی معجم میں عاصم بن عمر بن قتادہ بن نعمان عن ابیہ عن جدہ کے حوالہ سے اس کی مثل مرفوع حدیث روایت کی۔نیز بزار نے بھی اس کو روایت کیا۔

(6) اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔آپ کی حدیث کو بھی امام طبرانی نے مرفوعاً روایت کی ہے۔

(7) اُن راویوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔اُن کی حدیث کو امام ابن حبان نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

(8) کچھ انصاری صحابہ بھی اُن راویوں میں شامل ہیں۔ جن کی حدیث کو امام نسائی نے محمود بن لبید کے حوالہ سے روایت کیا ہے، اور محمود بن لبید انصاری صحابہ سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((أسفروا بالصبح فإنّہ أعظم لِلْأجرِ)) ترجمہ: نمازِ فجر میں اِسفار کرو کہ اس میں بڑا اجر ہے۔

(9) نمازِ فجر میں اِسفار کے حوالہ سے روایت کرنے والے صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل ہیں۔ ان کی حدیث کو امام طبرانی نے حفص بن سلیمان کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے: ((لَا تزَال أمتِي علي الْفطْرَۃ مَا أسفروا بِالْفَجْرِ)) ترجمہ: میری اُمت ہمیشہ فطرت پر رہے گی جب تک نمازِ فجر اُجالے میں پڑھتی رہے گی۔

(10) اُنہی میں سے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ ابو اسحاق اور ابراہیم بن محمد بن عبید نے ابو الزاہریہ کے حوالہ سے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أسفروا بِالْفَجْرِ تفقھوا)) ترجمہ: نمازِ فجر اُجالے میں پڑھو، فقیہ بن جاؤ گے۔

(11) اُن ہی میں سے حضرت حواء انصاریہ ہیں جن کی حدیث کو امام طبرانی نے ابن بُجَید حارثی کے حوالہ سے اُن کی انصاری دادی سے روایت کیا جو کہ بیعت کرنے والوں میں شامل تھیں۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ((أسفروا بِالْفَجْرِ فَإِنَّہُ أعظم لِلْأجرِ)) ترجمہ: "فجر کی نماز روشنی میں ادا کرو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔" اور ابن بجید کا ذکر ابن حبان نے کتاب الثقات میں کیا ہے۔ اُن کی دادی حوا بنت زید بن سکن ہیں اور وہ اَسماء بنت زید بن سکن کی بہن ہیں۔ (عمدۃ القاری، باب فی کم تصلی المرأۃ من الثیاب، ج4، ص90، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

اور ہمارے علماء کے نزدیک مردوں کو دواماً ہر زمان و ہر مکان میں اسفارِ فجر یعنی جب صبح خوب روشن ہو جائے نماز پڑھنا سنّت ہے سوا یوم النحر کے کہ حجاج کو اُس روز مزدلفہ میں تغلیس چاہئے صرح بہ فی عامۃ کتبھم (فقہا کی عامہ کتب میں اس بات کی تصریح ہے)۔

اس میں احادیث صریحہ معتبرہ وارد: ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن حبان، طبرانی حضرت رافع بن خدیج سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ، فَإِنَّہُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ)) یعنی صبح کو خوب روشن کرو کہ اسفار میں اجر زیادہ ہے۔ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی الاسفار بالفجر، ج1، ص289، مصطفی البابی، مصر☆ سنن ابی داود، باب فی وقت الصبح، ج1، ص115، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی الاسفار بالفجر، ج1، ص289، مصطفی البابی، مصر)

ولفظ الطبرانی:((فکلما اسفرتم بالفجر فانه اعظم للاجر))

(المعجم الکبیر للطبرانی، عن رافع بن خدیج، ج4، ص251، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

ولفظ ابن حبان:((فکلما اصبحتم بالصبح فانه اعظم لاجورکم))

(صحیح ابن حبان، ذکر لفظۃ تعلق بہا من جہل صناعۃ الحدیث، ج4، ص355، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ان الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ جس قدر اسفار میں مبالغہ کرو گے ثواب زیادہ پاؤ گے۔

اور طبرانی وابن عدی نے انہی صحابی سے روایت کیا:((قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لبلال: یابلال! اناد بصلاۃ الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار))رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا: اے بلال! فجر کی اذان اس وقت دیا کرو جب لوگ اپنے تیر گرنے کی جگہیں دیکھ لیں بسبب روشنی کے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، عن رافع بن خدیج، ج4، ص278، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

اور پُر ظاہر کہ یہ بات اُس وقت حاصل ہوگی جب صبح خوب روشن ہوجائے گی اور جب اذان ایسے وقت ہوگی تو نماز اس سے بھی زیادہ روشنی میں ہوگی۔

ابن خزیمہ اپنی صحیح اور امام طحاوی شرح معانی الاثار میں بسند صحیح حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: ((مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ كَمَا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ)) اصحابِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا کسی بات پر اتفاق نہ کیا جیسا تنویر واسفار پر۔ (شرح معانی الآثار، باب الوقت الذی یصلی ای وقت ھو، ج1، ص184، مطبوعہ عالم الکتب)

حدیث صحیحین سے ثابت کہ نمازِ فجر اوّل وقت پڑھنا سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے خلاف تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزدلفہ میں حضور کے مغرب کو بوقتِ عشا اور فجر کو اول وقت پڑھنے کی نسبت فرمایا:((إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا فِي هَذَا الْمَكَانِ)) یعنی یہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے پھیر دی گئیں اس مکان میں۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، متی یصلی الفجر بجمع، ج2، ص166، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

بخاری ومسلم کی دُوسری روایت میں ہے:((صلی الفجر قبل وقتھا بغلس)) صبح کی نماز پڑھی قبل اس کے وقت کے تاریکی میں۔

(صحیح مسلم، باب استحباب التغلیس بصلاۃ الصبح، کتاب الصلوۃ، ج2، ص938، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور قبل وقت سے قبل از طلوع فجر مراد نہیں کہ یہ خلاف اجماع ہے معہذا احادیث بخاری سے ثابت کہ فجر طالع ہوچکی تھی تو بالضرور قبل از وقت معہود مقصود ہے وہو المطلوب۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اس حدیث کے راوی ہیں حضر وسفر میں ملازمت والا سے مشرف رہتے یہاں

تک کہ لوگ انہیں اہل بیت نبوت سے گمان کرتے اوران کے لئے استیذان معاف تھا، کل ذلک ثابت بالاحادیث (یہ سب احادیث سے ثابت ہے۔) تو اُن کا یہ فرمانا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ کسی نماز کو غیر وقت پر پڑھا ہو سوا اِن دو نمازوں کے، اس مضمون کا مؤکد ومؤید ہے۔

اور حکمت فقہی اس باب میں یہ ہے کہ اسفار میں تکثیر جماعت ہے جو شارع کو مطلوب ومحبوب اور تغلیس میں تقلیل اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا اور یہ دونوں ناپسند ومکروہ، اسی لئے امام کو تخفیف صلاۃ اور کبیر وضعیف ومریض حاجتمند کی مراعات کا حکم فرمایا سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ نے جماعت میں قرأت طویل پڑھی لوگ شاکی ہوئے، ارشاد ہوا: ((یَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ ؟یا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ قالہ ثلثا)) اے معاذ! کیا تم، لوگوں کو آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہو؟ یہ بات آپ نے تین دفعہ کہی۔

(صحیح بخاری، باب من شکا امامہ اذا طول، ج 1، ص 142، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اور اوّل وقت نماز کی افضلیت اگر مطلقاً تسلیم کربھی لی جائے تاہم دفع مفاسد جلب مصالح سے اہم واقدم ہے آخر نہ دیکھا کہ تطویل قرأت پر عتاب ہوا حالانکہ قرآن جس قدر بھی پڑھا جائے احسن وافضل ہی ہے معہذا نماز فجر کے بعد تا باشراق ذکرِ الٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے اور یہ امر اسفار میں آسان اور تغلیس کے ساتھ دشوار، اب رہا یہ کہ حدِ اسفار کی کیا ہے، بدائع و سراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو حصے کئے جائیں حصّہ اوّل تغلیس اور آخر میں اسفار ہے۔ اور امام حلوائی وقاضی امام ابو علی نسفی وغیرہما عامہ مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقرأت مسنونہ ترتیل واطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ نسیان حدث پر متنبہ ہو تو وضو کر کے پھر اُسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز آفتاب طلوع نہ کرے، بعض کہتے ہیں کہ نہایت تاخیر چاہئے کہ فساد موہوم ہے اور اسفار مستحب، مستحب کو موہوم کے لیے نہ چھوڑیں گے مگر ایسے وقت تک تاخیر کہ طلوع کا اندیشہ ہو جائے بالاجماع مکروہ۔

(فتاوی رضویہ، ج 5، ص 334 تا 337، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 116

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعْجِيلِ بِالظُّهْرِ

ظہر کی نماز جلدی پڑھنا

155- حَدَّثَنَا ہَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِلظُّهْرِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا مِنْ أَبِي بَكْرٍ، وَلَا مِنْ عُمَرَ. وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَخَبَّابٍ، وَأَبِي بَرْزَةَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأَنَسٍ، وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ. قَالَ أبو عيسى: حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَہُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَہْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَہُمْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ مِنْ أَجْلِ حَدِيثِهِ الَّذِي رَوَى، عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ قَالَ يَحْيَى: وَرَوَى لَهُ سُفْيَانُ، وَزَائِدَةُ، وَلَمْ يَرَ يَحْيَى بِحَدِيثِهِ بَأْسًا قَالَ مُحَمَّدٌ: وَقَدْ رُوِيَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ،

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کسی کو ظہر کی نماز زیادہ جلدی ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اس باب میں حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت خباب، حضرت ابوبرزہ، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت انس اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "حسن" ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور اُن کے بعد والوں (تابعین) نے اسی کو اختیار کیا۔

حضرت علی بن مدینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ امام شعبہ نے حکیم بن جبیر نامی راوی کے بارے اُن کی اُس حدیث کی وجہ سے کلام کیا جسے اُنہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: جو لوگوں سے مانگے حالانکہ اُس کے پاس بقدر کفایت موجود ہو۔ (الیٰ آخرہ)

یحییٰ کہتے ہیں کہ سفیان اور زائدہ نے ان کی احادیث نقل

عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ الظُّهْرِ

کی ہیں اور یحییٰ بن معین نے ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نماز ظہر جلدی ادا کرنے کے بارے میں حضرت حکیم بن جبیر اور سعید بن زبیر کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت موجود ہے۔

156- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ :أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ :أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ، هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

امام زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سورج کے ڈھل جانے کے وقت نماز ظہر ادا فرمائی۔

(امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث ''صحیح'' ہے۔

تخریج حدیث155: (شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ، باب الوقت الذی یستحب ان یصلی صلوۃ الظہر ......الخ، 1/185، حدیث 1107، عالم الکتب ☆ مسند احمد بن حنبل، مسند عائشہ صدیقہ، 41/487، حدیث 25038، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

تخریج حدیث156: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت الظہر عند الزوال، 1/113، حدیث 540، دار طوق النجاۃ ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب اول وقت الظہر، 1/246، حدیث 496، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

باب نمبر 117

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ الظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الحَرِّ

سخت گرمی میں ظہر کی نماز تاخیر سے ادا کرنا

157- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا اشْتَدَّ الحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب گرمی شدت پکڑ لے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم (کی گرمی) کے جوش سے ہے۔

وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَابْنِ عُمَرَ، وَالمُغِيرَةِ، وَالقَاسِمِ بْنِ صَفْوَانَ، عَنْ أَبِيهِ، وَأَبِي مُوسَى، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَنَسٍ وَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا وَلَا يَصِحُّ،

اور اس باب میں حضرت ابوسعید، حضرت ابوذر، حضرت ابن عمر، حضرت مغیرہ، قاسم بن صفوان اپنے والد سے، حضرت ابوموسی، حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہم سے (بھی) روایات ہیں۔

نیز اس بارے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی حدیث منقول ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔

قال ابو عيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ اخْتَارَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ تَأْخِيرَ صَلَاةِ الظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الحَرِّ، وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ " وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے شدید گرمیوں (کے موسم) میں ظہر کی نماز تاخیر سے ادا کرنے کو اختیار کیا ہے۔

ابن مبارک، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی قول ہے۔

إِنَّمَا الإِبْرَادُ بِصَلَاةِ الظُّهْرِ إِذَا كَانَ مَسْجِدًا يَنْتَابُ أَهْلُهُ مِنَ البُعْدِ، فَأَمَّا المُصَلِّي وَحْدَهُ وَالَّذِي يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ قَوْمِهِ فَالَّذِي أُحِبُّ لَهُ أَنْ لَا يُؤَخِّرَ الصَّلَاةَ فِي شِدَّةِ الحَرِّ، وَمَعْنَى مَنْ ذَهَبَ إِلَى تَأْخِيرِ الظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الحَرِّ: هُوَ

امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم اُس وقت ہے کہ جب مسجد میں لوگ دور سے آتے ہوں لیکن تنہا نماز ادا کرنے والے اور محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے والے کے حق میں مجھے زیادہ محبوب

أَوْلَى وَأَشْبَهُ بِالِاتِّبَاعِ، وَأَمَّا مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ أَنَّ الرُّخْصَةَ لِمَنْ يَنْتَابُ مِنَ الْبُعْدِ وَالْمَشَقَّةِ عَلَى النَّاسِ، فَإِنَّ فِي حَدِيثِ أَبِي ذَرٍّ مَا يَدُلُّ عَلَى خِلَافِ مَا قَالَ الشَّافِعِيُّ "قَالَ أَبُو ذَرٍّ :كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَذَّنَ بِلَالٌ بِصَلَاةِ الظُّهْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا بِلَالُ أَبْرِدْ، ثُمَّ أَبْرِدْ، فَلَوْ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ لَمْ يَكُنْ لِلْإِبْرَادِ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ مَعْنًى لِاجْتِمَاعِهِمْ فِي السَّفَرِ، وَكَانُوا لَا يَحْتَاجُونَ أَنْ يَنْتَابُوا مِنَ الْبُعْدِ

یہ ہے کہ وہ شدید گرمیوں میں بھی نماز کو تاخیر سے ادا نہ کرے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے شدید گرمیوں میں ظہر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرنے کا قول کیا ہے اُن کا یہ قول اتباعِ سنت کے زیادہ لائق اور اُس کے زیادہ مشابہ ہے۔اور جہاں تک امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نظریہ کا تعلق ہے کہ رخصت دور سے آنے والوں کے لئے اور لوگوں پر مشقت ہونے کی وجہ سے ہے (یہ نظریہ درست نہیں ہے) کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں وہ چیز ہے کہ جو امام شافعی کے قول کے برعکس مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے،حضرت بلال نمازِ ظہر کے لئے اذان دینے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے بلال! ٹھنڈا کرو، پھر ٹھنڈا کرو۔

اگر مسئلہ وہ ہوتا جو امام شافعی نے اختیار کیا ہے تو اُس وقت ٹھنڈا کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے کیونکہ سفر میں سب لوگ اکٹھے تھے اور اُنہیں دور سے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔

158- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ :أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُهَاجِرٍ أَبِي الْحَسَنِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ وَمَعَهُ بِلَالٌ، فَأَرَادَ أَنْ يُقِيمَ، فَقَالَ :أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَبْرِدْ فِي الظُّهْرِ، قَالَ :حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِقال ابو عيسى: هَذَا

حدیث: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ہمراہ تھے، اُنہوں نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ظہر کو ٹھنڈا کرو، حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ یہاں تک (ٹھنڈا کیا) کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھ لئے، پھر حضرت بلال نے تکبیر کہی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا کی اور پھر ارشاد فرمایا: بے شک گرمی کی شدت جہنم کی

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حرارت سے ہے لہذا نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کیا کرو۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

تخریج حدیث 157: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، 1/113، حدیث 536، دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب الابراد بالظہر ......الخ، 1/430، حدیث 615، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی وقت صلوۃ الظہر، 1/110، حدیث 402، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب الابراد بالظہر اذا اشتد الحر، 1/248، حدیث 500، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، 1/222، حدیث 677، داراحیاء الکتب العربیہ)

تخریج حدیث 158: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب الابراد بالظہر فی السفر، 1/113، حدیث 539، دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب الابراد بالظہر ......الخ، 1/431، حدیث 616، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی وقت صلوۃ الظہر، 1/110، حدیث 401، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب الابراد بالظہر اذا اشتد الحر، 1/248، حدیث 500، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، 1/222، حدیث 677، داراحیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

امام جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں: "أبردوا" کا مطلب ہے "أخروا الی زمن البرد" یعنی ٹھنڈے وقت تک نماز کو مؤخر کرو۔ ۔۔۔۔۔ "فیح جھنم" سے مراد جہنم کی گرمی کا منتشر ہونا اور اُس کا جوش میں آنا۔

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص103 تا 105، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

ظہر کے مستحب وقت میں مذاہب ائمہ

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ احمد بن غانم نفراوی مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

راجح قول کے مطابق انسانی قد کے چوتھائی (سایہ) تک ظہر کی تاخیر کا مستحب ہونا ہر اُس جماعت کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے غیر (کے آنے کا) انتظار کرتی ہو خواہ سردی کا موسم ہی کیوں نہ ہو۔ اور تاخیر کے مستحب ہونے کا گرمیوں کے ساتھ اختصاص وہ شدید گرمیوں میں انسانی قد کی چوتھائی سے زیادہ (سایہ) ہونا ہے۔

اور خلیل نے مندوب پر عطف کرتے ہوئے کہا: جماعت کے لئے ظہر کے علاوہ دیگر نمازوں کو اوّل وقت میں پڑھنا اور نماز ظہر کو ربع قامۃ (چوتھائی قد) تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور شدت گرمی کی وجہ سے اس سے بھی زائد مؤخر کیا جائے گا۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: ((أَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ)) اسی پر محمول ہے ۔لہذا یہ اس کے منافی نہیں کہ سردی میں ربع قامت تک تاخیر کی جائے۔ اور حدیث ابراد پر حدیث خباب: ((شَكَوْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فِي أَكُفِّنَا وَجِبَاهِنَا فَلَمْ يُشْكِنَا)) ترجمہ: ہم نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی ہتھیلیوں اور پیشانیوں میں گرمی کی زیادتی کی شکایت کی لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری شکایت کو شرف قبولیت نہیں بخشا یعنی دور نہیں فرمایا۔ سے اشکال وارد نہ ہو کیونکہ اس کا محمل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اُس وقت سے زیادہ تاخیر چاہی جس میں ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔

اور علامہ خلیل کے کلام میں "جماعۃ" سے مراد وہ جماعت ہے جو (نماز کے لیے) ایک دوسرے کے آنے انتظار

کرتی ہو، البتہ وہ جماعت کہ جس میں لوگ ایک دوسرے کے آنے کا انتظار نہ کرتے ہو، اُس کا حکم منفرد کی طرح ہے یعنی اُن کے حق میں بقیہ نمازوں کی طرح ظہر بھی اوّل وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

(الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی، باب فی اوقات الصلاۃ واسمائھا، ج1، ص167، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ ابوالحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

گرمی کا وقت نہ ہو تو نمازِ ظہر اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، اور گرمی کے وقت میں نماز ظہر تاخیر سے ادا کرنا افضل ہے لیکن چار شرائط کے ساتھ (1) نماز، جماعت کے ساتھ "مسجدِ جماعت" میں ادا کی جائے (2) سخت گرمی ہو (3) گرم علاقہ ہو (4) لوگ نماز کے لئے دور دور سے آتے ہوں۔ (البیان فی مذہب الامام الشافعی، فرع افضل وقت الظہر، ج2، ص39، دار المنہاج، جدہ)

حنابلہ کا موقف:

علامہ منصور بن یونس البھوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

(ظہر کی نماز میں تعجیل یعنی جلدی کرنا افضل ہے) کیونکہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ، الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ)) کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم دوپہر کی نماز جس کو تم "الاولی" کہتے ہو، اُس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا۔ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ)) نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم دوپہر میں نماز ظہر پڑھتے تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے زیادہ نماز ظہر میں جلدی کرتے نہیں دیکھا۔ یہ حدیث "حسن" ہے۔

(سوائے شدید گرمی کے کہ گرمی کم ہونے تک تاخیر سنت ہے خواہ تنہا نماز پڑھے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے: ((إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ)) ترجمہ: جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کرو کیونکہ گرمی کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ ایک روایت میں: ((أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ)) کے الفاظ ہیں۔ اور "فَيْحِ جَهَنَّمَ" سے مراد جہنم کا جوش مارنا، اُس کے شعلوں کا منتشر ہونا اور اُس کی آگ کا بھڑکنا ہے۔

(اور سوائے روزِ ابر کے اُس شخص کے لئے کہ جو نمازِ ظہر باجماعت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ وقت عصر کے قریب تک ظہر کو موخر کرے) کیونکہ حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ روزِ ابر (جس دن بادل چھائے ہوتے) صحابہ کرام ظہر میں

تاخیراور عصر میں تعجیل کرتے کیونکہ اُس وقت بارش وغیرہ عوارض کا اندیشہ ہوتا ہے تو ہر دو نمازوں کے لئے نکلنا دشوار ہوگا اسی لئے مستحب ہے کہ ظہر کو اتنی تاخیر سے ادا کیا جائے کہ عصر کے قریب ہو جائے اور دونوں نمازوں کے لئے ایک ہی بار نکلنا پڑے جس میں عوام کے لئے آسانی بھی ہے جو کہ شریعت کو مطلوب ہے۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع، باب شروط الصلاۃ، ج 1، ص 251، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

احناف کا مؤقف:

شمس الائمہ سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(افضل یہ ہے کہ گرمیوں میں ظہر کی نماز کو مؤخر کرے اور اُسے ٹھنڈے وقت میں ادا کرے، اور سردیوں میں سورج ڈھلنے کے فوراً بعد ادا کرے) امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر تنہا نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو زوال کے بعد جس وقت چاہے، ادا کرے اور با جماعت ادا کرے تو تھوڑی تاخیر کرے۔ آپ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خباب بن اَرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے خیموں میں گرمی کی زیادتی کی شکایت کی لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری شکایت کو شرف قبولیت نہیں بخشا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظہر جلدی پڑھتے تھے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم)) ترجمہ: ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: ((كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم في سفر فلما زالت الشمس جاء بلال ليؤذن فقال له أبرد هكذا مرارا فلما صار للتلال فيء قال أذن)) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر پر تھے۔ جب سورج ڈھلا تو حضرت بلال (ظہر کی) اذان دینے کے لئے آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بلال! ٹھنڈا کرو۔ کئی بار فرمایا۔ پھر جب ٹیلوں کا سایہ بن گیا تو اذان دینے کا حکم فرمایا۔

نیز موسم گرما میں جلدی نماز ادا کرنے میں تقلیل جماعت اور لوگوں کو ضرر میں ڈالنا ہے کیونکہ گرمی سے اُن کو تکلیف ہوگی۔ اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی ایک تاویل یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے بالکل جماعت ترک کرنے کا مطالبہ کیا تھا (جسے قبول نہ فرمایا)۔

اور دوسری بات یہ کہ: ((فلم يشكنا)) کا معنی یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں شکایت میں نہیں چھوڑا بلکہ ہماری شکایت کو دور فرمایا وہ یوں کہ آپ نے ٹھنڈے وقت میں ظہر ادا فرمائی۔

اور بہرحال سردیوں میں نمازِ ظہر کی تعجیل مستحب ہے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک ہے:((كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم يصلي الظهر في الشتاء فلا يدري أن ما مضى من النهار أكثر أم ما بقي)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سردی میں ظہر کی نماز (اتنی) جلدی ادا فرماتے کہ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ دن کا جو حصہ گزر گیا وہ زیادہ ہے یا جو باقی رہ گیا (وہ زیادہ ہے)۔ اور جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سے فرمایا:((إذا كان الصيف فأبرد فإن تقيلوك فأمهلهم حتى يدركوا وإذا كان الشتاء فصل الظهر حين تزول الشمس فإن الليالي طوال)) ترجمہ: "گرمیوں میں ٹھنڈے وقت نماز ادا کرنا، لہٰذا اگر لوگ دوپہر کا آرام کر رہے ہوں تو اُنہیں کرنے دینا یہاں تک وہ (ٹھنڈے وقت کو) پالیں۔ اور جب سردی ہو تو سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز ادا کرو کیونکہ راتیں لمبی ہیں۔"

(مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلاۃ، ج1، ص146، دار المعرفہ، بیروت)

روایات میں تطبیق:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ)) ترجمہ: جب سردی سخت ہوتی، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز جلدی ادا فرماتے اور جب گرمی شدید ہوتی تو آپ نماز کو ٹھنڈا کرتے۔

(صحیح بخاری، باب اذا اشتد یوم الجمعۃ، ج2، ص7، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

سنن نسائی کے الفاظ یہ ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرتے اور جب سردی ہوتی تو (نماز میں) تعجیل فرماتے۔

(سنن نسائی، تعجیل الظہر فی البرد، ج1، ص248، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

اس حدیث پاک کے تحت علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے)) اسی حدیث کے ذریعہ اُن تمام احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جو نماز ظہر کی تعجیل اور تاخیر کے بارے میں وارد ہیں اور بظاہر آپس میں متعارض ہیں (اور حقیقت میں ان میں کوئی تعارض نہیں کہ تاخیر شدت گرمی کے وقت فرماتے اور جلدی سردی کے وقت میں فرماتے)۔ اور جہاں تک اُن روایتوں کا تعلق ہے جن میں آیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شدید گرمی میں بھی نماز ظہر میں تعجیل فرماتے، اُن کے بارے میں امام بیہقی نے فرمایا کہ وہ منسوخ ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص538، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 118

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْعَصْرِ

عصر کی نماز جلدی پڑھنا

159- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، وَلَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ، وَأَبِي أَرْوَى، وَجَابِرٍ، وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَيُرْوَى عَنْ رَافِعٍ أَيْضًا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَأْخِيرِ الْعَصْرِ وَلَا يَصِحُّ. قَالَ ابو عيسى: حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: عُمَرُ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ، وَعَائِشَةُ، وَأَنَسٌ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ التَّابِعِينَ: تَعْجِيلَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَكَرِهُوا تَأْخِيرَهَا، وَبِهِ يَقُولُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ادا فرمائی اس حال میں کہ سورج (کی دھوپ) آپ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے حُجرے میں ہوتی اور سایہ آپ کے حُجرے سے ڈھلا نہیں ہوتا۔

اس باب میں حضرت انس، حضرت ابو اروی، حضرت جابر اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایات موجود ہیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج ہی سے ایک روایت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نمازِ عصر کو تاخیر سے ادا کرنے کے بارے میں ہے، لیکن وہ درجہ صحت پر نہیں ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ کرام نے اسی کو اختیار کیا ہے جن میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔ اور متعدد تابعین نے عصر کی نماز جلدی ادا کرنا اختیار کیا اور تاخیر سے ادا کرنے کو ناپسند کیا۔ عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحٰق کا یہی نظریہ ہے۔

160- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي

علاء بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ وہ بصرہ میں

دَارِهِ بِالْبَصْرَةِ حِينَ انْصَرَفَ مِنَ الظُّهْرِ، وَدَارُهُ بِجَنْبِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: قُومُوا فَصَلُّوا الْعَصْرَ، قَالَ: فَقُمْنَا فَصَلَّيْنَا، فَلَمَّا انْصَرَفْنَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ، حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا، قال ابو عيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اُن کے گھر گئے جس وقت آپ ظہر کی نماز سے (فارغ ہوکر) واپس ہوئے تھے اور حال یہ تھا کہ آپ کا گھر مسجد کے پہلو میں تھا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اُٹھو اور عصر کی نماز ادا کرو، علاء بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: ہم نے اُٹھ کر عصر کی نماز ادا کی، پھر جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا ہے (کہ کب ڈوبے گا) یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جائے تو اُٹھ کر چار ٹھونگیں مارے اور اس نماز میں صرف تھوڑا سا اللہ کا ذکر کرے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

تخریج حدیث159: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت العصر، 1/114، حدیث545، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب اوقات الصلوۃ الخمس، 1/426، حدیث 611، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب تعجیل العصر، 1/252، حدیث 505، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، 1/223، حدیث683، داراحیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

التفات، تجرید اور مجاز:

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((من حُجرَتِهَا)) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے سے۔ قیاس یہ تھا کہ کہا جائے "من حُجرَتی" یعنی میرے حجرے سے، بعض علما نے فرمایا: اس میں نوع التفات ہے۔ میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں: یہاں کوئی التفات نہیں اور اس پر التفات کی تعریف بھی صادق نہیں آتی، ہاں! یہ "تجرید" کے باب سے ہے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں میں سے ایک عورت کی تجرید کی اور اُس کے لئے حجرہ ثابت کردیا اور یہ خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا کرتے حالانکہ سورج ابھی اُس عورت کے حجرے سے نکلا نہ ہوتا۔ اور یہاں "مجاز" بھی ہے وہ اس طرح کہ "الشَّمس" یعنی سورج سے اُس کی روشنی مراد ہے کیونکہ خود سورج کا (حجرہ میں) داخل ہونا ہی ناممکن ہے، نکلنا تو دور کی بات ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب وقت العصر، ج5، ص32، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث میں تعجیل عصر کا ثبوت نہیں:

مزید فرماتے ہیں:

"ظہور شمس" سے مراد "سورج (کی دھوپ) کا حجرے سے نکلنا ہے۔ اور "ظہورِ فیئ" سے سایہ کا حجرہ میں پھیل جانا مراد ہے۔ اور دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ سایہ کا پھیلنا، سورج (کی دھوپ) کے نکلنے کے بعد ہی ہوگا۔ امام شافعی اور آپ کے متبعین نے اس حدیث سے نماز عصر کے اول وقت میں ادا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ اور امام طحاوی نے اس پر فرمایا کہ اس حدیث سے (نماز عصر کی) تعجیل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے کہ حجرے کی دیوار چھوٹی ہو تو پھر سورج (کی روشنی) حجرے سے اُس وقت محتجب (چھپنے والی) ہوتی ہے کہ جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو۔ لہذا اس حدیث سے نماز عصر کی تاخیر ثابت ہوئی نہ کہ تعجیل۔ اور بعض علما نے اس کا تعقب یوں کیا کہ یہ احتمال (جو ذکر ہوا) محض حجرے کے کشادہ ہونے کی صورت میں ہی متصور ہے۔ اور استفاضہ (شہرت) اور مشاہدہ سے معلوم ہے کہ ازواج مطہرات کے حجرے وسیع نہ تھے۔ اور سورج کی روشنی چھوٹے حجرے کی زمین پر صرف اُس وقت تک رہتی ہے کہ جب سورج بلندی پر ہو ورنہ جیسے ہی سورج تھوڑا سا ڈھلتا ہے تو اُس کی روشنی بھی چلے جاتی ہے اگرچہ دیوار چھوٹی ہو۔ میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں کہ اس تعقب کی کوئی دلیل نہیں

کیونکہ سورج (کی روشنی) چھوٹی دیوار والے حجرہ سے اُس وقت جاتی ہے کہ جب سورج قریب بہ غروب ہو۔ اور یہ تو مشاہدہ سے معلوم ہے۔ لہذا مکابرہ (حق بات کا بلاوجہ انکار) کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہاں حجرہ کے کشادہ یا چھوٹا ہونے کا کوئی دخل نہیں ہے کہ یہاں تو حجرہ کی دیوار کے چھوٹا ہونے کے بارے میں کلام ہے اور اس لحاظ سے تو یہ حدیث (اُن کی دلیل نہیں ہے بلکہ) اُن کے خلاف دلیل ہے کہ جو لوگ نماز عصر اول وقت میں ادا کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب وقت العصر، ج5، ص33، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عمارت چھوٹی ہونی چاہیے:

مزید فرماتے ہیں:

اس حدیث سے عمارت کا جواز ثابت ہوا۔ لیکن عمارت چھوٹی ہونی چاہیئے، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے) حجرے کی دیوار چھوٹی تھی؟ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھروں میں جایا کرتا حالانکہ میں بالغ تھا اور میں جھک کر (اُس میں کھڑا ہوتا اور) اپنے ہاتھ سے اس (کی چھت کو) چھوتا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مواقیت الصلاۃ وفضلہا، ج5، ص6، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شیطان کے سینگوں کے درمیان سورج کے نکلنے سے مراد:

امام جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

((سورج جس وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جائے)) بعض نے کہا کہ یہ اپنے حقیقی اور ظاہری معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سورج نکلتے اور غروب ہوتے وقت شیطان اپنے سینگوں کے ساتھ سورج کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ چونکہ کفار (سورج پرست) شیطان کو سجدہ کرتے ہیں تو شیطان، سورج کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے تا کہ اپنے دوسرے شیاطین کو دکھائے کہ سورج کی پوجا کرنے والے درحقیقت مجھے پوج رہے ہیں۔ اور بعض علما نے کہا کہ مجازی معنی مراد ہے۔ اور شیطان کے دو سینگوں سے مراد اُس کی بلندی، اُس کی سلطنت، اُس کے مددگاروں کا غلبہ اور اُس کے فرمانبردار کفار کا سورج کو سجدہ کرنا ہے ((فنقر اربعًا)) اور چار ٹھونگیں مارے۔ یعنی جس طرح پرندہ دانہ چگنے کے لئے چونچ مارتا ہے اس طرح تیزی کے ساتھ حرکت (کر کے ارکانِ نماز ادا) کرے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص107,108، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

منافق سے تشبیہ کی وجہ:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو منافق کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کہ منافق نماز کی صحت کا معتقد نہیں ہوتا بلکہ وہ تو محض تلوار ہٹانے کے لئے (یعنی مجبوراً) نماز ادا کرتا ہے۔اور تاخیر کی پروابھی اسی وجہ سے کرتا ہے کیونکہ اُسے (نماز کی) فضیلت یا ثواب کی چاہت نہیں ہوتی۔اور مسلم پر لازم ہے کہ منافق کی مخالفت کرے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص528، دارالفکر، بیروت)

باب نمبر119

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ صَلَاةِ الْعَصْرِ

عصر کی نماز میں تاخیر کرنا

161- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ، وَأَنْتُمْ أَشَدُّ تَعْجِيلًا لِلْعَصْرِ مِنْهُقال ابو عيسى:وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ نَحْوَهُ

حضرت سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی نماز تمہاری بہ نسبت جلدی ادا کرلیا کرتے تھے، اور تم لوگ عصر کی نماز حضور سے زیادہ جلدی ادا کرتے ہو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ابن جریج اور ابن ابی ملیکہ کے واسطے سے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

تخریج حدیث161: (مسند احمد بن حنبل، حدیث ام سلمہ، 44/80، حدیث 26478، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی نماز تمہاری بہ نسبت جلدی ادا کرلیا کرتے تھے، اور تم لوگ عصر کی نماز حضور سے زیادہ جلدی ادا کرتے ہو)) علامہ طیبی نے کہا: غالباً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان لوگوں پر مخالفت کرنے کی وجہ سے انکار کرنے کے لئے ہے، میں (علی بن سلطان القاری حنفی) کہتا ہوں: بظاہر یہ خطاب غیر صحابہ کو ہے۔ اور بہر حال اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز عصر تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے۔ جو کہ ہمارا مذہب ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص538، دار الفکر، بیروت)

عصر کی نماز کے مستحب وقت میں مذاہب ائمہ

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو محمد عبد الوہاب ثعلبی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: مسجد جماعت (وہ مسجد جس میں نماز باجماعت ہوتی ہو) میں نماز عصر میں تھوڑی تاخیر مستحب ہے تقریباً اتنی جتنی ظہر میں مستحب ہے، اس سے زیادہ نہ ہو بلکہ اس تاخیر کے بعد اُس نماز کی تعجیل افضل ہے اور اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

(التلقین فی الفقہ المالکی، کتاب الصلوۃ، مدخل، ج1، ص38، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابو الحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ عصر جلدی ادا کرنا اَفضل ہے۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ امام اَوزاعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہ ہی مسلک ہے۔ اور امام مالک نے فرمایا: تھوڑی تاخیر سے ادا کرے، جس طرح کہ ظہر کے بارے میں اُن کا نظریہ ہے۔ امام ثوری اور امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا: آخری وقت تک اس کو مؤخر کرنا افضل ہے جب تک سورج سفید اور صاف رہے۔ ہم شوافع کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أفضل الأعمال عند الله الصلاة في أول وقتها)) ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب سے بہترین عمل اوّل وقت میں نماز پڑھنا ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان

کرتے ہیں:((كان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلي العصر والشمس بيضاء نقية)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں نماز ادا کرتے جب سورج سفید اور صاف ہوتا پھر کوئی جانے والا مقام عوالی (بلند مقام) کی طرف جاتا تو اُس مقام تک اس حال میں پہنچتا کہ (ابھی) سورج بلندی پر ہی ہوتا۔ (البیان فی مذہب الامام الشافعی، افضل وقت العصر، ج2، ص41، دار المنہاج، جدہ)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

بہر صورت عصر کی نماز میں تعجیل مستحب ہے۔ ہماری دلیل حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں:((كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَصْرِ، ثُمَّ يُنْحَرُ الْجَزُورُ، فَيُقْسَمُ عَشَرَةَ أَجْزَاءٍ، ثُمَّ يُطْبَخُ فَيُؤْكَلُ لَحْمًا نَضِيجًا قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ)) ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ عصر کی نماز پڑھتے پھر اونٹ کو ذبح کر کے دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا پھر اس کو پکایا جاتا اور اس کا پکا ہوا گوشت غروب آفتاب سے پہلے کھالیا جاتا۔

اور حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں:((صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَقُلْنَا يَا أَبَا عُمَارَةَ مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ: الْعَصْرُ وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَهُ.)) ترجمہ: ہم نے عمر بن عبد العزیز کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر ہم چلے یہاں تک کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچ گئے تو اُن کو ہم نے عصر کی نماز پڑھتے پایا، ہم نے کہا: اے ابو عمارہ! یہ آپ نے کونسی نماز پڑھی ہے؟ فرمایا: عصر کی، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی وہ نماز ہے جو ہم آپ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

اور حضرت ابو الملیح رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں: ہم حضرت ابو بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ ابر آلود دن میں ایک غزوہ میں (شامل) تھے، اُنہوں نے کہا: اوّل وقت میں عصر کی نماز پڑھو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ)) جس کی عصر کی نماز فوت ہوئی اُس کے اعمال برباد ہو گئے۔

اور ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((الْوَقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ عَفْوُ اللَّهِ)) ترجمہ: نماز کا اوّل وقت اللہ کی خوشنودی اور آخری وقت اللہ کی معافی کا ذریعہ ہے۔ اس کے راوی عبد اللہ بن عمر العُمری ہیں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "غریب" ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل تعجیل صلاۃ العصر، ج1، ص283، مکتبۃ القاہرہ)

احناف کا موقف:

شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

سردی ہو یا گرمی (ہر حال میں) احناف کے نزدیک عصر کی نماز تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے۔۔۔۔۔ہم احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ((كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم يصلي العصر والشمس بيضاء نقية)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت عصر کی نماز ادا کرتے کہ جب سورج سفید اور صاف ہوتا۔

یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نماز عصر کی تاخیر کا بیان ہے۔

اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ((أنتم أشد تأخيرا للظهر من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أشد تأخيرا للعصر منكم)) ترجمہ: تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بہ نسبت ظہر کی نماز تاخیر سے ادا کرتے ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز تمہاری بہ نسبت تاخیر سے ادا کیا کرتے تھے۔

کہا گیا عصر کو عصر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسے تاخیر سے ادا کیا جاتا ہے۔(العصر: دن کے آخری حصے سے لے کر سورج کے سرخ ہونے تک کا وقت۔

مزید ایک دلیل یہ ہے کہ اس نماز کو تاخیر سے ادا کرنا نوافل کی کثرت کا ذریعہ ہے کیونکہ بعد از نماز عصر نفل پڑھنا مکروہ ہے۔اسی لیے مغرب جلدی ادا کرنا افضل ہے کیونکہ مغرب سے قبل نفل کی ادائیگی مکروہ ہوتی ہے۔

تاخیر عصر کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز کی جگہ ہی ٹھہرنا مستحب ہے۔آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((من صلى العصر ومكث في المسجد إلى غروب الشمس فكأنما أعتق ثمانية من ولد إسماعيل عليه السلام)) ترجمہ: "جو عصر کی نماز ادا کرے اور غروب آفتاب تک ٹھہرے رہے گویا اُس نے اولاد اسماعیل سے آٹھ غلام آزاد کیے۔" اور جب عصر کو تاخیر سے ادا کیا جائے گا تو اس فضیلت کے حصول پر قدرت ہوگی۔لہذا عصر کو تاخیر سے ادا کرنا افضل ہوا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ آپ کے حجرے کی دیواریں چھوٹی تھیں اس لئے سورج کے متغیر ہونے تک (سورج کی دھوپ) حجرے میں طلوع رہتی۔اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث ایک خاص وقت میں کسی عذر کی بنا پر تھی۔

(مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلاۃ، ج1، ص147، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور جہاں تک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول حدیث کی بات ہے، وہ موسم گرما کے بارے میں ہے اور ایسا فعل (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں موجود فعل) جلدی کرنے والا سرانجام دے سکتا ہے جبکہ وہ کسی عذر کی وجہ سے وقتِ مخصوص میں ہو۔ (بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، ج 1، ص 125,126، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام کمال الدین ابن الہمام (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

سورج کی ٹکیہ کے تبدیل ہونے تک نماز عصر کو مؤخر کرنا مکروہ ہے اور اس سے پہلے تک تاخیر مستحب ہے۔ اور اتنی تاخیر اس لئے مستحب ہے تاکہ نوافل میں وسعت ہو، سورج میں تغیر نہ آنے پائے بلکہ ایسے وقت ادا کرے کہ سورج سفید ہو۔ جیسا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور اسی طرح جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نمازِ عصر ادا فرماتے حال یہ ہوتا کہ سورج زندہ (صاف) ہوتا۔

عصر کا اوّل وقت امام اعظم کے نزدیک سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل سایہ ہو جانے سے (شروع ہوتا) ہے۔ اور اس وقت سے تغیر آفتاب تک بہت زیادہ وقت نہیں ہے لہٰذا بعید نہیں کہ اس وقت سے قبل عصر کی ادائیگی تعجیل کے زمرے میں آجائے تاہم یہ زیادہ تعجیل نہ کہلائے گی۔

اور دار قطنی نے عبد الواحد بن نافع سے روایت کیا، آپ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد مدینہ میں داخل ہوا تو مؤذن نے عصر کی اذان کہی، ایک بوڑھا بیٹھا تھا اُس نے مؤذن کو ملامت کی اور کہا: بے شک میرے والد نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس نماز (عصر) کو تاخیر سے ادا کرنے حکم فرماتے تھے۔ (عبد الواحد کہتے ہیں) چنانچہ میں نے اُس شیخ کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے کہا: یہ عبد اللہ بن رافع بن خدیج ہے۔ اور عبد الواحد کی تضعیف کی گئی ہے۔

اور اس حدیث کو امام بخاری نے "تاریخ کبیر" میں روایت کیا اور فرمایا: اس یعنی عبد الواحد پر متابعت نہ کی جائے۔ اور صحیح یہ ہے کہ رافع سے اس کا غیر مروی ہے۔ پھر رافع سے امام بخاری نے روایت کی ہم نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز ادا کرتے پھر اونٹوں کا نحر کرکے اُس کو دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا پھر پکایا جاتا اور پھر ہم غروب آفتاب سے پہلے پہلے اس کا پکا ہوا گوشت کھا لیتے۔ اور میرے (ابن ہمام) کے نزدیک ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جب کوئی شخص آفتاب کے متغیر ہونے سے پہلے عصر کی نماز ادا کرلے تو بقیہ وقت میں اتنا عمل ممکن ہے اور جو کوئی شہروں میں ماہر باورچیوں کو رؤسا کے ساتھ دیکھے گا وہ اس کو بعید نہ سمجھے گا۔ (فتح القدیر، تاخیر العصر، ج 1، ص 227، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 120

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَقْتِ الْمَغْرِبِ

مغرب کی نماز کا وقت

164- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَتَوَارَتْ بِالْحِجَابِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، وَأَنَسٍ، وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، وَأَبِي أَيُّوبَ، وَأُمِّ حَبِيبَةَ، وَعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَحَدِيثُ الْعَبَّاسِ قَدْ رُوِيَ مَوْقُوفًا عَنْهُ وَهُوَ أَصَحُّ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، اخْتَارُوا تَعْجِيلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، وَكَرِهُوا تَأْخِيرَهَا، حَتَّى قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: لَيْسَ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ إِلَّا وَقْتٌ وَاحِدٌ وَذَهَبُوا إِلَى حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ صَلَّى بِهِ جِبْرِيلُ،

حضرت سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز اُس وقت ادا فرماتے تھے کہ جب سورج غروب ہوجاتا اور پردے کے پیچھے چھپ جاتا۔

اوراس باب میں حضرت جابر،حضرت زید بن خالد،حضرت انس،حضرت رافع بن خدیج،حضرت ابوایوب، حضرت ام حبیبہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات ہیں۔

اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث آپ سے موقوفاً مروی ہے۔اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن اکوع کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور اُن کے بعد آنے تابعین میں سے اکثر اہل علم نے مغرب کی نماز جلدی ادا کرنے کو اختیار کیا،اور تاخیر سے ادا کرنے کو مکروہ کہا۔یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا کہ مغرب کی نماز کا ایک ہی وقت ہے۔اور وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُس حدیث (سے استدلال کرنے) کی طرف گئے کہ جس میں حضرت جبرئیل کے آپ کی امامت کرنے کا ذکر ہے۔ابن مبارک اور امام شافعی

وَہُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ " کا یہ قول ہے۔

تخریج حدیث153:(صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب وقت المغرب، 1/117، حدیث 561، دارطوق النجاۃ☆صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب بیان اول وقت المغرب ......الخ، 1/441، حدیث 636، داراحیاء التراث العربی، بیروت☆سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی وقت المغرب، 1/113، حدیث 417، المکتبۃ العصریہ، بیروت☆سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب وقت صلوۃ المغرب، 1/225، حدیث 688، داراحیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

((جب سورج غروب ہو جاتا اور پردے کے پیچھے چھپ جاتا)) دونوں لفظوں کا معنی ومفہوم ایک ہی ہے اور ایک لفظ دوسرے لفظ کی تفسیر ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب بیان ان اول وقت المغرب عند الغروب، ج5، ص135، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

پردے کے پیچھے چھپنے سے مراد زمین کے آڑ میں آنے کی وجہ سے آفتاب کا ناظرین کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا ہے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب وقت المغرب، ج4، ص352، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینۃ المنورہ)

مزید اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث، یہ دونوں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ محض سورج کی ٹکیہ غائب ہونے سے نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جس طرح کہ روزہ دار اس وقت افطار کرتا ہے۔ اور اس مسئلہ پر علما کا اجماع ہے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب وقت المغرب، ج4، ص352، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینۃ المنورہ)

مغرب کے مستحب وقت میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

سردی ہو یا گرمی بہر صورت مغرب کی نماز جلدی ادا کرنا مستحب ہے۔ اور ستاروں کے گتھ جانے تک اس کی تاخیر مکروہ (مکروہ تحریمی، درمختار) ہے، اس کی دلیل (1) یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْمَغْرِبَ وَأَخَّرُوا الْعِشَاءَ)) ترجمہ: میری امت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک مغرب میں جلدی اور عشا میں تاخیر کرے۔ (2) دوسری دلیل یہ ہے کہ تعجیل (جلدی ادا کرنا) کثرت جماعت کا ذریعہ ہے اور تاخیر سے ادا کرنا لوگوں کی قلت کا سبب ہے کیونکہ لوگ رات کا کھانا کھانے اور آرام میں مشغول ہو جاتے ہیں لہذا یہ نماز جلدی ادا کرنا ہی افضل ہے، مزید یہ کہ (جلدی ادا کرنا) خیر کی طرف سبقت کرنے کے قبیل سے ہے لہذا یہ اَولیٰ ہوا۔

(بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، ج1، ص126، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن عسکر بغدادی مالکی (متوفی 732ھ) فرماتے ہیں:

فجر کی نماز میں تغلیس اور مغرب میں تعجیل افضل ہے۔

(ارشاد السالک الی اشرف المسالک فی فقہ الامام مالک، کتاب الصلاۃ، ج1، ص12، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

شوافع کا موقف

علامہ ابوالحسین یحییٰ بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ مغرب اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے۔تمام علما کا یہی موقف ہے۔رافضیوں نے کہا کہ ستاروں کے گتھ جانے تک تاخیر کرنا افضل ہے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کرتے پھر ہم (مسجد سے) نکلتے اور تیر اندازی میں مقابلہ کرتے یہاں تک کہ ہم بنی سلمہ کے گھروں کو پہنچ جاتے اور روشنی کے باعث تیروں کے گرنے کی جگہوں کو بھی دیکھ لیتے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لا تزال أمتي بخير ما لم يؤخروا المغرب إلى اشتباك النجوم)) ترجمہ: ہمیشہ میری اُمت خیر پر رہے گی جب تک مغرب کی نماز کو ستاروں کے گتھ جانے تک مؤخر نہ کرے۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((بادروا بصلاة المغرب طلوع النجم)) ترجمہ: نماز مغرب کے لئے ستاروں کے طلوع ہونے پر سبقت کرو۔اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ((صلوا هذه الصلاة والفجاج مسفرة)) ترجمہ: یہ نماز اُس وقت ادا کرو کہ جب دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ روشن ہو۔ (البیان فی مذہب الامام الشافعی، فرع افضل وقت المغرب، ج2، ص41، دار المنہاج، جدہ)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

حالتِ عذر کے سوا نماز مغرب اوّل وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔صحابۂ کرام اور اُن کے بعد میں آنے والے علما (تابعین وغیرہ) کا یہی مسلک ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ہے۔اور ہم حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کر چکے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مغرب اُس وقت ادا فرماتے جب غروب آفتاب ہو جاتا۔

رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں: ((كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ)) "ہم سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور پھر ہم میں سے کوئی (اپنے گھر کو) لوٹتا تو

وہ اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا تھا۔" (بخاری، مسلم) اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل ایک روایت ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ سَاعَةَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ، إِذَا غَابَ حَاجِبُهَا)) "نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز مغرب اُسی وقت پڑھ لیتے جب سورج کا اوپر والا کنارہ غائب (غروب) ہو جاتا۔" اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا۔ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ اور الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ اور حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دونوں دن ایک ہی وقت نماز مغرب ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مغرب کی نماز اوّل وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل استحباب تاخیر العشاء، ج1، ص284، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 121

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَقْتِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الآخِرَةِ

عشاء کی نماز کا وقت

165- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ :أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِوَقْتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا لِسُقُوطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ اس نماز کے وقت کا علم رکھتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم یہ نماز اُس وقت ادا فرماتے کہ جب تیسری رات کا چاند غروب ہوتا ہے۔

166- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ،قال ابو عيسى: رَوَى هَذَا الحَدِيثَ هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ هُشَيْمٌ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ ثَابِتٍ وَحَدِيثُ أَبِي عَوَانَةَ أَصَحُّ عِنْدَنَا "، لِأَنَّ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ رَوَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، نَحْوَ رِوَايَةِ أَبِي عَوَانَةَ

ابوبکر محمد بن ابان نے بواسطہ عبدالرحمن بن مہدی ،ابوعوانہ سے اسی سند کے ساتھ اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ہُشیم نے ابوبشر اور حبیب بن سالم کے واسطہ کے ساتھ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے۔اور ہشیم نے اس سند میں بشیر بن ثابت کا ذکر نہیں کیا۔

ابوعوانہ کی حدیث ہمارے نزدیک زیادہ صحیح ہے کیونکہ یزید بن ہارون نے شعبہ اور ابوبشر کے واسطہ سے ابوعوانہ کی روایت کے ہم مثل حدیث روایت کی ہے۔

تخریج حدیث165: (سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی وقت العشاء الآخرۃ، 1/114، حدیث 419، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب الشفق، 1/264، حدیث 528، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

تخریج حدیث166:

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((میں لوگوں میں سب سے زیادہ اس نماز کے وقت کا علم رکھتا ہوں)) یہ تحدیثِ نعمت (اللہ عزوجل کی نعمت کا چرچا کرنے) کے قبیل سے ہے کہ اُس نے آپ کو زیادتیِ علم سے نوازا، اور مزید اس میں سامعین کو اپنی روایت کے اعتماد پر آمادہ کرنا ہے۔ شاید آپ کا یہ قول اکثر اکابر اور حفاظ صحابۂ کرام کے وصال کے بعد کا ہے جنہیں آپ سے زیادہ اس کا علم تھا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص536، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے کہا: غالب طور پر چاند اُس رات میں شفق احمر کے غروب ہونے کے قریب قریب غروب ہوتا ہے۔ اور اس حدیث میں مذہب امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واضح دلیل موجود ہے کہ اول وقت میں ہی نماز ادا کر لینا افضل ہے حتّٰی کہ عشا کی نماز بھی۔ (علامہ علی قاری فرماتے ہیں) لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ غروبِ شفق کے قریب دوسری رات کا چاند ہوتا ہے نہ کہ تیسری رات کا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص536، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر122

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ

عشاء کی نماز تاخیر سے ادا کرنا

167- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِهِ .وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبِي بَرْزَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، وَابْنِ عُمَرَ قَالَ ابو عيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، رَأَوْا تَأْخِيرَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو انہیں عشاء کی نماز تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

اور اس باب میں حضرت جابر بن سمرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابو برزہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو سعید خدری، حضرت زید بن خالد اور حضرت ابن عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین اور دیگر حضرات میں سے اکثر اہل علم نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ نمازِ عشاء کو تاخیر سے ادا کیا جائے، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہ ہی قول ہے۔

تخریج حدیث 167: بالفاظ مختلفۃ (سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب السواک، 1/12، حدیث 46، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب یستحب من تاخیر العشاء، 1/266، حدیث 534، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب وقت صلوۃ المغرب، 1/226، حدیث 690، داراحیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((عشا کی نماز مؤخر کرنے کا حکم دیتا)) اس سے مراد آخری عشا ہے کیونکہ مغرب پر بھی عشا کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ "عُشْوة اللیل" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے "رات کی تاریکی"۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب السواک، ج1، ص148، مکتبۃ الرشد، ریاض)

عشا کے بارے میں ایک اور حدیث پاک کے تحت علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

((حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ہم ایک رات دوسری عشا کی نماز کے لیے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرتے رہے)) حضرت عبداللہ بن عمر نے جو یہ کہا "اَلْعِشَاءُ الْآخِرَةُ" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عشا کے لفظ کو "الْآخِرَة" کی صفت سے موصوف کرنا جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب وقت العشاء وتاخیرہا، ج5، ص138، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((الی ثلث اللیل أو نصفه)) میں موجود کلمہ "أوْ" تنویع یعنی تقسیم (اقسام بیان کرنے) کا احتمال رکھتا ہے، اور یہ ہی زیادہ ظاہر ہے۔ اور اس میں راوی کی طرف سے شک کا بھی احتمال ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص535، دار الفکر، بیروت)

علامہ نووی فرماتے ہیں:

((اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا)) اس سے مراد یہ ہے کہ نصف اللیل یا ثلث اللیل نماز عشاء کا مختار یا افضل وقت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عشا کو مؤخر کرنا افضل ہے اور یہ بھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر اوّل وقت میں عشاء ادا فرمائی۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عشا کی تقدیم محض اس کی تاخیر میں مشقت کی وجہ سے کی۔ اور جن علما نے تقدیم (اوّل وقت) کے افضل ہونے کا قول کیا اُنہوں نے کہا: اگر تاخیر افضل ہوتی تو ضرور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس پر مواظبت فرماتے اگرچہ اس میں مشقت ہے۔ اور جس نے تاخیر (کے افضل ہونے) کا کہا اُس نے کہا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اِن الفاظ (لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي) کے ذریعہ تاخیر کے افضل ہونے پر آگاہ فرمادیا اور واضح فرمادیا کہ تاخیر کو چھوڑنا محض مشقت کی وجہ سے ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ اگر صحابہ اس پر مواظبت کریں تو کہیں ایسا نہ ہوا کہ اُن پر تاخیر کو فرض کر دیا جائے، اسی لیے تاخیر کو ترک فر دیا جیسا کہ نماز تراویح (کی جماعت) کو ترک فرمادیا اور

اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فرض ہو جائے اور صحابہ اس سے عاجز آ جائیں۔

اور تراویح کے مستحب (وسنت) ہونے پر علمائے کرام کا اجماع ہے اس علت کے زوال کی وجہ سے جس کا اندیشہ تھا، اور یہ معنی عشا میں موجود ہے۔ علامہ خطابی وغیرہ نے فرمایا: عشا کی تاخیر اس لیے مستحب ہے تا کہ نماز کے انتظار کی مدت لمبی ہو، کیونکہ نماز کا انتظار کرنے والا بھی نماز میں ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، باب وقت العشاء وتاخیرہا، ج5، ص138، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ عشا کی نماز کو مؤخر کرنا افضل ہے۔ اور اس کے متعلق اختلافِ علما ہم نے بیان کر دیا ہے۔ وجہ استدلال (اس استدلال کی بنیاد) یہ ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي الخ)) جس سے معلوم ہوا کہ عشا کی تاخیر مطلوب ہے اگر مشقت نہ ہوتی۔

(احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، انتفاء الامر لوجود المشقۃ، ج1، ص176، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

عشاء کے مستحب وقت میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

سردیوں میں عشا کی نماز تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے، اور نصف رات تک تاخیر جائز ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ اور گرمیوں میں عشا کی تعجیل افضل ہے، اور امام شافعی کے نزدیک غروب شفق ہوتے ہی پڑھ لینا مستحب ہے، ان کے دلائل میں سے یہ روایت ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز اُس وقت پڑھتے تھے جب تیسری رات کا چاند ڈوب جاتا ہے اور یہ غروب شفق کے وقت ہو جاتا ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار تہائی رات تک عشا کی نماز کو مؤخر فرمایا پھر باہر تشریف لائے اور اپنے صحابہ کو مسجد میں نماز کا انتظار کرتے پایا تو ارشاد فرمایا: ((أَمَا إِنَّهُ لَا يَنْتَظِرُ هَذِهِ الصَّلَاةَ فِي هَذَا الْوَقْتِ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا سَقَمُ السَّقِيمِ وَضَعْفُ الضَّعِيفِ لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى هَذَا الْوَقْتِ)) یعنی تمہارے سوا کوئی بھی اس وقت اِس نماز کا انتظار نہیں کر رہا اگر بیمار کی بیماری اور کمزور کی کمزوری نہ ہوتی تو میں اس وقت تک عشا کو مؤخر کرتا۔

دوسری روایت میں ہے: ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَخَّرْتُ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ)) ترجمہ: اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کر دیتا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکتوب روانہ فرمایا: ((صَلِّ الْعِشَاءَ حِينَ يَذْهَبُ ثُلُثُ اللَّيْلِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، فَإِنْ نِمْتَ فَلَا نَامَتْ عَيْنَاكَ)) ترجمہ: عشا کی نماز پڑھو جب تہائی رات گزر جائے، اگر زیادہ (تاخیر) کی تمنا ہو تو نصف رات تک، اور اگر تم سو جاؤ تو تمہاری آنکھیں نہ سوئیں۔ ایک روایت میں ہے: ((فَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ)) یعنی غافلوں میں سے مت ہونا۔

اور نصف رات سے نماز عشا کی تاخیر کرنا (گویا) اس کو قضا پر پیش کر دینا ہے کہ اگر نصف رات تک آرام نہیں کیا پھر آرام کیا اور نیند کا غلبہ ہو گیا تو معتاد یہ ہے کہ صبح پھوٹنے کے بعد تک بیدار نہیں ہو سکتا حالانکہ نماز کو قضا پر پیش کر دینا مکروہ ہے۔ مزید ایک دلیل یہ ہے کہ اگر سردیوں میں عشا کی نماز جلدی پڑھ لی تو ممکن ہے کہ عشا کے بعد سَمر (رات کی گفتگو) میں گرفتار ہو جائے کیونکہ سردیوں میں راتیں لمبی ہونے کی وجہ سے عوام تہائی رات تک نہیں سوتی تو اپنی عادت کے مطابق رات کی گفتگو میں مشغول ہو جائے گی حالانکہ اس کی ممانعت ہے۔ اور انسان کے نامۂ اعمال کی انتہا نیکی پر ہو یہ اِس سے بہتر ہے کہ گناہ پر ہو۔ اور گرمیوں پر عشا کی نماز جلدی ادا کر لینا اس قبیح کام کا باعث نہیں بنتا کیونکہ گرمیوں کی راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اس لئے لوگ سو جاتے ہیں لہذا اس میں بھلائی کی طرف سبقت کرنے کا اعتبار ہے۔ اور (امام شافعی وغیرہ کی پیش کردہ) حدیث گرمیوں کے موسم پر یا حالتِ عذر پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، ج1، ص126، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اگر مشقت نہ ہو تو عشا کی نماز آخری وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے، اکثر صحابۂ کرام اور تابعین کا یہی مختار ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ عشا کی نماز کی تقدیم اَفضل ہے کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((الْوَقْتُ الْأَوَّلُ رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ عَفْوُ اللَّهِ)) ترجمہ: "(نماز کے) اوّل وقت میں اللہ کی خوشنودی ہے اور آخر وقت میں اللہ کی معافی۔" اور حضرت قاسم بن غنام نے بعض اُمہات المؤمنین سے روایت کیا کہ حضرت اُم فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا: ((إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا)) ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اوّل وقت میں نماز پڑھنا ہے۔

عشاء کی تقدیم کے اَفضل ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک رات تاخیر سے اس نماز کو ادا فرمایا، اور اس کے علاوہ کبھی تاخیر نہ فرمائی، اور آپ اَفضل کام پر ہی عمل فرماتے ہیں۔

ہماری دلیل حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان ہے:((اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِي يَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ)) ترجمہ:"رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز میں تاخیر کو پسند فرماتے تھے جس کو عرب لوگ"عتمة" کہتے ہیں۔"اور شفیع روز شمار، ہم بے کسوں کے غمخوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِهِ)) ترجمہ:"اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو انہیں عشاء کی نماز تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔"یہ حدیث"حسن صحیح"ہے۔

اور شوافع کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں۔رہی یہ حدیث:((اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ رِضْوَانُ اللّٰهِ)) تو اس کا روایت کرنے والا عبداللہ بن عمر العُمَری ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔اور اُمّ فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث کے تمام راوی مجہول ہیں۔

امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:میں نہیں جانتا کہ کوئی حدیث نماز کے اوقات کے بارے میں یوں ثابت ہو کہ اوّل وقت(میں نماز پڑھنے)کی فلاں فضیلت ہے، درمیانی وقت کی فلاں اور آخری وقت کی فلاں فضیلت ہے یعنی بخشش اور خوشنودی کے لحاظ سے۔اور فرمایا:یہ حدیث ثابت نہیں۔بالفرض اگر ثابت ہو تو ہمارا خاص احادیث کو اختیار کرنا عام احادیث کے اختیار کرنے سے بہتر ہے نیز ہماری احادیث صحیح ہیں جبکہ اُن کی احادیث ضعیف ہیں۔

(المغنی لابن قدامہ،فصل استحباب تاخیر العشاء،ج1،ص285،284،مکتبۃ القاہرہ)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابو محمد عبدالوہاب ثعلبی مالکی(متوفی 422ھ)فرماتے ہیں:

دوسری عشا کا وقت شفق یعنی سُرخی کا غائب ہونا ہے نہ کہ سفیدی کا۔اور آخری وقت رات کی پہلی تہائی ہے۔اور مسجد جماعت میں اتنی قلیل تاخیر کرنا مستحب ہے کہ جو عوام کو مسجد میں آنے سے نہ روکے۔پھر یہ وقت پہلی تہائی رات کے اختتام تک باقی رہتا ہے۔

(التلقین فی الفقہ المالکی،کتاب الصلاۃ،مدخل،ج1،ص39،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی(متوفی 476ھ)فرماتے ہیں:

عشا کے افضل و مستحب وقت سے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں:(1)قدیم قول اور اِملاء میں ہے کہ عشا کی تقدیم افضل ہے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے جیسا کہ ہم نے بقیہ نمازوں کے متعلق ذکر کیا۔(2)جدید قول یہ ہے کہ اس کی تاخیر اَفضل ہے کیونکہ نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:((لولا أن أشق على أمتى لأمرتهم بتأخير العشاء والسواك

عند کل صلاۃ)) ترجمہ: اگر مجھے اپنی اُمت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں اُن کو عشاء میں دیر کا اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب مواقیت الصلاۃ، ج1، ص104، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

Scanned by CamScanner

باب نمبر (123)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالسَّمَرِ بَعْدَهَا

عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور اُس کے بعد گفتگو کی ممانعت

168- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ :أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، قَالَ أَحْمَدُ : وَحَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ هُوَ الْمُهَلَّبِيُّ، وَإِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ جَمِيعًا، عَنْ عَوْنٍ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ هُوَ أَبُو الْمِنْهَالِ الرِّيَاحِيُّ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ، قَالَ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ، وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَأَنَسٍ،قال ابو عيسى: حَدِيثُ أَبِي بَرْزَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ النَّوْمَ قَبْلَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، وَرَخَّصَ فِي ذَلِكَ بَعْضُهُمْ، وقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ :أَكْثَرُ الْأَحَادِيثِ عَلَى الْكَرَاهِيَةِ، وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ فِي النَّوْمِ قَبْلَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فِي رَمَضَانَ

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کو ناپسند فرماتے تھے۔

اور اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (بھی) روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو برزہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

علماء کی اکثریت نے نماز عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ کہا تاہم بعض علماء نے اس بارے میں رخصت دی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: اکثر احادیث کراہت پر (دلالت کرتی) ہیں۔

اور بعض علماء نے ماہِ رمضان میں عشاء کی نماز سے پہلے سونے کی رُخصت دی ہے۔

تخریج حدیث 168: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء، 1/ 118، حدیث 568، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتہا......الخ، 1/ 447، حدیث 647، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب النہی عن السمر بعد العشاء، 4/ 263، حدیث 4849، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب کراہیۃ النوم بعد صلوۃ المغرب، 1/ 262، حدیث 525، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب النہی عن النوم قبل صلوۃ، 1/ 229، حدیث 701، دار احیاء الکتب العربیہ)

باب نمبر 124

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

عشاء کی نماز کے بعد گفتگو کی اجازت

169- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمُرُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ فِي الْأَمْرِ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ وَأَنَا مَعَهُمَا، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَأَوْسِ بْنِ حُذَيْفَةَ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قال ابو عيسى: حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ الْحَسَنُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ جُعْفِيٍّ يُقَالُ لَهُ: قَيْسٌ أَوِ ابْنُ قَيْسٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الْحَدِيثَ فِي قِصَّةٍ طَوِيلَةٍ، وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ فِي السَّمَرِ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، فَكَرِهَ قَوْمٌ مِنْهُمُ السَّمَرَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ إِذَا كَانَ فِي مَعْنَى الْعِلْمِ، وَمَا لَا بُدَّ مِنْهُ مِنَ الْحَوَائِجِ، وَأَكْثَرُ الْحَدِيثِ عَلَى الرُّخْصَةِ۔ قَدْ رُوِيَ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں گفتگو فرماتے تھے اور میں ان کے ہمراہ ہوتا۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر، اوس بن حذیفہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''حسن'' ہے۔

حسن بن عبیداللہ نے ابراہیم، علقمہ، قیس جعفی یا ابن قیس کے واسطہ سے اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل واقعہ میں روایت کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے علماء کا نماز عشاء کے بعد گفتگو میں اختلاف ہے، علماء کی ایک جماعت نے اسے مکروہ سمجھا اور بعض علماء نے اجازت دی ہے (اس شرط کے ساتھ کہ) جب گفتگو علمی ہو یا ضروری امور کے بارے میں ہو، تاہم اکثر روایات رخصت پر (دلالت کرتی) ہیں۔ اور نبی

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا سَمَرَ إِلَّا لِمُصَلٍّ أَوْ مُسَافِرٍ

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: عشاء کی نماز کے بعد گفتگو صرف نمازی یا مسافر کے لئے ہے۔

تخریج حدیث169:(مسند احمد بن حنبل، مسند عمر بن خطاب، 1/311، حدیث 178، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم عشا کے بعد گفتگو کو ناپسند فرماتے))اس سے مراد وہ گفتگو ہے جس میں کوئی مصلحت نہ ہوالبتہ جس گفتگو میں کوئی دینی یا دنیوی مصلحت ہو وہ مکروہ نہیں، اسی سے وہ اعتراض دور ہو جاتا ہے جو اس حدیث پر وارد ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم تو عشا کے بعد گفتگو فرماتے تھے۔

اور عشا سے پہلے سونا اس لئے مکروہ ہے کہ نیند گہری ہونے کی وجہ سے یہ نمازِ عشا کو فوت جانے پر پیش کر دینا ہے۔اور ایک سبب یہ ہے کہ تاکہ لوگ اس میں سُست ہو کر عشا کی جماعت سے غافل نہ ہو جائیں۔

اور نمازِ عشا کے بعد گفتگو کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ گفتگو رات دیر تک بیداری کی طرف لے جانے والی ہے اور رات دیر تک گفتگو کرنے کے سبب غلبہ نیند کی وجہ سے قیام اللیل، رات کے اذکار اور فجر کی نماز چھوٹنے کا اندیشہ ہے، نیز رات دیر تک جاگنا دن کے وقت متوجہ ہونے والے اُمور یعنی دینی حقوق اور دنیاوی مصلحتوں میں سُستی کا سبب ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اکثر علمانے نماز عشا سے پہلے سونے کو مکروہ کہا اور بعض نے خاص رمضان میں اس کی رخصت دی ہے، جبکہ امام طحاوی نے رُخصت کو وقت عشا شروع ہونے سے پہلے سونے پر محمول کیا اور کراہت کو وقت شروع ہونے کے بعد سونے پر۔

(عمدۃ القاری، فضل العشاء، ج5، ص66، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن بطال مالکی (449ھ) فرماتے ہیں:

((نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم **عشا سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے**)) مہلب نے کہا: عشاء سے پہلے سونا اس لیے مکروہ ہے تاکہ نیند میں استغراق نہ ہو جائے جس کے سبب عشا کا مستحب وقت فوت ہو جائے اور کبھی پورا وقت ہی نکل جائے لہذا سدّ ذرائع کے طور پر بالکل ممانعت فرمادی۔

اور عشا سے پہلے سونے کے بارے میں سلف صالحین کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما عشا سے پہلے سونے والے شخص کو ملامت فرماتے۔اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ہم نمازِ عشا سے پہلے بستر سے اجتناب کرتے تھے، اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے مکتوب روانہ کیا کہ عشا کی نماز پڑھنے سے پہلے کوئی نہ سوئے اور جو سوئے تو اُس کی آنکھیں نہ سوئیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور حضرت عطاء، حضرت طاؤس، حضرت ابراہیم اور حضرت مجاہد سے بھی اس کی مثل منقول ہے، امام مالک اور کوفیوں کا یہ ہی موقف ہے۔ ایک گروہ نے عشا سے پہلے سونے کی رُخصت دی ہے کیونکہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ عشا سے پہلے ہلکی نیند سے آرام فرماتے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عشا سے پہلے آرام کرتے اور کسی کو بیدار کرنے کے لئے مقرر کر دیتے۔ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عبیدہ سے بھی اس کی مثل منقول ہے۔ عروہ اور ابن سیرین اور حکم کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز سے پہلے کچھ آرام کرتے۔ اور حضرت عبداللہ کے اصحاب بھی ایسا ہی کرتے تھے، بعض کوفی علما کا بھی یہ ہی موقف ہے۔ امام طحاوی نے ان کے لئے یوں استدلال کیا کہ قبل از عشا اُس کے لئے سونا مکروہ ہے جسے نماز یا جماعت کے قضا ہونے کا اندیشہ ہو البتہ جو کسی کو بیدار کرنے کے لئے مقرر کر دے اُس کے لئے سونا بلا کراہت جائز ہے۔ اور ان بزرگوں نے حضرت ابن عمر، حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عُبیدہ کے فعل سے استدلال کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عشا سے پہلے سونے کی کراہت، کراہت تحریمی نہیں کیونکہ صحابہ سے یہ ثابت ہے۔ لیکن حدیث کے ظاہر کو لینے میں زیادہ نجات اور زیادہ احتیاط ہے۔

امام طحاوی نے حضرت لیث کا یہ قول نقل کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان: ((فمن رقد بعد المغرب فلا أرقد الله عينه)) (یعنی جو مغرب کے بعد سوئے اللہ اُس کی آنکھوں نہ سُلائے) یہ تہائی رات کے بعد ہے۔

امام طحاوی (کراہت اور اباحت میں تطبیق دیتے ہوئے) فرماتے ہیں: کراہت کا محمل وقت عشا شروع ہونے کے بعد سونا ہے اور اباحت وقت عشا شروع ہونے سے پہلے کی ہے۔

(شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء، ج2، ص194، مکتبۃ الرشد، ریاض)

مزید فرماتے ہیں:

مہلب کہتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشا کے بعد گفتگو اس لئے ناپسند فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات کا باقی حصہ نیند کے مُزاحم ہو جائے اور فجر کی جماعت فوت ہو جائے۔ اور خَرشہ بن حُر کہتے ہیں میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ عشا کے بعد گفتگو کرنے پر لوگوں کو سزا دیتے اور فرماتے: رات کی ابتدا میں فضول گفتگو اور رات کے آخر میں نیند کرتے ہو!!! اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: رات کی ابتدا میں فضول گفتگو سے گریز کرو کیونکہ یہ رات کے آخر کو ویران کرنے والی ہے اور جو ایسا کرے وہ بستر پر جانے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔ حضرت ابراہیم اور ابن سیرین بعد از عشا گفتگو کو ناپسند کرتے، البتہ علمی اور فقہی گفتگو نیز افعال خیر جائز ہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اسے کیا بھی ہے۔ (شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب ما یکرہ من السمر قبل العشاء، ج2، ص221، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالی عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نمازِ عشا کو تہائی رات تک مؤخر فرماتے اور عشا سے پہلے نینداور اس کے بعد گفتگو کو ناپسند رکھتے۔علما نے فرمایا: عشا سے پہلے سونا اس لیے مکروہ ہے کہ نیند گہری ہونے کے وجہ سے یہ نمازِ عشا کے قضا ہونے یا اُس کے مختار اور افضل وقت کے فوت ہونے کا سبب ہے، ایک سبب یہ ہے کہ تا کہ لوگ اس میں سُستی ہوکر عشا کی جماعت سے غافل نہ ہو جائیں۔

اور عشا کے بعد باتیں کرنا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ رات دیر تک گفتگو تک لے جاتا ہے جس کے سبب رات کے قیام اور ذکر، نمازِ فجر کو اُس کے وقتِ جواز یا وقتِ مختار یا افضل وقت کو چھوڑ کر نیند کے غالب ہونے کا اندیشہ ہے۔ نیز رات میں بیدار رہنا دن کے وقت متوجہ ہونے والے اُمور یعنی دینی حقوق، عبادات اور دنیاوی مصلحتوں میں سُستی کا سبب ہیں۔

علما نے فرمایا: عشا کے بعد وہ گفتگو مکروہ ہے جس میں کوئی مصلحت نہ ہو، البتہ جس گفتگو میں کوئی (دینی یا دنیاوی) مصلحت اور بھلائی ہو اُس میں کوئی کراہت نہیں، جیسا کہ علم دین کے کسی مسئلہ میں مباحثہ کرنا، نیک لوگوں کے واقعات پڑھنا، مہمان اور دُلہن کو مانوس کرنے کے لئے اُن سے بات چیت کرنا، کسی شخص کا اپنی زوجہ اور اُولاد سے لطف اندوز ہونے کے لیے یا کسی حاجت کی غرض سے بات کرنا، مسافروں سے اُن کے سامان اور جان کی حفاظت کے متعلق باتیں کرنا، لوگوں کے درمیان اصلاحی گفتگو کرنا، کسی کارِ خیر میں اُن کی طرف سفارش کرنا، نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے منع کرنا، کسی مصلحت کی طرف رہنمائی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اِن تمام گفتگو میں کوئی کراہت نہیں (بلکہ) ان میں سے بعض اُمور (کے جواز) کے متعلق احادیث صحیحہ وارد ہیں، جن میں سے بہت سی احادیث اِن ابواب میں گزر چکیں اور باقی مشہور احادیث ہیں۔

پھر "بعد از عشا" سے مراد نمازِ عشا کے بعد گفتگو مکروہ ہے نہ کہ وقتِ عشا شروع ہوجانے کے بعد۔ اور عشا کے بعد گفتگو کے مکروہ ہونے پر علما کا اتفاق ہے مگر وہ گفتگو کہ جو اچھی ہو جیسا کہ ہم نے اس کی مثالیں ذکر کیں۔

اور رہا عشا سے پہلے سونا تو اس کو حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس وغیرہم، اور امام مالک اور فقہائے شوافع رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے ناپسند کیا، جبکہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور کوفی علما نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور امام طحاوی نے فرمایا: اس شرط کے ساتھ رُخصت ہے کہ کوئی بیدار کرنے والا ہو، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کی مثل منقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (شرح النووی علی مسلم، باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتھا، ج5، ص146,147، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد گفتگو کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

(سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عشا سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو نا پسند فرماتے) اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا۔ اور عشا کے بعد گفتگو کرنا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ رات کو بیدار رہنے کا باعث ہے جس کی وجہ سے فجر کی نماز فوت ہو سکتی ہے یا اس کراہت کا سبب یہ ہے کہ اُس کی گفتگو میں لغو باتیں شامل نہ ہو جائیں کیونکہ بیداری کا اختتام لغو باتوں پر نہیں ہونا چاہیے۔ یا سبب یہ ہے کہ رات بھر جاگنے سے اُس شخص کا قیام اللیل فوت ہو جائے گا جو اس کا عادی ہے۔ یہ حکمِ کراہت تب ہے کہ جب بغیر حاجت کے گفتگو ہو البتہ اگر کوئی اہم حاجت ہو تو اُس میں کوئی حرج نہیں، یوں ہی تلاوتِ قرآن کرنا، ذکر کرنا، نیک لوگوں کے واقعات پڑھنا، فقہی مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرنا، مہمان کے ساتھ بات چیت کرنا جائز ہے۔ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((كَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَسْمُرُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ فِي أَمْرٍ مِنْ أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ وَأَنَا مَعَهُمَا)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نمازِ عشاء کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں گفتگو فرماتے تھے اور میں ان کے ہمراہ ہوتا، اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

اور امام طحاوی نے فرمایا: عشا سے قبل سونا اُس کے لئے مکروہ ہے جسے نماز کے قضا ہونے یا جماعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو البتہ اگر سونے والا کسی کو نماز یا جماعت کے وقت میں جگانے کے لئے مقرر کر دے تو سونا بلا کراہت جائز ہے۔

(تبیین الحقائق، الاوقات التی یستحب فیہا الصلاۃ، ج1، ص84، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ شہاب الدین احمد نفراوی مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

(اور مکروہ ہے اس سے پہلے سونا) یعنی عشا کا وقت شروع ہونے سے پہلے (اور عشا کے بعد فضول گفتگو کرنا مکروہ ہے) اور عشا کے بعد گفتگو کی کراہت، عشا سے پہلے سونے کی کراہت سے زیادہ ہے۔ ماتن کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ عشا سے پہلے سونا مکروہ ہے اگرچہ کسی شخص کو جگانے کے لیے مقرر کر دے اور حقیقت یہ ہی ہے کیونکہ وکیل (جسے جگانے کے واسطے مقرر کیا ہے) کے خود سو جانے یا بھولنے کا احتمال ہے۔

اور صرف عشا سے پہلے سونا مکروہ ہے جبکہ دیگر (نمازوں کے) اوقات کے شروع ہونے سے پہلے سونا جائز ہے کیونکہ وقت عشا سونے کا وقت ہے بخلاف دیگر اوقات نماز کے۔ اور عشا کے بعد گفتگو کا مکروہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ کہیں نیند میں نہ گزر جائے۔ فجر کا وقت

"لِغَيْرِ شُغْلٍ" (فضول گفتگو) کی قید کا مفہوم یہ ہے کہ عشا کے بعد کسی مصلحت کی وجہ سے گفتگو کرنا مکروہ نہیں، خواہ دینی مصلحت ہو جیسے علمی گفتگو کرنا، یا دنیاوی مصلحت ہو جیسا کہ دنیاوی امور کے متعلق بحث کرنا، سفر سے آنے والے یا اپنی اہلیہ سے اُنسیت کے لیے بات چیت کرنا۔ اور رات کی وہ گفتگو جو نیکی سے خالی ہو، سے افضل سو جانا ہے یا نہیں، اس کے متعلق اختلاف ہے۔

(الفوکہ الدوانی، باب فی اوقات الصلاۃ واسائہا، ج1، ص169، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

سابق میں موجود حدیثِ صحیح کی وجہ سے عشا سے پہلے سونا اور عشا کے بعد گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ عشا کے بعد جو گفتگو مکروہ ہے، اُس سے مراد وہ گفتگو ہے جو دیگر اوقات میں جائز ہے، بہر حال جو گفتگو دیگر اوقات میں ممنوع ہے تو عشا کے بعد اس کی ممانعت زیادہ ہے۔ عشا کے بعد گفتگو اس لیے مکروہ ہے کہ (دیر تک باتیں کریں گے تو) دیر سے سوئیں گے جس کی وجہ سے اگر یہ شخص تہجد کا پابند تھا تو تہجد فوت ہو جائے گی، یا فجر کی نماز قضا یا کم اَز کم اوّل وقت سے فوت ہو جائے گی۔ اور یہ کراہت اُس وقت ہے جب بیکار اور فضول گفتگو ہو جس میں کوئی (دینی یا دنیاوی) مصلحت نہ ہو، البتہ حاجت کی گفتگو کرنا مکروہ نہیں، یوں ہی اچھی گفتگو کرنا جیسا کہ احادیث مبارکہ پڑھنا، فقہی مذاکرہ و مباحثہ کرنا، صالحین کی حکایات پڑھنا، مہمان سے بات چیت کرنا وغیرہ کہ اس جیسی گفتگو میں کراہت نہیں (بلکہ) ان سب کے متعلق احادیث صحیحہ مشہورہ وارد ہیں، جن کو میں نے کتاب الاذکار کے آخر میں جمع کر دیا ہے۔ اس قسم کی گفتگو مکروہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ یقینی اور قطعی بھلائی ہے جسے وہمی فساد کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا بخلاف اس کے کہ جب گفتگو میں کوئی بھلائی نہ ہو (تو وہ مکروہ ہے) کیونکہ یہ بغیر مصلحت کے نماز کو فوت ہونے کے خطرہ پر پیش کرنا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(المجموع شرح المہذب، باب مواقیت الصلاۃ، ج3، ص42، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

امام احمد بن حنبل کے بیٹے علامہ عبداللہ فرماتے ہیں:

میں نے اپنے والد گرامی (امام احمد بن حنبل) سے اُس حدیث کے متعلق دریافت کیا جس میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے عشا سے پہلے سونے کی اور بعد از نماز عشا گفتگو کی ممانعت فرمائی، پس اگر کوئی شخص عشا کی نماز کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرے پھر وہاں سے اٹھ کر آرام کرنے چلا جائے، کیا ایسا شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان اور ممانعت سے خارج ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اُسے چاہیے کہ نماز عشا کے بعد گفتگو سے باز رہے۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عشا سے پہلے آرام کرتے اور کسی کو بیدار کرنے کے لئے مقرر کرتے۔

(مسائل الامام احمد روایۃ لابنہ عبد اللہ، باب صلاۃ الصلاۃ، ج1، ص83، المکتب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر125

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَقْتِ الْأَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ

اوّل وقت کی فضیلت

170- حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ غَنَّامٍ، عَنْ عَمَّتِهِ أُمِّ فَرْوَةَ -وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَتْ :سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ : الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا

حدیث: حضرت ام فروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی، فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اُس کے اول وقت میں پڑھنا۔

171- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ الْوَلِيدِ الْمَدَنِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :الْوَقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللَّهِ، وَالْوَقْتُ الآخِرُ عَفْوُ اللَّهِ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ عُمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَابْنِ مَسْعُودٍ

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اول وقت میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے، اور آخری وقت (میں نماز کی ادائیگی) اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔

اور اس باب میں حضرت علی، حضرت ابن عمر، سیدہ عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایات موجود ہیں۔

172- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْجُهَنِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ " :يَا عَلِيُّ، ثَلَاثٌ لَا

حدیث: حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا: اے علی! تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا (1) نماز! جب اُس کا وقت ہو جائے (2) جنازہ! جب وہ آجائے (3) بغیر شوہر کی عورت جب اُس کے لئے کفول جائے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ام فروہ کی حدیث صرف عبداللہ بن عمر عُمری کے حوالہ سے مروی ہے۔ اور

تُؤَخِّرْهَا :الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ، وَالجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، وَالأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْئًا "قال ابو عيسى:حَدِيثُ أُمِّ فَرْوَةَ لَا يُرْوَى إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ العُمَرِيِّ، وَلَيْسَ هُوَ بِالقَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ، وَاضْطَرَبُوا فِي هَذَا الحَدِيثِ،

173- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الفَزَارِيُّ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، عَنْ الوَلِيدِ بْنِ العَيْزَارِ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، أَنَّ رَجُلًا، قَالَ لِابْنِ مَسْعُودٍ :أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :سَأَلْتُ عَنْهُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ :الصَّلَاةُ عَلَى مَوَاقِيتِهَا، قُلْتُ :وَمَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ :وَبِرُّ الوَالِدَيْنِ، قُلْتُ :وَمَاذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ :وَالجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ،قال ابو عيسى: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى المَسْعُودِيُّ، وَشُعْبَةُ، والشَّيْبَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الوَلِيدِ بْنِ العَيْزَارِ هَذَا الحَدِيثَ

174- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً لِوَقْتِهَا الآخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ،قال ابو عيسى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ

وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔اوراس حدیث میں اضطراب ہے۔

حدیث: ابوعمروشیبانی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعودرضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا: کون سائمل زیادہ فضیلت کا حامل ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیاتو آپ نے فرمایا: نماز اُس کے وقت پرادا کرنا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! اورکونسا؟ آپ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے دریافت کیا: اورکونسا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہادکرنا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

مسعودی،شعبہ،شیبانی اورکثیرراویوں نے یہ حدیث ولیدبن عیزار سے روایت کی ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوری زندگی میں دومرتبہ بھی نماز آخروقت میں نہیں ادافرمائی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ''غریب'' ہے،اوراس کی سند متصل نہیں ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز کا ابتدائی وقت افضل ہے۔اورابتدائی وقت کی آخری وقت پرفضیلت کی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکراور حضرت عمر رضی اللہ

قَالَ الشَّافِعِيُّ :وَالوَقْتُ الأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ، وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى فَضْلِ أَوَّلِ الوَقْتِ عَلَى آخِرِهِ اخْتِيَارُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، فَلَمْ يَكُونُوا يَخْتَارُونَ إِلَّا مَا هُوَ أَفْضَلُ، وَلَمْ يَكُونُوا يَدَعُونَ الفَضْلَ، وَكَانُوا يُصَلُّونَ فِي أَوَّلِ الوَقْتِ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ أَبُو الوَلِيدِ المَكِّيُّ، عَنِ الشَّافِعِيِّ

تعالیٰ عنہا کا اسے اختیار کرنا ہے کیونکہ ان ہستیوں نے ہمیشہ افضل عمل ہی اختیار فرمایا اور فضیلت کو ترک نہیں فرمایا اور یہ حضرات نماز کو ابتدائی وقت میں ادا کیا کرتے تھے۔(امام ترمذی فرماتے ہیں کہ)ابو ولید مکی نے امام شافعی کے حوالہ سے ہمیں یہ بات بتائی ہے۔

تخریج حدیث170:(سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوات، 1/115، حدیث426، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

تخریج حدیث171:صرف جنازے کا لکھا ہے(سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی الجنازۃ لاتوخر.....الخ، 1/197، حدیث828، دار احیاء الکتب العربیہ)

تخریج حدیث172:(سنن دارقطنی، باب النھی عن الصلوۃ بعد صلوۃ الفجر، 1/468، حدیث983، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

تخریج حدیث173:(صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب فضل الصلوۃ لوقتھا، 1/112، حدیث527، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ، 1/90، حدیث85، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب فضل الصلوۃ لمواقیتھا، 1/292، حدیث610، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب وقت صلوۃ الفجر، 1/220، حدیث669، دار احیاء الکتب العربیہ)

تخریج حدیث174:(مسند احمد بن حنبل، مسند عائشہ صدیقہ، 41/161، حدیث24614، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((نماز کا اول وقت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے))ابن مَلِک نے کہا: یعنی نماز میں تعجیل، یہ عام مخصوص البعض ہے یا وقتِ مستحب کا اول مراد ہے، اللہ کی خوشنودی یعنی اللہ کی کامل رِضا کا سبب ہے کیونکہ اس میں نیکیوں کی طرف سبقت کرنا ہے۔اور یہ خبر ہے یا تو مضاف کے حذف کے ساتھ ((اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ سَبَبُ رِضْوَانِ اللّٰہِ))یعنی اول وقت اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے کیونکہ اُس نے عبادتِ الٰہی کی طرف سبقت کی اور یہ چیز رِضائے الٰہی کا سبب ہے۔یا(مضاف کے حذف کے بغیر ہے اور)مبالغہ پر محمول ہے یعنی((اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ عَیْنُ رِضَا اللّٰہِ تَعَالٰی عَنْہُ))اول وقت عین اللہ عزوجل کی رِضا ہے۔((اور آخری وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے))یعنی ایسے وقت نماز کی ادائیگی کہ جب وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہو۔یا وقت آخر سے مکروہ وقت مراد ہے، جیسے عصر کی نماز سورج کے پیلا پڑ جانے پر ادا کرنا اور عشا کی نماز نصف رات کے بعد پڑھنا۔"اللہ تعالیٰ کی معافی ہے"کے بارے میں شرح السنۃ میں ہے، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی خوشنودی کا سبب اس لیے ہے کہ اس نے اللہ کی عبادت ادا کرنے میں جلدی کی اور یہ اللہ کی رضا کا سبب ہے۔یا مبالغہ پر محمول ہے یعنی اول وقت عین رضائے الٰہی ہے جو نیکوں کاروں کے لئے ہے اور ممکن ہے کہ "عفو" کوتاہی کرنے والوں کے لئے ہو۔یہ امام طیبی نے نقل کیا ہے۔میں(ملا علی قاری)کہتا ہوں: ممکن ہے کہ رحمت درمیانِ وقت میں نماز پڑھنے والوں کے لئے ہو، پھر میں نے دیکھا: ابن حجر نے ذکر کیا کہ ایک روایت میں ہے:((وَوَسَطُہٗ رَحْمَۃُ اللّٰہِ))درمیانہ وقت اللہ کی رحمت ہے۔یعنی وسط وقت تک تاخیر کی اباحت اللہ کی اپنے بندوں پر رحمت میں سے ہے کہ اُس نے اس وقت تک تاخیر کی اجازت مرحمت فرمائی اور اول وقت میں نماز کی ادائیگی کو واجب نہیں فرمایا۔

پھر تقسیم کاری اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ اول وقت، وقت کا پہلا تہائی ہے اور یہ ہی باقیوں کا قیاس ہے(یعنی درمیانہ وقت دوسرا تہائی اور آخری وقت تیسرا تہائی ہے)اس میں غور کرو کیونکہ یہ انتہائی مفید بات ہے۔

ابن ملک نے کہا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نماز فجر کی تاخیر اسفار تک اور عصر کی تاخیر سورج میں تبدیلی نہ آنے تک اور عشا کی تاخیر رات کی پہلی تہائی تک کرنا افضل ہے کیونکہ ان نمازوں کو تاخیر سے پڑھنے میں(نماز کے)انتظار والی فضیلت اور تکثیر جماعت وغیرہما ہے۔اور "عفو" فضل کے معنی میں بھی آتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا﴿وَ یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ترجمۂ کنز الایمان: "اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے۔" یعنی وہ خرچ کرو جو

تمہاری اور تمہاری اَولاد کی خوراک سے بچ جائے۔تو حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ آخری وقت میں اللہ کا فضل زیادہ ہے۔

اور مختار یہ ہے کہ "اَلْوَقْتُ الْاَوَّل" سے مستحب وقت مراد ہے یا مطلق وقت مراد ہے لیکن دیگر احادیث کے ذریعہ اس کی تخصیص کردی گئی ہے (اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا) اور فرمایا یہ حدیث ''حسن غریب'' ہے۔اور اس کی سند میں عبداللہ بن عمر العمری ہے جس کا ذکر اس کے بعد والی حدیث میں ہے، یہ میرک نے کہا۔اور ابن حجر نے فرمایا: یہ حدیث تمام اسنادوں کے لحاظ سے ضعیف ہے تو جس نے اس کو ''حسن'' کہا اُس کی تحسین کو ''حسن لغیرہ'' پر محمول کیا جائے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص533،534، دار الفکر، بیروت)

علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

((حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو بار بھی آخری وقت میں نماز نہیں ادا فرمائی)) غالباً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں وہ نمازیں نہیں جو آپ نے حضرت جبرائیل کے ساتھ تعلّم کے لئے اور سائل (نماز کے اَوقات دریافت کرنے والے) کے ساتھ تعلیم کے لئے پڑھی ہیں ((یہاں تک کہ آپ کا وصال پر ملال ہوا)) مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے تمام اَوقات، وقت اختیاری میں تھے مگر آخری وقت تک جو تاخیر واقع ہوئی وہ کبھی کبھار اور بیانِ جواز کے لئے ہوئی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص534، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

((اے علی! تین)) اہم چیزیں ہیں ((اُن میں دیر نہ کرو)) کہ اُن کی تاخیر میں آفتیں ہیں، لہٰذا اِن میں جلدی کرو۔اور یہ تین چیزیں مشہور حدیث: ((اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ)) (یعنی جلدی شیطان کی طرف سے ہے) سے مستثنیٰ ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص533، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

((اور جنازہ جب حاضر ہو)) اَشرف نے کہا: اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ مکروہ اَوقات میں نماز جنازہ مکروہ نہیں ہے۔یہ امام طیبی نے نقل فرمایا۔اور ہمارے نزدیک ایسا ہی ہے بشرطیکہ جنازہ اِن اَوقات یعنی طلوع، غروب اور ضحوۂ کبریٰ کے وقت ہی حاضر ہو۔البتہ اگر اِن اَوقات سے پہلے جنازہ آئے اور نماز جنازہ اِن اوقات میں پڑھی جائے تو یہ مکروہ ہے۔اور سجدۂ تلاوت کا بھی یہ ہی حکم ہے۔جبکہ فجر سے پہلے اور اس کے بعد نیز عصر کے بعد یہ دونوں امور (نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت) مکروہ نہیں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص533، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

علامہ طیبی بیان کرتے ہیں: "الأَیِّم" وہ جس کے لئے زوج نہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت (بغیر شوہر کے عورت، بغیر بیوی کے مرد) ثیب ہو یا باکرہ۔ اور نکاح میں "کفو" یہ ہے کہ مرد اسلام، حرّیت، صلاح، نسب، اچھے کسب اور عمل میں عورت کے برابر ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص533، دار الفکر، بیروت)

اول وقت کی فضیلت پر مشتمل احادیث کی فنی حیثیت

علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ الزیلعی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

امام حاکم نے فرمایا: یعقوب بن ولید اس کتاب کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ ابن حبان نے کہا: یعقوب بن ولید ثقہ راویوں پر حدیثیں گھڑتا ہے لہذا اُس کی حدیث کو لکھنا حلال نہیں مگر تعجب کے طور پر اور جس کو صرف اُسی نے روایت کیا ہو۔ امام احمد نے فرمایا: وہ بڑے جھوٹوں میں سے ہے۔ اور امام ابو داؤد نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ اور امام نسائی نے کہا: وہ متروک الحدیث ہے۔ اور امام بیہقی نے المعرفۃ میں فرمایا: نماز کے متعلق حدیث: ((أَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰهِ)) فقط یعقوب بن ولید کے ساتھ مشہور ہے، اور بالیقین امام احمد بن حنبل اور بقیہ تمام حفاظ حدیث نے اس کی تکذیب کی ہے۔ (مزید امام بیہقی نے) فرمایا: اور یہ حدیث جتنی اسنادوں کے ساتھ منقول ہے وہ سب ضعیف ہیں۔ اور ابو جعفر محمد بن علی سے صرف اُن کا قول مروی ہے۔

علامہ ابن قطان نے ابو محمد عبد الحق کی طرف خط میں اس بات پر انکار کیا کہ عمری کی وجہ سے حدیث کو معلول قرار دیا جائے اور یعقوب سے سکوت کیا جائے اور کہا کہ یعقوب میں علت ہے کیونکہ امام احمد نے اس کے متعلق فرمایا: یہ بڑے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ اور امام ابو حاتم نے فرمایا: یہ جھوٹ بولتا تھا اور جس حدیث کو بھی اُس نے روایت کیا وہ موضوع ہے۔ اور ابن عدی نے اس کی وجہ سے حدیث کو ضعیف کہا۔

(نصب الرایۃ، باب المواقیت، ج1، ص242، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

علامہ نووی نے الخلاصۃ میں فرمایا: حدیث: ((أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا)) (کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اول وقت میں ادا کرنا) اور حدیث: ((أَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَآخِرُهُ عَفْوُ اللّٰهِ)) (نماز اوّل وقت میں اللہ کی خوشنودی اور آخر وقت میں اللہ کی معافی ہے) یہ تمام ضعیف احادیث ہیں۔

(نصب الرایۃ، باب المواقیت، ج1، ص243، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

ایک اور حدیث جسے امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا، آپ فرماتی ہیں: ((مَا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِوَقْتِهَا الْآخِرِ إِلَّا مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللّٰهُ)) ترجمہ: "رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر دو بار بھی آخری وقت میں نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آپ کا وصال پُر ملال ہوا۔" اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے، اھ۔ اور یہ حدیث دار قطنی پھر امام بیہقی نے روایت کی، امام بیہقی نے فرمایا: یہ حدیث مرسل ہے (کیونکہ) اسحاق بن عمر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو نہیں پایا...... یوں ہی ابن قطان نے اپنی کتاب میں فرمایا یہ حدیث منقطع ہے اور اسحاق بن عمر مجہول راوی ہے۔ (ابن قطان کا کلام ختم ہوا) اور شیخ تقی الدین نے الامام میں اس کو صرف دار قطنی کی طرف منسوب کیا۔ اور ابن عبد البرؒ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اسحاق بن عمر مجہول راویوں میں سے ایک ہیں، اس سے سعید بن ابو ہلال نے روایت کیا ہے۔ (کلام ختم ہوا) دار قطنی نے بھی عمرہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کی مثل حدیث روایت کی۔ اور اُس کی سند میں مُعلّٰی بن عبد الرحمن ہے، ابو حاتم کے بیٹے کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں، میں نے اپنے والد سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ متروک الحدیث ہے۔

(نصب الرایۃ، باب المواقیت، ج1، ص243,244، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

ایک اور حدیث جس کو امام ترمذی نے جامع ترمذی میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے ارشاد فرمایا: ((يَا عَلِيُّ! ثَلَاثَةٌ لَا تُؤَخِّرْهَا: الصَّلَاةُ إِذَا أَتَتْ. وَالْجِنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ. وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْئًا)) ترجمہ: اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرو (1) نماز میں! جب اُس کا وقت ہو جائے (2) جنازہ جب حاضر ہو (3) بے شوہر والی عورت جب اُس کے لئے کفو مل جائے۔ (حدیث مکمل ہوئی) اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور میں اس کی سند کو متصل نہیں سمجھتا۔

(نصب الرایۃ، باب المواقیت، ج1، ص244، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

امام ترمذی "حدیث علی" کے بارے میں "باب ماجاء فی تعجیل الجنازۃ" میں فرماتے ہیں:

"هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَمَا أَرَى إِسْنَادَهُ بِمُتَّصِلٍ" ترجمہ: یہ حدیث غریب ہے اور میں اس کی سند کو متصل نہیں سمجھتا۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی تعجیل الجنازۃ، ج3، ص379، مطبعۃ مصطفی البابی، مصر)

مطلق تعجیل صلوٰۃ کی روایات کے بارے میں فقہاءِ احناف کی آرا

علامہ شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اوّل وقت میں نماز کی ادائیگی کو اختیار فرماتے ہیں، اُن کی دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالیشان ہے: ((أول الوقت رضوان الله و آخره عفو الله)) ترجمہ: "نماز اول وقت میں اللہ کی خوشنودی اور آخر وقت میں اللہ کی عفو ہے۔" اور عفو غلطی کے بعد ہوتی ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں فضیلت کو (حفظ ما تقدم کے تحت) پالینا ہے اس سے پہلے کہ کوئی ایسا عذر لاحق ہو جو حصول فضیلت سے عاجز کر دے۔

اور ہمارے (احناف کے) فقہا نے تاخیر کو اختیار کیا ہے کہ اس میں نماز کا انتظار کرنا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ((المنتظر للصلاة فی الصلاة ما دام ینتظرها)) ترجمہ: "نماز کا انتظار کرنے والا نماز میں ہے جب تک انتظار کرتا رہے۔" نیز تاخیر میں تکثیرِ جماعت بھی ہے اور اس (نماز عشا کی تاخیر) میں نیند کی تقلیل بھی ہے اور یہ افضل ہے۔ اور وقت کا دیر تک رہنا صرف آسانی کے لئے ہے اور تاخیر سے نماز پڑھنے میں اُس آسانی کا اظہار ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا: ((و آخره عفو الله)) یعنی آخری وقت میں اللہ کی طرف سے عفو ہے۔ اور "عفو" سے مراد فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ یَسْـــٴَـلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: "اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے۔" اور یہاں "عفو" کو غلطی سے درگزر کرنے پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ امامت جبرائیل والی حدیث میں دوسرے روز آخری وقت تک نماز کو مؤخر کرنے کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیز کا قصد بھی نہیں فرماتے جس میں کوتاہی ہو اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جس لغزش کا صدور ممکن ہے وہ کوتاہی و تقصیر نہیں ہوتی۔

(مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلاۃ، ج1، ص148، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی فرماتے ہیں:

(1) حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ)) ترجمہ: فجر کی نماز روشنی میں پڑھو کیونکہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔

(2) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ((مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم- صَلَاةً قَبْلَ مِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ: صَلَاةُ الْعَصْرِ بِعَرَفَةَ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ بِمُزْدَلِفَةَ فَإِنَّهُ قَدْ غَلَّسَ بِهَا)) ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نماز اُس کے وقت سے پہلے نہیں پڑھی، سوائے دو نمازوں کے، ایک عصر کی نماز میدانِ عرفہ میں، دوسری فجر کی

نمازِ مزدلفہ میں، کیونکہ وہ آپ نے اندھیرے میں ادا فرمائی۔

چنانچہ یہاں نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کرنے کو وقت سے پہلے نماز پڑھنا کہا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ نمازِ فجر اُجالے میں ادا فرماتے۔

(3) حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کا کسی چیز پر ایسا اتفاق نہیں ہوا جیسا اتفاق عصر کی نماز کو مؤخر کرنے اور نمازِ فجر کو اُجالے میں پڑھنے پر ہے۔

(4) ایک دلیل یہ ہے کہ اندھیرے میں نمازِ فجر ادا کرنا تقلیل جماعت کا سبب ہے کیونکہ وہ نینداور غفلت کا وقت ہے، جبکہ اُجالے میں نماز پڑھنا تکثیر جماعت کا باعث ہے لہٰذا اِسفار اَفضل ہوا۔ تکثیر جماعت ہی کے باعث گرمیوں میں نمازِ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مستحب ہے کیونکہ (گرم وقت میں) لوگ قیلولہ کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

(5) اس وقت میں لوگوں کے جماعت کے لئے حاضر ہونے میں ایک قسم کی مشقت ہے بالخصوص کمزوروں کے لئے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((صَلِّ بِالْقَوْمِ صَلَاةَ أَضْعَفِهِمْ)) ترجمہ: لوگوں کو اُن میں سے ضعیف کے اعتبار سے نماز پڑھاؤ۔

(6) ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جہاں نمازِ فجر ادا کی، طلوعِ آفتاب تک وہاں ٹھہرنا مستحب ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ وَمَكَثَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ أَرْبَعَ رِقَابٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ)) ترجمہ: جو فجر کی نماز ادا کرے اور طلوعِ آفتاب تک ٹھہرے رہے گویا اُس نے اولادِ اسماعیل سے چار غلام آزاد کئے۔

اور اندھیرے میں نماز ادا کرنے کی صورت میں اس فضیلت کو حاصل کرنے پر بہت کم قدرت ہوگی کیونکہ (نماز کے بعد طلوعِ آفتاب ہونے تک) وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے کم ہی ٹھہرنا پایا جائے گا جبکہ اسفار میں نماز ادا کی جائے تو اس فضیلت کو (بآسانی) حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اسفار کے وقت نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اور جو دلائل (شوافع وغیرہ کی طرف سے) مذکور ہوئے، اُنہیں بعض اوقات کسی نماز کے متعلق ہم بھی مانتے ہیں، لیکن بعض نمازوں کے متعلق دلائل اس پر قائم ہیں کہ تاخیر کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے افضل ہے جو تاخیر سے نماز ادا کرنے میں ہی موجود ہے، اسی لئے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تہائی رات تک نمازِ عشا کو مؤخر کرنے کا قول کیا تاکہ عشا کی نماز کے بعد سَمَر (رات کی گفتگو) میں مبتلا نہ ہو۔

پھر قرآن کریم میں (بھلائی کی طرف) سبقت کرنے کا حکم ایسی مسارعت کی طرف راجع ہے جو شرع سے ثابت ہے۔ یہ دیکھئے قبل از وقت نماز ادا کرنا جائز نہیں اگرچہ میں اس مسارعت (بھلائی کی طرف سبقت کرنا) ہے، کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہی

ہے کہ یہ شرع سے ثابت نہیں۔

اور (شوافع کی طرف سے پیش کردہ) حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہاں ''عفو'' سے مراد ''فضل'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے۔

اس بناء پر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اوّل وقت میں نماز ادا کرے گا وہ اللہ کی رضا کو پالے گا نیز اللہ کی ناراضگی اور عذاب سے محفوظ رہے گا کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے حکم کو بجالایا اور اللہ کے واجب کو ادا کیا۔ اور جو آخری وقت میں نماز ادا کرے گا اُسے اللہ کا فضل ملے گا۔ اور اللہ کا فضل بغیر اُس کی رضا کے حاصل نہیں ہوتا لہذا یہ درجہ (یعنی اللہ کے فضل والا درجہ) اُس درجہ (یعنی اللہ کی رضا والے درجہ) سے افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ صحیح روایات سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسفار میں نماز پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث نقل کی۔ اگر کسی وقت تغلیس (اندھیرے) میں نماز پڑھنا ثابت ہے تو وہ سفر میں نکلنے کے عذر کی وجہ سے ہے۔ یا وہ ابتدائے اسلام میں تھا جب عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں، پھر اُنہیں گھر میں ٹھہرنے کا حکم ہوا تو اندھیرے میں نماز پڑھنا منسوخ ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، ج 1، ص 125، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ سراج الدین عمر بن اسحٰق حنفی (متوفی 773ھ) فرماتے ہیں:

تعجیل اللہ عزوجل کی خوشنودی کا سبب محض اُن عبادات میں ہے کہ جن کو جلدی ادا کرنا مستحب ہے، جیسا کہ سردی میں مغرب اور ظہر۔ البتہ وہ عبادتیں جن کو تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے تو اُن میں اللہ کی خوشنودی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ہے کہ یہی محبتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: "تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔" اور بلاشبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض نمازیں تاخیر سے ادا فرمائیں اور بعض کی تاخیر کا حکم بھی فرمایا۔ جیسا کہ حضور کا یہ فرمانِ عالی گزرا: ((أسفروا بالفجر وأبردوا بالظهر)) ترجمہ: "فجر کی نماز اُجالے میں پڑھو اور ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔" اور اللہ ربُّ العزت نے (لوگوں کو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے ڈرایا کیا، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: "تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔" اور بالاجماع ساری عبادات میں تعجیل مستحب نہیں کیونکہ نماز مغرب مزدلفہ پہنچ کر پڑھنا واجب ہے، اور وتر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔ تو جب دلیل سے بعض عبادات کی تاخیر کا مستحب ہونا ثابت ہوا تو تمہاری

دلیل ولالتِ عموم سے خارج ہوگئی۔ کیونکہ کچھ نمازوں کوتاخیر سے ادا کرنا دلیل سے ثابت ہو چکا (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا) تو ضروری ہوا کہ تمہاری دلیل کو اُن نمازوں پر محمول کریں جن پر ہماری دلیل نے دلالت نہیں کی تا کہ دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے مزید یہ کہ آیت مبارکہ میں بالذات تعجیل کا انکار موجود ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَ مَآ اَعۡجَلَکَ عَنۡ قَوۡمِکَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور تو نے اپنی قوم سے کیوں جلدی کی۔ اور حدیث: ((أول الوقت رضوان)) حجت بننے میں ضعیف ہے۔

(الغرۃ المنیفہ، کتاب الصلوۃ، ج1، ص31، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ)

مزید فرماتے ہیں:

اس حدیث ((أول الوقت رضوان الله و آخره عفو الله)) کو یعقوب بن ولید نے عمری سے روایت کیا اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: کوئی ایسی حدیث میرے علم میں نہیں جس میں نماز کے اوقات کے بارے میں آیا ہو کہ اول وقت میں نماز اللہ کی خوشنودی اور آخر وقت میں اللہ کی معافی ہے۔ بالفرض اگر ثابت بھی ہو تو ہم تاویل یہ کرتے ہیں کہ "عفو" سے مراد اللہ کا فضل ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے۔ اور یہاں "عفو" کو غلطی سے درگزر کرنے، پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ امامتِ جبرائیل والی حدیث میں دوسرے روز آخر وقت تک نمازوں کی ادائیگی کو مؤخر کرنے کا ذکر ہے۔ اور حضرت جبرائیل کا کوتاہی کرنا ممکن نہیں اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا اس کوتاہی میں آپ کی اِتباع کرنا ایسی تقصیر ہے جو معافی کی محتاج ہے جبکہ ہمارے مذہب کے مطابق نماز کی ادائیگی آخری وقت میں نہیں ہوئی بلکہ درمیانی وقت میں ہوئی، اس لئے ہم نے کہا کہ آفتاب کی ٹکیہ کے تبدیل ہونے کے بعد نماز ادا کرنا مکروہ ہے اور یہ اللہ کی طرف سے معافی کے قبیل سے ہو جائے گا۔ اور یہی معاملہ نماز مغرب اور عشا کو آخری وقت تک مؤخر کرنے میں ہے۔ تو ہم تمہاری دلیل سے ثابت شدہ حکم کے قائل ہیں لیکن جو تحقیق ہم نے کی وہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ اَوسط امر ہے اسی کی جانب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے قول: ((والوقت مابين هذين الوقتين لك ولأمتك)) سے اشارہ کیا، یعنی مستحب اور اَولیٰ وقت ان دونوں کے درمیان ہے، کیونکہ وقتِ جواز ابتدائے وقت میں بھی ہے اور آخری وقت میں بھی تو اگر اوّل وقت اَولیٰ ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو معرضِ تعلیم میں یہ کہنا چاہیے تھا: (أول الوقت وقت لك ولأمتك) یعنی اول وقت آپ اور آپ کی اُمت کے لیے ہے۔

(الغرۃ المنیفہ، کتاب الصلوۃ، ج1، ص33، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

حدیثِ اُمّ فروہ کا جواب یہ ہے کہ وہ ضعیف اور مضطرب ہے۔ کیونکہ اس کے راوی قاسم بن غنام ہیں، اور قاسم نے اُمّ

فروہ کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ اُمّ فروہ ابوقحافہ کی صاحبزادی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باپ شریک بہن ہیں۔ اور بعض نے کہا: یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اُمّ فروہ قبیلہ انصار سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ اُن کا انصاری ہونا محل نظر ہے۔

اور حدیثِ حضرت علی بن ابوطالب کرم اللہ وجہہ کا جواب یہ ہے کہ اُس کے راوی عبداللہ بن معبد جُہنی ہیں۔ امام ابوحاتم نے فرمایا: وہ غریب اور مجہول راوی ہیں۔

اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اُس کے راویوں میں یعقوب بن ولید ہے، اور وہ ضعیف ہے۔ امام احمد نے فرمایا: یعقوب بن ولید بڑے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور وہ حدیث گھڑتا ہے، اور فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، فصل یستحب الاسفار بالفجر، ج2، ص40، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 126
بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّهْوِ عَنْ وَقْتِ صَلَاةِ الْعَصْرِ
عصر کی نماز کے وقت سے سہو

175- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ بُرَيْدَةَ، وَنَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قال ابو عيسى: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ أَيْضًا، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز رہ گئی تو گویا اُس کے اہل اور مال گھٹا دیئے گئے (یعنی گویا ہلاک ہو گئے)۔

اس باب میں حضرت بُریدہ اور نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

امام زہری نے بھی اس حدیث کو سالم کے واسطہ سے اُن کے والد (ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کیا ہے۔

تخریج حدیث 175: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب اثم من فاتتہ العصر، 1/115، حدیث 552، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب التغلیظ فی تفویت العصر......الخ، 1/435، حدیث 626، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی وقت صلوۃ العصر، 1/113، حدیث 414، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب التشدید فی تاخیر العصر، 1/254، حدیث 512، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب المحافظۃ علی صلوۃ العصر، 1/224، حدیث 685، دار احیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی (متوفی 388ھ) مذکورۃ حدیث میں موجود لفظ "وُتِرَ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وُتِرَ" کا معنی ہے: نقصان ہونا یا چھن جانا، پس (جس کے اہل وعیال اور مال چھن گئے یا اُن کا نقصان ہوگیا گویا) وہ بغیر اہل ومال کے تنہا اور اکیلا رہ گیا۔ لہذا انسان کو نماز کے فوت ہونے سے اسی طرح ڈرنا چاہیے جس طرح اہل وعیال کے ہلاک ہونے سے ڈرتا ہے۔ (معالم السنن، ومن باب وقت العصر، ج1، ص131، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

علامہ ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

((جس کی نمازِ عصر جاتی رہی گویا اُس کا گھربار اور مال لٹ گیا)) ابوعبداللہ بن ابی صفرہ بیان کرتے ہیں: نمازِ عصر کی تعظیم کا لازم ہونا اور باوجود اس کے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ﴾ (ترجمۂ کنزالایمان: نگہبانی کرو سب نمازوں کی) میں عصر کی نماز بھی داخل ہے لیکن دیگر نمازوں کے مقابلہ میں اس کا الگ سے ذکر کرنا اس لئے ہے کہ اس نماز میں دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب اثم من فاتتہ صلوۃ العصر، ج2، ص175، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کے گھربار اور مال پر ایسی مصیبت پہنچے جس کی موجودگی میں وہ تنہائی کا طالب ہوتا ہے اور اس پر دوغم جمع ہو جاتے ہیں: (1) گھربار اور مال جانے کا غم (2) تنہائی کی طلب پر جو تکلیف ہوئی اُس کا غم۔ تو جس کی عصر کی نماز قضا ہوگئی اگر اُس کو رُشد وہدایت کی وجہ سے توفیق ملتی اور جانتا کہ کس قدر بھلائی اور فضل ہاتھ سے گیا تو اُس شخص کی طرح ہو جاتا جس کے گھربار اور مال پر آفت آئی ہو۔

اور ہمارے نزدیک یہ حکم اس صورت میں ہے کہ نمازِ عصر بلا عذر قضا ہوگئی یہاں تک کہ سورج غائب ہوگیا اور غروب سے پہلے ایک رکعت بھی نہ پاسکا۔ اور جس نے یہ کہا کہ سورج زرد پڑ جانے تک نماز کو مؤخر کرنے والے کے لئے بھی یہی حکم ہے، اُس کے اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (الاستذکار، باب جامع الوقوف، ج1، ص65، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

اور اس حدیث سے اُن علما نے استدلال کیا جو کہتے ہیں کہ ﴿وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اور

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بالخصوص اسی لئے ذکر فرمایا کہ اللہ عزوجل نے آیت مبارکہ ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (ترجمۂ کنزالایمان: نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی) میں اس کا خصوصی حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے ﴿الصَّلَوٰتِ﴾ میں تمام نمازوں کو جمع فرمادیا اور پھر نمازِ عصر کی عظمت بیان کرنے کے لیے اس کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ﴾ (ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا) تو یہ تمام انبیاء کو شامل ہے، پھر فرمایا: ﴿وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ﴾ (ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے) چنانچہ اللہ عزوجل نے اولوالعزم رسولوں کی عظمت بیان کرنے کے لئے ان کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

(التمہید، الحدیث حادو عشرون، ج14، ص121، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

مزید فرماتے ہیں:

اس سے مراد اجر و ثواب کا چلے جانا ہے، کیونکہ اہل وعیال اور مال موجود ہیں لیکن عقلمند اور دیندار شخص کے لئے ثواب کا جاتے رہنا اہل وعیال اور مال کے جاتے رہنے کی مانند ہے۔ (التمہید، الحدیث حادو عشرون، ج14، ص122، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

"وتر" کے معنی کے بارے میں دو قول ہیں:

(1) ایک قول یہ ہے کہ وہ "نقص" یعنی کمی کرنے کے معنی میں ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے ﴿وَ لَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں تمہیں نقصان نہ دے گا۔ اور تو کہتا ہے: وترته حقه، یعنی میں نے اُس کے حق میں کمی کی۔ اس طور پر حدیث پاک کا مفہوم ہوگا ((كأنما نقص أو سلب فبقيَ فردا وترا)) یعنی گویا اُس کے اہل وعیال اور مال میں کمی کر دی گئی یا اُن کو چھین لیا گیا اور وہ تن تنہا رہ گیا۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ ساری چیز کا ختم ہو جانا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ اُس "وتر" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے وہ جنایت کرنا جس میں انسان کا مال مصیبتوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کو ابن اَنباری وغیرہ نے ذکر کیا۔

"اھل" اور "مال" کے اعراب کے بارے میں دو قول ہیں:

(1) ایک یہ کہ یہ دونوں منصوب ہیں، ہم نے اپنے مشائخ سے یہ ہی سُنا اور ابو عبیدہ وغیرہ کی کتاب میں اسی کو ضبط تحریر میں لائے۔ حدیث کا معنی یہ ہوگا: ((فَكَأَنَّمَا وتر في أهله وَمَاله)) یعنی گویا اُس کے اہل اور مال میں کمی کر دی گئی۔ جب خافض (حرف جر) کو حذف کر دیا گیا تو منصوب ہو گیا (یعنی یہ دونوں لفظ منصوب بنزع الخافض ہیں)۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ نائب الفاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ "گویا اُس کے اہل وعیال اور مال کو کم کردیا گیا"۔ (کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند ابی عبدالرحمن الخ، ج2، ص540، دارالوطن، ریاض)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

علامہ ابن عبدالبر نے کہا: ممکن ہے کہ باقی نمازیں بھی (حکم میں) عصر کے ساتھ ملحق ہوں اور عصر کہہ کر دیگر نمازوں پر بھی تنبیہ فرمائی ہو۔ اور بالخصوص عصر کی نماز کا اس لئے ذکر کیا کہ یہ نماز لوگوں کی تھکن کے وقت آتی ہے۔

اور جو علامہ ابن عبدالبر نے کہا اس میں نظر ہے کیونکہ شرع صرف نمازِ عصر میں وارد ہوئی ہے اور اس حکم میں علت تحقق نہیں تو شک اور توہم کی وجہ سے اس کے غیر کا اس کے ساتھ الحاق نہیں کیا جائے گا کیونکہ غیر منصوص کو منصوص کے ساتھ اس وقت لاحق کیا جاتا ہے جب ہمیں علت معلوم ہو اور وہ دونوں اس علت میں مشترک ہوں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب التغلیظ فی تفویت صلاۃ العصر، ج5، ص125، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

علما کا اس حدیث کے معنی کے متعلق کلام ہے، چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں: یعنی اس چیز نے اُس کے اہل اور مال کو کم کردیا یا اُن کو چھین لیا اور وہ بغیر اہل اور مال کے تنہا اور اکیلا رہ گیا۔ لہذا نماز کے فوت کرنے سے انسان کو اسی طرح ڈرنا چاہیے جس طرح اہل وعیال اور مال کے ہلاک ہونے سے ڈرتا ہے۔

اور ابوعمر اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں: یعنی جس کی عصر کی نماز رہ گئی وہ اُس شخص کی طرح ہے جس کے اہل وعیال اور مال پر ایسی مصیبت پہنچے جس کی بنا پر وہ تنہائی کا طالب ہو، اور وہ مصیبت ایسی جنایت ہے جو اُس کے بدلہ کی طالب ہو، تو پس ایسے شخص پر دو غم جمع ہو جاتے ہیں:

(1) مصیبت کا غم (2) بدلہ طلب کرنے میں جو تکالیف برداشت کیں اُس کا غم۔

اور داودی کہتے ہیں: ایسے شخص کی طرف وہ ہی استرجاع (اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنا) متوجہ ہوتا ہے جو ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس کا گھربار اور مال مفقود ہو گیا ہو پس ایسے شخص پر نماز قضا کرنے کی وجہ سے ندامت اور غم متوجہ ہوتا ہے۔ اور بعض علما نے اس کا معنی یہ بیان فرمایا: یعنی ایسے شخص کے ہاتھ سے ثواب نکل گیا جس پر اُسے غم لاحق ہوتا ہے جیسا اُس شخص پر غم لاحق ہوتا ہے جس کے اہل وعیال اور مال مفقود ہو گئے ہوں۔

(عمدۃ القاری، باب وقت العصر، ج5، ص38، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نمازِ عصر فوت ہونے سے کیا مراد ہے

اس حدیث میں نمازِ عصر فوت ہونے سے مراد سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں علما کے چند اقوال ہیں:

(1) ابن وہب وغیرہ کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے مختار وقت میں عصر کی نماز نہ پڑھی ہو۔

(2) اصیلی اور سحون نے کہا: مراد یہ ہے کہ جس کی نمازِ عصر غروب آفتاب ہونے پر فوت ہوئی ہو۔

(3) اور بعض نے کہا کہ نمازِ عصر فوت ہونے سے مراد سورج زرد ہونے تک نماز نہ پڑھنا ہے۔

(4) سالم نے اپنے والد کے حوالہ سے روایت کیا، وہ کہتے کہ یہ حدیث اُس شخص کے متعلق ہے جس کی نمازِ عصر انجانے میں فوت ہوگئی ہو، اور داودی کہتے ہیں یہ ہی حکم عامد (قصداً قضا کرنے والے) کے متعلق بھی ہے۔ اور گویا یہ اُس کو زیادہ ظاہر کر رہی ہے جو بخاری میں ہے: ((من ترك صَلَاةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عمله)) یعنی جس نے نمازِ عصر چھوڑ دی اُس کا عمل ضائع ہو گیا۔ اور یہ قصداً ترک کرنے میں ظاہر ہے۔ (عمدۃ القاری، باب وقت العصر، ج5، ص38، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) "عصر کی نماز فوت ہونے" سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی جماعت فوت ہونا مراد لیا، نہ کہ سورج کے زرد پڑنے کے وقت یا غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنا مراد ہے کیونکہ اس شخص کی وہ نماز جماعت سے رہ گئی جس میں ملائکہ کی حاضری ہوتی ہے، تو اس عظیم حاضری کی جگہ جس میں رات اور دن کے (اعمال لکھنے والے) فرشتے جمع ہوتے ہیں، کا اس شخص سے فوت ہو جانا اُس کے اہل وعیال کے ہلاک ہونے سے زیادہ عظیم ہے، گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((الذی يفوته هذا المشهد الذی أوجب البركة للعصر كأنما وتر أهله وماله)) جس شخص سے یہ عظیم بارگاہ جو عصر کے لئے باعث برکت ہے، فوت ہوگئی گویا اُس کے اہل وعیال میں کمی کر دی گئی۔ اگر نمازِ عصر فوت ہونے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مراد اُس کو سورج زرد ہونے کے وقت پڑھنا یا غروب آفتاب کے وقت پڑھنا مراد ہوتا تو نمازِ عصر کی تخصیص باطل ہو جاتی کہ پورا وقت گزر جانے پر تو تمام نمازیں ہی میں یہ معنی پائے جاتے ہیں، یہ وضاحت ابن وہب اور ابن نافع نے کی ہے۔

(شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب اثم من فاتته صلوۃ العصر، ج2، ص175، مکتبۃ الرشد، ریاض)

حدیث پاک عصر کی تخصیص کی وجوہات

(1) ممکن ہے سائل نے سوال ہی عصر کے بارے میں کیا ہو تو جواب میں عصر ہی کا ذکر فرمایا، اس طور پر یہی حکم طلوع شمس کے ساتھ فجر کی قضا کا اور طلوع فجر کے ساتھ عشا کی قضا کا بھی ہوگا۔

(2) عصر کی تخصیص اس کے فضل کی وجہ سے کی گئی کہ یہ نماز مشہود ہے یعنی اس میں دن رات کے اعمال لکھنے والے

فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(3) اس کا ذکر تاکیداور اس کے پڑھنے پر ابھارنے کے لیے کیا گیا کیونکہ اس کا وقت لوگوں کی مشغولی کا وقت ہے۔

(عمدۃ القاری، باب وقت العصر، ج5، ص39، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بالخصوص نمازِ عصر کا اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ ہی وہ صلوٰۃ الوسطیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کا بالخصوص تاکیدی حکم فرمایا ہے۔

(التمہید، الحدیث الواحد والعشرون، ج4، ص293، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

(5) نمازِ عصر کا بالخصوص ذکر کرنے کی ایک یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کو کھودینے کا گناہ بہت بڑا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(التمہید، الحدیث حادو عشرون، ج14، ص121، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

باب نمبر 127

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الصَّلَاةِ إِذَا أَخَّرَهَا الإِمَامُ

اُس وقت نماز جلدی پڑھنا جب امام تاخیر کرے

176 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا أَبَا ذَرٍّ، أُمَرَاءُ يَكُونُونَ بَعْدِي يُمِيتُونَ الصَّلَاةَ، فَصَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، فَإِنْ صُلِّيَتْ لِوَقْتِهَا كَانَتْ لَكَ نَافِلَةً، وَإِلَّا كُنْتَ قَدْ أَحْرَزْتَ صَلَاتَكَ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ ابو عيسى:حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ : يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ الصَّلَاةَ لِمِيقَاتِهَا إِذَا أَخَّرَهَا الإِمَامُ، ثُمَّ يُصَلِّي مَعَ الإِمَامِ، وَالصَّلَاةُ الأُولَى هِيَ الْمَكْتُوبَةُ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَأَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حَبِيبٍ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! میرے بعد کچھ ایسے حکمران ہوں گے جو نماز کو مردہ (یعنی قضا) کر کے پڑھیں گے، لہٰذا تم نماز کو اُس کے وقت پر ادا کر لینا، پھر اگر تم نے وقت پر (امام کے ساتھ دوبارہ) نماز ادا کر لی تو یہ تمہارے لئے نفل ہو جائیں گے ورنہ بلاشبہ تم نے اپنی نماز کو محفوظ کر لیا۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات مذکور ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "حسن" ہے۔

اور متعدد علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے کہ جب امام نماز میں تاخیر کرے تو آدمی نماز کو اُس کے وقت میں ادا کر لے پھر (جب امام نماز ادا کرے تو) امام کے ساتھ نماز پڑھ لے ۔اور اکثر علماء کے نزدیک پہلی نماز ہی فرض شمار ہوگی۔

اور ابوعمر جونی کا نام عبدالملک بن حبیب ہے۔

تخریج حدیث 176: الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ (سنن نسائی، کتاب الامامۃ، باب الصلوۃ مع ائمۃ الجور، 2/75، حدیث 778، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

نماز کو مردہ کر کے پڑھنے سے کیا مراد ہے

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((یُمیتون الصلاۃ)) کا معنی ہے: وہ نماز میں تاخیر کر دیا کریں گے اور اُسے اُس میت کی طرح کر دیں گے جس کی رُوح نکل گئی ہو۔ اور نماز میں تاخیر سے مراد اُس کے مختار وقت سے مؤخر کرنا ہے، نماز قضا کرنا مراد نہیں کیونکہ متقدمین اور متاخرین حکمرانوں کے متعلق منقول ہے کہ وہ نماز کو مستحب وقت سے مؤخر کرتے تھے اور کسی نے بھی پورے وقت سے اس کو مؤخر نہیں کیا (یعنی نماز قضا نہیں کرتے تھے) لہذا احادیث کریمہ کو واقع پر محمول کرنا ضروری ہے، شیخ محی الدین نے اسی طرح فرمایا ہے۔ لیکن ((یُمیتون الصلاۃ)) کے الفاظ اس تاویل کے منافی ہیں کیونکہ نماز کو مردہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ بعد از وقت نماز پڑھی جائے کیونکہ جب تک نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے گی اُس کو "مردہ کر کے پڑھنا" نہیں کہہ سکتے، اور یوں ہی یہ کہنا بھی تسلیم نہیں کہ "کسی حکمران نے نماز قضا کر کے نہیں پڑھی" کیونکہ بہت سے فاسق حکمران اور ظالم بادشاہوں کے متعلق منقول ہے کہ وہ نماز سرے سے پڑھتے ہی نہیں تھے قضا کر کے پڑھنا تو دور کی بات ہے۔

(شرح ابی داود للعینی، باب اذا اخر الامام الصلاۃ عن الوقت، ج2، ص311، مکتبۃ الرشد، ریاض)

دونوں میں سے کون سی نماز فرض ہوگی

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((صل الصلاۃ لوقتها)) ترجمہ: نماز اُس کے وقت پر پڑھ لیا کرنا۔ یعنی مختار اور مستحب وقت پر پڑھ لینا۔ ((فإنها لك نافلة)) ترجمہ: وہ تمہاری نفل ہو جائے گی۔ مراد یہ ہے کہ مستحب وقت میں اپنی نماز پڑھنے کے بعد جو نماز تو ان حکمرانوں کے ساتھ پڑھے گا وہ تیرے نفل ہو جائیں گے کیونکہ پہلی نماز (جو اپنے طور پر پڑھی) سے فرض ادا ہو گیا لہذا دوسری نماز (جو حکمرانوں کے ساتھ پڑھی وہ) نفل ہو جائے گی، اور جمہور کا مذہب یہ ہی ہے کہ اگر کسی نے فرض نماز دوبار پڑھ لی تو پہلی نماز، فرض اور دوسری نفل ہو جائے گی، کیونکہ صریح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور امام شافعی سے اس کے متعلق چار اقوال ہیں: (1) صحیح قول، جمہور کی طرح ہے۔ (2) دوسرا قول یہ ہے کہ اُن میں سے زیادہ کامل فرض ہوگی۔ (3) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں فرض شمار ہوں گی۔ (4) چوتھا اور آخری قول یہ ہے کہ علی سبیل الابہام ان میں سے ایک نماز فرض ہوگی، اللہ جسے چاہے فرض کے زُمرہ

میں شمار کرے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب اذا اخر الامام الصلاۃ عن الوقت، ج2، ص311، مکتبۃ الرشد، ریاض)

کون کون سی نمازیں اس حکم سے خارج ہیں:

عندالاحناف یہ حدیث ظہر اور عشا کی نماز پر محمول ہے، اور بعض شوافع کے نزدیک (بھی) فجر اور عصر کے بعد کوئی نفل نہیں ہے۔ اور عندالاحناف مغرب کی نماز دوبارہ نہیں پڑھی جاسکتی کیونکہ تین رکعتیں نفل نہیں ہوتیں اور اگر اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملائی جائے (اور چار رکعت پوری کر لی جائیں) تو اس میں امام کی مخالفت ہے۔ اور شوافع کے نزدیک مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ وہ جفت نماز بن جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

((ان کے ساتھ نماز پڑھ لینا)) یہ الفاظ اس کا بھی احتمال رکھتے ہیں کہ اعادہ کی نیت کر لے یا نفل نماز کی نیت کرلے۔ لہٰذا علامہ ابن حجر کا یہ کہنا ''**اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنا سنت ہے اور اس کو نہ ماننے والوں کے خلاف یہ حدیث حجت ہے**'' درست نہیں بلکہ یہ حدیث تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ نفل نماز کی نیت کرلے قضا یا اعادہ کی نیت نہ کرے **((کیونکہ یہ نماز تیری نفل ہو جائے گی))** پس یہ تیرے لیے زیادہ خیر ہوگی اور اُن حکمرانوں کے ثواب میں کمی ہوگی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص531، دارالفکر، بیروت)

نماز کو مؤخر کرنے والے حکمران کون سے ہیں:

علامہ ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو یہ فرمایا: **((كَيْفَ بِكَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا كَانَ عَلَيْكَ أُمَرَاءُ))** (ترجمہ: اے ابوذر! اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تجھ پر ایسے حکام مسلط ہوں گے) اور آپ کا کبار صحابہ کرام جو اس حدیث کے راوی ہیں کے لیے یہ فرمان کہ **((يَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ))** (یعنی تم پر ایسے حکام مسلط ہوں گے جو نماز کو مؤخر کر دیا کریں گے) یہ دونوں فرامین اس بات پر دلیل ہیں کہ نماز کو اُس وقت سے مؤخر کرنا ولید بن عبدالملک کے زمانہ سے پہلے سے ہے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال خلافتِ عثمانی میں رَبذہ کے مقام پر ہوا اور آپ کی تدفین قارعۃ الطریق (راستے کے اوپر والے حصے) پر ہوئی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جب آپ کوفہ سے مدینہ کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ موجود ہیں: **((سَيَكُونُ**

عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ وَقْتِهَا)) ترجمہ: تم پر ایسے حکمران مسلط ہونے والے ہیں جو نماز کو اُن کے وقتوں سے مؤخر کر دیا کریں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں "اُمَرَاء" کا لفظ ذکر فرمایا "خُلَفَاء" نہیں فرمایا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں تاخیر کرنے والوں میں سے نہیں تھے بلکہ جس مسلمان کو حضرت عثمان غنی کی پہچان ہو اور اللہ عزوجل کی معرفت ہو اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی، کیونکہ آپ خلفاء میں شامل ہیں، حکمرانوں میں سے نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ بَعْدِي)) یعنی میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت دینے والے اور ہدایت یافتہ خلفا کی سنت کو لازم پکڑلو۔ اور وہ خلفاء حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو "خلفاء" کا نام دیا۔

(تمہید، الحدیث الخامس والثلاثون، ج8، 66، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

فوائد حدیث

اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(1) ایک یہ کہ اگر امام نماز کو مستحب وقت سے مؤخر کردے تو مقتدی کے لئے مستحب ہے کہ اسے تنہا وقتِ مستحب میں پڑھ لے، پھر امام کے ساتھ دوبارہ پڑھے اگر پالے تاکہ دونوں فضیلتیں جمع کرلے۔ پھر اگر ایک بار نماز پڑھنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے پر اکتفا کرے بشرطیکہ جماعت وقت کے اندر ہو۔ اور کہا گیا کہ تنہا وقتِ مستحب میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

(2) اس حدیث میں غیر معصیت والے امور میں حکمرانوں کی موافقت کرنے کی ترغیب ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بات بگڑ جائے اور فتنہ ہو۔

(3) اور باجماعت نماز پڑھنے کی ترغیب بھی اس حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی کہ جماعت سے نماز، علیحدہ پڑھنے سے افضل ہے۔

(4) نیز اس حدیث میں نماز کے مستحب وقت کا خیال رکھنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

(5) اس میں اُن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو نماز کو اُس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے ہیں۔

(6) اس میں نبوت کی دلیل بھی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن حکمرانوں کے متعلق (پہلے ہی) بیان کردیا جو نمازوں کو مردہ کریں گے یعنی قضا کریں گے۔ اور اس غیبی خبر کا ظہور بنو اُمیہ اور اُن کے بعد والے حکمرانوں کے دور میں ہوا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب اذا اخر الامام الصلاۃ عن الوقت، ج2، ص312، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 128
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّوْمِ عَنِ الصَّلَاةِ
نماز کے وقت سو جانا

177- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ :ذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَوْمَهُمْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ :إِنَّهُ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقَظَةِ، فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً، أَوْ نَامَ عَنْهَا، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي مَرْيَمَ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، وَأَبِي جُحَيْفَةَ، وَعَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، وَذِي مِخْبَرٍ، وَهُوَ ابْنُ أَخِي النَّجَاشِيِّ، قَالَ ابو عيسى:وَحَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الرَّجُلِ يَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ، أَوْ يَنْسَاهَا فَيَسْتَيْقِظُ، أَوْ يَذْكُرُ وَهُوَ فِي غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ، عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، أَوْ عِنْدَ غُرُوبِهَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ : يُصَلِّيهَا إِذَا اسْتَيْقَظَ أَوْ ذَكَرَ، وَإِنْ كَانَ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نماز سے سو جانے (یعنی نماز کے وقت سوئے رہنے) کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نیند کی صورت میں کوتاہی نہیں ہے کوتاہی تو جاگنے میں ہے لہذا جب تم میں سے کسی کو نماز (کا پڑھنا) بھول جائے یا وہ نماز سے سو جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔

اس باب میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابومریم، حضرت عمران بن حصین، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت ابو جحیفہ، حضرت ابوسعید، حضرت عمرو بن اُمیہ الضمری اور ذی خیر (نجاشی کا بھتیجا) رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات مذکور ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

اور علماء کا ایسے شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ جو نماز سے سو جائے یا نماز بھول جائے اور جس وقت وہ بیدار ہو یا نماز کی یاد آئے وہ وقت نماز کا نہ ہو مثلاً طلوع شمس یا غروبِ آفتاب کا وقت ہو، تو بعض علماء نے فرمایا کہ جب

عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، أَوْ عِنْدَ غُرُوبِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَالشَّافِعِيِّ، وَمَالِكٍ، وقَالَ بَعْضُهُمْ : لَا يُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبَ "

بیدار ہو یا نماز کی یاد آئے نماز ادا کرلے اگر چہ وہ وقت سورج کے طلوع ہونے کا یا غروب ہونے کا وقت ہو۔امام احمد، امام اسحاق، امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ ہی قول ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ اُس وقت تک نماز ادا نہ کرے کہ جب تک سورج طلوع یا غروب نہ ہوجائے۔

تخریج حدیث 177: (سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی من نام عن الصلوۃ اونسیہا، 1/119، حدیث 437، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب فی من نام عن الصلوۃ، 1/294، حدیث 615، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب من نام عن الصلوۃ او نسیہا، 1/228، حدیث 698، داراحیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((نیند کی صورت میں کوتاہی نہیں ہے)) کیونکہ سونے والا مکلف نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ سونے والا اپنے قدم یا ہاتھ وغیرہ کسی عضو سے کوئی چیز تلف (ہلاک یا ضائع) کردے تو اُس کا تاوان تو واجب ہوتا ہے، یعنی اگر مکلف نہیں تو تاوان واجب کیوں ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تلف کی گئی چیزوں کا تاوان لازم ہونے کے لئے مکلف ہونا بالاتفاق ضروری نہیں ہے اسی لئے اگر بچہ یا پاگل بھی کسی چیز کو تلف کرے گا تو ان کا تاوان واجب ہوگا جو اُن کے مال سے ادا کیا جائے گا۔

((کوتاہی تو جاگنے میں ہے)) کیونکہ بیدار شخص کی طرف سے بلا عذر کوتاہی پائی گئی ہے ((تو جب یاد آئے نماز پڑھ لے)) یعنی جب وہ نماز یاد آئے۔ اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ قید وجوب کے لئے نہیں ہے یہاں تک کہ یاد آنے کے بعد بھی نماز پڑھنا جائز ہے، اس میں گناہ نہیں ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب من نام عن صلاۃ او نسیہا، ج2، ص326,327، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((کوتاہی تو جاگنے کی حالت میں ہے)) وہ یوں کہ نیند کے غلبہ یا نسیان سے پہلے اُس نے ایسی چیزوں کو اختیار کرلیا جس پر عمومی طور پر نیند کا غلبہ یا نسیان کا ترتب ہوتا ہے مثلاً شطرنج کھیلنا لہذا یہ کوتاہی کرنے والا ٹھہرے گا اور گناہ گار ہوگا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص532، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبد الہادی سندی حنفی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

"نیند میں کوتاہی نہیں" اس سے یہ مراد نہیں کہ خود نیند کرنے یا نیند کے اَسباب اختیار کرنے میں کوتاہی نہیں، کیونکہ اس میں کوتاہی ہوسکتی ہے اگر ایسے وقت نیند کی کہ جس وقت نیند کرنا نماز کے قضا ہونے کا سبب بنے، مثال کے طور پر عشا سے پہلے سونا، ہاں حدیث کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جو نماز قضا ہوئی اُس کے وقت میں تفریط نہیں کیونکہ یہ بغیر اختیار کے قضا ہوئی ہے، البتہ خود نیند کرنے میں کوتاہی، بیداری والی حالت کی کوتاہی کی طرح ہے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب من نام عن الصلاۃ او نسیہا، ج1، ص236,237، دار الجیل، بیروت)

مکروہ اوقات کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف، شوافع اور حنابلہ کا موقف

احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ اوقات تین ہیں: (1) طلوعِ آفتاب سے لے کر ایک نیزہ بلند ہونے تک (جو طلوعِ آفتاب سے بیس منٹ تک بنتا ہے) (2) نصف النہار کے وقت سورج زائل ہونے تک (3) سورج میں زردی آنے سے لے کر غروبِ آفتاب تک (سورج غروب ہونے سے بیس منٹ پہلے یہ وقت شروع ہو جاتا ہے)۔ شوافع مکۃ المکرمہ اور یومِ جمعہ کا استثنیٰ کرتے ہیں۔

(ملخص از ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، ج1، ص371,372، دارالفکر، بیروت ☆ المہذب فی فقہ الامام الشافعی للشیرازی، باب الساعات التی نہی اللہ عن الصلاۃ، ج1، ص174,175، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ المغنی لابن قدامہ، باب الساعات التی نہی عن الصلاۃ فیہا، ج2، ص80، مکتبۃ القاہرہ)

فتاوی رضویہ میں ہے:

تجربہ سے ثابت ہوا کہ قرص آفتاب میں یہ زردی اس وقت آجاتی ہے، جب غروب میں بیس منٹ باقی رہتے ہیں، تو اسی قدر وقتِ کراہت ہے یونہی بعد طلوع بیس منٹ کے بعد جوازِ نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔

(فتاوی رضویہ ملخصا، ج5، ص137، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مالکیہ کا موقف

مالکیہ کے نزدیک مکروہ اوقات صرف دو ہیں: (1) طلوع آفتاب کے وقت سوج بلند ہونے تک (2) اور سورج میں زردی آنے سے لے کر غروبِ آفتاب تک، مالکیہ کے نزدیک نصف النہار کا وقت مکروہ نہیں، ان کی دلیل اہل مدینہ کا عمل ہے کہ وہ لوگ اس وقت میں نماز پڑھتے ہیں، لہٰذا ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں۔

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل اہل مدینہ کا عمل ہے، جب امام مالک نے اہل مدینہ کو فقط دو وقتوں پر (نماز وغیرہ سے رُکتے پایا) پایا اور تیسرے وقت یعنی نصف النہار پر نہ پایا تو آپ نے اس وقت نماز کی اجازت عطا فرمائی اور آپ کی رائے یہ ہے کہ نصف النہار والی ممانعت اہل مدینہ کے عمل سے منسوخ ہو چکی ہے۔

(بدایۃ المجتہد ملخصا، الفصل الثانی من الباب الاول فی الاوقات، ج1، ص109، دارالحدیث، القاہرہ)

مکروہ اوقات کے تین ہونے پر ائمہ ثلٰثہ کے دلائل

مکروہ اوقات کے تین ہونے پر ائمہ ثلٰثہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ، أَوْ أَنْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا: حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَمِيلَ الشَّمْسُ، وَحِينَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے اور اَموات کو دفن کرنے سے منع فرماتے تھے، (1) ایک طلوع آفتاب کے وقت جب تک وہ بلند نہ ہو جائے (2) دوسرا ٹھیک دوپہر کے وقت تاوقتیکہ زوال نہ ہو جائے (3) اور تیسرا غروب آفتاب کے وقت یہاں تک سورج غروب ہو جائے۔ (صحیح مسلم، باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ، ج1، ص568، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: الشَّمْسُ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَإِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوبِ قَارَنَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عَنِ الصَّلَاةِ فِي تِلْكَ السَّاعَاتِ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحی سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورج شیطان کے سینگ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، پس جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، پھر جب (نصف النہار میں) سورج برابر ہوتا ہے تو شیطان سورج کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور جب سورج جب زائل ہوتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان سورج کے ساتھ ہو جاتا ہے، جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، (حضرت صنابحی فرماتے ہیں:) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن نسائی، الساعات التی نہی عن الصلاۃ فیہا، ج1، ص275، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ مؤطا امام مالک، النہی عن الصلاۃ بعد الصبح وبعد العصر، ج2، ص306، مطبوعہ ابوظبی، امارات ☆ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی الساعات التی تکرہ، ج1، ص397، دار احیاء الکتب العربیہ، حلب)

مکہ مکرمہ اور یوم جُمُعَہ کے اِستثنیٰ کا جواب

شوافع کے مکۃ المکرمہ اور جُمُعَہ کے استثنیٰ کا جواب دیتے ہوئے علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

اَوقات ممنوعہ میں نفل نماز پڑھنے کی ممانعت میں مکہ اور دیگر مقامات میں فرق نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مکہ میں (ان اَوقات میں) نفل ممنوع نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى فِي أَيِّ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ)) ترجمہ: تم کسی ایسے شخص کو نہ روکو جو اس گھر کا طواف کرے اور دن رات میں کسی بھی وقت نماز پڑھے۔

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا: ((لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ بَعْدَ الصُّبْحِ إِلَى طُلُوْعِ الشَّمْسِ، وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، إِلَّا بِمَكَّةَ يَقُوْلُ: قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا)) ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی صبح کے وقت کے بعد سے آفتاب کے بلند ہونے تک اور عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک نماز نہ پڑھے سوائے مکہ میں، یہ تین بار ارشاد فرمایا، اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔

ہماری دلیل ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا عموم ہے، ان اوقات میں نماز سے منع کیا گیا ہے تو اس میں مکہ وغیر مکہ برابر ہیں جیسا کہ حالت حیض میں۔ اور جو شوافع کی پیش کردہ حدیث ہے اس میں طواف کی رکعتین مراد ہیں لہذا یہ حکم ان رکعتوں کے ساتھ خاص رہے گا۔ اور حدیث ابی ذر ضعیف ہے، اسے عبداللہ بن مؤمل نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے، اس کے ضعف کے قائل یحیی بن معین ہیں۔

اسی طرح نصف النہار کے وقت کے مکروہ ہونے میں جمعہ وغیر جمعہ کا کوئی فرق نہیں، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ والے دن اس وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم جمعہ والے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیے جاتے تھے۔ حضرت سعید مقبری کہتے ہیں ہم نے لوگوں کو اس سے بچتے ہوئے پایا ہے۔ عمرو بن سعید بن العاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ((كُنْتُ أَلْقَى أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَامُوْا فَصَلَّوْا أَرْبَعًا)) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے ملاقات کیا کرتا، وہ لوگ جب سورج زائل ہو جاتا تو چار رکعتیں ادا کیا کرتے تھے۔

جمعہ والے دن اس میں امام حسن، طاؤس، اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز، شافعی اور اسحاق نے رخصت دی ہے، کیونکہ حضرت ابوسعید سے مروی ہے: ((أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نصف النہار میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے سوائے یوم جمعہ کے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے، اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

ہماری دلیل احادیث میں موجود ممانعت کا عام ہونا ہے۔

امام احمد بن حنبل سے یوم جمعہ نصف النہار میں نماز پڑھنے کی رخصت کا ذکر کیا گیا، جواباً ارشاد فرمایا: اسکی ممانعت میں تین وجوہ سے احادیث ہیں: (۱) حضرت عمرو بن عبسہ کی حدیث (۲) حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث (۳) حضرت صنابحی کی حدیث، اسے اثرم نے روایت کیا ہے، حضرت عبداللہ صنابحی سے روایت ہے: ((إِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا، ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَإِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا. وَنَهَى رَسُوْلُ

اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عَنِ الصَّلَاۃِ فِی تِلْکَ السَّاعَاتِ)) ترجمہ: سورج شیطان کے سینگ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، پس جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، پھر جب (نصف النہار میں) سورج برابر ہوتا ہے تو شیطان سورج کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور جب سورج جب زائل ہوتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان سورج کے ساتھ ہو جاتا ہے، جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، قضاء السنن فی سائر الاوقات النہی، ج2، ص90,91، مکتبۃ القاہرہ)

مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اَوقات مکروہہ ہوں یا کوئی اور، فوت شدہ نمازوں کی قضا ہر وقت جائز ہے۔ اس کی مثل حضرت علی اور متعدد صحابہ کرام سے منقول ہے۔ امام ابو عالیہ، نخعی، شعبی، حکم، حماد، مالک، اَوزاعی، شافعی، اسحاق، ابو ثور اور ابن منذر کا یہی نظریہ ہے۔

اصحاب رائے نے کہا: اُن تین اَوقات میں فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں کی جائے گی جو حدیث عقبہ بن عامر میں مذکور ہیں سوائے اُس دن کی عصر کے اُسے غروب آفتاب سے پہلے پڑھ لے، کیونکہ ممانعت عام ہے اور یہ فرائض، غیر فرائض سب کو شامل ہے۔ ان کی مزید ایک دلیل یہ ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ فجر رہ گئی یہاں تک کہ سورج طلوع ہوا، تو آپ نے (اُس کی قضا فوراً نہیں کی بلکہ) سورج سفید ہونے تک نماز کو مؤخر کر دیا۔ (بخاری، مسلم) نیز قضا نماز بھی دیگر نمازوں کی مانند ایک نماز ہے لہٰذا مکروہ اَوقات میں ان کو بھی پڑھنا جائز نہیں جس طرح کہ نوافل کا حکم ہے۔

ہم حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاۃٍ أَوْ نَسِیَھَا فَلْیُصَلِّھَا إِذَا ذَکَرَھَا)) ترجمہ: جو نماز سے سو یا یا نماز کو بھول گیا تو جب یاد آئے وہ نماز پڑھ لے۔ اور حضرت ابو قتادہ کی حدیث میں ہے: ((إِنَّمَا التَّفْرِیطُ فِی الْیَقَظَۃِ عَلَی مَنْ لَمْ یُصَلِّ الصَّلَاۃَ حَتَّی یَجِیءَ وَقْتُ الْأُخْرَی، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِکَ فَلْیُصَلِّھَا حِینَ یَنْتَبِہُ لَھَا)) ترجمہ: کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے اُس شخص پر جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے، اور جو ایسا کرے وہ جب بیدار ہو نماز پڑھ لے۔ (بخاری، مسلم)

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ قضاء الفرائض الفائتۃ فی جمیع الاوقات النھی وغیرہا، ج2، ص80,81، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اِن اَوقات میں وہ چیزیں مکروہ نہیں ہیں جن کا کوئی سبب ہو، جیسے فوت شدہ نماز کی قضا، منت کی نماز، سجدۂ تلاوت، نمازِ جنازہ وغیرہا، کیونکہ حضرت قیس بن فہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ فجر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا: یہ دو رکعتیں کونسی ہیں؟ میں عرض گزار ہوا: میں نے فجر کی دو رکعتیں (دو سنتیں) نہیں پڑھیں تھی یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔ اور حضور نے اس پر انکار نہیں فرمایا تو یہ اس کے جواز کی دلیل ہے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی للشیرازی، باب الساعات التی نہی اللہ عن الصلاۃ، ج1، ص175، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابن رشد قرطبی مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس پر اتفاق ہے کہ اِن اَوقاتِ مکروہہ میں فرض نماز کی قضا کی جاسکتی ہے۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الثانی من الباب الاول فی الاوقات، ج1، ص110، دار الحدیث، القاہرہ)

احناف کا موقف:

علامہ علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

طلوعِ آفتاب کے وقت اور جب سورج ٹھیک دوپہر کے وقت کھڑا ہو اور غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں: ((ثلاثة أوقات نهانا رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أن نصلي فيها وأن نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيف للغروب حتى تغرب)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے اور میتوں کو دفن کرنے (یعنی نمازِ جنازہ پڑھنے) سے منع فرماتے تھے: (۱) ایک طلوعِ آفتاب کے وقت جب تک وہ بلند نہ ہو جائے (۲) دوسرا ٹھیک دوپہر کے وقت تاوقتیکہ زوال نہ ہو جائے (۳) اور تیسرا غروبِ آفتاب کے وقت یہاں تک سورج غروب ہو جائے۔

(ہدایہ، فصل فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلاۃ، ج1، ص42، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دلائل پر بحث ونظر:

شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

تین اَوقات میں نماز کی کوئی جنس پڑھنا جائز نہیں،(۱) طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ سورج سفید ہو جائے، (۲) دوسرا نصف النہار کے وقت تاوقتیکہ زوال نہ ہو جائے (۳) غروب آفتاب کے وقت سوائے اُس دن کی عصر کے کہ اُسے غروب آفتاب کے وقت ادا کر لے۔ اس کی دلیل حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں: ((ثلاث ساعات نهانا رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيف للغروب حتى تغرب)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے اور میتوں کو دفن کرنے (یعنی نمازِ جنازہ پڑھنے) سے منع فرماتے تھے: (1) ایک طلوع آفتاب کے وقت جب تک وہ بلند نہ ہو جائے (2) دوسرا ٹھیک دوپہر کے وقت تاوقتیکہ زوال نہ ہو جائے (3) اور تیسرا غروب آفتاب کے وقت یہاں تک سورج غروب ہو جائے۔ (صحیح مسلم، باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ، ج1، ص568، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت صنابحی سے روایت ہے: ((انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: الشَّمْسُ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَإِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوبِ قَارَنَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عَنِ الصَّلَاةِ فِي تِلْكَ السَّاعَاتِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورج شیطان کے سینگ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، پس جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، پھر جب (نصف النہار میں) سورج برابر ہوتا ہے تو شیطان سورج کے ساتھ ہو جاتا ہے، اور جب سورج جب زائل ہوتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، پھر جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان سورج کے ساتھ ہو جاتا ہے، جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان جدا ہو جاتا ہے، (حضرت صنابحی فرماتے ہیں:) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن نسائی، الساعات التی نہی عن الصلاۃ فیہا، ج1، ص275، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ مؤطا امام مالک، النہی عن الصلاۃ بعد الصبح وبعد العصر، ج2، ص306، مطبوعہ ابوظبی، امارات ☆ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی الساعات التی تکرہ، ج1، ص397، دار احیاء الکتب العربیہ، حلب)

حضرت عمرو بن عنبسہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: ((هل من الليل والنهار ساعة لا يصلى فيها)) ترجمہ: کیا دن رات میں کوئی ایسا وقت ہے کہ جس میں نماز نہ پڑھی جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا صليت المغرب فالصلاة مشهودة مقبولة إلى أن تصلي الفجر ثم أمسك حتى تطلع الشمس ثم الصلاة مشهودة مقبولة إلى وقت الزوال ثم أمسك فإنها ساعة تسعر فيها جهنم ثم الصلاة مشهودة مقبولة إلى أن تصلي العصر ثم أمسك حتى تغرب الشمس)) ترجمہ: جب تم مغرب کی نماز پڑھ لو تو نماز مشہودہ مقبولہ ہے یہاں تک کہ تم فجر کی نماز پڑھ لو (یعنی اس سارے وقت میں نماز پڑھ سکتے ہو)، پھر (سورج طلوع ہونے کے

بعد) نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے، پھر زوال (نصف النہار) تک نماز پڑھ سکتے ہو پھر نماز سے رک جاؤ، کہ اس وقت میں جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے، پھر تم نماز پڑھ سکتے ہو یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو، پھر (سورج غروب ہونے سے 20 منٹ پہلے) نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

تمام مکانات (مکہ یا غیر مکہ) اس نہی میں برابر ہیں کیونکہ روایات وآثار میں عموم ہے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ ان اوقات میں مکہ مکرمہ میں نماز پڑھنے میں حرج نہیں کہ حدیث میں مکہ کا استثنیٰ موجود ہے، ہم احناف کے نزدیک یہ زیادتی ثابت نہیں کیونکہ یہ شاذ ہے لہذا یہ مشہور روایات کا معارضہ نہیں کرسکتی، امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے، فرماتے ہیں کہ یوم جمعہ زوال کے وقت نماز پڑھنے میں حرج نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں یوم جمعہ کا استثنیٰ ہے، یہ روایت بھی شاذ ہے (جو کہ مشہور روایات جن میں ممانعت کا حکم عام ہے کا معارضہ نہیں کرسکتی)۔ اور امام ابو یوسف کی ایک دلیل یہ ہے کہ جمعہ والے دن زوال کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے میں لوگوں کا ابتلاء ہے۔

بہرحال ہم نے جو آثار روایت کیے وہ تمام دنوں میں کراہت کو ثابت کرتے ہیں، پھر ہر وہ وقت جس میں عبادت سے منع کیا گیا ہے اس میں جمعہ وغیر جمعہ، مکہ وغیر مکہ کا حکم مختلف نہیں جیسا کہ یوم عید روزے کی ممانعت ہے (اس میں جمعہ وغیر جمعہ اور مکہ وغیر مکہ کا فرق نہیں، لہذا یہاں بھی فرق نہیں ہونا چاہیے)۔

پھر ان اوقات میں ہم احناف کے نزدیک فرائض کی قضا بھی نہیں کرے گا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف نوافل کی ممانعت ہے، ان اوقات میں فرائض کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها فإن ذلك وقتها)) ترجمہ: جو نماز سے سو گیا یا بھول گیا تو جب یاد آئے پڑھ لے کہ یہی اس کا وقت ہے۔

ہم احناف کی دلیل "ليلة التعريس" والی حدیث پاک ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوہ خیبر سے لوٹے تو رات بھر چلتے رہے جب آپ کو نیند آنے لگی تو آخر رات میں اترے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ کون رات میں ہمارے لیے جاگے گا (کہ ہمیں اٹھا دے)، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ آرام میں مشغول ہو گئے، پھر انہیں سورج کی گرمی نے اٹھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اس وقت بیدار ہوئے جب سورج ظاہر ہو چکا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: اے بلال! کہاں ہے آپ کا وعدہ جو آپ نے ہم سے کیا تھا؟ عرض کیا: میرے نفس کو وہ ہی لے گیا جو آپ کے نفس مبارک کو لے گیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ہمارے ارواح اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے پھر صحابہ کرام سے فرمایا

کہ اس وادی سے منتقل ہو جاؤ، پھر دوسری جگہ اترے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، حضرت بلال نے اذان دی پھر فجر کی دو رکعتیں پڑھیں پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو قضا نماز پڑھائی۔

اصح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز قضا کرنے میں تاخیر اس لیے فرمائی تاکہ سورج بلند ہو جائے، اگر فجر کی فرض نماز طلوع شمس کے وقت جائز ہوتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہونے کے بعد تاخیر نہ فرماتے۔

اور ان اوقات میں نماز کے منع کے بارے میں جو آثار مروی ہیں وہ تمام نمازوں کو شامل ہیں۔

(مبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلاۃ، ج 1، ص 150 تا 152، دار المعرفہ، بیروت)

باب نمبر 129

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنْسَى الصَّلَاةَ

نماز بھولنے والا کیا کرے

178- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَبِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، وَفِي البَابِ عَنْ سَمُرَةَ، وَأَبِي قَتَادَةَ، قال ابو عيسى: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُرْوَى عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ قَالَ فِي الرَّجُلِ يَنْسَى الصَّلَاةَ، قَالَ :يُصَلِّيهَا مَتَى مَا ذَكَرَهَا فِي وَقْتٍ أَوْ فِي غَيْرِ وَقْتٍ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَيُرْوَى عَنْ أَبِي بَكْرَةَ :أَنَّهُ نَامَ عَنْ صَلَاةِ العَصْرِ فَاسْتَيْقَظَ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَلَمْ يُصَلِّ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الكُوفَةِ إِلَى هَذَا، وَأَمَّا أَصْحَابُنَا فَذَهَبُوا إِلَى قَوْلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز (پڑھنا) بھول جائے تو جب یاد آئے ادا کر لے۔

اس باب میں حضرت سمرہ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز بھول جائے تو جب یاد آئے نماز ادا کر لے خواہ وہ وقت نماز کا ہو یا نہ ہو۔ امام احمد اور امام اسحاق کا یہ ہی قول ہے۔

حضرت ابوبکرہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ عصر کی نماز سے سو گئے اور غروبِ آفتاب کے وقت بیدار ہوئے تو آپ نے نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اور کوفیوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور جبکہ ہمارے اصحاب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

تخریج حدیث 178: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب من نسی الصلوۃ......الخ، 1/122، حدیث 597، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ ......الخ، 1/477، حدیث 684، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی من نام عن الصلوۃ او نسیھا، 1/121، حدیث 442، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب فی من نسی عن الصلوۃ، 1/293، حدیث 613، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب من نام عن الصلوۃ اونسیھا، 1/227، حدیث 696، داراحیاء الکتب العربیہ)

صحیح مسلم میں موجود تفصیلی روایت

صحیح مسلم میں یہ روایت تفصیلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حِينَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ، سَارَ لَيْلَهُ حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْكَرَى عَرَّسَ، وَقَالَ لِبِلَالٍ: اكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ، فَصَلَّى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهُ وَنَامَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وَأَصْحَابُهُ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اسْتَنَدَ بِلَالٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ مُوَاجِهَ الْفَجْرِ، فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أَوَّلَهُمُ اسْتِيقَاظًا، فَفَزِعَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: أَيْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ: أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ بِنَفْسِكَ قَالَ: اقْتَادُوا، فَاقْتَادُوا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، وَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللهَ قَالَ: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوہ خیبر سے لوٹے تو رات بھر چلتے رہے جب آپ کو نیند آنے لگی تو آخر رات میں اترے اور حضرت بلال سے فرمایا کہ رات میں ہماری حفاظت کرو، حضرت بلال سے جس قدر ہو سکا نماز پڑھتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ آرام میں مشغول ہو گئے، پھر جب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال نے مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی سواری سے ٹیک لگائی، سواری سے ٹیک لگائے ان کی آنکھ لگ گئی پھر نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور نہ حضرت بلال، نہ کوئی صحابی حتی کہ انہیں دھوپ لگی، ان سب سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھبرا گئے اور فرمایا اے بلال! تب حضرت بلال بولے: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرے نفس کو وہ ہی لے گیا جو آپ کے نفس مبارک کو لے گیا۔ فرمایا: سواریوں کو ہانکو، صحابہ نے اپنی سواریاں کچھ ہانکیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے نماز کی تکبیر کہی پھر حضور نے ان سب کو فجر پڑھائی جب نماز پوری کر چکے تو فرمایا کہ جو نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ کہ میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔

(صحیح مسلم، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ، ج1، ص471، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مذکورہ حدیث کی شرح

اس تفصیلی حدیث پاک کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

☆((حِینَ قَفَلَ)) یعنی جب مدینہ منورہ کی طرف لوٹے۔ جانے والے اور چلنے والے گروہ کو قافلہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آخر اس نے لوٹنا ہے یا تفاؤل (اچھے شگون) کے طور پر جانے والے قافلہ کہا جاتا ہے کہ خیریت سے لوٹ آئے۔

☆((غزوۂ خیبر سے لوٹے)) یہ غزوہ 7ھ ماہ محرم میں وقوع پذیر ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دس سے زیادہ دن خیبر کا محاصرہ کیا یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے آپ کو فتح عطا فرمائی۔ اور خیبر، مدینہ پاک سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے۔

☆((پس حضرت بلال پر اُن کی آنکھیں غالب آگئیں)) علامہ طیبی فرماتے ہیں: یہ سونے سے عبارت ہے، گویا آپ کی آنکھیں آپ پر غالب آگئیں اور اُنہوں نے آپ کو نیند پر غالب کر دیا، کلام طیبی مکمل ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ آپ بے اختیار سو گئے

☆((سواری سے ٹیک لگائے)) جملہ حالیہ ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ نیند کے غلبہ کے وقت آپ لیٹے نہیں (بلکہ بیٹھے رہے اور منہ بھی مشرق کی جانب رکھا)۔

☆((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے بیدار ہوئے)) علامہ طیبی فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بیدار ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفوس قدسیہ پر بعض اوقات اگرچہ حجابات بشریہ میں سے کوئی حجاب غالب ہو جاتا ہے لیکن وہ جلد ہی زائل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو جس قدر پاکیزہ ہوگا اُسی قدر اُس کا حجاب جلد زائل ہوگا۔

☆((صحابہ کرام نے اپنی سواریاں کچھ ہانکیں)) کچھ وقت یا اُس وادی سے کچھ دور۔ گویا آپ نے فرمایا: اپنی اپنی سواری پر چلے جاؤ تو صحابۂ کرام نے وہاں سے کچھ مسافت پر کوچ کر لیا، اور اُس وادی میں نماز کی قضا اس لئے نہیں کیونکہ وہاں صحابہ کرام پر شیطان غالب ہوا، یا اس لئے کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے: ((تَحَوَّلُوا بِنَا عَنْ هٰذَا الْوَادِي فَإِنَّ بِهِ شَيْطَانًا)) ترجمہ: اس وادی سے نقل مکانی کرو کیونکہ اس میں شیطان ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس وادی سے اس لئے نکلے اور نماز کو مؤخر کیا تاکہ وقتِ کراہت (طلوع آفتاب کا وقت) ختم ہو جائے۔ اور اکثر علما جن کے نزدیک ممنوع وقت میں فوت شدہ نماز کی قضا کرنا جائز ہے، وہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اُس وادی سے نکل جائیں جس میں صحابہ پر غفلت طاری ہوئی۔

☆ پھر علامہ طیبی نے نقل کیا کہ علامہ نووی فرماتے ہیں: اگر یہ سوال ہو کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ وتر ادا کرنے سے پہلے آرام فرماتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِی)) بے شک میری آنکھیں سوجاتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ تو پھر (غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقعہ پر) رات کے آخری حصہ میں آپ کی آنکھ کیوں نہ کھلی؟ ہم کہتے ہیں، اس کے دو جواب ہیں:

(۱) زیادہ مستند جواب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں تضاد نہیں کیونکہ دل (جو کہ بیدار رہتا ہے وہ) تو فقط امور باطنہ جیسے لذت، درد وغیرہا کا ادراک کرتا ہے، امور حسیہ جیسے طلوع فجر وغیرہ کا ادراک نہیں کرتا کیونکہ فجر کے وقت کو دیکھنے کا تعلق آنکھوں سے ہے اور حال یہ ہے کہ آنکھیں سوجاتی ہے اور دل بیدار رہتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ کبھی کبھار دل بھی سوجاتا ہے (اگرچہ یہ نادر ہے) اور کبھی کبھار نہیں سوتا اور اس موقع پر دل کا تعلق حالتِ نوم سے تھا۔ لیکن یہ ضعیف قول ہے، اگرچہ شارحین نے بے فائدہ کلام کے ذریعہ اس کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے۔

سید نے طیبی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: میں کہتا ہوں، شاید دوسری توجیہ بہتر ہے کیونکہ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لیٹ گئے اور سوگئے یہاں تک کہ خراٹے لئے تو حضرت بلال نے آپ کو نماز کی خبر دی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ اور شارحین نے اس کی وجہ حضور کے اس فرمان سے بیان کی: ((تَنَامُ عَیْنِی وَلَا یَنَامُ قَلْبِی)) یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ میں کہتا ہوں: طیبی کی مراد یہ ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر وضو کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نیند کبھی ناقضِ وضو ہے اور کبھی نہیں دونوں حالتوں کے مطابق" لیکن اس میں اشکال ہے کہ ممکن ہے کہ آپ نے تجدید وضو کیا ہو یا نیند کے علاوہ کسی ناقض کے پائے جانے کی وجہ سے کیا ہو جب یہ احتمال موجود ہے تو (حضور کی نیند کے ناقض ہونے کا) استدلال مندفع ہو جاتا ہے۔ حقیقتِ حال اللہ بہتر جانتا ہے۔

☆ پھر علامہ طیبی نے فرمایا: حدیث کی تاویل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس لئے بھول گئے تاکہ یہ چیز سنت ہو جائے، یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آرام کی حکمت یہ ہے کہ باطنی حاضری کے سبب طاعت ظاہری سے ذہول ہوا تاکہ مسلمانوں کو دلیل فعلی کے ذریعہ قضا کا حکم معلوم ہو جائے، کیونکہ دلیل فعلی دلیل قولی سے قوی تر ہے، جیسا کہ قاعدہ شافعی کا تقاضا ہے اور احناف کے قواعد کے مطابق تاکہ یہ دلیل فعلی دلیل قولی کی مؤید بن جائے۔

اور جس نے یہ کہا کہ آپ کا دل بیدار تھا اور آپ کو وقت ختم ہونے کا علم بھی تھا پر آپ نے مصلحت شرع کی وجہ سے خاموشی اختیار فرمائی، اُس کا یہ قول باطل و مردود ہے۔

☆((پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا تو آپ نے نماز کی تکبیر کہی)) ابن ملک نے کہا: حضرت بلال نے اذان اس لئے نہ کہی کہ صحابہ کرام موجود تھے۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں: یہ خلاف مذہب ہے، تو اَولیٰ یہ ہے کہ اسے بیانِ جواز پر محمول کیا جائے علاوہ ازیں اس حدیث میں اذان کی نفی پر دلالت بھی نہیں بلکہ فصل ثالث کے شروع میں آنے والی حدیث میں ہے کہ اذان واقامت کو جمع کیا گیا، لہذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اذان کے بعد اقامت کہی۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ فوت شدہ نماز کے لئے اذان نہیں دی جائے گی۔ اور یہ امام شافعی کا جدید قول ہے۔ لیکن آپ کے تلامذہ کے نزدیک معتمد آپ کا قدیم قول ہے کہ قضا نماز کے لئے اذان کہی جائے گی کیونکہ یہ واقعہ صحیحین (بخاری ومسلم) کی حدیث میں یوں ہے: ((ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى صَلَاةَ الْغَدَاةِ فَصَنَعَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ)) ترجمہ: پھر حضرت بلال نے نماز کی اذان کہی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں (سنت فجر) پڑھیں، پھر صحابہ کو صبح کی نماز (فرض نماز) اسی طرح پڑھائی جس طرح روزانہ پڑھایا کرتے تھے۔

حدیث پاک کے یہ الفاظ: ((فَصَنَعَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ)) اور ابوداؤد کی عمرو بن اُمیّہ اور عمران بن حصین سے جو روایت ہے کہ ((أَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ)) یعنی اذان واقامت کو جمع فرمایا۔ اس احتمال کو ختم کرتے ہیں کہ یہاں اذان سے اقامت مراد لی جائے۔ تو پس امام مسلم کا ان الفاظ پر اکتفا فرمانا اور یہ حدیث ((أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا حُبِسَ عَنِ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ لِتِلْكَ الْفَوَائِتِ)) (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ خندق کے روز جب نماز سے روکا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے ان فوت شدہ نمازوں کے لئے اقامت کہی۔) یہ دونوں اُس کے معارض نہیں جو گزرا کیونکہ جو گزرا اس سے زیادہ مستند اور متاخر ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علم کی زیادتی ہے اس طور پر کہ ایک روایت میں ہے: ((أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَضِيَّةِ الْخَنْدَقِ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ)) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خندق کے روز حضرت بلال کو حکم فرمایا تو اُنہوں نے اذان کہی پھر اقامت کہی۔ اور اس روایت کا منقطع ہونا مضر نہیں کیونکہ حدیث منقطع تقویت دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اور غزوۂ خندق میں قضا ہونے والی نمازوں کے متعلق دونوں روایتوں کے مابین تطبیق یوں ممکن ہے کہ اذان واقامت کو پہلی قضا نماز کے لئے جمع کیا تھا اور بقیہ نمازوں میں اقامت پر اکتفا کیا گیا، جیسا کہ اس کو ہمارے علما نے ذکر کیا ہے۔

☆((جو نماز پڑھنا بھول گیا)) اور نیند بھی بھولنے کے معنی میں ہے یا جو شخص نیند یا نسیان کی وجہ سے نماز چھوڑ دے۔ اسی لئے سابقہ روایت میں نسیان کے ساتھ نیند کا بھی ذکر ہے: ((أَوْ نَامَ عَنْهَا)) اور وہ ہی مناسبت یہاں بھی ہے، اور اِس کے

محذوف ہونے کی تقدیر پر نیند کے ذکر کو چھوڑ کر نسیان پر اکتفا اس لئے کیا کیونکہ غفلت اور عدم کوتاہی میں نیند، نسیان کی مانند ہے۔

☆((تو جب یاد آئے وہ نماز پڑھ لے)) کیونکہ تاخیر میں آفتیں ہیں۔ اور اس حدیث کا ظاہر قضا اور ادا نمازوں میں ترتیب کو واجب کرتا ہے، جیسا کہ ہمارے علما نے فرمایا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب تاخیر الاذان، ج2،ص575تا577، دار الفکر، بیروت)

صحیح البخاری میں موجود تفصیلی حدیث

یہ حدیث پاک کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ قَالَ بِلَالٌ: أَنَا أُوقِظُكُمْ، فَاضْطَجَعُوا، وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَقَالَ: يَا بِلَالُ أَيْنَ مَا قُلْتَ؟ قَالَ: مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ، وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ، يَا بِلَالُ، قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فَتَوَضَّأَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلَّى)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابو قتادہ اپنے والد سے راوی، وہ فرماتے ہیں: ہم ایک رات نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے، بعض لوگ عرض گذار ہوئے: یارسول اللہ! کاش آپ ہم کو رات کے آخری حصہ میں ٹھہرالیں، آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم نماز سے رہ نہ جاؤ، حضرت بلال نے کہا: میں آپ لوگوں کو جگادوں گا، پھر سب لیٹ گئے اور حضرت بلال نے اپنی سواری سے پیٹھ لگالی، اُن کی آنکھیں اُن پر غالب آئیں اور وہ سو گئے، پس نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اُس وقت سورج کا کنارہ طلوع ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا: اے بلال! تم نے کیا کہا تھا؟ عرض گذار ہوئے: ایسی نیند مجھ پر کبھی نہیں ڈالی گئی، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے جب چاہا تمہاری روحوں کو قبض کرلیا اور جب چاہا تمہاری طرف لوٹا دیا، اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤ، پھر آپ نے وضو کیا اور پھر جب سورج بلند ہوا اور سفید ہو گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

(صحیح البخاری، باب الاذان بعد ذہاب الوقت، ج1، ص122، دار طوق النجاۃ)

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ مسائل

اس حدیث پاک کی شرح میں شارح بخاری علامہ محمود بدالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت شدہ مسائل درج ذیل ہیں:

(1) اس حدیث معلوم ہوا کہ امام بنفس نفیس غزوات میں شریک ہوسکتا ہے۔

(2) یہ بھی معلوم ہوا کہ جن کاموں میں دینی یا دنیوی مصلحت اور بھلائی ہو، اُن کے بارے میں سربراہوں سے التماس کرنا جائز ہے۔

(3) تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امام کو چاہیے کہ دینی مصلحتوں کی پاسداری کرے۔

(4) جو چیزیں عبادت کے اَوقات سے فوت ہونے کا سبب بنیں اُن سے بچنا چاہیے۔

(5) یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی حفاظت کے لیے کسی خادم کو معین کرنا جائز ہے۔

(6) قضا نماز کے لیے اذان دینا بھی ثابت ہوا، اور اسی لیے امام بخاری نے ترجمۃ الباب یہی قائم کیا ہے۔

اور اس کے متعلق علما کا اختلاف ہے، ہمارے علمانے فرمایا: قضا نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے، اُن کی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، جس کو امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا، اُس میں ذکر ہے: ((ثُمَّ أمر مُؤذنًا فأذن فصلی رَكْعَتَيْنِ قبل الْفجر ثمَّ أَقَامَ ثمَّ صلی الْفجْر)) ترجمہ: پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موذن کو حکم فرمایا تو اُس نے اذان کہی اور آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھیں پھر اقامت کہی اور پھر حضور نے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ امام شافعی کا قدیم قول، امام احمد، امام ابوثور اور ابن منذر کا یہی قول ہے۔ اور کئی نمازیں قضا ہوگئی ہوں تو پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت دونوں کہے اور بقیہ میں اختیار ہے چاہے تو ہر نماز کے لئے یہ طریقہ اختیار کرے اور چاہے تو اقامت پر اکتفا کرے، کیونکہ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں: ((ان النَّبِي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فَاتَتْهُ يَوْم الخَنْدَق أَربع صلوَات حَتَّى ذهب من اللَّيْل مَا شَاءَ الله فَأمر بِلَالًا فَأذن ثمَّ أَقَامَ فصلی الظّهْر ثمَّ أَقَامَ فصلی الْعَصْر ثمَّ أَقَامَ فصلی الْمغرب ثمَّ أَقَامَ فصلی الْعشَاء)) غزوۂ خندق کے روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں یہاں تک کہ جتنا اللہ نے چاہا رات کا حصہ گزر گیا، پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کہنے حکم فرمایا، پس اُنہوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی پس آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی ، پھر اقامت کہی تو آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی، حضرت بلال نے پھر اقامت کہی تو آپ نے عشا کی نماز پڑھائی۔

اگر کہا جائے کہ جب معاملہ یہ ہے تو اختیار کیوں دیا گیا؟ میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں، ایک روایت میں آیا: ((قضاهن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بِأَذَان وَإِقَامَة)) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اذان اور اقامت کے ساتھ ان نمازوں کی قضا فرمائی۔ اور ایک روایت میں ہے: ((بِأَذَان وَإِقَامَة للأولى وَإِقَامَة لكل وَاحِدَة من الْبَوَاقِي)) پہلی نماز اذان و اقامت دونوں کے ساتھ قضا فرمائی اور باقی نمازیں صرف اقامت کے ساتھ۔ اور اسی اختلاف کی وجہ سے ہم نے اس معاملہ میں

اختیار دیا ہے۔

(7) اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ جو نمازیں کسی عذر کی وجہ سے قضا ہوئیں اُن کو فوراً ادا کرنا واجب نہیں، یہ ہی صحیح ہے، لیکن (کوئی شرعی عذر نہ ہو تو) اُن کو فوراً ادا کرنا مستحب ہے۔ امام بغوی نے امام شافعی کے حوالہ سے ایک قول فی الفور ادا کرنے کا نقل کیا ہے۔ البتہ جو نمازیں بلا عذر قضا ہو گئی ہوں تو ان کا زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ اُن کو فی الفور ادا کرنا واجب ہے۔ اور بعض نے کہا عذر والی صورت کی طرح یہاں بھی تاخیر کرنا جائز ہے۔

(8) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جن اَوقات میں نماز پڑھنا منع ہے، اُن اوقات میں فوت شدہ نمازوں کی قضا بھی نہیں کی جائے گی۔ طلوعِ آفتاب کے کتنی دیر بعد نماز پڑھنا جائز ہے، اس کے متعلق ہمارے فقہا کا اختلاف ہے، اصل (مبسوط) میں فرمایا کہ جب سورج ایک یا دو نیزہ کی مقدار بلند ہو جائے اُس وقت نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے (یہی صحیح ہے، جو تقریباً 20 منٹ بنتے ہیں)۔ اور علامہ ابو بکر محمد بن فضل نے فرمایا: جب تک انسان سورج کی ٹکیہ کی طرف دیکھنے پر قادر ہے، نماز پڑھنا جائز نہیں پس اگر اس سے عاجز آ جائے تو نماز پڑھنا جائز ہو جائے گا۔

(9) یہ بھی ثابت ہوا کہ قضا نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے (کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی)۔

(10) اس حدیث سے مُہلب نے اس پر استدلال کیا کہ صلوٰۃِ وسطیٰ فجر کی نماز ہے، آپ اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے علاوہ کسی نماز کے وقت کا انتظار کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس استدلال کی کمزوری مخفی نہیں۔

(11) اس حدیث میں خبر واحد کے قبول کرنے پر دلیل موجود ہے، اور ایک قوم نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا۔ ابن بزیزہ کہتے ہیں اس معاملہ میں یہ قطعی دلیل نہیں کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقط حضرت بلال کے قول کی طرف رجوع نہ کرتے ہوں بلکہ بیدار ہو جانے پر خود فجر کی طرف نظر فرماتے ہوں۔

(12) امام مالک نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ سنتِ فجر کی قضا نہیں ہے۔ اَشہب کہتے ہیں امام مالک سے سؤال ہوا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ فجر رہ گئی یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا، اُس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی سنتوں کی قضا فرمائی تھی؟ آپ نے جواب دیا: مجھ تک اس حوالہ سے کوئی خبر نہیں پہنچی۔ اَشہب کہتے ہیں مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سنتوں کی قضا فرمائی تھی۔ اور علی بن زیاد کہتے ہیں: امام مالک کے سوا دیگر علما کے نزدیک سنتوں کی قضا زیادہ محبوب ہے۔ کوفی علما، امام ثوری اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالک فرماتے ہیں: جس کی

خواہش ہو وہ طلوع آفتاب کے بعد قضا کرلے۔ میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں: امام محمد بن حسن کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی کی فجر کی سنتیں رہ جائیں تو وہ طلوع آفتاب سے لیکر نصف النہار تک ان کو ادا کرلے۔ اور شیخین (امام اعظم اور امام ابو یوسف) فرماتے ہیں کہ اگر تنہا سنت فجر فوت ہوئیں تو اُن کی قضا نہ کرے البتہ اگر فرض کے ساتھ فوت ہوئی ہوں تو بالاتفاق سنتوں کی بھی قضا کرلے۔

(13) اس حدیث میں اس بات پر ہماری بہت قوی دلیل ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز نہ پڑھی جب تک سورج سفید نہ گیا۔ اور اس کے متعلق ممانعت بھی وارد ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب من صلی بالناس جماعۃ بعد ذہاب الوقت، ج5، ص88، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بلا عذر یا بالعذر نماز میں تاخیر کے بارے میں مذاہب ائمہ

فقہاء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بلا عذر نماز کو اُس کے وقت سے مؤخر کرنا گناہ کبیرہ ہے جو توبہ اور اپنی کوتاہی پر شرمندہ ہوئے بغیر ختم نہیں ہوتا، اور ایسے شخص کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوتاہی کرنے والا قرار دیا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((لَيْسَ التَّفْرِيطُ فِي النَّوْمِ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقْظَةِ)) یعنی نیند کی حالت میں کوتاہی نہیں ہے، کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے۔

اور فقہاء کا اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ نسیان کے عذر کی وجہ سے نماز کی تاخیر پر بندہ سے مؤاخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے: ((رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ)) ترجمہ: میری اُمت سے خطا، بھول اور حالت اکراہ اٹھالی گئی ہے۔

اور نیند کے عذر کی بنا پر نماز کی تاخیر کرنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے: ((لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقْظَةِ فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا)) ترجمہ: نیند کی صورت میں کوتاہی نہیں، کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے تو جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنا بھول جائے یا نماز کے وقت سو یا رہے تو جب یاد آئے نماز پڑھ لے۔

بے شک جس نیند سے نماز اپنے وقت سے مؤخر ہو جائے اُس نیند پر بندہ کی پکڑ نہیں اور نہ ہی اس کو کوتاہی کرنے والا شمار کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام لیلۃ التعریس کی صبح نماز کے وقت میں سوتے رہ گئے، حضرت ابو قتادہ بیان کرتے ہیں: ((سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ

قَالَ:أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ قَالَ بِلَالٌ:أَنَا أُوقِظُكُمْ، فَاضْطَجَعُوا، وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ:يَا بِلَالُ أَيْنَ مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ:مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ، قَالَ:إِنَّ اللَّهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ، وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ، يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنِ النَّاسَ بِالصَّلَاةِ فَتَوَضَّأَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ، وَابْيَاضَّتْ، قَامَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ)) ترجمہ: ہم ایک رات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے، بعض لوگ عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! کاش آپ ہم کو رات کے آخری حصہ میں ٹھہرالیں، آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم نماز سے رہ نہ جاؤ، حضرت بلال نے کہا: میں آپ لوگوں کو جگادوں گا، پھر سب لیٹ گئے اور حضرت بلال نے اپنی سواری سے پیٹھ لگالی، اُن کی آنکھیں اُن پر غالب آئیں اور وہ سو گئے، پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اُس وقت سورج کا کنارہ طلوع ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا: اے بلال! تم نے کیا کہا تھا؟ عرض گذار ہوئے: ایسی نیند مجھ پر کبھی نہیں ڈالی گئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری روحوں کو قبض کرلیا اور جب چاہا تمہاری طرف لوٹادیا، اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤ، پھر آپ نے وضو کیا اور پھر جب سورج بلند ہوا اور سفید ہو گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

البتہ اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جب کسی کا ظن غالب ہو کہ اگر وہ سوئے گا تو اُس کی نماز قضا ہو جائے گی، اُس کے لئے حکم ہے کہ کسی کو بیدار کرنے کے لئے کہہ دے، احناف اور مالکیہ کے مذہب سے یہ ہی مفہوم ہوتا ہے۔ اور احناف کہتے ہیں کہ نماز عشا سے پہلے نیند کرنا مکروہ ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہ ہی مذہب ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز عشا سے پہلے سونے اور نماز عشا کے بعد گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

اور شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ تمام اَوقات میں نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے۔ اور اُن کے مؤقف کا ظاہر یہ ہے کہ وقت شروع ہونے کے بعد سونا مکروہ ہے البتہ وقت شروع ہونے سے پہلے سونا جائز ہے۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، تاخیر الصلاۃ بلا عذر، ج7، ص186، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، کویت)

باب نمبر 130

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ تَفُوتُهُ الصَّلَوَاتُ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ

کئی نمازیں قضا ہو جائیں تو کس نماز سے آغاز کرے

179- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللَّهِ :إِنَّ الْمُشْرِكِينَ شَغَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، حَتَّى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَجَابِرٍ،قال ابو عيسى: حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ لَيْسَ بِإِسْنَادِهِ بَأْسٌ، إِلَّا أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْفَوَائِتِ، أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ إِذَا قَضَاهَا، وَإِنْ لَمْ يُقِمْ أَجْزَأَهُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار نمازوں سے مصروف رکھا (یعنی غزوۂ خندق کے باعث چار نمازیں وقت پر نہیں پڑھی جاسکیں) یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر انہوں نے اقامت کہی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز ادا فرمائی، پھر انہوں نے اقامت کہی تو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز ادا فرمائی ،حضرت بلال نے پھر اقامت کہی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا فرمائی۔

اس باب میں حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے احادیث موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں البتہ ابوعبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سماع نہیں کیا۔

اور فوت شدہ نمازوں کے بارے میں علماء نے یہ ہی اختیار کیا ہے کہ آدمی جب اُن کی قضا کرنے لگے تو ہر نماز کے

180- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ

عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، قَالَ يَوْمَ الخَنْدَقِ وَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، قَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا كِدْتُ أُصَلِّي العَصْرَ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَاللَّهِ إِنْ صَلَّيْتُهَا، قَالَ :فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ، فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَضَّأْنَا، فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ العَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا المَغْرِبَ ، هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ "

لئے تکبیر کہے اور اگر تکبیر نہ کہے تو بھی نماز ہو جائے گی۔اور اس کے قائل امام شافعی ہیں۔

حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ خندق کے دن کفار قریش کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! میں نے عصر کی نماز ادا نہیں کی اور عنقریب سورج ڈوبنے والا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے بھی نماز نہیں پڑھی۔ راوی کہتے ہیں پھر ہم وادی بطحان میں اُترے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اور ہم نے وضو کیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

تخریج حدیث179:(سنن نسائی، کتاب الاذان، باب الاجتزاء لذلک کل باذان واحد، 2/ 17، حدیث663، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

تخریج حدیث180:(صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب من صلی بالناس جماعۃ بعد ذہاب الوقت، 1/ 122، حدیث596، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب الدلیل لمن قال الصلوۃ الوسطی......الخ، 1/ 438، حدیث 631، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب السہو، باب اذا قیل للرجل صلیت ہل یقول لا، 3/ 84، حدیث1366، المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

غزوہ خندق:

علامہ ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی 806ھ) فرماتے ہیں:

غزوۂ خندق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات میں سے ایک غزوہ ہے۔ اور اس کا ایک نام غزوۂ اَحزاب بھی ہے، مسلم شریف کی روایت میں اور اس حدیث میں یوم خندق سے اس کو تعبیر کیا۔ اور مشہور یہ ہے کہ یہ غزوہ چوتھی صدی میں وقوع پذیر ہوا اور ایک قول کے مطابق پانچویں صدی میں۔ اور یوم خندق سے کوئی خاص دن مراد نہیں ہے بلکہ اس سے غزوہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کہتے ہیں "یوم بدر" اور "یوم اُحد" وغیرہ۔ اس غزوہ کا یہ نام اُس خندق کی وجہ سے رکھا گیا جو مدینہ منورہ کے ارد گرد کھودی گئی۔ اور یہ فارسی لفظ ہے جس کی تعریب کی گئی (یعنی عربی میں داخل کرلیا گیا) ہے۔ اور اس کی اصل "کِـنْـدَة" ہے یعنی جس کو کھودا گیا ہو۔ (طرح التثریب فی شرح التقریب، حدیث: ملأ اللہ بیوتہم وقبورہم نارا کما حبسونا عن الصلاۃ، ج2، ص168، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

غزوۂ خندق میں نماز کو مؤخر کرنے کی وجوہات:

مزید فرماتے ہیں:

علامہ نووی نے فرمایا: غزوۂ خندق کے وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا غروبِ آفتاب تک نمازِ عصر کو مؤخر فرمانا، صلوٰۃ الخوف کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ علما فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ بھول کر آپ سے تاخیر ہوگئی ہو قصداً آپ نے ایسا نہ کیا ہو اور نسیان کا سبب دشمنوں کے معاملہ میں مشغول ہونا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دشمنوں کے ساتھ مشغولیت کی بنا پر قصداً نماز میں تاخیر فرمائی ہو، اور صلوٰۃ الخوف کے نزول سے پہلے نماز میں تاخیر کرنے کا یہ بھی ایک عذر تھا البتہ اب دشمن اور جہاد کی وجہ سے نماز کو اُس کے (مقررہ) وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے بلکہ حسبِ حال صلوٰۃ الخوف پڑھی جائے گی، اور اس کی ادائیگی کی مختلف صورتیں کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ دو احتمال ذکر کرنے کے بعد فرمایا: مکحول کا مؤقف یہ ہے کہ اس حدیث کے ظاہر کے مطابق جب خوف کی موجودگی میں نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو تو صلوۃ الخوف کو امن تک مؤخر کر سکتے ہیں۔

اور صحیح وہ ہی ہے جس پر جمہور ہیں کہ حتی الامکان نماز اپنے طریقہ کار کے مطابق پڑھی جائے پھر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی قدرت کے مطابق پڑھے البتہ قضا نہ کرے۔ پھر فرمایا: اس غزوہ کے دوران نماز قضا ہونے کی ایک اور توجیہ یہ بیان ہوئی

کہ اُس دوران کسی کا وضو نہیں تھا اور جن اُمور میں مشغولیت تھی اُن کو چھوڑ کر وضو یا تیمم کے لئے جانا ممکن نہ تھا اور حال یہ ہے کہ بلا طہارت نماز نہیں ہوتی۔ (طرح التثریب فی شرح التقریب، فائدہ: اشتغال النبی بقتال المشرکین حتی غابت الشمس، ج2، ص170، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

غزوۂ خندق کے موقع پر نماز قضا ہونے کے سبب کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علما فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہ نمازیں آپ سے نسیاناً قضا ہوئیں یا عمداً، اور اگر عمداً قضا ہوئیں تو جہاد کی مصروفیت کی بنا پر یا طہارت کے متعذر ہونے کی وجہ سے؟ یا یہ واقعہ صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے؟ میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں: ادب کی رعایت کے ساتھ اس بارے میں بہترین بات وہ ہے جو امام طحاوی نے کہی کہ ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خندق کے روز اس لئے نماز نہ پڑھی ہو کہ آپ جہاد فرماتے تھے، جہاد ایک عمل ہے اور نماز میں کوئی عمل کرنا درست نہیں، اور نماز نہ پڑھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اُس وقت سواری پر نماز پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور جہاں تک نماز میں جہاد کرنے کا تعلق ہے تو عند الاحناف اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے جبکہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک نماز باطل نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عمدۃ القاری، باب من صلی بالناس جماعۃ بعد ذہاب الوقت، ج6، ص262، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مذکورہ حدیث سے مستنبط شدہ مسائل

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک سے درج ذیل مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

(1) معلوم ہوا کہ مشرکین کی مذمت کرنا جائز ہے بشرطیکہ فحش نہ ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے منصب کے یہ ہی لائق ہے۔

(2) کسی کے قسم کھلائے بغیر قسم اُٹھانا جائز ہے بشرطیکہ اس بارے میں کوئی دینی مصلحت ہو۔ علامہ نووی نے تو فرمایا کہ یہ مستحب ہے اگر کوئی مصلحت ہو، مثلاً بات کو پختہ کرنا، اطمینان میں اضافہ کرنا، نسیان کے وہم کی کاٹ کرنا یا اس کے علاوہ کوئی اچھا مقصد ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تطییبِ قلب کے لئے قسم اٹھائی جب حضرت عمر پر نماز کا قضا ہونا شاق گزرا۔

بعض نے کہا ممکن ہے کہ جہاد میں مصروفیت کی وجہ سے نسیاناً نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو جب حضرت عمر نے یہ الفاظ کہے (جو حدیث میں مذکور ہیں) تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نماز یاد آ گئی ہو، اس پر آپ نے فرمایا ہو: ((واللہ ما صلیتھا))

واللہ میں نے بھی نماز نہیں پڑھی۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے: ((واللہ إن صلیتھا)) بخدا میں نے بھی نماز نہیں پڑھی۔ اور یہاں "إن" نافیہ ہے۔

(3) چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، اس سے ثابت ہوا کہ قضا نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور یہ بالاجماع جائز ہے، اس کی ممانعت صرف لیث کرتے ہیں، اور اُن پر اس حدیث اور وادی والی حدیث کے ذریعہ اعتراض ہوتا ہے۔

(4) اور یہ حدیث اُن کی دلیل ہے جو کہتے کہ مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز (مغرب سے) پہلے پڑھی، اگر مغرب کا وقت تنگ ہوتا تو ضرور مغرب پہلے ادا فرماتے تا کہ اس کا وقت بھی فوت نہ ہو جائے۔ اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہے کیونکہ آپ کا وقتِ مغرب کے متعلق قول جدید یہ ہے کہ اُس کا وقت تنگ ہوتا ہے۔

(5) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ کہنا مکروہ نہیں کہ ((ما صلیت)) یعنی میں نے نماز نہیں پڑھی۔ اور امام بخاری نے حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ یہ کہنا مکروہ ہے کہ ((فاتتنا)) یعنی ہم سے نماز فوت ہو گئی، بلکہ یہ کہے ((لم ندرك)) یعنی ہم نے نماز نہیں پائی۔ اور امام بخاری فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اصح ہے۔

(6) اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اَخلاق کریمہ، اپنے صحابہ کے ساتھ نرمی، اُن سے محبت وغیرہا اتباع کے لائق بہت سے چیزوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(7) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وقتی نماز اور قضا نمازوں کے درمیان ترتیب واجب ہے، امام نخعی، امام زہری، حضرت ربیعہ، حضرت یحییٰ انصاری اور لیث کا یہ ہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ، ان کے تلامذہ، امام مالک اور امام اسحاق کا یہ ہی مسلک ہے۔ اور یہ ہی حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے۔ اور طاؤس نے کہا: وقتی اور قضا نمازوں میں ترتیب واجب نہیں ہے۔ امام شافعی، اَبوثور، ابن قاسم اور سحنون کا یہ ہی مؤقف ہے اور ظاہریہ کا بھی یہ ہی مذہب ہے۔ اور احناف کی طرح امام مالک کا مسلک ترتیب کے واجب ہونے کا ہے لیکن امام مالک نسیان، وقت کی تنگی اور قضا نمازوں کی کثرت کی بنا پر ترتیب ساقط نہیں کرتے، شرح الارشاد میں اسی طرح مذکور ہے۔ اور امام مالک کا صحیح اور معتمد مؤقف یہ ہے کہ نسیان کی بنا پر ترتیب ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ اُن کے مذہب کی کتب اس کی شاہد ہیں۔ اور امام احمد کے نزدیک اگر وقتی نماز کے دوران قضا نماز یاد آ گئی تو وقتی نماز مکمل کر کے قضا نماز پڑھے اور پھر وقتی نماز دوبارہ پڑھے۔ اور آپ کے بعض تلامذہ نے ذکر کیا کہ پہلے جو وقتی نماز پڑھی وہ نفل ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (امام احمد کے نزدیک) ترتیب واجب ہے۔ اور امام زفر کا مؤقف یہ ہے کہ جو قضا نماز کے

بعد ایک ماہ کی نماز چھوڑ دے اُس کی وقتی نماز درست نہیں ہوگی۔ اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا جس نے ایک نماز قضا کر دی اُس کے بعد اُس کی ایک سال کی نماز درست نہ ہوگی۔

صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے ہمارے مذہب کے اثبات کے لئے اُس حدیث سے استدلال کیا جسے دارِقطنی، پھر بیہقی نے اپنی اپنی سُنَن میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من نسی صَلَاۃ فَلم یذکرھَا اِلَّا وَھُوَ مَعَ الاِمَام فلیتم صلَاته فَاِذَا فرغ من صلَاته فلیعد الَّتِی نسی ثمَّ لیعد الَّتِی صلاھَا مَعَ الاِمَام)) ترجمہ: جو شخص کوئی نماز بھول جائے اور اُس کا وقت یاد آئے جب وہ امام کے ساتھ ہو تو چاہیے کہ اپنی نماز مکمل کر لے، جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہو جائے تو قضا نماز پڑھے اس کے بعد اُس نماز کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔ اور دارقطنی نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ یوں ہی امام مالک نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے اُن کے قول کے طور پر روایت کیا۔ اور عبدالحق نے کہا: سعید بن عبدالرحمٰن نے اس حدیث کو موقوفاً بیان کیا، اور یحیی بن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ (میں بدرالدین عینی کہتا ہوں) ابوحفص بن شاہین نے یہ حدیث مرفوعاً روایت کی۔

اور ترتیب کے وجوب کے قائلین نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا صَلَاۃ من عَلَیْهِ صَلَاۃ)) ترجمہ: ایسے شخص کی نماز نہیں جس کے ذمہ کوئی نماز ہے۔

(8) یہ حدیث اُن کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ قضا نماز کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔ اور جو اس کے مشروع ہونے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مغرب حاضر تھی اور راوی نے اس کے لیے اذان کا ذکر اس پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ میں سے حاضر نماز کے لیے اذان کہلوانا بھی ہے۔

(عمدۃ القاری ملخصا، باب من صلی بالناس جماعۃ بعد ذہاب الوقت، ج5، ص91,92، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

چار نمازیں قضا ہوئیں یا ایک نماز، روایات میں تطبیق

جامع ترمذی میں موجود ایک روایت میں چار نمازوں کے قضا ہونے تذکرہ ہے اور دوسری روایت میں صرف ایک نماز کے قضا ہونے کا ذکر ہے، اس کے متعلق علامہ ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی 806ھ) فرماتے ہیں:

اس مشہور روایت کا مقتضی یہ ہے کہ صرف عصر کی نماز قضا ہوئی جبکہ مؤطا میں ظہر اور عصر دونوں کا ذکر ہے اور جامع ترمذی میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار نمازوں کے پڑھنے سے مشغول رکھا۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: حضرت عبداللہ کی حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ ابوعبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے سماع نہیں کیا۔ چنانچہ ابن عربی نے ترجیح کو اختیار کیا اور فرمایا: صحیح یہ ہے کہ صرف ایک نماز کے پڑھنے سے آپ کو مشغول رکھا گیا اور وہ عصر کی نماز ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا: ان احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ غزوۂ خندق کئی روز تک ہوتا رہا تو کسی دن آپ کی صرف نمازِ عصر قضا ہوئی ہو اور کسی دن آپ کی چار نمازوں قضا ہوئی ہوں۔ (طرح التثریب فی شرح التقریب، فائدہ: اشتغال النبی بقتال المشرکین حتی غابت الشمس، ج2، ص170،169، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار نمازوں (کے پڑھنے) سے مشغول رکھا یہاں تک کہ جتنا اللہ نے چاہا رات کا حصہ گزر گیا۔ علامہ ابن عربی کہتے ہیں: صحیح روایت وہ ہے جو اس کے بعد آنے والی ہے کہ غزوۂ خندق کے روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صرف ایک نماز کے پڑھنے سے مشغول رکھا گیا اور وہ عصر کی نماز ہے۔ علامہ ابن سید الناس فرماتے ہیں: غزوۂ خندق کے دن قضا ہونے والی نماز کے متعلق مختلف روایتیں ہیں: (۱) حدیثِ جابر میں ہے کہ وہ عصر کی نماز ہے اور یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ (۲) مؤطا میں ہے کہ ظہر اور عصر دو نمازیں قضا ہوئیں۔ (۳) اور اس حدیث میں ہے کہ فوت شدہ نمازیں چار تھیں۔ چنانچہ علامہ ابن عربی نے صحیحین کی روایت پر اعتماد کیا، اور بعض علما نے ان احادیث میں یوں تطبیق دی کہ غزوۂ خندق کئی روز تک ہوتا رہا۔ اور مختلف اَوقات میں ان تمام صورتوں کا ظہور ہوا۔ اور یہ قول پہلے سے بہتر ہے کیونکہ اس بارے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث موجود ہے اور اُس کی اسناد صحیح اور عظیم ہے۔ پھر صلوٰۃ الخوف کے ذریعہ یہ حدیث منسوخ ہوگئی۔

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص112، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

سورج غروب ہونے اور زرد ہونے کی روایات میں تطبیق

بعض روایات میں سورج غروب ہونے کا نہیں، صرف زرد ہونے کا ذکر ہے، اس کے بارے میں علامہ ابوالفضل عبد الرحیم بن حسین عراقی (متوفی 806ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکین کے قتال میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ اس کے معارض وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ کا بیان ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نمازِ عصر سے روکے رکھا یہاں تک کہ سورج سُرخ یا زرد ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((شَغَلُوْنَا عَنْ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ أَجْوَافَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا أَوْ حَشَى اللّٰهُ أَجْوَافَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا)) ترجمہ: مشرکوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی صلوٰۃ عصر سے روک دیا، اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ جبکہ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ وقت بالکل ختم نہیں ہوا تھا۔

اور شیخ تقی الدین نے "شرح العمدۃ" میں لکھا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس وقت یعنی سُرخی یا زردی تک جنگ کی مشغولیت کی وجہ سے نماز سے روک دیئے گئے اور نماز پڑھی مغرب کے بعد اور کبھی یہ نماز کے اسباب وغیرہا میں مشغولیت کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، آپ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ خندق کے موقع پر فرماتے سُنا:((شَغَلُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَبُيُوْتَهُمْ نَارًا أَوْ قُلُوْبَهُمْ)) مشرکوں نے ہمیں نمازِ عصر سے روک دیا، اللہ تعالیٰ ان کے قبروں اور گھروں (یا فرمایا) اُن کے دلوں کو آگ سے بھر دے۔ حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ اُس روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اِن آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسباب، وقت ختم ہونے سے پہلے ہی اختیار کر لئے اور غروب آفتاب کے بعد تک صرف نماز کو مؤخر فرمایا۔ اور یہ بات گزشتہ جواب کی تائید کرتی ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ غزوۂ خندق کئی دنوں تک جاری رہا تو کسی دن سُرخی یا زردی تک نماز میں تاخیر فرمائی اور کسی دن غروب آفتاب تک۔ اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ غروب آفتاب تاخیر کو روایت کرنے والے صحابی علیحدہ ہیں اور سُرخی یا زردی تک تاخیر کو روایت کرنے والے صحابی علیحدہ ہیں علاوہ ازیں سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:((حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ)) یعنی غروب آفتاب تک نماز میں تاخیر فرمائی۔ (طرح التثریب فی شرح التقریب، فائدہ: اشتغال النبی بقتال المشرکین حتی غابت الشمس، ج2، ص169، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا)) وہ حدیث جو صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے (جس میں ہے) کہ سورج کی سُرخی یا زردی تک نماز میں تاخیر فرمائی، اس کے معارض نہیں ہے۔ کیونکہ روکے رکھنا اگرچہ اس وقت تک ہوا لیکن نماز، غروب آفتاب کے بعد ہی ادا فرمائی، کیونکہ اتنا وقت باقی نہیں تھا جس میں طہارت وغیرہ ضروریات کے ساتھ نماز بھی ادا فرما سکیں۔ اس کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جو بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا)) اللہ کی قسم! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی، چنانچہ حضور بطحان (مدینہ کی وادی) میں اُترے، وضو کیا اور تمام صحابہ نے بھی وضو کیا پھر غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز ادا فرمائی۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضیلۃ الصلوات، ج2، ص545، دار الفکر، بیروت)

نمازوں کے درمیان ترتیب کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ فوت شدہ اور وقتی نماز کے مابین ترتیب قائم رکھنا ضروری ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کو بالترتیب پڑھنا ضروری نہیں، آپ کی دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماع کی بنا پر یہ وقت وقتی نماز کا ہے لہذا اس کی ادائیگی اس کے وقت میں ضروری ہے جیسا کہ وقت کی تنگی، قضا نمازوں کی کثرت اور بھولنے کی حالت میں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ ذَلِكَ وَقْتُهَا)) یعنی جو شخص کسی نماز کے وقت سویا رہے یا نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے کیونکہ یہ ہی اُس نماز کا وقت ہے۔ایک روایت میں ہے: ((لَا وَقْتَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ)) اُس کا صرف یہ ہی وقت ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یاد آنے کا وقت ہی قضا نماز کا وقت قرار دیا لہذا قضا نماز سے پہلے وقتی نماز پڑھنا یہ اُس کے وقت سے پہلے ادائیگی قرار پائے گی جو کہ جائز نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلَمْ يَذْكُرْهَا إِلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ فَلْيُصَلِّ مَعَ الْإِمَامِ وَلْيَجْعَلْهَا تَطَوُّعًا ثُمَّ لِيَقْضِ مَا تَذَكَّرَ ثُمَّ لِيُعِدْ مَا كَانَ صَلَّاهُ مَعَ الْإِمَامِ)) ترجمہ: "جو شخص کوئی نماز بھول جائے اور اُسے یاد نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ امام کے ساتھ ہو تو اُسے چاہیے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھ لے اور اُسے نفل قرار دے پھر جو نماز یاد آئی اُس کی قضا کرے اس کے بعد جو نماز امام کے ساتھ پڑھی تھی اُس کا اعادہ کرے"۔اور ہمارا نظریہ بعینہ یہ ہی ہے کہ فرض نماز فاسد ہو جائے گی جب اُس کو پڑھنے کے دوران کوئی قضا نماز یاد آ جائے اور اس کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا مگر یہ کہ جب وقت تنگ ہو یا قضا نمازیں زیادہ ہو یا نسیان کی حالت ہو۔ کیونکہ یہ وقت، وقتی نماز کا ہے اس کا علم ہمیں کتاب اللہ، سنت متواترہ اور اجماع کے ذریعہ ہوا ہے اور یہ وقت قضا نماز کا ہے اس کا علم ہمیں خبر واحد کے ذریعہ ہوا ہے اور خبر واحد پر عمل اُس طور پر ضروری ہے کہ جب وہ ایسے عمل کو باطل کرنے کا سبب نہ بنے جو دلیل قطعی سے ثابت ہے۔

اور تنگی وقت کی حالت میں قضا نماز میں مشغول ہونا، قضا نماز کے ذریعہ عمل کو باطل کرنا ہے کیونکہ یہ وقتی نماز کو اپنے

وقت سے فوت کرنے کا سبب ہے۔ یہ ہی مسئلہ اُس وقت ہے کہ قضا نمازیں زیادہ ہو کیونکہ جب قضا نمازیں زیادہ ہوں گی تو (وقتی نماز کے) پورے وقت کا استیعاب کر لیں گی اور وقتی نماز اپنے وقت سے فوت ہو جائے گی۔ مزید ایک دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے وہ وقت قضا نماز کا وقت قرار دیا تاکہ جو نماز فوت ہوگئی اُس کا تدارک ہو جائے لہذا اس طور پر یہ وقت، قضا نماز کا نہیں کہ وقتی نماز کے فوت کرنے کا سبب بنے۔

مزید ایک دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا علی الاطلاق یاد آنے کا وقت ہی قضا نماز کا وقت قرار دینا ایسے وقت کی طرف راجع ہوگا جو مشغول نہ ہو کیونکہ مشغول وقت کسی اور کام میں مشغول نہیں ہو سکتا جیسا کہ مطلق وقت سے ایسا وقت مراد ہوتا ہے جس میں نماز مکروہ نہ ہو۔ (بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، ج1، ص131,132، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابن رشد قرطبی مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

امام مالک کا مؤقف یہ ہے کہ نمازوں میں ترتیب واجب ہے پانچ نمازیں ہوں یا کم، اور قضا نماز پہلے پڑھے اگرچہ وقتی نماز کا وقت ختم ہو جائے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اگر وقتی نماز پڑھنے کے دوران قضا نماز یاد آ گئی تو وقتی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور ایسا ہی امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے البتہ اُن کی رائے یہ ہے کہ وقتی نماز کے وقت میں گنجائش ہو تو (وقتی اور فوت شدہ نمازوں کے مابین) ترتیب واجب ہے۔ اور بھولنے کی صورت میں ترتیب کے وجوب کے ساقط ہونے پر یہ سب علما متفق ہیں۔ (بدایۃ المجتہد، قضاء جملۃ الصلاۃ، ج1، ص194، دار الحدیث، القاہرہ)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اگر کسی کو نماز پڑھنے کے دوران یاد آیا کہ اُس کے ذمہ ایک نماز ہے تو وہ اُس نماز کو مکمل کرے اور جو نماز یاد آئی اُس کی قضا کرے اور پھر اگر وقت باقی ہو تو پہلی نماز کو دُہرائے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا میں ترتیب ضروری ہے، امام احمد بن حنبل نے کئی مقامات پر اس کی صراحت فرمائی ہے...... اور بلاشبہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسی روایت مروی ہے جو ترتیب کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کی مثل امام نخعی، امام زہری، حضرت ربیعہ، یحییٰ انصاری، امام مالک، حضرت لیث، امام ابوحنیفہ اور امام اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ترتیب واجب نہیں ہے کیونکہ فوت شدہ

نماز فرض نماز ہی کی قضا ہے لہذا اس میں ترتیب ضروری نہیں جس طرح کہ روزوں کے مابین ترتیب ضروری نہیں۔

ہم حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چار نمازیں فوت ہوئیں تو آپ نے ترتیب وار ان کی قضا فرمائی، اور فرمایا: ((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي)) تم نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا۔ اور امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ ابو جمعہ حبیب بن سباع سے روایت کی، آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، آپ کا بیان ہے: ((إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عَامَ الْأَحْزَابِ صَلَّى الْمَغْرِبَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: هَلْ عَلِمَ أَحَدٌ مِنْكُمْ أَنِّي صَلَّيْتُ الْعَصْرَ؟ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا صَلَّيْتَهَا. فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَعَادَ الْمَغْرِبَ)) غزوۂ احزاب کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز ادا فرمائی، پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے عصر کی نماز نہیں ادا فرمائی، حضور نے مؤذن کو حکم دیا اُس نے اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر مغرب کی نماز دوبارہ پڑھائی۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نمازوں کے مابین ترتیب واجب ہے۔ اور ابو حفص نے اپنی سند کے ساتھ حضرت نافع سے اور اُنہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلَمْ يَذْكُرْهَا إِلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ فَلْيُصَلِّ مَعَ الْإِمَامِ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ فَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ الَّتِي نَسِيَ، ثُمَّ لِيُعِدِ الصَّلَاةَ الَّتِي صَلَّاهَا مَعَ الْإِمَامِ)) ترجمہ: جو شخص نماز ادا کرنا بھول گیا اُسے یاد نہ آئی مگر اس حال میں کہ وہ امام کے ساتھ ہو، اُسے چاہیے کہ امام کے ساتھ نماز جاری رکھے اور جب نماز سے فارغ ہو تو وہ نماز پڑھے جس کو بھول گیا تھا، اس کے بعد اُس نماز کا اعادہ کرے جو امام کے ساتھ پڑھی۔ اس حدیث کو ابو یعلیٰ موصلی نے "مسند ابی یعلیٰ" میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ اور یہ حدیث موقوفاً حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ دونوں وقتی نمازیں ہیں لہذا ان دونوں میں ترتیب واجب ہے جس طرح اُن دو نمازوں میں ترتیب واجب ہے جو ایک وقت میں فرض ہو، جب یہ بات ثابت ہوگئی تو (یہ بھی یاد رہے کہ) قضا نمازیں زیادہ ہوں تو بھی ان میں ترتیب واجب ہے۔ امام احمد نے اس کی صراحت فرمائی۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: ایک دن رات سے زیادہ نمازوں میں ترتیب واجب نہیں کیونکہ اس سے زیادہ نمازوں میں ترتیب کا اعتبار کرنے میں مشقت ہے اور تکرار میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے تو ایسی صورت میں ترتیب ساقط ہو جائے گی جس طرح کہ رمضان کے روزوں کی قضا میں ترتیب ساقط ہے۔

ہم حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ واجب نمازیں ہیں جنہیں ایسے وقت ادا کیا جاتا ہے جس میں نماز کی گنجائش ہو لہذا ان

نمازوں میں ترتیب ایسے ہی واجب ہے جیسے پانچ نمازوں میں ترتیب واجب ہے۔

(المغنی لابن قدامہ،مسئلہ ذکران علیہ صلاۃ وھو فی اخری، ج1،ص434,435،مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ نمازوں میں ترتیب مستحب ہے، واجب نہیں، نمازیں کم ہوں یا زیادہ، نماز قصداً قضا ہوئی ہو یا بھول کر، اور اگر وقتی نماز کے لئے تکبیر کہی پھر قضا نماز یاد آگئی تو نماز جاری رکھے اور بعد میں فوت شدہ نماز کی قضا کر لے۔

(الحاوی الکبیر، ج2،ص158،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

قضا نمازوں میں اذان واقامت کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

کسی شخص کی ایک نماز فوت ہوگئی ہو تو وہ اُسے اذان واقامت کے ساتھ قضا کرے یوں ہی پوری جماعت کی کوئی ایک نماز رہ گئی ہو تو وہ بھی اُس نماز کو اذان واقامت کہہ کر جماعت کے ساتھ قضا کریں۔ کیونکہ حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ لیلۃ التعریس والی حدیث میں بیان کرتے ہیں: ((كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم فِي غَزْوَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ فَلَمَّا كَانَ فِي آخِرِ السَّحَرِ عَرَّسْنَا فَمَا اسْتَيْقَظْنَا حَتَّى أَيْقَظَنَا حَرُّ الشَّمْسِ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا يَثِبُ دَهِشًا وَفَزِعًا، فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ -صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم- فَقَالَ: ارْتَحِلُوا مِنْ هَذَا الْوَادِي فَإِنَّهُ وَادِي شَيْطَانٍ، فَارْتَحَلْنَا وَنَزَلْنَا بِوَادٍ آخَرَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتْ الشَّمْسُ وَقَضَى الْقَوْمُ حَوَائِجَهُمْ أَمَرَ بِلَالًا بِأَنْ يُؤَذِّنَ فَأَذَّنَ وَصَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّيْنَا صَلَاةَ الْفَجْرِ))

ترجمہ: میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ کسی غزوہ یا سریہ میں تھا، جب سحری کا آخری وقت ہوا تو ہم سو گئے پس ہم جاگ نہ سکے یہاں تک کہ سورج کی گرمی نے ہمیں بیدار کیا اور ہم میں سے ہر شخص گھبرایا ہوا وحشت زدہ اٹھ کھڑا ہوا، رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا: اس وادی سے کوچ کرو کیونکہ یہ شیطان کی وادی ہے۔ چنانچہ ہم نے کوچ کیا اور کسی دوسری وادی میں پڑاؤ کیا، پھر جب سورج بلند ہوا اور لوگ اپنی حاجت سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان کہنے کا حکم فرمایا تو آپ نے اذان کہی اور پھر ہم نے دو رکعتیں پڑھیں پھر حضرت بلال نے اقامت کہی تو ہم نے فجر کی نماز

پڑھی۔

اور یوں ہی عمران بن حصین نے اس واقعہ کو نقل کیا۔ اور اصحاب اِملاء نے امام ابو یوسف سے اُن کی سند کے ساتھ نقل کیا کہ غزوۂ خندق کے روز جب صحابۂ کرام کو کفار نے چار نمازوں سے مصروف رکھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن نمازوں کی قضا یوں فرمائی کہ حضرت بلال کو حکم فرمایا کہ ہر نماز کے لئے اذان اور اقامت کہیں یہاں تک صحابۂ کرام بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال نے اذان کہی، اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اذان و اقامت کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی اور پھر اذان اور اقامت کہہ کر مغرب کی نماز پڑھی پھر اذان و اقامت کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی۔

قضا نماز کے لئے اذان و اقامت کا حکم اس لئے ہے کہ قضا نماز بھی اداء نماز کے مطابق پڑھنی چاہیے، نماز فوت ہوئی اذان و اقامت کے ساتھ اور قضا بھی اذان و اقامت کے ساتھ ہونی چاہیے، حدیث تعریس واحزاب میں مخالفین کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ وہ اذان اور اقامت کہی گئی جیسا کہ ہم نے روایت کیا ہے۔

اگر کسی شخص کی کئی نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو وہ اگر ہر نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کہے تو بہتر ہے وگرنہ پہلی نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کہنا اور باقی نمازوں میں اقامت پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔

غزوۂ خندق کے روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن نمازوں کو قضا فرمایا اُن کے متعلق روایتیں مختلف ہیں، بعض روایات میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو ہر نماز کے لئے اذان و اقامت کہنے کا حکم ارشاد فرمایا جیسا کہ ہم نے روایت بیان کی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ پہلی نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کہیں پھر اس کے بعد ہر نماز کے لئے اقامت کہی۔ اور بعض روایت میں ہے کہ حضرت بلال نے ہر نماز کے لئے صرف اقامت کہی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس روایت میں اضافہ ہے اُس کو لینا اَولیٰ ہے بالخصوص عبادات کے معاملہ میں۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان محل وجوب الاذان، ج1، ص154، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

قضا نماز اگر ایک ہو تو اُس کے لئے اذان بھی کہے اور اقامت بھی، کیونکہ حضرت عمرو بن اُمیہ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: ((كنا مع رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم في بعض أسفاره فنام عن الصبح حتى طلعت الشمس فاستيقظ رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال تنحوا عن هذا المكان قال ثم أمر بلالاً فأذن ثم

توضؤا وصلوا رکعتی الفجر ثم أمر بلالاً فأقام الصلاۃ فصلی بھم صلاۃ الصبح)) ترجمہ: ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ہم نماز فجر کے وقت سوئے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور فرمایا: اس جگہ کو چھوڑ دو (راوی کہتے ہیں) پھر حضور کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی پھر سب نے وضو کر کے فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھیں پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم فرمایا تو اُنہوں نے نماز کی اقامت کہی اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی، اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اور اگر قضا نمازیں زیادہ ہوں تو پہلی نماز کے لئے اذان واقامت دونوں کہے پھر اس کے بعد ہر نماز کے لئے صرف اقامت کہے۔ کیونکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ((أن المشرکین شغلوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن أربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ما شاء اللہ فأمر بلالاً فأذن ثم أقام فصلی الظھر ثم أقام فصلی العصر ثم أقام فصلی المغرب ثم أقام فصلی العشاء)) ترجمہ: بلاشبہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار نمازوں کے پڑھنے سے مشغول رکھا یہاں تک کہ جتنا اللہ نے چاہا رات کا حصہ گزر گیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا تو اُنہوں نے اذان دی پھر حضرت بلال نے اقامت کہی تو حضور نے عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی تو حضور نے مغرب کی نماز پڑھی پھر حضرت بلال نے اقامت کہی اور حضور نے عشا کی نماز پڑھی۔ اس کو امام احمد، امام نسائی اور امام ترمذی نے روایت کیا۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ ابوعبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع نہیں کیا۔ اور اگر اذان نہ دے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مسئلہ جماعت کے متعلق ہے۔ اور منفرد کے حق میں اس کے استحباب کا درجہ کم ہے کیونکہ اذان واقامت اعلان کے لئے ہے اور یہاں اعلان کی حاجت نہیں۔ اور امام احمد سے منقول ہے کہ جس کی کئی نمازیں قضا ہو گئی ہوں وہ ایک بار اذان اور اقامت کہے۔ تو امام احمد نے اس معاملہ میں آسانی کر دی اور اس کو پسند فرمایا۔ (الشرح الکبیر علی متن المقنع، ولا یجب علی کافر ولا مجنون، ج 1، ص 412، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

شوافع کا موقف:

علامہ ابواسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

قضا نمازوں کے لئے اذان کہنا سنت ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں تین اَقوال ہیں، "الام" میں مذکور ہے کہ اقامت کہے، اذان نہ کہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: غزوۂ خندق کے

روز ہمیں (مشرکین نے نماز سے) روکے رکھا یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا پھر ہمیں کفایت دی گئی، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی کی کفایت فرمادی۔

(پ 21، سورۃ الاحزاب، آیت 25)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا اور اُن کو اقامت کہنے کا حکم دیا تو آپ نے اقامت کہی اور پھر حضور نے اچھی طرح نماز پڑھائی جیسی اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے پھر حضرت بلال نے عصر کی اقامت کہی اور حضور نے اُسی طرح نماز پڑھائی، پھر اُنہوں نے اقامت کہی تو حضور نے اچھی طرح مغرب کی نماز پڑھائی پھر اُنہوں نے عشا کے لئے اقامت کہی اور حضور نے اچھی طرح نماز پڑھائی۔

نیز اذان نماز کے وقت کی خبر دینے کے لئے دی جاتی ہے اور وقت تو نکل چکا ہے جبکہ اقامت، نماز کے افتتاح کی خبر دینے کے لئے دی جاتی ہے اور یہ چیز موجود ہے۔

اور قدیم قول یہ ہے کہ فقط پہلی نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کہے اور اس کے بعد والی نمازوں کے لئے صرف اقامت کہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار نمازوں کے پڑھنے سے مشغول رکھا یہاں تک کہ جتنا اللہ نے چاہا رات کا حصہ گزر گیا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا تو اُنہوں نے اذان دی پھر حضرت بلال نے اقامت کہی تو حضور نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر اقامت کہی تو حضور نے عصر کی نماز پڑھائی پھر حضرت بلال نے اقامت کہی تو مغرب کی نماز پڑھائی پھر اُنہوں نے اقامت کہی اور حضور نے عشا کی نماز پڑھی۔

ایک دلیل یہ ہے کہ یہ دو نمازیں ہیں جن کو ایک وقت میں جمع کیا جا رہا ہے لہذا یہ دو نمازیں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی جس طرح کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں کیونکہ یہ دو نمازیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائی ہیں، اور "املاء" میں لکھا ہے کہ اگر نمازیوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو اذان اور اقامت دونوں کہے، اگر دشوار نہ ہو تو صرف اقامت کہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اذان کا مقصد لوگوں کو جمع کرنا ہے تو جب لوگ بآسانی جمع ہو جائیں تو اذان دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور جب جمع ہونے میں دشواری ہو تو اذان دینے کا فائدہ ہوگا۔

ابو اسحاق کہتے ہیں: اس قول کی بنا پر اگر وقتی نماز کے لئے بھی جمع ہونا دشوار ہو اذان اور اقامت دونوں کہے اور دشوار نہ ہو اقامت کہے اذان نہ کہے، پس اگر دو نمازوں کو یوں جمع کیا جائے کہ پہلی کے وقت میں دونوں کو پڑھا جائے تو پہلی نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کہے اور دوسری کے لئے اقامت کہے جیسا کہ میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

ایسا فرمایا۔اور دوسری نماز کے وقت میں دونوں نمازوں کو جمع کیا جائے تو وہ دونوں نمازیں فوت شدہ نمازوں کی مانند ہیں کیونکہ پہلی نماز کا وقت ختم ہو چکا ہے اور دوسری نماز، پہلی کے تابع ہے اور ہم قضا نمازوں کا حکم بیان کر چکے ہیں۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص107,108، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اگر کئی قضا نمازوں کو یکبارگی پڑھنا چاہے تو بالاتفاق ہر نماز کے لئے اقامت کہے اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ پہلی نماز کے علاوہ کسی کے لئے اذان نہ کہے۔اور پہلی نماز کے لئے اذان کہنا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق تین اقوال ہیں جن کو مصنف نے بالدلائل ذکر کیا، جمہور علما کے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اذان کہے۔

(المجموع شرح المہذب، باب الاذان، ج3، ص84، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

جو کثیر نمازیں بھول جائے اُسے ہر نماز کے لئے بغیر اذان کے محض اقامت کافی ہے۔اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے اذان کہے۔اور امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔اور جب صحابۂ کرام نمازِ فجر کے وقت سوئے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہوا، اُس وقت حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے جو نمازیں ادا فرمائی اُس کے متعلق روایات مختلف ہیں، مؤطا میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اقامت کا حکم دیا اور پھر صحابہ کرام کو نماز پڑھائی، اور اس میں اذان کا ذکر نہیں ہے۔اور ابوداؤد شریف میں اذان کا ذکر ہے، اور یہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اُس قول سے منسوخ ہے جو آپ نے نماز پڑھانے کے بعد ارشاد فرمایا: ((مَنْ نَسِیَ الصَّلَاۃَ فَلْیُصَلِّھَا إِذَا ذَکَرَھَا فَإِنَّ اللہَ تَعَالَی یَقُولُ: وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ)) ترجمہ: جو شخص نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ ہو اور اذان، نماز کے علاوہ مشغولی ہے۔

(الذخیرۃ للقرافی، الفصل الرابع فیما یؤذن لہ، ج2، ص68,69، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر 131

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلاةِ الْوُسْطَى أَنَّهَا الْعَصْرُ

"صلوٰۃِ وسطی" نمازِ عصر ہے

181. حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "نماز وسطی" کے بارے میں فرمایا کہ وہ عصر کی نماز ہے۔

182. حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، وَأَبُو النَّضْرِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ، قال ابوعيسىٰ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نماز وسطی" عصر کی نماز ہے۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "صحیح" ہے۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَحَفْصَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: حَدِيثُ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَقَدْ سَمِعَ مِنْهُ. وقال ابوعيسىٰ حَدِيثُ سَمُرَةَ فِي صَلَاةِ الْوُسْطَى حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وقَالَ زَيْدُ

اور اس باب میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ابوھریرہ اور حضرت ابوہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مذکور ہیں۔

امام ابوعیسی ترمذی حضرت محمد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت سمرہ سے حسن کی روایت "حسن" ہے، اور حضرت حسن نے اُن سے سماع بھی کیا ہے۔

اور امام ابوعیسی ترمذی نے فرمایا کہ "نماز وسطی" کے بارے میں حضرت سمرہ کی حدیث "حسن" ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام اور دیگر علماء کرام کا یہی قول ہے۔

بْنُ ثَابِتٍ، وَعَائِشَةُ :صَلَاةُ الوُسْطَى صَلَاةُ الظُّهرِ وقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ عُمَرَ :صَلَاةُ الوُسْطَى صَلَاةُ الصُّبحِ

حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا :"نماز وسطی" ظہر کی نماز ہے۔حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:"نماز وسطی" فجر کی نماز ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ المُثَنَّى قَالَ : حَدَّثَنَا قُرَيْشُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ، قَالَ :قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ :سَلِ الحَسَنَ مِمَّنْ سَمِعَ حَدِيثَ العَقِيقَةِ، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ :سَمِعْتُهُ مِنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ .قال ابوعيسىٰ وأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ قُرَيْشِ بْنِ أَنَسٍ، بِهَذَا الحَدِيثِ قَالَ مُحَمَّدٌ :قَالَ عَلِيٌّ : وَسَمَاعُ الحَسَنِ مِنْ سَمُرَةَ صَحِيحٌ، وَاحْتَجَّ بِهَذَا الحَدِيثِ

حضرت حبیب بن شہید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن سیرین نے کہا: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھو کہ انہوں نے عقیقہ والی حدیث کس سے سنی ہے؟ (حبیب بن شہید کہتے ہیں) میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ حدیث میں نے حضرت سمرہ سے سنی ہے۔

امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن عبداللہ اور قریش بن انس کے واسطہ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری حضرت علی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سمرہ سے حضرت حسن کی حدیث "صحیح" ہے۔ اور اس سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔

تخریج حدیث 181: (مسند احمد بن حنبل، ومن حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج33، ص313، حدیث 20129، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ مسند ابن الجعد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حدیث ابی الاشہب، ج1، ص459، حدیث 3144، مؤسسۃ نادر، بیروت ☆ مسند البزار، مسند سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج10، ص411، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

تخریج حدیث 182: (مسند ابی داؤد طیالسی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، احادیث علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج1، ص137، حدیث 159، دار ہجر، مصر ☆ مسند البزار، مورق العجلی عن ابی الاحوص عن عبداللہ، ج5، ص428، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

شرح حدیث

نمازِ وسطیٰ کے بارے میں اقوال اور وسطیٰ کہنے کی وجہ

علامہ عبدالرحمٰن بن علی الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ وسطیٰ کے بارے پانچ اقوال ہیں:

(1) پہلا قول یہ کہ نمازِ وسطی عصر کی نماز ہے۔ اور اس کی صراحت اس حدیث کے الفاظ میں ہے، اور اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سمرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، اور یہ تمام راوی اسی کے قائل ہیں، اور حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ان ہی کے ساتھ ہیں، تابعین میں سے بہت بڑی تعداد سے بھی یہی مروی ہے، ان میں حضرت حسن بصری، سعید بن مسیّب، ابن جبیر، عطاء اور طاؤس ہیں۔ فقہاء کرام میں سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (2) دوسرا قول یہ ہے کہ صلوۃ وسطی سے مراد نماز فجر ہے۔ حضرت عمر، ابوموسی اشعری، معاذ بن جبل، جابر، امام مالک وشافعی رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے۔ (3) تیسرا قول یہ ہے کہ صلوۃ وسطی سے مراد نماز ظہر ہے، یہ قول حضرت زید بن ثابت اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (4) چوتھا قول یہ ہے کہ صلوۃ وسطی سے مراد نماز مغرب ہے، حضرت عبداللہ بن عباس، قبیصہ بن ذؤیب رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے۔ (5) پانچواں قول یہ ہے کہ صلوۃ وسطی سے مراد نماز عشاء ہے، علامہ علی بن احمد نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس کو ذکر کیا۔

وسطیٰ سے مراد کیا ہے، وسطیٰ کہنے کی وجہ کیا، اس کے بارے تین اقوال ہیں: (1) پہلا قول: مقدار کے اعتبار سے یہ نماز اوسط ہے۔ (2) دوسرا قول: محل کے اعتبار سے درمیانی نماز (3) تیسرا قول: اس سے مراد افضل نماز ہے کہ شے کا اوسط اس کا افضل ہوتا ہے۔

تو جس نے یہ کہا کہ وسطی سے مراد افضل ہے، تو ہر مذہب والے کے لیے جائز ہے کہ وہ جس نماز کو وسطیٰ کہہ رہا ہے اس کے افضل ہونے کا دعوی کرے، اور جس نے کہا وسطی سے مراد نمازوں میں سے مقدار کے اعتبار سے اوسط ہے تو وہ نماز مغرب ہے، کیونکہ فرائض میں سے اقل دو رکعتیں اور اکثر چار ہیں، اور جس نے وسطی محل کے اعتبار سے کہا تو اس کے قائلین کے نزدیک اس سے مراد نماز عصر ہے اور ان کا کہنا ہے کہ عصر سے قبل دن میں دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد رات میں دو نمازیں ہیں تو یہی ہی

وسطیٰ ٹھہری۔ اور جس نے نمازِ فجر کو وسطی کہا اس نے اس لیے کہا کہ نماز فجر رات اور دن کے درمیان ہے کیونکہ دن کی ابتداء عرب کے نزدیک طلوع آفتاب ہے۔ اور جس نے ظہر کو وسطی کہا اس کا کہنا کہ یہ دن کی درمیانی نماز ہے، اور جس نے مغرب کہا اس نے اس بات سے دلیل لی کہ سب سے پہلے نماز ظہر فرض ہوئی لہذا نماز مغرب وسطی ہوئی، جس نے عشا کو وسطی قرار دیا اس کا کہنا کہ نماز عشا ایسی دو نمازوں کے درمیان ہے جن میں قصر نہیں، اور معتمد قول صلوۃ وسطی کے بارے نمازِ عصر کا ہے کہ حدیث صحیح سے یہی ثابت ہے۔ (کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند ابی الحسن علی، ج 1، ص 186، دار الوطن، ریاض)

نماز وسطیٰ کے بارے میں بیس اقوال:

علامہ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (متوفی 806ھ) فرماتے ہیں:

(1) پہلا قول: صحیح بخاری میں ہے: نماز وسطی سے مراد نماز عصر ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ "انہوں (یعنی کفار) نے ہمیں نماز وسطی یعنی نماز عصر سے مشغول رکھا" جس نے کہا: "نماز وسطی نماز عصر ہے" یہ فرمان اس کے لیے واضح دلیل ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہی اکثر صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد والے علماء کا قول ہے، اور امام ماوردی، بغوی، ابن عطیہ اور ان کے علاوہ علماء نے اسی کو جمہور علماء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک معتبر قرار دیا۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، آپ کے صاحبین، امام احمد، امام داؤد، ابن منذر، ابن حبیب مالکیہ میں سے، اور امام ماوردی شافعیہ سے انہوں نے یہی قول اختیار کیا، ابن منذر نے اس قول کو حضرت علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، عبیدہ سلمانی، حسن بصری، ضحاک بن مزاحم رضی اللہ عنہم اجمعین سے حکایت کیا، اور خطابی نے حضرت عائشہ، حفصہ رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا، اور بیہقی نے حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے حکایت کیا اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود، ابراہیم نخعی، قتادہ، کلبی اور مقاتل رضی اللہ عنہم سے اسے بیان کیا۔

(2) دوسرا قول: نماز وسطی فجر کی نماز ہے، ابن منذر نے اسے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عائشہ، عکرمہ، طاؤس، عطاء، مجاہد رضی اللہ عنہم سے بیان کیا، علامہ خطابی نے اسے حضرت ابوموسی اشعری، جابر بن عبداللہ، مکی علما رضی اللہ عنہم سے بیان کیا، امام بیہقی نے اسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، علامہ نووی نے حضرت عمر بن خطاب، معاذ بن جبل، ربیع بن انس رضی اللہ عنہم سے بیان کیا، یہی امام مالک وشافعی رضی اللہ عنہما کا قول ہے، جیسا کہ ان کے جمہور اصحاب نے اسی کو بیان کیا، علامہ ماروری نے کہا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب صلوۃ وسطی کے بارے یہ ہے کہ وہ نماز عصر ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اس معاملہ

میں وارد ہیں، اگرچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ صلوۃ وسطی نماز فجر ہے، (پھر بھی ان کا مذہب نمازِ عصر ہے) کیونکہ احادیث صحیحہ نماز عصر کے حوالے سے ان تک نہیں پہنچیں اور ان کا مذہب اتباع حدیث ہے۔

اور علامہ ابن عبدالبر اور علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہما نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے جو روایت کیا کہ نماز وسطی نماز عصر ہے، پس یہ وہم ہے یا مؤول ہے جیسا کہ علامہ ماوردی سے ماقبل مذکور ہوا۔

اور علامہ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نماز وسطی سے مراد نماز فجر ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت مؤطا امام مالک میں بھی ہے، امام مالک نے فرمایا کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ: صلوۃ وسطی نماز فجر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہی میری رائے ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وجہ صحیح سے مروی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وسطی سے مراد نماز عصر ہے۔ اور فرمایا: حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ نے اپنے والد انہوں نے اپنے دادا، اور انہوں نے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلوۃ وسطی کے بارے فرمایا: وہ نماز فجر ہے، امام مدینی نے کہا: یہ حسین متروک الحدیث ہیں۔ اس کی حدیث اس سند کے ساتھ درست نہیں، اور ایک گروہ نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث کو ضمیرہ والی سند سے بیان کیا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے ضمیرہ کے حوالے ہی سے حدیث پائی جاتی ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ مختلف وجوہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحاح میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: صلوۃ وسطی نماز عصر ہے۔

(3) تیسرا قول: نماز وسطی، ظہر کی نماز ہے، امام ابوداؤد نے اسے اپنی سنن میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، ابن منذر نے کہا ہم نے اسے حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہم سے روایت کیا، امام بیہقی نے اسے حضرت اسامہ بن زید، ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا اور ایک روایت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی ہے۔

(4) چوتھا قول: صلوۃ وسطی نماز مغرب ہے قبیصہ بن ذؤیب نے یہی کہا اور حضرت قتادہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

(5) پانچواں قول: نماز وسطی نماز عشاء ہے۔ ابوطیب سہل بن محمد بن سلیمان نے اس کو بعض علماء سے حکایت کیا، علامہ علی بن احمد نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اسی کو بیان کیا۔

(6) چھٹا قول: صلوۃ وسطی پانچ نمازوں میں سے کوئی ایک پوشیدہ ہے، اللہ عزوجل نے اس کے علم کو اپنے ساتھ خاص

فرمایا، ربیع بن خثیم کا یہی قول ہے، حضرت سعید بن میسب، نافع، شریح رضی اللہ عنہ سے یہی حکایت کیا گیا، ابوالحسن بن مفضل مقدسی اسی طرف مائل ہیں، قاضی ابوبکر بن عربی نے اسی کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا: کیونکہ وہ احادیث جن کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ان کی تصحیح نہیں کی اور حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان احادیث کے معارض ہے، میں کہتا ہوں: امام بخاری اور ان کے علاوہ محدثین نے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔

(7) ساتواں قول: پانچوں نمازیں صلوۃ وسطیٰ ہیں، نقاش نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبل، عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ سے اسے بیان کیا، امام ابوالعباس قرطبی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہوئے فرمایا: کیونکہ پانچ نمازیں دین کا وسط ہیں، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضعیف قرار دیا، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ضعیف ہے یا غلط ، کیونکہ عرب کسی چیز کو تفصیلی ذکر کرنے کے بعد اجمالاً ذکر نہیں کرتے، وہ تو پہلے مجمل ذکر کرتے ہیں پھر اس کی تفصیل کرتے ہیں یا بعض کی تفصیل اس کی فضیلت پر تنبیہ کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے کہا: یہ سب سے ضعیف قول ہے کیونکہ یہ کئی وجوہ سے فصاحت کے طریقہ کے خلاف ہے: (۱) پہلی وجہ: جس کو ماقبل میں علامہ نووی سے ذکر کیا گیا (۲) دوسری وجہ: فصحاء کی عادت نہیں کہ وہ لفظ جمع کا اطلاق کر کے اس پر مفردات میں سے کسی کا عطف کریں اور اس مفرد سے جمع کا ارادہ کریں، یہ انتہائی ضعیف اور اشتباہ میں ڈالنے والی بات ہے (۳) تیسری وجہ: اگر نماز وسطیٰ سے مراد تمام نمازیں ہیں تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ، وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ یعنی نمازوں کی محافظت کرو اور نماز وسطیٰ کی۔ اور ثانی سے مراد اول ہی ہو جائے گا، اور اگر معاملہ اسی طرح ہے تو یہ نہ لفظاً فصیح ہے اور نہ معناً صحیح، کیونکہ لفظ ثانی سے اول کی تاکید بھی حاصل نہیں ہو رہی کیونکہ وہ معطوف علیہ ہے اور اس کا کوئی دوسرا مفید معنی بھی نہیں بن رہا تو یہ فضول ہو جائے گا، اور اللہ عزوجل کے کلام کو ان تین وجوہ میں سے کسی ایک پر محمول کرنا ناجائز ہے۔ اور علامہ ابن عبدالبر اس قول کی طرف مائل ہوئے انہوں نے تمہید میں فرمایا: پانچ نمازوں میں سے ہر ایک نماز وسطیٰ ہے کیونکہ پانچ نمازوں میں سے ہر ایک سے پہلے اور بعد دو دو نمازیں ہیں اور ان تمام کی محافظت واجب ہے۔

(8) آٹھواں قول: نماز وسطیٰ جمعۃ کی نماز ہے، علامہ ماوردی وغیرہ نے اسے بیان کیا، علامہ قاضی عیاض اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہما نے اس قول کو ضعیف قرار دیا، نماز وسطیٰ کی محافظت کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے اعراض کر کے اسے ضائع نہ کیا جائے اور یہ جمعۃ کے مناسب نہیں، کیونکہ لوگ عادۃً بقیہ نمازوں سے زیادہ جمعۃ کی نماز کی محافظت کرتے ہیں کیونکہ وہ ہفتے میں ایک بار آتا ہے بر خلاف دوسری نمازوں کے (میں کہتا ہوں) نماز وسطیٰ کی محافظت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نماز وسطیٰ اپنے علاوہ نمازوں سے افضل ہے اور اس کی شدید تاکید کی گئی، اس کو ضائع کرنے اور اس میں کمی کرنے سے دوسری نمازوں کی بہ نسبت زیادہ ڈرایا گیا اور

یہ بات جمعہ کی نماز میں موجود ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

(9) نواں قول: یوم جمعہ صلوۃ وسطی جمعہ کی نماز ہے اور بقیہ سب ایام میں نماز ظہر، علامہ ابوبکر محمد بن مقسم نے اپنی تفسیر میں حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے اس کو بیان کیا۔

(10) دسواں قول: نماز وسطیٰ دو نمازیں ہیں، نماز عشاء اور نماز فجر، ابن مقسم نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے یہ قول اپنی تفسیر میں بیان کیا۔

(11) گیارہواں قول: نماز وسطیٰ وہ دو نمازیں جن میں سے ایک قرآن سے ثابت ہے وہ نماز فجر ہے اور دوسری وہ جو حدیث سے ثابت ہے وہ نماز عصر ہے، علامہ ابوبکر ابہری مالکی اس قول کی طرف گئے ہیں، جو ماقبل قول بیان ہوا یہ اس سے اخص ہے۔

(12) بارہواں قول: نماز وسطی سے مراد تمام نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا اس کو علامہ ماوردی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا۔

(13) تیرواں قول: نماز وسطی نماز خوف ہے۔ حافظ شرف الدین دمیاطی نے اپنی کتاب " کشف المغطی فی تبیین الصلاۃ الوسطی" میں فرماتے ہیں:: صلوۃ وسطی سے مراد نماز خوف ہے یہ قول ہمیں ایسے اہل علم نے بیان کیا جو اس کا مضبوط علم رکھتے ہیں۔

(14) چودھواں قول: صلوۃ وسطی نماز وتر ہے۔ امام علم الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کی طرف گئے ہیں جیسا کہ علامہ دمیاطی نے اس کو نقل کیا ہے۔

(15) پندرہواں قول: صلوۃ وسطی عیدالاضحیٰ کی نماز ہے۔

(16) سولہواں قول: صلوۃ وسطی عیدالفطر کی نماز ہے، حافظ دمیاطی نے کہا: یہ دونوں قول ہمیں اس نے بیان کیے جس نے بعض طویل شروح میں ان کو پایا۔

(17) ستر واں قول: نماز وسطی چاشت کی نماز ہے۔ علامہ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض اساتذہ سے اسے حکایت کیا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی آٹھ اقوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ان اقوال میں سے دو اقوال صحیح ہیں: نماز عصر اور نماز فجر، اور ان دونوں میں سے احادیثِ صحیحہ کے سبب اصح قول عصر کا ہے۔ اور جس نے نماز فجر کو وسطی کہا تو نماز عصر والی احادیث میں یہ تاویل کرتا ہے کہ یہ اس وسطیٰ کے علاوہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے اور یہ تاویل ضعیف ہے۔ اور جس نے نماز فجر کو

وسطی کہا اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز فجر مشقت والے وقت میں آتی ہے کہ سخت سردی کی ٹھنڈک میں اور گرمیوں میں میٹھی نیند میں، اونگ، اور اعضاء کی کمزوری کی حالت میں اور غفلت کے وقت آتی ہے، لہذا اس پر محافظت کے لیے خاص اس کا ذکر کیا گیا تا کہ ضائع ہونے سے بچایا جاسکے، جبکہ دیگر نمازوں میں ایسا نہیں ہے اور جس نے نماز عصر کو وسطی کہا وہ کہتا ہے کہ وہ ایسے وقت میں آتی ہے کہ لوگ اپنے کاروبار اور کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔

(طرح التثریب فی شرح التقریب، فائدۃ الحکمۃ التسمیۃ العصر بالوسطی، ج2، ص172 تا 175، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی اور علامہ بدرالدین عینی حنفی نے صلوۃِ وسطی کے بارے میں حافظ دمیاطی کے حوالہ سے انیس (19) اقوال نقل کیے ہیں، (18) جن میں سے اٹھارہواں قول یہ ہے کہ فجر اور عصر میں سے علی الترديد ایک مراد ہے (یہ ماقبل موجود گیارہویں قول کے علاوہ ہے کہ اس میں بالجزم دونوں ہی مراد ہیں اور یہاں دونوں میں ایک مراد ہے) (19) اور انیسواں قول یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔

(فتح الباری لابن حجر، باب قولہ حافظوا علی الصلوات الخ، ج8، ص196، 197، دارالمعرفہ، بیروت☆عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الخ، ج18، ص124، 125، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(20) علامہ عینی نے ایک بیسواں قول بھی نقل کیا کہ اس سے مراد صلوۃ اللیل ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الخ، ج18، ص125، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

صلوۃ الوسطیٰ کے بارے میں مذاہب اربعہ

احناف کا مؤقف:

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب کا مؤقف یہ ہے نماز وسطی سے مراد نماز عصر ہے، اس کو حافظ ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الاثار میں، شیخ صدرالدین اخلاطی نے صحیح مسلم کی شرح میں، اور صاحب لُباب نے اس کو "لباب" میں نقل کیا اور نماز عصر کو وسطی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دن اور رات کی دو دو نمازوں کے درمیان ہے۔ (تبیین الحقائق، مواقیت الصلاۃ، ج1، ص80، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

علامہ ابو محمد علی بن اَبی یحیی زکریا بن مسعود الأنصاری الخزرجی المنبجی حنفی (متوفی 686ھ) فرماتے ہیں:

نماز وسطی سے مراد نماز عصر ہے، جامع ترمذی میں ہے: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ)) صلوۃ وسطی نماز عصر ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اسی میں ہے: حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صَلَاۃُ الْوُسْطٰی صَلَاۃُ الْعَصْرِ)) صلوۃ وسطی نماز عصر ہے۔ امام ابو عیسی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کا قول ہے۔

(اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، باب صلاۃ الوسطی صلاۃ العصر، ج 1، ص 201، دار القلم، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

صلوۃ وسطی کو محافظت میں مؤکد کیا گیا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے خاص طور پر اس کا ذکر فرمایا ہے: ﴿وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی﴾ (البقرۃ 238) اور صلوۃ وسطی سے مراد صبح کی نماز ہے اور اس پر دلیل اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ﴾ (البقرۃ 238) ہے کہ اس کو قنوت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا اور قنوت صبح کی نماز میں ہی ہوتی ہے، اس پر ایک دلیل یہ ہے کہ صبح کی نماز ایسے وقت ہوتی ہے کہ لوگ میٹھی نیند میں ہوتے ہیں تو اس پر محافظت کے لیے خاص اس کا ذکر کیا گیا تا کہ لوگ نیند کے سبب اس سے غافل نہ ہوں، اسی سبب سے تثویب خاص فجر کے لیے ہے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب مواقیت الصلاۃ، ج 1، ص 104، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

علماء کا اتفاق کہ نماز وسطی پانچوں نمازوں میں سے سب سے زیادہ مؤکد ہے اور وہ کونسی ہے اس میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نماز وسطی فجر کی نماز ہے۔ آپ نے کتاب الام وغیرہ میں اسی قول کو ذکر کیا ہے۔ صاحب حاوی فرماتے ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ صلوۃ وسطی فجر کی نماز ہے جبکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ صلوۃ وسطی نماز عصر ہے، اور امام شافعی کا مذہب اتباع حدیث ہے تو یہی ان کا مذہب ہوگیا کہ صلوۃ وسطی نماز عصر ہے، اور اس مسئلہ میں دو قول نہیں جیسے کہ صاحب حاوی کے اس کلام سے ہمارے بعض اصحاب نے سمجھا۔

(المجموع شرح المہذب، باب مواقیت الصلاۃ، ج 3، ص 60,61، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

صلوۃ وسطی کے بارے اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ صبح کی نماز ہے یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس سے قبل دو نمازیں رات میں ہیں اور اس کے بعد دو دن میں اور یہ ان کے درمیان منفرد ہے کہ اس وقت میں نمازوں میں سے کوئی اور نماز نہیں، اور اسی طرح یہ وہ نماز ہے جسے کثیر لوگ اپنی نیند کے سبب یا قیام سے عاجز ہونے کے سبب

چھوڑ دیتے ہیں تو اسی سبب سے اس کو ذکر میں مؤکد کیا، ایک قول یہ ہے کہ صلوۃ وسطیٰ نماز عصر ہے یہی اکثر راویوں کا قول ہے۔

(المقدمات الممہدات، فصل فی معرفۃ اشتقاق اسم الصلاۃ، ج1، ص140، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب اور ان کے علاوہ اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے کہ نماز عصر ہی صلوۃ وسطیٰ ہے، ان میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو ایوب، حضرت ابو سعید، عبیدہ سلیمانی، حسن، ضحاک، امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔۔۔۔

ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا: ((شَغَلُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللَّهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا)) اللہ عزوجل ان کفار کے گھروں اور ان کی قبور کو آگ سے بھر دے جنہوں نے ہمیں صلوۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر سے مشغول رکھا۔ (بخاری ومسلم) اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ.)) صلوۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔ اسی کی مثل حضرت سمرہ سے مروی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ان دونوں روایات میں سے ہر ایک کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ نمازِ عصر کے صلوۃ وسطیٰ ہونے میں نص ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ)) جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کا مال اور اس کے اہل ہلاک ہوگئے۔ (بخاری ومسلم) اور فرمایا: ((مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ)) جس کی نماز عصر فوت ہوگئی اس کا عمل ضائع ہوگیا۔ (صحیح بخاری وسنن ابن ماجہ) اور فرمایا: ((إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ عُرِضَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتَّى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ يَعْنِي النَّجْمَ)) بیشک یہ نماز تم سے پہلے والوں کو دی گئی انہوں نے اس کو ضائع کر دیا تو جو اس کی محافظت کرے اسے دوگنا اجر ملے گا، اس کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک شاہد یعنی ستارہ نکل آئے۔ (صحیح بخاری)۔

جو دلائل نمازِ فجر کے بارے میں ذکر کیے گئے ان میں اکثر میں نماز عصر شریک ہے۔

اور جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ (اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو جاؤ) (البقرۃ 238) قنوت میں ایک قول یہ ہے کہ مراد اطاعت ہے۔ یعنی اللہ عزوجل کے لیے کھڑے ہو جاؤ اطاعت کرتے ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ قنوت سے مراد سکوت ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نماز میں کلام کیا کرتے

یہاں تک یہ آیت کریمہ ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ (اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو جاؤ) (البقرۃ 238) نازل ہوئی، تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور ہمیں نماز میں کلام سے روک دیا گیا۔

بہر حال جو ہم نے احادیث بیان کی ہیں وہ صریح نص ہیں تو پھر کیسے اس طرح کے وہم کے سبب یا معارضہ کے سبب اس کو ترک کیا جائے گا؟ (المغنی لابن قدامہ ملخصا، فصل الصلاۃ الوسطی، ج 1، ص 274 تا 276، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر132

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الْفَجْرِ

نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے

183.حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ:حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ:أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ وَهُوَ ابْنُ زَاذَانَ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ :أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَالِيَةِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:سَمِعْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَكَانَ مِنْ أَحَبِّهِمْ إِلَيَّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَابْنِ عُمَرَ، وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، و سلمة ابن الاكوع وزيد ابن ثابت وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَمُعَاذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، وَالصُّنَابِحِيِّ، وَلَمْ يَسْمَعْ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَعَائِشَةَ، وَكَعْبِ بْنِ مُرَّةَ، وَأَبِي أُمَامَةَ، وَعَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ، وَيَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، وَمُعَاوِيَةَ،قال ابوعيسىٰ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور وہ میرے نزدیک محبوب ترین ہیں، سے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج کے غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

اس باب میں حضرت علی ،حضرت عبد اللہ ابن مسعود،حضرت ابوسعید،حضرت عقبہ بن عامر،حضرت ابوہریرہ،حضرت عبد اللہ ابن عمر،حضرت سمرہ بن جندب ، حضرت سلمہ بن اکوع،حضرت زید بن ثابت،حضرت عبداللہ بن عمرو،حضرت معاذ بن عفراء،حضرت صنابحی،آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع نہیں کیا ،حضرت عائشہ، حضرت کعب بن مُرہ،حضرت ابواُمامہ،حضرت عمرو بن عبسہ، حضرت یعلی بن اُمیہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مذکور ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی وہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ أَنَّهُمْ :كَرِهُوا الصَّلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَأَمَّا الصَّلَوَاتُ الْفَوَائِتُ فَلَا بَأْسَ أَنْ تُقْضَى بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ .قَالَ عَلِيُّ ابْنُ الْمَدِينِيِّ :قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ :قَالَ شُعْبَةُ: لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ مِنْ أَبِي الْعَالِيَةِ إِلَّا ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ :حَدِيثَ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ "، وَحَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى، وَ حَدِيثَ عَلِيٍّ:الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور اُن کے بعد میں آنے والے تابعین میں سے اکثر فقہاء کا یہی قول ہے کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ عصر یا فجر کی نماز کے بعد قضا نمازیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت علی بن مدینی حضرت یحییٰ بن سعید کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعبہ نے کہا: قتادہ نے ابوالعالیہ سے صرف تین روایات سنی ہیں: (1) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (2) اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کے لئے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔ (3) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ قاضی تین ہیں۔

تخریج حدیث 183: (صحیح بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، باب الصلاۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ج1، ص120، حدیث 584، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ، ج1، ص566، حدیث 826، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب من رخص فیہما اذا کانت الشمس مرتفعۃ، ج2، ص24، حدیث 1276، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، النہی عن الصلاۃ بعد الصبح، ج1، ص276، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب النہی عن الصلاۃ بعد الفجر، ج1، ص396، حدیث 1250، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نماز نہیں)) یعنی نفل اور جو نفل کے معنی میں ہو جیسے طواف کی نماز، ان میں سے ہر ایک مکروہ ہے ((صبح کے بعد)) یعنی صبح کی نماز کے بعد یا فجر کے طلوع ہونے کے بعد ((یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے)) اور طلوع آفتاب کے وقت (اس کے بلند ہونے تک) مطلقاً ہر نماز حرام ہے۔ ((اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک سورج غروب ہو جائے)) اور غروب آفتاب کے وقت (سے غروب ہونے تک) ہر نماز حرام ہے سوائے اس دن کی عصر کی نماز کے۔ (شرح مسند ابی حنیفہ، عدم جواز النفل بعد طلوع الصبح، ج1، ص249، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فجر اور عصر کے بعد نوافل اور قضا نمازیں پڑھنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

شوافع کا موقف:

علامہ احمد بن محمد بن احمد بن قاسم ضبی شافعی (متوفی 415ھ) فرماتے ہیں:

پانچ اوقات کے علاوہ تمام اوقات میں نفل نماز پڑھنا مستحب ہے: (۱) طلوع صبح کے بعد یہاں تک سورج طلوع ہو جائے، (۲) سورج کی طلوع کے وقت، (۳) نماز عصر کے بعد حتی کہ سورج غروب ہو جائے، (۴) سورج کے غروب کے وقت، (۵) جب زوال کا وقت ہو مگر ان اوقات میں تین حالتوں میں نوافل پڑھنا جائز ہیں: (۱) ایسے نوافل جن کے لیے کوئی سبب ہو (۲) مکہ میں اور (۳) جمعہ کے دن۔ (اللباب فی الفقہ الشافعی، کتاب الصلاۃ، ج1، ص157,158، دار البخاری، مدینہ منورہ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ اوقات میں نماز کی ممانعت ثابت ہے: ان میں سے دو وقت تو ایسے ہیں جن میں نماز سے ممانعت نماز کی ادائیگی کے سبب سے ہے، نہ کہ وقت کے سبب۔ اور تین اوقات ایسے ہیں جن میں نماز سے ممانعت وقت کے سبب ہے نہ کہ نماز کی ادائیگی کے سبب۔ بہر حال وہ دو وقت جن میں نماز سے ممانعت وقت کے سبب نہیں، نماز کی ادائیگی کے سبب ہے وہ نماز عصر اور فجر کی ادائیگی کے بعد کا وقت ہے، اور نماز عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد جب تک نماز عصر ادا نہیں کی نفل پڑھنا جائز ہے اور نماز عصر کی ادائیگی کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت ہے۔

ان دو وقتوں میں نماز کی ممانعت پر یہ روایت دلیل ہے جس کو امام شافعی نے سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ)) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے نماز عصر کی ادائیگی کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک سورج غروب ہو جائے۔

امام زہری نے عطاء بن یزید جندعی سے انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشمس ولا صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشَّمْسُ)) نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک سورج غروب ہو جائے اور صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ ان دو وقتوں میں نماز سے ممانعت فعل نماز کے سبب ہے نہ کہ وقت کے سبب۔ دو شخصوں میں سے ایک نے نماز عصر ادا کر لی اور دوسرے نے نہیں کی تو جس نے نماز نہیں پڑھی اس کے لیے نوافل پڑھنا جائز ہے اور جس نے نماز پڑھ لی اس کے لیے نوافل پڑھنا ناجائز ہے۔ معلوم ہوا ممانعت فعل کے سبب نہ کہ وقت کے سبب، کیونکہ جس نے نماز عصر کی ادائیگی نہیں کی اس کے لیے وقت موجود ہے لہذا اس کے لیے نوافل سے ممانعت بھی نہیں۔ اور تین اوقات ایسے ہیں جن میں نماز سے ممانعت وقت کے سبب ہے۔ جب سورج طلوع ہو جائے یہاں تک وہ بلند ہو جائے اور اس کی روشنی پھیل جائے، سورج زوال کے سبب برابر ہو جائے یہاں تک زائل ہو جائے، اور جب وہ زرد ہو جائے غروب تک یہاں تک غروب ہو جائے۔

(الحاوی الکبیر، باب الاوقات التی یکرہ فیہا الصلاۃ، ج2، ص271,272، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

حدیث پاک میں موجود ممانعت بعض بلاد میں ہے بعض میں نہیں، بعض ایام میں ہے بعض میں نہیں، بعض نمازوں میں ہے بعض میں نہیں۔ بہرحال بعض شہروں کی تخصیص تو مکہ مکرمہ تمام بلاد میں سے خاص ہے کہ اس میں تمام اوقات منہیہ میں نماز پڑھنا جائز ہے...... اور بعض دنوں کی تخصیص تو جمعہ کے دن، نصف النہار کے وقت خاص ہے کہ اس میں نوافل پڑھنا جائز ہے نہ کہ بقیہ چار اوقات جن میں نماز سے ممانعت ہے۔ بعض نمازوں کی تخصیص تو ان تمام اوقات میں صرف ان نوافل کی ممانعت ہے جن کو بغیر سبب کے شروع کیا ہو لہذا ان تمام اوقات میں وہ نمازیں جائز ہیں جن کا کوئی سبب ہو چاہے وہ فرض ہوں یا مسنون جیسے قضا نماز، وتر، فجر کی دو رکعتیں، تحیۃ المسجد، نماز جمعہ، عیدین اور نماز استسقاء۔

(الحاوی الکبیر ملتقطا، باب الاوقات التی یکرہ فیہا الصلاۃ، ج2، ص273,274، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مطلق نوافل کے لیے تمام زمانہ وقت ہے سوائے پانچ اوقات کے: (۱) نماز فجر کے بعد سے لے کر سورج طلوع ہونے تک (۲) سورج طلوع ہونے کے بعد سے لے کر ایک نیزے کی مقدار بلند ہو جانے تک (۳) سورج کے قیام کے وقت حتی کہ ڈھل جائے (۴) عصر کی نماز کے بعد سے سورج کے کمزور ہونے (زرد پڑنے تک) تک (۵) اور سورج کے زرد پڑنے سے غروب ہونے تک۔

ان اوقات میں ایسے نوافل پڑھنا جائز نہیں جن کا کوئی سبب نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لا صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس، ولا صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس)) نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک سورج غروب ہو جائے اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک سورج طلوع ہو جائے، متفق علیہ (بخاری و مسلم) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((ثلاث ساعات كان رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تزول وحين تضيف الشمس للغروب)) تین اوقات ایسے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں ہمیں نماز ادا کرنے اور مردوں کو دفنانے سے منع فرمایا ہے، سورج کے طلوع ہونے کے وقت سے لے کر اس کے بلند ہونے تک، اور جب سورج قائم ہو جائے یہاں تک ڈھل جائے، اور جب سورج غروب کی طرف مائل ہو۔ (صحیح مسلم)

اور نمازِ عصر کے بعد نوافل کی ممانعت فعل سے متعلق ہے تو اگر کسی نے نماز عصر ادا نہیں کی اگر چہ کوئی اور نماز پڑھ لی ہو تو اس کے لیے نوافل پڑھنا جائز ہے، کیونکہ لفظ عصر اپنے اطلاق کے ساتھ نماز کی طرف پھیرا جائے گا، امام احمد سے مروی ہے کہ فجر کے بعد بھی یہی حکم ہے، کیونکہ یہ ان دو نمازوں میں سے ایک ہے جن کے ساتھ بالفعل ممانعت متعلق ہے جیسا کہ نمازِ عصر، اور مذہب مشہور یہ ہے کہ ممانعت وقت سے متعلق ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ليبلغ الشاهد الغائب أن لا تصلوا بعد الفجر إلا سجدتين)) حاضر غائب تک یہ بات پہنچا دے کہ فجر کے بعد نماز نہ پڑھو مگر دو رکعتیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا، اور یہ حکم مکہ اور یوم جمعہ وغیرہما میں برابر ہے ممانعت کا حکم عام ہونے کی وجہ سے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب اشتراط دخول الوقت لصحۃ الوقت، ج 1، ص 238,239، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

جن اوقات میں نماز مکروہ ہے اس سے مراد ہمارے نزدیک نوافل ہیں نہ کہ فرائض، فرض نماز سے جو سو گیا یا جو بھول گیا

تو اس کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے، اور مسنون نمازیں اور تمام نوافل سورج کے طلوع اور اس کے غروب کے وقت نہیں پڑھ سکتا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استوا (نصف النہار) کے وقت نوافل وغیرہ پڑھنا جائز ہے چاہے جمعہ کا دن ہو یا اس کے علاوہ، صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کوئی نفل نماز نہیں پڑھ سکتا۔

اور رات میں کوئی وقت ایسا نہیں جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہو، طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی نفل جائز نہیں، جو نماز عصر کی ادائیگی کے بعد یا نماز فجر کی ادائیگی کے بعد مسجد میں داخل ہوا تو غروب آفتاب سے پہلے اور طلوع آفتاب سے پہلے وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا نہیں کرے گا۔

اور اگر کوئی مسجد ایسے وقت آیا کہ نماز عصر یا فجر کی جماعت ہو چکی تو اس کے لیے اگر وقت میں وسعت ہو تو فرض نماز سے پہلے نماز نفل پڑھ سکتا ہے اور اگر اس نے داخل ہو کر فرض نماز ادا کر لی تو اس کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکتا، اور جو شخص مسجد میں آئے اس حال میں کہ وہ اپنے گھر میں فجر کی دو رکعت سنتیں ادا کر چکا ہو تو اگر وہ چاہے تو دو رکعتیں تحیۃ المسجد ادا کر لے، اور اگر چاہے تو بیٹھ جائے یہ دونوں کام اس لیے جائز ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ تحیۃ المسجد ادا نہیں کرے گا اور یہ دونوں قول امام مالک سے صحت کے ساتھ ثابت ہیں پہلا اولی اور زیادہ محفوظ ہے ان شاء اللہ۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب الاوقات التی تکرہ فیہا عندنا، ج1، ص195,196، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

احناف کا موقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

وہ اوقات جن میں نوافل مکروہ ہیں اس معنی کی وجہ سے جو وقت کے علاوہ میں ہے، وہ درج ذیل ہیں: (۱) طلوع فجر سے نماز فجر تک، (۲) نمازِ فجر کے بعد سے طلوع شمس تک، (۳) نماز عصر کے بعد سے غروب شمس (یعنی سورج کے زرد ہونے) تک۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان اوقات میں فرائض و واجبات کی قضا کرنا بغیر کراہت جائز ہے، اور اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ ان اوقات میں جو نوافل شروع کیے ان کی ادائیگی مکروہ ہے۔

وہ نوافل جن کا کوئی سبب ہو مثلا طواف کی دو رکعتیں، تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ان اوقاتِ مکروہ میں ہمارے نزدیک مکروہ ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ شوافع کے دلائل درج ذیل ہیں:

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُحَيِّهِ بِرَكْعَتَيْنِ)) ترجمہ: تم میں سے جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھے۔ یہ فرمان مطلق ہے اس میں یہ تفصیل نہیں کہ فلاں وقت میں پڑھے اور فلاں وقت

میں نہ پڑھے۔

اور سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بَعْدَ الْعَصْرِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد نماز ادا فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے صبح کی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے حدث کی آواز سنی، تو نماز کے بعد فرمایا جسے حدث لاحق ہوا اسے لازم ہے کہ وضو کرے اور نماز کا اعادہ کرے، جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو حضرت جَرِیر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپ کی کیا رائے ہے کہ ہم سب وضو کریں اور سب نماز کا اعادہ کریں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی تحسین کی اور ان سے فرمایا: اے جریر! تو زمانہ جاہلیت میں سردار تھا اور اسلام میں فقیہ ہے، سب اٹھو اور نماز کا اعادہ کرو۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جسے حدث نہیں ہوا اس کی یہ نفل نماز تھی، یہ اس پر دلیل ہے کہ ان اوقات میں فرائض کی طرح نوافل بھی مکروہ نہیں۔

احناف کے دلائل درج ذیل ہیں:

حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰی تُشْرِقَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ)) ترجمہ: نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

یہ حکم عام ہے مگر جو دلیل سے خاص ہو جائے۔ اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے طلوع فجر کے بعد طواف کیا اور طواف کی نماز ادا نہیں کی یہاں تک ذی طوی کی طرف نکل گئے اور وہاں سورج طلوع (بلند) ہونے کے بعد ادا کی۔ اور فرمایا: یہ دو رکعتیں طواف کے بعد والی دو رکعتوں کی جگہ ہیں۔

اگر طواف کی دو رکعت اُس وقت میں جائز ہوتیں تو آپ انہیں مؤخر نہ فرماتے کیونکہ مکہ مکرمہ میں نماز ادا کرنا افضل ہے بالخصوص طواف کی دو رکعتیں۔

شوافع کے دلائل کا جواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث پاک میں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز عصر کے بعد نماز ادا کرنے کا ذکر ہے

یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاصہ ہے اس پر دلیل وہ روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد نماز پڑھی، تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((إِنَّهُ فَعَلَ مَا أُمِرَ وَنَحْنُ نَفْعَلُ مَا أُمِرْنَا)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کیا جس کا انہیں حکم تھا اور ہم وہی کریں گے جس کا ہمیں حکم ہوا۔ اس بات سے آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اور خصوص والی جگہ میں شرکت نہیں، کیا تم نے وہ روایت نہ دیکھی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کیں تو میں نے اس بارے عرض کی: فرمایا: مجھے ایک وفد نے نماز ظہر کی سنتوں سے مشغول رکھا تو میں نے ان کو ادا کیا ہے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ہم بھی اسی طرح کریں؟ فرمایا: نہیں۔ اس میں خصوصیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سنت مؤکدہ فرض تھیں۔

اور ہمارا وہی مذہب جو حضرت عمر، حضرت عبد اللہ ابن عمر، حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کا ہے، اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ غریب ہے اس کو قبول نہیں کیا جائے گا، مزید یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محدث کو فرض کے ذمہ سے نکالنے کے لیے یہ فعل کیا، اس طرح کے معاملہ میں اس طرح کی تدبیر کرنے میں حرج نہیں۔۔۔۔۔۔

اسی طرح اس واجب کو ادا کرنا جو بندہ کے فعل کے سبب واجب ہو ان اوقات میں مکروہ ہے جیسے نذر اور ان نوافل کی قضا جس کو اس نے فاسد کر دیا ہو ان اوقات میں ظاہر الروایہ کے مطابق مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ یہ واجب ہیں یہ ایسے ہی ہو گئے جیسا کہ سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ کہ جس کی نذر مانی گئی وہ بعینہ واجب نہیں بلکہ وہ فی نفسہ نفل ہے اسی طرح شروع کرنے سے نماز بعینہ واجب نہیں ہوتی، واجب تو صرف شروع کی گئی عبادت کو بطلان سے بچانا ہے پس نماز تو فی نفسہ نفل ہی رہی لہذا ان اوقات میں وہ مکروہ ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان ما یکرہ من التطوع، ج1، ص296,297، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صنابحی نامی راوی:

امام ترمذی ابوعیسیٰ ابواب الطہارۃ کے باب "فضل الطہور" میں فرماتے ہیں:

اور صنابحی جنہوں نے فضل الطہور میں روایت کی ہے وہ عبد اللہ صنابحی ہیں۔ اور وہ صنابحی جنہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے ان کا سماع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اور ان کا نام عبد الرحمٰن بن عسیلہ ہے اور ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سفر کیا تھا، راستہ میں تھے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال

ہوگیا،انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔اورصنابح بن اعسر احمسی جو کہ صحابی ہیں ان کو بھی صنابحی کہا جاتا ہے،ان سے روایت کردہ حدیث یہ ہے،فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا لہذا میرے بعد قتل وغارت نہ کرنا۔

(جامع الترمذی،ابواب الطہارۃ،باب ماجاء فی فضل الطھور،ج1،ص6،مطبعہ مصطفیٰ البابی،مصر)

امام ترمذی کے کلام سے معلوم ہوا کہ صنابحی نامی تین روای ہیں:

(1) عبداللہ صنابحی، جامع ترمذی میں ابواب الطہارۃ کے باب "فضل الطھور" میں ان کی روایت ہے۔

(2) عبدالرحمٰن بن عسلیہ، یہ تابعی ہیں،ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے،انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے سفر کیا تھا،مگر راستہ میں ہی تھے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا،لہذا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث نہیں سنیں،انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احادیث سنیں ہیں۔

(3) صنابح بن اعسر صحابی،ان کو بھی صنابحی کہا جاتا ہے،،ان سے یہ روایت ہے:((انی مکاثر بکم الامم فلا تقتتلن بعدی)) ترجمہ: میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا لہذا میرے بعد قتل وغارت نہ کرنا۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں:

عطاء بن یسار نے **ابوعبداللہ صنابحی** سے روایت کیا،فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:((إِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ يَطْلُعُ مَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا كَانَتْ فِي وَسَطِ السَّمَاءِ قَارَنَهَا فَإِذَا دَلَكَتْ أَوْ قَالَ زَالَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوبِ قَارَنَهَا فَإِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا فَلَا تُصَلُّوا هَذِهِ الثَّلَاثَ سَاعَاتٍ)) ترجمہ: آفتاب شیطان کے دوسینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے یا یہ فرمایا: آفتاب شیطان کے سینگ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے تو جب آفتاب بلند ہوتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے،جب وسط میں آتا ہے پھر اس کے ساتھ مل جاتا ہے پھر جب آفتاب ڈھل جاتا ہے تو اس سے جدا ہو جاتا ہے اور جب غروب کے قریب ہوتا ہے تو اس سے مل جاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو وہ اس سے جدا ہو جاتا ہے لہذا ان تین اوقات میں نماز نہ پڑھو۔

ابن ابی مریم نے ابوغسان،زید بن اسلم اور عطا بن یسار کے واسطہ سے **ابوعبداللہ صنابحی** سے روایت کیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وضو اور اس کی فضیلت کے بارے میں روایت بیان کی۔ایسے ہی لیث بن سعد نے خالد بن یزید ،سعید بن ابی ہلال،زید بن اسلم عطا بن یسار کے واسطہ سے **ابوعبداللہ صنابحی** سے تین اوقات میں ممانعت والی روایت بیان کی ہے۔

محدثین کے نزدیک درست اس کا قول ہے جس نے اس میں ابوعبداللہ کہا ہے اور وہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہیں جو کہ تابعی ہیں ثقہ ہیں، مگر صحابی نہیں، اور زہیر بن محمد نے یہی حدیث زید بن اسلم اور عطا بن یسار کے واسطہ سے عبداللہ صنابحی سے بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، پھر مذکورہ روایت بیان کی۔ یہ اہل علم کے نزدیک خطا ہے اور صنابحی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کی اور زہیر بن محمد سے حجت نہیں پکڑ سکتے جبکہ اس کے غیر نے اس کے خلاف کہا ہو، اور اس روایت میں بھی اس نے تبدیلی کی ہے کہ صنابحی کی کنیت کو ان کا اسم بنا دیا ہے، اسی طرح ہر اس راوی نے خطا کی ہے جس نے اس روایت میں عبداللہ کہا ہے کیونکہ وہ ابوعبداللہ ہیں۔

اور اس میں صلت بن بہرام نے حرث بن وہب کے واسطہ سے ابوعبدالرحمٰن صنابحی سے روایت کی ہے، یہ بھی تصحیف ہے، نام کو کنیت بنا دیا ہے، یہ سب خطا اور تصحیف ہے اور درست وہ ہے جو اس میں امام مالک نے مطرف اور اسحاق بن عیسیٰ الطباع کی روایت میں کہا ہے، اور جس نے اس کو روایت کیا جیسا کہ ان دونوں نے امام مالک سے روایت کیا کہ وہ عبداللہ صنابحی ہے (درحقیقت) ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور ان کا نام عبدالرحمٰن ہے، واللہ المستعان۔

یحیی ابن معین سے مروی ہے، انہوں نے عبداللہ صنابحی کہا ہے، مدنیوں نے ان سے اس طرح روایت کیا ہے کہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ ان کے لیے صحبت ہے، اس سے زیادہ صحیح یحیی ابن معین سے یہ مروی ہے کہ ان سے صنابحی کی احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ یہ احادیث مرسل ہیں کیونکہ صنابحی کے لیے صحبت نہیں۔

ابوعمر نے کہا: یحیی بن معین نے درست کہا کہ کوئی ایک صحابی ایسے نہیں جن کو عبداللہ صنابحی کہا گیا ہو، اور صحابہ میں تو وہ صنابح احمسی جو صنابح بن اعسر کوفی ہیں، ان سے قیس بن ابوحازم نے احادیث روایت کی ہیں ان میں سے حوض کی حدیث بھی ہے، اور نہ ہی تابعین میں سے کوئی ایسا ہے جیسے عبداللہ صنابحی کہا گیا ہو، یہ زیادہ صحیح ہے اس قول سے کہ جس نے کہا کہ یہ ابوعبداللہ ہیں کیونکہ ابوعبداللہ صنابحی مشہور کبیر تابعین میں سے ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہے، وہ جلیل القدر ہیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی کثرت سے تعریف کرتے۔

ہمیں عبدالوارث بن سفیان نے قاسم بن اصبغ، احمد بن زہیر، ہارون بن معروف، ضمرہ، جابر بن ابی سلمہ (اور علاء بن ہارون)، ابن عون رجاء بن حیوۃ کے واسطہ سے محمود بن ربیع سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے آئے تو ابوعبداللہ صنابحی آئے تو جب حضرت عبادہ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: اگر مجھے شفاعت کا اذن دیا گیا تو میں ضرور تمہاری شفاعت کروں گا، اگر مجھے قدرت ہو تو تمہیں ضرور نفع پہنچاؤں، اور اگر مجھ سے سوال کیا گیا تو میں ضرور تمہارے حق میں گواہی دوں گا پھر فرمایا: جسے یہ پسند ہو کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے کہ جسے گویا ساتوں آسمانوں سے اوپر اٹھایا

گیا ہو پھر لوٹا دیا گیا ہو پس وہ جو اس نے دیکھا اس کے مطابق عمل کر رہا ہے تو وہ ابو عبداللہ صنابحی کو دیکھ لے۔

احمد بن زہیر نے قتیبہ ،لیث ،محمد بن عجلان ،محمد بن یحی بن حبان ،ابن محیریز کے واسطہ سے صنابحی سے روایت کیا ،وہ فرماتے ہیں: میں عبادہ بن صامت کے پاس گیا اس حال میں کہ وہ مرض الموت میں تھے تو میں رو پڑا تو انہوں نے فرمایا: مت روؤ، اللہ عزوجل کی قسم اگر مجھ سے گواہی طلب کی گئی تو میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا اور اسی کی مثل ذکر کیا، ضمرہ کی روایت مکمل ہے۔

ابن وہب نے عمرو بن حارث ، یزید بن ابو حبیب ، ابو الخیر کے واسطہ سے صنابحی سے روایت کیا ہے، صنابحی سے پوچھا گیا کہ آپ نے کب ہجرت کی ہے تو انہوں نے جواب دیا: ہم ہجرت کرتے ہوئے یمن سے نکلے، جحفہ پہنچے تو ایک سوار آیا، میں نے کہا کیا کوئی خبر ہے، تو اس نے کہا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعرات کے دن لحد میں اتارا۔

ابن اسحاق نے یزید بن ابو حبیب ، مرثد بن عبداللہ کے واسطہ سے عبدالرحمٰن بن عسیلہ سے روایت کیا ہے، عبدالرحمٰن بن عُسَیلہ نے کہا کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے درمیان پانچ راتوں کا فرق ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات ظاہری پائی اور میں جحفہ میں تھا، میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو کثیر صحابہ کرام موجود تھے، میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شب قدر کے متعلق سوال کیا، انہوں نے فرمایا: رمضان کی تیئسویں رات۔

ابو عمر نے کہا: صنابحی جس دن مدینہ آئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز مغرب ادا کی اور ان سے قراءت سنی کہ انہوں آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا ﴾ کی تلاوت کی۔ اور یہ عبداللہ صنابحی اہل شام کے چند تابعین میں سے ایک ہیں، اسی حال میں وفات ہوئی، ان کی احادیث موطا میں ہیں مشہور ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرق سے اہل شام نے روایت کی ہیں۔ (التمہید ، الحدیث الثامن ، ج4، ص2 تا 6، وزارۃ عموم الاوقات والشئون الاسلامیہ)

علامہ مغلطائی حنفی فرماتے ہیں:

ابو عمر نے کہا: میرا یہ گمان ہے کہ یہ اضطراب زید بن اسلم کی جانب سے ہی آیا ہے، اور درست اس کا قول ہے کہ جس نے یوں کہا: اس میں ابو عبداللہ ہیں اور وہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ تابعی ثقہ ہیں، صحابی نہیں ہیں۔ اور زہیر بن محمد نے زید سے انہوں نے عطاء سے وہ عبداللہ الصنابحی سے روایت کرتے ہیں فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اور پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذکر کیا: (("إنّ الشّمس تطلع ومعها قرن الشيطان۔۔۔الخ)) ترجمہ: سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے۔۔۔الخ اور یہ اہل علم کے نزدیک خطا ہے۔ اور صنابحی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی، اور زہیر بن محمد سے استدلال نہیں کیا جا سکتا جبکہ تمیزہ ان کے مخالف آ جائے۔

اور ابن معین سے مروی ہے کہ ان سے عبداللہ صنابحی کے بارے سوال ہوا جن سے اہل مدینہ روایت کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ان کے صحابی ہونے میں اشتباہ ہے۔ اور ابن معین سے اس سے زیادہ صحیح روایت مروی ہے کہ ان سے عبداللہ الصنابحی کی ان احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں تو انہوں نے اپنے سائل سے فرمایا: وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہیں ہیں۔ اور امام ترمذی نے اسی کی مثل کتاب "العلل الکبیر" میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا۔ بہر حال ابو عمر کا قول کہ "زہیر بن محمد سے استدلال نہیں کیا جاسکتا" تو یہ کچھ نہیں کیونکہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جن کی حدیث کو شیخین نے اپنی صحیحین میں ذکر فرمایا تو جس کا یہ حال ہو اس کے بارے میں مذکورہ بات نہیں کہی جا سکتی خاص طور پر جب ان کی حالت کی تصریح نہ ہو.........

ابو عمرو کہتے ہیں: ابن معین نے سچ کہا کہ صحابہ کرام میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جسے عبداللہ صنابحی کہا گیا ہو ان میں صنابحی بن اعسر احمسی کوفی تھے جن سے قیس بن ابوحازم نے احادیث روایت کی ہیں۔ اس باب میں ایک اور بھی ہیں کہ جنہیں عبداللہ الصنابحی کہا جاتا ہے جو تابعین میں مشہور ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہے اور وہ تو جلیل القدر تابعی ہیں ان کے بارے میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: جسے یہ بات خوش کرے کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے کہ گویا وہ آسمانوں پر بلند ہوا پھر وہ واپس آیا تو وہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے کہ جو اس نے آسمانوں میں دیکھا تو ایسے شخص کو چاہیے کہ عبداللہ الصنابحی کی طرف نظر کرلے۔ ابن اسحاق نے یزید بن ابوحبیب سے روایت کیا وہ مرثد بن عبداللہ یزنی سے وہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے درمیان صرف پانچ راتیں تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصالِ ظاہری ہوا جبکہ میں مقامِ جحفہ میں تھا۔ اسی طرح گمان کیا گیا کہ حضرت ابن عمر سے روایت کرنے والے مرثد ہیں وہ جو کہ عطا سے روایت کرتے ہیں اور ابوحاتم اس بات کے مخالفت کرتے ہیں۔

ان کے بیٹے نے "کتاب المراسیل" میں ذکر کیا کہ میں نے اپنی والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "صنابحی" نام کے تین افراد ہیں: ایک عبداللہ صنابحی وہ جن سے عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں۔ اور وہ جن سے ابوالخیر روایت کرتے ہیں وہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ صنابحی ہیں، جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور صنابحی بن اعسر کا صحابی ہونا ثابت ہے۔ اور اس مقام پر بھی اس کا وہم ہے کہ جس نے یہ دعوی کیا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ان کا نام عبداللہ بیان کرنے میں وہم ہوا ہے حالانکہ اس بارے میں یہ منقول ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس بات سے رجوع نہیں فرمایا بلکہ اس پر اصرار فرمایا اور اس بات کا گمان کیا گیا ہے کہ انہیں یہی نام یاد تھا پھر انہوں نے اسے ہی اپنے لکھے ہوئے میں پایا۔ تو اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ انہوں نے اس کی طرف رجوع نہیں فرمایا جو انہیں کہا گیا شاید کہ وہ نادرست ہو کیونکہ اگر وہ (جو انہیں کہا

گیا) درست ہوتا تو وہ لوگوں کے مقابلہ میں رجوع کی طرف جلدی کرنے والے ہوتے۔

(شرح ابن ماجہ لمغلطائی، باب ثواب الطہور، ج1، ص42،43، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب)

علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں:

((عبداللہ صُنابحی)) یہ صنابح کی طرف نسبت ہے جو مراد کا علاقہ ہے۔ مؤطا کے اکثر راویوں کے ہاں ان کا نام اسی طرح بغیر اداۃِ کنیت کے ہے اور ان کے بارے میں اختلاف ہے، ابن سکن کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ان کے صحبت ہے، مدنی ہیں، ان سے عطا بن یسار نے روایات لی ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں: عبداللہ صنابحی وہ کہ جن سے مدنی لوگوں نے روایت کیا تو وہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ صحابی ہوں۔ بہرحال ابو عبداللہ الصنابحی وہ جو مشہور ہیں پس انہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی تو ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں۔ اور اس کو مطرف اور اسحاق بن الطباع نے بواسطہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسی سند کے ساتھ ابو عبداللہ الصنابحی سے ان کی کنیت کے ساتھ روایت کیا اور یہ دونوں اس میں شاذ ہیں۔ اور تحقیق اسے امام نسائی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے بغیر اداۃِ کنیت کے روایت کیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ابو غسان محمد بن مطرف نے زید بن اسلم سے وہ عطا سے وہ عبداللہ الصنابحی سے روایت کر کے اس کی متابعت کی۔ ابن مندہ نے اس کو روایت کیا۔

اور امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا کہ بے شک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اس قول "عبداللہ" میں اشتباہ ہوا ہے اور وہ تو "ابو عبداللہ" ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن بن عُسَیلہ ہیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماعت نہیں کی۔ اور اس بات کا ظاہر یہ ہے کہ عبداللہ الصنابحی کا کوئی وجود نہیں ہے اور اس میں نظر ہے۔ پس تحقیق سوید بن سعید نے اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیث حفص بن میسرہ سے وہ زید بن اسلم سے وہ عطا بن یسار سے وہ عبداللہ الصنابحی سے روایت کرتے ہیں: (فرمایا) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((إِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ۔۔۔ الخ)) ترجمہ: بے شک سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔

اسی طرح دارقطنی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی غرائب میں اسماعیل بن حارث کے طریق سے روایت کی اور ابن مندہ نے اسماعیل الصائغ کے طریق سے روایت کی وہ دونوں مالک اور زہیر بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم سے زید بن اسلم نے اسی سند کے ساتھ بیان کیا۔ ابن مندہ کہتے ہیں: اس حدیث کو محمد بن جعفر بن ابو کثیر اور خارجہ بن مصعب نے زید سے روایت کی۔ میں کہتا ہوں: زہیر بن محمد اور ابو غسان محمد بن مطرف نے زید بن اسلم سے اسی سند کے ساتھ ایک دوسری حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بواسطہ عبداللہ الصنابحی وتر کے بارے میں روایت کی۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا تو ان تینوں کا

اپنے شیخ امام مالک سے ان دو حدیثوں میں عبداللہ صنابحی کا ذکر کرنا اس حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے وہم کے جزم کو دور کرتا ہے۔ اس کو حافظ نے "الاصابہ" میں ذکر کیا، اھ۔ (شرح الزرقانی علی المؤطا، باب جامع الوضوء، ج1، ص155، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، القاہرہ)

باب نمبر 133

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ

عصر کے بعد نماز پڑھنا

184. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّمَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، لِأَنَّهُ أَتَاهُ مَالٌ فَشَغَلَهُ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، فَصَلَّاهُمَا بَعْدَ الْعَصْرِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ لَهُمَا. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَأُمِّ سَلَمَةَ، وَمَيْمُونَةَ، وَأَبِي مُوسَى، قال أبوعيسىٰ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَهَذَا خِلَافُ مَا رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ "وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَصَحُّ، حَيْثُ قَالَ: لَمْ يَعُدْ لَهُمَا وَقَدْ رُوِيَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ نَحْوُ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ فِي هَذَا الْبَابِ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعت نماز صرف اس لئے ادا فرمائیں کہ آپ کے پاس مال آیا اور آپ (اس کو تقسیم کرنے کے باعث) ظہر کے بعد کی دو رکعتیں (دو سنتیں) نہیں پڑھ سکے، اس لئے انہیں عصر کے بعد پڑھا اس کے بعد ان دو رکعتوں کو آپ نے کبھی (عصر کے بعد) نہیں ادا کیا۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے روایات موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ''حسن'' ہے۔

اور کثیر راویوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعت نماز ادا فرمائیں۔ اور یہ (روایت) اُس روایت کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد سورج کے غروب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اصح ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ''پھر دوبارہ حضور نے عصر کے بعد انہیں ادا نہیں فرمایا''

رِوَايَاتٌ، رُوِيَ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا دَخَلَ عَلَيْهَا بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ "وَرُوِيَ عَنْهَا، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ:نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَالَّذِي اجْتَمَعَ عَلَيْهِ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، إِلَّا مَا اسْتُثْنِيَ مِنْ ذَلِكَ، مِثْلُ الصَّلَاةِ بِمَكَّةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ بَعْدَ الطَّوَافِ فَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُخْصَةٌ فِي ذَلِكَ، وَقَدْ قَالَ بِهِ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمُ الصَّلَاةَ بِمَكَّةَ أَيْضًا بَعْدَ الْعَصْرِ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، وَبَعْضُ أَهْلِ الْكُوفَةِ "

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مثل روایت منقول ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس موضوع پر کئی روایتیں ہیں:

ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی میرے پاس عصر کے بعد تشریف لائے ، دو رکعتیں نماز ادا فرمائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد سورج کے غروب تک اور فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

اکثر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عصر اور فجر کے بعد نماز نماز پڑھنا مکروہ ہے جب تک سورج طلوع یا غروب نہ ہو جائے۔ البتہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفا وتعظیما میں عصر کے بعد سورج غروب ہونے سے پہلے اور فجر کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے طواف کے بعد (والے نفل) کی اجازت ہے کیونکہ اس کی رخصت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ اور تابعین میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی موقف ہے۔ جبکہ بعض صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک مکہ مکرمہ میں بھی عصر اور فجر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ سفیان ثوری، مالک بن انس اور بعض کوفی علماء کا یہی نظریہ ہے۔

تخریج حدیث 184: (صحیح بخاری، باب وفد عبد القیس، ج 5، ص 169، حدیث 4370، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب معرفۃ الرکعتین اللتین الخ، ج 1، ص 571، حدیث 834، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب الصلاۃ بعد العصر، ج 2، ص 23، حدیث 1273، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا

عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ ماقبل باب میں بیان ہوا، دو رکعتیں نفل یا ظہر کی رہ جانے والی سنتیں ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے،، اس پر درج ذیل دلائل ہیں:

مسند اسحاق بن راھویہ میں ہے: ((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقُلْتُ لَهُ: مَا هَذَا؟ فَقَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ فِي بَيْتِي. قَالَ: فَأَتَيْتُ عَائِشَةَ فَسَأَلْتُهَا، فَقَالَتْ: صَدَقَ، فَقُلْتُ لَهَا فَأَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ مَا أُمِرَ وَنَفْعَلُ مَا أُمِرْنَا)) ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو نماز عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے ان سے کہا: یہ کیا؟ تو انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر نماز عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں (ان کی بات سن کر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے اس متعلق سوال کیا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے، تو میں نے ان سے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((لَاصَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ)) عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے اور فجر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک آفتاب طلوع ہو جائے، رسول اللہ علیہ وسلم وہی کرتے جس کا ان کو حکم ہوا، اور ہم وہی کریں گے جس کا ہمیں حکم دیا گیا۔

(مسند اسحاق بن راھویہ، ما روی عن عائشۃ بنت ابی بکر الصدیق، ج2، ص90، مکتبۃ الایمان، مدینہ منورہ)

مذکورہ بالا حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

"ولهذا المعنى قال طائفة من العلماء: إنه إذا تعارض نهى النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وفعله أخذنا بنهيه؛ لاحتمال أن يكون فعله خاصاً به " ترجمہ: علما کے ایک گروہ نے اسی وجہ سے فرمایا: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی امر میں ممانعت اور آپ کے عمل میں تعارض، واقع ہو جائے تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کو لیں گے اس احتمال کے سبب کہ ہوسکتا ہے وہ فعل آپ کے ساتھ خاص ہو۔ (فتح الباری لابن رجب، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت، ج5، ص81، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ)

مسند احمد بن حنبل میں ہے:((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ:صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ بَيْتِي، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَقُلْتُ:يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّيْتَ صَلَاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيهَا فَقَالَ:قَدِمَ عَلَيَّ مَالٌ فَشَغَلَنِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ كُنْتُ أَرْكَعُهُمَا بَعْدَ الظُّهْرِ، فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ "فَقُلْتُ:يَا رَسُولَ اللهِ أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتْنَا، قَالَ:لَا)) ترجمہ:حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کی اور میرے گھر جلوہ افروز ہوئے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں، میں نے عرض کی:یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے وہ نماز ادا فرمائی جو پہلے ادا نہیں کرتے تھے،فرمایا:میرے پاس مال آیا ہوا تھا جس(کی تقسیم)نے مجھے ان دو رکعتوں سے مشغول رکھا جو میں نماز ظہر کے بعد ادا کرتا تھا میں نے ابھی ان کو ادا کیا ہے،میں نے عرض کی:یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:کیا جب ہم سے یہ دو رکعتیں رہ جائیں تو ہم ان کی قضا کیا کریں،فرمایا:نہیں۔

(مسند احمد بن حنبل،حدیث ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم،ج44،ص277،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت)

مذکورہ بالا حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:"خرجه الإمام أحمد وابن حبان في(صحيحه)وإسناده جيد" ترجمہ:اس حدیث کو امام احمد نے اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔اور اس کی سند جید ہے۔

(فتح الباری لابن رجب،باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت،ج5،ص81،مکتبۃ الغرباء الاثریہ،مدینہ منورہ)

سنن ابی داؤد میں ہے:((عَنْ ذَكْوَانَ مَوْلَى عَائِشَةَ أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْعَصْرِ، وَيَنْهَى عَنْهَا، وَيُوَاصِلُ، وَيَنْهَى عَنِ الْوِصَالِ)) ترجمہ:حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ جو حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزادہ کردہ غلام ہیں سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کے بعد نماز پڑھا کرتے اور اس سے منع فرماتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صوم وصال(پے درپے روزے)رکھتے اور(ہمیں)صوم وصال سے منع فرماتے۔

(سنن ابی داؤد،باب من رخص فیہما اذا الخ،ج2،ص25،المکتبۃ العصریہ،بیروت)

العلل للدارقطنی میں ہے:((عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل عليها بعد العصر فصلى ركعتين، فقلت:يا رسول الله أحدث الناس؟ قال:لا، إن بلالا عجل الإقامة فلم أصل الركعتين قبل العصر فأنا أقضيهما الآن قلت :يا رسول الله أفنقضيهما إذا فاتتنا؟ قال:لا)) ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد میرے پاس تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی،میں نے عرض کی:یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی لوگوں میں نیا معاملہ پیش آیا ہے۔فرمایا:نہیں،بلال(رضی اللہ عنہ)نے اقامت جلد کہہ دی تو میں نمازِ عصر سے قبل دو رکعتیں نہ پڑھ سکا تو ابھی میں نے ان کی قضا کی ہے،میں نے عرض کی:یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا جب ہم سے یہ دو رکعتیں رہ جائیں تو ہم ان کی قضا کیا کریں،فرمایا:نہیں۔ (علل الدارقطنی،ومن حدیث مسروق بن الاجدع عن عائشہ رضی اللہ عنہا،ج14،ص271،دار طیبہ،ریاض)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''ولا اعلم أتی بهذا اللفظ سوی عبیدة بن معتب، وهو ضعیف ''ترجمہ: عبیدہ بن معتب ضعیف راوی ہے اور اس کے سوا کسی نے یہ الفاظ ذکر کئے ہوں، میرے علم میں نہیں ہے۔

(علل الدارقطنی، ومن حدیث مسروق بن الاجدع عن عائشہ رضی اللہ عنہا، ج14، ص271، دار طیبہ، ریاض)

علامہ ابن رجب حنبلی امام دارقطنی کا مذکورہ بالا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

''قلت: روایة ذکوان تعضده وتشهد له ''ترجمہ: میں کہتا ہوں: ذکوان کی روایت اس کی مؤید اور اس کے لیے شاہد ہے۔ (فتح الباری لابن رجب، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت، ج5، ص82، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((لَقَدْ رَأَيْتُ عُمَرَ يَضْرِبُ عَلَيْهَا رُؤُوسَ الْجِبَالِ يَعْنِي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ)) ترجمہ: میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نمازِ عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے والے کو رسیوں کے سرے سے مارتے۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الساعۃ التی یکرہ فیہا الصلاۃ، ج2، ص429، المکتب الاسلامی، بیروت)

حضرت عبد اللہ بن رباح انصاری بیان کرتے ہیں ((عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ، فَقَامَ رَجُلٌ يُصَلِّي بَعْدَهَا فَأَخَذَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِرِدَائِهِ أَوْ بِثَوْبِهِ وَقَالَ: اجْلِسْ فَإِنَّمَا هَلَكَ أَهْلُ الْكِتَابِ قَبْلَكُمْ لَمْ يَكُنْ لِصَلَاتِهِمْ فَصْلٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ ابْنُ الْخَطَّابِ)) ترجمہ: ایک انصاری صحابی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر ادا کی، تو ایک شخص کھڑا ہو کر نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد نماز پڑھنے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی چادر یا کپڑے کو پکڑا اور فرمایا: بیٹھ جا، تم سے پہلے اہل کتاب اس سبب سے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں میں فصل نہیں تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن خطاب (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الساعۃ التی یکرہ فیہا الصلاۃ، ج2، ص431، المکتب الاسلامی، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اس پر وہ روایت بھی دلیل ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد عصر نماز پڑھا کرتے تو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((إِنَّهُ فَعَلَ مَا أُمِرَ وَنَحْنُ نَفْعَلُ مَا أُمِرْنَا)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی عمل کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا اور ہم وہی کریں گے جس کا ہمیں حکم دیا گیا، اس میں آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بعد عصر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اور خاصہ میں شرکت نہیں، کیا تو نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو نہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں تو میں نے اس بارے سوال کیا، تو فرمایا: ((شَغَلَنِي وَفْدٌ

عَنْ رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ فَقَضَيْتُهُمَا)) وفد نے مجھے ظہر کی دو سنتوں سے مشغول رکھا میں نے ان کی قضا کی ہے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ہم بھی اسی طرح کیا کریں؟ فرمایا: نہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ سنن مؤکدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھیں۔ (بدائع الصنائع، فصل بیان ما یکرہ من التطوع، ج 1، ص 297، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 134

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

مغرب سے پہلے نماز پڑھنا

185. حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ كَهْمَسِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قال ابوعيسىٰ حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، فَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمُ الصَّلَاةَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ وقَالَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: إِنْ صَلَّاهُمَا فَحَسَنٌ وَهَذَا عِنْدَهُمَا عَلَى الِاسْتِحْبَابِ

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہردواذانوں (اذان واقامت) کے درمیان نماز ہے اُس کے لئے کہ جو (پڑھنا) چاہے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

مغرب کی نماز سے پہلے (اذان کے بعد) نماز کے بارے میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک مغرب سے پہلے نماز نہیں ہے، اور کثیر صحابہ کرام کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مغرب کی نماز سے پہلے اذان واقامت کے درمیان دو رکعت ادا کرتے تھے۔

امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ تعالی نے فرمایا: اگر کوئی شخص یہ دو رکعتیں پڑھ لے تو بہتر ہے، اور ان دونوں کے نزدیک یہ مستحب ہے۔

تخریج حدیث 185: (صحیح بخاری، باب کم بین الاذان والاقامۃ الخ، ج1، ص127، حدیث 624، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب بین کل اذانین صلاۃ، ج1، ص573، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب الصلاۃ قبل المغرب، ج2، ص26، حدیث 1283، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، الصلاۃ بین الاذان والاقامۃ، ج2، ص28، حدیث 681، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی الرکعتین قبل المغرب، ج1، ص368، حدیث 1162، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

اذان واقامت کواذانین کہنے کی وجہ

علامہ خطابی فرماتے ہیں:

دواذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہے، دوناموں میں سے ایک کو دوسرے پر محمول کیا گیا اور عربوں میں یہ رائج ہے جیسا کہ وہ کھجور اور پانی دونوں کے لئے "أسودین" کہتے ہیں حالانکہ "أسود" یعنی سیاہ صرف کھجور ہے۔اور کہتے ہیں "سیرۃ العمرین" اس سے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں مراد لیتے ہیں۔عرب لوگ یہ اس لیے کرتے ہیں کہ یہ زبان پر زیادہ خفیف ہے بہ نسبت اس کے کہ ہر ایک الگ الگ نام اس کی خاص صفت کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اذان واقامت دونوں کو اذان کہنا حقیقت کے اعتبار سے ہو کیونکہ اذان کا لغوی معنی اعلان ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے﴿وَ اَذٰنٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (اور منادی پکار دیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے) (التوبۃ 3) پس نماز کے وقت کے آنے کے لیے اعلان اذان ہے اور نماز قائم ہونے کے لیے اعلان اقامت ہے۔

(معالم السنن، ومن باب من فاتتہ متی یقضیہا، ج1، ص277، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

اذان واقامت کے درمیان نوافل

علامہ ابن بطال (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

((ہر دواذانوں کے درمیان نماز ہے)) مراد یہ ہے کہ اذان واقامت کے مابین نماز کا وقت ہے اُس کے لئے جو پڑھنا چاہے۔علما کا اس میں کوئی اختلاف نہیں سوائے نماز مغرب کے کہ مغرب میں اقامت سے قبل نماز پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے۔امام احمد اور اسحاق نے جائز کہا اور اس حدیث سے استدلال کیا جبکہ بقیہ تمام فقہاء نے اس کا انکار کیا۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب کم بین الاذان والاقامۃ، ج2، ص252، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

((جو اس وقت نفل پڑھنا چاہے)) اگر کہا جائے کہ اس وقت کے ساتھ نوافل کو کیوں خاص کیا حالانکہ نوافل تو اس کے علاوہ وقت میں بھی پڑھنا جائز ہے؟ جواب: (نوافل کو خاص اس لیے کیا کہ) یہ وہم ہوسکتا تھا کہ نماز کے لیے جو اذان دی جاتی

ہے وہ اس نماز کے سوا جس کے لیے وہ دی گئی سب کو ممنوع کر دیتی ہے، تو نوافل کے جواز کو واضح کر دیا۔

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند عبداللہ بن مغفل، ج1، ص491، دار الوطن، ریاض)

اذان واقامت کے درمیان ترغیب نوافل کی وجوہات:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

مُظہر نے کہا: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو دو اذانوں کے درمیان نفل نماز پڑھنے کی ترغیب اس لئے دلائی کہ اس وقت کے افضل ہونے کی بنا پر اس وقت میں دُعا رَدّ نہیں کی جاتی۔ اور جب وقت افضل ہو تو اُس میں عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ عبادت پر ابھارنے اور طاعت میں سبقت کے لیے فرمایا گیا اور اس لیے فرمایا تا کہ مخلص مؤمن اور منافق میں فرق واضح ہو جائے، ایک وجہ یہ ہے کہ فرائض کامل طریقے پر ادا ہو جائیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اذان واقامت کے درمیان نماز ادا کرنا سنت ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مغرب سے قبل نوافل کو مکروہ قرار دیا حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((عِنْدَ كُلِّ أَذَانَيْنِ رَكْعَتَيْنِ خَلَا صَلَاةِ الْمَغْرِبِ))

ترجمہ: ہر دو اذانوں (اذان واقامت) کے درمیان دو رکعت نماز (نفل) ہے سوائے مغرب کے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، ج2، ص563، دار الفکر، بیروت)

مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

اذان مغرب کے بعد نماز مغرب سے قبل دو رکعت ہیں، امام احمد کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے سنت نہیں۔ اثرم نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا مغرب کی نماز سے قبل دو رکعتیں ہیں؟ فرمایا: میں نے صرف ایک دفعہ ادا کی جب میں نے حدیث پاک سنی، اور فرمایا: ان دو رکعتوں کے بارے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام سے احادیث جید ہیں، یا فرمایا: احادیث صحیح ہیں مگر احادیث میں فرمایا: ((لِمَنْ شَاءَ)) جو چاہے اس کے لیے، ((فَمَنْ شَاءَ صَلَّى)) تو جو چاہے وہ یہ دو رکعتیں ادا کرے۔ اور فرمایا: یہ ایسی چیز ہے کہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں پھر وہ مسکرائے تعجب کرنے والے کی طرح، اور فرمایا: یہ ان کے نزدیک عظیم ہے، اور ان دو رکعتوں پر دلیل وہ حدیث ہے جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((كُنَّا نُصَلِّي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ

)) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

مختار بن فلفل کہتے ہیں: ((فَقُلْتُ لَهُ أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّاهُمَا؟ قَالَ كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا)) میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ تو فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ دو رکعتیں ادا کرتے ملاحظہ کرتے تو نہ تو ہمیں اس کے کرنے کا حکم فرمایا اور نہ ہی اس سے منع فرمایا۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم مدینہ میں تھے جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو ہم ستونوں کی طرف جلدی کرتے اور دو رکعتیں ادا کرتے، یہاں تک مسافر آدمی مسجد میں داخل ہوتا وہ یہ گمان کرتا کہ نماز مغرب ہو گئی یعنی اس کثرت سے لوگ یہ دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ)) ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ یہ تین بار فرمایا: اور تیسری بار فرمایا جو چاہے اس کے لیے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عقبہ نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اس طرح کرتے تھے۔ عبد اللہ بن مزنی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ)) نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھو۔ پھر فرمایا: ((صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ)) نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھو، پھر فرمایا: ((صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ لِمَنْ شَاءَ)) جو چاہے نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھے۔ اس خوف سے کہ لوگ اس کو سنت سمجھ لیں گے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل اختلف فی ارکع رکعات منہار کستان، ج 2، ص 96، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

(نماز مغرب کی اذان کے بعد نماز سے قبل دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے) نہ مکروہ ہے اور نہ مستحب۔ امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں سنت ہیں خبر صحیح کی وجہ سے۔ اور انہی سے ایک روایت ہے کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ ابن ہُبیرہ نے اس روایت کے بارے کہا: مغرب کے علاوہ میں۔ (اور مغرب سے پہلے ان دو رکعتوں میں ثواب ہے) میں کہتا ہوں یہ ان دو رکعتوں کے استحباب پر دلالت کرتا ہے اور مفردات میں اسی پر جزم کیا ہے کیونکہ مباح فعل کرنے اور ترک کرنے میں کوئی ثواب نہیں۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع، باب الاذان والاقامۃ، ج 1، ص 244، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کی کراہت کی طرف گئے ہیں، یہ تین وجوہ سے اظہر ہے:

پہلی وجہ: کیونکہ اگر لوگوں کو اس کی اجازت دی جائے تو یہ نماز مغرب کے مختار وقت میں تاخیر کا سبب ہوگا اور جن کے نزدیک دو مختار وقت ہیں تو ان کے نزدیک اول وقت میں تاخیر کا سبب ہوگا۔ دوسری وجہ: جو مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((عند كل أذان ركعتان ما خلا صلاة المغرب)) ہر اذان کے وقت دو رکعتیں ہیں سوائے نماز مغرب کے۔ تیسری وجہ: جمہور علما کرام کا اس وقت میں ترک نماز پر پختہ عمل ہونا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں سے کسی نے بھی یہ عمل نہیں کیا، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو ضرور ان سے نقل کیا جاتا، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا: مغرب سے قبل دو رکعت نماز پڑھنا بدعت ہے۔ (البیان والتحصیل، الرکوع بعد اذان المغرب، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ شہاب الدین رملی (متوفی 1004ھ) فرماتے ہیں:

صحیح قول کے مطابق نمازِ مغرب سے قبل دو رکعتیں سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ان دو رکعتوں کے بارے میں امر موجود ہے، الفاظ یہ ہیں: ((صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ)) نماز مغرب سے قبل نماز پڑھو، تیسری بار فرمایا: ((لِمَنْ شَاءَ)) اس کے لیے جو چاہے۔ آخر میں یہ فرمانا اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے تھا کہ کہیں لوگ اسے سنت یعنی طریقہ لازمہ نہ بنالیں۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان مغرب کی اذان کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے لیے ستونوں کی طرف جلدی کرتے تھے یہاں تک کہ مسافر آدمی جب مسجد میں داخل ہوتا تو اتنی کثرت سے یہ دو رکعتیں صحابہ کرام ادا فرماتے کہ وہ گمان کرتا کہ نمازِ فرض ادا ہو گئی ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ میں نے یہ دو رکعتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کسی ایک کو بھی پڑھتے نہیں دیکھا، غیر قادح ہے کہ یہ نفی غیر محصور ہے، اور جس نے اسے محصور خیال کیا عجیب ہے، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے کثیر اوقات میں آپ حاضر نہ تھے لہذا انہوں نے اس زمانہ کا احاطہ نہ کیا جس میں اس کا وقوع ہوا۔

(نہایۃ المحتاج شرح المنهاج، قسم یاسین فیہ النفل جملہ، ج2، ص110، دار الفکر، بیروت)

احناف کا مؤقف:

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

نمازِ مغرب میں ہمارے نزدیک اذان واقامت کے درمیان نماز سے فاصلہ نہیں کیا جائے گا، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دو خفیف رکعتوں کا فاصلہ کیا جائے گا تمام نمازوں کا اعتبار کرتے ہوئے۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ((بَیْنَ کُلِّ أَذَانَیْنِ صَلَاۃٌ لِمَنْ شَاءَ إِلَّا الْمَغْرِبَ)) جو چاہے اس کے لیے اذان واقامت کے درمیان نماز ہے سوائے مغرب کے۔ یہ حدیث اس میں نص ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نمازِ مغرب کی بنا جلدی پر ہے کیونکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَنْ تَزَالَ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ)) میری امت ہمیشہ بھلائی پر رہے گی جب تک مغرب کو اتنا مؤخر نہ کریں کہ ستارے گتھ جائیں، اور اذان واقامت میں نماز کا فاصلہ کرنا تاخیر ہے لہٰذا نماز کے ذریعہ فاصلہ نہیں کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع، فصل فی بیان سنن الاذان، ج1، ص150، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

(اور غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب کے فرائض سے پہلے نوافل ادا نہیں کرے گا کیونکہ اس کی وجہ سے مغرب میں تاخیر ہو جائے گی) اور مغرب کی نماز میں تاخیر کرنا مکروہ ہے تو جو تاخیر کا سبب بنے وہ بھی مکروہ ہوگا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب مؤذن مغرب کی اذان کہتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کھڑے ہوتے اور جلدی سے مسواک کرتے یہاں تک کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لاتے تو صحابہ کرام کو ملاحظہ فرماتے کہ وہ مغرب سے قبل دو رکعتیں ادا کر رہے ہوتے اور اذان واقامت کے درمیان کوئی شے نہ ہوتی۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں یہ روایت اس بات پر محمول ہے کہ یہ ممانعت سے پہلے کا معاملہ ہے یا صحابہ کرام کے اس فعل پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطلع ہونے اور توجہ فرمانے سے پہلے کا ہے۔

علامہ ابو بکر ابن عربی نے فرمایا: صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اس میں اختلاف ہے، ان کے بعد کسی نے بھی یہ نہیں کیا۔ امام نخعی فرماتے ہیں: یہ بدعت ہے۔ عمیرہ نے کہا: یہ ابتدائے اسلام میں تھا تاکہ ممانعت والے وقت کا نکلنا معلوم ہو جائے پھر مغرب میں تعجیل کا حکم دیا گیا۔ امام ابو داؤد نے طاؤس سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: ((سئل ابن عمر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عن الركعتين قبل المغرب فقال: ما رأيت أحدا على عهد رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصليهما)) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مغرب سے قبل کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بين كل أذانين صلاة إن شاء إلا المغرب)) ہر دو اذان کے مابین نماز ہے

اگر کوئی چاہے سوائے مغرب کے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، فصل فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلاۃ، ج2، ص71,72، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن عابدین امین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

(نماز مغرب سے قبل نفل پڑھنا مکروہ ہے) یہی اکثر اہل علم کی رائے ہے، ان میں ہمارے اصحاب اور امام مالک ہیں اور امام شافعی سے ایک روایت ایسے ہی ہے، کیونکہ صحیحین وغیرہ میں ایسی روایات موجود ہیں جو اس بات کا فائدہ دیتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب پر ہمیشگی فرماتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرماتے ہیں: ((مَا رَأَيْتُ أَحَدًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهِمَا)) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کسی کو نماز مغرب کی اذان واقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کو ابو دواد نے روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا، اور امام منذری نے اپنی مختصر میں اسے روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہیں، اور امام محمد نے امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں حضرت حماد سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے نماز مغرب سے قبل نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا: انہوں نے اس منع فرمایا اور فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما یہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور قاضی ابو بکر ابن عربی نے فرمایا: اس معاملہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اختلاف تھا ان کے بعد کسی نے بھی ایسا نہیں کیا، یہ قول معارض ہے اس کے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عمل سے متعلق مروی ہے اور اس کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق حکم دیا، کیونکہ جب لوگ حدیث مرفوع پر عمل کے ترک پر اتفاق کر لیں تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے جو اس موضع میں جانا گیا، اور اگر یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں مشہور تھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کیونکر مخفی رہا، یا اس حکم کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ حکم مغرب میں جلدی کرنے کے حکم سے پہلے کا ہے۔ اور اس کی مکمل بحث منیہ اور ان کے علاوہ شروح میں ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، ج1، ص376، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر (135)

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ

جس آدمی کو سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت مل جائے

186. حَدَّثَنَا اسحق بن موسیٰ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُونَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْعَصْرِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ ابوعيسیٰ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ أَصْحَابُنَا، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَهُمْ لِصَاحِبِ الْعُذْرِ، مِثْلُ الرَّجُلِ يَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ، أَوْ يَنْسَاهَا فَيَسْتَيْقِظُ، وَيَذْكُرُ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورج کے طلوع ہونے سے پہلے صبح (فجر) کی ایک رکعت پالے تو اُس نے صبح (کی نماز) کو پالیا، اور جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو اُس نے عصر (کی نماز) کو پالیا۔

اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

ہمارے اصحاب، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ ہی قول ہے اور ان کے نزدیک اس حدیث کا معنی (حکم) صاحب عذر کے لئے ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے اور سورج کے طلوع یا غروب ہونے کے وقت بیدار ہو یا نماز یاد آئے

تخریج حدیث 186: (صحیح بخاری، باب من ادرک من الفجر رکعۃ، ج 1، ص 120، حدیث 579، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب من ادرک رکعۃ من الصلاۃ ادرکہ، ج 1، ص 424، حدیث 608، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب فی وقت صلاۃ العصر، ج 1، ص 112، حدیث 412، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، من ادرک رکعتین من العصر، ج 1، ص 257، حدیث 514، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب وقت الصلاۃ فی العذر والضرورۃ، ج 1، ص 229، حدیث 699، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

حدیث مذکور سے مستنبط مسائل میں مذاہب اربعہ

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی (متوفی 474ھ) فرماتے ہیں:

یہ حدیث دو معنی کا احتمال رکھتی ہے: (1) ایک معنی یہ ہے کہ جو شخص مُکلّف کی صفات کے ساتھ موصوف ہوا اور اُس نے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت کی مقدار وقت پالیا تو بلاشبہ اُس نے فجر کے فرض کو پالیا، علامہ ابن قاسم کے قول کا معنی ہے کہ یہ اہل اعذار کے لیے ہے (مثلاً) حائضہ پاک ہو، مجنون کو افاقہ ہوا، کافر نے اسلام قبول کیا، نابالغ بالغ ہوگیا (2) دوسرا معنی یہ ہے کہ جس نے سورج نکلنے سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالی یقیناً اُس نے نماز پالی اور وقت ختم ہونے کے بعد وہ نماز کو قضا کرنے والا نہیں کہلائے گا نیز بقیہ رکعتیں طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا نماز کو حکمِ ادا سے خارج نہیں کرتا۔

(المنتقی شرح الموطا، وقوت الصلاۃ، ج1، ص10، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی حنبلی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

حدیث مبارک: ((جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے فجر پالی، اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کی نماز پالی)) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس شخص پر سورج طلوع ہوا اور وہ فجر کی ایک رکعت پڑھ چکا تھا یا سورج غروب ہوا اور وہ عصر کی ایک رکعت پڑھ چکا تھا تو وہ اپنی نماز مکمل کرلے اور اُس کی نماز صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے (فجر کے بارے میں) فرمایا: اُس کی نماز باطل ہوجائے گی۔

(کشف المشکل، کشف المشکل من مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج3، ص365,366، دارالوطن، ریاض)

علامہ ابن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وقت عصر غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ اسی سبب سے انہوں نے نماز عصر میں سے ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے پانے والے کو نماز پانے والا قرار دیا ہے، تو جس نے پوری نماز غروب آفتاب سے پہلے پائی وہ بدرجۂ اولیٰ نماز پانے والا کہلائے گا۔ اور جن کے نزدیک عصر کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے ان کا ذکر سابق میں ہوچکا، ان میں حضرت ابن عباس، حضرت عکرمہ، امام مالک سے بھی

ایک روایت اس طرح کی ہے، امام ثوری اور یہی امام اسحاق کا قول ہے۔امام اسحاق نے کہا: اس کا آخری وقت مفرط اور صاحب عذر کے لیے ہے اور آخری وقت سے مراد غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت ادا کرنے کی مقدار ہے، ابن منصور نے اس کو ان سے نقل کیا اور اس کی مثل امام ابوداؤد سے بیان کیا ہے۔۔۔۔۔۔

اور اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ نماز کو اس قدر مؤخر کرنا کہ غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت کا وقت باقی رہ جائے یہ سوائے عذر والے کے کسی کے لیے جائز نہیں۔ یہی امام اوزاعی، شافعی، احمد، ابوثور کا قول ہے۔اس بات پر وہ روایت دلیل ہے جسے امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وقت العصر ما لم تصفر الشمس)) ترجمہ: عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:: ((تلك صلاة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى إذا كانت بين قرني الشيطان قام فنقر أربعا لا يذكر الله فيها إلا قليلا)) ترجمہ: یہ منافق کی نماز ہے کہ ایک شخص سورج کے انتظار میں بیٹھا رہے یہاں تک جب آفتاب شیطان کے سینگوں کے درمیان ہو تو وہ کھڑا ہو جائے اور چار بار ٹھونگے مارے، اور اس میں اللہ عزوجل کا قلیل ذکر کرے۔ابوداود نے اسی معنی پر اس کی تخریج کی اور یہ اضافہ ہے کہ ((حتى إذا اصفرت الشمس فكانت بين قرني الشيطان -أو على قرني الشيطان)) یہاں تک جب آفتاب زرد ہو جائے تو وہ شیطان کے سینگوں کے بیچ ہوتا ہے یا سینگوں پر ہوتا ہے۔باقی روایت اسی طرح ذکر کی۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ جس کا عذر نہ ہو اسے نماز عصر میں اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب زرد ہو جائے اور وقت تنگ ہو جائے ناجائز ہے۔علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے نماز شروع کی اور آفتاب غروب ہو گیا تو وہ نماز پوری کرے اور اس پر اعادہ بھی نہیں اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جو رہ گئی اس کو غروب کے بعد پوری کرے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ جس نے ایک رکعت کو پالیا اس نے وقت کو پا لیا۔

(فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العصر، ج4، ص329 تا 331، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

((جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اُس نے فجر پالی، اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس نے عصر کی نماز پالی)) مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر نہیں اور نمازی ایک رکعت پالینے سے پوری نماز پانا والے نہیں ہوگا اور یہ ایک رکعت کفایت نہیں کرے گی اور اس ایک رکعت سے برات حاصل نہیں

ہوگی بلکہ یہ حدیث مؤول ہے اوراس میں کچھ محذوف ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے حکمِ نماز کو پالیا یا نماز کے وجوب یا اس کی فضلیت کو پالیا۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں اس حدیث میں تین فقہی مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: جس شخص پر نماز لازم نہیں تھی اس نے وقت کے اندر ایک رکعت کو پالیا تو وہ نماز اس پر لازم ہوگئی اور یہ نابالغ جو بالغ ہوجائے، مجنون اور جس پر بے ہوشی طاری ہوا ن کو افاقہ ہوجائے، حیض ونفاس والی پاک ہوجائے اور کافر جو اسلام لے آئے ان کے بارے ہے کہ ان میں سے جو نماز کا وقت نکلنے سے پہلے ایک رکعت پالے تو اس پر یہ نماز لازم ہوجائے گی، اور اگر رکعت سے کم پایا جیسے فقط تکبیر تو اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال ہیں: اس حدیث کے مضمون کے سبب اس پر لازم نہیں ۔اور ہمارے اصحاب کے نزدیک اصح یہ ہے کہ اس پر وہ نماز لازم ہوجائے گی کیونکہ اس نے ایک جزء کو پالیا تو برابر ہے کہ وہ قلیل ہو یا کثیر، اور کیونکہ بالاتفاق نماز کی مقدار کو شرط کیا گیا اس کے کمال کے ساتھ تو مناسب یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رکعت پانے والے میں کوئی فرق نہ کیا جائے، اور حدیث مبارک کا یہ جواب دیا کہ یہ غالب کا اعتبار کرتے ہوئے ہے کہ جس کے ادراک کی معرفت غالب طور پر ممکن ہے وہ ایک رکعت یا اس جتنی مقدار ہے، جبکہ تکبیر تحریمہ تو اس کا محسوس ہونا قریب نہیں ،اور کیا تکبیر یا ایک رکعت کے ساتھ طہارت کے امکان کو اس معاملہ میں شرط کیا جائے گا اس میں ہمارے اصحاب کے دو اقوال ہیں، ان میں سے اصح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں۔

دوسرا مسئلہ: جس نے نماز کو آخری وقت میں شروع کیا ابھی ایک رکعت پڑھی تھی کہ نماز کا وقت ختم ہوگیا تو اس نے نماز کو پالیا اور اس کی پوری نماز ادا کہلائے گی، یہی ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح ہے اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا: پوری نماز قضا ہوگئی ۔بعض نے کہا: جو وقت میں ادا ہوئی وہ ادا ہے اور جو وقت کے بعد وہ قضا ہے۔اس اختلاف کا ثمرہ مسافر والے مسئلہ میں ہوگا کہ جس مسافر نے قصر نماز کی نیت کی اور وقت میں ایک رکعت پڑھ لی اور بقیہ بعدِ وقت پڑھی تو اگر ہم یہ کہیں کہ تمام ادا ہے تو وہ قصر ہے اور اگر ہم پوری کو قضا کہیں یا بعض کو تو اسے چار پورا کرنا لازم ہیں (یہ ماقبل مسائل اس صورت میں ہیں کہ) اگر ہم کہیں کہ سفر کی فوت شدہ جب سفر میں قضا کرے گا تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔اور یہ سب مسائل اس صورت میں ہیں کہ جب اس نے وقت میں ایک رکعت پالی اور اگر پوری رکعت نہیں ملی تو بعض اصحاب نے کہا یہ رکعت ہی کی طرح ہے اور جمہور علما کا قول یہ ہے کہ پوری نماز قضا ہوگئی اور اس بات پر علما کا اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر آخری وقت تک نماز کو مؤخر کرنا ناجائز ہے اگرچہ ہم نے کہا ہے کہ وہ ادا ہے۔

تیسرا مسئلہ: جب مسبوق نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی تو اس نے بلاخلاف جماعت کی فضلیت کو پالیا اور اگر اس

نے ایک رکعت نہیں پائی بلکہ اس نے سلام سے قبل نماز کو پایا تو اس میں ہمارے اصحاب کے دو اقوال ہیں: ایک یہ ہے کہ وہ جماعت پانے والا نہیں کہلائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مضمون کی وجہ سے: ((مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ)) ترجمہ: جس نے امام کے ساتھ نماز میں سے ایک رکعت کو پالیا اس نماز کو پالیا۔ دوسرا قول اور یہی صحیح ہے، اسی پر ہمارے جمہور اصحاب ہیں کہ وہ جماعت کی فضیلت کو پانے والا ہے کیونکہ اس نے جماعت میں سے ایک جزء کو پالیا۔

حدیث پاک کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پاک کا مفہوم اس دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے: ((مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ)) ترجمہ: جو شخص سورج کے طلوع ہونے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے تو اُس نے صبح کی نماز کو پالیا، اور جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو اُس نے عصر کی نماز کو پالیا۔

(اس کے علاوہ) یہ صریح دلیل ہے کہ جس نے فجر یا عصر کی ایک رکعت پالی اور پھر سلام سے قبل نماز کا وقت ختم ہو گیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی بلکہ وہ اس کو پوری کرے گا اور یہ نماز صحیح ہوگی۔ عصر کی نماز کے معاملہ میں تو اس پر اجماع ہے، اور صبح کے معاملے میں امام مالک، شافعی، احمد اور علماء کے گروہ کا یہی قول ہے (نماز ہوگئی) سوائے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے کہ وہ فرماتے ہیں نماز فجر کے دوران سورج کا طلوع ہونا اس کو باطل کر دے گا۔ کیونکہ نماز سے ممانعت کا وقت داخل ہو گیا بخلاف غروب آفتاب کے۔ اور یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب من ادرک رکعۃ من الصلاۃ الخ، ج5، ص104 تا106، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

احناف کا مؤقف:

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((جس نے فجر کی نماز میں سے ایک رکعت کو پالیا)) امام بغوی نے کہا: رکعت سے مراد اس کا رکوع اور سجود ہیں اور اس میں تغلیب ہے ((سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا)) ابن ملک نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے نماز کا وقت پالیا، لہٰذا اگر وہ نماز کا اہل نہیں تھا پھر ہو گیا اور وقت ایک رکعت کی بقدر باقی ہے تو یہ نماز پڑھنا اس پر لازم ہو جائے گا، کہا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اس نے جماعت کے ساتھ ایک رکعت کو پالیا تو اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا ((اور جس نے عصر کی نماز میں سے ایک رکعت کو پالیا آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا)) علامہ

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صبح کی نماز طلوع آفتاب سے باطل ہو جائے گی کیونکہ ممانعتِ نماز والا وقت شروع ہو گیا بخلاف غروب آفتاب کے، یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے، اھ۔ اس کا جواب جسے صدر الشریعہ نے ذکر کیا وہ یہ ہے: کتب اصول فقہ میں مذکور ہے کہ وہ جزو جو نماز کی ادائیگی کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ نماز کے وجوب کا سبب ہے، اور عصر کا آخری وقت ناقص ہے کیونکہ آفتاب کے پجاریوں کی پوجا کا وقت ہے تو وہ ناقص ہی لازم ہو گی تو جب وہ اسے جب بھی ادا کرے گا تو وہ اسی طرح ادا ہو جائے گی جیسا کہ وہ واجب ہوئی ہے، تو جب غروب کے سبب فساد وارد ہو تو نماز فاسد نہیں ہو گی، اور فجر کی نماز کا پورا وقت کامل ہے کیونکہ طلوع سے قبل آفتاب کو نہیں پوجا جاتا تو وہ کامل ہی لازم ہو گی، اور جب طلوع آفتاب کا فساد وارد ہو گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ اس نے نماز کو اس طرح ادا نہیں کیا جس طرح وہ لازم ہوئی۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ یہ تعلیل معرضِ نص میں ہے، تو ہم کہیں گے کہ جب تعارض واقع ہوا اس حدیث اور تین مکروہ اوقات والی حدیث کے درمیان تو ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا جیسے کہ متعارض احادیث کے لیے حکم ہے، اور قیاس نے اس حدیث کو نماز عصر کے بارے راجح قرار دیا اور نماز فجر کے بارے ممانعت والی حدیث کو راجح قرار دیا، اور باقی تمام نمازیں تین مکروہ اوقات میں ادا کرنا ناجائز ہے ممانعت حدیث کے ورود کے سبب کیونکہ ان میں ممانعت والی حدیث کے کوئی معارض نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تعجیل الصلوات، ج2، ص531، دار الفکر، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث سے مستفاد مسائل میں سے یہ ہے: یہ حدیث واضح دلیل ہے اس بارے کہ جس نے عصر میں ایک رکعت کو پالیا پھر سلام سے قبل وقت نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی بلکہ وہ اس کو پوری کرے گا اور یہ بالاجماع ہے۔ بہر حال صبح کی نماز میں امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہی قول ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نمازِ فجر کی ادائیگی کے دوران اگر آفتاب طلوع ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، دیگر ائمہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے خلاف حجت ہے، (جیسا کہ) علامہ نووی کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے فرمایا: صبح کی نماز پڑھنے کے دوران سورج طلوع ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ نماز سے ممانعت کا وقت شروع ہو گیا بخلاف غروب آفتاب کے، اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے، اھ۔ میں کہتا ہوں جس چیز پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی بنیاد رکھی جو اس پر مطلع ہوا تو وہ اس بات کو جان لے گا کہ یہ حدیث ان کے خلاف حجت نہیں، اور وہ جان لے گا کہ اس کے علاوہ اور احادیث دیگر ائمہ کے خلاف حجت ہیں۔

پس ہم کہتے ہیں کہ کوئی شک نہیں کہ وقت نماز کے لیے سبب اور ظرف بنتا ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ کل وقت سبب ہو کیونکہ اگر اس طرح ادا کو وقت سے مؤخر کرنا لازم آئے گا، پس متعین ہو گیا کہ بعض وقت سبب بنے گا، وہ پہلا جزو ہے اس کے

مزاحم سے سلامت ہونے کے وجہ سے، پس اگر ادا اس کے ساتھ متصل ہو جائے تو سبب متقرر ہو جائے گا وگرنہ دوسرے، تیسرے، چوتھے جزء کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور اس کے بعد یہاں تک کہ وقت کے اجزاء میں سے آخری جزو جس میں تکبیر تحریمہ کہنا ممکن ہو اس کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پھر یہ جزو اگر صحیح ہو اس طور پر کہ وہ نہ تو شیطان کی طرف منسوب ہو اور نہ ہی کراہت سے موصوف ہو جیسے کہ نمازِ فجر میں، تو یہ اس پر کامل طور پر واجب ہوئی یہاں تک کہ اگر نماز کے دوران طلوع آفتاب کے سبب وقت میں فساد پیدا ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے بقیہ ائمہ کے برخلاف۔

کیونکہ جو کامل وقت میں واجب ہو وہ ناقص کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا، جیسے کہ مطلق نذر کا روزہ اور قضا روزہ ایام نحر اور ایام تشریق میں ادا نہیں ہوگا اور جب یہ جز ناقص ہو، شیطان کی طرف منسوب ہو جیسے عصر میں جب سرخی پھیل جائے تو ناقص واجب ہوگی کیونکہ سبب کا نقصان مسبب کے نقصان میں مؤثر ہے تو وہ نقصان کی صفت کے ساتھ ادا ہوگا کیونکہ اس نے جیسے وہ لازم ہوا ویسے ہی ادا کیا، جیسے جب کوئی یوم نحر کے روزے کی منت مانے اور اس کو اسی دن میں ادا کرے۔ تو جب غروب آفتاب نماز کے دوران ہوگا تو نماز فاسد نہیں ہوگی کہ غروب کے بعد کا وقت کامل ہے نماز اس میں ادا ہوگی کیونکہ جو ناقص لازم ہو وہ بطریق اولی کامل ادا ہوگی۔

پس اگر تو یہ کہے کہ نماز عصر کا فساد لازم آتا ہے جبکہ صحیح جز میں اس کو شروع کیا اور غروب تک کھینچ دیا تو میں کہتا ہوں کہ جب وقت وسیع ہے پورا وقت مشغول رہنا جائز ہے تو فساد جس کے ساتھ بناء ملی ہوئی تھی وہ معاف ہو جائے گا کہ جب نماز شروع کر دی جائے تو اس سے احتراز متعذر ہے۔

حدیث مذکورہ کا جواب وہ ہے جیسے امام حافظ ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ رکعت پانے سے مراد بچوں کا پانا مراد ہو یعنی وہ نابالغ جو طلوع آفتاب سے پہلے بالغ ہوں، اور حیض والی عورت کہ اس وقت پاک ہو، اور غیر مسلم جو اس وقت اسلام لے آئے، کیونکہ جب اس رکعت پانے کو ذکر کیا اور نماز پانے کا ذکر نہیں کیا تو یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے یا جو ان کے مشابہ ہیں۔ تو ان لوگوں پر اس نماز کی قضا کرنا لازم ہے اگرچہ جتنے وقت میں وہ نماز پڑھ سکیں اس سے کم وقت ان پر باقی ہو۔

اگر تم کہو کہ آپ اس روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں جیسے ابو سلمہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إذا أدرك أحدكم سَجْدَةً من صلاة العَصْر قبل أن تغرب الشَّمس فليتم صلاته وإذا أدرك سَجْدَةً من صلاة الصُّبْح قبل أن تطلع الشَّمْس فليتم صلاته)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی نماز عصر کا سورج کے غروب ہونے سے پہلے ایک سجدہ پالے تو اس کو پورا کرے، اور جب کوئی نماز فجر میں سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک سجدہ

پالے تو اس کو پورا کرے۔ اسے امام بخاری اور امام طحاوی نے روایت کیا۔
یہ حدیث تو طلوع آفتاب کے بعد بناء (جو نماز پہلے سے پڑھ رہے ہوں اسے مکمل کرنے) کے ذکر میں صریح ہے؟ **تو میں جواباً کہوں گا** کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلوع آفتاب کے وقت نماز کی ممانعت پر آثار متواتر ہیں جبکہ اس وقت نماز کی اباحت پر آثار متواتر نہیں ہیں، تو یہ بات دلیل ہے کہ اس کی اباحت ممانعت والے متواتر آثار سے منسوخ ہے۔

اگر تم کہو کہ اس معاملہ میں نسخ کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ جو تم ذکر کر رہے ہو وہ احتمال ہے اور کیا نسخ احتمال کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے؟ **تو میں جواباً کہوں گا** کہ نسخ کی حقیقت یہاں یہ ہے کہ اس جگہ حرام وحلال جمع ہیں اور حرمت کے بارے احادیث وآثار تواتر کے ساتھ ہیں جبکہ حلال کے بارے میں تواتر سے نہیں، اور مشہور قاعدہ ہے کہ جب حلال وحرام جمع ہوں تو عمل حرام کے لیے ہوگا اور حلال منسوخ ہوگا، اور یہ اس لیے کہ ناسخ متاخر ہوتا ہے اور کوئی شک وشبہ نہیں کہ حرمت، اباحت سے متاخر ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور حرمت عارض ہونے والی ہے اور اس کا برعکس ناجائز ہے کہ نسخ دو مرتبہ لازم آئے گا، اسے سمجھ لو، یہ دقیق کلام ہے جو میرے لیے انوار الہیہ سے واضح ہوا۔

اگر تم کہو کہ حدیث پاک والی ممانعت خاص نوافل کے بارے ہے قضا نماز کے بارے نہیں، **تو میں جواباً کہوں گا** کہ حضرت عمران بن حصین کی روایت کردہ حدیث جس کو بخاری ومسلم اور ان کے علاوہ نے تخریج کیا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فوت شدہ نماز بھی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت ممانعتِ نماز کے حکم میں داخل ہے، حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((سرينا مَعَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي غَزْوَة أَو قَالَ فِي سَرِيَّة فَلَمَّا كَانَ آخر السحر عرسنا فَمَا استيقظنا حَتَّى أيقظنا حر الشَّمْس)) ترجمہ: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں سفر پر تھے، یا یہ کہا: ایک سریہ میں تھے، تو جب رات کا آخری وقت آیا تو ہم پڑاؤ کر کے سو گئے، پس ہم بیدار نہ ہوئے حتی کہ ہمیں آفتاب کی گرمی نے بیدار کیا۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے نمازِ فجر سے فوت ہوگئی یہاں تک آفتاب بلند ہوگیا اور آپ نے اسے ارتفاع سے قبل ادا نہیں کیا، یہ دلیل ہے کہ حدیث کی ممانعت عام ہے فرائض اور نوافل سب اس میں شامل ہیں اور اس ممانعت کو نوافل کے ساتھ خاص کرنا ترجیح بلا مرجح ہے۔

اس حدیث سے مستنبط شدہ مسائل سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے متبعین نے حدیث مذکور سے یہ استدلال فرمایا کہ نماز عصر کا آخری وقت غروب آفتاب ہے کہ جس نے اس میں سے ایک رکعت کو پایا یا دو رکعتوں کو پایا تو اس نے نماز کو پالیا، تو جب وہ وقت کو پانے والا ہے تو یہ وقت نماز عصر کے وقت میں شامل ہوگا، کیونکہ حدیث میں مذکور ارشاد: ((فَقَدْ أَدْرَكَ)) (اس نے پالیا) کا معنی یہ ہے کہ اس کے وجوب کو پالیا یہاں تک کہ جب نابالغ نے غروب آفتاب سے پہلے وقت پایا یا

کافر نے اسلام قبول کیا یا مجنون کو افاقہ ہوا یا حائضہ پاک ہوئی تو ان سب پر نماز عصر فرض ہوگی، اگرچہ اس نے اس وقت میں سے اتنے قلیل جز کو پایا کہ اس میں ادا کی گنجائش نہیں، اور یہی حکم طلوع آفتاب کے قبل وقت پانے والے کے لیے ہے، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نے اتنا وقت نہ پایا کہ جس میں نماز کو ادا کیا جاسکے تو اس پر وہ نماز لازم نہیں، اور طلوع آفتاب سے پہلے کے لیے بھی یہی حکم ہے، اور امام زفر فرماتے ہیں: جب وہ حقیقتا ادائیگی نماز کی وسعت نہ پائے تو نماز پڑھنا لازم نہیں ہوگی۔

جب ایک رکعت سے کم مقدار پائے جیسا کہ تکبیر تحریمہ کی بقدر وقت تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے دو قول مروی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگی، دوسرا، لازم ہوگی اور یہی اصح ہے۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ ادراک کے معنی میں علما کرام کا اختلاف ہے، کیا ایک رکعت سے کم پانے والا حکم کو یا فضیلت کو یا وقت کو پانے والا ہے؟

امام مالک اور جمہور ائمہ کرام کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ ایک رکعت سے کم کے ساتھ وہ ان میں سے کچھ نہیں پائے گا، انہوں نے لفظ رکعت سے دلیل لی ہے۔ اور اس سے دلیل پکڑی ہے کہ صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ((إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوها ولا تعدوها شيئا ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة)) ترجمہ: جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدہ کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور یہ رکعت شمار نہ کرو، اور جس نے ایک رکعت پائی لی اس نے نماز کو پالیا۔

امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف کا اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہ ہے کہ ایک رکعت سے کم پانے والا بھی حکمِ نماز کو پانے والا ہے۔

اگر تم کہو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو رکعت کی قید تھی تو لازم یہی تھا کہ ایک رکعت سے کم کا اعتبار نہ ہوتا؟ تو میں جوابا کہوں گا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رکعت کی قید غالب کے اعتبار سے ہے کہ غالب طور پر جس کے ذریعہ ادراک کی معرفت ممکن ہے وہ ایک رکعت یا اس جتنی مقدار ہے یہاں تک بعض شافعیہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکعت کے ذکر سے نماز کے بعض کا ارادہ فرمایا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، ایک حدیث پاک میں فرمایا: ((من أدرك ركعة من العصر)) (جس نے عصر کی ایک رکعت کو پایا)، ایک حدیث پاک میں فرمایا: ((من أدرك ركعتين من العصر)) (جس نے عصر کی دو رکعتوں کو پایا)، ایک حدیث میں فرمایا: ((ومن أدرك سجدة من العصر)) (جس نے نمازِ عصر سے ایک سجدہ پایا) تو یہاں بعض نماز کی طرف اشارہ فرمایا، کبھی ایک رکعت فرما کر، کبھی دو رکعتیں فرما کر اور کبھی سجدہ فرما کر اور تکبیر رکعت کے حکم میں ہے کیونکہ وہ بھی نماز کا بعض ہے تو گویا جس نے تکبیر تحریمہ کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا۔

علامہ قرطبی نے فرمایا: ان علماء کرام یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، ایک قول کے مطابق امام شافعی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے غروب آفتاب سے قبل نمازِ عصر کی تکبیر تحریمہ کو پالیا اس نے نمازِ عصر کو پالیا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب من ادرک رکعۃ من العصر الخ، ج5، ص48 تا 50، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

18/18

باب نمبر 136

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ

دونمازوں کو جمع کرنا

187. حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ، قَالَ: فَقِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا أَرَادَ بِذَلِكَ؟ قَالَ: أَرَادَ أَنْ لَا تُحْرَجَ أُمَّتُهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ ابوعيسى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، رَوَاهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ، وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَقِيقٍ الْعُقَيْلِيُّ. وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ هَذَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی حالت خوف اور بارش کے مدینہ طیبہ میں ظہر، عصر کی نمازوں اور مغرب، عشاء کی نمازوں کو جمع کیا۔

راوی فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: اس سے حضور کا کیا مقصد تھا؟ آپ نے فرمایا: آپ کا مقصد یہ تھا کہ میری امت حرج میں مبتلا نہ ہو جائے۔

اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث آپ سے مختلف طرق (اسانید) سے مروی ہے۔ اُسے جابر بن زید، سعید بن جبیر اور عبداللہ بن شقیق عقیلی رضی اللہ عنہم نے روایت ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے علاوہ بھی روایت منقول ہیں۔

188. حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَنَشٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ أَتَى بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ۔ قَالَ

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی عذر کے بغیر دونمازوں کو جمع کیا بے شک وہ کبیرہ گناہ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کے پاس آیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حَنَش ابوعلی رَحَبی

ابوعیسیٰ وَحَنَشٌ هٰذَا هُوَ أَبُو عَلِيٍّ الرَّحَبِيُّ، وَهُوَ حُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ، ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ أَنْ لَا يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ إِلَّا فِي السَّفَرِ أَوْ بِعَرَفَةَ، وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ فِي الجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ لِلْمَرِيضِ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ " وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ :يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي المَطَرِ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ، وَلَمْ يَرَ الشَّافِعِيُّ لِلْمَرِيضِ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ

سے حسین بن قیس مراد ہے۔اور یہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، امام احمد اور دیگر محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

علماء کے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے(اور اس کی صورت یہ ہے) کہ صرف سفر میں یا میدان عرفات میں دو نمازیں جمع کی جائیں۔

اور بعض تابعین نے مریض کو دو نمازیں اکٹھی ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔امام احمد اور امام اسحاق کا یہی مسلک ہے۔

بعض علماء کے نزدیک بارشوں کے موسم میں بھی دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی نظریہ ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک مریض کو دو نمازیں جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

تخریج حدیث187: (سنن ابی داؤد، باب الجمع بین الصلاتین، ج2،ص6،حدیث1211،المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مسند ابن الجعد، من حدیث ابی الزبیر محمد بن مسلم الخ، ج1،ص384،حدیث2632،مؤسسۃ نادر، بیروت ☆ مسند البزار، مسند ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما، ج11،ص59،حدیث4754،مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

تخریج حدیث188: (مسند ابی یعلی موصلی، اول مسند ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما، ج5،ص136،حدیث2751،دار المامون للتراث، دمشق ☆ المعجم الکبیر للطبرانی، عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما، ج11،ص216،حدیث11540،مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ ☆ المستدرک علی الصحیحین، اما حدیث عبدالرحمٰن بن مہدی، ج1،ص409،حدیث1020،دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دو نمازوں کو جمع کرنے کے بارے میں مذاہب اربعہ

شوافع کا موقف:

علامہ احمد بن محمد ابن المحاملی شافعی (متوفی 415ھ) فرماتے ہیں:

جمع بین الصلاتین تین جگہوں پر کر سکتے ہیں:

پہلی جگہ: حالت سفر میں، اگر چاہے تو ظہر کے وقت میں عصر کو مقدم کر کے پڑھ لے اور عشاء کو مغرب کے وقت میں، اور اگر چاہے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت ادا کرے اور مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت ادا کرے۔

دوسری جگہ: حج میں جمع بین الصلاتین کہ میدان عرفات میں عصر کو مقدم کر کے ظہر کے ساتھ ادا کرے اور مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ مزدلفہ میں ادا کرے۔

تیسری جگہ: بارش کے وقت جمع بین صلاتین کہ عصر کو مقدم کرے ظہر کے ساتھ اور عشاء کو مغرب کے ساتھ اور (اس صورت میں) تاخیر کرنا جائز نہیں۔

اور جمع بین صلاتین دو شرطوں کے ساتھ کرنا جائز ہے، **پہلی شرط:** دو قولوں میں سے ایک کے مطابق پہلی نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت جمع کی نیت کر لے اور دوسرے قول کے مطابق پہلی نماز کے سلام سے پہلے جمع کی نیت کر لے۔ دوسری شرط یہ کہ جمع بین صلاتین کے لیے جو عذر واقع ہوا، نماز کے آخر تک باقی رہے۔

(اللباب فی الفقہ الشافعی، کتاب الصلاۃ، ج1، ص119,120، دار البخاری، مدینہ منورہ)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

مذہب مشہور اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کی نصوص اور ان کے اصحاب کے طرق میں معروف یہ ہے کہ جمع بین صلاتین مرض، ہوا، اندھیرے کے وقت، خوف اور کیچڑ کے وقت پڑھنا جائز نہیں۔ متولی نے کہا: قاضی حسین نے فرمایا: جمع بین صلاتین خوف اور مرض کے عذر کے سبب کرنا جائز ہے جس طرح کہ مسافر کے لیے جمع بین صلاتین کرنا مقدم یا مؤخر جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں میں سے اوفق کے ساتھ ادا کرے، متولی نے اس سے استدلال کیا اور اس کو قوی ٹھہرایا۔۔۔۔۔۔ اور اصحاب نے مذہب مشہور کے لیے چند اشیاء سے دلیل لی ہے ان میں سے ایک اوقات والی حدیث ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں مگر صریح روایت کے ساتھ۔ ایک چیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثیر امراض میں مبتلا رہے لیکن مرض کے سبب آپ سے جمع بین صلاتین

صریحا مروی نہیں، ایک یہ ہے کہ جو شخص کمزور ہو اور اس کا گھر مسجد سے بہت دور ہو تو اس کے لیے جمع بین صلاتین باوجود ظاہری مشقت کے جائز نہیں یونہی مریض کا معاملہ ہے۔ (المجموع شرح المہذب، مسائل تعلق بجمع المسافر، ج4، ص383,384، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جمع بین صلاتین کے تین اسباب ہیں:

پہلا سبب وہ سفر جو قصر کو مباح کردے کیونکہ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو ظہر کو وقتِ عصر تک مؤخر فرماتے تھے، تو ان دونوں کو ایک وقت میں جمع فرماتے اور مغرب کو مؤخر فرماتے یہاں تک اسے اور عشاء کو جمع کرتے جب شفق غائب ہو جاتی (متفق علیہ) خرقی نے جمع بین صلاتین کو اسی حالت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ جب کوئی شخص پہلی نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے سفر شروع کردے تو وہ اس کو مؤخر کرے اس کو دوسری نماز کے وقت میں اس کے ساتھ جمع کر کے ادا کرے، اسی کی مثل امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

جمع بین صلاتین کے جواز کا مذہب اس کے لیے ہے جس کے لیے اس کے اترنے اور چلنے میں قصر پڑھنا جائز ہو، اور ایسے شخص کو اختیار ہے کہ وہ دوسری نماز کو مقدم کر کے پہلی نماز کے ساتھ پڑھ لے، یا پہلی کو مؤخر کر لے اور دوسری کے ساتھ ادا کر لے، کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((أن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان إذا ارتحل قبل زيغ الشمس أخر الظهر حتى يجمعها إلى العصر فيصليهما جميعًا وإذا ارتحل بعد زيغ الشمس صلى الظهر والعصر جميعًا ثم سار وإذا ارتحل قبل المغرب أخر المغرب حتى يصليها مع العشاء وإذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء، فصلاها مع المغرب)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج کے ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو نماز ظہر کو مؤخر فرماتے یہاں تک اس کو عصر کے ساتھ جمع فرماتے اور ان دونوں کو اکٹھا ادا فرماتے۔ اور جب سورج ڈھلنے کے بعد سفر شروع فرماتے تو نماز ظہر و عصر کو ایک ساتھ ادا فرماتے پھر سفر شروع کرتے، اور جب مغرب سے قبل سفر شروع فرماتے تو مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک اس کو عشاء کے ساتھ ادا کرتے اور جب مغرب کے بعد سفر کرتے تو عشاء کو جلدی ادا فرماتے اور اسے مغرب کے ساتھ اداء فرما لیتے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ روایت حسن ہے۔

اسی کی مثل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حضرت انس نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے، اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے، اور اس وجہ سے کہ یہ سفر کی رخصتوں میں سے ایک رخصت ہے تو اس میں چلنے کا اعتبار نہیں جس طرح کہ اس کی باقی رخصتوں میں ہے، تو اگر ان دونوں کو پہلی نماز کے وقت میں جمع کرے تو تین شرائط کا اعتبار ضروری ہے:

پہلی شرط: پہلی نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت جمع بین صلاتین کی نیت کرے، کیونکہ وہ نیت اس کی طرف محتاج ہے ،تو اعتبار تکبیر تحریمہ کے وقت کا ہوگا جس طرح کہ قصر کی نیت میں ہوتا ہے۔اور اس میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ وہ پہلی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوسری کی نیت کرلے تو اسے یہ بات کفایت کرے گی کیونکہ وہ جمع بین صلاتین کی جگہ ہے،تو جب نمازی نے اس سے نیت مؤخر نہ کی تو جائز ہے امام ابوبکر نے کہا: جمع بین صلاتین نیت کی محتاج نہیں، جیسا کہ قصر۔اور ماقبل میں اس پر کلام ہو چکا۔

دوسری شرط: دونوں نمازوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو مگر بہت تھوڑا کیونکہ جمع کرنے کا مطلب ہے متابعت اور کسی چیز سے ملا ہوا ہونا اور طویل فاصلہ سے متابعت اور ملے ہوئے ہونے کا حصول نہیں ہوسکتا۔فاصلہ کے کم زیادہ ہونے میں عرف کا اعتبار ہے۔تو اگر وہ خفیف وضو کی طرف محتاج ہوا تو یہ باطل نہیں ہوگی اور اگر اس نے دونوں نمازوں کے درمیان نماز کی سنتیں ادا کیں تو اس بارے دو روایتیں ہیں۔

تیسری شرط: پہلی نماز کے شروع کرتے وقت، اس سے فراغت کے وقت اور دوسری نماز کے شروع کے وقت بھی عذر موجود ہو۔کیونکہ پہلی نماز کا افتتاح نیت کی جگہ ہے اور دوسری نماز کے افتتاح سے جمع حاصل ہوگی تو اس میں بھی عذر کا اعتبار کیا گیا ہے،اور اگر ان مواضع کے علاوہ عذر منقطع ہو گیا تو مؤثر نہیں ہوگا ،اور اگر کوئی جمع بین صلاتین دوسری نماز کے وقت میں کرے تو درج ذیل امور کا اعتبار کیا جائے گا: پہلی نماز کے وقت میں جمع بین صلاتین کے لیے تاخیر کی نیت کرنا جبکہ پہلی نماز کا وقت اس قدر باقی ہو کہ وہ یہ نماز ادا کر سکے،دوسری نماز کے وقت تک عذر کا جاری رہنا ،البتہ دوسرے وقت میں عذر کا پایا جانا معتبر نہیں کیونکہ وہ اپنے وقت کے علاوہ میں ہو جائے گی اور اس کیلئے تاخیر کرنا جائز ہے اور دو وجوں (اقوال) میں سے اصح وجہ پر ان دونوں کے متصل ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ دوسری نماز اپنے وقت میں ادا کی جارہی ہے تو وہ بہر حال میں ادا ہی ہو گی اور پہلی نماز اس کے ساتھ ایسے ہوگی جس طرح کہ فوت شدہ نماز ہوتی ہے۔

دوسرا سبب بارش ہے: یہ مغرب اور عشاء کے جمع کرنے کو مباح کر دیتی ہے کیونکہ ابو سلمہ فرماتے ہیں: بارش والے دن مغرب اور عشاء کو جمع کرنا سنت ہے،اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب امراء کو اکٹھا کرتے تو مغرب وعشاء کو جمع کرتے۔

ظہر اور عصر کو بارش کے سبب جمع نہیں کیا جائے گا،امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اس طرح کا قول نہیں سنا اور اسی کو ابو بکر نے اختیار کیا،اور ہمارے بعض اصحاب نے رات پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کی صورت بیان کی ہے،اور یہ درست نہیں کیونکہ بارش میں مشقت رات میں اندھیرے کے سبب زیادہ ہوتی ہے،اس کے غیر کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور جمع بین صلاتین کے مباح ہونے کے لیے ایسی بارش ہونا ضروری ہے جس سے کپڑے بھیگ جائیں اور اس میں نماز کے لئے

جانے میں مشقت ہو،اور برف باری میں بھی اسی کی مثل حکم ہے، بہر حال بہت ہلکی بارش اور ایسی بارش جس سے کپڑے نہ بھیگیں ،تو ایسی بارش جمع بین صلاتین کو جائز نہیں کرے گی کیونکہ اس میں مشقت نہیں ہے۔

کیا بارش کی وجہ سے منفرد شخص کے لیے جمع بین صلاتین کرنا جائز ہے یا جو مسجد میں مقیم ہو یا جس کی مسجد کی طرف راستے میں سایہ وچھت ہو؟ اس کے بارے میں دو اقوال ہیں: پہلا یہ کہ مشقت نہ ہونے کے سبب ناجائز ہے، دوسرا یہ کہ جائز ہے کیونکہ عذر عام میں حقیقتِ مشقت معتبر نہیں جس طرح کہ سفر میں۔ اور صرف کیچڑ جمع بین صلاتین کو مباح کرنے والا ہے کیونکہ وہ اپنی مشقت کے اعتبار سے بارش کے مساوی ہے اور یہ جُمعہ اور جماعت کو ساقط کرنے والا ہے تو وہ مثل بارش ہے اور اس میں ایک اور قول بھی ہے کہ کیچڑ مباح نہیں کرتا کیونکہ مشقت میں یہ دونوں مختلف ہیں۔ تاریک رات میں شدید آندھی میں دو اقوال ہیں۔

تیسرا سبب مرض ہے کہ یہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کے جمع کرنے کو مباح کر دیتا ہے، جب اس (جمع) کے ترک سے مشقت اور ضعف لاحق ہو، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو مدینہ میں بغیر خوف اور بارش کے جمع کیا۔ اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔

ہم نے اس بات پر اجماع کیا کہ بغیر عذر کے جمع بین صلاتین کرنا جائز نہیں، تو اب باقی نہ رہی مگر مرض کی صورت۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ بنت سُہیل، حمنہ بنت جحش کو ان کے استحاضہ کے سبب جمع بین صلاتین کا حکم فرمایا، اور یہ مرض کی ایک قسم ہے۔

پھر وہ مقدم ومؤخر کرنے میں مختار ہے یعنی جو اس کے لیے آسان ہو وہ کرلے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقدم فرماتے جب دخول وقت کے بعد سفر شروع فرماتے اور جب دخول وقت سے قبل سفر شروع فرماتے تو آسانی چاہتے ہوئے مؤخر فرماتے، اور مریض کا معاملہ بھی ایسے ہی ہوگا، اگر اس کے پاس جمع ایک ہو تو موخر کرنا بہتر ہے۔ اور بارش میں جمع بین صلاتین کرنا اس میں جمع کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا مگر عشاء کو مغرب کے ساتھ مقدم کرنے میں تو یہی اولی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب الجمع بین الصلاتین، ج1، ص311 تا 314، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

یہ فصل دو مشترک نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کے متعلق ہے، جو دو نمازیں ایک وقت میں مشترک ہیں وہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ہیں، ان کو حالت سفر، مرض اور بارش میں جمع کرنے میں رخصت اور وسعت ہے۔ اور اس کے جواز میں

اصل وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا اور آپ نے ایک دن نماز کو مؤخر کیا، پھر نکلے تو ظہر وعصر کو ایک وقت میں جمع کیا پھر داخل ہوئے اور نکلے اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا جب آپ کسی دن میں چلنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر وعصر کو جمع کرتے، اور جب رات میں چلنے کا ارادہ فرماتے تو مغرب اور عشاء کو جمع کرتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ((کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إذا جد به السير يجمع بين الظهر والعصر)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چلنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر وعصر کو جمع فرماتے تھے۔ اور جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((قال صلى رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظهر والعصر جميعا والمغرب والعشاء جميعا في غير خوف ولا سفر)) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور سفر کے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میری اس بارے رائے یہ ہے کہ یہ بارش میں ہے حالانکہ روایت بغیر خوف اور بغیر بارش کی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اور اس طرح کے دیگر کام اس سبب سے کئے کہ آپ کی امت مشقت میں نہ پڑے۔ (المقدمات الممهدات، فصل في الجمع بين الصلاتين المشتركتين، ج1، ص185، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

امام مالک اور آپ کے جمیع اصحاب کرام کا اتفاق ہے کہ دو مشترک نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرنا کسی عذر مثلاً سفر، مرض اور بارش وغیرہ کے سبب مباح وجائز ہے، اور اس کی تفصیل کے معاملہ میں اختلاف ہے۔ بغیر عذر جمع بین صلاتین کرنے میں ان کا اختلاف ہے، اور مشہور مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں، اشہب نے کہا: حضرت ابن عباس وغیرہ کی احادیث کے ظاہر کے مطابق یہ (بغیر عذر جمع بین صلاتین کرنا) جائز ہے۔

(المقدمات الممهدات، فصل في الجمع بين الصلاتين المشتركتين، ج1، ص185، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

احناف کا مؤقف:

امام محمد شیبانی فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے کہ سفر میں دو نمازوں کا جمع کرنا، خواہ ظہر اور عصر ہوں یا مغرب اور عشاء ہوں، یکساں ہے۔ یعنی ظہر کو آخر وقت مؤخر کر کے پڑھے اور عصر میں تعجیل کر کے اس کو اول وقت میں پڑھ لے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء میں مغرب کو اتنا مؤخر کرے کہ اس کے آخری وقت میں، یعنی شفق غائب ہونے سے تھوڑا پہلے پڑھے اور عشاء میں جلدی کر کے اس کو اول میں پڑھ لے، یعنی شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی، یہ طریقہ ہے ان کو جمع کرنے کا۔

(الحجة على أهل المدينة، باب جمع الصلاة في السفر، ج1، ص174، عالم الکتب، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بارش، سفر یا کسی اور وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ پہلی کو آخر وقت تک مؤخر کر دے اور دوسری میں جلدی کر کے اول وقت میں ادا کرے، اس طرح دونوں کو جمع کر لے، تاہم ہر نماز ہوگی اپنے وقت میں۔ (الحجۃ علی اہل المدینہ، باب الجمع بین الصلاتین، ج 1، ص 160، عالم الکتب، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(دو نمازوں کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں سفر و حضر کسی حالت میں جمع نہیں کیا جائے گا) سوائے عرفہ اور مزدلفہ کے، کہ حاجی ظہر و عصر عرفات میں جمع کرے گا کہ وہ ان دونوں نمازوں کو وقت ظہر میں ادا کرے گا۔ اور حاجی مغرب اور عشاء کو مقام مزدلفہ میں جمع کرے گا اور ان دونوں نمازوں کو وقت عشاء میں ادا کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، اور ہمارے نزدیک ان دو جگہوں کے علاوہ کسی وقت میں دو نمازوں کو جمع نہیں کر سکتے، امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: سفر اور بارش کے عذر کے سبب دو نمازوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرض کے سبب بھی جائز ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جمع بین صلاتین سفر کے عذر کے بغیر حضر میں جائز ہے۔ اور ان کے دلائل درج ذیل ہیں: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظهر والعصر فی سفرہ إلی تبوك)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف سفر کے دوران ظہر و عصر کی نماز کو جمع فرمایا۔ اور حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین الصلاتین إذا جد به السفر)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو نمازوں کو جمع فرماتے جب سفر کے لیے تیاری فرماتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ((صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعا جمعا وثمانیا جمعا)) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات رکعات اور آٹھ رکعات اکٹھی ادا کیں۔ سات رکعات سے مراد مغرب و عشاء ہے اور اٹھ رکعات سے ظہر و عصر مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ ((جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینة من غیر عذر)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی عذر کے مدینہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع فرمائیں۔

اور ہمارے دلائل یہ ہیں: اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ اور نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی۔ (البقرۃ 238) یعنی ان کو وقت پر ادا کرو۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (النساء 103) یعنی وقت پر فرض ہے، اور

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((من جمع بین صلاتین فی وقت واحد فقد أتی بابا من الکبائر)) ترجمہ: جس نے ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کیا تو یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک باب پر آیا۔(مصنف ابن ابی شیبہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:((إن من أکبر الکبائر الجمع بین الصلاتین)) ترجمہ: کبائر میں سے بہت بڑا گناہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ)

جس طرح عشاء و فجر اور فجر و ظہر کو جمع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان میں سے ہر ایک شرعی طور پر ذکر کئے ہوئے اپنے وقت کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔

جمع بن صلاتین والی احادیث میں تاویل یہ ہے کہ یہاں جمع سے مراد فعلاً جمع کرنا ہے نہ کہ ایک وقت میں جمع کرنا اور اس کے ہم قائل ہیں۔ جمع بین صلاتین فعلاً کا مطلب یہ ہے کہ مسافر ظہر کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کرے پھر کسی منزل میں اترے اور نماز ظہر کو ادا کرلے پھر کچھ وقت ٹھہر جائے یہاں تک کہ عصر کا وقت شروع ہو جائے تو وہ اس کو اول وقت میں ادا کرلے، اسی طرح مغرب کو موخر کرے اس کے آخری وقت تک پھر آخری وقت میں ادا کرلے اور عشاء کو اس کے اول وقت میں ادا کرلے یوں یہ فعلاً دو نمازوں کو جمع کرنے والا ہوجائے گا۔ اس پر درج ذیل دلائل ہیں: حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا:((خرجنا مع ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهما من مكة فاستصرخ بامرأته فجعل يسير حتى غربت الشمس فنادى الركب الصلاة فلم يلتفت إليهم حتى إذا دنا غيبوبة الشفق نزل فصلى المغرب ثم مكث حتى غاب الشفق ثم صلى العشاء ثم قال هكذا كان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جد به السير)) ترجمہ: ہم حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ سے نکلے تو ایک عورت کی چیخ و پکار سنی تو آپ نے سواری کو تیز کیا یہاں تک سورج غروب ہوگیا تو ایک سوار نے نماز کے لیے پکارا آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی یہاں تک جب شفق غائب ہونے کے قریب ہوگئی تو اتر کر مغرب ادا کی اور پھر کچھ دیر ٹھہرے یہاں تک شفق غائب ہوگئی اور پھر آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی پھر فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوا کرتی تو اسی طرح کرتے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ:((أنه فعل مثل ذلك في بعض أسفاره صلى المغرب في آخر الوقت والعشاء في أوله وتعشى بينهما)) آپ نے بعض اسفار میں اسی طرح کیا کہ مغرب کی نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کیا اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کیا اور ان دونوں کے درمیان رات کا کھانا کھایا۔

حقیقت میں ان مسائل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ان کے نزدیک ظہر و عصر کے وقت میں تداخل ہے یہاں تک جب نابالغ بالغ ہوجائے، کافر اسلام لے آئے وقت عصر میں تو ان پر ظہر کی قضا کرنا لازم ہے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کا معاملہ ہے اور ہمارے نزدیک نمازوں (ظہر و عصر اور مغرب و عشاء) کے اوقات میں تداخل نہیں بلکہ ہر نماز اپنے وقت کے ساتھ خاص

ہے اور ہمارے مذہب کی دلیل وہ ہے جو ہم نے روایت کیا کہ کسی نماز کا وقت شروع نہیں ہوتا جب تک اس سے پچھلی نماز کا وقت نکل نہ جائے۔ (المبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلاۃ، ج1، ص149، دار المعرفہ، بیروت)

ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:

دو فرضوں کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں جمع کرنا جائز نہیں سوائے مقام عرفات و مزدلفہ کے کہ عرفات میں ظہر و عصر کو وقت ظہر میں جمع کرے گا اور مزدلفہ میں وقت عشاء میں مغرب و عشاء کو جمع کرے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی فرماتے تھے۔ سفر اور بارش وغیرہ اعذار کے سبب جمع بین صلاتین کرنا نا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سفر اور بارش کے عذر کے سبب ظہر اور عصر کو وقت عصر میں اور مغرب و عشاء کو وقت عشاء میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ اور انہوں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی اس روایت سے دلیل لی کہ: ((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَجْمَعُ بِعَرَفَةَ بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَبِمُزْدَلِفَةَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کو مقام عرفات میں جمع فرماتے اور مغرب و عشاء کو مقام مزدلفہ میں جمع فرماتے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ مسافر دوران سفر اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کا سفر نہ رکے۔ اور بارش میں اس سبب سے اجازت ہے تاکہ جماعت کثیر ہو سکے کیونکہ اگر لوگ اپنے گھروں کی طرف لوٹ جائیں گے تو ان کے لیے گھروں سے واپس آنا ممکن نہ رہے گا تو اس عذر کے سب ان کے لیے جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ عرفات میں ظہر و عصر کو جمع کرنا اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کرنا جائز ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور باقی کبائر کی طرح یہ سفر اور بارش کے عذر کی وجہ سے مباح نہیں ہو سکتا، اور اس کے کبیرہ گناہ ہونے کی دلیل وہ ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ جَمَعَ بَیْنَ صَلَاتَیْنِ فِی وَقْتٍ وَاحِدٍ فَقَدْ أَتَی بَابًا مِنَ الْكَبَائِرِ)) ترجمہ: جس نے ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کیا تو یہ کبائر میں سے ایک دروازہ پر آیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((الْجَمْعُ بَیْنَ الصَّلَاتَیْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ)) دو نمازوں کو جمع کرنا کبائر میں سے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اور اس وجہ سے کہ یہ نمازیں اپنے اوقات کے ساتھ معین ہیں یہ بات قرآن کریم، سنت متواترہ اور اجماع کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، تو اس کو کسی خبر واحد یا استدلال کے ذریعے ان کے اوقات سے متغیر کرنا جائز نہیں، علاوہ ازیں استدلال بھی فاسد ہو کیونکہ سفر اور بارش کے بارے کوئی اثر موجود نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی کے سبب نماز کو اس کے وقت سے فوت کر دینا جائز ہو۔ کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ تم نے جو اعذار بیان کیے ان کے سبب فجر و ظہر کو جمع کرنا جائز نہیں؟ اور عرفات میں جمع صلوتین وقوف اور نماز کو جمع کرنے کے متعذر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ نماز اور وقوف عرفہ میں تضاد نہیں ہے بلکہ یہ خلاف قیاس

اجماع اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل متواتر سے ثابت ہے۔تو یہ دلیل قطعی کے معارض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اسی طرح مزدلفہ میں جمع بین صلاتین چلنے کے ساتھ معلول نہیں ،کیا تو نے دیکھا نہیں کہ یہ فجر وظہر کے جمع کو مباح کرنے میں مفید نہیں اور جو اخبار احاد میں حدیث مروی ہے تو اس کو دلیل قطعی کے معارض قبول نہیں کیا جائے گا باوجود اس کے وہ غریب ہے جو ایسے واقعہ کے بارے میں ہے جس میں عموم بلوی ہے ،اور اس طرح کے دلائل ہمارے نزدیک غیر مقبول ہیں ،پھر وہ مؤول ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ احادیث میں جمع بین صلاتین سے مراد فعلاً جمع کرنا ہے نہ کہ وقت کے اعتبار سے،اس طرح کہ دونوں میں سے پہلی نماز کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کرے اور دوسری نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کرلے جبکہ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو تو وہ دونوں نمازیں فعلاً جمع ہوگئیں۔جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سفر میں ایسا ہی کیا اور فرمایا:((هٰكَذَا كَانَ يَفْعَلُ بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اسی طرح کرتے تھے۔اسی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر بارش وسفر کے دونمازوں کو جمع کیا اور اس طرح کرنا جائز نہیں سوائے یہ کہ فعلاً اس طرح کیا جائے۔حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ نے دونوں نمازوں کو فعلاً جمع کیا اور فرمایا:((هٰكَذَا فَعَلَ بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اسی طرح کیا۔اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فعلاً دونمازوں کو جمع کیا اور فرمایا:((هٰكَذَا فَعَلَ بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمارے ساتھ اسی طرح فرمایا۔

(بدائع الصنائع،فصل شرائط ارکان الصلاۃ،ج1،ص126,127،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

جمع بین الصلاتین پر علامہ عینی کا محققانہ کلام

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کرام ان دوجگہوں (عرفات اور مزدلفہ) کے علاوہ میں جمع بین صلاتین کی ممانعت کی طرف گئے ہیں یہی حضرت ابن مسعود اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس کے مطابق جسے ابن شداد نے اپنی کتاب میں ذکر کیا۔

امام ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مصنف میں فرمایا:ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو ہلال نے انہوں نے حنظلہ سدوسی سے راویت کیا انہوں نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا:((اَلْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ مِنَ الْكَبَائِرِ)) بغیر عذر جمع بین صلاتین کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔صاحب تلویح نے کہا:

علامہ نووی علیہ الرحمۃ کا قول: امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمہ نے اپنے شیخ کی مخالفت کی ہے۔ اور بے شک ان کا قول امام شافعی و احمد کے قول کی مثل ہے۔ صاحب غایہ نے شرح ہدایہ میں اس کا رد کیا۔ اس طور پر کہ ان سے اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں معاملہ اسی طرح ہے جیسے صاحب غایہ نے کہا۔ ہمارے اصحاب ہمارے ائمہ ثلاثہ کے احوال ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ ہمارے اصحاب نے استدلال فرمایا اس روایت سے جسے امام بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ((مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم صلى صَلَاةً لغير وقتها إلّا بجمع فَإِنَّهُ جمع بَيْنَ الْمغرب وَالْعشاء بجمع، وَصلى صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْغَدِ قبل وقتها)) ترجمہ: میں نے کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر وقت کے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر مزدلفہ میں کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کیا۔ آپ نے صبح کی نماز اگلے دن اس کے وقت سے پہلے ادا کی۔ اسی کو مسلم نے ابو قتادہ سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَيْسَ فِي النَّوم تَفْرِيط إِنَّمَا التَّفْرِيط فِي الْيَقَظَة أَن يُؤَخر صَلَاةً حَتَّى يدْخل وَقت صَلَاة أُخْرَى)) ترجمہ: نیند میں کوئی کوتاہی نہیں اور کوتاہی بیداری کی حالت میں ہے کہ کوئی نماز کو اس قدر موخر کرے کہ دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے۔

جن احادیث میں عرفہ یا مزدلفہ کے علاوہ جمع بین الصلاتین کا ذکر ہے ان کا جواب وہ ہے جسے امام طحاوی نے شرح معانی الاثار میں ذکر کیا کہ آپ نے پہلی نماز کو اس کے آخری وقت میں ادا کیا اور بعد والی نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کیا۔ نہ کہ آپ نے ایک وقت میں دو نمازوں کو ادا کیا، اس معنی کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کرتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((صلى رَسُول الله صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم الظّهْر وَالْعصر جَمِيعًا وَالْمغرب وَالْعشَاء جَمِيعًا فِي غير خوف وَلَا سفر)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو بغیر خوف اور سفر کے جمع فرمایا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے، ایک میں الفاظ یہ ہیں: ((جمع رَسُول الله صلی اللہ عَلَيْهِ وَسلم بَيْنَ الظّهْر وَالْعصر وَالْمغرب وَالْعشَاء بِالْمَدِينَةِ فِي غير خوف وَلَا مطر. قيل لِابْنِ عَبَّاس: مَا أَرَادَ إِلَى ذَلِك؟ قَالَ: أَرَادَ أَن لَا يحرج أمته)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو بغیر خوف اور بارش کے جمع فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی گئی اس سے کیا ارادہ کیا؟ فرمایا: ارادہ اس سے یہ کہ آپ کی امت حرج میں نہ پڑے۔

ہم میں سے اور ان میں سے کوئی ایک بھی حالت حضر میں اس کے جواز کا قائل نہیں۔ تو یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ جمع کا وہی معنی ہے جو ہم نے ذکر کیا یعنی پہلی نماز کو آخری وقت تک موخر کرنا اور دوسری کو اس کے اول وقت میں مقدم کر کے ادا کرنا ہے۔

اعتراض: حدیث الباب میں مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ((ان ابْن عمر كَانَ إِذا جد بِهِ السّير جمع بَيْنَ الْمغرب

وَيَقُول :إِن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ إِذا جد بِهِ السّير جمع بَين الْمغرب وَالْعشَاء بعد أَن يغيب الشَّفق، وَالْعشَاء)) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر میں ہوتے تو مغرب وعشاء کو جمع کرتے شفق کے غائب ہونے کے بعد اور فرماتے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو مغرب اور عشاء کو جمع کرتے۔

یہ حدیث دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے پر واضح دلیل ہے۔علامہ نووی فرماتے ہیں: اس حدیث میں احناف کے قول میں جو جمع بین صلاتین کی تاویل ہے اس کا رد ہے کہ ان کے نزدیک جمع سے مراد پہلی نماز کو آخری وقت تک موخر کرنا اور دوسری نماز کو اس کے پہلے وقت میں ادا کرنا ہے۔جواب: شفق کی دو قسم ہیں: (۱) شفق احمر (۲) شفق ابیض۔جیسا کہ اس میں صحابہ کرام اور علماء کرام کا اختلاف ہے تو (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں) احتمال ہے کہ یہاں جمع بین صلاتین سے مراد شفق احمر کے غائب ہونے کے بعد تو مغرب کی نماز اسکے قول کے مطابق اپنے وقت میں ہوگئی جس نے کہا: شفق سے مراد شفق ابیض ہے، اسی طرح عشاء کی نماز اپنے وقت میں ادا کی گئی اس کے قول کے مطابق جو اس کا قائل ہے کہ شفق سے مرد شفق احمر ہے۔اور اس پر اس جملہ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے شفق کے غائب ہونے کے بعد دونوں نمازوں کو جمع کیا۔اور در حقیقت بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے وقت میں واقع ہوئی شفق میں اختلاف کے دونوں اقوال کے مطابق، تو اسی کو نام دیا گیا جمع بین صلاتین کا تو یہ صورتا جمع ہے نہ کہ وقتا...... خطابی نے ہمارے اصحاب کی تاویل کو رد کرتے ہوئے کہا: جمع بین صلاتین رخصت ہے تو اگر احناف نے جوڑ کر کیا معاملہ یوں ہو تو ہر نماز کو اس کے وقت میں لانا عظیم تنگی پیدا کرے گا کیونکہ نماز کے اول و آخر اوقات کا ادراک تو اکثر خواص کو بھی نہیں چہ جائیکہ عوام کو ہو۔ابن قدامہ نے کہا: جمع بین صلاتین کو جمع صوری پر محمول کرنا دو وجہ سے فاسد ہے۔پہلی وجہ: حدیث صحیح میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے ایک کے وقت میں جمع کیا۔ دوسری وجہ: جمع کرنا رخصت ہے تو اگر احناف کا مذہب مانا جائے تو ضرور بہت شدید تنگی اور عظیم حرج لازم آئے گا یعنی ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا۔اور کہا: اگر جمع صوری جائز ہوتی تو ضرور مغرب وعصر کو جمع کرنا جائز ہوتا اور عشاء و فجر کو جمع کرنا۔اور کہا: اور اس کے حرام ہونے میں امت کا کوئی اختلاف نہیں۔اور کہا: اور حدیث پر عمل کرنا اس وجہ پر جو پہلے گزرا فہم کے زیادہ قریب ہے بجائے اس تکلف کے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے تسلیم کیا کہ جمع بین صلاتین رخصت ہے لیکن ہم نے اس کو محمول کیا جمع صوری پر تا کہ خبر واحد نصوص قطعیہ کے معارض نہ آئے۔اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾ ترجمہ: اور نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی۔(البقرۃ238) یعنی اس کے اوقات میں اسے ادا کرو۔اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ ترجمہ: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔(النساء103) یعنی معین وقت پر فرض

ہے۔

جو ہم نے جمع صوری والی بات کی اس پر عمل کی صورت میں حدیث اور آیت دونوں پر عمل ہو جائے گا جو دیگر نے کہا وہ آیت پر عمل کے ترک کی طرف لے جائیگا۔اور ان کے مذہب کے مطابق لازم آئے گا کہ یہ رخصت ہے اور وہ اس پر بارش یا خوف کے عذر کے سبب حضر کی حالت میں بھی جمع کر لیں، حالانکہ اس کو انہوں نے بھی جائز قرار نہیں دیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ((نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک میں بغیر خوف و بارش کے ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا)) کی مردود تاویلیں کی ہیں۔ہمارے مذہب پر عمل کی صورت میں قرآن پر اور ہر حدیث جو اس باب میں وارد ہوئی بغیر تاویلات کے اس پر عمل ہو جائے گا، علامہ خطابی نے کہا کیونکہ اوقات کا آغاز الخ یہ بات مسلم نہیں کیونکہ نماز دین کے امور میں سے بہت عظمت والی ہے تو مومن کامل پر وہ امور جو اس کے دین کے عظیم ترین امر سے متعلق ہو کیسے مخفی رہ سکتے ہیں؟ جو ہم نے ذکر کیا اسی میں ابن قدامہ کا بھی رد ہے۔اور اس کا عصر و مغرب اور عشاء و فجر پر قیاس کرنا باطل ہے اس کے لیے اصلا کوئی وجہ نہیں باہم ملازمت کے نہ ہونے کے سبب۔اور جو ہم نے جو تاویل کی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا ضیاع نہیں بلکہ جو ہم نے کہا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی حفاظت ہے کیونکہ یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جن احادیث میں بظاہر تعارض تھا ان میں تطبیق ہو جانے کی وجہ سے، سمجھ لو۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الجمع فی السفر الخ، ج7، ص150 تا152، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اعلیٰ حضرت کا محققانہ کلام

جمع بین الصلوتین کے عدمِ جواز پر امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا ایک محققانہ رسالہ ہے، جس کا نام ''حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین'' ہے۔غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنی رسالہ ''معیار الحق'' میں احناف کی متدل احادیث پر جو تنقیدیں کی تھیں اس رسالہ میں ان کا رد بلیغ بھی ہے۔

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اس رسالہ میں فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے نماز فرض کا ایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے کہ نہ اُس سے پہلے نماز کی صحت نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت، ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں، قرآن عظیم واحادیث صحاح سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔

یہی مذہب ہے(۱) حضرت ناطق بالحق والصواب موافق الرائے بالوحی والکتاب امیر المومنین عمر فاروق اعظم (۲) و

حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص احد العشرۃ المبشرۃ (۳) وحضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود من اجل فقہاء الصحابۃ البررۃ (۴) و حضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق (۵) وحضرت سیدتنا ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق اعاظم صحابہ کرام (۶) وخلیفہ راشد امیر المومنین عمر بن عبد العزیز (۷) وامام سالم بن عبداللہ بن عمر (۸) وامام علقمہ بن قیس (۹) وامام اسود بن یزید نخعی (۱۰) و امام حسن بصری (۱۱) وامام ابن سیرین (۱۲) وامام ابراہیم نخعی (۱۳) وامام مکحول شامی (۱۴) وامام جابر بن زید (۱۵) وامام عمرو بن دینار (۱۶) وامام حماد بن ابی سلیمان (۱۷) وامام اجل ابوحنیفہ اجلہ ائمہ تابعین (۱۸) وامام سفیان ثوری (۱۹) وامام لیث بن سعد (۲۰) وامام قاضی الشرق والغرب ابویوسف (۲۲) وامام ابوعبداللہ محمد الشیبانی (۲۳) وامام زفر بن الہذیل (۲۴) وامام حسن بن زیاد (۲۵) وامام دار الہجرۃ عالم المدینۃ مالک بن انس فی روایۃ ابن قاسم اکابر تبع تابعین (۲۶) وامام عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی تلمیذ امام مالک (۲۷) وامام عیسٰی بن ابان (۲۸) وامام ابوجعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم ائمہ دین کا، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص160، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

تحقیق مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا دو قسم ہے:

جمع فعلی جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آگیا اب فوراً عصر اوّل وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہوئے کہ شفق ڈوب گئی عشاء کا وقت ہوگیا وہ پڑھ لی، ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلاشبہہ جائز ہے۔ ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس کی رخصت دیتے ہیں۔

دوسری قسم جمع وقتی ہے جسے جمع حقیقی بھی کہتے ہیں۔۔۔۔ اس جمع کے یہ معنی ہیں کہ ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھی جائے جس کی دو صورتیں ہیں:

جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلا بلافصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں۔

اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلا خواہ منفصلا اُس وقت کی نماز ادا کریں گے۔

یہ دونوں صورتیں بحالتِ اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع

تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام از یں کہ وہ مسافر ہوں یا خاص ساکنانِ مکّہ ومنیٰ وغیرہما مواضع قریبہ کی وہ بوجہ نسک (حج) ہے نہ بوجہ سفر۔

اور بحالت اضطرار وعدمِ قدرت سفر حضر یا ظہر عصر وغیرہا کسی شے کی تخصیص نہیں جتنی نمازوں تک مشغولی جہاد یا شدّتِ مرض یا غشی وغیرہا کے سبب قدرت نہ ملے ناچار سب موخر رہیں گی اور وقت قدرت بحالت عدم سقوط ادا کی جائیں گی جس طرح حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غزوہ خندق میں ظہر وعصر ومغرب وعشا، عشا کے وقت پڑھیں۔

ان کے سوا کبھی کسی شخص کو کسی حالت میں کسی صورت جمع وقتی کی اصلاً اجازت نہیں اگر جمع تقدیم کرے گا نماز اخیر محض باطل ونا کارہ جائے گی جب اُس کا وقت آئیگا فرض ہوگی نہ پڑھے گا ذمے پر رہے گی اور جمع تاخیر کرے گا تو گنہ گار ہوگا عمداً نماز قضا کردینے والا ٹھہرے گا اگرچہ دوسرے وقت میں پڑھنے سے فرض سر سے اُتر جائے گا۔

یہ تفصیل مذہب مہذب ہے اور اسی پر دلائل قرآن وحدیث ناطق بلکہ توقیت صلاۃ کا مسئلہ متفق علیہا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز کو دانستہ قضا کردینا بلاشبہ حرام تو جس طرح صبح یا عشا قصداً نہ پڑھنی کہ ظہر یا فجر کے وقت پڑھ لیں گے حرام قطعی ہے یوں ہی ظہر یا مغرب عمداً نہ پڑھنی کہ عصر یا عشا کے وقت ادا کرلیں گے حرام ہونا لازم اور وقت سے پہلے تو حرمت درکنار نماز ہی بیکار جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز یا پہر دن چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے قطعاً نہ ہوگی، یونہی جو ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء نبٹالے اس کا بھی نہ ہونا واجب۔

احادیث میں کہ حضور پُر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے جمع منقول اُس میں صراحۃً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل ومحتمل اُسی صریح مفصل پر محمول، جمع حقیقی کے باب میں اصلاً کوئی حدیث صحیح صریح مفسر وارد نہیں جمع تقدیم تو اس قابل بھی نہیں کہ اُس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے جمع تاخیر میں احادیث کثیرہ کے خلاف دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے بادی النظر میں دھوکا ہو مگر عند التحقیق جب احادیث متنوعہ کو جمع کرکے نظرِ انصاف کی جائے فوراً حق ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ بھی وجوباً یا امکاناً اُسی جمع صوری کی خبر دے رہی ہیں غرض جمع وقتی پر شرع مطہر سے کوئی دلیل واجب القبول اصلاً قائم نہیں بلکہ بکثرت صحیح حدیثیں اور قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اور اصول شرع کی واضح دلیلیں اُس کی نفی پر حجت مبین، یہ اجمال کلام ودلائل مذہب ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص160 تا 163، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے بعد امام اہل سنت نے متعدد احادیث جمع صوری کے ثبوت پر پیش فرمائیں پھر ارشاد فرماتے ہیں:

''الحمد اللہ جمع صوری کا طریقہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضرت مولی علی وعبداللہ بن مسعود وسعد بن مالک

وعبداللہ بن عمرو غیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روشن وجہ پر ثابت ہوا الحمداللہ جمع صوری کا طریقہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضرت مولیٰ علی وعبداللہ بن مسعود وسعد بن مالک وعبداللہ بن عمرو غیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روشن وجہ پر ثابت ہوا اورامام لامذہبان کا وہ جبروتی ادعا کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں، اوراس سے بڑھ کر یہ بانگ بے معنی کہ یہ روایات جن سے جمع صوری کرنی ابن عمر کی واضح ہوتا ہے سب واہیات اور مردود اور شاذ اور مناکیر ہیں اور بشدت حیا یہ خاص جو دوافترا کہ ابن عمر نے اس کیفیت سے ہرگز نمازیں جمع نہیں کیں جیسا کہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے اپنی سزائے کردار کو پہنچا"

(فتاوی رضویہ، ج5، ص174، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جمع صوری کا ثبوت جن روایات سے ہوتا ہے ان کی اسناد پر غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے تنقیدیں کی تھیں، پھر امام اہلسنت نے ان کے جوابات دیئے ہیں:

تنقید نمبر(1)اوراس کا جواب:

جمع صوری پر احناف کی ایک دلیل یہ حدیث پاک ہے:

((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ نَافِعٍ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَاقِدٍ، أَنَّ مُؤَذِّنَ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ:الصَّلَاةُ قَالَ:سِرْ سِرْ، حَتَّى إِذَا كَانَ قَبْلَ غُيُوبِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ انْتَظَرَ حَتَّى غَابَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ قَالَ:إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَجِلَ بِهِ أَمْرٌ، صَنَعَ مِثْلَ الَّذِي صَنَعْتُ فَسَارَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ مَسِيرَةَ ثَلَاثٍ)) ترجمہ: نافع وعبداللہ بن واقد(دونوں تلامذہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا: چلو چلو، یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشا پڑھی پھر فرمایا: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس دن رات میں تین رات دن کی راہ قطع کی۔

(سنن ابی داود، باب الجمع بین الصلوتین، ج2، ص6، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

غیر مقلدین کے شیخ الکل نے اس حدیث پاک پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں محمد بن فضل راوی ضعیف ہے اور یہ اس کی طرف رافضی ہونے کی نسبت ہے، اس پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اوّلاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہے۔

ثانیاً: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے لاباس بہ (اس میں کوئی

نقص نہیں) کہا، امام احمد نے اُس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اُس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسّر اُس کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثاً: یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعوٰی کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ملاّ جی کو بایں سالخوری ودعوٰی محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیع ورفض میں کتنا فرق ہے۔

زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلھم اللہ تعالٰی جمیعا بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلافِ تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں خود مُلاّ جی کے خیال میں اپنی مُلائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کیلئے متشیع کو رافضی بنایا حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنّت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا وبس۔ لکھتے ہیں: ''محمد بن فضیل بن غزوان، المحدث الحافظ، کان من علماء ھذا الشان، وثقه یحیٰی بن مَعین، وقال احمد: حسن الحدیث، شیعی۔ قلت: کان متوالیا فقط ''ترجمہ: محمد ابن غزوان، جو کہ محدّث اور حافظ ہے، حدیث کے علماء میں سے تھا یحیٰی ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور احمد نے کہا ہے کہ اچھی حدیثیں بیان کرتا ہے مگر شیعہ ہے۔ میں نے کہا: صرف اہلِ بیت سے محبت رکھتا تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ، فی ترجمۃ محمد بن فضیل، ج 1، ص 290، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن)

رابعاً: ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری ومسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے ان کے رواۃ میں تیس (30) سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاحِ قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا۔

(پھر امام اہلسنت نے حاشیہ میں ان کا ذکر کیا: مثلاً ابان بن تغلب، اسمٰعیل بن ابان ورّاق، اسمٰعیل بن زکریا، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سُدی صدوق یھم، بکیر بن عبداللہ، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن سلیمٰن، حسن بن صالح، خالد بن مخلد قطوانی، ربیع بن انس صدوق لہ اوھام، زاذان کندی، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ھمدانی، عباد بن یعقوب رواجنی، عباد بن عوام کلابی، عبداللہ بن عمر مشکدانہ، عبداللہ بن عیسٰی کوفی، عبدالرزاق، صاحبِ مصنف، عبدالملک بن اعین، عبیداللہ بن موسٰی، عدی بن ثابت، علی بن الجعد، علی بن ھاشم بن البرید، فضل بن دُکین ابونعیم، فضیل بن مرزوق، فطر بن خلیفۃ، مالک بن اسمٰعیل نھدی، محمد بن اسحٰق

صاحبِ مغازی، محمد بن جحادہ اور یہی محمد بن فضیل، ھشام بن سعد، یحیی بن الجزار وغیرہم)

یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا: کتاب مسلم ملان من الشیعة ۔ مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔

دُور کیوں جایئے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی صرف بمعنی محبِ اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

خامساً: اُس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتین دو ثقات عدول ابن جابر و عبد اللہ بن العلا سے ابوداود نے ذکر کردیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا ولکن الجھلة لایعلمون (لیکن جاہل جانتے نہیں ہیں) اور یہ تو ادنیٰ نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا ملا جی نے نقل میں عارف اُڑا دیا کہ جو کلمہ مدح کم ہو وہی سہی۔

تنقید نمبر (2) اور اس کا جواب:

احناف کی مؤید ایک اور حدیث پاک جسے امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا، وہ سند سمیت درج ذیل ہے:

((حدثنا بشرُ بنُ بَكْرٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي ابْنُ جَابِرٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي نَافِعٌ، قَالَ:خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا،وَهُوَ يُرِيدُ أَرْضًا لَهُ ,قَالَ :فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا ,فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ :إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ لِمَا بِهَا ,وَلَا أَظُنُّ أَنْ تُدْرِكَهَا.فَخَرَجَ مُسْرِعًا وَمَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ,فَسِرْنَا حَتَّى إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ لَمْ يُصَلِّ الصَّلَاةَ ,وَكَانَ عَهْدِي بِصَاحِبِي وَهُوَ مُحَافِظٌ عَلَى الصَّلَاةِ .فَلَمَّا أَبْطَأَ قُلْتُ الصَّلَاةَ رَحِمَكَ اللهُ,فَلَمَّا الْتَفَتَ إِلَيَّ وَمَضَى كَمَا هُوَ ,حَتَّى إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الشَّفَقِ,نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ الْعِشَاءَ وَقَدْ تَوَارَتْ ,ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ:كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَجِلَ بِهِ أَمْرٌ ,صَنَعَ هَكَذَا)) ترجمہ: نافع فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لیے جاتے تھے کسی نے آ کر کہا آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبیدا پنے حال میں مشغول ہیں شاید ہی آپ انہیں زندہ پائیں۔ یہ سُن کر بسُرعت چلے اور اُن کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا سورج ڈوب گیا اور نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے جب دیر لگائی میں نے کہا: نماز، خدا آپ پر رحم فرمائے، میری طرف پھر کر دیکھا اور آگے روانہ ہوئے جب شفق کا اخیر حصہ رہا اُتر کر مغرب پڑھی پھر عشا کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اُس وقت عشا پڑھی پھر ہماری طرف منہ کر کے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے۔

(شرح معانی الآثار، باب الجمع بین صلوتین کیف ھو؟، ج 1، ص 163، عالم کتب)

اس حدیث پاک پرطعن کرتے ہوئے غیر مقلدین کے شیخ الکل نے بشر بن بکر کے بارے میں لکھا:

وہ غریب الحدیث ہے ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قاله الحافظ فی التقریب۔

اس پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اولاً: ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رَد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھیے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کر گئے۔

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں "ثقة يغرب" ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلان يغرب اور فلان غريب الحديث میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامساً: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھی کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

(پھر امام اہلسنت نے حاشیہ میں بخاری ومسلم کے ان رجال کا ذکر کیا، فرماتے ہیں: مثلاً ابرھیم بن طھمان، بشر بن خالد، ابرھیم بن سوید بن حبان، بشیر بن سلمان، حسن بن احمد بن ابی شبیب، محمد بن عبدالرحمن بن حکیم وغیرہم کہ سب ثقہ یغرب ہیں۔ احمد بن صباح حکام بن مسلم وغیرھما ثقہ لہ غرائب خصوصا ازھر بن جمیل، خالد بن قیس، ابراھیم بن اسحق وغیرھم کہ صدوق یغرب یہ تینوں بشر بن بکر سے بھی گئے درجے کے ہوئے کہ ثقہ سے اتر کر طرف صدوق ہیں)

سادساً: ذرا میزان تو دیکھئے کہا: ما بشر بن بكر التنيسي فصدوق ثقة لاطعن فيه (یعنی بشر بن بکر تنیسی خُوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں)۔

(میزان الاعتدال فی ترجمۃ بشر بن بکر، ج1، ص314، مطبوعہ دار المعرفت بیروت، لبنان)

کیوں شرمائے تو نہ ہو گے ایسی ہی اندھیری ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی حدیثیں ضعیف ہیں۔

تنقید نمبر (3) اور اس کا جواب:

نسائی کی ایک روایت جس میں جمع صوری کی صراحت ہے، اس کی سند یہ ہے: أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا

الْوَلِیدُ قَالَ:حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ قَالَ:حَدَّثَنِی نَافِعٌ قَالَ:خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔

(سنن نسائی، الوقت الذی یجمع فیہ المسافر، ج 1، ص 287، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

اس پر غیر مقلدین کے شیخ الکل نے ولید بن قاسم سے رَد کیا کہ روایت میں اُس سے خطا ہوتی تھی، کہا: تقریب میں ہے کہ صدوق یخطی۔

اس پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اولاً: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہا أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ:حَدَّثَنَا الْوَلِیدُ قَالَ:حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ قَالَ:حَدَّثَنِی نَافِعٌ قَالَ:خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔

ملاّ جی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں، ولید بن مسلم ہیں رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمد اللہ اُس کا احتمال یہاں مفقود کہ وہ صراحۃ حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرما رہے ہیں۔

مُلاّ جی! تم نے جانا کہ آپ کے کید (فریب) پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتایئے کہ آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کس دلیل سے متعین کرلیا، کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر اب عاجز آ کر ہم سے پوچھنا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا اوّل تو بقانون مناظرہ جب آپ غاصب منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پُوچھو تو پہلے اپنی جزاف کا صاف صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجئے تو ایک یہی کیا بعونہ تعالیٰ بہت کچھ سکھا دیں وہ قواعد بتا دیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعین نکال سکو۔

ثانیاً: بفرضِ غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحقِ رَد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حدیث لکھو۔ ابنِ عدی نے کہا: اذا روی عن ثقة فلاباس به (وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو اُن میں کوئی عیب نہیں) اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثاً: ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہُوئے کہ اُن میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطی بلکہ اس سے زائد کہا ہے کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رَد ہی کر دو گے!

(پھر امام اہلسنت نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ان رجال کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: مثلاً اسمٰعیل بن مجالد، اشھل بن حاتم، بشر بن عمیس، حارث بن عبید، حبیب بن ابی حبیب، حجاج بن ابی زینب، حسان بن ابرھیم، حسان بن حسان بصری، حسان

بن عبداللہ کندی، حسن بن بشر بن سلم، حسن بن ذکوان ورمی بالقدر، خالد بن خداش، خالد بن عبدالرحمن السلمی، شریک بن عبداللہ بن ابی بر، عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار، عبدالجید بن عبدالعزیز، مسکین بن بکیر، معقل بن عبیداللہ وغیرھم ان سب پر وہی حکم صدوق یخطی لگایا ہے خلیفۃ بن خیاط، عبداللہ بن عمر نمیری، عبدالرحمٰن بن حرملہ اسلمی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبید، یحییٰ بن ابی اسحق حضرمی وغیرھم صدوق ربما اخطأ ہیں، اب زیادہ کی بعض مثالیں لیجئے حجاج بن ارطاۃ صدوق کثیر الخطاء والتدلیس، شریک بن عبداللہ نخعی صدوق یخطی کثیر التغیر حفظہ، صالح بن رستم المزنی صدوق کثیر الخطاء، عبداللہ بن صالح صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ وکانت فیہ غفلۃ، فلیح بن سلیمان صدوق کثیر الخطاء، مطر الوراق صدوق کثیر الخطاء وحدیثہ عن عطاء ضعیف، نعیم بن حماد صدوق یخطی کثیراً)

رابعاً: صحیح بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی تقریب میں انہیں صدوق یخطی ۔ پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا: خلطه ابن مندة بالذی قبل فوهم، وهذا ضعیف (ابن مندہ نے اسے پہلے کے ساتھ ملادیا ہے یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ یہ ضعیف ہے۔) دیکھو صاف بتادیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں، مُلّا جی اپنی جہالت سے مردود واہیات گارہے ہیں۔

<u>تنقید نمبر (4) اور اس کا جواب:</u>

امام نسائی اور امام طحاوی کی حدیث صحیح کو "عطاف" سے معلول کیا اور کہا کہ وہ وہمی ہے، اور کہا کہ تقریب میں اس کے بارے میں "صدوق یهم" ہے۔

اوّلاً: عطاف کو امام احمد وامام ابن معین نے ثقہ کہا و کفی بهما قدوة (اور ان دونوں کا راہنما ہونا کافی ہے) میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسّر منقول نہیں۔

ثانیاً: کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یہم میں کتنا فرق ہے۔

ثالثاً: صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی اُن میں کس قدر ہیں۔

(پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ میں صحیحین کے اس طرح کے رواۃ کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: مثل ابرھیم بن یوسف بن اسحاق، اسامہ بن زید اللیثی، اسمٰعیل بن عبدالرحمن السدی، ایمن بن نابل، جابر بن عمرو، جبر بن نوف، حاتم بن اسمٰعیل، حرب بن ابی العالیہ، حرمی بن عمارہ، حزم بن ابی حزم، حسن بن الصباح، حسن بن فرات، حمید بن زیاد، ربیعہ بن کلثوم، عبداللہ بن عبداللہ بن اویس وغیرھم سب صدوق یہم ہیں احوص بن جواب، حمزہ بن جیب زیات امام قراءت، معاذ بن ھشام، عاصم بن علی بن عاصم

وغیرھم سب صدوق ربما وھم بلکہ عطاء بن ابی مسلم صدوق یھم کثیرا)

رابعاً: بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی سہی مگر جب بالیقین اُن میں کوئی بھی درجہ سقوط میں نہیں تو تعدد طرق سے پھر حدیث حجت تامہ ہے ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

تنقید نمبر (5) اور اس کا جواب:

احناف کی مؤید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت جسے امام طحاوی، امام احمد اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا، اس کے رد کو پھر وہی شگوفہ چھوڑا کہ

ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیادہ موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا قالہ الحافظ التقریب۔

اوّلاً: تقریب میں صدوق کہا تھا وہ صندوق میں رہا۔

ثانیاً: وہی اپنی وہمی نزاکت کہ لہ اوھام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثاً: وہی صحیحین سے پُرانی عداوت تقریب دُور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری و مسلم کو یہی صدوق لہ اوھام (سچا ہے، اس کے اوہام ہیں) کہا ہے۔

(اس کے حاشیہ میں امام اہل سنت فرماتے ہیں: صدوق یھم وصدوق ربما وھم کی بکثرت مثالیں اوپر گزر چکیں مگر باتباع لفظ خاص امثلہ سُنیے احمد بن بشیر، حسن بن خلف، خالد بن یزید بن زیاد، رباح بن ابی معروف، ربیع بن انس ورمی بالتشیع، ربیع بن یحییٰ، ربیعہ بن عثمان، زکریا بن یحییٰ بن عمر، سعید بن زید بن درھم، سعید بن عبدالرحمٰن جمحی، شجاع بن الولید، مسلمہ بن علقمہ، مصعب بن المقدام، معاویہ بن صالح، معاویہ بن ھشام، ھشام بن حجیر، ھشام بن سعد ورمی بالتشیع اوران کے سوا اور کہ سب صدوق لہ اوھام ہیں احمد بن ابی الطیب وغیرہ صدوق لہ اغلاط۔)

رابعاً: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے باآں تشدد شدید فرمایا: لیس بہ باس (اس میں کوئی بُرائی نہیں) زاد یحییٰ لہ حدیث واحد منکر (یحییٰ نے اتنا زیادہ کیا کہ اُس کی صرف ایک حدیث منکر ہے) لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے عندی لاباس بہ (میرے نزدیک اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔) کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی (اُس درجے کا قوی نہیں ہے۔) ابواحمد حاکم نے لیس بمتین عندھم (اس درجے کا متین نہیں ہے ان کے نزدیک۔) کہا لا انہ لیس بقوی لیس بمتین وشتان مابین العبارتین (نہ یہ کہ سرے سے قوی اور متین نہیں ہے، ان دو عبارتوں میں بہت فرق ہے۔) حافظ نے ثقہ

سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

تنقید نمبر(6) اور اس کا جواب:

احناف کی مؤید روایت جو حضرت مولا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے مروی ہے، سنن ابی داؤد میں اس کی سند یوں ہے:((أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا سَافَرَ الحدیث)) (سنن ابی داؤد، باب متی یتم المسافر، ج2، ص10، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

جس کا صاف صریح حاصل یہ تھا کہ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی اپنے والد محمد سے راوی ہیں اور وہ ان کے دادا یعنی اپنے والد عمر سے کہ ان کے والد ماجد مولیٰ علی نے جمع صوری خود بھی کی اور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے بھی روایت فرمائی۔

ابیہ اور جدّہ دونوں ضمیریں عبداللہ کی طرف تھیں حضرت نے بزور زبان ایک ضمیر عبداللہ دوسری محمد کی طرف قرار دے کر یہ معنی ٹھہرائے کہ عبداللہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد سے اور وہ محمد اپنے دادا علی سے۔ اور اب اس پر اعتراض جڑ دیا کہ محمد کو اپنے دادا علی سے ملاقات نہیں تو مرسل ہوئی اور مرسل حجت نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ مرسل ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے، ایمان سے کہنا کہ ان ڈھٹائیوں سے صحیح وثابت حدیثوں کو رَد کرنا کون سی دیانت ہے۔

میں کہتا ہوں آپ نے ناحق اتنی محنت بھی کی اور حدیث متصل کو صرف مرسل بنایا حیا و دیانت کی ایک ادنیٰ جھلک میں بھی باطل و موضوع ہوئی جاتی تھی اور بات بھی مدلل ہوتی کہ ضمیر اقرب کی طرف پھرتی ہے اور ابیہ سے اقرب ابوطالب اور جدّہ سے اقرب ابیہ تو معنی یوں کہے ہوتے کہ عبداللہ نے روایت کی ابوطالب کے باپ حضرت عبدالمطلب سے اور عبدالمطلب نے اپنے دادا عبد مناف سے کہ مولا علی نے جمع صوری کی، اب ارسال بھی دیکھئے کتنا بڑھ گیا کہ مولا علی کے پرپوتے مولا علی کے دادا سے روایت کریں اور حدیث صراحۃً موضوع بھی ہوگئی کہ کہاں عبدالمطلب وعبد مناف اور کہاں مولیٰ علی سے روایت حدیث مفید احناف ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھا یہ عمل بالحدیث کا جھوٹا دعوٰی کرنے والے جب صحیح حدیثوں کے رد کرنے پر آتے ہیں تو ایسی ایسی بددیانتیوں بے غیرتیوں بیبا کیوں چالاکیوں سے صحیح بخاری کو بھی پسِ پشت ڈال کر ایک ہانک بولتے ہیں کہ سب واہیات اور مردود ہیں اناللہ و انّا الیہ راجعون۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص167 تا 186، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نوٹ: امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین" کافی طویل ہے، ہم نے اس میں سے اختصار کے ساتھ چند اقتباس ذکر کیے ہیں، امام اہل سنت نے اس کے

بعد جمع تقدیم کا ابطال پھر جمع تاخیر کا ابطال اور اس کے بعد ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کے بارے میں قرآن وحدیث سے دلائل ذکر کیے ہیں۔

ابواب الاذان

اذان کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

علامہ مبارک ابن الاثیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

الاذان کا لغوی معنی ہے: الاعلام بالشَّیْءِ یعنی کسی چیز کا اعلان کرنا۔ اس باب افعال سے بھی استعمال ہوتا ہے: آذَنَ یُؤْذِنُ إِیْذَاناً، اور باب تفعیل سے بھی آتا ہے: اَذَّنَ یُؤَذِّنُ تَأْذِیناً۔ باب تفعیل وقتِ نماز کے اعلان کے لیے مخصوص ہے۔

(النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، اذی، ج1، ص34، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

علامہ علی بن محمد شریف جرجانی (متوفی 816ھ) فرماتے ہیں:

لغۃً اذان مطلق اعلان کو کہتے ہیں اور اس کا شرعی معنی ہے: الفاظ معلومہ ماثورہ کے ساتھ نماز کے وقت کا اعلان کرنا۔

(التعریفات، باب الالف، ج1، ص16، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014) فرماتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی اعلان بھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَذَانٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے۔ (توبہ:3) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ﴾ ترجمہ: اور ان کے درمیان ایک ندا کرنے والے نے ندا کر دی۔ (اعراف:44) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اذان کا لغوی معنی اعلان ہے اور شرعاً وہ قول مخصوص جس کے ساتھ نماز کے وقت کی خبر دی جاتی ہے۔ اس تعریف سے نکل جائیں گی وہ اذانیں جو نماز کے علاوہ کے لیے سنت ہیں جیسے کہ نومولود بچہ کے سیدھے کان میں اذان اور الٹے میں اقامت، اسی طرح خبر دیلمی کے مطابق غم اور بد خلقی کی وجہ سے اذان دینا سنت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا تو فرمایا: ((یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ إِنِّیْ أَرَاكَ حَزِيْنًا فَمُرْ بَعْضَ أَهْلِكَ يُؤَذِّنُ فِيْ أُذُنِكَ فَإِنَّهُ دَرْأُ الْهَمِّ)) اے ابن ابی طالب! میں تمہیں غمگین دیکھتا ہوں تو اپنے گھر والوں میں سے کسی کو حکم دو کہ وہ تیرے کان میں اذان دے، بے شک یہ غم کو دور کرنے والی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس کا تجربہ کیا میں اس کو اسی طرح پایا۔ اور راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جتنے راوی ہیں سب نے اس کا تجربہ کیا تو اس کو اسی طرح پایا، اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ سَاءَ خُلُقُهُ مِنْ إِنْسَانٍ أَوْ دَابَّةٍ فَأَذِّنُوْا فِيْ أُذُنِهِ)) ترجمہ: جو انسان یا جانور بد خلق ہو تو اس کے کان میں اذان کہو۔ اور اذان

فرائض کے لیے کہنا سنت ہے ایک قول واجب کا ہے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تمام اہل شہر ترک اذان پر اجماع کر لیں تو میں ان سے قتال کروں گا اور اگر کوئی ایک شخص ترک کرے تو میں اس کو ماروں گا اور قید کروں گا۔" اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قول وجوب پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے اگر تمام اہل شہر اس سنت کو ترک کر دیں تو اس پر میں ان سے قتال کروں گا اور اگر ایک شخص ترک کرے تو میں اس کو ماروں گا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص647، دار الفکر، بیروت)

اذان میں حکمت

علامہ نووی فرماتے ہیں:

علما کرام نے اذان کی حکمت میں چار اشیاء کا ذکر فرمایا: (۱) شعار اسلام کا اظہار (۲) کلمہ توحید کا اظہار (۳) نماز کے وقت کے داخل ہونے کا اور نماز کی جگہ کا اعلان (۴) جماعت کی طرف بلانا۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الامر بشفع الاذان الخ، ج4، ص77، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اذان دی

تحقیق یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی ہے اور اور کلماتِ شہادت یوں کہے: اشهد انی رسول الله، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

جامع ترمذی میں ہے: ((عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَانْتَهَوْا إِلَى مَضِيقٍ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَمُطِرُوا، السَّمَاءُ مِنْ فَوْقِهِمْ، وَالبِلَّةُ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ، "فَأَذَّنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَقَامَ، فَتَقَدَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ فَصَلَّى بِهِمْ يُومِئُ إِيمَاءً يَجْعَلُ السُّجُودَ أَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوعِ)) ترجمہ: عمرو بن عثمان بن یعلی بن مرہ ثقفی سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا (یعلی بن مرہ ثقفی) سے روایت کی کہ وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، ایک گھاٹی (تنگ راستے) پر پہنچے، نماز کا وقت ہو گیا، بارش ہو رہی تھی، اوپر آسمان تھا اور نیچے کیچڑ، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اذان دی، اقامت کہی، سواری پر آگے ہوئے اور صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

(جامع ترمذی، باب ما جاء فی الصلاۃ علی الدابۃ فی السفر، ج2، ص266، مصطفی البابی، مصر)

فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر میں ہے: "ومما كثر السؤال عنه هل باشر النبي صلى الله عليه وسلم الأذان بنفسه وقد وقع عند السهيلي أن النبي صلى الله عليه وسلم أذن في سفر وصلى بأصحابه" ترجمہ: یہ سوال کثرت سے ہوتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اذان دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان

دی اور اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ (فتح الباری لابن حجر، باب بدء الاذان، جلد02، صفحہ 79، دار المعرفۃ، بیروت)

علامہ محمود بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود اذان دی ہے؟ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے طریق سے روایت کیا ہے جو عمر بن رماح پر گھومتا ہے وہ اس کو حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا روایت کرتے ہیں کہ: ((ان النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أذن فِي سفر وَصلى بِأَصْحَابِهِ وهم على رواحلهم، السَّمَاء من فَوْقهم، والبلة من أسفلهم)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اذان دی اور صحابہ کرام کو نماز پڑھائی اس حال میں کہ وہ سب اپنی سواریوں پر تھے ان کے اوپر آسمان تھا اور ان کے نیچے زمین پر کیچڑ تھا۔ اسی طرح سہیلی نے کہا۔

اور صاحب تلویح نے کہا: اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج نہیں کیا جیسے کہ سہیلی نے ذکر کیا اور ان کے نزدیک یہ عمر بن رماح سے سے مروی ہے، انہوں نے کثیر بن زیاد سے انہوں نے عمرو بن عثمان بن یعلی بن مرہ ثقفی سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، عمر بن رماح بلخی اس میں متفرد ہیں اور ان سے صرف یہی حدیث جانی گئی ہے۔ اس طریق سے بیہقی نے اسکی تخریج کی اور اس کی ضعیف قرار دیا۔ اسی طرح ابن عربی نے کیا، اشبیلی نے اس بارے سکوت کیا، ابن قطان نے اس کا عیب بیان کیا کہ عمر اور اس کے والد عثمان کا حال معروف نہیں، علامہ نووی نے اس کو ذکر کیا اور صحیح قرار دیا، اور امام احمد نے اس کو اپنی مسند میں یعلی کی حدیث سے نقل کیا، احمد بن منیع، ابن امیہ اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اور عدنی نے، اور تاریخ للاثرم اور تاریخ خطیب بغدادی اور ان کے علاوہ نے اسے بیان کیا، امام ذہبی نے کہا: یعلی بن مرہ بن وہب ثقفی نے درخت کے نیچے بیعت کی ان کا گھر بصرہ میں تھا۔

(عمدۃ القاری، باب بدء الاذان، ج5، ص107، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

درمختار میں ہے: ”فی الضیاء انه علیه الصّلاۃ والسّلام اذن فی سفر بنفسه واقام وصلی الظهر وقد حققناه فی الخزائن، اه“ ترجمہ: اور الضیاء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سفر میں بنفسِ نفیس اذان دی، تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی اور ہم نے خزائن میں اس بارے میں تحقیق کی ہے۔ (الدر المختار، باب الاذان، ج1، ص65، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

ردالمحتار میں فرمایا: ”فی شرح البخاری لابن حجر ومما یکثر السؤال عنه، هل باشر النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم الاذان بنفسه وقداخرج الترمذی، انه صلی اللہ تعالی علیه وسلم اذن فی سفر وصلی باصحابه وجزم به النووی وقواه، ولکن وجد فی مسند احمد من هذا الوجه فامر بلالاً فاذن فعلم ان فی روایة الترمذی اختصارا وان معنی قوله اذن امر بلالاً کمایقال اعطی الخلیفة العالم الفلانی کذاوانما باشر العطاء غیره“ ترجمہ: علامہ ابنِ حجر کی فتح

الباری شرح البخاری میں ہے کہ اکثر طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے؟ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی، امام نووی نے اس پر جزم کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا، لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ترمذی میں اختصار ہے اور ان کے قول اذّن کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا، جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں عالم کو یہ عطیہ دیا حالانکہ وہ خود عطا نہیں کرتا بلکہ عطا کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے۔

(ردالمحتار، باب الاذان، ج1، ص295، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

اس کے تحت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اقول لکن سیأتی صفۃالصلاۃعندذکر التشھدعن تحفۃالامام ابن حجرالمکی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اذن مرّۃ فی سفر فقال فی تشھدہ "اشھد انّی رسول اللّٰہ "وقد اشارابن حجرالی صحتہ،وھذانص مفسر لایقبل التأویل،وبہ یتقوّی تقویۃ الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ اھ اقول (میں کہتا ہوں): عنقریب صفاتِ نماز کے تحت ذکرِ تشہد میں تحفہ امام ابن حجر مکّی سے آرہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ شہادت یوں کہے: اشھد انّی رسول اللّٰہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور علامہ ابنِ حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو تقویت ملتی ہے۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، باب الاذان، جلد1، صفحہ 212 مطبوعہ ہند ☆ فتاوی رضویہ، ج5، ص374، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اذان دینے کے بجائے ریکارڈ شدہ اذان چلانا

اذان کے وقت اذان دینے کے بجائے ریکارڈ شدہ اذان چلادی جائے تو کیا اذان کی سنت ادا ہو جائے گی!!!! مختصر جواب تو یہ ہے کہ اس سے اذان کی سنت ادا نہیں ہوگی۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ شریعت میں اذان سے مقصود اصلی چونکہ فرض نمازوں کے اوقات کی خبر و اطلاع دینے کا اہم اور ذمے داری والا معاملہ ہے تو اس کے لئے اذان دینے والے کا ان صفات کا حامل ہونا ضروری ہے کہ جس سے اس کی بات پر پورے طور پر اعتماد کیا جا سکے۔ لہذا مؤذن کا مسلمان، عاقل، اور عادل وغیرہ ہونا لازم ہے۔ اب اگر اس میں ان میں سے کسی ایسی صفت کی کمی رہی کہ جس سے اس کی بات قبول ہونے میں کچھ شک پڑ سکتا ہو تو ایسی اذان دوبارہ کہنا بہتر ہوگا، جیسے کہ فاسق کی اذان کہ جو عادل نہ ہونے کی وجہ سے اتنا لائق اعتبار نہیں ہوتا۔ لیکن اگر مؤذن ایسا ہو کہ اس کی بات کا سرے سے کوئی اعتبار ہی نہ ہو تو اس کی اذان درست ہی شمار نہ ہوگی اور ایسی اذان دوبارہ دینا لازم ہوگی، جیسے

کہ نا سمجھ بچے کی اذان کہ جو عاقل ہی نہیں۔اب ایسی چیز جس کا مسلمان، عاقل، یا عادل وغیرہ صفات کا حامل ہونا تو دور کی بات وہ انسان ہی نہ ہو جیسے کہ کسی پرندے کا اذان دینا، تو اس کا کیونکر اعتبار ہوگا۔ پھر اس سے بھی گئی گزری حالت اس چیز کی ہوگی کہ جو عاقل ہونا تو کجا وہ سرے سے جاندار ہی نہ ہو، جیسے کہ وال کلاک یا کوئی اور ڈیوائس جس میں ریکارڈ اذان چلتی ہو تو ایسی اذان پر نماز ایسے اہم فرض کی ادائیگی کا مدار کیونکر رکھا جا سکتا ہے۔لہذا نماز کے وقت کی اطلاع کے لئے وال کلاک یا کسی اور ذریعے سے ریکارڈ اذان چلانا ہرگز درست نہیں، بلکہ کسی مسلمان انسان عاقل کا باقاعدہ طور پر خود اذان دینا ہی لازمی وضروری ہے۔

نیز مسجد میں پانچوں وقت کی نمازِ باجماعت کیلئے اذان طریقۂ مخصوصہ ومتوارثہ پر بالفعل (یعنی مؤذن کے شروع سے چلی آتی سنت کے مطابق قبلہ رو کھڑے ہو کر عملی طور پر) سنت مؤکدہ وشعائر اسلام سے ہے، جو وال کلاک یا کسی دیگر ذریعے سے وہاں فقط ریکارڈ آواز پہنچا دینے سے بہر حال ادا نہیں ہو سکتی، اور اس سنت کے ترک کا التزام واصرار ناجائز وگناہ ہے، کیونکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی اور ایسی سنت متواترہ کی مخالفت ہے جو شعائر اسلام سے ہے۔جس مسجد محلہ میں نماز باجماعت کیلئے وہیں پر اذان دئے جانے کا باقاعدہ اہتمام نہیں کیا جائے گا وہ اہل محلہ سب کے سب مجرم وسزاوارِ سزا ہوں گے۔

درمختار میں ہے: مصنفِ تنویر الابصار نے مجنون، معتوہ اور نا سمجھ بچے کی اذان کے صحیح نہ ہونے پر جزم کیا ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، جلد 1، صفحہ 393، دار الفکر، بیروت)

ردالمحتار میں اس کے تحت فرمایا:

اس طور پر کہ جو انہوں نے فرمایا کہ پہلے ہم نے مراہق کی قید ذکر کی۔اس لئے کہ نا سمجھ بچے کی اذان صحیح نہیں، جیسے کہ مجنون اور نیم پاگل کی، اھ، تو خوب سمجھ لیجئے۔یہ بات بحر الرائق میں ایک بحث کے طور پر ذکر ہوئی اور مصنف تنویر الابصار کے نزدیک ترجیح پا گئی جس پر انہوں نے جزم کیا۔نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو شرح المنیہ میں ہے کہ نشے والے، مجنون اور نا سمجھ بچے کی اذان کا اعادہ واجب ہے، کیونکہ ان لوگوں کے قول پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے مقصد حاصل نہیں ہوتا، اھ۔

(ردالمحتار جلد 1، صفحہ 393، دار الفکر، بیروت)

اسی ردالمحتار میں ہے:

شرع میں اذان سے مقصود اصلی نماز کے اوقات داخل ہونے کی اطلاع دینا ہے۔پھر یہ تمام شہروں اور بڑے شہروں کے محلوں میں شعار اسلام ہو گیا، جیسا کہ سابق میں اس بات کا ذکر ہوا۔تو وقت داخل ہونے کی اطلاع دینے اور اس اطلاع دینے والے کی بات کے قبول ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے اسلام، عقل، بلوغ اور عدالت ضروری ہے۔

(ردالمحتار جلد 1، صفحہ 394، دار الفکر بیروت)

اسی میں مزید فرمایا:

بدائع الصنائع میں بھی یہ ذکر کیا کہ ناسمجھ بچے کی اذان کافی نہیں، بلکہ اسے دوبارہ کہا جائے گا۔اس لئے جو بات عقل کے بغیر صادر ہو وہ لائق اعتبار نہیں، جیسا کہ پرندوں کی آواز۔" (ردالمحتار جلد 1، صفحہ 394، دارالفکر، بیروت)

اسی میں ہے:

بہر حال شعار اسلام قائم کرنے کی حیثیت سے کہ جس سے اہل شہر سے گناہ کی نفی ہو سکے تو سب کی اذان درست ہے سوائے ناسمجھ بچے کے، اس لئے کہ جو بھی اسے سنے گا وہ اسے مؤذن نہیں سمجھے گا بلکہ گمان کرے گا کہ شاید کھیل میں ایسا کر رہا ہے۔" (ردالمحتار جلد 1، صفحہ 394، دارالفکر، بیروت)

نورالایضاح میں ہے: فرض نمازوں کیلئے اذان واقامت سنت مؤکدہ ہے۔"

اس کے تحت مراقی الفلاح میں ہے:

یعنی یہ ایسی سنت مؤکدہ ہیں جو واجب کی قوت میں ہیں۔اس لئے کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی اذان کہے اور تمہارا بڑا امامت کروائے، اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر ہمیشگی اختیار فرمائی۔" (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی، ص 194، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

درمختار میں ہے: مردوں کیلئے پنجگانہ فرض نمازوں کیلئے اذان سنت مؤکدہ ہے کسی بلند مکان میں۔ یہ گناہ لازم آنے میں واجب کی طرح ہے۔" (الدرالمختار مع ردالمحتار، جلد 1، صفحہ 384، دارالفکر، بیروت)

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

بلکہ بعض نے اذان پر اسم واجب کا اطلاق بھی کیا ہے۔ان کی دلیل امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: اگر کسی شہر کے لوگ اذان چھوڑنے پر جمع ہو جائیں تو میں ان سے قتال کروں گا، اور اگر کوئی ایک چھوڑے گا تو اسے ضرب وقید کی سزا دوں گا۔مگر عام مشائخ پہلے قول پر ہیں۔ جبکہ اذان چھوڑنے پر قتال اس سبب سے ہے کہ یہ دین کی نشانیوں میں سے ہے، اور اسے چھوڑنے میں اس کا کھلے طور ہلکا جاننا ہے۔ معراج الدرایہ وغیرہ میں فرمایا: دونوں قول قریب قریب ہیں۔اس لئے کہ سنت مؤکدہ چھوڑ دیے جانے پر گناہ لازم آنے میں واجب کے حکم میں ہوتی ہے۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار، جلد 1، صفحہ 384، دارالفکر، بیروت)

ایک جگہ اذان دے کر باقی مساجد میں براہ راست سنا دینے کا حکم

نماز پنجگانہ کیلئے کسی شہر کی تمام مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان دینے کے بجائے صرف ایک جگہ اذان دی جائے اور ویڈیو لنک کے ذریعے باقی مسجدوں میں براہِ راست (live) سنوا دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً قابل قبول ہوگا یا نہیں!!!!

پانچوں وقت کی نمازِ باجماعت کیلئے اذان طریقۂ مخصوصہ پر متوارث وسنت مؤکدہ وشعائرِ اسلام سے ہے، ویڈیو لنک یا کسی دیگر ذریعے سے ایک مسجد کی اذان دوسری مسجدوں میں سنوانے سے یہ سنت ادا نہیں ہوتی اگرچہ کہ یہ براہِ راست (live) ہو، کیونکہ کسی جگہ سنت متوارثہ طریقۂ مخصوصہ کے ساتھ بالفعل (یعنی مؤذن کے شروع چلی آتی سنت کے مطابق قبلہ رو کھڑے ہو کر عملی طور پر) اذان دینے اور وہاں فقط اذان کی آواز پہنچا دینے میں بہرحال فرق ہے۔ لہٰذا اس کی ہرگز اجازت نہیں۔ جس مسجد محلہ میں نماز باجماعت کیلئے وہیں پر اذان دئے جانے کا باقاعدہ اہتمام نہیں کیا جائے گا وہ اہل محلہ سب کے سب مجرم وسزا وارِ سزا ہوں گے۔

مسجد میں اذان دینے کا حکم:

مسجد میں اذان دینا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) فتاوائے امام اجل قاضی خان و(۲) فتاوائے خلاصہ و(۳) بحرالرائق شرح کنز الدقائق و(۴) شرح نقایہ للعلامۃ عبدالعلی البرجندی و(۵) فتاوٰی علمگیریہ و(۶) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح و(۷) فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہا میں اس کی منع وکراہت کی تصریح فرمائی۔ امام فخر الملّۃ والدّین اوزجندی فرماتے ہیں: "ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج السجد ولا یؤذن فی المسجد" (ترجمہ: اذان مینار پر یا مسجد کے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔)

(فتاوٰی قاضی خان، مسائل الاذان، ج1، ص37، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

امام طاہر بن احمد بخاری فرماتے ہیں: "لا یؤذن فی المسجد" (ترجمہ: مسجد میں اذان نہ دی جائے۔)

(خلاصۃ الفتاوی، الفصل الاول فی الاذان، ج1، ص49، مطبع نولکشور لکھنؤ)

علامہ زین بن نجیم وعلامہ عبدالعلی برجندی نے ان سے اور فتاوائے ہندیہ میں امام قاضی خان سے عباراتِ مذکورہ نقل فرما کر مقرر رکھیں، علامہ سید احمد مصری نے فرمایا: "یکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القہستانی عن النظم" (ترجمہ: مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے۔)

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الاذان، ص107، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

امام اجل کمال الدین محمد بن الہمام فرماتے ہیں: "الاقامۃ فی المسجد ولابدمنہ وامّا الاذان فعلی المئذنۃ فان لم تکن ففی فناء المسجد وقالوا لا یؤذن فی المسجد" (ترجمہ: تکبیر مسجد کے اندر کہی جائے اور اس کے بغیر کوئی اور صورت نہیں البتہ اذان منارہ پر دی جائے، اگر وہ نہ ہو تو فنائے مسجد میں دینی چاہئے اور فقہا نے بیان کیا ہے کہ مسجد میں اذان نہ

دی جائے۔) (فتح القدیر، باب الاذان، ج 1، ص 215، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اور اس مسئلہ میں نوع کراہت کی تصریح کلمات علما سے اس وقت نظرِ فقیر میں نہیں ہاں صیغہ "لایفعل" سے متبادر کراہت تحریم ہے کہ فقہائے کرام کی یہ عبارت ظاہراً مشیر ممانعت وعدم اباحت ہوتی ہے، علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج نے حلیہ میں فرمایا: "قول المصنف لایزید یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ" (ترجمہ: مصنف کا قول "لایزید" اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ زیادتی جائز نہیں۔)

نظیر اس کی "یفعل ویقول" ہے کہ ظاہراً مفید وجوب ہے کما نص علیہ ایضاً فیھا (جیسا کہ اس پر بھی اس میں تصریح ہے) یونہی عبارت نظم میں لفظ "یکرہ" کہ غالباً کراہت مطلقہ سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے، کما فی الدر المختار وردالمحتار وغیرھما من الاسفار ویؤیدہ منع رفع الصوت فی المساجد کمافی حدیث ابن ماجۃ جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم ورفع اصواتکم وقدنھوا عن رفع الصوت بحضرۃ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وحذروا علی ذلک من حبط الاعمال والحضرۃ الالٰھیۃ احق بالادب کماتری یوم القیمۃ "وخشعت الاصوات للرحمٰن فلاتسمع الاھمسا" وبھذا یضعف مایظن ان لیسفیہ الاخلاف السنۃ فلایکرہ الا تنزیھا علی ان التحقیق ان خلاف السنۃ المتوسطۃ متوسط بین کراھتی التنزیہ والتحریم وھو المُعبّر بالاساءۃ کماسیظھر لمن لہ المام بخدمۃ العلمین الشرفین الفقہ والحدیث فلیراجع ولیحرر واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (جیسا کہ دُرمختار، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں ہے اور مساجد میں بلند آواز سے منع کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے جیسا کہ حدیث ابن ماجہ میں ہے: اپنی مساجد کو اپنے ناسمجھ بچّوں سے، دیوانوں سے، تلواروں کو سَونتنے سے اور آوازوں کو بلند کرنے والوں سے محفوظ رکھو۔ اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر تمام اعمال کے ضائع ہونے کی دھمکی دی گئی ہے، اور بارگاہِ خداوندی اس ادب واحترام کے زیادہ لائق ہے جیسا کہ تم قیامت کے روز دیکھو گے رحمٰن کے لئے تمام آوازیں پست ہوجائیں گی تو تُو نہیں سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔ اس گفتگو سے یہ گمان وقول ضعیف ہوجاتا ہے کہ یہ عمل صرف خلاف سنت ہے تو اس میں صرف کراہت تنزیہی ہے۔ علاوہ ازیں تحقیق یہ ہے سنتِ متوسطہ کا خلاف کراہت تنزیہی اور تحریمی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کو "اساءۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ یہ اس شخص پر ظاہر ہوجائیگا جس نے دو مقدس علوم حدیث وفقہ کی خدمت کی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اسے ذہن نشین کرنا چاہئے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ت)

(فتاوی رضویہ، ج 5، ص 362 تا 365، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت اپنے ایک تفصیلی فتوی میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسجد کے اندر اذان دلوانا کبھی ایک بار کا بھی ثابت نہیں، جو لوگ اس کا دعویٰ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افترا کرتے ہیں، ہشام سے بھی اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ہرگز ثابت نہیں البتہ (جُمُعَہ کی) پہلی اذان کے نسبت بعض نے لکھا ہے کہ اُسے ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا اور اس کے بھی یہ معنی نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی بلکہ امیر المومنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پہلی اذان دلواتے تھے ہشام نے مسجد کے منارہ پر دلوائی، رہی یہ دوسری اذانِ خطبہ، اس کی نسبت تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کچھ تغیر نہ کیا اُسی حالت میں باقی رکھی جیسی زمانہ رسالت وزمانہ خلافت میں تھی۔ امام محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مواہب شریف میں فرماتے ہیں: ''فلما كان عثمٰن، امر بالاذان قبله على الزوراء، ثم نقله هشام الى المسجد، اى امر بفعله فيه، وجعل الأخر الذى بعد جلوس الخطيب على المنبر بين يديه بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه، فلم يغيره، بخلاف ماكان بالزوراء فحوله الى المسجد على المنار انتهى ''یعنی جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے اذانِ خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں ایک مکان کی چھت پر دلوائی پھر اس پہلی اذان کو ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ خطیب کے مواجہ میں کی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیل نہ کی بخلاف بازار والی اذان اوّل کے کہ اسے مسجد کی طرف منارہ پر لے آیا، انتہی۔ (شرح الزرقانی علی المواہب، المقصد التاسع فی عبادتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج7، ص435، مطبوعہ عامرہ، مصر)

ہاں وہ جمہور مالکیہ کہ اذان ثانی کو امام کی محاذات میں ہونا بدعت کہتے ہیں اور اس کا بھی منارہ پر ہی ہونا سنّت بتاتے ہیں، اُن میں بعض کے کلام میں واقع ہوا کہ سب میں سے پہلے اذانِ ثانی امام کے روبرو ہشام نے کہلوائی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں یہ اذان بھی محاذاتِ امام نہ ہوتی تھی منارہ ہی پر تھی، پھر اس سے کیا ہوا، غرض ہشام بیچارے سے بھی ہرگز اس کا ثبوت نہیں کہ اس نے اذانِ خطبہ مسجد کے اندر منبر کے برابر کہلوائی ہو جیسی اب کہی جانے لگی اس کا کچھ پتا نہیں کہ کس نے یہ ایجاد نکالی، اور اگر ہشام سے ثبوت ہوتا بھی تو اس کا قول وفعل کیا حجت تھا، وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام باقر کے بھائی سیدنا امام زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کرایا سُولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کہ نعش مبارک کو دفن نہ ہونے دیا برسوں سُولی پر رہی جب ہشام مرگیا تو نعش مبارک دفن ہُوئی ان برسوں میں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے تھے قریب تھا کہ بے ستری ہو اللہ عزوجل نے مکڑی کو حکم فرمایا کہ اس نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ بجائے تہبند ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض صالحین نے دیکھا کہ امام مظلوم زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سولی سے پشتِ اقدس لگائے کھڑے ہیں اور فرماتے

ہیں یہ کچھ کیا جاتا ہے میرے بیٹوں کے ساتھ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کی سنّت کے خلاف ایسے ظالم کی سنّت پیش کرنا اور پھر امام اعظم وغیرہ ائمہ پر اس کی تہمت دھرنا کہ ان اماموں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی سنّت چھوڑ کر ظالم بادشاہ کی سنّت قبول کرلی، کیسا صریح ظلم اور ائمہ کرام کی شان میں کیسی بڑی گستاخی ہے اللہ عزوجل پناہ دے، اس کے بدعت حسنہ ہونے کا دعوٰی محض باطل و بے اصل ہے۔

(1) بدعتِ حسنہ سنّت کو بدلا نہیں کرتی اور اس نے سنّت کو بدل دیا۔

(2) مسجد میں اذان دینی مسجد و دربارِ الٰہی کی گستاخی و بے ادبی ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں ادب میں طریقہ معہودہ فی الشاہد کا اعتبار ہوتا ہے، فتح القدیر میں فرمایا: ''یحال علی المعهود من وضعها حال قصد التعظيم في القيام والمعهود في الشاهد منه تحت السرة '' یعنی قیام تعظیمی میں بادشاہوں وغیرہم کے سامنے ہاتھ زیر ناف باندھ کر کھڑے ہونے کا دستور ہے اسی دستور کا نماز میں لحاظ رکھ کر زیر ناف باندھیں گے۔ (فتح القدیر، باب صفۃ الصلوۃ، ج 1، ص 249، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر)

اب دیکھ لیجئے کہ درباروں میں درباریوں کی حاضری پکارتے کا کیا دستور ہے، کیا عین دربار میں کھڑے ہو کر چوبدار چلاتا ہے کہ دربار یو چلو ہرگز نہیں۔ بے شک ایسا کرے تو بے ادب گستاخ ہے جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ یہی کچہریاں دیکھ لے کیا ان میں مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضریاں کمرہ کے اندر پکاری جاتی ہیں یا کمرہ سے باہر جا کر کیا اگر چپراسی خاص کمرہ کچہری میں کھڑا ہوا حاضریاں پکارے چلائے تو بے ادب گستاخ بنا کر نہ نکالا جائیگا، افسوس جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کر سکتے احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں روا رکھو۔

(3) مسجد میں چلاّنے سے خود حدیث میں ممانعت ہے اور فقہا نے یہ ممانعت ذکرِ الٰہی کو بھی عام رکھی جب تک شارع صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہو، درمختار میں ہے: ''یحرم فيه (اى المسجد) السوال ويكره الاعطاء ورفع صوت بذكر، الا للمتفقهة '' (ترجمہ: مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو دینا مکروہ ہے۔ مسائل فقہیہ سیکھنے سکھانے کے علاوہ وہاں ذکر سے آواز کا بلند کرنا بھی مکروہ ہے۔) (الدرالمختار، آخر باب مایفسد الصلوۃ الخ، ج 1، ص 93، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

نہ کہ اذان کہ یہ تو خالص ذکر بھی نہیں كمافى البناية شرح الهداية للامام العينى (جیسا کہ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے)۔

(4) بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا جس کے لئے مساجد کی بنا نہ ہو، صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا)) (ترجمہ: جو گمی ہوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز

تجھے نہ ملائے، مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔) (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن نشد الضالۃ، ج1، ص397، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار میں ہے:''کرہ انشاد ضالۃ''(ترجمہ: مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش مکروہ ہے۔) (الدرالمختار، آخر باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ، ج1، ص93، مطبوعہ مجتبائی، دہلی)

تو اگر کسی کا مصحف شریف گم ہو گیا اور وہ تلاوت کے لئے ڈھونڈتا اور مسجد میں پوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، اگر اذان دینے کے لئے مسجد کی بنا ہوتی تو ضرور حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لئے بنی زمانہ اقدس میں اُسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو، یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا۔

(5) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ کبھی کبھی سنّت کو ترک فرماتے کہ اس کا وجوب نہ ثابت ہو ترک کا جواز معلوم ہو جائے ولہذا علمانے سنت کی تعریف میں "مع الترك احيانا "ماخوذ کیا کہ ہمیشہ کیا مگر کبھی کبھی ترک بھی فرمایا اور یہاں اصلاً ایک بار بھی ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو جو مدعی ہو ثبوت دے۔

(6) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ فرمایا عبارتیں اصل فتوے میں گزریں اور حنفیہ کے یہاں مطلق کراہت سے غالباً مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جب تک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور بیان خلاف پر دلیل درکنار اس کے موافق دلیل موجود ہے کہ یہ گستاخی دربار معبود ہے۔

(7) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے سے بصیغہ نفی منع فرمایا کہ صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہے عبارات کثیرہ اصل فتوے میں گزریں اور فقہا کا یہ صیغہ غالباً اُس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے، امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:'' ظاهر قول المصنف ولا يزيد عليها شيأ، يشير الى عدم اباحة الزيادة عليها ''ترجمہ:(ترجمہ: قول مصنف "لا یزید علیها شیئا " کا ظاہر اشارۃً واضح کررہا ہے کہ اس پر اضافہ جائز نہیں۔)

ہدایہ میں قول امام محمد "قرأ وجهر "(وہ پڑھے اور جہر کرے۔) پر فرمایا:''يدل على الوجوب ''(ترجمہ: یہ وجوب پر دال ہے۔) (ہدایہ، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ، ج1، ص98، مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ دستگیر کالونی، کراچی)

عنایہ میں فرمایا:''لانه بمنزلة الامر بل اكد ''(ترجمہ: یہ بمنزلہ امر بلکہ اس میں اُس سے بھی زیادہ تاکید ہے۔)

(عنایۃ حاشیہ علی فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ، ج1، ص287، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر)

فتح القدیر میں فرمایا:''مايدل على الوجوب وهو لفظ الخبر ''(ترجمہ: جو وجوب پر دال ہے وہ لفظ خبر (قرأ) ہے۔) (عنایۃ حاشیہ علی فتح القدیر، کتاب الصلاۃ فصل فی القراءۃ، ج1، ص287، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر)

ان وجوہ پر نظرِ انصاف کے بعد مجموع سے کم از کم اتنا ضرور ثابت کہ مسجد کے اندر اذان بدعت سیہ ہے ہرگز حسنہ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص409 تا 413، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دفن کے بعد اذان دینا

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا بالکل جائز ہے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا، امام ابن حجر مکی و علامہ خیر الملۃ والدین رملی استاذ صاحبِ دُرمختار علیہم رحمۃ الغفار نے اُن کا یہ قول نقل کیا۔
اما المکی ففی فتاواہ وفی شرح العباب وعارض واما الرملی ففی حاشیۃ البحر الرائق ومرض۔ ترجمہ: مکی نے اپنے فتاوٰی اور شرح العباب میں نقل کیا اور معارضہ کیا، رملی نے حاشیہ البحر الرائق میں نقل کیا اور اسے کمزور کہا۔
حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا، قائلانِ جواز کے لئے اسی قدر کافی، جو مدعیِ ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعوٰی ثابت کرے۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص654، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے، جس کے بہت دلائل ہیں۔

(جاء الحق، ص618، مکتبہ غوثیہ، کراچی)

بعدِ دفن اذان دینے کے جواز پر دلائل

بعدِ دفن اذان دینے پر متعدد دلائل موجود ہیں، ان میں کچھ درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر (1)

وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور منکر نکیر سوال کرتے ہیں تو شیطان رجیم وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے۔ امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں روایت کرتے ہیں: ((اِذا سُئِلَ الْمَیِّت من ربك ترآء ی لَهُ الشَّیْطان فِی صُورَۃ فیشیر اِلَی نَفسه اَی اَنا رَبك فَهٰذِهٖ فتنَة عَظِیمَة)) ترجمہ: جب مُردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اُس پر ظاہر ہوتا اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی میں تیرا رب ہُوں، یہ ایک عظیم فتنہ ہے۔

(نوادر الاصول، باب فی مسئلۃ التثبیت للمیت، ج3، ص227، دار الجیل، بیروت)

اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ حُصَاصٌ)) ترجمہ: جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے۔

(صحیح مسلم، باب ادبار الشیطان اذا سمع النداء، ج1، ص291، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، باب ادبار الشیطان اذا سمع النداء، ج1، ص290، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔

(معجم اوسط، ج8، ص210، مکتبۃ المعارف، الریاض)

جب ثابت ہولیا کہ وہ وقت معاذ اللہ مداخلتِ شیطان کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور اس میں حکم آیا کہ اُس کے دفع کو اذان کہو تو یہ قبر کے پاس اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشادِ شارع علیہ السلام کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالا مال۔

دلیل نمبر (2)

امام احمد و طبرانی و بیہقی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:((لَمَّا دُفِنَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ (زاد في رواية)وسوى عليه سَبَّحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحَ النَّاسُ مَعَهُ طَوِيلًا، ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرَ النَّاسُ، ثُمَّ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ مِمَّا سَبَّحْتَ (زاد في رواية) ثم كَبَّرْتَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هَذَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللهُ عَنْهُ)) ترجمہ: جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے، پھر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اُس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اُس سے دُور کی اور قبر کشادہ فرمادی۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، ج23، ص278، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں علامہ طیبی کا قول اس حدیث کی شرح میں نقل کرتے ہیں:"مَازِلْتُ أُكَبِّرُ وَتُكَبِّرُونَ وَأُسَبِّحُ وَتُسَبِّحُونَ حَتَّى فَرَّجَهُ اللّٰهُ" ترجمہ: حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ

کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب اثبات عذاب القبر، ج1، ص218، دارالفکر، بیروت)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا، غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ اور کلمات طیبات زائد ہیں، سو اُن کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر (نقصان دہ) نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید و مؤید مقصود ہے کہ رحمتِ الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔

دیکھو یہ بعینہٖ وہ مسلکِ نفیس ہے جو در بارۂ تلبیہ اجلہ صحابہ عظام جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ملحوظ ہوا اور ہمارے ائمہ کرام نے اختیار فرمایا۔

ہدایہ میں ہے ”(وَلَا یَنۡبَغِی اَنۡ یُخِلَّ بِشَیۡءٍ مِنۡ ھٰذِہِ الۡکَلِمَاتِ)لِاَنَّہٗ ھُوَ الۡمَنۡقُوۡلُ بِاتِّفَاقِ الرُّوَاۃِ فَلَا یَنۡقُصُ عَنۡہُ (وَلَوۡ زَادَ فِیۡھَا جَازَ)لَنَا اَنَّ اَجِلَّاءَ الصَّحَابَۃِ کَابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ وَابۡنِ عُمَرَ وَاَبِی ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡھُمۡ زَادُوۡا عَلَی الۡمَاۡثُوۡرِ، وَلِاَنَّ الۡمَقۡصُوۡدَ الثَّنَاءُ، وَاِظۡھَارُ الۡعُبُوۡدِیَّۃِ فَلَا یُمۡنَعُ مِنَ الزِّیَادَۃِ“ یعنی ان کلمات میں کمی نہ چاہئے کیونکہ یہی تمام روایات میں منقول ہیں تو اُن سے گھٹائے نہیں اور اگر بڑھائے تو جائز ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ اجلاء صحابہ جیسا کہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ماثور پر زیادہ کیا کرتے تھے اور یہ کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی بندگی کا ظاہر کرنا ہے تو اور کلمے زیادہ کرنے سے ممانعت نہیں۔ (الہدایہ فی شرح بدایہ، ج1، ص135، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دلیل نمبر (3):

بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں مثبت کہ میت کے پاس حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اُسے سُن کر یاد ہو، حدیث متواتر میں ہے حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((لَقِّنُوۡا مَوۡتَاکُمۡ قَوۡلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ)) ترجمہ: اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ۔ (سنن داؤد، باب فی التلقین، ج3، ص190، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اب جو نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اُسے کلمۂ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالیٰ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مُردہ ہے اور اُسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ تین جگہ موجود۔

بلکہ اُس کے تمام کلمات جوابِ نکیرین بتاتے ہیں، ان کے سوال تین ہیں (1) من ربك تیرا رب کون ہے؟ (۲) ما دینك تیرا دین کیا ہے؟ (۳) ما کنت تقول فی ھذا الرجل، تُو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد

رکھتا تھا؟

اب اذان کی ابتدا میں "اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لاالہ الااللہ اشھد ان لاالہ الااللہ" اورآخر میں "اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الااللہ" سوال "من ربك" کا جواب سکھائیں گےان کے سننے سے یاد آئیگا کہ میرا رب اللہ ہے۔

اور "اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ" سوال " ماکنت تقول فی ھذا الرجل" کا جواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا۔

اور "حیّ علی الصلاۃ حی علی الفلاح" جواب " مادینك" کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین۔

تو بعدِ دفن اذان دینا عین اس ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا۔

دلیل نمبر(4):

حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:((أَطْفِئُوا الْحَرِيقَ بِالتَّكْبِيرِ)) ترجمہ: آگ کو تکبیر سے بجھاؤ۔

(معجم اوسط، من اسمہ معاذ، ج8، ص258، دار الحرمین، القاہرہ)

حضور پُر نور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:((إِذَا رَأَيْتُمُ الْحَرِيقَ فَكَبِّرُوا فَإِنَّ ذَلِكَ يُطْفِئُهُ)) جب آگ دیکھو اللہ اکبر اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ (الکامل فی الضعفاء الرجال، عبداللہ بن لہیعہ، ج5، ص249، الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں"(فَكَبِّرُوْا) أي قُولُوا اللّٰه أكبر الله أكبر و كرّروه كثيرا"

ترجمہ:"فکبروا" سے مراد یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کثرت کے ساتھ بار بار کہو۔

(التیسیر شرح جامع صغیر، حرف الہمزہ، ج1، ص100، مکتبہ امام شافعی، ریاض سعودیہ)

مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اُس حدیث کی شرح میں کہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر فرماتے رہے، لکھتے ہیں"وَالتَّكْبِيرِ عَلَى هٰذَا لِإِطْفَاءِ الْغَضَبِ الْإِلٰهِيِّ، وَلِهٰذَا وَرَدَ اسْتِحْبَابُ التَّكْبِيرِ عِنْدَ رُؤْيَةِ التَّحْرِيق" اب یہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی کے بجھانے کو ہے ولہذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب اثبات عذاب القبر، ج1، ص218، دار الفکر، بیروت)

وسیلۃ النجاۃ میں حیرۃ الفقہ سے منقول ہے:"اہلِ قبرستان پر تکبیر کہنے میں حکمت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے:

((إِذَا رَأَيْتُمُ الْحَرِيقَ فَكَبِّرُوا فَإِنَّ ذٰلِكَ يُطْفِئُهُ)) یعنی جب تم کسی جگہ آگ بھڑکتی ہوئی دیکھو (اور تم اسے بجھانے کی طاقت نہ رکھتے ہو) تو تکبیر کہو کہ اس تکبیر کی برکت سے وہ آگ ٹھنڈی پڑ جائیگی چونکہ عذابِ قبر بھی آگ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے تم اپنے ہاتھ سے بجھانے کی طاقت نہیں رکھتے لہذا اللہ کا نام لو (تکبیر کہو) تاکہ فوت ہونے والے لوگ دوزخ کی آگ سے خلاصی پائیں۔ (وسیلۃ النجاۃ بحوالہ حیرۃ الفقہ ☆ فتاوی رضویہ، ج 5، ص 659، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہاں سے بھی ثابت کہ قبر مسلم پر تکبیر کہنا فردِ سنت ہے، تو یہ اذان بھی قطعاً سنت پر مشتمل اور زیادات مفیدہ کا مانع سنیت نہ ہونا تقریرِ دلیلِ دوم سے ظاہر۔

دلیل نمبر (5):

ابن ماجہ و بیہقی نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: ((حَضَرْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي جِنَازَةٍ فَلَمَّا وَضَعَهَا فِي اللَّحْدِ قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ فَلَمَّا أَخَذَ فِي تَسْوِيَةِ اللَّبِنِ عَلَى اللَّحْدِ قَالَ: اللهم اجرها مِنَ الشَّيْطَانِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔۔۔قال سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم)) ترجمہ: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اُسے لحد میں رکھا کہا: بِسْمِ اللَّهِ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ، جب لحد برابر کرنے لگے کہا الٰہی! اسے شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے امان دے، پھر فرمایا میں نے اسے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے سنا۔ (سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی ادخال المیت القبر، ج 1، ص 495، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

امام ترمذی حکیم قدس سرہ الکریم بسندِ جید عمرو بن مرہ تابعی سے روایت کرتے ہیں: ((كَانُوا يستحبون إذا وضع الْمَيِّتُ فِي اللَّحْدِ أَنْ يُقَالَ اللَّهُمَّ أعذه من الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ)) ترجمہ: صحابہ کرام یا تابعین عظام مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو لحد میں رکھیں تو یوں کہیں: اے اللہ! اس کو شیطان رجیم سے پناہ عطا فرما۔

(نوادر الاصول، فی مسئلۃ التثبیت للمیت، ج 3، ص 227، دار الجیل، بیروت)

امام بخاری و مسلم کے استاذ امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں حضرت خثیمہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ((كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ إِذَا وَضَعُوا الْمَيِّتَ فِي الْقَبْرِ أَنْ يَقُولُوا: بِسْمِ اللَّهِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ اللَّهُمَّ أَجِرْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ)) ترجمہ: مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یوں کہیں: اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ملت پر، الٰہی! اسے عذابِ قبر و عذابِ دوزخ اور شیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا اذا وضع المیت فی قبرہ، ج 3، ص 19، مکتبۃ الرشد، الریاض)

ان حدیثوں سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اس وقت عیاذاً باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اُس کے دفع کی تدبیر سنت ہے کہ دعا نہیں مگر ایک تدبیر اور احادیثِ سابقہ دلیل اوّل سے واضح کہ اذان رفعِ شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے تو یہ بھی مقصودِ شارع کے مطابق اور اپنی نظیرِ شرعی سے موافق ہوئی۔

دلیل نمبر (6):

ابوداؤد و حاکم و بیہقی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ)) ترجمہ: حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد کرتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے جوابِ نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

(سنن ابوداؤد، باب الاستغفار عند القبر، ج3، ص215، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقوم على الْقَبْرِ بَعْدَمَا يسوّى عَلَيْهِ فَيَقُولُ: اللَّهُمَّ نزل بك صاحبنا وخلف الدُّنْيَا خلف ظهره اللَّهُمَّ ثبت عِنْدَ الْمَسْأَلَةِ مَنْطِقه وَلَا تبتله فِي قَبره بِمَا لَا طَاقَةَ بِهِ)) ترجمہ: جب مُردہ دفن ہو کر قبر درست ہو جاتی حضور سید عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرتے الٰہی! ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہوا اور دنیا اپنے پسِ پشت چھوڑ آیا، الٰہی! سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔ (الدر المنثور، ج5، ص39، دار الفکر، بیروت)

ان حدیثوں اور احادیثِ دلیلِ پنجم وغیرہ سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنّت ہے۔

امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہ الشریف دعا بعدِ دفن کی حکمت ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لِأَن الصَّلَاة بِجَمَاعَة الْمُؤمنِينَ كالعسكر لَهُ قد اجْتَمعُوا بِبَاب الْملك فيشفعون لَهُ وَالْوُقُوف على الْقَبْر لسؤال التثبيت مدد الْعَسْكَر وَتلك سَاعَة شغل الْمُؤمن لِأَنَّهُ يستقبله هول المطلع و سؤال" ترجمہ: نمازِ جنازہ بجماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانہ شاہی پر میت کی شفاعت و عذر خواہی کیلئے حاضر ہوا اور اب قبر پر کھڑے ہو کر دُعا یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے کہ اُسے اُس نئی جگہ کا ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے۔

(نوادر الاصول، فی مسئلۃ التثبیت للمیت، ج3، ص226، دار الجیل، بیروت)

اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحبابِ دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو۔ امام آجری فرماتے ہیں "يُسْتَحَبُّ الْوُقُوف

بعد الدّفن قَلِيلا وَالدُّعَاء لِلْمَيت ''مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر کھڑے رہیں اور میت کے لئے دُعا کریں۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، ج1، ص111، دار المعرفۃ، لبنان)

طرفہ یہ کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے فتح القدیر و بحر الرائق ونہر الفائق وفتاوی عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہوکر دُعا سنّت سے ثابت ہے اور براہِ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دُعا بلکہ بہترین دُعا سے ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی ہے اور ہر ذکرِ الٰہی دعا، تو وہ بھی اسی سنتِ ثابتہ کی ایک فرد ہوئی پھر سنّیت مطلق سے کراہتِ فرد پر استدلال عجب تماشا ہے۔

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ''فَإِنَّ كُلَّ دُعَاءٍ ذِكْرٌ وَكُلُّ ذِكْرٍ دُعَاءٌ'' ترجمہ: ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دُعا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، ثواب التسبیح والتحمید، ج4، ص1599، دار الفکر، بیروت)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ)) ترجمہ: سب دعاؤں سے افضل دُعا الحمد للہ ہے۔ (جامع الترمذی، باب ما جاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ، ج5، ص325، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

صحیحین میں ہے ایک سفر میں لوگوں نے بآوازِ بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ''اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو: ((فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا وَلَكِنْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا)) ترجمہ: تم کسی بہرے یا غائب سے دُعا نہیں کرتے سمیع بصیر سے دعا کرتے ہو۔

(صحیح بخاری، باب الدعاء اذا علا عقبۃ، ج8، ص82، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب استحباب خفض، ج4، ص2076، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

دیکھو حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور خاص کلمہ اللہ اکبر کو دعا فرمایا تو اذان کے بھی ایک دُعا اور فرد مسنون ہونے میں کیا شک رہا۔

دلیل نمبر(7):

یہ تو واضح ہو لیا کہ بعدِ دفن میت کے لئے دُعا سنّت ہے اور علماء فرماتے ہیں آدابِ دعا سے ہے کہ اُس سے پہلے کوئی عملِ صالح کرے۔

امام شمس الدین محمد بن الجزری کی حصن حصین شریف میں ہے ''اداب الدعاء منها تقديم عمل صالح وذكره عند الشدة'' م ت د۔ ترجمہ: آدابِ دُعا میں سے ہے کہ اس سے پہلے عمل صالح ہو اور ذکرِ الٰہی مشکل وقت میں ضرور کرنا چاہئے مسلم، ترمذی، ابوداؤد۔ (حصن حصین، ص14، نولکشور، لکھنؤ)

علامہ علی قاری حرزِ ثمین میں فرماتے ہیں: یہ ادب حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کہ ابوداؤد وترمذی، ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے روایت کی، ثابت ہے۔

اور شک نہیں کہ اذان بھی عملِ صالح ہے تو دُعا پر اُس کی تقدیم مطابقِ مقصود وسنت ہوئی۔

دلیل نمبر (8):

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ أَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ: الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ، وَعِنْدَ الْبَأْسِ)) ترجمہ: دو دعائیں رَد نہیں ہوتیں ایک اذان کے وقت اور ایک جہاد میں جب کفار سے لڑائی شروع ہو۔

(المستدرک علی الصحیحین، من ابواب الاذان، ج1، ص313، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((إِذَا نَادَى الْمُنَادِي فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَاسْتُجِيبَ الدُّعَاءُ)) ترجمہ: جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، وامّا حدیث رافع بن خدیج، ج1، ص731، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اذان قبولیتِ دعا کے اسباب میں سے ہے اور یہاں (میت کو دفنانے کے بعد) دعا شارع جل وعلا کو مقصود، تو اُس کے اسبابِ اجابت کی تحصیل قطعاً محمود۔

دلیل نمبر (9):

حضور سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((يَغْفِرُ اللهُ لِلْمُؤَذِّنِ مُنْتَهَى أَذَانِهِ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ سَمِعَ صَوْتَهُ)) ترجمہ: اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے مؤذن کیلئے اُتنی ہی وسیع مغفرت آتی ہے اور جس تر وخشک چیز کو اس کی آواز پہنچتی ہے اذان دینے والے کے لئے استغفار کرتی ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمر، ج10، ص338، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا حدیث پانچ طرق سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ پانچ حدیثیں ارشاد فرماتی ہیں کہ اذان باعثِ مغفرت ہے اور بیشک مغفور کی دُعا زیادہ قابلِ قبول واقرب باجابت ہے، اور خود حدیث میں وارد کہ مغفوروں سے دُعا منگوانی چاہئے، امام احمد مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((إِذَا لَقِيتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ فَإِنَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ)) ترجمہ: جب تُو حاجی سے ملے اُسے سلام کر اور مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اُس سے اپنے لئے استغفار کرا کہ وہ مغفور ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج9، ص272، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

پس اگر اہلِ اسلام بعد دفنِ میت اپنے میں کسی بندہ صالح سے اذان کہلوائیں تاکہ بحکمِ احادیث صحیحہ ان شاء اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کی مغفرت ہو پھر میت کے لئے دعا کرے کہ مغفور کی دُعا میں زیادہ اجابت (قبولیت) کی امید ہو تو کیا گناہ ہُوا بلکہ عین مقاصدِ شرع سے مطابق ہوا۔"

(فتاوی رضویہ، ج5، ص662 تا 666، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دلیل نمبر (10):

اذان ذکرِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی دافعِ عذاب ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ عَمَلًا قَطُّ أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ))

ترجمہ: آدمی کا کوئی عمل ذکرِ خدا سے زیادہ عذابِ خدا سے نجات بخشنے والا نہیں۔

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث معاذ بن جبل، ج36، ص396، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

خود اذان کی نسبت وارد، جہاں کہی جاتی ہے وہ جگہ اُس دن عذاب سے مامون ہو جاتی ہے، طبرانی معاجیم ثلثہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((إِذَا أُذِّنَ فِي قَرْيَةٍ آمَنَهَا اللهُ مِنْ عَذَابِهِ ذٰلِكَ الْيَوْمَ)) ترجمہ: جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، وما اسند انس بن مالک، ج1، ص257، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

وشاهده عنده فی الکبیر من حدیث معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور اس کی شاہد وہ روایت ہے جو معجم کبیر میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اور بیشک اپنے بھائی مسلمان کے لئے ایسا عمل کرنا جو عذاب سے نجات دینے والا ہو شارع جل وعلا کو محبوب ومرغوب ہے۔

مولنا علی قاری رحمہ الباری شرح عین العلم میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے اور تسبیح ودعائے رحمت ومغفرت کرنے کی وصیت فرما کر لکھتے ہیں: "فان الاذکار کلها نافعة له فی تلك الدار" ترجمہ: ذکر جس قدر ہیں سب میت کو قبر میں نفع بخشتے ہیں۔

(شرح عین العلم، ص332، مطبع اسلامیہ، لاہور)

کیا اذان ذکرِ محبوب نہیں یا مسلمان بھائی کو نفع ملنا شرعاً مرغوب نہیں۔

دلیل نمبر (11):

اذان (میں) ذکرِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے اور ذکرِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم باعثِ نزولِ رحمت۔

اولاً حضور کا ذکر عین ذکرِ خدا ہے امام ابن عطا پھر امام قاضی عیاض وغیرہما ائمہ کرام تفسیر قولہ تعالیٰ ﴿وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ میں فرماتے ہیں: ''جَعَلْتُكَ ذِكْرًا مِنْ ذِكْرِي، فَمَنْ ذَكَرَكَ ذَكَرَنِي'' ترجمہ: میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا جو تمہارا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ (نسیم الریاض شرح الشفاء، الباب الاول، الفصل الاول، ج1، ص63، دار الفیحاء، عمان)

اور ذکر الٰہی بلاشبہ رحمت اُترنے کا باعث، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح حدیث میں ذکر کرنے والوں کی نسبت فرماتے ہیں: ((حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمِ السَّكِينَةُ)) ترجمہ: انہیں ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور اُن پر سکینہ اور چین اُترتا ہے۔ (صحیح مسلم، باب فضل الاجتماع، ج4، ص2074، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ثانیاً ہر محبوبِ خدا کا ذکر محلِ نزولِ رحمت ہے۔

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة'' ترجمہ: نیکوں کے ذکر کے وقت رحمتِ الٰہی اترتی ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، الفائدۃ الثانیۃ التخلص بالعزلۃ علی المعاصی الخ، ج6، ص350، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ابو جعفر بن حمدان نے ابو عمرو بن نجید سے اسے بیان کر کے فرمایا: ''فرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رأس الصلحين'' ترجمہ: تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو سب صالحین کے سردار ہیں۔

(اتحاف السادۃ المتقین، الفائدۃ الثانیۃ التخلص بالعزلۃ علی المعاصی الخ، ج6، ص351، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

پس بلاشبہ جہاں اذان ہوگی رحمتِ الٰہی اُترے گی اور بھائی مسلمان کے لئے وہ فعل جو باعثِ نزولِ رحمت ہو شرع کو پسند ہے، نہ کہ ممنوع۔

دلیل نمبر (12):

خود ظاہر اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ مُردے کو اُس نئے مکان تنگ و تاریک میں سخت وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم ترجمہ: مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب بخشش فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور اذان وحشت کو دور کرنے والی اور دل کے لیے باعثِ اطمینان ہے کہ وہ ذکرِ خدا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ ترجمہ: سُن لو خدا کے ذکر سے چین پاتے ہیں دل۔ (سورۃ الرعد، آیت 28)

ابو نعیم و ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ((نَزَلَ آدَمُ بِالْهِنْدِ فَاسْتَوْحَشَ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَنَادَى بِالْأَذَانِ)) ترجمہ: جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام جنت سے ہندوستان

میں اُترے اُنہیں گھبراہٹ ہوئی تو جبریئل علیہ الصلاۃ والسلام نے اُتر کر اذان دی۔

(حلیۃ الاولیاء، عمرو بن قیس الملائی، ج5، ص107، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

پھر ہم اس غریب کی تسکین خاطر و دفع توحش کو اذان دیں تو کیا بُرا کریں۔

حاشا بلکہ مسلمان خصوصاً ایسے بے کس کی اعانت اللہ عزوجل کو نہایت پسند، حضور سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمانوں کی مدد میں ہے۔ (صحیح مسلم، باب فضل الاجتماع، ج4، ص2074، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) ترجمہ: جو اپنے بھائی مسلمان کے کام میں ہو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دُور کرے اللہ تعالیٰ اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائیگا۔ (صحیح البخاری، باب لا یظلم المسلم، ج3، ص128، دار طوق النجاۃ)

دلیل نمبر (13):

مسند الفردوس میں حضرت جناب امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی، فرماتے ہیں: ((رَآنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِينًا فَقَالَ: يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ إِنِّي أَرَاكَ حَزِينًا فَمُرْ بَعْضَ أَهْلِكَ يُؤَذِّنُ فِي أُذُنِكَ فَإِنَّهُ دَرْأُ الْهَمِّ)) ترجمہ: مجھے حضور سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غمگین دیکھا ارشاد فرمایا: اے علی! میں تجھے غمگین پاتا ہوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے، اذان غم و پریشانی کی دافع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الدیلمی، ج2، ص547، دار الفکر، بیروت)

مولیٰ علی اور مولیٰ علی تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں سب نے فرمایا: ''فجربته فوجدته كذلك'' ترجمہ: ہم نے اسے تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ ذکره ابن حجر كمافي المرقاة۔ ترجمہ: اس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے کیا، جیسا کہ مرقات میں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الدیلمی، ج2، ص547، دار الفکر، بیروت)

اور خود معلوم اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ میت اُس وقت کیسے حزن و غم کی حالت میں ہوتا ہے مگر وہ خاص عباد اللہ اکابر اولیاء اللہ جو مرگ کو دیکھ کر مرحباً بحبیب جاء علی فاقة (خوش آمدید اس محبوب کو جو بہت دیر سے آیا) فرماتے ہیں۔

تو اس کے دفع غم و الم کے لئے اگر اذان سُنائی جائے کیا معذور شرعی لازم آئے، حاشا اللہ بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے برابر اللہ عزوجل کو فرائض کے بعد کوئی عمل محبوب نہیں۔ طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

راوی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ بَعْدَ الْفَرَائِضِ إِدْخَالُ السُّرُورِ عَلَى الْمُسْلِمِ))

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ محبوب مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، مجاہد عن ابن عباس، ج11، ص71، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

اُنہی دونوں (طبرانی معجم کبیر اور معجم اوسط) میں حضرت امام ابن الامام سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((إِنَّ مِنْ مُوجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ إِدْخَالَ السُّرُورِ عَلَى أَخِيكَ الْمُسْلِمِ)) ترجمہ: بیشک موجباتِ مغفرت سے ہے تیرا اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرنا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، حسن بن حسن بن علی عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج3، ص83، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

دلیل نمبر (14):

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو بکثرت ذکر کرنا۔ (سورۃ الاحزاب، آیت 41)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((أَكْثِرُوا ذِكْرَ اللهِ حَتَّى يَقُولُوا: مَجْنُونٌ)) ترجمہ: اللہ کا ذکر اس درجہ کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون کہیں۔

(مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید خدری، ج18، ص195، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ المستدرک للحاکم، کتاب الدعاء والتکبیر، ج1، ص677، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ صحیح ابن حبان، ذکر استحباب استکثار المرء بذکر ربہ جل وعلا، ج3، ص99، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((اُذْكُرِ اللهَ عِنْدَ كُلِّ حَجَرٍ وَشَجَرٍ)) ترجمہ: ہر سنگ و شجر کے پاس اللہ کا ذکر کر۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، عطا بن یسار عن معاذ، ج20، ص159، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:((لَمْ يَفْرِضِ الله تعالي فريضة على عباده إِلَّا جَعَلَ لَهَا حَدًّا مَعْلُومًا أعذر أهلها في حال العذر غير الذِّكْرُ فَإِنَّهُ لَمْ يَجْعَلْ لَهُ حَدًّا يُنْتَهَى إِلَيْهِ وَلَمْ يَعْذُرْ أَحَدًا فِي تَرْكِهِ إِلَّا مَغْلُوبًا على عقله فلذلك أمرهم بِهِ فِي كُلِّ الْأَحْوَالِ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی فرض مقرر نہ فرمایا مگر یہ کہ اُس کے لئے ایک حد معین کردی پھر عذر کی حالت میں لوگوں کو اُس سے معذور رکھا سوا ذکر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کوئی حد نہ رکھی جس پر انتہا ہو اور نہ کسی کو اس کے ترک میں معذور رکھا مگر وہ جس کی عقل سلامت نہ رہے اور بندوں کو تمام احوال میں ذکر کا حکم دیا۔ (تفسیر البغوی، سورۃ الاحزاب، ج3، ص647، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اُن کے شاگرد امام مجاہد فرماتے ہیں: ''الذِّکرُ الکثیرُ اَنْ لا یتناھی ابدا '' ترجمہ: ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی ختم نہ ہو۔

(تفسیر البغوی، سورۃ الاحزاب، ج3، ص647، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تو ذکرِ الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب و مرغوب و مطلوب و مندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہو سکتی جب تک کسی خصوصیتِ خاصہ میں کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعاً ذکرِ خدا ہے پھر خدا جانے کہ ذکرِ خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے، ہمیں حکم ہے کہ ہر سنگ و درخت کے پاس ذکرِ الٰہی کریں، قبرِ مومن کے پتھر کیا اس کے حکم سے خارج ہیں خصوصاً بعد دفن ذکرِ خدا کرنا تو خود حدیثوں سے ثابت اور بتصریح ائمہ دین مستحب ولہٰذا امام اجل ابوسلیمان خطابی در بارہ تلقین فرماتے ہیں: ''لا نجد له حديثا مشهورا ولا بأس به اذ ليس فيه الا ذكر الله تعالىٰ قوله و كل ذلك حسن '' ہم اس میں کوئی مشہور حدیث نہیں پاتے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اس میں نہیں ہے مگر خدا کا ذکر اور یہ سب کچھ محمود ہے۔

دلیل نمبر(15):

امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں ''يُستحبّ أنْ يقعدَ عنده بعد الفراغ ساعة قدر ما يُنحر جزور ويُقسم لحمُها ، ويشتغل القاعدون بتلاوة القرآن، والدعاء للميت، والوعظ، وحكايات أهل الخير، وأخبار الصالحين '' ترجمہ: مستحب ہے کہ دفن سے فارغ ہو کر ایک ساعت قبر کے پاس بیٹھیں اتنی دیر کہ ایک اُونٹ ذبح کیا جائے اور اُس کا گوشت تقسیم ہو اور بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لئے دُعا اور وعظ و نصیحت اور نیک بندوں کے ذکر و حکایت میں مشغول رہیں۔ (الاذکار للنووی، باب مایقولہ بعد الدفن، ج1، ص161، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت)

شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ لمعات شرح مشکوۃ میں زیر حدیث امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ فقیر نے دلیل ششم میں ذکر کی، فرماتے ہیں: ''قد سمعت عن بعض العلماء انه يستحب ذكر مسئلة من المسائل الفقهية '' ترجمہ: تحقیق میں نے بعض علماء سے سُنا کہ دفن کے بعد قبر کے پاس کسی مسئلہ فقہ کا ذکر مستحب ہے۔

(لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح، الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر، ج1، ص200، مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیہ، لاہور)

اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوۃ میں اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ ''باعثِ نزولِ رحمت ست '' ترجمہ: نزولِ رحمت کا سبب ہے۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر، ج1، ص201، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اور فرماتے ہیں ''مناسب حال ذکر مسئلہ فرائض ست '' ترجمہ: ذکرِ مسئلہ فرائض مناسب حال ہے۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر، ج1، ص201، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اور فرماتے ہیں ''اگر ختم قرآن کنند اولیٰ وافضل باشد'' ترجمہ: اگر قرآن پاک ختم کریں تو یہ اولیٰ و بہتر ہے۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر، ج1، ص201، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

جب علمائے کرام نے حکایاتِ اہل خیر و تذکرہ صالحین و ختم قرآن و بیان مسئلہ فقہیہ و ذکر فرائض کو مستحب ٹھہرایا حالانکہ ان میں بالخصوص کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ وجہ صرف وہی کہ میت کو نزولِ رحمت کی حاجت اور ان امور میں امیدِ نزول رحمت تو اذان کہ بشہادتِ احادیث موجب نزولِ رحمت و دفعِ عذاب ہے کیونکر جائز بلکہ مستحب نہ ہوگی۔

تنبیہ: یہ پندرہ دلائل اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' سے خلاصۃً نقل کیے گئے ہیں، یہ پندرہ دلائل دینے کے بعد امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بحمد اللہ یہ پندرہ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہوئیں ناظر مُنصِف جانے گا کہ ان میں اکثر تو محض استخراجِ فقیر ہیں اور باقی کے بعض مقدمات اگرچہ بعض اجلّہ اہل سنت و جماعت رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں مذکور مگر فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے تکمیل ترتیب و تسجیلِ تقریب سے ہر مقدمہ منفردہ کو دلیل کامل اور ہر مذکورِ ضمنی کو مقصودِ مستقل کر دیا۔

ہم پر اُن اکابر کا شکر واجب جنہوں نے اپنی تلاش و کوشش سے بہت کچھ متفرق کو یکجا کیا اور اس دشوار کام کو ہم پر آسان کر دیا۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص654 تا 672، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دلائل وفوائد کا خلاصہ

اس کے بعد امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے میت کو دفن کرنے کے بعد دی جانے والی اذان کے فوائد خلاصۃً بیان فرمائے، چنانچہ فرماتے ہیں:

ہمارے کلام پر مطلع ہونے والا عظمتِ رحمتِ الٰہی پر نظر کرے کہ اذان میں ان شاء اللہ الرحمٰن اُس میت اور ان احیا (زندوں) کے لئے کتنے منافع ہیں، سات فائدہ میت کیلئے:

(1) بحولہ تعالیٰ (اللہ کی عطا سے) شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔

(2) بدولتِ تکبیر عذابِ نار سے امان۔

(3) جوابِ سوالات کا یاد آ جانا۔

(4) ذکرِ اذان کے باعث عذابِ قبر سے نجات پانا۔

(5) بہ برکتِ ذکرِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نزولِ رحمت۔

(6)بدولتِ اذان دفعِ وحشت۔

(7)زوالِ غم وسرور وفرحت۔

اور پندرہ احیا(زندوں) کے لئے ،سات تو یہی ،سات منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا کہ ہر نفع رسانی جدا حسنہ ہے اور ہر حسنہ کم سے کم دس(10) نیکیاں ،پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

(8)میت کے لئے تدبیرِ دفعِ شیطان سے اتباعِ سنت۔

(9)تدبیرِ آسانی جواب سے اتباعِ سنت۔

(10)دعاء عند القبر سے اتباعِ سنت۔

(11)بقصدِ نفعِ میت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباعِ سنت۔

(12)مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن وحدیث مالا مال۔

(13)ذکرِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سبب رحمتیں پانا۔

(14)مطلق دُعا کے فضائل ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغزِ عبادت فرمایا۔

(15)مطلق اذان کے برکات ملنا جنہیں منتہائے آواز تک مغفرت اور ہر تر وخشک کی استغفار وشہادت اور دلوں کو صبر وسکون وراحت ہے۔

اور لُطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ہی ہیں:

اللّٰہ اکبر،اشھد ان لاالٰہ الااللّٰہ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ،حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح، اللّٰہ اکبر لاالٰہ الااللّٰہ۔

اور مکررات کو گنئے تو پندرہ ہوتے ہیں ،میت کے لئے وہ سات فائدے اور احیا کے لئے پندرہ ،انہی سات اور پندرہ کے برکات ہیں۔والحمدللہ ربّ العٰلمین۔

تعجب کرتا ہوں کہ حضرات مانعین نے میت واحیا کو ان فوائدِ جلیلہ سے محروم رکھنے میں کیا نفع سمجھا ہے ہمیں تو مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:((مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ)) ترجمہ:تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو کوئی نفع پہنچائے تو لازم ومناسب ہے کہ پہنچائے۔ (صحیح مسلم،باب استحباب الرقیۃ،ج4،ص1726،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

پھر خدا جانے اس اجازتِ کلی کے بعد جب تک خاص جزئیہ کی شرع میں نہی نہ ہو ممانعت کہاں سے کی جاتی ہے۔

سب فوائد کی اکٹھی نیت کرنا:

سوال: کیا قبر پر اذان دینے والا ان پندرہ فائدوں کی نیت کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں کر سکتا ہے بلکہ اسے کرنی چاہیے تا کہ ان سب کا ثواب اسے حاصل ہو۔ امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ان پندرہ فائدوں کی نیت کرنے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

حدیث میں ہے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ((نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ)) ترجمہ: مسلمان کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، سہل بن سعد الساعدی عن ابی حازم، ج6، ص185، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

اور بیشک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کر سکتا ہے مثلاً جب نماز کے لئے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بیشک اُس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دُوسرے پر گناہ محو کریں گے مگر عالم نیت اس ایک ہی فعل میں اتنی نیتیں کر سکتا ہے:

(1) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔

(2) خانۂ خدا کی زیارت کروں گا۔

(3) شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں۔

(4) داعی اللہ کی اجابت کرتا ہوں۔

(5) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں۔

(6) مسجد سے خس وخاشاک وغیرہ دُور کروں گا۔

(7) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتی بہ پر اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں اور ایک ساعت کا بھی ہو سکتا ہے جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کرلے انتظارِ نماز وادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔

(8) امرِ الٰہی ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ) کے امتثال (پیروی) کو جاتا ہوں۔

(9) جو وہاں علم والا ملے گا اُس سے مسائل پُوچھوں گا دین کی باتیں سیکھوں گا۔

(10) جاہلوں کو مسئلہ بتاؤں گا دین سکھاؤں گا۔

(11) جو علم میں میرے برابر ہو گا اُس سے علم کی تکرار کروں گا۔

(12) علماء کی زیارت۔

(13) نیک مسلمانوں کا دیدار۔

(14) دوستوں سے ملاقات۔

(15) مسلمانوں سے میل۔

(16) جو رشتہ دار ملیں گے اُن سے بکشادہ پیشانی مل کر صلہ رحم۔

(17) اہلِ اسلام کو سلام۔

(18) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا۔

(19) اُن کے سلام کا جواب دُوں گا۔

(20) نماز جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔

(21,22) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر سلام عرض کروں گا: بسم اللّٰہ الحمدللّٰہ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ۔

(23,24) دخول و خروج میں حضور و آلِ حضور و ازواجِ حضور پر درود بھیجوں گا، اللّٰھم صلِّ علیٰ سیدنا محمّد وعلیٰ اٰل سیدنا محمّد وعلیٰ ازواج سیدنا محمّد۔

(25) بیمار کی مزاج پُرسی کروں گا۔

(26) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا۔

(27) جس مسلمانوں کو چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا اُسے یرحمک اللہ کہوں گا۔

(28,29) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کروں گا۔

(30) نمازیوں کے وضو کو پانی دُوں گا۔

(31,32) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان و اقامت کہوں گا اب اگر یہ کہنے نہ پایا دُوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان و اقامت کا ثواب پاچکا، ﴿فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے اجر عطا فرمائے گا۔

(سورۃ النساء، آیت 100)

(33) جو راہ بھولا ہو گا راستہ بتاؤں گا۔

(34) اندھے کی دستگیری کروں گا۔

(35) جنازہ ملا تو نماز پڑھوں گا۔

(36) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔

(37) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتی الوسع صلح کراؤں گا۔

(38,39) مسجد میں جاتے وقت دہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباع سنت کروں گا۔

(40) راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اُٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا، الی غیر ذلك من نیات کثیرۃ۔

تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنۂ نماز کے لئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس (40) حسنات کے لئے جاتا ہے تو گویا اُس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم پہلے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا اب چالیس (40) نیکیاں ہوگا۔

اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہئے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تاکہ ہر نیت پر جُداگانہ ثواب پائے اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ کہ مجھے میت کے لئے دُعا کا حکم ہے اس کی اجابت کا سبب حاصل کرتا ہوں اور نیز اُس سے پہلے عملِ صالح کی تقدیم چاہئے یہ ادب دعا بجالاتا ہوں۔

الی غیر ذلك ممایستخرجه العارف النبیل واللّٰه الهادی الیٰ سواء السبیل ۔ترجمہ: ان کے علاوہ دوسری نیتیں جن کو عارف اور عمدہ رائے استخراج کرسکتی ہے اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں مگر ان منافع و نیات سے غافل ہیں وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اُسی قدر پائیں گے۔فَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰی۔ترجمہ: اعمال کا ثواب نیتوں سے ہی ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

(صحیح بخاری، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص6، دار طوق النجاۃ ☆ فتاوی رضویہ، ج5، ص672 تا 676، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہاں کون سی نماز ہے؟:

سوال: منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو نماز کے لئے ہوتی ہے، یہاں کون سی نماز ہے جس کے لیے اذان کہی جارہی ہے۔

جواب: جہال منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلامِ نماز کے لئے ہے یہاں کون سی نماز ہوگی جس کے لئے اذان کہی جاتی ہے مگر یہ ان کی جہالت انہیں کو زیب دیتی ہے وہ نہیں جانتے کہ اذان میں کیا کیا اغراض و منافع ہیں اور شرع

مطہر نے نماز کے سوا کن کن مواضع (جگہوں) میں اذان مستحب فرمائی ہے ازاں جملہ (ان میں سے) گوش مغموم (غمزدہ کے کان) میں اور دفعِ وحشت کو کہنا تو یہیں (احادیث کے حوالے سے) گزرا اور بچّے کے کان میں اذان دینا سنا ہی ہوگا (جو احادیث مبارکہ میں موجود ہے)، ان کے سوا اور بہت سے مواقع (احادیث اور کتب فقہ وغیرہا میں موجود) ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص676، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بچے کے کان کی اذان:

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بچے کے کان میں جو اذان دینے کا احادیث میں آیا وہ اس لئے کہ اس کی نماز بعدِ موت ہوتی ہے۔

جواب: بعض احمق جاہل بچے کے کان کی اذان سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس اذان کی نماز تو بعد موتِ مولود (بچے کی موت کے بعد) ہوتی ہے یعنی نمازِ جنازہ، یہ اذان جو قبر پر کہو گے اس کی نماز کہاں ہے؟ اذانِ گوشِ مولود (بچے کے کان میں دی جانے والی اذان) کو نمازِ جنازہ کی اذان بتانا جیسی جہالتِ فاحشہ ہے خود ظاہر ہے مگر ان کا جواب ترکی بہ ترکی یہ ہے کہ نمازِ جنازہ جس طرح صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنٰی افعالِ نماز ہے ایک نماز روزِ محشر صرف سجود سے ہوگی جو اعلٰی افعالِ نماز ہے، جس دن کشفِ ساق ہوگا اور مسلمان سجدے میں گر یں گے منافق سجدہ نہ کرسکیں گے جس کا بیان قرآن عظیم سورہ ق شریف میں ہے قبر کی اذان اس نماز کی اذان ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص676، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 137

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَدْءِ الْأَذَانِ

اذان کے آغاز کا بیان

189. حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: لَمَّا أَصْبَحْنَا أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِالرُّؤْيَا، فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ لَرُؤْيَا حَقٌّ، فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَإِنَّهُ أَنْدَى وَأَمَدُّ صَوْتًا مِنْكَ، فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا قِيلَ لَكَ، وَلْيُنَادِ بِذَلِكَ، قَالَ: فَلَمَّا سَمِعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نِدَاءَ بِلَالٍ بِالصَّلَاةِ خَرَجَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَجُرُّ إِزَارَهُ، وَهُوَ يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ الَّذِي قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَلِلَّهِ الْحَمْدُ، فَذَلِكَ أَثْبَتُ. وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ: حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ. قال ابوعيسىٰ حديث عبد الله بن زيد حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے آپ کو خواب سُنایا تو آپ نے فرمایا: بے شک یہ سچا خواب ہے، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ کیونکہ اُس کی آواز تم سے بلند اور دراز ہے، اور اُنہیں وہ کلمات سکھاؤ جو تمہیں بتائے گئے اور اُنہیں چاہئے کہ ان کلمات کے ساتھ اذان دیں۔ راوی بیان کرتے ہیں: جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کی اذان سُنی تو آپ اپنی چادر کھینچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اُس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، بلاشبہ میں نے بھی حضرت عبداللہ بن زید کے جیسا خواب دیکھا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام حمدیں اللہ ہی کے لئے ہے، اس سے تقویت حاصل ہوگئی۔

اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

إِسْحَاقَ أَتَمَّ مِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ وَأَطْوَلَ، وَذَكَرَ فِيهِ قِصَّةَ الْأَذَانِ مَثْنَى مَثْنَى، وَالْإِقَامَةِ مَرَّةً مَرَّةً وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ هُوَ ابْنُ عَبْدِ رَبِّهِ، وَيُقَالُ :ابْنُ عَبْدِ رَبٍّ، وَلَا نَعْرِفُ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا يَصِحُّ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ فِي الْأَذَانِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ لَهُ أَحَادِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ عَمُّ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ

اس حدیث کو ابراہیم بن سعد نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے مکمل اور طویل ذکر کیا ہے، اور اس میں اُنہوں نے اذان کے کلمات کو دو دو بار اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن زید سے ابن عبدربہ مراد ہیں۔ان کو ''عبدرب'' بھی کہا جاتا ہے۔اور ہم ایک حدیث (جواذان کے بارے میں ہے) کے علاوہ ان کی کوئی دوسری صحیح حدیث نہیں کا جانتے ۔عباد بن تمیم کے چاچا عبداللہ بن زید بن عاصم سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی کئی احادیث منقول ہیں۔

190. حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي النَّضْرِ قَالَ:حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ:قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَوَاتِ وَلَيْسَ يُنَادِي بِهَا أَحَدٌ، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذٰلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ :اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ:اتَّخِذُوا قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ، قَالَ:فَقَالَ عُمَرُ:أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ:فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ.قَالَ ابوعيسىٰ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب لوگ مدینہ منورہ میں آئے تو نماز کے وقت (ازخود) جمع ہوجاتے تھے نماز کے لئے کوئی اعلان نہیں کرتا تھا۔ایک دن انہوں نے آپس میں اس حوالہ سے بات کی تو کچھ لوگوں نے کہا: نصاریٰ کی طرح ناقوس (لکڑی یا لوہے کا بڑا ٹکڑا جس کو چھوٹے ٹکڑے سے بجاتے ہیں) بنالو، کچھ لوگوں نے کہا: یہودیوں کی طرح کا ایک قرن (سینگ) رکھ لو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نماز کی اطلاع کے لئے کسی شخص کو کیوں نہیں بھیج دیتے ۔راوی کا بیان ہے کہ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! تم اُٹھو اور نماز کا اعلان کرو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی بہ نسبت ''حسن صحیح غریب'' ہے۔

تخریج حدیث 189: (سنن ابی داؤد، باب کیف الاذان، ج 1، ص 135، حدیث 499، المکتبة العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب بدء الاذان، ج 1، ص 232، حدیث 706،

داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل، حدیث عبداللہ بن زید، ج26، ص402، حدیث16478، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

تخریج حدیث190: (صحیح بخاری، باب بدء الاذان، ج1، ص124، حدیث604، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، ج1، ص285، حدیث377، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، بدء الاذان، ج2، ص2، حدیث626، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

خواب کتنوں نے دیکھا:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

مروی ہے کہ جس رات حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اذان کا طریقہ دیکھا اسی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں سے گیارہ حضرات نے خواب میں اذان دیکھی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص547، دار الفکر، بیروت)

ایک روایت کے مطابق اس رات میں سات صحابہ نے یہ خواب دیکھا۔

(المبسوط للسرخسی، باب الاذان، ج1، ص128، دار المعرفہ، بیروت)

ان شاء اللہ کہنے کی وجہ:

مزید فرماتے ہیں:

((تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سچا خواب ہے)) یعنی ثابت ہے، صحیح ہے، سچا ہے، وحی کے مطابق یا اجتہاد کے موافق ہے ((ان شاء اللہ)) یہ تبرک یا تعلیق کے لیے ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص554، دار الفکر، بیروت)

فوائد حدیث:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

((جب لوگ مدینہ منورہ میں آئے تو نماز کے وقت از خود جمع ہو جاتے تھے نماز کے لئے کوئی اعلان نہیں کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے آپس میں اس حوالہ سے بات کی تو کچھ لوگوں نے کہا: ناقوس (لکڑی یا لوہے کا بڑا ٹکڑا جس کو چھوٹے ٹکڑے سے بجاتے ہیں) بنالو، کچھ لوگوں نے کہا: قرن (سینگ) رکھ لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نماز کی اطلاع کے لئے کسی شخص کو کیوں نہیں بھیج دیتے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! تم اٹھو اور نماز کا اعلان کرو)) اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں: ان میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ان کی اصابت رائے میں عظیم منقبت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کاموں میں مشورہ کرنا چاہیے بالخصوص اہم کاموں میں اور یہ امت کے حق میں علماء کے اجماع سے مستحب ہے اور ہمارے اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشاورت واجب تھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں بھی سنت تھی جیسا کہ ہمارے حق میں سنت ہے اوران کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشاورت واجب ہے اور یہی مختار ہے۔ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ جمہور فقہاء اور محققین اہل اصول کے نزدیک مختار یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے اوراس میں یہ فائدہ بھی ہے کہ مشورہ دینے والوں میں سے ہر ایک اپنا عندیہ بیان کرے پھر صاحب معاملہ جس میں مصلحت دیکھے اس کو بجالائے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الامر بشفع الاذان الخ، ج4، ص76، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ مؤذن کا بلند آواز والا ہونا مستحب ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الامر بشفع الاذان الخ، ج4، ص77، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

دونوں حدیثوں میں تطبیق:

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

((تو وہ نماز کے لیے انتظار کرتے)) قاضی عیاض فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ وہ نماز کا وقت مقرر کرتے تا کہ وہ سب اس وقت نماز کے لیے آجائیں، حِین زمان کے لیے ہے **((حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کسی آدمی کو کیوں نہیں بھیج دیتے جو نماز کے لیے نداء کرے))** علامہ ابن سید الناس نے کہا: اس کا ظاہر پہلی حدیث کے معارض ہے اوران میں تطبیق ممکن ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نداء اذان شرعی کی صورت پر نہ تھی کیونکہ اس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ کیا ہے بلکہ ہوسکتا ہے وہ صرف وقت کے داخل ہونے کے اعلان کے طور پر ہو اور اذان شرعی اس کے بعد مقرر ہوئی اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خواب کے معارض نہیں کیونکہ اس کے بعد یہ خواب آنا ممکن ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مطلق نداء سے زیادہ نہیں۔

اذان کے آغاز کا سبب:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

اس کے ثبوت میں علما نے کلام کیا ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے علقمہ سے انہوں ابو بردہ سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا تو اس نے آپ کو غمگین ملاحظہ کیا اور وہ آدمی صاحب طعام تھا تو وہ اپنے گھر کی طرف لوٹا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غم کے سبب غمگین ہوگیا تو اس نے کھانا تناول نہ کیا اور سوگیا تو اس نے خواب میں دیکھا ایک آنے والا آیا تو اس سے کہا: کیا تجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غمگین ہونے کا سبب معلوم ہے وہ نماز کے

اعلان کے متعلق غمگین ہیں۔

توان کو کہو پس وہ کلمات اذان بلال کو سکھا دیں، اس حدیث کو آخر تک ذکر کیا۔ اور مشہور روایت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو کبھی نماز کو مؤخر فرماتے اور کبھی جلدی ادا فرماتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے کسی ایسی علامت کے بارے مشاورت فرمائی جس سے لوگ نماز کی ادائیگی کا وقت پہچان لیں تا کہ ان کی جماعت فوت نہ ہو، تو بعض نے کہا: ہم کوئی علامت نصب کر لیتے ہیں جب لوگ اسے دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو اس کی خبر دیں گے تو اس کو کسی نے پسند نہ کیا، بعض نے ناقوس بجانے کا مشورہ دیا تو آپ نے اسے نصاریٰ کے سبب ناپسند فرمایا، بعض نے بگل بجانے کا کہا تو آپ نے یہودیوں کے سبب اسے ناپسند فرمایا اور بعض نے ڈھول بجا کر بلانے کا کہا تو مجوس کی وجہ سے آپ نے ناپسند فرمایا۔ تو کسی بات پر متفق ہونے سے پہلے وہ جدا ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری نے فرمایا میں نے رات گزاری کہ مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور میں سونے جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ آسمان سے اترا اور اس پر دو سبز کپڑے تھے اور اس کے ہاتھ میں ناقوس کے مشابہ کوئی شے تھی تو میں نے کہا کیا تو مجھے یہ بیچے گا؟ تو اس نے کہا: تم اس کو لے کر کیا کرو گے۔ تو میں نے کہا: ہم اسے اپنی نماز کے وقت بجائیں گے تو اس نے کہا کیا میں اس سے بہتر پر تمہارے رہنمائی نہ کروں؟ تو میں نے کہا: جی ہاں! تو وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے دیوار پر کھڑا ہوا تو اس نے اذان کہی اور پھر تھوڑی دیر رکا اور کھڑا ہوا تو اپنے پہلے کلام کی طرح کہا۔ اور اس کے آخر میں قد قامت الصلاۃ دو مرتبہ زیادہ کیا پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کو اس کے متعلق خبر دی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سچا خواب ہے یا فرمایا: یہ حق خواب ہے تم اسے بلال کو سکھا دو وہ تم سے بلند آواز ہیں تو میں نے حضرت بلال کو یہ سکھا دیا تو وہ اس مقام پر کھڑے ہوئے جو مدینہ میں سب سے اونچا تھا اور اذان دینے لگے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کی اذان سُنی تو آپ اپنی چادر کھینچتے ہوئے آئے اور فرمایا: جو عبداللہ نے دیکھا وہی میں نے دیکھا مگر وہ مجھ سے سبقت لے گئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اثبت ہے یعنی تقویت دینے والا ہے۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے سات نے اسی رات میں یہ خواب دیکھا، ابو حفص محمد بن علی اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: تم دین کی نشانیوں میں اس طرح کے معاملات پر اعتماد کر کے کہتے ہو کہ یہ خواب سے ثابت ہے، ہرگز نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کی رات مسجد اقصیٰ میں گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام جمع تھے تو فرشتے نے اذان و اقامت کہی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ اسے جبریل علیہ السلام لے کر آئے، یہاں تک کثیر بن مرہ نے کہا جبریل نے آسمانوں میں اذان کہی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہ سن لی، ان اسباب میں

کوئی منافات نہیں۔ (المبسوط للسرخسی، باب الاذان، ج1، ص127،128، دار المعرفۃ، بیروت)

اذان کا ثبوت خواب سے یا وحی سے:

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اشکال: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب سے اذان کو ثابت کرنے میں اشکال ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کسی کے خواب پر حکم شرعی کی بنیاد نہیں ہوتی۔

جواب: اس خواب کے ساتھ وحی ملی ہے۔ حارث بن ابی اسامہ کی مسند میں ہے: ((أول من أذن بالصَّلاۃِ جبْریل، عَلَیْہِ الصَّلاۃ وَالسَّلام، فِي السَّمَاء الدُّنْیَا، فَسَمِعہُ عمر وبلال، رَضِی اللہ تَعَالَی عَنْہُمَا، فَسبق عمر بِلَالًا إِلَی النَّبِی صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم وَأخْبرہُ بھَا، فَقَالَ النَّبِی صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم لِبلَال: سَبَقَكَ بھَا عمر)) ترجمہ: سب سے پہلے آسمان دنیا پر حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام نے نماز کی اذان دی تو اسے حضرت عمر اور بلال رضی اللہ عنہما نے سن لیا اور حضرت عمر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچنے میں حضرت بلال سے سبقت لے گئے اور آپ نے اس کی خبر دی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: عمر اس معاملہ میں تم سے سبقت لے گئے۔ داودی نے کہا: ((رُوِیَ أن النَّبِی صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم أَتَاہُ جِبْرِیل عَلَیْہِ الصَّلَاۃ وَالسَّلَام بِالْأَذَانِ قبل أَن یُخبرہُ عبد اللہ بن زید وَعمر بِثَمَانِیَۃ أَیَّام)) ترجمہ: مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر کے خبر دینے سے آٹھ دن پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اذان لے کر حاضر ہوئے۔

ابن اسحاق نے اسے بیان کیا اور فرمایا: اذان کے بارے مروی روایت میں یہ سب سے اچھی ہے، اور ہم نے باب کے شروع میں بیان کیا کہ زمخشری نے ان میں سے بعض سے نقل کیا، اذان وحی کے سبب ہے نہ صرف خواب کے سبب۔

ابو شیخ کی کتاب میں ہے: حضرت عبدالعزیز بن عمران نے ابو مؤمل سے انہوں نے ابی رہین سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((أخذ الْأَذَان من أَذَان إِبْرَاھِیم، عَلَیْہِ الصَّلَاۃ وَالسَّلَام ﴿وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا ...﴾ قَالَ: فَأذن رَسُول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم)) ترجمہ: اذان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اذان سے اخذ کی گئی ہے ((اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے، وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے۔ (الحج:27) اور فرمایا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی۔

سہیلی نے کہا: اذان کی آدمی کے خواب سے تخصیص ہونے اور وحی سے تخصیص نہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات سات آسمانوں سے اوپر دکھائی گئی اور یہ وحی سے زیادہ قوی ہے۔

پس جب اذان کا مقرر ہونا مدینہ تک مؤخر ہو گیا اور آپ نے لوگوں کو نماز کا وقت بتانے کا ارادہ کیا تو وحی رک گئی یہاں تک کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا تو یہ اسی طرح تھا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں میں دیکھا تھا، فرمایا: بیشک یہ سچا خواب ہے ان شاء اللہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا خواب جو اللہ عزوجل نے آسمانوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا اس لیے تھا تا کہ وہ زمین میں بھی سنت ہو جائے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خواب کی موافقت سے قوی ہو گیا باوجود اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک پر سکینہ کلام کرتا، اور اللہ عزوجل کی حکمت پوری ہوئی کہ اذان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مبارک کے علاوہ پر ہو، کیونکہ اس میں اپنے بندہ کی شان اور ذکر کو بلند کرنا ہے اس لئے کہ آپ کے علاوہ کسی کی زبان پر یہ جاری ہونا آپ کی شان کو زیادہ بلند کرنے والا ہے۔ یہی اللہ عزوجل کے اس فرمان کا مطلب ہے: ﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾

ترجمہ: ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لیے بلند کیا۔ (پ30، سورۃ انشراح، آیت 4)

حافظ عبدالرزاق نے اور امام ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا کہ عبید بن عمیر لیثی جو کہ کبار تابعین سے ہیں ان سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اذان دیکھی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کی خبر دینے آئے تو انہوں نے پایا کہ اس کے بارے وحی آچکی ہے۔ (عمدۃ القاری، باب بدء الاذان، ج5، ص107، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کلماتِ اذان کے معانی:

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اکبر کا معنی: ثعلب نے ذکر کیا کہ اہل عرب کا اکبر کے معنی میں اختلاف ہے، اہل لغت نے کہا: اس کا معنی ہے کبیر یعنی بڑا، بزرگی والا، انہوں نے اللہ عزوجل کے اس فرمان سے دلیل ہے: ﴿وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (اور یہ اس پر آسان ہے) (الروم 27) یہاں اھون ھین کے معنی میں ہے یعنی اسم تفضیل کا صیغہ مراد نہیں۔۔۔۔ امام کسائی، فراء اور ھشام نے کہا اس کا معنی ہے ہر چیز سے بڑا، یہاں مِن محذوف ہے۔۔۔۔۔

أشهد أن لا إله إلا الله کا معنی ہے: میں جانتا ہوں بیان کرتا ہوں، یہ جملہ اسی سے بنا ہے گواہ نے حاکم کے پاس گواہی دی یعنی اس کو بیان کیا اور اس کو اپنے معلومات کی خبر دی۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے میں فیصلہ کرتا ہوں جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ﴾ (آل عمران 18) اس کا معنی اللہ نے فیصلہ کیا۔ زجاجی نے کہا اس طرح نہیں، شہادت کی حقیقت کسی شے اور اس کے ثبوت کا یقین ہونا ہے، یہ شہادۃ الشئ سے بنا ہے جس کا معنی ہے شے کا موجود ہونا۔

رسول اللہ: ابن انباری نے کہا: رسول کا لغوی معنی جس پر بھیجنے والے کی طرف سے پے در پے خبریں آئیں۔ یہ عرب

کے اس قول سے ہے: اونٹ پے در پے آئے۔ اور اس کی تثنیہ رسولان ہے اور اس کی جمع ''رسل'' اور بعض اہل عرب تثنیہ اور جمع کی جگہ بھی اس کو واحد استعمال کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: الرجلان رسولك (دو آدمی تیرے رسول ہیں) اور الرجال رسولك (آدمی تیرے رسول ہیں)۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (طٰہٰ 47) دوسری جگہ ہے: ﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (مریم 19)

پہلی آیت میں کلام اپنے ظاہر کے مطابق آیا ہے کیونکہ وہ حضرت موسی اور ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کے بارے میں خبر بیان کرنا ہے اور دوسری جگہ رسالت کے معنی میں ہے گویا کہ کہا: میں رب العالمین کا پیغام ہوں۔ ابواسحاق زجاج نے کہا رسول کے اشتقاق کے بارے میں ابن انباری نے جو ذکر کیا وہ درست نہیں، الرسول: المرسل المبعد، یہ ارسلت، ابعدت اور بعثت سے ہے، ان کو اس کے بارے میں وہم اس لئے ہوا کہ انہوں نے اس کو فعول کے وزن پر دیکھا تو وہم ہو گیا کہ یہ ان اسماء میں سے ہے جو مبالغہ کیلئے آتے ہیں اور مبالغہ کسی فعل کی تکرار کا نام ہے اور وہ کئی اقسام اور مشابہ چیزوں کا ہونا ہے جبکہ یہ اسطرح نہیں ہے، بے شک یہ تکثیر فعل کے نہ ہونے کا نام ہے، یہ عمود اور عنود کے قائمقام ہے۔

حَیَّ علی الصَّلٰوۃ کے معنی: فراء نے کہا اس کا معنی ہے آؤ۔ اور ماقبل یاء کے ساکن ہونے کے سبب حَیَّ میں یا پر فتحہ دیا...... اور فلاح کا معنی کامیابی ہے، افلح الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ کامیاب ہو جائے۔

(عمدۃ القاری، باب بدء الاذان، ج5، ص108,109، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ابن عبدربہ اور ابن عاصم:

عبداللہ بن زید نام کے دو صحابی ہیں، اس لیے امام ترمذی نے وضاحت کر دی کہ یہاں کون سے مراد ہیں، چنانچہ امام ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں:

عبداللہ بن زید سے ابن عبدربہ مراد ہیں۔ ان کو ''عبدرب'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور ہم ایک حدیث (جو اذان کے بارے میں ہے) کے علاوہ ان کی کوئی دوسری صحیح حدیث نہیں کا جانتے۔ عباد بن تمیم کے چاچا عبداللہ بن زید بن عاصم سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی کئی احادیث منقول ہیں۔ (جامع ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی بدء الاذان، ج1، ص358، مصطفی البابی، مصر)

امام جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

علامہ ابن سید الناس نے کہا: عبداللہ بن زید انصاری مازن میں سے دو ہیں۔ ایک ابن عبدربہ صاحب حدیث

اذان، اور دوسرے ابن عاصم جن سے وضو، نماز استسقاء اور اس کے علاوہ کے بارے احادیث مروی ہیں بعض متقدمین کو وہم کی طرف منسوب کیا گیا اس سبب کہ انہوں نے اذان والی حدیث ابن عاصم کی قرار دی۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، ج 1، ص 117، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

حضرت عبداللہ بن زید ابن عبدربہ:

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی فرماتے ہیں:

عبداللہ بن زید ابن عبدربہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی مدنی، بدری، بزرگ صحابہ سے ہیں، بیعت عقبہ اور بدر میں شریک ہوئے یہ وہی ہیں جنہیں اذان دکھائی گئی، اور یہ ہجرت کا پہلا سال تھا، ان سے کم احادیث مروی ہیں، اور ان کی حدیث سنن اربع میں ہے۔ کہا گیا کہ ان کے نسب میں ثعلبہ کا ذکر خطا ہے، ان سے سعید بن مسیب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی نے حدیث بیان کی لیکن ان سے ملاقات نہ کی، محمد بن عبداللہ ان کا بیٹا ہے، بتیس ہجری میں وفات ہوئی۔

اسحاق فروی نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبداللہ بن عمر عمری سے، انہوں نے بشر بن محمد بن عبداللہ بن زید سے روایت کیا کہ عبداللہ نے فرمایا: میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا تو عرض کی، اے امیر المومنین! میں صاحب بیعت عقبہ و بدر کا بیٹا ہوں اور جس کو اذان دکھائی گئی اس کا بیٹا الخ۔

اعمش نے عمرو بن مرہ سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام کے اصحاب نے ہمیں بیان کیا عبداللہ بن زید حضور کے پاس آئے تو عرض کیا: یارسول اللہ: میں نے خواب میں ایک مرد کو دیکھا جو دیوار پر کھڑا تھا تو اس نے دو دو بار اذان اور اقامت کے کلمات کہے اور درمیان میں تھوڑی دیر بیٹھا، اور اس پر دو سبز چادریں تھیں۔

(سیر اعلام النبلاء، عبداللہ بن زید، ج 4، ص 37، دار الحدیث، القاہرہ)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت عبداللہ بن زید)) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی ابن ثعلبہ ((ابن عبدربہ)) رضی اللہ عنہ انصاری خزرجی ہیں، بیعت عقبہ میں ستر صحابہ کے ساتھ تھے، بدر، اور تمام غزوات میں شریک رہے اور ان کے والدین صحابی ہیں، تقریب میں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج 2، ص 553، دار الفکر، بیروت)

حضرت عبداللہ بن زید مازنی:

علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

عبداللہ بن زید مازنی نجاری صاحبِ حدیثِ وضو ہیں اور یہ فضلاء صحابہ کرام سے ہیں اور ابن ام عمارہ کے نام سے معروف ہیں اور یہ عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب بنی مازن بن نجار میں سے ہیں، ابن مندہ نے صرف ذکر کیا کہ یہ بدری ہیں۔ ابوعمر بن عبدالبراوراس کے علاوہ نے کہا: بلکہ وہ اُحدی ہیں اور یہ وہی ہیں جنہوں نے مسیلمہ کو تلوار سے قتل کیا تھا جب حضرت وحشی نے نیزے کے ساتھ اسے مارا تھا، اور یہ عباد بن تمیم کے چچا ہیں، کہا گیا کہ ان کو 63 ہجری میں حرہ کے دن شہید کیا گیا۔ (سیر اعلام النبلاء، عبداللہ بن زید، ج4، ص38، دارالحدیث، القاہرہ)

مؤذن کے رفع الصوت ہونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

(اور مناسب) یعنی مستحب (یہ ہے کہ موذن صیّت ہو) یعنی بلند آواز ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ تو اس کو وہ سکھادو کہ وہ تم سے بلند آواز ہے۔

(المبدع فی شرح المقنع، ما تحلی بہ المؤذن من الصفات، ج1، ص277، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

مؤذن کا بلند آواز ہونا سنت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سبب کہ حضرت عبداللہ بن زید سے فرمایا بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور انہیں اذان کے کلمات سکھاؤ کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص234، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ خلیل بن اسحاق جندی مالکی (متوفی 776ھ) فرماتے ہیں:

موذن کے لیے پاک صاف ہونا، بلند آواز ہونا، بلند جگہ پر ہونا اور کھڑے ہونا اذان مستحب ہے۔

(مختصر خلیل، فصل فی الاذان والاقامۃ الخ، ج1، ص28، دارالحدیث، القاہرہ)

اس کے تحت علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

صیت سے مراد: بلند آواز ہونا، کیونکہ اذان سے مقصود اعلان ہے اور موذن جب بلند آواز ہوگا تو اذان کی آواز زیادہ سنا پائے گا اور مؤذن کا خوبصورت آواز ہونا بھی مستحب ہے۔ (مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، حکم اذان خلف المسافر، ج1، ص437، دارالفکر، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ماتن کا یہ قول کہ مؤذن کا صیت اور اچھی آواز والا ہونا سنت ہے، یہاں صیت سے مراد بلند آواز والا ہونا ہے۔

(دقائق المنہاج، کتاب الصلاۃ، ج1، ص42، دار ابن حزم، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

موذن کا خوبصورت اور بلند آواز ہونا مستحب ہے، یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب الامر بشفع الاذان الخ، ج4، ص77، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی فرماتے ہیں:

اذان کے لیے صیت ہونا سنت ہے، یعنی بلند آواز ہونا کیونکہ اس میں اعلان کی زیادتی ہے اور اس بارے میں خبر صحیح بھی وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کو خواب میں دیکھنے والے کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھانے کا کہا اور فرمایا کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔

(تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، فصل فی الاذان والاقامۃ، ج1، ص473، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

احناف کا موقف:

علامہ بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اور اس حدیث پاک میں دلیل ہے کہ جس کی آواز زیادہ بلند ہو وہ اذان کہنے کے لیے بہتر ہے کیونکہ یہ اعلان ہے تو ہر وہ جس کی آواز کے ذریعے اعلان زیادہ اچھا ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار اور لائق ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب کیف الاذان، ج2، ص424، مکتبۃ الرشد، ریاض)

اذان کے حکم کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

اذان باجماعت فرائض ادا کرنے کے لیے سنت ہے، اسی طرح فتاوی قاضی خان میں ہے، کہا گیا کہ یہ واجب ہے اور صحیح قول سنت مؤکدہ ہے، ایسا ہی کافی میں ہے، اسی پر عام مشائخ کرام ہیں، اسی طرح محیط میں ہے، اقامت اذان کی مثل

ہے فقط فرائض کے لیے سنت ہونے میں،اسی طرح بحرالرائق میں ہے ،اور پانچوں نمازوں اور جُمُعَہ کے علاوہ میں مثلاً سنن ،وتر،نوافل ،تراویح اور عیدین میں اذان واقامت نہیں ،اسی طرح محیط میں ہے اوراسی طرح نذر،نماز جنازہ ،استقاء ،نماز چاشت اور گھبراہٹ دور کرنے کی نماز کیلئے اذان وقامت نہیں،اسی طرح تبیین میں ہے اوراسی طرح نماز کسوف وخسوف کے لیے سنت نہیں ہے،ایسا ہی کنز کی شرح عینی میں ہے۔

(فتاوی ہندیہ،الباب الثانی فی الاذان،ج1،ص53،دارالفکر،بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی483ھ) فرماتے ہیں:

(اگراہل شہر نے بغیراذان واقامت جماعت کے ساتھ نماز ادا کی توانہوں نے برا کیا) سنت مشہورہ کوترک کرنے کی وجہ سے،اوران کی نماز ہوجائے گی اس کے ارکان کے ادا ہوجانے کے سبب،اذان واقامت سنت ہے،لیکن یہ دونوں دین کی علامات میں سے ہیں توان کوترک کرنا گمراہی ہے،ایسا ہی مکحول نے کہا،سنت کی دوقسمیں ہیں:ایک سنت وہ ہے جس کا کرنا ہدایت اورترک میں کوئی حرج نہیں اوردوسری وہ سنت جس کا کرنا ہدایت اورترک گمراہی ہے جیسا کہ اذان واقامت اورعیدین کی نمازیں،اسی بناء پرامام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا:اگراہل شہر اذان واقامت کے ترک پراصرارکریں توان کواس کا حکم دیاجائے،اگروہ انکارکریں توان سے اسلحہ کے ذریعے قتال کیاجائے جیسا کہ فرائض وواجبات کے ترک پران سے قتال کیاجاتا،امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:فرائض وواجبات کوترک کرنے پراسلحہ کے ساتھ قتال کیاجائے اورسنن میں توان کے ترک پرانہیں تادیب کی جائے گی اوراس پرقتال نہیں کیاجائے گا تا کہ واجب وغیرواجب کے درمیان فرق ظاہر ہوسکےاورامام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا:جوچیز دین کی علامات میں سے ہواس کے ترک پراصرارکرنااس کوہلکا جاننا ہےتواس پران سے قتال کیاجائے گا۔

(مبسوط للسرخسی،اذان المرأۃ،ج1،ص133،دارالمعرفہ،بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

علماء کا اذان کے حکم میں اختلاف ہے کہ وہ واجب ہو یا سنت مؤکدہ؟اوراگرواجب ہے تو کیاوہ فرض عین کے قبیل سے ہے یافرض کفایہ کے قبیل سے؟امام مالک سے نقل کیا گیا کہ جن مساجد میں جماعت ہوتی ہےان میں اذان فرض ہے،ایک قول یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے،منفرد کے بارےان کی رائے یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ سنت۔

(بدایۃ المجتہد،الفصل الاول فی الاذان،ج1،ص114،دارالحدیث،القاہرہ)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی620ھ) فرماتے ہیں:

(جس نے بغیر اذان و اقامت نماز ادا کی تو ہم نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور اعادہ نہیں کرے گا) پانچ نمازوں کی اذان کو ترک کرنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں، اذان و اقامت کے ساتھ ہوتی تھیں، اور آپ کے بعد ائمہ کے دور میں بھی ایسا ہی تھا اور آپ نے اس کا حکم دیا ہے، امام مالک بن حویرث فرماتے ہیں: میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، میں اور ایک اور آدمی تھا جب ہم آپ سے رخصت ہوئے تو فرمایا: جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی ایک نماز کے لیے اذان دے، اور تم جو بڑا ہو وہ امامت کرے، متفق علیہ۔ علامہ خرقی کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں، کیونکہ انہوں نے اس کے ترک کو مکروہ قرار دیا۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ حکم ترک الاذان، ج 1، ص 302، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اذان و اقامت کے حکم کے بارے میں تین اقوال ہیں جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے، ان میں سے اصح یہ ہے کہ اذان و اقامت دونوں سنت ہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں فرض کفایہ ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جمعہ میں فرض کفایہ اور اس کے علاوہ میں سنت، یہ ابن خیران اور اصطخری کا قول ہے جیسا کہ مصنف اور ان کے علاوہ نے اسے ذکر کیا اور سرخسی نے اسی کو ہمارے اصحاب میں سے احمد سیاری سے بیان کیا، ان دونوں کے سنت ہونے پر جن دلائل سے استدلال کیا گیا ہے ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کو درست ادا نہ کرنے والے اعرابی کے لیے یہ فرمان کہ تو نماز اس اس طرح ادا کر، اس میں اذان و اقامت کا ذکر نہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو، استقبال قبلہ اور نماز کے ارکان کا ذکر فرمایا.........

اور اگر ہم کہیں کہ یہ سنت ہے پھر جن لوگوں نے اسے ترک کیا تو کیا ان سے جنگ کی جائے گی اور اس میں دو اقوال ہیں: جو عراقیوں کی کتب میں مشہور ہیں اور خراسانیوں میں سے قلیل نے اسے ذکر کیا ان دونوں میں سے صحیح یہ قول ہے کہ ان سے قتال نہیں کیا جائے گا جس طرح کہ سنت ظہر اور فجر اور ان کے علاوہ سنتیں ترک کرنے پر جنگ نہیں کیا جاتا، دوسرا قول: ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ اذان کا شعار ہونا ظاہر ہے بخلاف ظہر کی سنتوں کے۔ امام الحرمین نے کہا: اصحاب نے کہا ان سے قتال نہیں کیا جائے گا، ابو اسحاق مروزی نے کہا: قتال کیا جائے گا اور یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ اس بات کی طرف رجوع ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے وگرنہ ترک سنت پر قتال نہیں کیا جاتا، ایسا ہی امام الحرمین، ابن صباغ، شاشی اور دوسروں نے کہا.........

ہمارا مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں ہر نماز کے لیے سفر و حضر میں جماعت اور منفرد کے لیے سنت ہیں اور یہ کسی بھی حال میں واجب نہیں، تو اگر اس نے ان دونوں کو ترک کیا تو منفرد اور جماعت کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

(المجموع شرح المہذب ملتقطاً، باب الاذان، ج 3، ص 81، 82، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر138

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّرْجِيعِ فِي الْأَذَانِ

اذان میں ترجیع کا بیان

191. حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي مَحْذُورَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، وَجَدِّي جَمِيعًا، عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْعَدَهُ، وَأَلْقَى عَلَيْهِ الْأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا قَالَ إِبْرَاهِيمُ: مِثْلَ أَذَانِنَا، قَالَ بِشْرٌ: فَقُلْتُ لَهُ: أَعِدْ عَلَيَّ، فَوَصَفَ الْأَذَانَ بِالتَّرْجِيعِ. قال ابوعيسىٰ حَدِيثُ أَبِي مَحْذُورَةَ فِي الْأَذَانِ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ بِمَكَّةَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ "

حدیث: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بٹھایا اور اذان کا ایک ایک حرف سکھایا۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں "ہماری اذان کی مانند"

حضرت بشر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پس میں نے آپ سے کہا: آپ مجھے بھی اذان سنائیے، چنانچہ انہوں نے ترجیع کے ساتھ اذان بیان کی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اذان کے بارے میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "صحیح" ہے۔ اور متعدد اسانید سے آپ سے مروی ہے۔

مکہ مکرمہ میں اسی پر عمل ہے اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔

192. حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ مَكْحُولٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَيْرِيزٍ، عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً، وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً. قال ابوعيسىٰ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مَحْذُورَةَ اسْمُهُ سَمُرَةُ بْنُ مِعْيَرٍ، وَقَدْ ذَهَبَ

حدیث: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو انیس کلمات کی اذان اور سترہ کلموں کی اقامت (تکبیر) سکھائی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا نام "سمرہ بن مغیرہ" ہے۔

بعض علماء نے اذان کے سلسلہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا فِي الأَذَانِ "وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ: أَنَّهُ كَانَ يُفْرِدُ الإِقَامَةَ

اور ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ آپ اقامت کے کلمات ایک بار کہتے تھے۔

تخریج حدیث 191: (سنن ابی داؤد، باب کیف الاذان، ج 1، ص 137، حدیث 504، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، خفض الصوت فی الترجیع فی الاذان، ج 2، ص 3، حدیث 629، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

تخریج حدیث 192: (سنن ابی داؤد، باب کیف الاذان، ج 1، ص 137، حدیث 502، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کم الاذان من کلمۃ، ج 2، ص 4، حدیث 630، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب الترجیع فی الاذان، ج 1، ص 235، حدیث 709، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اذان میں ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن شہادتین کے کلمات کو پست آواز میں کہنے کے بعد پھر دوبارہ بلند آواز سے کہے اوراسی کے قائل امام شافعی اور امام مالک ہیں مگر امام مالک کے نزدیک اذان کے شروع میں تکبیر دو مرتبہ کہی جائے گی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر وہ ترجیع کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ترجیع نہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔اور شوافع میں سے ابو اسحاق کہتے ہیں کہ ترجیع چھوڑ دی تو اذان شمار ہوگی اور اور انہوں نے اپنے بعض اصحاب سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ اذان شمار نہیں ہوگی، جیسا کہ اگر وہ باقی کلمات کو چھوڑ دے، اسی طرح حلیہ میں ہے اور شرح وجیز میں ہے اصح یہ ہے کہ بے شک اگر وہ ترجیع کو چھوڑ دے تو کوئی مضائقہ نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اذان سکھائی: الله أكبر الله أكبر، أشهد أن لَا إِلَه إِلَّا الله، أشهد أن لَا إِلَه إِلَّا الله، أشهد أن مُحَمَّدًا رَسُول الله أشهد أن مُحَمَّدًا رَسُول الله، پھر ان کلمات کا اعادہ کیا: أشهد أن لَا إِلَه إِلَّا الله، أشهد أن لَا إِلَه إِلَّا الله، أشهد أن مُحَمَّدًا رَسُول الله أشهد أن مُحَمَّدًا رَسُول الله حَيّ على الصَّلَاة حَيّ على الصَّلَاة، حَيّ على الْفَلاح حَيّ على الْفَلاح، الله أكبر الله أكبر لَا إِلَه إِلَّا الله۔

اس حدیث کو سوائے امام بخاری کے محدثین کی ایک جماعت نے عبداللہ بن محیریز عن ابی محذورہ کی سند سے روایت کیا۔ ہمارے اصحاب کی حجت حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں ترجیع نہیں ہے۔اور حضرت ابو محذورہ کی حدیث بطور تعلیم تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کا تکرار کیا۔تو ابو محذورہ نے گمان کرلیا کہ بے شک یہ ترجیع ہے جو اصل اذان کا حصہ ہے۔امام طبرانی نے معجم الاوسط میں ابو محذورہ سے روایت کیا ہے کہ ابو محذورہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان ایک ایک حرف کر کے سکھائی: الله اكبر الله اكبر الخ ،اس میں آپ نے ترجیع کا ذکر نہیں کیا۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سفر اور حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بغیر ترجیع کے ہوتی اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال مبارک تک آپ کے اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال تک ان کے مؤذن رہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب بدء الاذان، ج5،ص107،108، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اذان میں ترجیع کے بارے میں مذاہب ائمہ

شوافع کا مؤقف:

امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ الجوینی شافعی (متوفی 478ھ) فرماتے ہیں:

ترجیع ہمارے نزدیک اذان میں مامور بہ (اس کا حکم دیا گیا) ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی تکبیروں کے بعد اذان کے شروع میں أشهد أن لا إله إلا الله دو مرتبہ کہے اور اسی طرح أشهد أن محمداً رسول الله دو مرتبہ کہے۔ اور اپنی آواز کو بلند نہ کرے اور پھر دوبارہ یہی کلمات کہے اور بلند آواز میں اپنی آواز کو کھینچتے ہوئے أشهد أن لا إله إلا الله دو مرتبہ اور اسی طرح أشهد أن محمداً رسول الله دو مرتبہ کہے اور ترجیع حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں مذکور و منصوص ہے۔

(نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب، باب صفۃ الاذان، ج2، ص41، دار المنہاج، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

اہل علم کا اذان میں دو جگہ اختلاف ہے: (۱) اذان کے شروع میں تکبیر دو مرتبہ ہے یا چار مرتبہ؟ (۲) شہادتین میں ترجیع ہے یا نہیں؟

اہل عراق کا مذہب یہ ہے کہ اذان کے شروع میں تکبیر چار مرتبہ ہے، اس حدیث کی بنیاد پر جو ابومحذورہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اذان کے 19 کلمات سکھائے اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر الخ۔ اور اہل عراق کا مذہب ترجیع کے بارے میں یہ ہے کہ شہادتین میں ترجیع نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اذان کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

یہ علما کہتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ترجیع کو ذکر نہیں کیا تو ہمارے نزدیک یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم ابومحذورہ کو اس لیے دیا کہ انہوں نے پہلی مرتبہ شہادتین کے ساتھ آواز کو اتنا بلند نہیں کیا، جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ بے شک تکبیر اذان میں دو مرتبہ ہے اور شہادتین میں ترجیع ہے۔ اور امام مالک کی دلیل "باوجود اس کے کہ یہ حضرت ابومحذورہ سے مروی ہے تو گویا کہ ان کی روایت میں ترجیع کا ذکر دیگر احادیث پر اضافہ ہے" اہل مدینہ کا عمل ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت سے ہے اور وہ روایت جس کے ساتھ عمل متصل ہو وہ اس دوسری روایت سے اولیٰ ہوتی ہے جس کے ساتھ عمل متصل نہ ہو کیونکہ ایسی روایت

دوسری روایت کے لئے ناسخ ہونے کا تقاضا کرتی ہے، واللہ اعلم ۔

(البیان والتحصیل، مسئلہ تکبیر فی الاذان، ج 1، ص 434,435، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ابو القاسم نے کہا کہ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کو اختیار کیا ہے ،اور وہ یہ ہے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، اللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ .) حاصل یہ کہ امام احمد کا مختار مذہب یہ ہے کہ اذان وہی معتبر ہے جو حضرت بلال کی اذان ہے جس طرح کہ امام خرقی نے بیان کیا۔ اور حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی خبر میں آیا ہے کہ اذان کے 15 کلمات ہیں اور اس میں ترجیع نہیں ہے، اسی کے امام ثوری، اصحاب الرائے اور اسحاق قائل ہیں اور ہماری دلیل حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اسی کو لینا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ انہیں کلمات کے ساتھ ہمیشہ سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے۔ اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ کی اذان کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسی اذان پر برقرار رکھا۔

اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہ کو سنا ان سے پوچھا گیا کہ کون سی اذان آپ کا مذہب ہے؟ تو انہوں نے کہا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان۔ اس کو محمد بن اسحاق نے محمد بن ابراہیم سے انہوں نے محمد بن عبد اللہ بن زید سے روایت کیا پھر انہوں نے آگے حدیث بیان کی۔ ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بعد نہیں ہے اس لیے کہ حضرت ابو محذورہ کی حدیث فتح مکہ کے بعد کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کیا نبی کریم مدینہ شریف کی طرف واپس نہ لوٹ آئے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عبد اللہ بن زید کی اذان پر برقرار رکھا۔

اور یہ مباح اختلاف میں سے ہے، پس اگر موذن ترجیع کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اس پر امام احمد نے نص فرمائی اور اسی طرح امام اسحاق نے کہا کہ دونوں امر (ترجیع اور عدم ترجیع) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت ہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کو شہادتین آہستہ کہنے کا حکم دیا تا کہ انہیں ان دونوں کے ساتھ اخلاص

حاصل ہو جائے۔

کیونکہ خبر دینے کیلئے بلند آواز کے ساتھ کہنے کی نسبت آہستہ کہنے میں زیادہ اخلاص ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کو اس کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہ ان دونوں (یعنی شہادتین) کا اس وقت اقرار کرنے والے نہیں تھے۔ پس بے شک حدیث میں آیا ہے کہ وہ ٹھٹھہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن کی اذان حکایت کرتے تھے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی آواز کو سن لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان کو اذان کہنے کا حکم دیا، انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مبغوض کوئی چیز نہیں ہے اور نہ اس سے بڑھ کر جس کا وہ مجھے حکم دیتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اس سے آہستہ طور پر شہادتین کہلوانے کا تا کہ وہ اس کے ذریعے مسلمان ہو جائیں۔ اور یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور صحابی میں نہیں پائی جاتی، اور اس احتمال کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجیع کا حکم بلال رضی اللہ عنہ کو اور آپ کے علاوہ کسی مسلمان کو نہیں دیا جس کا اسلام ثابت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ صفۃ الاذان، ج 1، ص 293,294، مکتبۃ القاہرہ)

احناف کا موقف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ترجیع ہمارے نزدیک اذان کی سنت سے نہیں ہے، بخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ موذن شہادتین کے کلمات کو دو مرتبہ پست آواز میں ادا کرے، پھر دوبارہ شہادتین کو دو مرتبہ بلند آواز میں ادا کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اذان کے 19 کلمات سکھائے اور اقامت کے 17 کلمات سکھائے، اور انیس کلمات اذان کے ترجیع کے ساتھ ہی بنتے ہیں۔ اور انہوں نے روایت کیا کہ آپ کو صراحتاً ترجیع کا حکم دیا گیا، اور شہادتین کو تکبیر کی طرح قرار دیا گیا تو جیسے تکبیر چار مرتبہ ہے تو اسی طرح شہادتین بھی۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث ہے اور وہی اذان میں اصل ہے اور اس میں ترجیع کا ذکر نہیں ہے اور اس وجہ سے کہ اذان سے مقصود موذن کا قول حی الصلوٰۃ، حی الفلاح ہے اور ان دونوں کلمات میں کوئی ترجیع نہیں لہٰذا ان کے علاوہ میں بدرجہ اولیٰ ترجیع نہیں ہوگی۔ بہر حال لفظ تکبیر تو ہماری دلیل یہ ہے بے شک تکبیر کا ذکر دو مرتبہ ہے کیونکہ دو مرتبہ تکبیر ایک ہی آواز کے ساتھ ہوتی ہے، پس وہ ایک کلمہ ہے (لہذا اکل دو مرتبہ ہوگئی)۔ بہر حال ابو محذورہ کی حدیث تو ہم کہتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکرار کا حکم سکھاتے ہوئے دیا تا کہ ابو محذورہ اچھے طریقے سے سیکھ لیں، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو جو تعلیم دیتے اس میں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ پس حضرت ابو محذورہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ترجیع کا حکم دیا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابومحذورہ مکہ کے مؤذن تھے اور جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر تک پہنچتے اپنی آواز کو اہل مکہ سے حیاء کرتے ہوئے پست کر دیتے۔ اس لیے کہ اہل مکہ کے درمیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند آواز کے ساتھ رائج نہ تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومحذورہ کے کان کو ملا اور ان کو تادیبا دوبارہ کہنے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنی آواز بلند کی۔

(المبسوط للسرخسی، باب الاذان، ج1 ص128، دار المعرفۃ بیروت)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ امام طبرانی اوسط میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان مجھے ایک ایک حرف سکھائی اللہ اکبر اللہ اکبر الخ۔ اور حضرت ابومحذورہ نے ترجیع کا ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا حضرت ابومحذورہ کی احادیث میں تعارض آ گیا تو استدلال ساقط ہو گیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات معارضہ سے محفوظ باقی رہ گئیں، اھ..........

ابن ملک نے کہا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک شہادتین میں ترجیع سنت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ترجیع سنت نہیں ہے۔ کیونکہ روایات اس پر متفق ہیں کہ حضرت بلال اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کی اذان میں ترجیع نہ تھی، یہاں تک کہ آپ دونوں نے وفات پائی۔ اور ہم نے حدیث کی تاویل یہ کی ہے بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابومحذورہ کو اذان سکھانا ابومحذورہ کے اسلام لانے کے کچھ دیر بعد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کے کلمات کو لوٹایا اور تکرار کیا تاکہ وہ ان کے دل میں پختہ ہو جائے تو ابومحذورہ نے یہ گمان کر لیا کہ بے شک یہ (ترجیع) اذان سے ہی ہے، اھ۔ حاصل یہی ہے کہ تاویل تساقط سے بہتر ہے اور ظاہر وہی تاویل ہے جو اس سے پہلے ہمارے بعض علماء سے مذکور ہو چکی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2 ص549، دار الفکر، بیروت)

اذان کی ابتداء میں تکبیرات کی تعداد میں مذاہب ائمہ

شوافع کا موقف:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

پہلا مذہب: یہ امام شافعی کا مذہب ہے کہ اذان 19 کلمات ہیں، اس بنیاد پر کہ آپ اذان کو شہادتین میں ترجیع کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ دوسرا مذہب: یہ امام مالک کا مذہب ہے کہ بے شک اذان شہادتین کی ترجیع کے ساتھ 17 کلمات ہیں لیکن اذان کے شروع والی چار تکبیرات میں سے دو تکبیروں کو ساقط کرنے کے ساتھ۔ تیسرا مذہب: یہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب

ہے کہ بے شک اذان 15 کلمات ہیں۔ اذان کے شروع میں چار تکبیرات کو برقرار رکھنے اور شہادتین میں ترجیع کو ساقط کرنے کے ساتھ۔ پس امام مالک کا مذہب ترجیع میں ہمارے موافق ہے اور تکبیر میں ہمارے مخالف ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب تکبیر میں ہمارے موافق ہے اور ترجیع میں ہمارے مخالف ہے۔ (الحاوی الکبیر، باب الاذان، ج2، ص43، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالی اس بات کی طرف گئے ہیں کہ بے شک تکبیر اذان میں دو مرتبہ ہے اور شہادتین میں ترجیع ہے۔ اور امام مالک کی دلیل "باوجود اس کے کہ یہ (چار مرتبہ تکبیرات اور ترجیع) حضرت ابو محذورہ سے مروی ہے تو گویا کہ ان کی روایت میں ترجیع کا ذکر دیگر احادیث پر اضافہ ہے" اہل مدینہ کا عمل ہے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت سے ہے اور وہ روایت جس کے ساتھ عمل متصل ہو وہ اس دوسری روایت سے اولیٰ ہوتی ہے جس کے ساتھ عمل متصل نہ ہو کیونکہ ایسی روایت دوسری روایت کے لئے ناسخ ہونے کا تقاضا کرتی ہے، واللہ اعلم۔

(البیان والتحصیل، مسئلہ تکبیر فی الاذان، ج1، ص434,435، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

احناف کا مؤقف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

تکبیر ہمارے نزدیک چار مرتبہ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دو مرتبہ ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ کہ آپ نے اس کو شہادتین کے کلمات پر قیاس کیا کہ مؤذن ان دونوں کو دو مرتبہ ادا کرتا ہے۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت ابو محذورہ کی حدیث ہے کہ اذان میں 19 کلمات ہیں۔ اور اگر تکبیر دو مرتبہ ہو تو یہ ہرگز انیس نہ ہوں گے۔ پھر ہم نے بیان کیا ہے کہ ہر دو تکبیر ایک ہی آواز کے ساتھ ہے گویا کہ وہ ایک کلمہ ہے۔ تو مؤذن ان دونوں کو دو مرتبہ ادا کرتا ہے جیسا کہ شہادتین کو ادا کرتا ہے۔ (مبسوط للسرخسی، باب الاذان، ج1، ص129، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ امام ابوداؤد اور نسائی نے اذان کے شروع میں چار مرتبہ تکبیر کو روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں (حضرت ابو محذورہ والی حدیث میں) فارسی کی بعض سندوں میں چار مرتبہ تکبیر واقع ہے اور تربیع یعنی اذان کے شروع میں چار مرتبہ تکبیر کہنے کے قائل امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور

جمہور علماء کرام رحمہم اللہ ہیں۔

اور تثنیہ یعنی اذان کے شروع میں دو مرتبہ تکبیر کہنے کے قائل امام مالک ہیں۔ اور انہوں نے اسی حدیث (صحیح مسلم کے عام نسخوں میں موجود حضرت ابو محذورہ والی حدیث) سے استدلال کیا ہے اور اس بات سے بھی استدلال کیا ہے کہ بے شک یہ اہل مدینہ کا عمل ہے اور وہ سنن کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

اور جمہور علماء کرام اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ بے شک ثقہ راوی کی طرف سے زیادتی مقبول ہے۔ اور اس بات سے بھی کہ بے شک ترجیع اہل مکہ کا عمل ہے اور مکہ موسم حج اور دیگر اوقات میں مسلمانوں کا جائے اجتماع ہے۔ اور صحابہ اور ان کے علاوہ میں سے کسی نے بھی اس ترجیع کا انکار نہیں کیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص549، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(اذان 15 کلمات ہیں، اس میں ترجیع نہیں ہے) یہی امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے جس کو ہم نے روایت کیا۔ اور اسی کے قائل امام ثوری، اصحاب الرائے، ابن منذر ہیں۔ اور امام مالک اور شافعی اور اہل حجاز میں سے ان کے پیروکار فرماتے ہیں کہ مسنون اذان حضرت ابو محذورہ کی اذان ہے اور یہ اذان ویسی ہی ہے جیسا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں بیان کیا، حضرت ابو محذورہ کی اذان میں صرف ترجیع زائد ہے اور وہ یہ ہے کہ شہادتین کو دو دو مرتبہ پست آواز میں مؤذن ذکر کرے، پھر دوبارہ ان دونوں کو بلند آواز میں دو دو مرتبہ ذکر کرے۔ مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ اذان کے شروع میں تکبیر دو مرتبہ کافی ہے۔ پس اذان ان کے نزدیک 17 کلمات ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک 19 کلمات ہیں..........

اور ہماری (حنابلہ کی) دلیل حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو ہم نے ذکر کیا اور یہی اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہی اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں پڑھا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کی اذان کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن زید کی اذان پر برقرار رکھا۔

اثرم نے کہا میں نے امام ابو عبداللہ سے اس کو سنا کہ آپ سے پوچھا گیا کون سی اذان آپ کا مذہب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان۔ امام ابو عبداللہ سے پوچھا گیا کہ کیا ابو محذورہ کی حدیث حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بعد نہیں، اس لیے کہ حضرت ابو محذورہ کی حدیث فتح مکہ کے بعد کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کیا نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم مدینہ شریف کی طرف واپس نہ لوٹے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن زید کی اذان پر برقرار رکھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ کو شہادتین کو آہستہ کہنے کا حکم اس لئے دیا ہوتا کہ ان کو ان دونوں کے کہنے میں اخلاص حاصل ہو جائے کہ بے شک آہستہ کہنے میں اخلاص زیادہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ابومحذورہ ہی کو خاص اس لئے دیا کہ وہ ان دونوں کا اس وقت اقرار کرنے والے نہیں تھے۔ پس بے شک حدیث میں آیا ہے کہ وہ ٹھٹھہ کرتے ہوئے مؤذن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اذان کی نقل کرتے تھے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز کو سن لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان کو اذان کہنے کا حکم دیا، ابومحذورہ نے کہا کہ (اس وقت) میرے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور اس سے بڑھ کر جس کا وہ مجھے حکم دیتے ہیں کوئی چیز مبغوض نہیں تھی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اس سے آہستہ طور پر شہادتین کہلوانے کا تا کہ وہ اس کے ذریعے مسلمان ہو جائیں۔ اور یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور صحابی میں نہیں پائی جاتی، اور اس احتمال کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجیع کا حکم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اور آپ کے علاوہ کسی مسلمان کو نہیں دیا جس کا اسلام ثابت ہے۔

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلہ والاذان خمسۃ عشر کلمۃ لاترجیع فیہ، ج1، ص396,397، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

باب نمبر 139

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْرَادِ الإِقَامَةِ

اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہیں

193. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، وَيَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ خَالِدٍ الحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ، وَيُوتِرَ الإِقَامَةَ، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ. قَالَ ابوعيسىٰ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہیں۔

اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور تابعین کا یہ ہی قول ہے۔ اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہ ہی نظریہ ہے۔

تخریج حدیث193: (صحیح بخاری، باب بدء الاذان، ج1، ص124، حدیث603، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب الامر بشفع الاذان الخ، ج1، ص286، حدیث378، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب فی الاقامۃ، ج1، ص141، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، تثنیۃ الاذان، ج2، ص3، حدیث627، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب افراد الاقامۃ، ج1، ص241، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

باب نمبر 140

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الإِقَامَةَ مَثْنَى مَثْنَى

اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں

194. حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: كَانَ أَذَانُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَفْعًا شَفْعًا فِي الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ. قال ابوعيسىٰ حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، رَوَاهُ وَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زَيْدٍ رَأَى الأَذَانَ فِي المَنَامِ، وقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قال حدثنا اصحاب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زَيْدٍ رَأَى الأَذَانَ فِي المَنَامِ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: الأَذَانُ مَثْنَى مَثْنَى، وَالإِقَامَةُ مَثْنَى مَثْنَى، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَأَهْلُ الكُوفَةِ، ابْنُ أَبِي لَيْلَى هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، كَانَ قَاضِيَ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان اور اقامت (کے کلمات) دو دو مرتبہ تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: عبداللہ بن زید کی حدیث کو وکیع نے اعمش اور عمرو بن مُرّہ کے واسطہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی۔

امام شعبہ نے حضرت عمرو بن مُرّہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا: ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی۔

اور یہ حدیث ابن ابی لیلیٰ کی حدیث کی بہ نسبت صحیح ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے حضرت عبداللہ بن زید سے سماع نہیں کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: اذان اور اقامت (دونوں کے) کلمات دو دو بار ہیں۔ سفیان ثوری، ابن مبارک اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ ابن ابی لیلیٰ سے مراد محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں، یہ کوفہ کے قاضی تھے

الْكُوفَةِ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ شَيْئًا، إِلَّا أَنَّهُ يَرْوِي، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ أَبِيهِ	اور اپنے والد سے کچھ نہیں سنا، مگر یہ ایک آدمی کے واسطہ سے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

تخریج حدیث 194: (سنن دارقطنی، باب ذکر الاقامۃ الخ، ج 1، ص 451، حدیث 936، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، وعبد اللہ ابن زید ابن عبد ربہ الکعبۃ، ج 3، ص 476، حدیث 1938، دار الرایۃ، ریاض ☆ مستخرج الطوسی، باب ما جاء فی الاقامۃ مثنی مثنی، ج 2، ص 9، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ ☆ مستخرج ابی عوانہ، بیان اذان ابی محذورہ الخ، ج 1، ص 276، حدیث 965، دار المعرفہ، بیروت)

اقامت کے کلمات کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(اقامت کے کلمات مثل اذان ہمارے نزدیک دو دو مرتبہ ہیں) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اقامت (کے کلمات) ایک ایک مرتبہ ہیں سوائے قد قامت الصلاۃ کہ وہ دو مرتبہ ہے۔ اور انہوں نے حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اذان میں دو دو مرتبہ کلمات کہیں اور اقامت میں ایک ایک مرتبہ۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ اذان اعلان کے لیے ہے تو تکرار کے ساتھ اعلان زیادہ بلیغ ہوگا اور اقامت نماز قائم کرنے کے لیے ہے اور اس کے کلمات کا ایک مرتبہ ہونا نماز کی قیام میں تعجیل کا باعث ہے جو بہتر ہے۔

ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک ہے اور یہی اذان میں اصل ہے جیسے کہ ہم نے بیان کیا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کسی مؤذن کے پاس سے گزرے جو اقامت کو ایک ایک مرتبہ کہہ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ((اشفعھا لا أم لك)) تیری ماں نہ ہو، اقامت کے کلمات کو دو دو مرتبہ کہو۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہ دو اذانوں میں سے ایک ہے۔ اور اقامت "قد قامت الصلوۃ" کے ساتھ مختص ہے (یعنی "قد قامت الصلاۃ" صرف اقامت ہی میں ہے، اذان میں نہیں) اگر اقامت میں افراد سنت ہوتا تو "قد قامت الصلاۃ" کے کلمات میں بدرجۂ اولی افراد ہوتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ اذان دو آوازوں کے ساتھ دیں اور اقامت ایک آواز سے۔ اس دلیل کے ساتھ جو امام ابراہیم نخعی سے مروی ہے فرمایا: سب سے پہلے اقامت کے کلمات کو منفرد منفرد کرنے والے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: اقامت کے کلمات مثل اذان دو دو مرتبہ تھے یہاں تک کہ بعض ظالم امراء نے اسے ہلکا جانا اور اپنی حاجت کے لیے اس کے کلمات ایک ایک مرتبہ کر دیئے۔

(مبسوط للسرخسی، باب الاذان، ج1، ص129، دار المعرفہ بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620) فرماتے ہیں:

اقامت یہ ہے (اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى

الصَّلَاةُ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتُ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتُ الصَّلَاةُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اقامت مثل اذان ہے اور اقامت میں دو مرتبہ "قد قامت الصلاۃ" زائد ہے حضرت سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کے سبب۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان سکھائی اور کچھ دیر کے پھر کھڑے ہوئے اور (اقامت میں) اسی کی مثل کہا۔ اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا، ابن محیریز نے اسے روایت کیا حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

حنابلہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ تھے اور ایک اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ تھے مگر اس میں مؤذن کہتا۔ قد قامت الصلاۃ قد قامت الصلاۃ۔ امام نسائی نے اس حدیث کی تخریج کی۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ آداب الآذان، ج1، ص295,294، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اقامت کے گیارہ کلمات ہیں: الله أكبر الله أكبر أشهد أن لا إله إلا الله أشهد أن محمداً رسول الله حي على الصلاة حي على الفلاح قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله۔ اور قدیم میں کہا: "قد قامت الصلوۃ" کے کلمات بھی ایک ایک مرتبہ ہیں کیونکہ یہ بھی اقامت کے الفاظ میں سے ہے اور اقامت کے الفاظ ایک ایک مرتبہ ہیں جیسے کہ حی علی الصلوۃ۔ اور پہلا قول اصح ہے اس وجہ سے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان میں شفع کریں (یعنی اس کے کلمات دو دو بار کہیں) اور اقامت میں کلمات ایک ایک بار کہیں سوائے "قد قامت الصلوۃ" کے۔ اور اس وجہ سے کہ قد قامت الصلوۃ کے علاوہ اقامت کے بقیہ کلمات پہلے اذان میں ادا ہو چکے ہیں اور ان کو کمی کے ساتھ لوٹایا جائے گا جیسا کہ اذان آخری حصہ اور لفظ اقامت کا حق اذان میں ادا نہیں ہوا تو وہ کمی اس کو لاحق نہ ہو گی۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب الآذان والاقامۃ، ج1، ص111، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ احمد بن غانم النفر اوی مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

علامہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرض نماز کیلئے اقامت کہنا سنت ہے اگرچہ وہ قضا ہو، کلمات اقامت ایک ایک مرتبہ

کہے جائیں جبکہ تکبیر دو مرتبہ کہی جائے، یوں کہے (اللہ اکبر اللہ اکبر) دو مرتبہ (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) ایک مرتبہ (أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ) ایک مرتبہ (حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ) ایک مرتبہ (حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ)) ایک مرتبہ (قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ) ایک مرتبہ (اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ) دو مرتبہ (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) ایک مرتبہ...... اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ ہونے اور اذان کے کلمات کے دو دو مرتبہ ہونے پر صحیح مسلم کی حدیث دلیل ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ تھے۔ اور اسی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان (کے کلمات) دو دو مرتبہ اور اقامت ایک ایک مرتبہ کہنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

(الفواکہ الدوانی، صفۃ الاقامۃ، ج 1، ص 174، دار الفکر، بیروت)

دلائل پر بحث ونظر:

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

(1) امام بیہقی نے اپنی سنن کبیر میں حدیث مبارک کو روایت کیا: کہ انہوں نے یونس سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سعید سے انہوں نے عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے روایت کیا، اور ابوعوانہ نے شعبی کی حدیث کو ان سے اپنی صحیح میں نقل کیا اس کے الفاظ یہ ہیں: ((أذن مثنى وأقام مثنى)) ترجمہ: اذان اور اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ ہیں۔

(2) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث ابومحذورہ صحیح ہے کہ: ((علمه الْأَذان مثنى مثنى، وَالْإِقَامَة مثنى مثنى)) ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ سکھائے۔

(3) اور ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ((ان بِلَالًا رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، (كَانَ يُؤَذِّن مثنى مثنى)) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(4) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے وکیع کی حدیث کو روایت کیا: کہ ابراہیم بن اسماعیل نے مجمع بن حارثہ سے انہوں نے حضرت عبید (جو حضرت سلمہ بن اکوع کے آزاد کردہ ہیں) سے روایت کیا کہ: ((كَانَ (يثني الْأَذان وَالْإِقَامَة))) وہ اذان اور اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(5) ہمیں محمد بن خزیمہ نے وہ کہتے ہیں ہمیں محمد بن سنان نے وہ کہتے ہیں ہمیں حماد بن سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے حماد بن ابراہیم سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ((كَانَ ثَوْبَانُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يُؤَذِّن مثنى مثنى، وَيُقِيم مثنى مثنى))) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے اور اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(6) ہمیں یزید بن سنان نے وہ کہتے ہیں ہمیں یحیی بن سعید قطان نے وہ کہتے ہیں ہمیں قطر بن خلیفہ نے مجاہد سے حدیث بیان کی، انہوں نے اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے کے متعلق فرمایا: ((إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ أَحدثه الْأُمَرَاء، وَأَن الْأَصْلَ التَّثْنِيَة)) اس کام (یعنی اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہنا) کو امراء نے شروع کیا ہے۔ اور اصل حکم دو دو مرتبہ کہنے کا ہے۔

میں کہتا ہوں: ان دلائل سے تیرے لیے ظاہر ہو گیا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا شرح صحیح مسلم میں یہ قول کہ "امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اقامت کے سترہ کلمات ہیں یہ مذہب شاذ ہے" یہ ضعیف قول ہے جس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، اور یہ مذہب جبکہ احادیث اور اخبار صحیحہ اس پر موجود ہیں کیسے شاذ ہو سکتا ہے؟

پس اگر وہ کہیں کہ حضرت ابومحذورہ والی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث کے کسی ایک جہت میں بھی متوازی نہیں چہ جائیکہ تمام جہات میں متوازی ہو، حالانکہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ ہونے میں یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں پھر امام بخاری کے طریق سے انہوں نے یہ روایت کی: عبدالملک بن ابی محذورہ سے کہ انہوں نے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ((إن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أمره أن يشفع الْأَذَان ويوتر الْإِقَامَة)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہیں۔

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا، اسی طرح امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے انہی الفاظ سے اس کی تصحیح کی۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے تسلیم کیا کہ یہ الفاظِ حدیث محفوظ ہیں اور حدیث ثابت ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان وہ دو اذانوں میں سے آخر والی ہے؟ **تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے** کہ ہم اس کا منسوخ ہونا تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ وہ اس بارے میں ہے جب اذان کی ابتداء ہوئی۔ جیسا کہ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث دلیل ہے۔ اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غزوہ حنین کے سال میں ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت طویل فاصلہ ہے.........

علامہ خطابی نے کہا: اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ ہونے میں فرق ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اذان نماز کے وقت آنے کا اعلان ہے اور اقامت نماز قائم ہونے کی علامت ہے اور اگر ان دونوں میں برابری ہو تو معاملہ مشتبہ ہو جائے گا اور یہ اس کا سبب بن جائے گا کہ بہت سے لوگوں کی جماعت فوت ہو جائے گی جب وہ اقامت سنیں

گے تو وہ گمان کریں گے کہ یہ تو اذان ہے۔

میں (علامہ عینی) کہتا ہوں: تعجب ہے علامہ خطابی پر ان سے ایسا کلام کیسے صادر ہو گیا جس کو کان سننا پسند نہیں کرتے، اذان اور اقامت میں اس طرح کا فرق کرنا درست نہیں کیونکہ اذان غائبین کو بلانے کے لیے اعلان ہے اسی وجہ سے یہ بلند جگہوں مثلاً مناروں وغیرہ پر دی جاتی ہے، اور اقامت جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے والے حاضرین کے لیے اعلان ہے تو ان میں اشتباہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ جو اس میں غور کرے گا وہ ایسی بات نہیں کہے گا، اور علامہ خطابی سے اس طرح کی بات بہت بعید ہے کہ ''اقامت کے کلمات کا دو دو مرتبہ ہونا کثیر لوگوں کی جماعت فوت ہو جانے کا سبب ہوگا کہ وہ اس کو اذان گمان کریں گے'' لوگ یہ گمان کیسے کریں گے جب وہ وہیں حاضر ہیں، کیونکہ اقامت تو حاضرین کے لیے جماعت کا اعلان ہے؟ اس طرح کے کلام سے کوئی اپنے مذہب کی تائید کیلئے استدلال کرتا ہے، علامہ کرمانی کا قول اس سے زیادہ تعجب والا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ ہیں اور حدیث ان کے خلاف دلیل ہے۔ ان پر حدیث کیسے حجت ہوگی کہ جس بات کو انہوں نے اختیار کیا کہ اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ ہیں یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ ہم نے ماقبل کلام میں ذکر کیا۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ احادیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت ہیں۔

(7) اور حضرت مولا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ: ((انه مر بمؤذن أوتر الْإِقَامَة فَقَالَ لَهُ: اشفعها لا أم لك)) ترجمہ: آپ ایسے مؤذن کے پاس سے گزرے جو اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہہ رہا تھا آپ نے اس سے فرمایا: تیرے ماں نہ رہے اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہو۔

(8) امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرمایا: ((أول من أفرد الْإِقَامَة مُعَاوِيَة)) سب سے پہلے جنہوں نے اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کیے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(9) امام مجاہد فرماتے ہیں: ((كَانَت الْإِقَامَة فِي عهد النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مثنى مثنى حَتَّى استخفه بعض أُمَرَاء الْجور لحَاجَة لَهُم، وَقد ذكرْنَاهُ عَن قريب)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ تھے یہاں تک بعض ظالم امراء نے اپنی حاجت کے لیے اس میں کمی کر دی جیسے کہ ماقبل ہم نے ذکر کیا اور علامہ کرمانی کا بھی یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ملخصا، باب بدء الاذان، ج5، ص103،104، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی حنفی "شرح ابی داؤد" فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث: ((أُمِرَ بلالٌ أن يَشفعَ الأذانَ ويُوتِرَ الإقامةَ)) (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہیں) سے استدلال کیا ہے۔

احناف نے درج ذیل احادیث سے دلیل لی ہے:

جامع ترمذی میں ہے: عبداللہ بن زید سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ((کان أذان رسول اللہ شفعا شفعا في الأذان والإقامة)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان واقامت میں دو دو مرتبہ کلمات تھے۔

انہی الفاظ کے ساتھ امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابن محیریز سے حدیث روایت کی۔

امام نسائی نے اس روایت میں یہ الفاظ بھی کہے: ((ثم عدها أبو محذورة تسع عشرة كلمةً وسبع عشر كلمةً)) پھر ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اذان کے کلمات کو شمار کیا تو وہ انیس تھے اور اقامت کے کلمات سترہ تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اس کے الفاظ یہ ہیں: ((فعلمه الأذان والإقامة مثنى مثنى)) تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اذان واقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا سکھایا۔

اسی طرح امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا۔

امام بیہقی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: میری نزدیک کئی وجوہ سے یہ حدیث غیر محفوظ ہے: پہلی وجہ: مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی، اگر یہ محفوظ ہوتی تو امام مسلم اسے ترک نہ فرماتے کیونکہ اس حدیث کو ہشام دستوائی نے عامر احول سے بغیر اقامت کے ذکر کے روایت کیا جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں اس کی تخریج کی۔ دوسری وجہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ تیسری وجہ: اس خبر پر ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد ثابت نہیں رہی، اگر یہ حکم ثابت ہوتا تو وہ اس کے خلاف نہ کرتے۔

شیخ نے امام بیہقی کے اعتراضات کا جواب "الامام" میں دیا: امام مسلم کا اس حدیث کی تخریج نہ کرنا اس کی عدمِ صحت پر دلیل نہیں کیونکہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں تمام صحیح روایات کی تخریج کا التزام نہیں کیا، دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ (حضرت ابومحذورہ کا) اذان کے انیس اور اقامت کے سترہ کلمات کے ساتھ عدد کو شمار کر کے بیان کرنا اس بات کی نفی کرتا ہے کہ عدد میں کوئی غلطی ہو، بخلاف اس کے علاوہ روایات کے کہ ان میں اختلاف اور اسقاط پایا جاتا ہے، اور اسی طرح اس روایت میں عامر سے ہمام کی متابعت موجود ہے جیسا کہ اس کو امام طبرانی نے سعید بن ابی عروبہ سے انہوں نے عامر بن عبدالواحد سے انہوں نے مکحول سے انہوں نے عبداللہ بن محیریز سے انہوں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے فرمایا: ((علمني رسول اللہ الأذان تسع عشرة كلمة والإقامة سبع عشرة كلمة)) ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے انیس کلمات سکھائے اور اقامت کے سترہ کلمات سکھائے۔ تیسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث باب ترجیح میں داخل ہے نہ کہ باب تضعیف میں، کہ

کسی چیز کی عمدہ تصحیح یہ ہے کہ روای عادل ہو، اور کسی حدیث پر عمل کو ترک کرنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ راجح روایت موجود ہے، اس سے دوسری روایت کا ضعیف ہونا لازم نہیں، آپ نے نہیں دیکھا کہ احادیث منسوخہ کے صحیح ہونے کا حکم دیا جاتا ہے جبکہ ان کے روای عادل ہوں حالانکہ ناسخ کی وجہ سے ان پر عمل نہیں کیا جاتا، جب معاملہ ترجیح کی طرف مائل ہے تو لوگ اس کی ترجیح میں مختلف ہیں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کی ایک دوسری سند ہے جسے امام ابوداود نے ذکر کیا ہے، انہوں نے ابن جریج سے روایت کی انہوں نے عثمان بن سائب سے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((وعلمني الإقامة مرتين مرتين)) مجھے اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا سکھایا، پھر اسے تفصیلی بیان کیا۔ اور اس کا بیان گزر چکا ہے۔

امام طحاوی کے پاس اس حدیث کی ایک اور سند ہے انہوں نے اس کو شریک سے نقل کیا انہوں نے عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کی کہ عبدالعزیز بن رفیع نے فرمایا: ((سمعتُ أبا محذورة يؤذن مثنى مثنى، ويقيم مثنى مثنى)) میں نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے ہوئے سنا اور اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہتے ہوئے سنا۔

شیخ نے "الامام" میں فرمایا: ابن معین نے کہا: عبدالعزیز بن رفیع ثقہ ہیں۔

(2) حافظ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے، ہمیں معمر نے حماد سے خبر دی، انہوں نے ابراہیم سے، ابراہیم نے اسود بن یزید سے روایت بیان کی کہ: ((أن بلالا كان يُثنى الأذان ويثنى الإقامة وكان يبدأ بالتكبير. ويختم بالتكبير)) ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان واقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔ اور وہ تکبیر سے ابتداء فرماتے، اور اسی کے ساتھ اختتام فرماتے۔

اور حافظ عبدالرزاق کے طریق سے اسے امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اور امام طحاوی نے شرح معانی الاثار میں روایت کی۔

اگر کہا جائے کہ علامہ ابن جوزی نے "التحقیق" میں فرمایا: اسود نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صحبت نہیں پائی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تنقیح نے کہا: علامہ ابن جوزی کا قول محل نظر ہے کہ امام نسائی نے اسود کی حضرت بلال سے حدیث روایت کی ہے۔

(3) ایک اور حدیث جسے امام طبرانی نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ تک اپنی اسناد کے ساتھ نقل کیا کہ: ((انه كان يجعل الأذان والإقامة سواء مثنى مثنى وكان يجعل أصبعيه فى أذنيه)) ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان اور اقامت کے کلمات برابر دو دو مرتبہ ادا فرماتے تھے اور اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالتے تھے۔

(4) ایک اور حدیث جسے امام دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ تک اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا کہ: ((أنه كان يؤذن للنبي عليه السلام مثنى مثنى، ويقيم مثنى مثنى)) ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کلمات اذان دو دو مرتبہ کہتے اور اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے۔ اور اس سند میں زیاد بکائی بھی ہے جیسے امام احمد نے ثقہ قرار دیا۔ ابوزرعہ نے کہا: زیاد بکائی صدوق ہے، ان سے امام مسلم نے دلیل لی۔ ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں اس حدیث کو زیاد کی وجہ سے جو معلل قرار دیا اس کے ساتھ اس کا بھی رد ہو گیا۔

اس بارے میں آثار بھی وارد ہیں:

(5) امام طحاوی نے وکیع سے حدیث روایت کی انہوں نے ابراہیم بن اسماعیل سے انہوں نے مجمع بن حارثہ سے انہوں عبید (جو سلمہ بن اکوع کے آزاد کردہ ہیں) سے کہ: ((أن سلمة ابن الأكوع كان يثني الإقامة)) ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ ادا فرماتے تھے۔

(6) ہمیں محمد بن خزیمہ نے بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں محمد بن سنان نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں حماد بن سلمہ نے حماد سے خبر دی انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا، انہوں نے کہا: ((كان ثوبان يؤذن مثنى ويقيم مثنى)) ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(7) ہمیں یزید بن سنان نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہمیں یحیی بن سعید قطان نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہمیں فطر بن خلیفہ نے حضرت مجاہد سے خبر دی کہ وہ اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ ہونے کے متعلق فرماتے ہیں: ((إنما هو شيء أحدثه الأمراء، وأن الأصل :هو التثنية)) ترجمہ: یہ وہ چیز ہے جسے امراء نے ایجاد کیا اور اصل یہ ہے کہ اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہے جائیں۔

اور ان دلائل شرعیہ سے تیرے لیے واضح ہو گیا کہ شرح صحیح مسلم میں شیخ محیی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ "امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقامت کے سترہ کلمات ہیں یہ مذہب شاذ ہے" یہ قول ضعیف ہے جس کی طرف التفات کی حاجت نہیں۔

ان دلائل صحیحہ کی موجودگی میں امام اعظم کا مذہب شاذ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہاں زیادہ سے زیادہ جو بات وہ اپنے گمان کے مطابق کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ قول مرجوح ہے یا ان کے غیر کا قول اس سے زیادہ قوی ہے علاوہ ازیں کہ اس باب میں سب سے زیادہ قوی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور یہ کئی وجوہ سے سب سے زیادہ عمل کے لائق ہے:

پہلی وجہ: احادیث اور اثار میں سے کثیر دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اقامت کے کلمات مثل اذان دو دو مرتبہ

ہیں۔

دوسری وجہ: یہ قول کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا،،، اس میں امر یعنی حکم کرنے والا مبہم ہے ہوسکتا ہے کہ حکم دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور آپ کے علاوہ کا بھی احتمال موجود ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم دینے والے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں لہٰذا اس میں تو کئی احتمالات موجود ہیں۔

شیخ محی الدین نووی فرماتے ہیں: اس طرح مطلق حکم دیا جانا یہ صاحب امر و نہی کی طرف منصرف ہے اور صاحب امر و نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اس لفظ کی مثل ہے صحابی کا یہ قول کہ ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا یا ہمیں اس سے منع کیا گیا اور لوگوں کو اسی کا حکم دیا گیا اور اس کی مثل دیگر کلمات تو یہ تمام کلمات مرفوع ہیں برابر ہے کہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں یوں کہیں یا بعد وصال ظاہری۔ میں (علامہ عینی) کہتا ہوں اس میں مناقشہ ہے کیونکہ مطلق ذکر کئی احتمالات پیدا کرتا ہے اور اس کا قول (سواء سے آخر تک) تسلیم نہیں ہے کہ "چاہے کوئی صحابی کہے رسول اللہ علیہ السلام کے وصال ظاہری کے بعد" ہمیں اس کا حکم دیا گیا یا ہمیں اس سے ممانعت کی گئی" کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ حکم کرنے والا اور ممانعت کرنے والا خلفاء راشدین میں سے کوئی ایک ہو۔

تیسری وجہ: ان میں سے بعض نے یہ دعوی کیا کہ ابو محذورہ والی حدیث حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی ناسخ ہے اور علماء نے کہا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث اس وقت کی ہے جب اذان شروع ہوئی جیسا کہ اس پر حدیث انس رضی اللہ عنہ دلیل ہے۔اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غزوہ حنین والے سال کی ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک طویل زمانہ کا فاصلہ ہے۔پس اگر یہ کہا جائے کہ ناسخ کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور تمام جہات کے اعتبار سے زیادہ قوی ہو، تو حدیثِ ابو محذورہ تو ایک جہت سے بھی حدیثِ انس کے برابر نہیں چہ جائیکہ تمام جہات سے۔تو ہم کہتے ہیں ہمیں ناسخ کی یہ شرط تسلیم نہیں ہے بلکہ اس کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ صحیح ہو، بعد میں ہو، اس کے معارض ہو، دونوں کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو، لہٰذا اگر ہم نے ان دونوں کو صحت میں برابر بھی فرض کر لیا اور مذکورہ شرائط پائی جائیں تو نسخ ثابت ہو گیا اور بہر حال یہ شرط کہ یہ معارض سے راجح ہو تو ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے، ہاں اگر صحت میں اس سے کم ہو تو اس میں نظر ہے۔

(شرح ابی داود للعینی، باب فی الاقامۃ، ج2، ص252 تا 256، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 141

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّرَسُّلِ فِي الأَذَانِ

اذان میں آہستگی یعنی ٹھہراؤ کرنے کا حکم

195- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الحَسَنِ قَالَ:حَدَّثَنَا المُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ المُنْعِمِ، وَهُوَ صَاحِبُ السِّقَاءِ،قَالَ:حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُسْلِمٍ،عَنِ الحَسَنِ، وَعَطَاءٍ،عَنْ جَابِرٍ،أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ:يَا بِلَالُ، إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ فِي أَذَانِكَ،وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ، وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ، وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ، وَالمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ، وَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جب تم اذان کہوتو اپنی اذان میں آہستگی کرو(یعنی کلمات ٹھہر ٹھہر کرادا کرو)اوراقامت کہوتو تیزی سے (جلدی جلدی) کہو،اوراذان اقامت کے درمیان اتنی مقدار(فاصلہ) رکھو کہ کھانا کھانے والا کھانے سے،پانی پینے والا پینے سے اورقضائے حاجت کے لئے جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہوجائے،اور(نماز کے لئے) کھڑے نہ ہونا جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔

196- حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ:حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ،عَنْ عَبْدِ المُنْعِمِ، نَحْوَهُ،قال ابوعيسىٰ حَدِيثُ جَابِرٍ هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ المُنْعِمِ، وَهُوَ إِسْنَادٌ مَجْهُولٌ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کوہم صرف اسی سند یعنی عبدالمنعم کے حوالہ سے پہچانتے ہیں ،اوروہ مجہول اسناد ہے۔

تخریج حدیث195:(المستدرک علی الصحیحین للحاکم،کتاب الطھارۃ،باب فی فضل الصلوات الخمس،1/320،حدیث 732،دارالکتب العلمیہ،بیروت ☆المعجم الاوسط،باب من اسمہ احمد،2/269،حدیث1952،دارالحرمین،قاہرہ)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((جب تم اذان کہو تو اپنی اذان میں ترسیل کرو)) یعنی بغیر جلدی کیے اطمینان سے اذان کہو اور ایک خفیف سکتہ کر کے دو کلموں کے مابین فاصلہ کرو، النہایۃ میں اس کا معنی یہ بیان کیا ہے: "تَأَنَّ وَلَا تَعْجَلْ" یعنی مہلت دو اور جلدی نہ کرو۔ جب کوئی شخص گفتگو اور چلنے میں جلدی نہ کرے تو کہا جاتا ہے "تَرَسَّلَ فُلَانٌ فِي كَلَامِهِ وَمَشْيِهِ" یعنی فلاں نے اپنی گفتگو اور چلنے کے انداز میں آہستگی اختیار کی۔ اور "الفائق" میں ہے: "التَّرَسُّلِ" کی حقیقت رَسل یعنی نرمی اور سکون کو طلب کرنا ہے۔ اور علامہ ابن حجر نے اس کا معنی یہ بیان کیا "تَأَنَّ فِي ذَلِكَ بِأَنْ تَأْتِيَ بِكَلِمَاتٍ مُبِينَةٍ مِنْ غَيْرِ تَمْطِيطٍ مُجَاوِزٍ لِلْحَدِّ" یعنی تم اپنی اذان میں مہلت دو یوں کہ واضح کلمات ادا کرو، بغیر ایسا کھینچے جو حد سے تجاوز کر جائے۔ اسی وجہ سے مؤذنوں پر لازم ہے کہ ایسی غلطیوں سے احتراز کریں جن میں (عموماً) وہ مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ کچھ غلطیاں، قصداً پڑھنے والے کے حق میں کفر ہیں، جیسے "أَشْهَدُ" کے ہمزہ کو کھینچنا کہ وہ استفہام بن جائے گا، اور "أَكْبَرُ" کی باء کو کھینچ کر پڑھنا کہ وہ اس صورت میں "كَبَر" کی جمع بن جائے گی اور "الٰہ" پر وقف کرنا اور اسم جلالت "اللہ" سے ابتداء کرنا اور بعض غلطیاں لحن خفی ہیں جیسے "رسول اللہ" کی راء میں "محمد" کی دال کا ادغام نہ کرنا، اور اسم جلالت "اللہ"، "الصَّلَاة" اور "الْفَلَاح" کے الف کو کھینچنا، اسم جلالت "اللہ" کی ہاء کو الف سے بدل دینا، "الصَّلَاة" کی ہاء کا تلفظ نہ کرنا کہ یہ آگ کی طرف دعوت بن جائے گی، علامہ ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی۔

"أَكْبَر" کے ہمزہ کو کھینچنا بھی کفری ہے کہ یہ بھی استفہام بن جائے گا۔ اور اُن کا یہ قول کہ "اسم جلالت "اللہ" سے ابتدا" یہ کفریات میں سے نہیں بلکہ صرف "اِلٰہ" پر وقف کرنا کفر ہے، لہٰذا اس کا ذکر بے کار ہے۔ اور اُن کا قول "محمد کی دال کا ادغام کرنا" اس سے مراد اُس کی تنوین کا ادغام کرنا ہے، وگرنہ اُس کی دال کا ادغام بڑی لحن (غلطی) ہے۔ اور اسم جلالت "اللہ" کے الف کی مدّ اور اُس کے بعد والی چیزوں کو لحن میں شمار کرنا درست نہیں کیونکہ اس کا قصر، درمیانہ انداز میں پڑھنا اور حالت وقف میں تین الف کی مقدار کھینچنا (یہ تمام اُمور) جائز ہیں۔ اور "الف کے بدلنے" سے مراد ہمزہ کو بدلنا ہے۔ لہٰذا اُن کی عبارت میں تسامح ہے۔

((اور جب تکبیر کہو تو حدر کرو)) یعنی اقامت کے کلمات کا تلفظ جلدی جلدی کرو، بغیر ایک دوسرے کے داخل کئے کلمات میں وصل کرو اور ان کے درمیان سکوت نہ کرو **((اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ وقت رکھو اس قدر کہ کھانا**

کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے)) بعض علما نے فرمایا: گویا یہ فرمان نمازِ عشا کے متعلق ہے اس کا وقت وسیع ہونے کے سبب **((اور پینے والا پینے سے فارغ ہو جائے))** ابن ملک نے کہا: گویا یہ فرمان مغرب کے بارے میں ہے اُس کا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے۔

لیکن ابن ملک کا یہ کلام امام شافعی کے قول پر مبنی ہے کہ وہ مغرب کا وقت تنگ ہونے کے قائل ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عام ضروری حاجات کا ارادہ فرمایا ہے جو ایک نماز کا ارادہ کرنے والا سرانجام دیتا ہے خواہ حقیقۃً یا حکماً، اور یہ ضروریات کسی ایک نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔

((قضائے حاجت کے لئے جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے)) یعنی جسے پائخانہ کی حاجت ہے وہ فارغ ہو جائے اور اپنے پیٹ وشرمگاہ کو نچوڑ لے (یعنی اُن سے فاضل مادّہ خارج کر لے)، قضائے حاجت سے فراغت کے لیے کنایۃً یہ لفظ استعمال کیا ہے صریح لفظ سے بچتے ہوئے کہ صراحتاً اس کے ذکر سے طبیعت میں وحشت پیدا ہوتی ہے، کہا گیا کہ یہاں مراد وہ شخص ہے جسے پیشاب یا پاخانہ ایذا دے رہا ہو۔

((اور کھڑے نہ ہو)) نماز کے لئے جب مؤذن اقامت کہے **((یہاں تک کہ تم مجھے دیکھو))** مسجد میں، کیونکہ امام کے آنے سے پہلے ہی کھڑا ہو جانا بلا فائدہ اپنے کو تھکانا ہے، ایسا ہی بعض علما نے کہا۔ اور شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجرہ سے اقامت شروع ہونے کے بعد باہر تشریف لاتے اور جب مؤذن "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ" کہتا تو مسجد کے محراب میں داخل ہو جاتے۔ اسی لئے ہمارے علما فرماتے ہیں: امام اور قوم "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ" کے وقت کھڑے ہو جائیں اور "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ" کے وقت امام نماز شروع کر دے۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقامت کے اختتام پر باہر تشریف لاتے، تو آپ نے اُس وقت کھڑے ہونے کا حکم اس لئے فرمایا کہ اس وقت کھڑے ہونے کی حاجت ہے۔ اسی لئے ہمارے علما فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک اقامت کہنے والا پوری اقامت سے فارغ نہ ہو جائے، علامہ ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی۔ اور یہ بات (کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقامت کے اختتام پر تشریف لاتے) جب ہی درست ہو سکتی ہے جب یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت مؤذنوں کے لئے ہو یعنی (اے مؤذنو!) اقامت کے لئے تم کھڑے نہ ہو جب تک مجھے حجرہ اقدس سے باہر تشریف لاتے نہ دیکھ لو **((اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا اس حدیث کو ہم فقط عبد المنعم کے حوالہ سے پہچانتے ہیں، اور اس حدیث کی سند مجہول ہے))** لیکن ابن حجر نے کہا: امام حاکم اور ان کے علاوہ نے اذان میں آہستگی اور اقامت میں تیزی کے حکم کی تصحیح کی ہے۔ اور امام بخاری و مسلم نے حدیث: **((لَا تَقُوْمُوا حَتّٰی تَرَوْنِی))** (تم نہ کھڑے ہو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو) کو روایت کیا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص551,552، دار الفکر، بیروت)

اذان میں ترسل اور اقامت میں حدر کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اذان کی سنتوں کا بیان: اذانِ نماز کی سنتوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم کا تعلق خود اذان سے ہے اور ایک قسم کا تعلق مؤذن کی صفات سے ہے۔ بہرحال جس نوع کا تعلق خود اذان سے ہے اُس کی کئی اَقسام ہیں......... اُن میں سے ایک قسم یہ ہے کہ اذان میں آہستگی (اُس کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا) کرے اور اقامت میں حدر کرے (یعنی اُس کے کلمات جلدی جلدی کہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ((إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ، وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ)) ترجمہ: اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور تکبیر جلد جلد کہا کر......... نیز اذان اُن لوگوں کو وقت شروع ہونے کی خبر دینے کے لئے ہے جو موجود نہیں، اور ترسل میں یہ چیز زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور اقامت حاضرین کو نماز شروع ہونے کی خبر دینے کے لئے دی جاتی ہے اور یہ مقصد حدر سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر اذان و اقامت دونوں میں ترسل یا دونوں میں حدر کرے تو بھی درست ہے اصل مقصود یعنی اعلان کے حاصل ہونے کی وجہ سے۔ (بدائع الصنائع، فصل بیان سنن الاذان، ج1، ص149، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ اذان میں آہستگی کرے اور اقامت میں حدر کرے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((یا بلال إذا أذنت فترسل، وإذا أقمت فاحدر)) ترجمہ: اے بلال: جب اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو اور جب اقامت کہو تو حدر کرو (ابوداؤد) نیز اذان اُن کو خبر دینے کا نام ہے جو موجود نہ ہوں اور اس میں ترسل (ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرنا) سنانے میں زیادہ بلیغ ہیں۔ اور اقامت موجود لوگوں کو (نماز کے افتتاح کی) خبر دینا ہے تو اس میں ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرنے کی حاجت نہیں۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب الاذان، ج1، ص211، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ علی بن محمد ماوردی شافعی فرماتے ہیں:

مؤذن کے لئے مستحب ہے کہ اذان کے کلمات آہستہ آہستہ اور اقامت کے کلمات تیز تیز پڑھے، اُس روایت کی وجہ

سے جو حضرت عطا کی حضرت جابر سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا:((اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ)) ترجمہ: جب اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو اور تکبیر کہو تو جلدی جلدی کہو۔

(الحاوی الکبیر، باب الاذان، ج 2، ص 57,58، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو القاسم محمد بن احمد غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

اذان کے دس آداب ہیں: اذان باوضو اور بلند مقام پر قبلہ رُو کھڑے ہو کر دی جائے۔"حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" کہتے ہوئے قبلہ سے گھومنا درست ہے۔ اذان میں سلام اور اس کے جواب وغیرہ کے ساتھ گفتگو نہ کرے، پے در پے ترتیل کے ساتھ کلمات ادا کرے **اور اذان کے کلمات پر سکون کے ساتھ وقف کرے (یعنی کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے) جبکہ اقامت میں اس کا برعکس کرے**..........

(القوانین الفقہیہ، الباب الثالث فی الاذان والاقامۃ، ج 1، ص 37، مطبوعہ بیروت)

اذان واقامت کے درمیان فاصلہ ہونے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی اذان کی سنتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اُن میں سے ایک سنت اذان واقامت کے مابین فاصلہ کرنا ہے، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے جو اعلان مقصود ہے وہ بغیر فاصلہ کے حاصل نہیں ہوتا، اور مغرب کے علاوہ میں نماز یا جلوس کے ذریعہ فاصلہ مسنون ہے، اور وصل مکروہ ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے ارشاد فرمایا:((اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ، وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدِرْ وَلْيَكُنْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ مِقْدَارُ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ وَلَا تَقُومُوا فِي الصَّفِّ حَتَّى تَرَوْنِي)) ترجمہ: جب تم اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو اور اقامت کہو تو جلدی جلدی کہو، لیکن تیری اذان واقامت کے مابین اتنا فاصلہ ہو کہ کھانا کھانے والا کھانے سے، پانی پینے والا پینے سے اور قضائے حاجت کے لئے جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے اور صف میں کھڑے نہ ہو جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔

مزید یہ کہ اذان غائب لوگوں کے استحضار کے لئے ہے لہذا مہلت دینا ضروری ہے تاکہ حاضر ہو جائیں۔ پھر ظاہر الروایۃ میں فاصلہ کی مقدار مذکور نہیں ہے۔ اور امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے فجر میں بیس آیتیں پڑھنے کی بقدر (اذان واقامت کے مابین) فاصلہ روایت کیا، ظہر میں چار رکعت اس طرح پڑھنے کی بقدر کہ ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں پڑھی

24/24

جائیں، عصر میں دو رکعتیں پڑھنے کی بقدر فاصلہ جو اس انداز میں پڑھی جائیں کہ ہر رکعت میں تقریباً دس آیات تلاوت کی جاسکیں، مغرب میں تین آیات پڑھنے کی مقدار ٹھہرا رہے اور عشاء میں ظہر جتنا فاصلہ کرے۔ اور یہ مقدار لازم نہیں ہے بلکہ اذان واقامت کے مابین اتنا فاصلہ کریں کہ مستحب وقت کی رعایت کے ساتھ قوم کو حاضر کیا جاسکے۔ اور ہمارے نزدیک مغرب میں نماز کے ساتھ فاصلہ نہیں کیا جائے گا، اور امام شافعی فرماتے ہیں: دو خفیف رکعتوں کے ساتھ فاصلہ کیا جائے، بقیہ نمازوں کی طرح۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ إِلَّا الْمَغْرِبَ)) ہر اذان وقامت کے درمیان نماز ہے اُس کے لئے جو چاہے سوائے مغرب کے۔ اور یہ واضح نص ہے۔ نیز مغرب کی بنا تعجیل پر ہے، کیونکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا: ((لَنْ تَزَالَ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ)) ترجمہ: میری امت بھلائی پر رہے گی جب تک مغرب کو تاروں کے گتھ جانے تک مؤخر نہ کرے۔ اور نماز کے ذریعہ فاصلہ کرنا اُس کو مؤخر کرنا ہے لہٰذا نماز کے ساتھ بھی فاصلہ نہیں کیا جائے گا۔ آیا جلوس (بیٹھنے) کے ساتھ فاصلہ کیا جائے؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: فاصلہ نہیں کیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا: جلسہ خفیفہ کے ذریعہ فاصلہ کیا جائے گا جیسا کہ دو خطبوں کے درمیان فاصلہ کیا جاتا ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ فاصلہ مسنون ہے اور نماز کے ذریعہ ممکن نہیں لہٰذا جلسہ کے ساتھ (اذان واقامت کے درمیان) فاصلہ کیا جائے گا۔

امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ جلسہ کے ساتھ فاصلہ کرنا مغرب کو مؤخر کرنا ہے اور یہ مکروہ ہے۔ اسی لئے تو نماز کے ذریعہ فاصلہ نہیں کیا تو پھر نماز کے علاوہ کسی چیز کے ذریعہ بدرجۂ اُولیٰ فاصلہ نہیں کرسکتے۔

اور وصل مکروہ ہے اور مغرب کو مؤخر کرنا بھی مکروہ ہے اور ایک خفیف سکتہ کے ذریعہ دونوں قسم کی کراہتوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل بیان سنن الاذان، ج1، ص150، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اذان واقامت کے مابین وضو اور دو رکعتوں کی مقدار فاصلہ کرنا مستحب ہے جس میں نمازی تیاری کرلیں، اور مغرب میں ایک جلسہ خفیفہ کی مقدار، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی سے منقول ہے کہ مغرب میں یہ مسنون نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہ روایت

ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((يَا بِلَالُ اجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ نَفَسًا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ طَعَامِهِ فِي مَهَلٍ وَيَقْضِي حَاجَتَهُ فِي مَهَلٍ)) ترجمہ: اذان اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو کہ اس مہلت میں کھانا کھانے والا کھانے سے، اور قضائے حاجت کے لئے جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: ((اجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ)) ترجمہ: اذان اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانا کھانے والا کھانے سے، پانی پینے والا پینے سے اور قضائے حاجت کے لئے جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے۔

تمام نے اپنے فوائد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((جُلُوسُ الْمُؤَذِّنِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فِي الْمَغْرِبِ سُنَّةٌ)) ترجمہ: مؤذن کا مغرب میں اذان واقامت کے مابین بیٹھنا سنت ہے۔ اسحاق بن منصور کا بیان ہے، میں نے امام احمد کو دیکھا آپ مغرب کی نماز کے لئے تشریف لائے اور جب صف کی جگہ تک پہنچے تو مؤذن نے اقامت شروع کر دی پس آپ بیٹھ گئے۔ اور خلال نے اپنی سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی: ((أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جَاءَ وَبِلَالٌ فِي الْإِقَامَةِ فَقَعَدَ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جبکہ حضرت بلال اقامت کہہ رہے تھے، پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے۔

اور امام احمد نے فرمایا: جب مغرب کی اذان دی جاتی ہے تو ایک شخص دو رکعتوں کی مقدار بیٹھتا ہے، عرض کی گئی: یہ کہاں سے ثابت ہے؟ فرمایا: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے ((كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ ابْتَدَرُوا السَّوَارِيَ وَصَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ)) ترجمہ: جب مؤذن اذان دیتا تو صحابہ کرام ستونوں کی طرف لپکتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔

نیز اذان اعلان کے لئے مشروع ہے لہذا انتظار مسنون ہے تا کہ لوگ نماز پالیں اور اُس کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کی دلیل بقیہ نمازیں ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ للمؤذن ان یکون حضور امن الحدث، ج 1، ص 299، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ اذان واقامت کے مابین اتنا بیٹھے جس میں جماعت کا انتظار کیا جائے، کیونکہ عبداللہ بن زید نے خواب

میں جس فرشتہ کو دیکھا اُس نے اذان دی اور پھر کچھ دیر بیٹھا۔ نیز اگر اذان کے بالکل متصل اقامت کہی جائے تو لوگوں کی جماعت فوت ہو جائے گی اور اذان کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص115، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

حکم مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے علما اس پر متفق ہیں کہ یہ قعدہ اس قدر کرنا مستحب ہے کہ جس میں لوگ جمع ہو جائیں سوائے نمازِ مغرب کے، کہ اس میں تاخیر نہ کرے اس کا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے۔ نیز عادۃً لوگ اس کے وقت سے پہلے ہی مغرب کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور جو تقدم سے متاخر ہو جاتا ہے، بہر حال وہ نماز کی ابتدا سے متاخر نہیں ہوتا لیکن مستحب ہے کہ مغرب کی اذان و اقامت کے مابین کچھ فاصلہ کرے ایک قعدہ یا سکوت یا ان کی مثل کے ساتھ۔ یہ ہمارا مذہب ہے جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ سے بھی ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مشہور قول یہ ہے کہ مغرب کی اذان اور اقامت کے مابین قعدہ نہ کرے۔

البتہ اقامت کہنے کے لئے اذان کی جگہ کے علاوہ کسی جگہ کی طرف پھرنا مستحب ہے اور اس پر تمام علما متفق ہیں حدیث کی وجہ سے۔ (المجموع شرح المہذب، باب الاذان، ج3، ص121، دار الفکر، بیروت)

علامہ شہاب الدین رملی (متوفی 1004ھ) فرماتے ہیں:

غیر مؤکدہ سنتوں میں سے مغرب سے پہلے دو خفیف رکعتیں ہیں صحیح قول پر بلکہ صحیح بخاری میں ان کے پڑھنے کا حکم موجود ہے، الفاظ یہ ہیں: ((صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ)) مغرب سے پہلے نماز پڑھو، تیسری بار فرمایا: ((لِمَنْ شَاءَ)) یعنی جو چاہے پڑھے۔ تاکہ کہیں لوگ اس کو سنت یعنی طریقہ لازمہ نہ سمجھ لیں اور یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ جب مغرب کی اذان ہوتی تو کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ستونوں کی طرف دوڑتے حتیٰ کہ اجنبی آدمی مسجد میں آتا تو سمجھتا کہ نماز پڑھ لی گئی ان پڑھنے والوں کی کثرت کی وجہ سے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول ((مَا رَأَيْتُ أَحَدًا يُصَلِّيهِمَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) یعنی میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔ اس مسئلہ میں قادح نہیں ہے کیونکہ یہ غیر محصور کی نفی ہے اور اُن پر تعجب ہے جو اس نفی کے محصور ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارکہ کے کثیر وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور کے پاس حاضر نہ ہوئے اور نہ ہی آپ نے دورِ رسالت کے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہے۔ (نہایۃ المحتاج شرح المنہاج، قسم یا یسن فیہ النفل جماعۃ، ج2، ص110، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

صاحب طراز نے فرمایا: اذان واقامت کے مابین فاصلہ کرے سوائے مغرب کے، ہمارے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی مسئلہ ہے، امام ابوحنیفہ کے صاحبین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ مغرب کی اذان واقامت کے مابین ایک جلسہ جو دو خطبوں کے مابین ہوتا ہے، کی بقدر فاصلہ کے قائل ہیں۔ اور امام شافعی دو رخفیف رکعتوں کی بقدر فاصلہ کا قول کرتے ہیں، کیونکہ بخاری ومسلم میں ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: ((كُنَّا بِالْمَدِينَةِ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ ابْتَدَرُوا السَّوَارِيَ يَرْكَعُونَ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِيبَ لَيَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَيَحْسَبُ أَنَّ الصَّلَاةَ قَدْ صُلِّيَتْ مِنْ كَثْرَةِ من يُصليهَا)) ترجمہ: ہم مدینہ میں تھے تو جب مؤذن نماز مغرب کی اذان دیتا تو لوگ ستونوں کی طرف جلدی کرتے پھر دو رکعتیں پڑھتے حتی کہ اجنبی آدمی مسجد میں آتا تو سمجھتا کہ نماز پڑھ لی گئی ان پڑھنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے۔ اور اس کے جواب میں وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم ہی میں ہے: ((أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَتَوَارَتْ بِالْحِجَابِ)) ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز اُس وقت ادا فرماتے جب آفتاب غروب ہو جاتا اور حجاب کے پیچھے چھپ جاتا۔ اور یہ حدیث (مغرب کی اذان واقامت کے مابین) فاصلہ نہ ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اہل مدینہ کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل یہ ہی ہے۔

(الذخیرۃ للقرافی، الفصل الاول فی صفۃ الاذان، ج2، ص51، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

((وَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي)) کی شرح:

علامہ عبد الرحمٰن ابن جوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

((جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو)) جب اقامت کہی جائے اور امام موجود نہ ہو تو مقتدی کا کھڑا ہونا مسنون نہیں ہے، کیونکہ قیام فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ نماز شروع کرنے کے لئے ہے، تو جب اقامت کہی اور نماز شروع نہیں کی تو اُس کا فعل لغو ٹھہرے گا، البتہ جب امام موجود ہو (اور اقامت کہی جائے) تو کس وقت مقتدیوں کا کھڑا ہونا مسنون ہے؟ ہمارا موقف یہ ہے کہ "قد قَامَت الصَّلَاة" کے وقت کھڑے ہوں اور نماز کے لئے تکبیر کہیں جب مؤذن اقامت کہہ چکے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک "حی علی الصلاۃ" کے وقت کھڑے ہوں اور اقامت کے ذکر یعنی "قد قامت

الصلوۃ" پرنماز کی تکبیر کہیں۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقامت کے اختتام پر ہی کھڑے ہونے کا حکم ہے۔
(کشف المشکل من حدیث الصحیحین ،کشف المشکل من مسند ابی قتادہ ،ج2،ص141،دارالوطن،ریاض)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اور نہ کھڑے ہو)) نماز کے لئے جب مؤذن اقامت کہے ((یہاں تک کہ تم مجھے دیکھ لو)) مسجد میں ،کیونکہ امام کے آنے سے پہلے ہی کھڑا ہو جانا بلا فائدہ اپنے کو تھکانا ہے،ایسا ہی بعض علما نے فرمایا ہے۔اور غالباً حضور علیہ الصلوۃ والسلام مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے بعد حجرے سے باہر تشریف لاتے اور جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہتا آپ مسجد کے محراب میں داخل ہو جاتے۔اسی لئے ہمارے علما فرماتے ہیں: امام اور مقتدی "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کے وقت کھڑے ہوں اور "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاة" کے وقت نماز شروع کریں۔اور علامہ ابن حجر کہتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقامت ختم ہونے پر باہر تشریف لاتے اور اُس وقت صحابہ کو کھڑے ہونے کا حکم فرماتے کیونکہ اس کی طرف ضرورت کا وقت ہے۔اور اسی وجہ سے ہمارے علما نے فرمایا سنت یہ ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہو یہاں تک کہ اقامت کہنے والا پوری اقامت کہہ لے،علامہ ابن حجر کا کلام ختم ہوا اور یہ بات (کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقامت کے اختتام پر تشریف لاتے) جب ہی درست ہو سکتی ہے جب یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو،اور یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت مؤذنوں کے لئے ہو یعنی (اے مؤذنو!) اقامت کے لئے تم کھڑے نہ ہو جب تک مجھے حجرہ اقدس سے باہر تشریف لاتے نہ دیکھ لو۔ (مرقاۃ المفاتیح ،باب الاذان ،ج2،ص552،دار الفکر،بیروت)

اقامت بیٹھ کر سننی چاہیے یا کھڑے ہو کر

ہمارے زمانے میں کچھ حنفی کہلانے والے بھی اقامت کی ابتدا ہی میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں ،حالانکہ فقہ حنفی میں بوقتِ اقامت اگر امام اور مقتدی مسجد میں موجود ہوں تو حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا مستحب ہے بلکہ کھڑے ہو کر اقامت سننے کو فقہاء احناف نے مکروہ لکھا ہے۔

فقہ حنفی میں اس مسئلہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) اگر امام و مقتدی مسجد میں موجود ہوں تو حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے،اور ہمارے ہاں عمومی طور پر یہی صورت پیش آتی ہے۔

(۲) اگر امام دوران اقامت پیچھے سے آئے تو جس صف کے پاس امام پہنچے وہ کھڑی ہو جائے۔

(۳) اگر دوران اقامت امام آگے سے آئے تو اسے دیکھتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں۔

(۴) اوپر تمام صورتیں اس وقت ہیں جب امام اقامت نہ کہہ رہا ہو، اگر امام ہی اقامت کہے اور وہ مسجد میں ہو تو جب وہ اقامت سے فارغ ہو تو اس وقت مقتدی کھڑے ہوں گے اور اگر وہ مسجد سے باہر اقامت کہے تو مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب امام مسجد میں داخل ہو۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”إِنْ كَانَ الْمُؤَذِّنُ غَيْرَ الْإِمَامِ وَكَانَ الْقَوْمُ مَعَ الْإِمَامِ فِي الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ يَقُومُ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ فَأَمَّا إِذَا كَانَ الْإِمَامُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَإِنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قِبَلِ الصُّفُوفِ فَكُلَّمَا جَاوَزَ صَفًّا قَامَ ذَلِكَ الصَّفُّ وَإِلَيْهِ مَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ وَالسَّرَخْسِيُّ وَشَيْخُ الْإِسْلَامِ خُوَاهَرْ زَادَهْ وَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قُدَّامِهِمْ يَقُومُونَ كَمَا رَأَى الْإِمَامَ وَإِنْ كَانَ الْمُؤَذِّنُ وَالْإِمَامُ وَاحِدًا فَإِنْ أَقَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَالْقَوْمُ لَا يَقُومُونَ مَا لَمْ يَفْرُغْ مِنَ الْإِقَامَةِ وَإِنْ أَقَامَ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَمَشَايِخُنَا اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُمْ لَا يَقُومُونَ مَا لَمْ يَدْخُلِ الْإِمَامُ الْمَسْجِدَ“ ترجمہ: اگر مؤذن اور امام الگ الگ ہوں، اور مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں موجود ہوں تو ہمارے علمائے ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد) کے نزدیک امام اور مقتدی اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ کہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ البتہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اگر صفوں کی طرف سے مسجد میں داخل ہوا تو جس صف سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے۔ شمس الائمہ حلوانی، امام سرخسی اور شیخ الاسلام خواہرزادہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور اگر امام سامنے سے مسجد میں آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو (یعنی خود امام ہی تکبیر کہے) اگر مسجد میں اقامت کہی تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔ اور اگر اُس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو ہمارے مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ اُس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل ہو۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ، ج1، ص57، دار الفکر، بیروت)

اقامت بیٹھ کر سننے کے بارے میں فقہ حنفی کی نصوص:

عمومی طور پر بوقتِ اقامت امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہوتا ہے، اس صورت میں بیٹھ کر اقامت سننے کے بارے میں فقہ حنفی کی نصوص درج ذیل ہیں:

(۱) امام محمد شیبانی (متوفی 189ھ) فرماتے ہیں:

”إِذَا كَانَ الْإِمَامُ مَعَهُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَإِنِّي أُحِبُّ لَهُمْ أَنْ يَقُومُوا فِي الصَّفِّ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى

Scanned by CamScanner

الفلاح ’’ترجمہ: جب مسجد میں امام مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مجھے یہ محبوب ہے کہ مقتدی صف میں اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ’’حیّ علی الفَلاح‘‘ کہے۔ (الاصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب افتتاح الصلوۃ وما یصنع الامام، ج1، ص18، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

(۲) علامہ محمد بن احمد سرخسی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

’’فإن كان الإمام مع القوم في المسجد، فإني أحب لهم أن يقوموا في الصف إذا قال المؤذن حي على الفلاح ’’ترجمہ: اگر امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مجھے پسند ہے کہ صف میں اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ’’حیّ علی الفَلاح‘‘ کہے۔ (مبسوط للسرخسی، باب افتتاح الصلوۃ، ج1، ص39، دار المعرفہ، بیروت)

(۳) علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

’’وَالْجُمْلَةُ فِيهِ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ إذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ مَعَهُمْ فِي الْمَسْجِدِ يُسْتَحَبُّ لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا فِي الصَّفِّ، وَعِنْدَ زُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ يَقُومُونَ عِنْدَ قَوْلِهِ: قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ ’’ترجمہ: اس کا محصل یہ ہے کہ مؤذن جب ’’حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ‘‘ کہے، اگر امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہو تو مقتدیوں کے لئے مستحب ہے کہ صف میں کھڑے ہو جائیں۔ امام زفر اور حسن بن زیاد کا مؤقف یہ ہے کہ مقتدی اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن ’’قَدْ قَامَتْ الصَّلَاة‘‘ کہے۔ (بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص200، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۴) علامہ ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد (616ھ) فرماتے ہیں:

’’فإن كان غير الإمام وكان الإمام مع القوم في المسجد، فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: حيّ على الفلاح عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله ’’ترجمہ: اگر مؤذن امام نہ ہو اور امام مسجد میں مقتدیوں کے ہمراہ ہو تو ہمارے علمائے ثلاثہ کے نزدیک امام اور مقتدی اُس وقت قیام کریں گے جب مؤذن "حیّ علی الفلاح" کہے۔

(المحیط البرہانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والالحان، ج1، ص353، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۵) علامہ زین الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر حنفی (متوفی 666ھ) فرماتے ہیں

’’وَالسّنة قيام الإمَام وَالْقَوْم عِنْد قَول الْمُؤَذّن حَيّ على الْفَلاح ’’ترجمہ: مؤذن کے ’’حیّ علی الفلاح‘‘ کہتے وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا سنت ہے۔ (تحفۃ الملوک، السادس تکبیرۃ الامام، ج1، ص68، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت)

(٦) علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

’’(وَإِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَامَ الْإِمَامُ وَالْجَمَاعَةُ) إِجَابَةً لِلدُّعَاءِ ’’ترجمہ: (مؤذن جب ’’حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ‘‘ کہے تو امام اور سب لوگ کھڑے ہو جائیں) دعوت کو قبول کرتے ہوئے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص44، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۷) علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

"(وَالْقِيَامُ حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) لِأَنَّهُ أَمَرَ بِهِ فَيُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْإِمَامُ حَاضِرًا لَا يَقُومُونَ حَتَّى يَصِلَ إِلَيْهِمْ وَيَقِفَ مَكَانَهُ فِي رِوَايَةٍ وَفِي أُخْرَى يَقُومُونَ إِذَا اخْتَلَطَ بِهِمْ وَقِيلَ يَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إِلَيْهِ الْإِمَامُ وَهُوَ الْأَظْهَرُ وَإِنْ دَخَلَ مِنْ قُدَّامَ وَقَفُوا حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ" ترجمہ: ("حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے) کیونکہ مؤذن نے اس کا حکم دیا تو اس حکم کو جلدی عمل میں لانا مستحب ہے۔ اور اگر امام موجود نہ ہو تو ایک روایت کے مطابق مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک وہ اُن تک پہنچ کر اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے، مقتدی سب اُس وقت کھڑے ہوں جب امام مقتدیوں کے ساتھ مل جائے۔ اور بعض نے کہا: ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔ اور یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ اور اگر امام سامنے سے آئے تو جیسے ہی مقتدیوں کی نظر امام پر پڑے، کھڑے ہو جائیں۔

(تبیین الحقائق، آداب الصلوۃ، ج 1، ص 108، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

(۸) علامہ محمد بن فرامرز بن علی الشہیر بملا خسرو (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

"(وَالْقِيَامُ عِنْدَ الْحَيْعَلَةِ الْأُولَى) يَعْنِي حِينَ يُقَالُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ؛ لِأَنَّهُ أُمِرَ بِهِ إِذْ مَعْنَاهُ هَلُمَّ وَأَقْبِلْ فَيُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إِلَيْهِ" ترجمہ: (پہلی حَیعلہ کے وقت کھڑے ہونا) یعنی جب "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہا جائے۔ کیونکہ اس کا حکم ہوا ہے۔ وہ یوں کہ اس کا معنیٰ ہے "هَلُمَّ وَأَقْبِلْ" یعنی آؤ (نماز کی جانب) لہٰذا اس حکم کی طرف سبقت کرنا مستحب ہے۔

(درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، فصل فی الامامۃ، ج 1، ص 80، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں:

"(قَوْلُهُ وَالْقِيَامُ عِنْدَ الْحَيْعَلَةِ الْأُولَى) أَطْلَقَهُ فَشَمِلَ الْإِمَامَ وَالْمَأْمُومَ وَهَذَا إِذَا كَانَ الْإِمَامُ وَالْمَأْمُومُ حَاضِرًا بِقُرْبٍ مِنَ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ حِينَ يَنْتَهِي إِلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ، وَإِنْ دَخَلَ مِنْ قُدَّامَ وَقَفُوا حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ كَمَا فِي التَّبْيِينِ" ترجمہ: (("حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کے وقت کھڑے ہونا)) مصنف نے اس حکم کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی سب کو شامل ہے۔ یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب امام اور مقتدی محراب سے قریب موجود ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو اصح قول یہ ہے کہ ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔ اور اگر امام آگے سے آئے تو جیسے ہی مقتدی امام کو دیکھیں، کھڑے ہو جائیں۔ جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے۔

(حاشیہ شرنبلالی علی درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، فصل فی الامامۃ، ج 1، ص 80، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(۹) علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی (متوفی 956ھ) فرماتے ہیں:

"وَالْقِيَام عِنْد حَيّ على الصَّلَاة وَقيل عِنْد حَيّ على الْفَلَاح "ترجمہ:"حَیّ علی الصَّلَاۃ" کے وقت کھڑے ہوں، اور بعض نے کہا "حَیّ علی الْفَلَاح" کے وقت کھڑے ہوں۔ (ملتقی الابحر، باب صفۃ الصلوۃ، ج1، ص136، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۰) اس کے تحت علامہ عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان شیخی زادہ (متوفی 1078ھ) فرماتے ہیں:

"(وَالْقِيَامُ) أَيْ قِيَامُ الْإِمَامِ وَالْقَوْمِ إلَى الصَّلَاةِ (عِنْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ وَقِيلَ عِنْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) أَيْ حِينَ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ أَمَرَ بِهِ فَتُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إلَيْهِ إنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ، وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ "ترجمہ: (اور کھڑا ہونا) یعنی نماز کے لئے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ("حَیّ علی الصَّلَاۃ" کے وقت، اور کہا گیا "حَیّ علی الْفَلَاح" کے وقت) یعنی جب مؤذن یہ الفاظ کہے۔ کیونکہ مؤذن نے اس کا حکم دیا ہے لہذا اس حکم کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے اگر امام محراب کے قریب ہو ورنہ اصح قول کے مطابق ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔ (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، فصل صفۃ الشروع فی الصلوۃ، ج1، ص91، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۱۱) علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

"(قَوْلُهُ وَالْقِيَامُ حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ)، لِأَنَّهُ أَمَرَ بِهِ فَيُسْتَحَبُّ الْمُسَارَعَةُ إلَيْهِ، أَطْلَقَهُ، فَشَمِلَ الْإِمَامَ وَالْمَأْمُومَ إنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إلَيْهِ الْإِمَامُ، وَهُوَ الْأَظْهَرُ، وَإِنْ دَخَلَ مِنْ قُدَّامٍ وَقَفُوا حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ، وَهَذَا كُلُّهُ إذَا كَانَ الْمُؤَذِّنُ غَيْرَ الْإِمَامِ، فَإِنْ كَانَ وَاحِدًا أَوْ أَقَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَالْقَوْمُ لَا يَقُومُونَ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ إقَامَتِهِ كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ "ترجمہ: ("حَیّ علی الْفَلَاح" کے وقت کھڑا ہونا) کیونکہ اس کا حکم ہے لہذا اس کی طرف سبقت کرنا مستحب ہے۔ مصنف نے یہ حکم مطلق رکھا لہذا امام اور مقتدی سب کو شامل ہے بشرطیکہ امام محراب سے قریب ہو بصورت دیگر ظاہر تر یہ ہے کہ ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔ اور اگر امام سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔ اور یہ سارے احکام اُس صورت میں ہیں کہ جب امام خود تکبیر نہ کہہ رہا ہو، اگر امام ہی تکبیر کہہ رہا ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ ہو نہ ہو جائے۔ ظہیریہ میں ایسا ہی مذکور ہے۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، سنن الصلوۃ، ج1، ص321، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

(۱۲) علامہ احمد بن محمد شلبی حنفی (متوفی 1021ھ) فرماتے ہیں:

"قَالَ فِي الْوَجِيزِ وَالسُّنَّةُ أَنْ يَقُومَ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ .اه وَمِثْلُهُ فِي الْمُبْتَغَى "ترجمہ: "الوجیز" میں فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام اور مقتدی حضرات اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہے۔ اور اس کی مثل "المبتغی" میں ہے۔ (حاشیہ تبیین الحقائق، آداب الصلوۃ، ج1، ص108، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

(۱۳)علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

''والقیام حین قیل:حی علی الفلاح''ترجمہ:اور کھڑا ہونا جب کہا جائے'' حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ''

(نورالایضاح،فصل فی آداب الصلوۃ،ج1،ص59،المکتبۃ العصریہ،بیروت)

اس عبارت کے تحت خود ہی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:''من الأدب القیام أی قیام القوم والإمام إن کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل أی:وقت قول المقیم حی علی الفلاح أنه أمر به فیجاب وإن لم یکن حاضرا یقوم کل صف حین ینتهی إلیه الإمام فی الأظهر''ترجمہ:مستحبات میں سے امام اور مقتدیوں کا اس وقت کھڑا ہونا ہے اگر امام محراب کے قریب ہوا قامت کہنے والا جب'' حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ''کہے۔کیونکہ اُس نے کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے لہٰذا اس کی اجابت کی جائے۔اور اگر امام موجود نہ ہو تو اصح قول کے مطابق ہر وہ صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچ جائے۔

(مراقی الفلاح،فصل فی آدابہا،ج1،ص103،104،المکتبۃ العصریہ،بیروت)

(۱۴)فتاوی ہندیہ میں ہے:

''إِنْ کَانَ الْمُؤَذِّنُ غَیْرَ الْإِمَامِ وَکَانَ الْقَوْمُ مَعَ الْإِمَامِ فِی الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ یَقُومُ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ:حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ وَهُوَ الصَّحِیحُ فَأَمَّا إِذَا کَانَ الْإِمَامُ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَإِنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قِبَلِ الصُّفُوفِ فَکُلَّمَا جَاوَزَ صَفًّا قَامَ ذَلِكَ الصَّفُّ وَإِلَیْهِ مَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِیُّ وَالسَّرَخْسِیُّ وَشَیْخُ الْإِسْلَامِ خُوَاهَرْ زَادَهْ وَإِنْ کَانَ الْإِمَامُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ مِنْ قُدَّامِهِمْ یَقُومُونَ کَمَا رَأَی الْإِمَامَ وَإِنْ کَانَ الْمُؤَذِّنُ وَالْإِمَامُ وَاحِدٌ فَإِنْ أَقَامَ فِی الْمَسْجِدِ فَالْقَوْمُ لَا یَقُومُونَ مَا لَمْ یَفْرُغْ مِنَ الْإِقَامَةِ وَإِنْ أَقَامَ خَارِجَ الْمَسْجِدِ فَمَشَایِخُنَا اتَّفَقُوا عَلَی أَنَّهُمْ لَا یَقُومُونَ مَا لَمْ یَدْخُلِ الْإِمَامُ الْمَسْجِدَ''ترجمہ:اگر مؤذن اور امام علیحدہ علیحدہ ہوں(یعنی تکبیر امام نہ کہہ رہا ہو)،اور مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں موجود ہوں تو ہمارے علمائے ثلاثہ(امام ابوحنیفہ،امام ابو یوسف،امام محمد)کے نزدیک امام اور مقتدی اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن'' حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ''کہے۔اور یہی صحیح ہے۔البتہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اگر صفوں کی طرف سے مسجد میں داخل ہوا تو جس صف سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے۔شمس الائمہ حلوانی،امام سرخسی اور شیخ خواہر زادہ کا میلان اسی طرف ہے۔اور اگر امام سامنے سے مسجد میں آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔اور اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہو(یعنی خود امام ہی تکبیر کہے)اگر مسجد میں اقامت کہی تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔اور اگر اُس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو ہمارے مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ اُس وقت کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل ہو۔

(فتاوی ہندیہ،الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ،ج1،ص57،دار الفکر،بیروت)

(۱۵) اسی فتاوی ہندیہ میں ہے:

''إذَا دَخَلَ الرَّجُلُ عِنْدَ الْإِقَامَةِ يُكْرَهُ لَهُ الِانْتِظَارُ قَائِمًا وَلَكِنْ يَقْعُدُ ثُمَّ يَقُومُ إذَا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ قَوْلَهُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ . كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ '' ترجمہ: جب دورانِ اقامت کوئی شخص آئے تو کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر اُس وقت کھڑا ہو جب مؤذن '' حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ '' تک پہنچے۔ المضمرات میں ایسا ہی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة، ج1، ص57، دار الفکر، بیروت)

(۱۶) علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی (متوفی 1231ھ) فرماتے ہیں:

''وإذا أخذ المؤذن في الإقامة ودخل رجل المسجد فإنه يقعد ولا ينتظر قائما فإنه مكروه كما في المضمرات قهستاني و يفهم منه كراهة القيام إبتداء الإقامة والناس عنه غافلون '' ترجمہ: جب مؤذن نے اقامت شروع کی اور کوئی شخص داخل مسجد ہوا تو بیٹھ جائے، کھڑے رہ کر انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے۔ جیسا کہ المضمرات میں ہے۔ قہستانی۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، فصل فی آدابہا، ج1، ص278، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۷) عمدۃ المتأخرین علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

''(وَالْقِيَامُ) لِإِمَامٍ وَمُؤْتَمٍّ (حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) خِلَافًا لِزُفَرَ؛ فَعِنْدَهُ عِنْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ابْنُ كَمَالٍ (إنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ وَإِنْ) دَخَلَ مِنْ قُدَّامٍ حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ إلَّا إذَا أَقَامَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ فِي مَسْجِدٍ فَلَا يَقِفُوا حَتَّى يُتِمَّ إقَامَتَهُ ظَهِيرِيَّةٌ '' ترجمہ: (اور کھڑا ہونا) امام اور مقتدی کا (جب '' حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ '' کہا جائے) برخلاف امام زُفر کے۔ پس اُن کے نزدیک '' حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ '' کے وقت کھڑا ہو۔ ابن کمال (اگر امام محراب کے قریب ہو ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں اور اگر) امام سامنے سے آئے تو جیسے ہی لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں مگر جب امام نے خود مسجد میں اقامت کہی تو نہ کھڑے ہوں جب تک تکبیر مکمل نہ ہو جائے، ظہیریہ۔

(درمختار مع ردالمحتار، فصل فی بیان تالیف الصلوۃ الخ، ج1، ص479، دار الفکر، بیروت)

(۱۸) اس کے تحت خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

''(قَوْلُهُ حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) كَذَا فِي الْكَنْزِ وَنُورِ الْإِيضَاحِ وَالْإِصْلَاحِ وَالظَّهِيرِيَّةِ وَالْبَدَائِعِ وَغَيْرِهَا. وَالَّذِي فِي الدُّرَرِ مَتْنًا وَشَرْحًا عِنْدَ الْحَيْعَلَةِ الْأُولَى، يَعْنِي حِينَ يُقَالُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اهـ وَعَزَاهُ الشَّيْخُ إسْمَاعِيلُ

فِی شَرْحِهِ إِلَی عُیُونِ الْمَذَاهِبِ وَالْفَیْضِ وَالْوِقَایَةِ وَالنُّقَایَةِ وَالْحَاوِی وَالْمُخْتَارِ اھ۔
قُلْتُ: وَاعْتَمَدَهُ فِی مَتْنِ الْمُلْتَقَی، وَحَکَی الْأَوَّلَ بِ قِیلَ، لَکِنْ نَقَلَ ابْنُ الْکَمَالِ تَصْحِیحَ الْأَوَّلِ . وَنَصُّ عِبَارَتِهِ قَالَ فِی الذَّخِیرَةِ : یَقُومُ الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ" ترجمہ: ماتن کا یہ قول ("حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" پر کھڑے ہوں) ایسا ہی کنز، نورالایضاح، اصلاح اور ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اُس کی شرح دُرر میں ہے کہ امام اور مقتدی" حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ" کہنے کے وقت کھڑے ہوں، اور شیخ الاسلام نے اس کو اپنی شرح میں اسے عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ، حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں (علامہ شامی) کہتا ہوں: اور اسی پر متن "ملتقی" میں اعتماد کیا، اور پہلا قول "قِیلَ" سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح نقل کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن" حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہے ہمارے تینوں اماموں (امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد) کے نزدیک۔ (ردالمحتار، فصل فی بیان تالیف الصلوۃ الخ، ج1، ص479، دارالفکر، بیروت)

(۱۹) علامہ شامی ایک مقام پر فرماتے ہیں:
"وَیُکْرَهُ لَهُ الِانْتِظَارُ قَائِمًا، وَلَکِنْ یَقْعُدُ ثُمَّ یَقُومُ إِذَا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" ترجمہ: کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر تب کھڑا ہو جب مؤذن "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" پر پہنچے۔

(ردالمحتار، فائدہ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص400، دارالفکر، بیروت)

(۲۰) امام اہل سنت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں:
کھڑے ہو کر تکبیر سُننا مکروہ ہے، یہاں تک کہ علماء حکم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہو رہی ہے وہ اس کے تمام تک کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ مکبّر "حی علی الفلاح" تک پہنچے اُس وقت کھڑا ہو۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص380، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں:
یہ اُس صورت میں ہے کہ امام بھی وقتِ تکبیر مسجد میں ہو، اور اگر وہ حاضر نہیں تو مؤذن جب تک اُسے آتا نہ دیکھے تکبیر نہ کہے نہ اُس وقت تک کوئی کھڑا ہو لقولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لاتقوموا حتی ترونی (کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: تم نہ کھڑے ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔ت) پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو اس وقت دو صورتیں ہیں اگر امام صفوں کی طرف سے داخلِ مسجد ہو تو جس صفت سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے اور اگر سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ ہو لے مقتدی اصلاً کھڑے

نہ ہوں بلکہ اگر اس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو فراغ پر بھی کھڑے نہ ہوں جب وہ مسجد میں قدم رکھے اُس وقت قیام کریں۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص381، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بعض جزئیات میں "حی علی الصلوۃ" پر کھڑے ہونے کا ہے اور بعض میں "حی علی الفلاح" پر، امام اہل سنت ان جزئیات میں تطبیق دیتے ہوئے ہوئے فرماتے ہیں:

"اقول ولاتعارض عندی بین قول الوقایة واتباعها یقومون عند "حی الصلاۃ "والمحیط والمضمرات ومن معهما عند "حی علی الفلاح "فانا اذاحملنا الاول علی الانتهاء والآخر علی الابتداء اتحد القولان، ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاۃ ویأتی علی الفلاح وهذا مایعطیه قول المضمرات یقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح ولعل هذا اولی ممافی مجمع الانهر من قوله وفی الوقایة ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ ای قبیله "ترجمہ: میں کہتا ہوں: صاحبِ وقایہ اوران کے متبعین "حی علی الصلاۃ "کے موقع پر کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں اور صاحبِ محیط، مضمرات اوران کی جماعت "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جب ہم پہلے قول کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قولوں میں اتحاد حاصل ہوجاتا ہے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ "پورا کرکے حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اوراس کی تائید مضمرات کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن "حی علی الفلاح "پر پہنچے اور یہ اس سے بہتر ہے جو مجمع الانہر میں اس قول کے بارے میں ہے: وقایہ میں ہے کہ امام اور نمازی "حی علی الصلاۃ "کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے تھوڑا سا پہلے۔

(فتاوی رضویہ، ج5، ص380 تا 381، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(۲۱) صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

اِقامت کے وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے، بلکہ بیٹھ جائے جب حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔ یوہیں جولوگ مسجد میں موجود ہیں، وہ بھی بیٹھے رہیں، اس وقت اٹھیں، جب مکبّر حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر پہنچے، یہی حکم امام کے لیے ہے۔ آج کل اکثر جگہ رواج پڑ گیا ہے کہ وقت اِقامت سب لوگ کھڑے رہتے ہیں بلکہ اکثر جگہ تو یہاں تک ہے کہ جب تک امام مُصلّے پر کھڑا نہ ہو، اس وقت تک تکبیر نہیں کہی جاتی، یہ خلاف سنت ہے۔

(بہار شریعت، ج1، حصہ 3، ص471، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اقامت بیٹھ کر سننے کے بارے میں حدیث پاک اور صحابہ وتابعین کے آثار:

(۱) مسند بزار، سنن کبری للبیہقی، مجمع الزوائد، المطالب العالیہ لابن حجر، کنز العمال بحوالہ طبرانی اور جامع صغیر لسیوطی حدیث کی ان تمام کتابوں میں سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ إِذَا قَالَ بِلَالٌ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ نَهَضَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم فَكَبَّرَ)) ترجمہ: بلال جب اقامت میں "قد قامت الصلوۃ" کہنے لگتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوتے، پھر اس کے بعد "الله اکبر" کہتے۔

(مسند البزار، مسند عبد اللہ بن ابی اوفی عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ج8، ص298، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ ☆ السنن الکبیر للبیہقی، باب من زعم انہ یکبر الخ، ج2، ص35، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ مجمع الزوائد، باب اذا اقیمت الصلوۃ فلا یصلی غیرہا، ج2، ص5، مکتبۃ القدسی، القاہرہ ☆ المطالب العالیہ بزوائد المسانید لابن حجر، باب متی یقام الی الصلوۃ، ج3، ص847، دار العاصمہ، عرب ☆ الجامع الصغیر للسیوطی، باب کان وہی الشمائل الشریفہ، ج2، ص340، دار الفکر، بیروت ☆ کنز العمال بحوالہ طبرانی، الفصل الثانی فی الصلوۃ وآدابہا وسننہا، ج7، ص54، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(۲) مصنف عبدالرزاق میں ہے: ((عَنْ عَطِيَّةَ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمَّا أَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْإِقَامَةِ قُمْنَا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: اجْلِسُوا فَإِذَا قَالَ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ فَقُومُوا)) ترجمہ: حضرت عطیہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو جوں ہی مؤذن نے اقامت شروع کی ہم کھڑے ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، جب مؤذن "قدقامت الصلوۃ" کہنے لگے اس وقت کھڑے ہونا۔

(مصنف عبدالرزاق، باب قیام الناس عند الاقامۃ، ج1، ص506، المکتب الاسلامی، بیروت)

(۳) حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ((انَّ عُثْمَانَ كَانَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ كَمَا يَقُولُ فِي التَّشَهُّدِ وَالتَّكْبِيرِ كُلِّهِ فَإِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ: مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، وَإِذَا قَالَ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَالَ: مَرْحَبًا بِالْقَائِلِينَ عَدْلًا وَبِالصَّلَاةِ مَرْحَبًا وَأَهْلًا، ثُمَّ يَنْهَضُ إِلَى الصَّلَاةِ)) ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ جب مؤذن کو تشہد اور تمام تکبیرات کہتے سنتے تو ویسا ہی کہتے جیسا مؤذن کہتا، جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہتا تو آپ کہتے "مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" اور جب مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہتا تو آپ کہتے "مَرْحَبًا بِالْقَائِلِينَ عَدْلًا وَبِالصَّلَاةِ مَرْحَبًا وَأَهْلًا" پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ما یقول الرجل اذا سمع الاذان، ج1، ص206، مکتبۃ الرشد، ریاض ☆ فتح الباری لابن رجب، باب ما یقول اذا سمع المنادی، ج5، ص254، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ)

(۴) حضرت عبید اللہ بن ابی یزید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:
((رَأَيْتُهُ فِي حَوْضِ زَمْزَمَ الَّذِي يُسْقَى فِيهِ الْحَاجُّ وَالْحَوْضُ يَوْمَئِذٍ بَيْنَ الرُّكْنِ وَزَمْزَمَ، فَأَقَامَ الْمُؤَذِّنُ الصَّلَاةَ فَلَمَّا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَامَ حُسَيْنٌ حِينَ قَالَ الْمُؤَذِّنُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: میں نے آپ کو زمزم کے حوض میں دیکھا جس سے حاجیوں کو پانی پلایا جاتا ہے۔ اور اُس روز حوض رکن اور زمزم کے درمیان تھا۔ مؤذن نے نماز کے لئے اقامت کہی، جب مؤذن نے "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہا تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے۔

(اخبار مکۃ للفاکھی، ذکر ما کان علیہ حوض الخ، ج2، ص70، دار خضر، بیروت)

(۵) امام بیہقی فرماتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ إِذَا قِيلَ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ وَثَبَ فَقَامَ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ وَهُوَ قَوْلُ عَطَاءٍ وَالْحَسَنِ)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہا گیا تو آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کے بارے میں آتا ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور یہ عطا اور حسن کا قول ہے۔

(السنن الکبری للبیہقی، باب متی یقوم المأموم، ج2، ص32، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۶) حضرت معاویہ بن قرہ (تابعی) فرماتے ہیں: ((كَانُوا يَكْرَهُونَ أَنْ يَنْهَضَ الرَّجُلُ إِلَى الصَّلَاةِ حِينَ يَأْخُذُ الْمُؤَذِّنُ فِي إِقَامَتِهِ)) ترجمہ: (صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اسے مکروہ جانتے کہ جیسے ہی مؤذن اقامت شروع کرے کوئی شخص نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ (مصنف عبد الرزاق، باب قیام الناس عند الاقامۃ، ج1، ص506، المکتب الاسلامی، بیروت)

(۷) امام ترمذی فرماتے ہیں:
((وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الْإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَإِنَّمَا يَقُومُونَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ)) ترجمہ: صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے کھڑے ہو کر امام کے انتظار کو مکروہ کہا، بعض علما فرماتے ہیں: جب امام مسجد ہی میں ہو اور تکبیر کہی جائے تو لوگ اُس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن کہے "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" یہ عبد اللہ ابن مبارک کا قول ہے۔

(جامع ترمذی، باب کراھیۃ ان ینتظر الناس الامام وھم الخ، ج2، ص487، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

(۸) ابن جُریج کہتے ہیں: ((قُلْتُ لِعَطَاءٍ إِنَّهُ يُقَالُ: إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ فَلْيَقُمِ النَّاسُ حِينَئِذٍ قَالَ: نَعَمْ)) ترجمہ: میں نے عطاء سے پوچھا کہ کہا جاتا ہے جب مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ اُس وقت

کھڑے ہو جائیں، آپ نے فرمایا: جی ہاں۔ (مصنف عبد الرزاق، باب قیام الناس عند الاقامۃ، ج 1، ص 505، المکتب الاسلامی، بیروت)

(۹) ہشام کہتے ہیں: ((عَنِ الْحَسَنِ، كَرِهَ إِنْ يَقُومَ الْإِمَامُ حَتَّى يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: حضرت حسن کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے امام کا کھڑا ہونا ناپسند کیا جب تک مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" نہ کہے۔

(مصنف ابن شیبہ، فی الامام متی یکبر اذا قال المؤذن: قد قامت، ج 1، ص 356، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(۱۰) علامہ ابن عبد البر نقل کرتے ہیں: ((عن الحسن وبن سیرین أَنَّهُمَا كَانَا يَكْرَهَانِ أَنْ يَقُومَا حَتَّى يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کھڑا ہونا ناپسند کرتے یہاں تک کہ مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہے۔ (الاستذکار، باب ما جاء فی النداء للصلاۃ، ج 1، ص 391، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۱) حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: ((كَانَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَامَ)) ترجمہ: جب مؤذن "حيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہے تو امام کھڑے ہو جائے۔ (مصنف ابن شیبہ، فی الامام متی یکبر اذا قال المؤذن: قد قامت، ج 1، ص 356، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(۱۲) ابو عُبید کہتے ہیں: ((سمعتُ عُمَرَبْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ بِخَنَاصِرَةَ يَقُولُ: حِينَ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قُومُوا قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو خناصرہ میں یہ فرماتے ہوئے سُنا: جب مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہے تو تم کھڑے ہو جاؤ۔ (مصنف ابن شیبہ، فی الامام متی یکبر اذا قال المؤذن: قد قامت، ج 1، ص 356، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(۱۳) امام ابو یوسف فرماتے ہیں: ((عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ طَلْحَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَامَ الْقَوْمُ فِي الصُّفُوفِ)) ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضرت طلحہ سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں، آپ نے فرمایا: جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو مقتدی صفوں میں کھڑے ہو جائیں۔ (الآثار لابی یوسف، باب الاذان، ج 1، ص 19، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۴) امام محمد شیبانی فرماتے ہیں: ((أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ مُصَرِّفٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ أَنْ يَقُومُوا فَيَصُفُّوا، فَإِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ كَبَّرَ الْإِمَامُ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَإِنْ كَفَّ الْإِمَامُ حَتَّى يَفْرُغَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ إِقَامَتِهِ ثُمَّ كَبَّرَ، فَلَا بَأْسَ بِهِ أَيْضًا كُلُّ ذَلِكَ حَسَنٌ)) ترجمہ: ہمیں امام ابو حنیفہ نے بتایا، وہ کہتے ہیں ہمیں طلحہ بن مصرف نے ابراہیم نخعی کے حوالہ سے بیان کیا، آپ فرماتے ہیں: جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ کھڑے ہو جائیں اور صف بنائیں، پھر جب مؤذن "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کہے تو امام تکبیر کہے۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور اگر امام مؤذن کے اقامت سے فارغ ہونے تک انتظار کرے پھر تکبیر تحریمہ کہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ

25/25

نہیں۔ یہ سارے طریقہ اچھے ہیں۔
(الآثار لمحمد بن الحسن، باب الاذان، ج1، ص107، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۵) موطا امام محمد میں ہے:

((قَالَ مُحَمَّدٌ يَنْبَغِي لِلْقَوْمِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ أَنْ يَقُومُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَيَصُفُّوا)) ترجمہ: امام محمد نے فرمایا: جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ نماز کے لئے کھڑے ہو کر صف باندھیں۔

(موطا امام محمد، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص56، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

دورانِ اقامت کھڑے ہونے وقت کے بارے میں دیگر ائمہ کے مذاہب

شوافع کا موقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

حکم مسئلہ میں شوافع کا مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کے لئے مستحب ہے کہ جب تک مؤذن، اقامت سے فارغ نہ ہو جائے، نہ کھڑے ہوں، اور جب فارغ ہو جائے تو فوراً کھڑے ہو جائیں۔

(المجموع شرح المہذب، باب صفۃ الصلوۃ، ج3، ص253، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

فرض نماز کے لئے اُس وقت کھڑا ہونا مستحب کہ جب مؤذن "قد قامت الصلاۃ" کہے۔ کیونکہ یہ قیام کی طرف بلانا ہے لہذا اس کی طرف سبقت کرنا مستحب ہے۔
(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلوۃ، ج1، ص242، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

امام مالک نے کتاب میں فرمایا: جب تکبیر کہی جائے تو نمازیوں کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے کیونکہ ان میں تندرست اور کمزور ہر طرح کے افراد ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: جب مؤذن "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو امام کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ (بھلائی کی طرف) سبقت کا حکم ہے لہذا اس کی پیروی کرے۔ اور امام زُفر نے فرمایا: "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کے وقت کھڑا ہو۔ اور امام مالک نے مجموعہ میں فرمایا: اس وقت کھڑے ہوں کہ اِدھر اقامت ختم ہو اُدھر صفیں سیدھی ہو جائیں۔

(الذخیرہ للقرافی، الفصل الخامس فی الاقامۃ، ج2، ص78، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

اقامت کے بعد صفیں سیدھی کروانا:

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقامت کے بعد صفوں کو درست فرمایا کرتے:

امام بیہقی روایت کرتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ عَلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اقامت ہوجانے کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے چہرۂ انور کے ساتھ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: صفیں سیدھی کرواور مل کر کھڑے ہو کہ میں تمہیں پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، باب لا یکبر الإمام حتی یأمر بتسویۃ الصفوف خلفہ، ج2، ص33، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یہی حدیث پاک صحیح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي)) ترجمہ: نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رُخ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور مل کر کھڑے ہو، پس بلاشبہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح بخاری، باب اقبال الامام الی الناس عند تسویۃ، ج1، ص145، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

سندِ حدیث پر کلام:

مغلطای بن قلیج بن عبداللہ البکجری المصری حنفی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: ((إذا أذنت فترسل في أذانك وإذا أقمت فاحدر واجعل بين أذانك وإقامتك قدر ما يفرغ الأكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته)) ترجمہ: جب تم اذان کہو تو کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو اور اقامت کہو تو کلمات جلدی جلدی کہو، اور اذان اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانا کھانے والا کھانے سے، پانی پینے والا پینے سے اور قضائے حاجت کے لئے جانے والا اپنی حاجت سے فارغ ہوجائے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی ابوبکر بن اسحاق، علی بن عبدالعزیز، علی بن حماد بن ابوطالب، عبدالمنعم بن نعیم رماحی، عمرو بن فاید اُسواری، یحییٰ بن مسلم کے واسطہ سے امام حسن اور عطا سے روایت کیا، اور امام حاکم نے فرمایا: اس حدیث کی سند میں عمرو بن فاید اُسواری کے علاوہ کوئی مطعون (جس کے متعلق طعن کیا گیا ہو) نہیں، اور باقی مشائخ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ اور

یہ غریب حدیث ہے مجھے اس حدیث کی اس کے علاوہ کوئی سند معلوم نہیں ہے اور امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی۔ اور امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت جابر کی اس حدیث کو ہم فقط عبدالمنعم کی ذریعہ سے جانتے ہیں، اور یہ ایک مجہول سند ہے، اور ابو علی طوسی نے اپنے احکام میں ایسا ہی کہا ہے۔ اور امام بغوی نے فرمایا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور یہ اذان کے طریقہ کے متعلق حسن ہے۔ اور امام بیہقی نے ''الکبیر'' میں فرمایا: اس حدیث کی سند میں نظر ہے، امام حاکم کا کلام ختم ہوا۔

امام حاکم کے کلام کے دو مقام محل غور ہیں:

(1) ایک امام حاکم کا یہ قول "ليس في إسناده مطعون فيه" (یعنی اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں جس پر جرح کی گئی ہو) حالانکہ عبدالمنعم بن نعیم کے متعلق امام ابوحاتم رازی نے "منكر الحديث" کہہ کر طعن کیا ہے۔ اور امام ابن حبان نے فرمایا: یہ نہایت ''منكر الحديث'' ہے اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ہے۔ اور امام دارقطنی نے فرمایا: یہ ضعیف ہے۔ اور امام بخاری نے فرمایا: وہ "منكر الحديث" ہے۔ اور ابو جعفر نے اس کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور امام ساجی نے فرمایا: وہ ضعیف تھا اگرچہ ابن سعد نے یہ کہا کہ وہ ثقہ ہے ان شاء اللہ۔ اور ابوالحسن نے کہا: وہ بصرہ کا رہنے والا اور ثقہ تھا۔

اور جہاں تک یحیی بن مسلم کا تعلق ہے، وہ ابو مسلم بکاء بصری ہیں گو ابن سعد نے یہ کہا ہے وہ ثقہ ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور ابوالحسن نے فرمایا: وہ بصری اور ثقہ تھے۔ جب ابوزرعہ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "ليس بقوي" یعنی وہ قوی نہیں۔ اور ابوحاتم نے کہا: ایک شیخ سے پوچھا گیا آپ کے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہے یا ابو حباب؟ اُنہوں نے جواب دیا: نہ یہ اور نہ یہ (یعنی کوئی محبوب نہیں)، اُن سے پھر پوچھا گیا کہ اگر کسی باب میں ان کے علاوہ کوئی راوی نہ ہو تو ان میں سے کس کی حدیث کو لکھا جائے؟ اُنہوں نے کہا: کسی کی حدیث کو نہیں لکھا جائے گا۔ اور قواریری نے کہا: یحیی کو امام یحیی ابن معین نے پسند نہیں کیا اور وہ ثقہ راوی نہیں۔ اور برقی کی روایت میں ہے: وہ ضعیف راوی ہے۔ اور حضرت عباس کی روایت میں بشر بن حرب ہے وہ مجھے بکاء جیسے سینکڑوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔

اور عقیلی نے اس کو "الضعفاء" میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح ایک راوی یعقوب بن سفیان ہیں، ابوالقاسم بلخی نے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ اور محمد بن واسع کے بارے میں مذکور ہے کہ اُنہوں نے اُس کے متعلق سخت کلام کیا ہے۔ اور عبدالرحمٰن نسائی اور ازدی نے کہا: وہ "متروك الحديث" ہے۔ اور علی بن جنید نے کہا: وہ "مختلط" ہے۔ اور دارقطنی نے کہا: وہ ضعیف راوی ہے۔ اور ابن حبان نے کہا: وہ معضل حدیثیں ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے، اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ہے۔ اور ابن سمعانی نے کہا: وہ معضل اور منکر حدیثوں کو روایت کرتا تھا۔ اور ابوالعرب نے اس کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور

ابوعمر بن فاید کومحدثین کی ایک جماعت نے وضع حدیث کے ذریعہ متہم کیا ہے،اُن میں علی بن مدینی بھی شامل ہیں،اور جب اسے ابوالقاسم نے اوسط میں روایت کیا تو اس میں عبدالمنعم بن نعیم رماحی خارج ہوگیا،کہا ہمیں یحیی نے بیان کیا،اگر یہ الفاظ صحیح ہیں تو اس سے اوراس کی طرف سے سنا ہوگا،و الله تعالیٰ اعلم۔

(2)دوسرا یہ کہ امام حاکم نے حدیث السنۃ کوغریب سمجھا،حالانکہ اس کے راوی دارقطنی کے پاس عمرو بن سمر کے طریق سے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں،حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:((كان رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم يأمرنا أن نرسل الأذان ونحدر الإقامة)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں حکم فرماتے کہ ہم اذان آہستہ آہستہ اوراقامت جلدی جلدی پڑھیں۔اور جب اس کوامام طبرانی نے''معجم الاوسط''میں ذکر کیا تو فرمایا:اس حدیث کوعمرو بن شمر سے ابومعاویہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا۔اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فقط اس سند کے ساتھ مروی ہے۔اور ابونعیم کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے،ہمیں مرحوم بن عبدالعزیز اپنے والد سے اوروہ بیت المقدس کے مؤذن ابوالزبیر سے راوی ہیں،وہ فرماتے ہیں: ((جاء نا عمر بن الخطاب رضی الله تعالى عنه فقال:إذا أذنت فترسّل، وإذا أقمت فاحدر)) ترجمہ:ہمارے پاس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اورفرمایا:جب تم اذان کہوتو کلمات ٹھہر ٹھہر کرادا کرواوراقامت کہوتو جلدی جلدی کہو۔

اس حدیث کوامام ثوری اورشعبہ نے مرحوم سے روایت کیا ہے،وہ کہتے ہیں ہمیں ابن زرعہ نے ابن ابی جعفر کے حوالہ سے حدیث بیان کی اوروہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:((أنه كان يرتل فی أذانه ويحدر الإقامة)) آپ اپنی اذان میں ترتیل کرتے اوراقامت میں حدر کرتے۔اورہمیں مسعر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث بیان کی:((أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:كان إذا أقام المؤذن وهو يأكل لم يقم حتى يفرغ من طعامه)) ترجمہ: کہ جب مؤذن اقامت کہتااور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول فرمارہے ہوتے تو آپ اُٹھتے نہیں جب تک کھانے سے فارغ نہ ہوجائیں۔اس حدیث کوابوالقاسم نے الاوسط میں امام احمد بن محمد بن صدقہ سے روایت کیا،وہ کہتے ہیں:ہمیں سلیمان رحاوی نے حدیث بیان کی،وہ کہتے ہیں ہمیں معاویہ بن ہشام نے حدیث بیان کی،وہ کہتے ہیں ہمیں سفیان نے ہشام سے اوراُنہوں نے اپنے والد سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے حدیث بیان کی،اورفرمایا:اس کوسفیان سے معاویہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔

اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:((يا بلال اجعل بين أذانك وإقامتك نفسًا قدر ما يفرغ الأكل من طعامه على مهل، ويقضى المعتصر حاجته فی مهل)) ترجمہ:اے بلال!اپنی اذان وتکبیر کے درمیان اتنا فاصلہ کروکہ کھانے والا اپنے کھانے سے اورپینے والا اپنے پینے سے اورقضائے حاجت

والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے۔

ابو طالب نے ابو عبداللہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے شدید انکار کیا اور معارک بن عباد العبدی نے کہا: یعنی عبداللہ بن سعید بن ابو سعید کی جو حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت ہے، میں اس کو نہیں جانتا۔ اور عبداللہ بن سعید ابو عباد "منکر الحدیث اور متروك الحدیث " ہے۔ اور امام بیہقی نے فرمایا: اور ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ اور وہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔

اور عبداللہ کی زیادات میں حفص بن عمر رمانی، محمد بن راشد ضریر، معارک بن عباد، یحییٰ باہلی، ابن بنت ابی الجوزاء کے واسطہ سے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے ارشاد فرمایا: ((اجعل بين آذانك وإقامتك قدر ما يقضي المعتصر حاجته ويفرغ الأكل من طعامه)) ترجمہ: اپنی اذان و تکبیر کے درمیان اتنا فاصلہ کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے اور پینے والا اپنے پینے سے اور قضائے حاجت والا جب حاجت کو جائے تو فارغ ہو جائے۔ اور حضرت سلمان کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: ((اجعل بين أذانك وإقامتك نفسًا حتى يقضي المتوضىء حاجته في مهل أو يفرغ الأكل من طعامه في مهل)) ترجمہ: اپنی اذان و تکبیر کے درمیان اتنا فاصلہ کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے اور پینے والا اپنے پینے سے اور قضائے حاجت والا جب حاجت کو جائے تو فارغ ہو جائے۔ اسے ابو شیخ نے اس سند سے ذکر کیا ہے: المعارک ابن عن یحییٰ بن أبي الفضل أحسبه عن سلمان۔ اور امام بیہقی کی السنن الکبریٰ میں ابو النضر کے حوالہ سے اس کی مثل حدیث ہے، اور اس پر یہ حکم لگایا گیا ہے کہ اُس کی سند جید ہے۔

(شرح ابن ماجہ لمغلطائی، باب السنۃ فی الاذان، ج 1، ص 1124 تا 1127، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، عرب)

باب نمبر142

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِدْخَالِ الإِصْبَعِ فِي الأُذُنِ عِنْدَ الأَذَانِ

اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں داخل کرنا

197- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ:حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ:أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ:رَأَيْتُ بِلَالًا يُؤَذِّنُ وَيَدُورُ وَيُتْبِعُ فَاهُ هَاهُنَا، وَهَاهُنَا، وَإِصْبَعَاهُ فِي أُذُنَيْهِ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ لَهُ حَمْرَاءَ أُرَاهُ قَالَ:مِنْ أَدَمٍ فَخَرَجَ بِلَالٌ بَيْنَ يَدَيْهِ بِالْعَنَزَةِ فَرَكَزَهَا بِالْبَطْحَاءِ، فَصَلَّى إِلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ، وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَرِيقِ سَاقَيْهِ قَالَ سُفْيَانُ:نُرَاهُ حِبَرَةً.قَالَ ابوعيسىٰ حَدِيثُ أَبِي جُحَيْفَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ،يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُدْخِلَ الْمُؤَذِّنُ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ فِي الأَذَانِ "وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ :وَفِي الإِقَامَةِ أَيْضًا يُدْخِلُ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ الأَوْزَاعِيِّ -وَأَبُو جُحَيْفَةَ، اسْمُهُ

حضرت ابوجُحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ آپ اذان دیتے اور گھومتے (یوں کہ) اپنے چہرے کو دائیں بائیں پھیرتے اس حال میں اُن کی انگلیاں کانوں میں تھیں۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سُرخ خیمہ میں تشریف فرما تھے۔(راوی بیان کرتے ہیں) میرا خیال ہے، اُنہوں فرمایا: چمڑے کے بنے ہوئے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیزہ لے کر نکلے اور اُسے چٹیل میدان میں آپ کے سامنے گاڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی، آپ کے سامنے سے کتے اور گدھے گزر رہے تھے۔اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سُرخ لباس پہنے ہوئے تھے گویا آپ کی پنڈلیوں کی چمک (کا منظر اب بھی) میری نگاہوں میں ہے۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: ہمارا خیال ہے کہ وہ حُلہ ''یمنی چادر'' ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوجُحیفہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

علماء کا اسی پر عمل ہے کہ مؤذن کا دورانِ اذان اپنی انگلیوں کو کان میں ڈالنا مستحب ہے۔بعض علماء کے نزدیک اقامت میں بھی انگلیاں کانوں میں داخل کرے۔امام اوزاعی کا یہی قول ہے۔

وَہْبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ السُّوَائِيُّ — ابو جُحیفہ کا نام وہب السوائی ہے۔

تخریج حدیث 197: (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الطہارۃ، باب فی فضل الصلوات الخمس، 1 /318، حدیث 725، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شرح حدیث

کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی حکمتیں:

((اپنے کانوں میں)) یعنی کانوں کے سُراخ میں۔امام طیبی فرماتے ہیں: شاید اس میں حکمت یہ ہے کہ جب کانوں کے سُراخوں کو بند کرلے گا تو خود بلند آواز ہی سُنے گا اور بہرے کی طرح اپنی آواز دور تک پہنچانے کی کوشش کرے گا۔بعض نے کہا اس سے بہرے کو اذان ہونا معلوم ہو جائے گا اور یہ اعلان میں زیادہ بلیغ ہے۔علامہ ابن حجر کہتے ہیں: اقامت میں یہ چیز سنت نہیں، کیونکہ اس میں اعلان زیادہ مبالغہ سے کرنے کی حاجت نہیں کہ سامعین موجود ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص555، دار الفکر، بیروت)

دوران اذان کانوں میں انگلیاں ڈالنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

مؤذن بطورِ استحباب کے اپنی کانوں کے سوراخوں میں انگلیاں ڈالے گا، اس کے بغیر بھی اذان دینا بھی اچھا ہے لیکن اس کے ساتھ زیادہ اچھا ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، باب الاذان، ج1، ص388، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن عابدین امین شامی فرماتے ہیں:

(مؤذن اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالے) کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم فرمایا: ((اجْعَلْ أُصْبُعَيْكَ فِي أُذُنَيْكَ فَإِنَّهُ أَرْفَعُ لِصَوْتِكَ)) اذان کے وقت اپنی انگلیاں کانوں میں کرلو کہ اس کے سبب آواز زیادہ بلند ہوگی۔اگر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے تو بھی اچھا ہے، کیونکہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی چار انگلیاں ملائیں اور اُنہیں اپنے کانوں پر رکھ لیا۔یوں ہی ایک ہاتھ رکھنا بھی اچھا ہے جیسا کہ امام اعظم سے منقول ہے۔امداد، قہستانی بحوالہ تحفہ۔

(اس کے بغیر اذان حسن ہے) یہ کانوں کے سوراخوں میں انگلیاں ڈالنے کے مستحب ہونے پر تفریع ہے۔بحر الرائق میں لکھا ہے: بیانِ علت کے قرینہ کی بنا پر مذکورہ حدیث میں "امر" استحباب کے لئے ہے۔لہذا اگر کوئی کانوں میں انگلیاں نہ رکھے تو بھی حسن ہے۔اگر کہا جائے کہ سنت چھوڑنے سے اذان "حسن" کیسے ہو جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سنت کے

ساتھ اذان ''اَحسن'' ہے تو اگر اس کو ترک کر دیا تو اذان ''حسن'' رہ جائے گی۔ کافی میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، باب الاذان، ج1، ص388، دار الفکر، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

کانوں میں انگلیاں ڈالنا اذان کی سنت ہے تاکہ آواز بلند ہو، اقامت میں یہ سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ قنیہ میں ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ، ج1، ص56، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

(اپنی انگلیاں ملا کر کانوں کے پر رکھ لے) امام احمد سے مشہور روایت یہ ہے کہ مؤذن اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں کرے گا، اور علما کا اسی پر عمل ہے، اُن کے نزدیک مستحب ہے کہ مؤذن اپنی انگلیاں، کانوں میں رکھ لے، کیونکہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال نے اذان کہی اور (دورانِ اذان) کانوں میں انگلی رکھ لی۔ (بخاری و مسلم) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن حضرت سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم فرمایا کہ (اذان کے وقت) انگلیاں کانوں میں دے لیں۔ مزید فرمایا: بے شک یہ عمل تمہاری آواز کو بلند کرنے والا ہے۔ اور ابو طالب نے امام احمد سے نقل کیا، آپ فرماتے ہیں: میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ ہاتھوں کو کان پر رکھ لے، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث کے مطابق: ((وَضَمَّ أَصَابِعَهُ الْأَرْبَعَ وَوَضَعَهَا عَلَى أُذُنَيْهِ)) یعنی آپ نے چاروں انگلیاں ملائیں اور اُنہیں کانوں پر رکھ لیا۔

اور ابو حفص نے ابن بطہ سے نقل کیا، آپ فرماتے ہیں: میں نے ابو القاسم خرقی سے اس کے طریقہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے دونوں ہاتھ دکھائے اور اپنی انگلیاں ہتھیلیوں کے ساتھ ملا لیں اور پھر اُنہیں کانوں پر رکھ لیا۔

قاضی نے اس مسئلہ کے لئے اُس حدیث سے استدلال کیا جو ابو حفص نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی کہ آپ جب کسی مؤذن کو (اذان دینے کے لئے) بھیجتے تو اُس سے فرماتے: ((اُضْمُمْ أَصَابِعَكَ مَعَ كَفَّيْكَ وَاجْعَلْهَا مَضْمُومَةً عَلَى أُذُنَيْكَ)) ترجمہ: اپنی انگلیاں ہتھیلیوں کے ساتھ ملا کر اپنے کانوں پر رکھ لو۔ اور اُس حدیث سے استدلال کیا جو امام احمد نے ابو محذورہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی، کہ وہ اپنی انگلیاں ملایا کرتے تھے۔ پہلی دلیل زیادہ مستند ہے کیونکہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اور اس پر علما کا عمل بھی ہے۔ اور مؤذن ان دونوں میں سے کسی کو بجا لائے تو بھی اچھا ہے

اور کوئی طریقہ اختیار نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل یبتغی ان یؤذن قائما، ج1، ص307، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا: انگلیاں کانوں کے سُراخ میں رکھنا اچھا ہے۔ ماوردی نے کہا: ایسا ہی ہے جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا، عمر بن حفص، عمار بن سعد القرظ سے اور وہ اپنے والد کے بواسطہ اپنے دادا سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کرتے: ((إِذَا أَذَّنْتَ فَأَدْخِلْ أُصْبُعَيْكَ فِي أُذُنَيْكَ فَإِنَّهُ أَرْفَعُ لِصَوْتِكَ)) ترجمہ: جب تم اذان دیا کرو تو اپنی انگلیاں کانوں میں رکھ لیا کرو کہ اس کے سبب آواز زیادہ بلند ہوگی۔ ایک دلیل یہ ہے کہ مؤذن جب کانوں میں انگلیاں رکھے گا تو بہرے کو اُس کے فعل سے اور سُننے والے کو اُس کے قول سے اذان کی خبر ہو جائے گی تو مؤذن اعلان کو زیادہ پہنچانے والا قرار پائے گا۔ ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ جب مؤذن کانوں میں انگلیاں رکھے گا تو اُس کے کان بند اور آواز مُنہ میں جمع ہو جائے گی پھر وہ اپنی آواز اور اونچی اور اعلان میں زیادہ مبالغہ کرے گا۔

(الحاوی الکبیر، مسئلہ: قال الشافعی وحسن ان یضع اِلخ، ج2، ص45، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

دورانِ اقامت انگلیاں کانوں میں رکھنا مستحب نہیں ہے۔ امام رُویانی نے الحلیۃ وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(المجموع شرح المہذب، باب الاذان، ج3، ص108، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابوالقاسم محمد بن احمد کلبی غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

انگلیاں کانوں میں رکھنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک مستحب ہے۔

(القوانین الفقہیۃ، الباب الرابع فی المساجد ومواضع الصلاۃ، ج1، ص37، مطبوعہ بیروت)

شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

"المُدَوَّنۃ" میں فرمایا: مؤذن چاہے تو اذان و اقامت کے دوران انگلیاں کانوں میں رکھے چاہے تو نہ رکھے۔ ابن ناجی نے فرمایا: امام مالک سے جو انگلیاں کانوں میں رکھنے کی اجازت مذکور ہے وہ صرف اذان میں ہے اور اور علامہ ابن قاسم نے اس کے ساتھ اقامت کو بھی لاحق کیا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ مؤذن کے لئے مستحب ہے، یہ ابومحمد نے ابن حبیب کے حوالہ سے

کہا ہے۔(عبارت ختم ہوئی)اور جب اذان میں مستحب ہے تو اقامت میں بھی مستحب ہے، جیسا کہ ابن قاسم نے اقامت میں اس کے جائز ہونے کا اذان میں جائز ہونے پر قیاس کیا ہے۔''الطراز''میں فرمایا: اور یہ صحیح ہے کیونکہ اقامت بھی ایک طرح کی اذان ہے۔ جب دورانِ اذان کانوں میں انگلیاں رکھنا جائز ہے تو اقامت میں بھی جائز ہے کیونکہ یہ اقامت میں مُخِل(خلل انداز)نہیں جس طرح اذان میں خلل انداز نہیں۔(الطراز کی عبارت ختم ہوئی)نیز کانوں میں انگلیاں رکھنا آواز پہنچانے میں زیادہ مبالغہ کا باعث بنتا ہے۔اور جو ابن ناجی نے ابن حبیب سے نقل کیا اُسے اُنہوں نے نوادر میں نقل کیا ہے۔اور صاحب طراز نے اس کے استحباب کو سوائے امام شافعی کے کسی سے نقل نہیں کیا۔پھر اُنہوں نے فرمایا: امام مالک کا قول راجح ہے کیونکہ اگر یہ اچھا عمل ہوتا تو مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ضرور جاری ہوتا۔(عبارت ختم ہوئی)اور اس سے پہلے ابن قاسم کے حوالے سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے مدینہ کے مؤذنین کو دیکھا وہ دورانِ اذان کانوں میں انگلیاں نہیں رکھتے تھے۔ اور التوضیح میں ابن قاسم کے حوالہ سے لکھا ہے، آپ نے فرمایا: میں نے مدینہ کے مؤذنوں کو کانوں میں انگلیاں رکھتے دیکھا ہے۔ اور ابن فرحون نے ان کی اتباع کی۔گویا کہ اُن سے "لَا" ساقط ہوگیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، تنبیہ الاذان خلف المسافر، ج1، ص439، دار الفکر، بیروت)

دائیں بائیں چہرہ گھمانے کے بارے میں مذاہب

احناف کا مؤقف:

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

(اذان میں پھرے)یوں ہی اقامت میں مطلقاً، اور کہا گیا اگر جگہ میں گنجائش ہو(دائیں بائیں)فقط، تاکہ قبلہ کو پیٹھ نہ ہو(حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے وقت)اگرچہ تنہا ہو یا بچے کے کان میں اذان کہی ہو، کیونکہ پھرنا اذان کی سنت ہے مطلقاً((اور منارہ میں گھومے))اگر گنجائش ہو اور اپنا سر منارے سے باہر نکالے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، باب الاذان، ج1، ص387، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

(اذان کے دوران پھرے)یعنی اپنے چہرہ پھیرے، سینہ نہ پھیرے۔قہستانی۔اور نہ ہی قدموں کو پھیرے، نہر(اور اقامت میں مطلقاً پھرے)خواہ جگہ میں گنجائش ہو یا نہ ہو(تاکہ پیٹھ نہ ہو جائے)یہ "فَقَط" کی علت کا بیان ہے۔یعنی پیچھے کی جانب مت پھرے تاکہ مؤذن یا اقامت کہنے والے کی قبلہ کی جانب پیٹھ نہ ہو جائے(حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلٰی

الْفَلَاحِ کہتے ہوئے) لف ونشر مرتب ہے۔یعنی حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ داہنے طرف منہ کر کے کہے اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ بائیں جانب منہ کر کے کہے۔ اور یہ ہی زیادہ اصح ہے، جیسا کہ قہستانی میں بحوالہ منیہ مذکور ہے۔ اور یہ ہی صحیح ہے جیسا کہ بحرالرائق اور تبیین الحقائق میں ہے۔ اور مشائخ مَرو کہتے ہیں: دونوں (حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) میں دائیں بائیں پھرے۔ ایسا ہی قہستانی میں ہے۔

فتح القدیر میں فرمایا: دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ علامہ خیرالدین رملی نے یہ کہہ کر اس کا رڈ کیا کہ یہ سلف سے منقول صحیح مذہب کے خلاف ہے **(اگرچہ تنہا ہو)** اس سے امام حلوانی کے قول کے رڈ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مؤذن التفات نہیں کرے گا کیونکہ اس کی طرف حاجت نہیں ہے۔ اور بحرالرائق میں السراج کے حوالہ سے ہے کہ پھرنا اذان کی سنتوں میں سے ہے۔ لہذا منفرد ہونا اس میں خلل انداز نہیں ہوگا یہاں تک کہ علما نے بچے کے کان میں اذان کہنے والے کے بارے میں فرمایا: اُسے چاہیے کہ گھومے **(مطلقاً)** منفرد اذان کہے یا کوئی اور صورت ہو، بچے کے کان میں اذان کہی جائے یا کسی اور مقام پر **(منارہ میں گھومے)** یعنی اگر قدموں کو جما کر اور چہرہ گھما کر اذان کی آواز پہنچانا پورے طور پر نہ ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں منارہ نہیں تھا۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، باب الاذان، ج 1، ص 387، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

(جب "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہے تو اپنا چہرہ دائیں طرف گھمائے اور جب "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو بائیں طرف گھمائے، اور قدموں کو نہ ہلائے) مستحب یہ ہے کہ قبلہ رُو اذان دے، اس بارے میں ہم کسی کا اختلاف نہیں جانتے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذنین، قبلہ رُو ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ اور مستحب ہے کہ جب "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہے تو اپنا چہرہ دائیں جانب گھمائے اور جب "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہے تو بائیں طرف گھمائے، اور پھرنے کے دوران سمتِ قبلہ سے قدموں کو نہ ہٹائے۔ کیونکہ حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں: ((رَأَيْتُ بِلَالًا يُؤَذِّنُ وَأَتَتَبَّعُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا وَأُصْبُعَاهُ فِي أُذُنَيْهِ)) ترجمہ: میں نے حضرت بلال کو اذان دیتے ہوئے دیکھا اور میں بھی (اُن کی موافقت میں) اپنا منہ ادھر اُدھر (دائیں بائیں) کرنے لگا ہوں، اس حال میں کہ حضرت بلال کی انگلیاں اُن کے کانوں میں ہوا کرتیں۔ (بخاری، مسلم) ایک روایت میں ہے۔ حضرت جحیفہ بیان کرتے ہیں: ((أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، فَخَرَجَ بِلَالٌ فَأَذَّنَ فَلَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ الْتَفَتَ يَمِينًا وَشِمَالًا وَلَمْ يَسْتَدِرْ)) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ چمڑے کے ایک سُرخ قبہ میں جلوہ اَفروز تھے۔ پس حضرت بلال نکلے اور اذان کہی، جب آپ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" پر پہنچے تو دائیں بائیں چہرہ پھیرا اور گھومے نہیں۔ اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا۔

اور امام خرقی کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ گھومے نہیں خواہ زمین پر ہو یا منارہ پر، یہ ہی امام شافعی کا بھی مؤقف ہے۔ ہمارے اصحاب نے امام احمد سے جو شخص منارہ میں اذان کہے اُس کے بارے میں دو روایتیں نقل کی ہیں: (1) ایک یہ کہ نہ گھومے، حدیث کی وجہ سے اور اس لئے کہ قبلہ کو پیٹھ ہو جائے گی اور یہ مکروہ ہے جس طرح کہ اگر زمین پر ہو (2) اور دوسری روایت یہ ہے کہ اپنے مَجال میں گھومے کیونکہ اس کے بغیر اعلان نہیں ہو سکے گا، اور کسی ادب میں خلل اندازی کے ساتھ مقصود کو حاصل کر لینا، حاصل نہ کرنے سے بہتر ہے۔ اگر استقبال قبلہ میں خلل اندازی ہوئی یا اذان کے دوران چلنا پایا گیا تو اذان باطل نہیں ہوگی کیونکہ خطبہ اذان سے زیادہ مؤکد ہے اور خطبہ ان چیزوں سے باطل نہیں ہوتا۔

(المغنی لابن قدامہ، یستحب لمن سمع المؤذن ان یقول الخ، ج 1، ص 309، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476) فرماتے ہیں:

اذان واقامت باوضو کہے اور قبلہ رُو ہو کر کہے پھر جب حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو دائیں بائیں چہرہ پھیرے اور قبلہ کو پیٹھ نہ کرے۔ (التنبیہ فی الفقہ الشافعی، باب الاذان، ج 1، ص 27، مطبوعہ عالم الکتب)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے حی علی الصلوٰۃ اور حی الفلاح میں دائیں بائیں چہرہ پھیرنا مستحب ہے، گھومے نہیں اور نہ ہی قبلہ کو پیٹھ کرے خواہ زمین پر ہو یا منارہ پر، امام نخعی، امام ثوری، امام اَوزاعی، امام ابوثور کا یہ ہی قول ہے۔ اور یہ ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔ اور امام ابن سیرین نے کہا: (دائیں بائیں) چہرہ پھیرنا مکروہ ہے۔ امام مالک نے فرمایا: نہ گھومے اور نہ ہی چہرہ پھیرے مگر یہ کہ لوگوں کو سُنانا مقصود ہو۔ امام ابوحنیفہ، امام اسحاق اور ایک روایت میں امام احمد نے فرمایا: دائیں بائیں چہرہ پھیرے لیکن گھومے نہیں البتہ اگر منارہ پر ہو تو گھومے۔ اور جس نے کہا کہ مؤذن گھومے، اُس نے حجاج بن اَرطات کی حدیث سے استدلال کیا جو عون بن ابی جحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوجحیفہ کہتے ہیں: ((رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَبْطَحِ فخرج بلال فاذن فاستدار في اذانه)) ترجمہ: میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مقام "اَبطح" (وادی مِنیٰ) میں

آیا،تو حضرت بلال باہر آئے اوراذان دی وہ اپنی اذان کے دوران گھومتے تھے۔اس حدیث کوبن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا،اور ہمارے علمانے سابقہ ابوداؤد کی حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ مؤذن گھومے نہیں۔

(المجموع شرح المہذب،باب الاذان،ج3،ص107،دار الفکر،بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

"مدوّنہ" میں فرمایا: دورانِ اذان نہ گھومے اور نہ ہی چہرہ پھیرے، کیونکہ یہ اذان کی حد میں سے نہیں مگر یہ کہ لوگوں کو سُنانا چاہتا ہو اور جیسے آسانی ہو اذان دے۔اور میں نے مدینۃ المنورۃ میں مؤذنوں کو دورانِ اذان قبلہ کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا،اس میں وسعت ہے جیسے چاہیے کرے۔اور ابن ناجی نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ سنانے کی غرض سے چہرہ پھیرنا اور گھومنا جائز ہے،اور حقیقت بھی یہ ہی ہے،امام ابوحنیفہ کا یہ ہی قول ہے،اور امام شافعی کی طرح امام مالک سے اس کا انکار بھی منقول ہے۔ابن حبیب نے کہا: مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اپنا جسم قبلہ کی جانب رکھتے ہوئے اپنا چہرہ دائیں بائیں کریں اور آپ کو گھومنے سے منع فرمایا جیسا کہ دراز گوش چکر لگاتا ہے۔اور "الکتاب" کا ظاہر یہ ہے کہ اذان کی حالت میں گھومنا جائز ہے،اور معاملہ ایسا ہی ہے۔

ہمارے بعض فضلاء نے فرمایا: مشائخ کا اختلاف ہے،کیا معاملہ اسی طرح ہے یا فقط کلمہ سے فارغ ہو کر گھومے گا یا اُس وقت کہ جب آواز میں کمی نہ کی ہو،تو اوّل ہے ورنہ ثانی ہے۔ابن حارث نے کہا: فقط حیعلہ (حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح) کے وقت گھومے۔انتہی۔**التوضیح** میں فرمایا: امام مالک نے سنانے کی غرض سے گھومنے اور قبلہ سے چہرے پھیرنے کی اجازت دی ہے۔اور **الواضحۃ** میں ہے کہ مؤذن کا قبلہ رُو ہونا مستحب ہے۔اور **المجموعہ** میں فرمایا: اُس پر یہ واجب نہیں۔اس طور پر دونوں کتابیں متفق ہیں اور بعض نے اس کو اختلاف پر محمول کیا ہے۔انتہی۔

اور ابن بشیر نے کہا: سنانے کے لئے گھومنا اور چہرہ پھیرنا مشروع ہے۔اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مطلوب ہے۔اور عبارت یہ ہے: مؤذن کے لئے مستحب ہے کہ تکبیر (اللہ اکبر) اور تشہد (اشھد اَن لا اِلٰہ الّا اللہ) کے وقت قبلہ رُو ہو،البتہ اُس کا گھومنا،کانوں میں انگلیاں رکھنا اگر اذان کی آواز مبالغہ کے ساتھ پہنچانے کی غرض سے ہو تو یہ مشروع ہے،انتہی۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشروعیت کے الفاظ کا یہ تقاضا نہیں کہ یہ مطلوب ہے کیونکہ مشروعیت کے لفظ کا استعمال عام ہے خواہ مطلوب ہو یا نہ ہو،جیسے بیع اور جارہ (مشروع ہیں لیکن مطلوب نہیں) یہ علامہ ابن عبدالسلام نے باب الاذان کے شروع میں لکھا

ہے اور علامہ ابن فرحون نے بھی یہ فرمایا ہے۔ مزید فرمایا کہ "مشروع" کا اطلاق مباح پر کیا جاتا ہے۔ اور اور ابن بشیر کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ تکبیر اور تشہد میں نہ گھومے اور نہ چہرہ پھیرے۔ اور ابو اسحاق تونسی نے فرمایا: اور اذان شروع کرتے وقت قبلہ رُو نہ بھی تو جائز ہے۔ انتہی۔ (مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، تنبیہ الاذان خلف المسافر، ج1، ص441,442، دار الفکر، بیروت)

فوائد حدیث

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(1) حیعلتین (حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح) کے وقت دائیں بائیں پھرنا مستحب ہے۔

(2) سُرخ لباس پہننا جائز ہے۔

(3) جب کوئی صحراء میں نماز پڑھے تو اپنے سامنے نیزہ یا اس کی مثل کوئی چیز گاڑ لے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب المؤذن یستدیر فی اذانہ، ج2، ص476، مکتبۃ الرشد، ریاض)

سرخ لباس کا حکم

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسم کا رنگا ہوا سرخ اور کیسر کا زرد جنھیں معصفر و مزعفر کہتے ہیں مرد کو پہننا ناجائز و ممنوع ہے اور ان سے نماز مکروہ تحریمی۔ اور ان کے سوا اور رنگ کا زرد بلا کراہت مباح خالص ہے۔........

اور خالص سرخ غیر معصفر میں اضطراب اقوال ہے اور صحیح و معتمد جواز بلکہ علامہ حسن شرنبلالی نے فرمایا: اس کا پہننا مستحب۔ حق یہ کہ احادیث نہی سرخ معصفر کے بارے میں ہیں جیسے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما مذکور سوال اور احادیث جواز سرخ غیر معصفر میں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا بیان جواز کے لئے ہے۔

(پھر کتب فقہ سے جزئیات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) بایں ہمہ انصاف یہ کہ شدت اختلاف کے باعث احتراز اولٰی اور اعتراض بے جا۔"

(فتاوی رضویہ، ج22، ص196 تا 198، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسم یا زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہننا مرد کو منع ہے گہرا رنگ ہو کہ سرخ ہو جائے یا ہلکا ہو کہ زرد رہے دونوں کا ایک حکم ہے۔ عورتوں کو یہ دونوں قسم کے رنگ جائز ہیں، ان دونوں رنگوں کے سوا باقی ہر قسم کے رنگ زرد، سرخ، دھانی، بسنتی، چمپئی، نارنجی

وغیرہا مردوں کو بھی جائز ہیں۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ سرخ رنگ یا شوخ رنگ کے کپڑے مرد نہ پہنے، خصوصاً جن رنگوں میں زنانہ پن ہو مرد اس کو بالکل نہ پہنے۔

اور یہ ممانعت رنگ کی وجہ سے نہیں بلکہ عورتوں سے تشبہ ہوتا ہے اس وجہ سے ممانعت ہے، لہٰذا اگر یہ علت نہ ہو تو ممانعت بھی نہ ہوگی، مثلاً بعض رنگ اس قسم کے ہیں کہ عمامہ رنگا جاسکتا ہے اور کرتہ پاجامہ اسی رنگ سے رنگا جائے یا چادر رنگ کر اوڑھیں تو اس میں زنانہ پن ظاہر ہوتا ہے تو عمامہ کو جائز کہا جائے گا اور دوسرے کپڑوں کو مکروہ۔" (بہار شریعت، حصہ 16، ص 415,416، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

باب نمبر143

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّثْوِيبِ فِي الفَجْرِ

فجر کی نماز میں تھویب

198-حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ:حَدَّثَنَاأَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو إِسْرَائِيلَ،عَنْ الحَكَمِ،عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى،عَنْ بِلَالٍ، قَالَ:قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا تُثَوِّبَنَّ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ إِلَّا فِي صَلَاةِ الفَجْرِ، وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ،قال ابوعيسىٰ :حَدِيثُ بِلَالٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْرَائِيلَ المُلَائِيِّ وَأَبُو إِسْرَائِيلَ لَمْ يَسْمَعْ هَذَا الحَدِيثَ مِنَ الحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ إِنَّمَا رَوَاهُ عَنِ الحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ، عَنْ الحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ وَأَبُو إِسْرَائِيلَ اسْمُهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ وَلَيْسَ هُوَ بِذَلِكَ القَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ .وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي تَفْسِيرِ التَّثْوِيبِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: التَّثْوِيبُ أَنْ يَقُولَ فِي أَذَانِ الفَجْرِ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدَ "وَقَالَ إِسْحَاقُ فِي التَّثْوِيبِ غَيْرَ هَذَا، قَالَ:هُوَ شَيْءٌ أَحْدَثَهُ النَّاسُ بَعْدَ

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سوائے فجر کی نماز کے کسی نماز میں تھویب نہ کرو۔

اس باب میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو ہم صرف ابواسرائیل مُلائی کے حوالہ سے جانتے ہیں۔اورابواسرائیل نے اس حدیث کو حکم بن عتبہ سے نہیں سُنا۔(امام ترمذی فرماتے ہیں)ابواسرائیل نے یہ حدیث حسن بن عمارہ کے واسطہ سے حکم بن عتبہ سے روایت کی ہے۔

ابواسرائیل کا نام اسماعیل بن ابواسحاق ہے۔اور یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

تھویب کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے: بعض فرماتے ہیں: فجر کی اذان میں الصلوٰۃُ خیرمِنَ النَّوم (یعنی نماز، نیند سے بہتر ہے) کہنا تھویب ہے۔عبداللہ بن مبارک اور امام احمد کا یہ ہی قول ہے۔

تھویب کے بارے میں امام اسحاق کا قول اس سے مختلف ہے،آپ فرماتے ہیں: تھویب وہ چیز ہے جسے لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایجاد کیا ہے۔جب مؤذن

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَاسْتَبْطَأَ الْقَوْمَ قَالَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ وَهَذَا الَّذِي قَالَ إِسْحَاقُ هُوَ التَّثْوِيبُ الَّذِي كَرِهَهُ أَهْلُ الْعِلْمِ، وَالَّذِي أَحْدَثُوهُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "وَالَّذِي فَسَّرَ ابْنُ الْمُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، أَنَّ التَّثْوِيبَ: أَنْ يَقُولَ الْمُؤَذِّنُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ، الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، وَهُوَ قَوْلٌ صَحِيحٌ، وَيُقَالُ لَهُ التَّثْوِيبُ أَيْضًا، وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَهْلُ الْعِلْمِ وَرَأَوْهُ "وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ الصَّلَاةُ :خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ وَرُوِيَ عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ :دَخَلْتُ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ مَسْجِدًا وَقَدْ أُذِّنَ فِيهِ، وَنَحْنُ نُرِيدُ أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِ، فَثَوَّبَ الْمُؤَذِّنُ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَقَالَ: اخْرُجْ بِنَا مِنْ عِنْدِ هَذَا الْمُبْتَدِعِ وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ. وَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللَّهِ التَّثْوِيبَ الَّذِي أَحْدَثَهُ النَّاسُ بَعْدُ

اذان دیتا اور لوگ (مسجد کی طرف رُخ کرنے میں) تاخیر کرتے تو پھر مؤذن اذان و اقامت کے درمیان یہ کہتا ''قد قامت الصلوٰۃ (نماز کھڑی ہوگئی) حی علی الصلوٰۃ (نماز کی طرف آؤ) حی علی الفلاح (بھلائی کی طرف آؤ)۔

یہ تثویب جو امام اسحاق نے بیان کی، اسے علماء نے مکروہ کہا اور یہ ہی وہ تثویب ہے جسے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایجاد کیا ہے۔

امام عبداللہ بن مبارک اور امام احمد نے تثویب کی جو تفسیر کی وہ یہ ہے کہ مؤذن فجر کی نماز میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم '' کہے۔ یہ قول صحیح ہے۔ تثویب اسی کو کہا جاتا ہے۔ اور علماء نے اسی کو اختیار کیا اور اپنا مؤقف بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فجر کی اذان میں ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کہا کرتے تھے۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا حال یہ تھا کہ اذان ہوچکی تھی اور ہمارا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا۔ (اسی دوران) مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ہمیں اس بدعتی کے پاس سے لے چلو اور آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی۔ صرف اُس تثویب کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ناپسند کیا جسے لوگوں نے بعد میں ایجاد کیا تھا

تخریج حدیث 198: بالفاظ مختلفۃ (سنن ابن ماجہ، کتاب الاذان، باب السنۃ فی الاذان، 1 / 237، حدیث 715، دار احیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

سنن ابی داود میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت اس طرح ہے: ((عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَثَوَّبَ رَجُلٌ فِي الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ، قَالَ: اخْرُجْ بِنَا فَإِنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ)) ترجمہ: حضرت مجاہد کا بیان ہے کہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا، کسی آدمی نے ظہر یا عصر کے وقت تھویب کہی، آپ نے فرمایا: ہمارے ساتھ چل نکلو کیونکہ یہ تو بدعت ہے۔ (سنن ابی داود، باب فی التثویب، ج 1، ص 148، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((ایک شخص نے ظہر میں تھویب کی)) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص مسجد کے دروازہ کی طرف نکلا اور یہ اعلان کیا "الصلاۃ رحمکم اللہ" یعنی اے مسلمانو! اللہ تم پر رحم فرمائے، نماز ادا کرلو **(بدعت ہے)**۔۔۔ ہمارے علما کے نزدیک نماز فجر میں اذان واقامت کے درمیان "حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح" دوبار کہہ کر تھویب کرنا حسن ہے۔ کہا جاتا ہے: تھویب کا معنی "حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح" کے بعد "الصلاۃ خیر من النوم" کہنا ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد نے فرمایا: بقیہ نمازوں کی طرح فجر میں بھی کوئی تھویب نہیں۔ اور احناف نے اُس حدیث سے استدلال کیا جسے امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ابو اسرائیل، حکم بن عتیبہ اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں: ((أمرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أن لا أثوب فی شیء من الصلوات إلا فی صلاۃ الفجر)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ سوائے فجر کی نماز کے کسی نماز میں تھویب نہ کروں۔ اور ایک اور حدیث سے استدلال کیا جسے امام بیہقی نے بواسطہ عطاء بن سائب اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں: ((أمرنی رسول اللہ أن لا أثوب إلا فی الفجر)) مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ صرف فجر کی نماز میں تھویب کروں۔ اور یہ دونوں حدیثیں ائمہ ثلاثہ کے خلاف حجت ہیں۔ البتہ فجر کے علاوہ نمازوں میں تھویب مکروہ ہے حضرت عبداللہ ابن عمر کی مذکورہ حدیث کی وجہ سے۔

اور صاحب ہدایہ نے فرمایا: متاخرین علما نے دینی اُمور میں لوگوں کی سُستی ظاہر ہونے کی وجہ سے تمام نمازوں میں تھویب کو مستحسن کہا۔ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں: میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ مؤذن تمام نمازوں میں حاکم سے یہ الفاظ کہے "السلام علیك أیها الأمیر ورحمة اللہ وبرکاته، حی علی الصلاة حی علی الفلاح، الصلاة یرحمك

اللہ" اور امام محمد نے اس کو بعید سمجھا کیونکہ جماعت کے معاملہ میں تمام لوگ یکساں ہیں۔ اور امام ابو یوسف نے یہ حکم سلاطین کے ساتھ اس لئے خاص فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے اُمور میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کی جماعت رہ جائے۔ قاضی اور مفتی بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی التثویب، ج3، ص6،7، مکتبۃ الرشد، ریاض)

سنن ابی داؤد کی ایک روایت کی شرح کرتے ہوئے علامہ علی بن سلطان محمد القاری فرماتے ہیں:

((حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: **میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلا فجر کی نماز کے لئے، پس آپ جس شخص کے پاس سے گزرے اُسے نماز کی ندا دی**)) علامہ ابن حجر کہتے ہیں: یعنی اُسے الفاظ کے ساتھ نماز کی خبر دی۔ اور اس حدیث میں اذان کی ترغیب ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس نماز کے لئے ندا دی تو اس میں اذان کی ترغیب زیادہ مبالغہ سے ہوگی، علامہ ابن حجر کا کلام ختم ہوا۔ اور اس سے فی الجملہ تثویب کا مشروع ہونا ماخوذ ہوتا ہے اس کے مطابق جو مجھ پر ظاہر ہوا، واللہ تعالیٰ أعلم .... (**یا اُسے اپنے مقدس پاؤں سے ہلایا**) علامہ ابن حجر کہتے ہیں: یعنی اُس وقت جب کوئی نیند وغیرہ میں مشغول تھا۔ اس حدیث میں سونے والے اور اس کی مثل کو نماز کے لئے جگانے کی ترغیب ہے۔ اور پاؤں کے ذریعہ حرکت دینے سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے بغیر کسی کراہت کے اور بعض بے وقوف اور جاہلوں کے اس وہم کی طرف دھیان دئے بغیر کہ اس میں سونے والے کی تحقیر اور ذلت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص555، دار الفکر، بیروت)

تثویب کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

متاخرین کے نزدیک مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لئے بہتر ہے۔ ایسا ہی شیخ ابو المکارم کی شرح النقایۃ میں ہے۔ تثویب کا معنی ہے: اذان و اقامت کے درمیان مؤذن کا دوبارہ نماز کا اعلان کرنا۔ اور ہر شہر کی تثویب اُسی طریقہ پر ہوگی جو وہاں متعارف ہے جیسا کہ "کھنکھارنا"، یا "نماز نماز" پکارنا، یا "جماعت کھڑی ہوگئی، جماعت کھڑی ہوگئی" کہنا۔ کیونکہ تثویب اعلان میں مبالغہ کے لئے ہے اور وہ متعارف اور مشہور طریقہ سے حاصل ہوگا۔ کافی میں ایسا ہی ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی کلمات، ج1، ص56، دار الفکر، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

(تثویب کہے) اذان واقامت کے درمیان تمام نمازوں میں ہر ایک کے لئے متعارف طریقہ پر........(سوائے مغرب کے) (درمختار مع ردالمحتار، باب الاذان، ج1، ص389، دارالفکر، بیروت)

اس کے تحت علامہ امین ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

(تمام میں تثویب کہے) یعنی تمام نمازوں میں، کیونکہ امورِ دینیہ کے بجالانے میں بہت سستی وکاہلی آچکی ہے۔ عنایہ میں فرمایا: متاخرین نے مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان تثویب کو ایجاد کیا اُس کے مطابق جو لوگوں میں متعارف ہے اصل یعنی فجر کی تثویب کو باقی رکھتے ہوئے۔ ((وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ)) اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے، اھ۔ (سب کے لئے) ہر ایک کے لئے، اور امام ابو یوسف نے تثویب اُس کے ساتھ خاص فرمائی جو عوام الناس کی مصلحتوں میں مصروف ہو، جیسے قاضی، مفتی اور مدرس۔ اور قاضی خان وغیرہ نے اسے اختیار کیا، نہر۔

(اُس کے مطابق جو اُن میں متعارف ہو) مثلاً "کھنکھارنا" یا "جماعت کھڑی ہوگئی جماعت کھڑی ہوگئی" پکارنا، "یا نماز نماز" کہنا، اگر لوگ اس سے ہٹ کر کوئی طریقہ ایجاد کرلیں تو بھی جائز ہے۔ نہر بحوالہ مجتبی۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، باب الاذان، ج1، ص389، دارالفکر، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ عبدالملک بن عبداللہ جوینی شافعی الملقب بامام الحرمین (متوفی 478ھ) فرماتے ہیں

فجر کی اذان میں تثویب کا اضافہ کرے، اور وہ یہ ہے کہ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے بعد کہے: "الصلاۃ خیر من النوم" دو مرتبہ کہے اور امام شافعی نے قول قدیم میں یہ نص فرمائی ہے کہ یہ کہنا مستحب اور مشروع ہے، اور یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت بلال اسی طرح تثویب کہا کرتے تھے۔ اور اُن کا جدید قول یہ ہے کہ میں تثویب کو ناپسند رکھتا ہوں کیونکہ حضرت ابو محذورہ نے اس کو نقل نہیں کیا۔ اور طریق مشہورہ میں دونوں قول منقول ہیں۔ اور ائمہ نے فرمایا: امام شافعی کے دو قولوں میں جو جدید قول ہے وہ قدیم سے اصح ہے سوائے تین مسائل کے، اُن میں سے ایک تثویب کا مسئلہ ہے اور ہم بقیہ دو مسائل ان کے مقام پر ذکر کریں گے۔ (نہایۃ المطلب، باب صفۃ الاذان، ج2، ص59، دارالمنہاج، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

(فجر کی اذان میں "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے بعد "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہنا مسنون ہے) کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: **((فَإِذَا كَانَ أَذَانُ الْفَجْرِ فَقُلْ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ))** جب فجر کی اذان ہو تو دوبار کہو "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" (مسند احمد، ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن آئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بلانے کا ارادہ کیا، آپ سے کہا گیا کہ حضور تو آرام فرمار ہے ہیں، پھر آپ نے بلند آواز سے دوبار "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہا۔ حضرت سعید بن مسیّب کا بیان ہے: چنانچہ یہ کلمات نمازِ فجر کی اذان میں داخل کردیے گئے **(خواہ تاریکی میں اذان دے یا اُجالے میں)** کیونکہ گذشتہ احادیث میں عموم ہے **(اور اُسے)** یعنی "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہنے کو **(تثویب کہا جاتا ہے)** یہ "ثَابَ" سے ماخوذ ہے، اُس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی چیز لوٹ جائے۔ کیونکہ مؤذن نے "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہہ کر نماز کے لئے بلایا پھر اس دعوت کی طرف عود کیا۔ اور نمازِ فجر کے ساتھ اس لئے خاص ہے کہ عموماً اس وقت لوگ خواب غفلت میں ہوتے ہیں **(اور فجر کے علاوہ میں تثویب مکروہ ہے)** یعنی فجر کی اذان کے علاوہ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کی وجہ سے **((أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُثَوِّبَ فِي الْفَجْرِ، وَنَهَانِي أَنْ أُثَوِّبَ فِي الْعِشَاءِ))** ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ فجر میں تثویب کہنے کا حکم فرمایا اور نمازِ عشا میں تثویب سے منع فرمایا۔

(اور تثویب اذان واقامت کے درمیان مکروہ ہے) کیونکہ امام مجاہد سے روایت ہے: **((لَمَّا قَدِمَ عُمَرُ مَكَّةَ أَتَاهُ أَبُو مَحْذُورَةَ وَقَدْ أَذَّنَ فَقَالَ: الصَّلَاةَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَقَالَ: وَيْحَكَ يَا مَجْنُونُ أَمَا كَانَ فِي دُعَائِكَ الَّذِي دَعَوْتَنَا مَا نَأْتِيكَ حَتَّى تَأْتِيَنَا))** ترجمہ: جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حضرت ابومحذورہ اذان دینے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے امیرالمؤمنین! الصلاۃ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تجھ پر افسوس، اے نادان! کیا نہیں تھے تمہاری ندا (اذان) میں وہ کلمات جو تم (اب) ہمیں کہہ رہے ہو، (کیا) ہم اس وقت تک نہیں آئیں گے تمہاری طرف جب تک تم نہ آؤ ہماری طرف۔

نیز یہ تثویب اذان واقامت کے مابین نماز کی طرف دعوت ہے تو یہ مکروہ ہے جیسا کہ حاکموں کے ساتھ اس کی تخصیص کرنا۔

(یوں ہی بازار وغیرہ میں اذان کے بعد نماز کا اعلان کرنا، جیسے یہ کہنا: "نماز"، "اقامت"، "اللہ تم رحم فرمائے نماز پڑھ لو" شیخ نے شرح العمدۃ میں فرمایا: یہ اُس وقت ہے جب وہ لوگ پہلی اذان سُن چکے ہوں) کیونکہ دوسری بار اطلاع کی حاجت نہیں ہے **(اگر امام نے یا اُس شخص نے جو آبادی سے دور ہے، پہلی اذان نہیں سنی تو نماز سے آگاہ کرنا مکروہ نہیں ہونا چاہیے**

،اور ابن عقیل نے فرمایا: اگر بڑے امام یا محلے کے امام یا پڑوسیوں میں برگزیدہ لوگوں سے نماز میں تاخیر ہوگئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی آگاہ کرنے والا ان کے پاس سے یہ کہتے ہوئے گزرے "نماز کا وقت ہو چکا ہے" کلام ختم ہوا) کیونکہ ممکن ہے کہ اُنہوں نے اذان نہ سُنی ہو۔ (کشاف القناع، باب الاذان والاقامۃ، ج 1، ص 238، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

صاحب طراز نے فرمایا: ہمارے نزدیک اذان واقامت کے درمیان تھویب مشروع نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کا اس میں اختلاف ہے، احناف کی دلیل یہ ہے: ((انَّ بِلَالًا كَانَ إِذَا أَذَّنَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ يَرْحَمُكَ اللّٰه)) ترجمہ: کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے تو عرض کرتے: "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ "اللہ آپ پر رحمت فرمائے۔ شوافع نے اس کا انکار کیا اور یہ روایت پیش کی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں آئے تو حضرت ابو محذورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اذان بھی دی پھر عرض کی: اے امیر المومنین "حَيَّ علي الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے فرمایا: ((وَيْحَكَ أَمَجْنُونٌ أَنْتَ مَا كَانَ فِي دُعَائِكَ الَّذِي دَعَوْتَ مَا نَأْتِيكَ حَتَّى تَأْتِيَنَا)) ترجمہ: تجھ پر افسوس، اے نادان! کیا نہیں تھے تمہاری ندا (اذان) میں وہ کلمات جو تم (اب) ہمیں کہہ رہے ہو، (کیا) ہم اس وقت تک نہیں آئیں گے تمہاری طرف جب تک تم نہ آؤ ہماری طرف۔

اگر تھویب سنت ہوتی ہو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا انکار نہ فرماتے، امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے اور آپ نے مؤذن کا نمازِ فجر کے وقت لوگوں کو نماز کی خبر دینے کی غرض سے کھنکھارنے کو مکروہ کہا ہے۔ اور منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یہ چیز پیدا ہوئی کہ مؤذن جب بلند مقام پر اذان دیتا تو پھر بالخصوص حاکم کی طرف رُخ کر کے "حَيَّ علي الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ " کہتا اور پھر کہتا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، نماز نماز۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو برقرار رکھا اور ابن ماجشون نے المبسوط میں اس کو جائز قرار دیا اور سلام کے طریقہ میں یہ الفاظ ذکر کیے: "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ على الْفَلَاحِ وَالصَّلَاة يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" اور جمعہ میں یہ الفاظ کہے: "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز کا وقت ہو چکا ہے" حال یہ ہے کہ اہل مدینہ کی عادت ان نو پید باتوں کا انکار کرتی

ہے۔

(الذخیرہ للقرافی، الفصل الاول فی صفۃ الخ، ج2، ص46، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

دلائل پر بحث ونظر:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

تثویب کے بارے میں تین مقام پر کلام ہے: (1) ایک تثویب کی شرعی تعریف وتفسیر سے متعلق (2) دوسرا اُس مقام کے متعلق جس میں تثویب مشروع ہے اور (3) تیسرا اُس کے وقت کے متعلق۔ پہلی چیز یعنی تثویب کی شرعی تفسیر امام محمد نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر فرمائی ہے، فرماتے ہیں: میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے، نماز فجر میں کس انداز میں تثویب ہو؟ انہوں نے کہا: پہلے اذان کے بعد تثویب "اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ" تھی اور لوگوں نے اس کو رائج کیا اور یہ اچھی تثویب ہے۔ پس امام محمد نے تثویب کی تعریف اور اُس کا وقت بیان کیا البتہ جدید تثویب کی نہ وضاحت کی اور نہ ہی اُس کا وقت بیان کیا، ہاں آپ نے جامع صغیر میں اس کی تفسیر کی اور اس کا وقت بھی بیان کیا، چنانچہ آپ نے فرمایا: تثویب وہ جو لوگوں میں فجر کی اذان اور اقامت کے درمیان دوبار "حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" کہنا رائج ہے، اچھی چیز ہے۔ اسے نئی چیز اس لئے کہا کہ یہ تابعین کے زمانہ میں ایجاد ہوئی ہے اور اچھا اس لئے کہا کہ انہوں نے اس کو مستحسن رکھا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا رَآہُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ، وَمَا رَآہُ الْمُؤْمِنُونَ قَبِیحًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیحٌ)) ترجمہ: جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو مسلمان برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُرا ہے۔

بہر حال تثویب کا محل، تو اس کا پہلا محل اکثر علما کے نزدیک فجر کی نماز ہے۔ اور بعض علما نے عشا کی نماز میں بھی تثویب کا قول کیا ہے۔ اور یہ ہی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول قدیم ہے، اور قول جدید میں امام شافعی نے اصلاً تثویب کا انکار فرمایا۔

امام شافعی کے قول اوّل کی دلیل یہ ہے کہ فجر کے وقت کی طرح یہ وقت بھی نیند اور غفلت کا وقت ہے لہذا فجر کی طرح عشا میں بھی اضافی اعلان کی حاجت ہے۔ امام شافعی کے دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اذان کے انیس کلمات تعلیم فرمائے جن میں تثویب نہیں ہے۔ اور یوں ہی عبد اللہ بن زید (جنہوں نے خواب میں اذان دیکھی) کی حدیث میں بھی تثویب کا ذکر نہیں ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، آپ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((یَا بِلَالُ ثَوِّبْ فِي الْفَجْرِ وَلَا تُثَوِّبْ فِي غَیْرِھَا)) ترجمہ: اے بلال! فجر

میں تھویب کہو اور اس کے علاوہ کسی نماز میں نہ کہو۔ پس اس حدیث سے دونوں ہی مؤقف باطل ہو گئے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ((انَّ بِلَالًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَوَجَدَهُ رَاقِدًا فَقَالَ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَحْسَنَ هٰذَا اجْعَلْهُ فِي أَذَانِكَ)) ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں نماز کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے اور حضور کو آرام کرتے پایا تو عرض گذار ہوئے: "اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا ہی خوب الفاظ ہیں، انہیں اپنی اذان میں شامل کر لو۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: ((كَانَ التَّثْوِيبُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ")) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں تھویب "اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعلیم اور فرشتہ کی (عبداللہ بن زید کو اذان کی) تعلیم، اصل اذان کی تعلیم تھی، اس میں اعلان کا جو اضافہ ہوا اُس کی تعلیم نہ تھی۔

اور جو قیاس اُنہوں نے ذکر کیا وہ درست نہیں ہے کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے جبکہ دیگر اَوقات کا یہ معاملہ نہیں علاوہ ازیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشا سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کرنے سے ممانعت فرمائی۔ تو عشا کا وقت (نیند اور غفلت کا نہیں بلکہ اس) میں ظاہر بیداری ہی ہے۔

اور بہر حال جدید تھویب تو اس کا محل بھی نماز فجر ہے اور اس کا وقت اذان واقامت کے مابین ہے۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ (اذان واقامت کے درمیان) کہے "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" جیسا کہ الجامع الصغیر میں بیان ہوا۔

(یہ تو تھا اصل مذہب) مگر یہ کہ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں: بقیہ نمازوں میں جدید تھویب کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ فی زمانہ لوگوں پر غفلت کا غلبہ، دنیا کی طرف شدید میلان اور دینی اُمور میں سُستی و کاہلی پائی جاتی ہے۔ پس ہمارے دور میں بقیہ نمازوں کا وہی حکم ہے جو ان کے دور میں فجر کا تھا، اور اعلان کی زیادتی نیکی اور تقوی پر باہم مدد دینے کے قبیل سے ہے لہذا یہ مستحسن ہے۔ اسی لئے امام ابو یوسف فرماتے ہیں: میرے خیال میں مؤذن کے یہ الفاظ کہنے میں کوئی حرج نہیں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْأَمِيرُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَلصَّلَاةَ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کیونکہ وہ بالخصوص رعایا کے اُمور میں غور وفکر کرنے کے سبب زیادہ مصروف ہوتے ہیں تو اُن کا خیال رکھتے ہوئے مزید ایک اعلان کی حاجت ہے۔

پھر ہر شہر کی تھویب اُس کے مطابق ہے جو اُن میں متعارف ہے، کھنکھارنا، یا یہ کہنا "نماز نماز" یا "جماعت کھڑی ہوگئی جماعت کھڑی ہوگئی" پکارنا یا یوں کہنا "با یک نماز با یک" جیسا کہ اہل بخارا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اعلان ہے اور اعلان متعارف

اور مشہور طریقہ سے ہی حاصل ہوگا۔

اور جہاں تک اس کے وقت کی بات ہے تو ہم نے قدیم اور جدید دونوں نمازیوں کا وقت بیان کر دیا ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان کیفیۃ الاذان، ج 1، ص 148، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 144

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ

جواذان کہے وہ ہی اقامت کہے

199- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، وَيَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ الْإِفْرِيقِيِّ، عَنْ زِيَادِ بْنِ نُعَيْمٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ، قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُؤَذِّنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَأَذَّنْتُ، فَأَرَادَ بِلَالٌ أَنْ يُقِيمَ، فَقَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَخَا صُدَاءٍ قَدْ أَذَّنَ، وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ، وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ ابوعيسى: وَحَدِيثُ زِيَادٍ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الْإِفْرِيقِيِّ وَالْإِفْرِيقِيُّ هُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَغَيْرُهُ "قَالَ أَحْمَدُ: لَا أَكْتُبُ حَدِيثَ الْإِفْرِيقِيِّ. وَرَأَيْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يُقَوِّي أَمْرَهُ، وَيَقُولُ: هُوَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّ مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ"

حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ فجر کی اذان دینے کا حکم ارشاد فرمایا، میں نے اذان کہی، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے بھائی صدائی نے اذان دی ہے، جو اذان دے وہ ہی اقامت کہے۔

اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت زیاد کی حدیث کو ہم صرف "افریقی" کے واسطہ سے جانتے ہیں۔ اور افریقی محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے اسے ضعیف کہا۔ امام احمد نے فرمایا: میں افریقی کی روایت کو نہیں لکھتا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: میں نے محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ افریقی کی روایت کو تقویت دیتے تھے اور فرماتے کہ وہ مقارب الحدیث ہے۔

اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ جو اذان دے وہ ہی اقامت کہے۔

تخریج حدیث 199: (سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی الرجل یؤذن ویقیم آخر، 1/142، حدیث 514، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الاذان، باب السنۃ فی الاذان، 1/237، حدیث 717، دار احیاء الکتب العربیہ)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی حدیث مذکور کی شرح میں فرماتے ہیں:

((حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ)) آپ بنی حارث بن کعب کے حلیف ہیں، آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اور حضور کے سامنے اذان بھی کہی، اور آپ کا شمار بصرہ والوں میں ہے۔ یہ امام طیبی نے فرمایا ہے ((صُدائی))، قبیلہ صُداء کی طرف نسبت ہے، اور یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ یہ ابن ملک نے کہا ہے ((بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں نماز فجر کی اذان دوں، پس میں نے اذان کہی)) شاید حضرت بلال غائب تھے پھر وہ حاضر ہو گئے ((پس حضرت بلال نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا)) اپنی عادت کے مطابق ((تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے بھائی صدائی نے اذان دی ہے، جو اذان دے وہی اقامت کہے)) لہٰذا مؤذن کے علاوہ کا اقامت کہنا مکروہ ہے۔ امام شافعی کا یہی نظریہ ہے۔ جبکہ امام اعظم کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، کیونکہ روایت میں ہے کہ بارہا حضرت ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیتے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامت کہا کرتے، کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا۔ اور یہ حدیث اُس صورت پر محمول ہے کہ جب کسی اور کے اقامت کہنے سے مؤذن پر وحشت طاری ہو، یہ ابن ملک نے کہا ہے، ((یہ حدیث امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی)) میرک کا کہنا ہے کہ افریقی کی وجہ سے امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا، امام حازمی نے اس کو "حسن" کہا، امام عُقیلی اور علامہ ابن جوزی نے اسے قوی قرار دیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الاذان، ج2، ص552، دار الفکر، بیروت)

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

اسی حدیث سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر مؤذن کے اقامت کے مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا اس لئے فرمایا تا کہ زیاد بن حارث کے دل میں وحشت داخل نہ ہو (یعنی اُن کو گراں نہ گزرے)، کیونکہ آپ نومسلم تھے وہ اس لئے کہ قبیلہ صداء کا وفد جس میں حضرت زیاد بھی شامل تھے، حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیس بن سعد بن عبادہ کو یمن کے قبیلہ کی جانب بھیجا تھا اور اُنہیں حکم فرمایا کہ قبیلہ صدا میں داخل ہو، جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقام جعرانہ سے 8ھ میں واپس تشریف لائے۔ علاوہ ازیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت زیاد کی حدیث کو ہم صرف "افریقی" کے واسطہ سے جانتے

ہیں۔اورافریقی محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔یحیٰی بن سعید قطان وغیرہ نے اسے ضعیف کہا۔امام احمد نے فرمایا: میں افریقی کی روایت کو نہیں لکھتا۔ (شرح ابی داؤد للعینی، الرجل یؤذن ویقیم آخر، ج2،ص460،مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابن عبدالبر قرطبی مالکی (متوفی463ھ) فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ ایک شخص اذان دے اور دوسرا اقامت کہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ کا موقف یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔کیونکہ محمد بن عبداللہ بن زید اپنے والد سے راوی ہیں کہ جب آپ نے خواب میں اذان دیکھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ یہ اذان، بلال کو سکھا دو، پھر حضرت بلال نے اذان دی، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زید کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا تو آپ نے اقامت کہی۔اس حدیث کو ابوالعمیس نے عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن زید عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا۔

امام ثوری، امام لیث اور امام شافعی فرماتے ہیں: جو اذان دے وہ ہی اقامت کہے، کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم، حضرت زیاد بن نعیم سے راوی ہیں کہ حضرت زیاد بن حرث صدائی کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جب صبح صادق شروع ہوئی تو حضور نے مجھے حکم فرمایا، میں نے اذان کہی پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو (حضرت بلال) اقامت پڑھنے کے لئے آئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ أَخَا صُدَاءٍ أَذَّنَ وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ)) ترجمہ: تمہارے بھائی صدائی نے اذان دی ہے، جو اذان دے وہ ہی اقامت کہے۔ابوعمر کہتے ہیں: عبدالرحمٰن بن زیاد، افریقی ہیں، اور اکثر علماء اُن کو ضعیف کہتے ہیں۔اور یہ حدیث اس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔اور پہلی حدیث کی سند اللہ نے چاہا تو زیادہ اچھی ہے۔اور عقل بھی اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اذان، اقامت کے تابع نہیں بلکہ ایک علیحدہ چیز ہے۔

(التمہید لما فی الموطا من المعانی، الحدیث الخامس والخمسون، ج24،ص31,32، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ)

مؤذن کے اقامت کے کہنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی855ھ) فرماتے ہیں:

"ذخیرۃ" میں ہے: ایک شخص نے اذان دی اور دوسرے نے اقامت کہی، اگر پہلا شخص غائب ہوگیا تو مکروہ نہیں اور اگر حاضر ہو اور اسے گراں گزرے تو پھر مکروہ ہے...... اور "الوبری" میں ہے: جس نے اذان دی وہ اقامت کا زیادہ مستحق

ہے۔اور حق اُس کا ہے، اگر کوئی دوسرا اُس کی اجازت سے اقامت کہے تو یہ جائز ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ،شروط المؤذن، ج2،ص97،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر مؤذن کے اقامت کہنے کے بارے میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: ''(غیر مؤذن کا اقامت کہنا) ناجائز نہیں، ہاں خلاف اولی ہے اگر مؤذن حاضر ہو اور اسے گراں گزرے ورنہ اتنا بھی نہیں۔ مسند امام احمد و سنن اربعہ و شرح معانی الآثار میں زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی، میں نے اذان کہی تھی بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے تکبیر کہنی چاہی فرمایا: ((یقیم اخو صداء فان من اذن فھو یقیم)) قبیلہ صداء کا بھائی اقامت کہے گا کہ جو اذان دے وہی تکبیر کہے......... حدیث میں ایک بار کا یہ ذکر آیا ہے کہ جب عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ نے خواب میں اذان دیکھی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی، ارشاد ہوا: بلال کو سکھا دو کہ اُن کی آواز بلند تر ہے۔ بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے اذان کہی جب تکبیر کہنی چاہی عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ نادم ہُوئے اور عرض کی: خواب تو میں نے دیکھا تھا میں تکبیر کہنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: تو تمہیں کہو۔ انہوں نے تکبیر کہی۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد والطحاوی۔

یہ حدیث کچھ ہمارے مخالف نہیں کہ کلام اُس صورت میں ہے جب مؤذن کو ناگوار گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اذن (اجازت) کے بعد بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی ناگواری کا کیا احتمال، مع ہذا یہ حدیث ابتدائے امر کی ہے کہ وہ پہلی اذان تھی کہ اسلام میں کہی گئی اور حدیث متقدم اُس سے متاخر ہے تاہم ثبوت صرف افضلیت کا ہے نہ کہ اقامتِ غیر کی ممانعت کمالا یخفی۔

(فتاوی رضویہ ملخصا، ج5،ص366 تا 368، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ اقامت وہ ہی کہے جس نے اذان دی، کیونکہ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالی عنہ نے اذان دی اور پھر حضرت بلال اقامت کہنے کے لئے آئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إن أخا صداء أذن ومن أذن فھو یقیم)) ترجمہ: بے شک تمہارے بھائی صدائی نے اذان دی ہے، جو اذان دے وہ ہی اقامت کہے۔ اگر ایک نے اذان دی اور دوسرے نے اقامت کہی تو بھی جائز ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے اذان دی اور عبداللہ بن زید نے اقامت کہی۔

(المہذاب فی فقہ الامام الشافعی، باب الاذان والاقامۃ، ج1،ص115، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جواذان دے اُس کے لئے مستحب ہے کہ اقامت بھی کہے، کیونکہ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اذان دی اور حضرت بلال اقامت کے لئے آگے بڑھے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إن أخا صداء أذن ومن أذن فهو يقيم)) ترجمہ: بے شک تمہارے بھائی صدائی نے اذان دی ہے، جو اذان دے وہ ہی اقامت کہے، (مسند)۔ اگر کسی دوسرے نے اقامت کہہ دی تو بھی جائز ہے، کیونکہ امام ابوداؤد نے اذان والی حدیث میں روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((ألقه على بلال فألقاه عليه فأذن بلال فقال عبد الله: أنا رأيته وأنا كنت أريده قال: فأقم أنت)) ترجمہ: یہ بلال کو سکھادو، پس حضرت عبداللہ بن زید نے حضرت بلال کو سکھادی تو حضرت بلال نے اذان کہی۔ حضرت عبداللہ بن زید کہتے ہیں: میں خواب دیکھا اور میں اذان کہنا چاہتا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اقامت کہو۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب الاذان، ج1 ص213، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

جس نے اذان دی اُس کے علاوہ کسی نے اقامت کہی تو اس میں بالاتفاق حرج نہیں ہے، امام شافعی اس میں کراہت کا قول کرتے ہیں، ان کی دلیل ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ حضرت زیاد بن حارث نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نمازِ فجر کی اذان دینے کا حکم ارشاد فرمایا، میں نے اذان کہی، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ أَخَا صُدَاءٍ أذن فَمن أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ)) تمہارے بھائی صدائی نے اذان دی ہے، جو اذان دے وہ ہی اقامت کہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام اس کا حکم دے سکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کی وجہ سے یہ امر متصرف ہوا نہ کہ فتوی کی رُو سے۔ کیونکہ حضرت زیاد بن صدائی نومسلم تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی دلجوئی کے لیے ایسا فرمایا، ہماری دلیل عبداللہ بن زید مازنی کی حدیث ہے کہ جب آپ نے خواب میں اذان دیکھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ حضرت بلال کو اذان سکھادو، آپ نے سکھادی تو حضرت بلال نے اذان کہی، حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں نے خواب دیکھا لہذا میں اذان کہنا چاہتا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اقامت کہو۔ نیز اقامت اذان سے ہٹ کر ایک مستقل عبادت ہے، اس کا اذان سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس

کی دلیل یہ ہے کہ منفرد (تنہا نماز پڑھنے والے) کی طرف اقامت متوجہ ہوتی ہے، اذان نہیں۔ لہذا اذان واقامت کا دو اَفراد کی طرف سے واقع ہونا جائز ہے جیسا کہ اقامت اور امامت میں۔

(الذخیرۃ للقرافی، الفصل الخامس فی الاقامۃ، ج2، ص74، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر 145

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الأَذَانِ بِغَيْرِ وُضُوءٍ

وضو کے بغیر اذان دینا مکروہ ہے

200- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ يَحْيَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُؤَذِّنُ إِلَّا مُتَوَضِّئٌ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صرف باوضو شخص اذان کہے۔

201- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ إِلَّا مُتَوَضِّئٌ، قال ابو عيسىٰ: وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الحَدِيثِ الأَوَّلِ، وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ لَمْ يَرْفَعْهُ ابْنُ وَهْبٍ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ الوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ وَالزُّهْرِيُّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي الأَذَانِ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، فَكَرِهَهُ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَإِسْحَاقُ وَرَخَّصَ فِي ذَلِكَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ

حدیث: ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نماز کے لئے وہی اذان کہے کہ جس کا وضو ہو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ، پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت کو ابن وہب نے مرفوعاً بیان نہیں کیا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا) اور وہ ولید بن مسلم کی روایت کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے۔

امام زہری کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماعت ثابت نہیں۔

بے وضو اذان کہنے میں علماء کے مابین اختلاف ہے:

بعض علماء فرماتے ہیں: مکروہ ہے۔ امام شافعی اور امام اسحاق کا یہ ہی مسلک ہے۔

اور بعض علماء نے رُخصت دی ہے۔ امام سفیان ثوری، امام ابن مبارک اور امام احمد کا یہ ہی قول ہے۔

تخریج حدیث 200: (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب من ادرک رکعۃ من العصر ......الخ، 1/116، حدیث 556، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب من ادرک رکعۃ من الصلوۃ ......الخ، 1/424، حدیث 608، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب فی وقت صلوۃ العصر، 1/112، حدیث 412، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب من ادرک رکعتین من العصر، 1/257، حدیث 515، المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب وقت الصلوۃ فی العذر والضرور ......الخ، 1/229، حدیث 699، دار احیاء الکتب العربیہ)

بغیر وضو اذان دینے کے بارے میں مذاہب اربعہ

احناف کا مؤقف:

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ باوضو اذان کہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے: ((لا یؤذن إلا متوضئ))

ترجمہ: اذان نہ کہے مگر وہ جس کا وضو ہو۔ (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب الاذان، ج1، ص79، المکتبۃ العصریہ)

مزید آگے فرماتے ہیں:

بے وضو کا اذان اور اقامت کہنا مکروہ ہے، اُس حدیث کی رُو سے جو ہم نے روایت کی: ((لا یؤذن إلا متوضئ)) نیز بے وضو اذان کہنا گویا لوگوں کو ایسی چیز کے لئے بلانا ہے جس کے لئے وہ خود تیار نہیں، فقہ حنفی کی کراہت والی روایت کی اتباع کی جائے گی کیونکہ یہ حدیث پاک کے موافق ہے، اگرچہ بے وضو کی اذان مکروہ نہ ہونے کی تصحیح کی گئی ہے۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب الاذان، ج1، ص79، المکتبۃ العصریہ)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں:

جائز ہے بایں معنے کہ اذان ہو جائے گی مگر چاہئے نہیں، حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، ولہذا علامہ شرنبلالی نے نظر بحدیث کراہت اختیار فرمائی۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص373، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ محمد بن یوسف غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

(مؤذن کا باوضو ہونا مستحب ہے) وضو کے ساتھ اذان کہنا افضل ہے، اور "المدونۃ" میں فقط یہ قول مذکور ہے کہ اگر بغیر وضو اذان کہی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (التاج والاکلیل لمختصر خلیل، فصل فی حکم الاذان والاقامۃ، ج2، ص90، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ اذان دینے والا باوضو ہو، کیونکہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:((حق و سنة أن لا یؤذن لکم أحدکم إلا وھو طاھر)) ترجمہ: حق اور سنت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اذان نہ کہے مگر باوضو ہو کر۔ایک دلیل یہ ہے کہ اگر وضو نہ تھا اور اذان کے بعد وضو کے لئے چلا گیا پھر کوئی نماز کے لئے آیا اور اُس کو کوئی مسجد میں نظر نہ آیا تو وہ واپس چلا جائے گا۔(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص112، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ باوضو اذان کہے۔اگر بے وضوئی یا جنابت کی حالت میں اذان یا اقامت کہہ دی تو اذان اقامت درست ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔امام شافعی اور آپ کے اصحاب نے اس کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے، اور اس کی کراہت پر یہ سب متفق ہیں۔اور ہماری دلیل وہ ہے جس کو مصنف نے ذکر کیا جسے ہم عنقریب ذکر کریں گے۔علما فرماتے ہیں: جنب کے اذان دینے کی کراہت، بے وضو کے اذان دینے کی کراہت سے بڑھ کر ہے۔اور اقامت کہنے کی کراہت بہت سخت ہے۔ (المجموع شرح المہذب، باب الاذان، ج3، ص104، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مؤذن کے لئے مستحب ہے کہ وہ حدث اصغر اور جنابت دونوں سے پاک ہو، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((لا یؤذن إلا متوضئ)) ترجمہ: صرف باوضو شخص اذان کہے۔اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا، اور یہ حضرت ابو ہریرہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔اور اس کا موقوف ہونا، مرفوع ہونے سے زیادہ مستند ہے۔اور بے وضو اذان کہنا بھی جائز ہے کیونکہ اذان، تلاوت قرآن سے زائد نہیں ہے، اور تلاوت قرآن کے لئے طہارت شرط نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل ممن یصح الاذان، ج1، ص300، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 146

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الإِمَامَ أَحَقُّ بِالإِقَامَةِ

امام، اقامت کا زیادہ حقدار ہے

202- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ قَالَ: أَخْبَرَنِي سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ، سَمِعَ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، يَقُولُ: كَانَ مُؤَذِّنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْهِلُ فَلَا يُقِيمُ، حَتَّى إِذَا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ أَقَامَ الصَّلَاةَ حِينَ يَرَاهُ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَحَدِيثُ سِمَاكٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَهَكَذَا قَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ: إِنَّ المُؤَذِّنَ أَمْلَكُ بِالأَذَانِ، وَالإِمَامُ أَمْلَكُ بِالإِقَامَةِ

سماک بن حرب نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا، آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مؤذن، اقامت میں تاخیر کرتا یہاں تک کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (حجرۂ مبارکہ سے) باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھتا تو نماز کے لئے اقامت کہتا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "حسن" ہے۔ اور حضرت سماک کی روایت کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

بعض علماء کا یہی قول ہے کہ مؤذن، اذان کا زیادہ اختیار رکھتا ہے، اور امام، اقامت کا زیادہ حقدار ہے۔

تخریج حدیث 202: (سنن ابی داود، باب فی المؤذن ینتظر الامام، حدیث 537، ج1، ص148، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

شرح حدیث

اقامت کا وقت امام پر موقوف ہے:

علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی (متوفی 1182ھ) لکھتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤذن اذان کا زیادہ اختیار رکھتا ہے)) یعنی اذان کا وقت اس کے سپرد ہے کیونکہ وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے، وہ اس پر امین ہے۔ ((اور امام، اقامت کا زیادہ حقدار ہے)) لہذا مؤذن امام کے اشارہ کے بعد ہی اقامت کہے........ اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مؤذن اذان کا زیادہ اختیار رکھتا ہے یعنی اذان کے وقت کی ابتدا اس کے سپرد ہے کیونکہ وہ (نماز کے) وقت پر امین ہے اور اس کی نگہبانی مؤذن ہی کے سپرد ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ امام، اقامت کا زیادہ حق رکھتا ہے لہذا مؤذن اقامت نہیں کہہ سکتا جب تک امام اس کا اشارہ نہ کردے۔ اور امام بخاری نے روایت کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أُقِيمَتُ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي)) یعنی جب اقامت کہی جائے تو تم اُس وقت تک کھڑے مت ہو یہاں جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقامت کہنے والا اقامت کہے اگرچہ امام موجود نہ ہو کیونکہ اس کی اقامت امام کی اجازت پر موقوف نہیں ہے۔ ایسا ہی شرح میں ہے۔ لیکن مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامت کہنے سے پہلے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ اقدس کی طرف نماز کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوتے۔ اور اذان کے بعد نماز کی اطلاع دینا اقامت کہنے کی اجازت طلب کرنا ہے۔

اور مصنف نے کہا: بے شک بخاری شریف کی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے معارض ہے، وہ اس طرح کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامت نہیں کہتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف نہیں لاتے۔ مصنف کہتے ہیں ان دونوں رواتیوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے (حجرۂ اقدس سے) باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے تھے جیسے ہی حضرت بلال آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے اقامت شروع کردیتے ابھی تک اکثر صحابہ نے زیارت نہیں کی ہوتی پھر جب صحابہ زیارت کر لیتے وہ بھی قیام کر لیتے۔

(سبل السلام، المؤذن املک بالاذان والامام املک بالاقامۃ، ج 1، ص 194,195، مطبوعہ دار الحدیث)

علامہ عبد الرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((مؤذن اذان کا اور امام اقامت کا زیادہ حقدار ہے)) یعنی اذان کا وقت عادل اور وقت کی جان پہچان رکھنے والے مؤذن کی رائے کے سپرد ہے لہذا اس معاملہ میں امام سے مراجعت کرنے کی حاجت نہیں ہے کیونکہ مؤذن ہی نماز کے وقت کی تاک میں رہتا ہے۔ اور اقامت کا وقت امام کی رائے سے وابستہ ہے لیکن اگر مؤذن کے علاوہ کوئی شخص مؤذن کی اجازت کے بغیر اذان دے دے یا امام کے علاوہ کوئی شخص امام کے اذن کے بغیر اقامت کہہ دے تو ان اذان و اقامت کا اعتبار ہوگا۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، فصل فی المحلی بال من ھذا الحرف الخ، ج6، ص250، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

لانعرفه الامن هذا الوجه:

امام ترمذی نے فرمایا کہ "حضرت سماک بن حرب کی روایت کو ہم صرف اسی وجہ (سند) سے جانتے ہیں" حالانکہ صحیح مسلم میں سماک بن حرب کی یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے: ((وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: كَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ إِذَا دَحَضَتْ، فَلَا يُقِيمُ حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا خَرَجَ أَقَامَ الصَّلَاةَ حِينَ يَرَاهُ)) ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال زوال آفتاب کے بعد اذان کہتے اور اقامت اُس وقت تک نہیں کہتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لاتے نہ دیکھتے، پھر جب حضور باہر تشریف لاتے تو حضور کی زیارت کرتے ہی اقامت شروع کر دیتے۔

(صحیح مسلم، باب متی یقوم الناس للصلاۃ، ج1، ص423، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 147

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَذَانِ بِاللَّيْلِ

شب کے وقت اذان کہنا

203- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى تَسْمَعُوا تَأْذِينَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، :وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَعَائِشَةَ، وَأُنَيْسَةَ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَسَمُرَةَ، قال ابوعيسىٰ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْأَذَانِ بِاللَّيْلِ، فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بِاللَّيْلِ أَجْزَأَهُ وَلَا يُعِيدُ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ ، وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: إِذَا أَذَّنَ بِلَيْلٍ أَعَادَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ " وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ بِلَالًا أَذَّنَ بِلَيْلٍ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنَادِيَ: إِنَّ الْعَبْدَ نَامَ، قال ابوعيسىٰ: هَذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى

حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک بلال رات کے وقت اذان دیتے ہیں لہذا جب تک تم ابن ام مکتوم کی اذان نہ سنو کھا پی سکتے ہو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت اُنیسہ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

رات کو اذان دینے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں: اگر (فجر کی) اذان رات کے وقت دے دی تو جائز ہے، لوٹانے کا حکم نہیں۔ امام مالک، ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی قول ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں: اگر مؤذن نے رات کو اذان دے دی تو (فجر کا وقت ہو جانے پر) دوبارہ دے۔ امام سفیان ثوری کا یہی نظریہ ہے۔

حماد بن سلمہ نے حضرت ایوب اور حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واسطہ سے، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت بلال نے رات کے وقت اذان دی تو نبی

عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَغَيْرُهُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَرَوَى عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ مُؤَذِّنًا لِعُمَرَ أَذَّنَ بِلَيْلٍ، فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يُعِيدَ الْأَذَانَ، وَهَذَا لَا يَصِحُّ، لِأَنَّهُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عُمَرَ مُنْقَطِعٌ، وَلَعَلَّ حَمَّادَ بْنَ سَلَمَةَ أَرَادَ هَذَا الْحَدِيثَ وَالصَّحِيحُ رِوَايَةُ عُبَيْدِ اللَّهِ، وَغَيْرِ وَاحِدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَالزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، قال ابوعيسىٰ وَلَوْ كَانَ حَدِيثُ حَمَّادٍ صَحِيحًا لَمْ يَكُنْ لِهَذَا الْحَدِيثِ مَعْنًى إِذْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَإِنَّمَا أَمَرَهُمْ فِيمَا يُسْتَقْبَلُ، فَقَالَ :إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ وَلَوْ أَنَّهُ أَمَرَهُ بِإِعَادَةِ الْأَذَانِ حِينَ أَذَّنَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ لَمْ يَقُلْ: إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ " :حَدِيثُ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو حکم فرمایا کہ یہ اعلان کریں" کہ بندہ (بلال) سو گیا تھا" یعنی اذان کے وقت سے غافل ہو گیا تھا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔ اور صحیح روایت وہ ہے جس کو عبداللہ بن عمر وغیرہ نے بواسطہ نافع، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں لہٰذا ابن ام مکتوم کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو۔

عبدالعزیز بن ابورَوّاد نے حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مؤذن نے (ایک بار) رات کے وقت اذان دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اذان کہنے کا حکم فرمایا لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ نافع کی (براہ راست) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو کہ منقطع ہے۔

ممکن ہے کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت ہی مراد لی ہو۔

اور صحیح روایت وہ ہے جسے عبید اللہ اور دیگر نے نافع کے واسطہ سے اور امام زہری نے سالم کے واسطہ کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک بلال رات کے وقت اذان دیتے ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اگر حضرت حماد کی روایت صحیح ہو تو اس حدیث کا مفہوم (درست) نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بلال رات کو اذان دیتے ہیں" اگر آپ طلوع فجر سے پہلے ہونے والی اذان لوٹانے کا حکم فرماتے تو یہ نہ فرماتے" کہ وہ رات کو ہی اذان دیتے ہیں"

علی بن مدینی فرماتے ہیں: حضرت حماد بن سلمہ کی روایت

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَأَخْطَأَ فِيهِ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ

(جو حضرت ایوب اور نافع کے واسطہ سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے) محفوظ نہیں ہے اور اُس میں آپ سے خطا واقع ہوئی ہے۔

تخریج حدیث 203: (صحیح بخاری بالفاظ مختلفۃ، باب الاذان قبل الفجر، ج 1، ص 127، حدیث 621، مطبوعہ دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل ....الخ، ج 2، ص 768، حدیث 1092، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب وقت السحور، ج 2، ص 303، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، المؤذنان للمسجد الواحد، ج 2، ص 10، حدیث 638، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے اذان:

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) کے نزدیک آدھی رات کے بعد کسی وقت بھی فجر کی اذان دے سکتے ہیں ،صبح صادق کے بعد اس کا اعادہ ضروری نہیں، ہاں صبح صادق کے بعد دوسری اذان دینا مستحب ہے جبکہ امام اعظم کے نزدیک دیگر اذانوں کی طرح فجر کی اذان فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہوگی ہی نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل مذکورہ حدیث پاک ہے جبکہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بھی صبح صادق سے پہلے والی اذان پر اکتفا نہیں فرمایا، ہمیشہ صبح صادق کے بعد اذان دلوائی ہے، بلکہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھول کر وقت سے پہلے اذان دے دی تو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ بندہ سو گیا تھا یعنی اذان کے وقت سے غافل ہو گیا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں صرف رمضان المبارک کے مہینے میں دو اذانیں دی جاتی تھیں جیسا کہ حدیث پاک کے درج ذیل الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں ((كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)) ترجمہ: تم اس وقت تک کھا پی سکتے ہو جب تک ابن ام مکتوم کی اذان نہ سنو۔ ظاہر ہے سحری میں کھانا پینا بالعموم رمضان مبارک میں ہوتا ہے۔

ان دو اذانوں میں سے ایک اذان سحری کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیتے تھے، اس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ مسجد نبوی میں تہجد پڑھ رہے ہیں وہ سحری کے لیے گھر لوٹ جائیں اور جو سو رہے ہیں وہ سحری کے لیے بیدار ہو جائیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَوْ أَحَدًا مِنْكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ، وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ)) ترجمہ: تم میں سے کسی کو بلال کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں، تاکہ تم میں سے (رات کا) قیام کرنے والا (مسجد نبوی سے گھر کی طرف) لوٹ جائے اور جو مشغول نیند ہے وہ بیدار ہو جائے۔ (صحیح بخاری، باب الاذان قبل الفجر، ج 1، ص 127، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اور رمضان میں دوسری اذان حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کے لیے دیتے تھے۔

دونوں حضرات میں باریاں تبدیل بھی ہوتی تھیں یعنی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سحری کے لیے اذان دیتے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کے لیے۔ جیسا کہ علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

گزشتہ حدیث، اس حدیث کے منافی نہیں ہے:((اِنَّ ابْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ بِلَالٌ)) ترجمہ: بے شک ابن اُمّ مکتوم رات میں اذان دیتے ہیں، تم کھاتے پیتے رہو حتی کہ بلال اذان دیں۔ کیونکہ یہ حدیث اگر صحیح ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ حضرت بلال اور حضرت ابن اُمّ مکتوم کی باریاں مقرر تھیں۔اور شاید دونوں میں سے کوئی ایک روایت اُس بات پر محمول ہے جو عہد مبارک کے آخری اَیام میں ثابت ہوئی یعنی دو دو وقتوں کو اُن دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب تاخیر الاذان، ج2، ص573، دار الفکر، بیروت)

اور رمضان کے علاوہ باقی سال میں ایک اذان ہوتی جو کہ عموماً حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیا کرتے، ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (رمضان کے علاوہ یا رمضان میں فجر کی اُذان دینے کی باری میں) چوک ہوگئی اور آپ نے فجر کی اذان وقت سے پہلے دے دی، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ یوں اعلان کریں:((اِنَّ الْعَبْدَ نَامَ)) کہ بندہ (بلال) سو گیا تھا یعنی اذان کے وقت سے غافل ہو گیا تھا۔

امام ترمذی کو یہاں اشتباہ ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو رات کو اذان دیتے تھے، اور اس حدیث پاک میں کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے دی تو اس طرح کا اعلان کروایا گیا، لہٰذا انہوں نے کہا کہ یہ حدیث پاک محفوظ نہیں، اس میں حماد سے غلطی ہوگئی ہے، ممکن ہے کہ حماد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے مؤذن والے واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ سمجھ لیا ہو۔

امام ترمذی کا یہ سارا کلام اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس حدیث پاک:((ان العبد نام)) کو اس باب کی حدیث کے معارض سمجھا ہے حالانکہ مذکورہ بالا تقریر سے واضح ہے کہ ان میں تعارض نہیں۔

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

ہماری دلیل مسلم شریف کی حدیث بواسطہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے، آپ فرماتی ہیں:((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ وَيُخَفِّفُهُمَا)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اذان سماعت فرماتے تو فجر کی دو رکعتیں (دو سنتیں) ادا کرتے اور اُن کی پابندی فرماتے۔استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہلی اذان پر اکتفا نہیں فرماتے تھے۔اور جو حدیث امام طحاوی اور امام بیہقی نے عبد الکریم عن نافع عن ابن عمر عن حفصہ روایت کی کہ جب مؤذن فجر کی اذان دیتا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر فجر کی دو سنتیں ادا فرماتے پھر مسجد کی طرف چلتے اور کھانا حرام کر دیا جاتا اور مؤذن فجر سے پہلے اذان نہیں دیتا تھا۔

اور عبد الکریم الجزری کے متعلق ابن معین اور ابن مدینی نے فرمایا وہ ثقہ ہیں، اور امام ثوری نے فرمایا میں نے ان جیسا

نہیں دیکھا۔

اور ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: ((إِنَّ بِلَالًا أَذَّنَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْجِعَ فَيُنَادِيَ: أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ نَامَ)) یعنی حضرت بلال نے طلوع فجر سے پہلے اذان دی تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو حکم فرمایا کہ لوٹ جاؤ اور یہ اعلان کرو: ''بے شک بندہ (بلال) سو گیا تھا'' موسیٰ کی روایت میں یہ زیادہ ہے: ((فَرَجَعَ فَنَادَى)) چنانچہ حضرت بلال واپس لوٹے اور اعلان کر دیا۔ لیکن امام ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث دَرَاوَرْدِی نے عبید اللہ اور نافع کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، آپ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مسعود نامی مؤذن تھا۔ اور پھر امام ابوداؤد نے اس کی مثل حدیث ذکر کی اور فرمایا: یہ حدیث اُس حدیث کی نسبت اصح ہے۔

میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں: یہ تعدّدِ واقعہ پر محمول کیا جائے گا۔ اور امام طحاوی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ((إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ)) کی یہ تاویل کی کہ حضرت بلال طلوع فجر کا خیال کر کے اذان دیتے لیکن وہ اس میں درستی کو نہیں پاتے۔ اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ فَإِنَّ فِي بَصَرِهِ سُوءًا)) ترجمہ: تمہیں بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ اُن کی آنکھ میں بیماری ہے۔

اور ایک دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ. قَالَتْ: وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا مِقْدَارُ مَا يَنْزِلُ هٰذَا وَيَصْعَدُ هٰذَا)) ترجمہ: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں، سو تم کھاتے اور پیتے رہو حتی کہ ابن اُم مکتوم اذان دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ان دونوں (کی اذانوں) کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہوتا کہ یہ (حضرت بلال مقامِ اذان سے) اُترتے اور یہ (ابن اُم مکتوم) چڑھتے۔ مقام غور یہ ہے کہ جب دونوں اذانوں میں اتنا قرب تھا تو اس سے ثابت ہوا کہ دونوں طلوع فجر کے وقت اذان دینے کا قصد کرتے لیکن حضرت بلال سے خطا ہو جاتی اور ابن اُم مکتوم درستی کو پا لیتے، کیونکہ ابن اُم مکتوم اُس وقت اذان نہیں کہتے جب اُن سے صحابہ کرام کی ایک جماعت یہ نہ کہتی: "أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ" یعنی صبح ہوگئی صبح ہوگئی۔

اور علامہ ابن دقیق العید نے الالمام میں فرمایا: ان دونوں روایتوں میں فقط اس جہت سے تعارُض متحقق ہوگا کہ حدیث کے الفاظ ((إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ)) رمضان کے علاوہ بقیہ سال کے متعلق ہوں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ صرف رمضان کے متعلق ہیں اس کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ((فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ بِلَالٌ))۔ کھاتے پیتے رہو حتی کہ بلال اذان

دیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تاخیر الاذان، ج2، ص573، دار الفکر، بیروت)

وقت سے پہلے اذان کے بارے میں مذاہب ائمہ

شوافع کا مؤقف:

علامہ زکریا بن محمد بن زکریا انصاری سنیکی شافعی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں:

(فجر کی اذان نصف رات کے بعد دی جائے) اس کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے: **((اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ فَکُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰی تَسْمَعُوا اَذَانَ ابْنِ مَکْتُوْمٍ))** بے شک حضرت بلال رات کو اذان دیتے ہیں، تم کھاتے پیتے رہو حتی کہ ابن ام مکتوم کی اذان سنو۔ اور اذان کا وقت رات کے دوسرے نصف میں اس لئے رکھا کہ یہ فجر کے وقت کے زیادہ قریب ہے۔ علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس پر کلام کرتے ہوئے کہ ان دونوں کی اذانوں میں اتنا فاصلہ ہوتا کہ یہ اُترتے اور یہ چڑھتے۔ علما فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر سے پہلے اذان دیتے اور اذان کے بعد دُعا وغیرہ کے لئے ٹھہرتے پھر فجر کا انتظار کرتے پس جب طلوع فجر قریب ہو جاتی تو آپ اُترتے اور حضرت ابن اُم مکتوم کو خبردار کر دیتے تو وہ تیار ہوتے پھر اوپر چڑھتے اور طلوع فجر کی ابتدا میں اذان شروع کر دیتے۔ اور فجر کے لئے دو اذانیں مستحب ہیں اگرچہ ایک مؤذن کی اذان فجر سے پہلے اور دوسرے کی اذان فجر کے بعد ہو جیسا کہ گذشتہ حدیث میں مذکور ہے۔ اگر ایک اذان پر اکتفا کا ارادہ ہو تو وہ اذان وقت سے پہلے یا درمیان میں دینے سے بہتر ہے کہ وقت ہو جانے کے بعد دی جائے البتہ ہر صورت ہی درست ہے۔

(اسنی المطالب، فروع الاذان، ج1، ص133، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(جو فجر کے علاوہ کسی نماز کی اذان وقت شروع ہونے سے پہلے ہی دے دے وہ وقت شروع ہونے کے بعد اس کا اعادہ کرے) اس مسئلہ میں کلام دو فصلوں میں ہے: ایک فصل یہ ہے کہ فجر کی علاوہ کسی نماز کی اذان وقت سے پہلے دینا کفایت نہیں کرے گا، اور اس میں سب کا اتفاق ہے۔ ابن منذر نے کہا: علما کا اس پر اجماع ہے کہ فجر کے علاوہ بقیہ نمازوں کی اذان دخول وقت کے بعد دینا سنت ہے۔ مزید یہ کہ اذان کی مشروعیت کا مقصد نماز کے وقت کی خبر دینا ہے لہذا وقت سے پہلے اذان مشروع نہیں کہ کہیں مقصد فوت نہ ہو جائے۔

دوسری فصل یہ ہے کہ فجر کی اذان وقت شروع ہونے سے پہلے دینا جائز ہے۔ امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی

اور اسحاق کا یہ مسلک ہے۔ جبکہ امام ثوری، امام ابوحنیفہ اور محمد بن حسن نے اس کی ممانعت فرمائی۔ اُن کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے: ((أَنَّ بِلَالًا أَذَّنَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْجِعَ فَيُنَادِيَ: أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ نَامَ، أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ نَامَ)) ترجمہ: حضرت بلال نے طلوع فجر سے قبل اذان دی تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ لوٹ جائیں اور یہ اعلان کریں: سن لو! بے شک بندہ سو گیا تھا، بے شک بندہ سو گیا تھا یعنی نماز کے وقت سے غافل ہو گیا تھا۔

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ((لَا تُؤَذِّنْ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ هٰكَذَا وَمَدَّ يَدَيْهِ عَرْضًا)) ترجمہ: اذان نہ دینا حتی کہ فجر تیرے لئے اس طرح واضح ہو جائے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چوڑائی میں ہاتھوں کو دراز فرمایا۔ اور یہ دونوں احادیث امام ابوداؤد نے روایت کیں۔

اور محدثین کے ایک گروہ نے فرمایا: اگر کسی مسجد کے دو مؤذن ہوں، ایک طلوع فجر سے پہلے اور دوسرا طلوع فجر کے بعد اذان دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اذان کا مقصد نماز کے وقت کی اطلاع دینا ہے اور یہ مقصد فجر سے پہلے اذان دینے سے فوت ہو جاتا ہے، لہذا بقیہ تمام نمازوں کی طرح فجر سے قبل اذان دینا بھی جائز نہیں سوائے اس کے کہ جب دو مؤذن ہوں کہ ایک کی اذان سے نماز کے وقت کی اطلاع ہو جائے گی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دو مؤذن تھے۔

ہم حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)) ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات میں اذان دیتے ہیں تم کھانا پینا جاری رکھو حتی کہ حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان دیں۔ (بخاری و مسلم) اور یہ حدیث حضرت بلال کے دائمی عمل پر دلالت کرتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا ممانعت نہیں فرمائی لہذا رات میں اذان دینے کا جواز ثابت ہو........ اور فجر کے وقت سے بہت زیادہ پہلے اُس کی اذان دینا مناسب نہیں ہے جبکہ علت وہ ہے جو ہم نے ذکر کی کیونکہ اس سے مقصود فوت ہو جائے گا۔

اور مروی ہے: ((إِنَّ بِلَالًا كَانَ بَيْنَ أَذَانِهِ وَأَذَانِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ أَنْ يَنْزِلَ هٰذَا وَيَصْعَدَ هٰذَا)) حضرت بلال اور ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اذانوں کے درمیان اتنا فرق ہوتا کہ یہ (حضرت بلال) اُترتے اور یہ (ابن اُم مکتوم) چڑھتے۔

اور یہ بھی مستحب ہے کہ فجر سے پہلے اذان نہ دی جائے مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی اور مؤذن بھی ہو جو فجر کا وقت ہو جانے پر اذان دے، جیسا کہ حضرت بلال اور ابن اُم مکتوم کی اذان کا معاملہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں اُنہوں نے دیں۔ کیونکہ اگر دوسرا مؤذن نہ ہو تو اذان کا مقصد (نماز کے وقت کی اطلاع) حاصل نہیں ہوگا۔ اگر دو مؤذن ہوں تو دوسرے مؤذن کے ذریعہ نماز کے وقت کی خبر ہو جائے گی اور پہلے مؤذن کے ذریعہ یہ معلوم ہوگا کہ نماز کا وقت قریب ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ الاذان قبل الوقت فی غیر الوقت، ج 1، ص 297، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ)

مالکیہ کا موقف:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

فجر کے سوا کسی نماز کی اذان قبل از وقت نہ کہے۔ امام شافعی اس مسئلہ میں ہم سے متفق ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ نے ہماری مخالفت کی اور (فجر کی اذان کو) بقیہ نمازوں کی اذان کی طرح ٹھہرایا، کیونکہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)) ترجمہ: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو حتی کہ ابن اُمّ مکتوم اذان دیں کیونکہ وہ اذان نہیں دیتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے۔ ابن قاسم کا بیان ہے: ان دونوں کی اذانوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا کہ یہ (حضرت ابن اُم مکتوم) چڑھتے اور وہ (حضرت بلال مقامِ اذان سے) اترتے۔

اور بعض طرق میں ہے: ((وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ)) ترجمہ: اور ابن اُمّ مکتوم نابینا تھے وہ اذان نہیں دیتے یہاں تک کہ آپ سے کہا جاتا "تم نے صبح پالی، تم نے صبح پالی"۔ اور اہل مدینہ کا اس پر اجماع بھی ہے جس کو بعد والے پچھلوں سے تواتر کے ساتھ نقل کرتے آئے ہیں۔ اور جب امام ابو یوسف کو اس کا علم ہوا تو آپ نے امام ابوحنیفہ کے موقف سے رجوع کر لیا۔ کیونکہ یہ وقت نیند کا ہے اور رات کے وقت بیویوں کے ساتھ ملاپ کے زیادہ ہونے کی بنا پر غسل کی بھی اس وقت حاجت ہو جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ چست بھی ہوتے ہیں اور سُست بھی اور فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا مستحب بھی ہے لہٰذا فجر سے پہلے اذان دینا متعین ہو گیا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل ابوداؤد شریف کی حدیث ہے، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: ((لَا تُؤَذِّنْ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ وَمَدَّ يَدَيْهِ عَرْضًا)) ترجمہ: اس وقت تک اذان نہ کہا کرو جب تک فجر تم پر اس طرح واضح نہ ہو جائے، اور حضور نے عرضاً اپنے دست مبارک پھیلائے۔

مزید ایک دلیل یہ ہے کہ قبل از وقت اذان کذب ہے (کیونکہ اذان نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے لئے ہے حال یہ ہے کہ ابھی وقت ہی نہیں ہوا) (الذخیرۃ للقرافی، الفصل الرابع فیما یؤذن لہ، ج2، ص69،70، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

احناف کا موقف اور اس پر دلائل:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

جہاں تک اذان اور اقامت کے وقت کا تعلق ہے تو ان کا وقت وہ ہی ہے جو فرض نمازوں کا وقت ہے۔ حتی کہ اگر قبل

اَز وقت اذان دیدی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کافی نہیں ہوگی، اور بعد اَز وقت دوبارہ دینی ہوگی۔ جبکہ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ رات کے دوسرے نصف میں فجر کی اذان کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی کی دلیل حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کی اپنے والد سے روایت ہے: ((اِنَّ بِلَالًا کَانَ یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ)) بے شک حضرت بلال رات کو اذان دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں فرمایا: ((لَا یَغُرَّنَّکُمْ اَذَانُ بِلَالٍ عَنِ السَّحُورِ فَاِنَّہٗ یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ)) ترجمہ: تمہیں بلال کی اذان سحری کھانے سے دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں۔ نیز فجر کا وقت مشتبہ ہے اور اس کی رعایت کرنے میں ایک گونہ حرج ہے جبکہ دیگر نمازوں میں ایسا نہیں ہے۔

طرفین کی دلیل عیاض بن عامر کے غلام شداد کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے ارشاد فرمایا: ((لَا تُؤَذِّنْ حَتّٰی یَسْتَبِینَ لَکَ الْفَجْرُ ھٰکَذَا، وَمَدَّ یَدَہٗ عَرْضًا)) ترجمہ: تم اذان نہیں دینا حتی کہ تیرے لئے فجر اس طرح روشن ہو جائے، اور حضور نے چوڑائی میں اپنے ہاتھوں کو پھیلایا۔

مزید ایک دلیل یہ ہے کہ اذان، وقت کا آغاز ہونے کی خبر دینے کے لئے مشروع ہوئی ہے اور وقت شروع ہونے سے پہلے وقت کے آغاز کی خبر دینا کذب ہے (کہ یہ واقع کے خلاف ہے) اور یوں ہی یہ امانت میں خیانت کرنے کے زُمرہ میں آتا ہے حال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی مؤذن تو امین ہے۔ اسی وجہ سے بقیہ نمازوں کی اذان بھی وقت سے پہلے دینا جائز نہیں ہے۔

مزید یہ کہ فجر سے قبل اذان دینا لوگوں کی تکلیف کا باعث ہے، کیونکہ وقت لوگوں کی نیند کا ہے بالخصوص اُس کے حق میں جس نے رات کے نصف اوّل میں تہجد ادا کر لی ہے پس اُن پر معاملہ مشتبہ ہو جائے گا اور یہ مکروہ ہے۔

اور روایت ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر طلوع فجر سے قبل اذان سنتے تو فرماتے: "عُلُوجٌ فِرَاغٌ لَا یُصَلُّونَ اِلَّا فِی الْوَقْتِ، لَوْ اَدْرَکَھُمْ عُمَرُ لَاَدَّبَھُمْ" ترجمہ: یہ ایک پیغام سنانے والا اور فارغ انسان ہے، لوگوں نے وقت کے اندر ہی نماز پڑھنی ہے، اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو پاتے ضرور اسے تادیب فرماتے۔

اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کی غرض سے اذان نہیں دیتے بلکہ دیگر مقاصد کے لئے اذان دیتے تھے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا یَمْنَعَنَّکُمْ مِنَ السَّحُورِ اَذَانُ بِلَالٍ فَاِنَّہٗ یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ لِیُوقِظَ نَائِمَکُمْ وَیَرُدَّ قَائِمَکُمْ وَیَتَسَحَّرَ صَائِمُکُمْ، فَعَلَیْکُمْ بِاَذَانِ ابْنِ اُمِّ مَکْتُومٍ)) ترجمہ: تمہیں بلال کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں تاکہ جو شخص سویا ہوا ہے وہ بیدار ہو جائے اور جو قیام اللیل میں مصروف ہے وہ لوٹ آئے اور جس کا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے وہ سحری کر لے، لہذا تم ابن اُم مکتوم کی اذان

کو لازم پکڑلو۔

اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے دو گروہ تھے، ایک گروہ رات کے نصف اول میں تہجد پڑھتا اور دوسرا نصف اخیر میں، اور حضرت بلال کی اذان دونوں میں حدِ فاصل تھی۔ اور اس بات کی دلیل کہ حضرت بلال کی اذان درج بالا مقاصد کے لئے تھی، ایسا نہیں کہ ان کی اذان نمازِ فجر کیلئے ہوتی اور حضرت ابن اُم مکتوم طلوع فجر کے بعد دوبارہ اذان دیتے۔ اور اذان دینے کا جو مقصد دیگر علما نے ذکر فرمایا وہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ فجر صادق جو اُفق میں پھیلی ہو وہ واضح ہوتی ہے جس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع، فصل بیان وقت الاذان والاقامۃ، ج1، ص155،154، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

(وقت سے پہلے اذان نہ کہی جائے اور اگر وقت سے پہلے دے دی گئی تو وقت میں اعادہ کیا جائے) امام ابو یوسف اور امام شافعی نے فرمایا: فجر کی اذان رات کے نصف اخیر میں دی جا سکتی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اُن کے نزدیک پوری رات اذانِ فجر کی وقت ہے۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ فَکُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰی یُؤَذِّنَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُومٍ)) ترجمہ: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں، سو تم کھاتے اور پیتے رہو حتی کہ ابن اُم مکتوم اذان دیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے لہذا اس کی اذان وقت سے پہلے دی جائے گی تا کہ لوگ تیاری کر لیں۔

ہم احناف دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: ((یَا بِلَالُ لَا تُؤَذِّنْ حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ)) ترجمہ: اے بلال! تم اذان نہ ہو حتی کہ طلوع فجر ہو جائے۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا۔ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اور عبد العزیز بن ابو رَوّاد اور نافع کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: ((اَنَّ بِلَالًا اَذَّنَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَغَضِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: حضرت بلال نے طلوع فجر سے پہلے اذان کہی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان پر غضب فرمایا۔

اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: ((مَا حَمَلَكَ عَلٰی ذٰلِكَ قَالَ اسْتَیْقَظْتُ وَاَنَا وَسْنَانُ فَظَنَنْتُ اَنَّ الْفَجْرَ طَلَعَ فَاَمَرَهُ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَنْ یُنَادِیَ اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ)) ترجمہ: کس چیز نے تمہیں اس (وقت سے پہلے اذان دینے) پر آمادہ کیا؟ حضرت بلال نے عرض کیا: میں اونگھتے

ہوئے بیدار ہوا تو میں سمجھا کہ فجر طلوع ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں حکم دیا کہ اعلان کریں! بے شک بندہ سوگیا تھا۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی کی بیان کردہ روایات میں اُن کے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں، کئی وجوہ سے:

(1) اوّل یہ کہ حدیث میں فقط حضرت بلال کے وقت سے قبل اذان دینے کا ذکر ہے اور ان کو بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس سے منع فرما دیا۔ اور حضرت بلال کا یہ فعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ممانعت کے معارِض نہیں ہے۔

(2) دوم یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خیال کر کے اذان دی کہ فجر طلوع ہوگئی اور اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عتاب فرمایا حتی کہ وہ رو پڑے، اور کہنے لگے: ((لَيْتَ بِلَالًا لَمْ تَلِدْهُ أُمُّهُ)) یعنی کاش بلال کو اُس کی ماں نے نہ جنا ہوتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ((لَمْ يَكُنْ بَيْنَ أَذَانِهِمَا إِلَّا مِقْدَارُ مَا يَنْزِلُ هٰذَا وَيَصْعَدُ هٰذَا)) ترجمہ: ان دونوں (کی اذانوں) کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ یہ (حضرت بلال مقامِ اذان سے) اترے اور وہ (حضرت ابن اُم مکتوم) چڑھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دونوں حضرات ایک وقت یعنی طلوع فجر کے وقت اذان دینے کا قصد کرتے، ایک طلوع فجر ہی میں اذان دیتا اور دوسرے سے خطا ہو جاتی (اور وہ وقت سے پہلے اذان دیدیتا)۔

(3) سوم یہ کہ صاحبِ الامام نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان: ((إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ)) ترجمہ: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں۔ فقط رمضان کے متعلق تھا بقیہ سال کے متعلق نہیں۔ ہم نے کہا: یہ اذان نہیں تھی، فقط یاددہانی اور سحری کے وقت بیدار کرنے کی غرض سے اعلان ہوتا جیسا کہ وہ عادت جو صحابہ کرام کے درمیان رمضان میں رائج تھی۔

اور اَسلاف کا رات کو اذان دینے والے پر انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قبل از وقت اذان دینا جائز نہیں ہے، اور یہ قوی ترین دلیل ہے۔ اور انہی دلائل میں سے ایک دلیل وہ ہے جسے ابو عمر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابراہیم کے حوالہ سے ذکر کیا، آپ کہتے ہیں: جب مؤذن رات کو اذان دیتا تو لوگ اُس سے کہتے: ((اتَّقِ اللّٰهَ وَأَعِدْ أَذَانَكَ)) اللہ سے ڈر اور اپنی اذان کا اعادہ کر۔ اور حضرت علقمہ نے ایک مؤذن کو رات میں اذان دیتے ہوئے سنا تو فرمایا: ((أَمَّا هٰذَا فَقَدْ خَالَفَ سُنَّةَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ كَانَ نَائِمًا لَكَانَ خَيْرًا لَهُ)) ترجمہ: اس شخص نے صحابۂ کرام کی سنت کی مخالفت کی، اگر یہ سویا رہتا تو اس کے حق میں بہتر تھا۔ صحابۂ کرام کے حوالہ سے اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں۔

فجر سے پہلے اذان کے عدم جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ پوری رات میں اذان دینا جائز ہو تو یہ فجر کی اذان کے مغرب کی اذان کے ساتھ اشتباہ ہونے اور قبل از عشا فجر کی اذان ہو جانے کا سبب بنے گا۔ اور یہ محال ہے اور اس کا فساد کسی پر مخفی

نہیں ہے۔

اورعلمائے کرام نے جووقت مقرر کیے ہیں یعنی تہائی رات اور نصف رات کے بعد یا پوری رات میں کسی بھی وقت فجر کی اذان دینا جائز ہے، یہ سب اختراعی ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابہ کرام سے یہ منقول نہیں ہیں۔

(تبیین الحقائق، ولا یؤذن قبل الوقت، ج 1، ص 93، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

باب نمبر 148

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الخُرُوجِ مِنَ المَسْجِدِ بَعْدَ الأَذَانِ

اذان کے بعد مسجد سے باہر نکلنے کی کراہیت کا بیان

204- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ :حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ المُهَاجِرِ، عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ، قَالَ :خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ المَسْجِدِ بَعْدَ مَا أُذِّنَ فِيهِ بِالعَصْرِ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا القَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قال ابوعيسىٰ وَفِي البَابِ عَنْ عُثْمَانَ، حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَعَلَى هَذَا العَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ :أَنْ لَا يَخْرُجَ أَحَدٌ مِنَ المَسْجِدِ بَعْدَ الأَذَانِ، إِلَّا مِنْ عُذْرٍ :أَنْ يَكُونَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، أَوْ أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ .وَيُرْوَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، أَنَّهُ قَالَ :يَخْرُجُ مَا لَمْ يَأْخُذِ المُؤَذِّنُ فِي الإِقَامَةِ .قال ابوعيسىٰ وَهَذَا عِنْدَنَا لِمَنْ لَهُ عُذْرٌ فِي الخُرُوجِ مِنْهُ .وَأَبُو الشَّعْثَاءِ اسْمُهُ سُلَيْمُ بْنُ أَسْوَدَ، وَهُوَ وَالِدُ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، وَقَدْ رَوَى أَشْعَثُ بْنُ أَبِي الشَّعْثَاءِ هَذَا الحَدِيثَ،

حضرت ابوالشعثاء بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی عصر کی اذان ہونے کے بعد مسجد سے باہر چلا گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اِس شخص نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت موجود ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسی مسئلہ پر عمل ہے کہ کوئی شخص اذان کے بعد مسجد سے باہر نہ جائے مگر یہ کہ کوئی عذر ہو مثلاً بے وضو ہو یا کوئی ضروری کام ہو (تو جا سکتا ہے)۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: مسجد سے باہر جا سکتا ہے جب تک مؤذن اقامت شروع نہ کرے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک یہ حکم اُس کے لئے ہے جسے باہر جانے کے لئے عذر درپیش ہو۔

''ابوالشعثاء'' کا نام سُلیم بن اَسود ہے، اور وہ اَشعث بن ابوالشعثاء کے والد ہیں۔

اَشعث ابن ابوالشعثاء نے اس حدیث کو اپنے والد سے

عَنْ أَبِيهِ روایت کیا ہے۔

تخریج حدیث204: (صحیح مسلم باب النھی عن الخروج من المسجد، ج1، ص453، حدیث655، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب الخروج من المسجد بعد الاذان، ج1، ص147، حدیث536، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، التشدید فی الخروج من المسجد بعد الاذان، ج2، ص29، حدیث684، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب اذا اذن وانت فی المسجد فلا تخرج، ج1، ص242، حدیث733، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

((ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اِس شخص نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی)) ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت سُنی ہو۔ پھر بے شک اذان کا مقصد غائب لوگوں کو نماز کے لئے بلانا ہے اگر موجود شخص مسجد سے چلا گیا تو بلاشبہ اُس نے مقصد کی ضد کو سرانجام دیا۔ (کشف المشکل فی حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند ابی ہریرہ الدوسی، ج3، ص594، دار الوطن، ریاض)

علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس پر محمول ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے جیسا کہ معرضِ استدلال میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے گویا حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو سُنا اُس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا حرام ہے، اس لئے حضرت ابوہریرہ نے اس پر معصیت کا اطلاق کیا۔ (حاشیۃ السیوطی علی سنن النسائی، کتاب الاذان، ج2، ص29، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں:

((تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بہرحال اِس شخص نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی)) امام طیبی فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ جو مسجد میں ٹھہر گیا اور نماز ادا کی اُس نے حضور ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی ۔کیونکہ یہاں ''أَمَّا'' تفصیلیہ ہے جو دو یا دو سے زائد چیزوں کا تقاضا کرتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الجماعۃ وفضلہا، ج3، ص843، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سوائے امام بخاری کے جماعتِ محدثین نے حضرت ابوشعثاء سے روایت کی، آپ فرماتے ہیں: **((كُنَّا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ رَجُلٌ حِينَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِلْعَصْرِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ))** ترجمہ: ہم مسجد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی عصر کی اذان ہونے کے بعد مسجد سے باہر چلا گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔

اوراس جیسی حدیث بعض علما کے نزدیک موقوف کا درجہ رکھتی ہے اگرچہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس کے بارے میں اور اس جیسی احادیث کے بارے میں مسند کا قول کیا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، فرمایا: ((مَنْ لَمْ یُجِبِ الدَّعْوَۃَ فَقَدْ عَصَی أَبَا الْقَاسِمِ)) ترجمہ: جس نے دعوت قبول نہیں کی اُس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: اس کے بارے میں علما کا اختلاف نہیں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الجماعۃ وفضلہا، ج3، ص843، دارالفکر، بیروت)

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

جس مسجد میں اذان ہوگئی ہو اس سے اس شخص کا نکلنا جس نے نماز نہ پڑھی ہو مکروہ تحریمی ہے، مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ حدیث میں موجود ممانعت ہے۔ اذان کا ذکر غالب کے اعتبار سے ہے ورنہ یہاں دخول وقت مراد ہے چاہیے اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

البتہ (۱) اُس شخص کو اجازت ہے جس نے کسی دوسری جماعت کا انتظام کرنا ہے، (۲) یا اپنے محلہ کی مسجد کی طرف جانا ہے حال یہ ہو کہ وہاں نماز نہ ہوئی ہو (۳) یا سبق کے لئے اُستاذ کے پاس جانا ہے (اس کا ظاہر یہ ہے کہ نکلنے کی اجازت اُس وقت ہے جب مکمل یا بعض سبق رہ جانے کا اندیشہ ہو بصورت دیگر اجازت نہیں۔ شامی) (۴) یا وعظ سننے کے لیے جانا ہے (۵) یا کوئی حاجت ہے اور وہ شخص دوبارہ آجانے کا ارادہ رکھتا ہو، نہر، (۶) اور اُس کو بھی اجازت ہے جس نے تنہا ظہر اور عشا کی نماز پڑھ لی ہو، لہٰذا ایسے شخص کا نکلنا مکروہ نہیں ہے، مگر اُس صورت میں جب اقامت شروع ہوگئی ہو تو جماعت سے مخالفت کی وجہ سے بغیر عذر نکلنا مکروہ ہے، بلکہ بہ نیت نفل جماعت میں شریک ہوجائے۔ البتہ فجر، عصر اور مغرب کی نماز ایک بار پڑھ لی ہو تو اس صورت میں مطلقاً نکلنے کی اجازت ہے اگرچہ اقامت شروع ہوگئی ہو کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نوافل مکروہ ہیں اور مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنے کی صورت میں دو میں سے کوئی محظور کا ارتکاب ہوگا: (۱) بتیراء یعنی ایک رکعت پڑھنا (۲) اور اگر ایک رکعت اور ملا لی تو امام کی مخالفت لازم آئے گی۔ اور نہر الفائق میں ہے: چاہیے کہ نکلنا واجب ہو کیونکہ بغیر نماز ٹھہرنے کی ممانعت سخت تر ہے۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار، باب ادراک الفریضۃ، ج2، ص54،55، دارالفکر، بیروت)

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

(جس مسجد میں اذان ہوگئی ہو اُس سے بغیر نماز پڑھے نکلنا مکروہ ہے اور اگر نماز پڑھ لی تو مکروہ نہیں سوائے ظہر اور عشا کی نماز کے اگر اقامت شروع ہوگئی ہو) کیونکہ سنن ابن ماجہ کی حدیث ہے:((مَنْ أَدْرَكَ الْأَذَانَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ)) ترجمہ: جو مسجد میں اذان کو پالے پھر بلاضرورت چلا جائے اور واپسی کا ارادہ نہ ہو تو منافق ہے۔ اور امام بخاری کے علاوہ محدثین کی جماعت نے ابوالشعثاء سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں:((كُنَّا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ رَجُلٌ حِينَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِلْعَصْرِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ)) ترجمہ: ہم مسجد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ تھے پس جب مؤذن نے عصر کی اذان کہی تو ایک شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اِس شخص نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ اور اس جیسی موقوف حدیث مرفوع کی مانند ہوتی ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی کراہت، کراہت تحریمیہ ہے۔ اور اطلاق کے وقت یہی کراہت مراد ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ماقبل بیان کیا۔

اور مشائخ نے بعض صورتوں کا استثنا کیا ہے: ایک یہ کہ اگر اس نے دوسری جماعت کا انتظام کرنا ہو جیسا کہ وہ مؤذن یا امام مسجد ہو اُس کی عدم موجودگی سے جماعت متفرق ہو جائے گی ایسا شخص اذان کے بعد نکل سکتا ہے کیونکہ اُس نے صورۃً تکمیل کو چھوڑا ہے مگر معنوی طور پر تکمیل کو اختیار کیا ہے اور اعتبار معنیٰ کا ہے۔ نہایہ میں یہ زیادہ کیا "یا مسجد سے نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے گا تو اس میں بھی مطلقاً کوئی حرج نہیں، اس میں امام اور مؤذن ہونے کی قید نہیں ہے۔ لیکن اس میں جو کمزوری ہے وہ مخفی نہیں کیونکہ اس شخص کا (جو مؤذن اور امام نہیں مسجد سے) نکلنا مکروہ تحریمی ہے اور اپنے قبیلہ کی مسجد میں نماز مستحب ہے اور مستحب کی وجہ سے کسی مکروہ کا ارتکاب نہیں کرسکتا اور نہایہ میں جو ذکر کیا اُس قید سے اس مسئلہ کی تقیید پر کوئی دلیل نہیں۔

اور مصنف نے اس مسئلہ کو مطلق رکھا تو اس میں عموم ہے خواہ اذان کے وقت مسجد میں ہو یا اذان کے بعد مسجد میں داخل ہوا ہو، اور ظاہر یہ ہے کہ مسجد میں اذان ہونے سے مراد نماز کا وقت شروع ہونا ہے خواہ اذان ہوئی یا نہیں۔ جیسا کہ بغیر نماز پڑھے نکلنے کا ظاہر جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا ہے خواہ مسجد سے نکل جائے یا مسجد میں ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھے، جیسا کہ ہم اپنے زمانہ کے بعض فاسقوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، حتیٰ کہ اگر مستحب وقت کے شروع ہونے تک جماعت میں تاخیر کردی جائے مثلاً صبح کی نماز، اور کوئی شخص وقت شروع ہونے کے بعد مسجد سے نکل گیا پھر واپس آگیا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو یہ مکروہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور میں نے ان تمام مسائل کی صراحت کتب فقہ میں نہیں دیکھی۔

اور ماتن کا یہ قول **(اگر نماز پڑھ لی ہو تو نہیں)** یعنی اگر فرض نماز تنہا پڑھ لی تو پھر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے پہلے

نکلنا مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اُس نے اللہ کے داعی کو ایک بار جواب دیدیا لہذا دوبارہ اس پر دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہے۔
اور ظاہر یہ ہے کہ اُن کا مقصد یہ ہے کہ نکلنا مکروہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ مطلقاً کراہت نہیں ہے، کیونکہ تنہا نماز پڑھنے والے نے جماعت ترک کر کے کراہت کا ارتکاب کیا ہے کہ صحیح قول کے مطابق جماعت سنت مؤکدہ یا واجب ہے۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس مسئلہ سے آگاہ کیا ہو۔
اور مصنف نے استثناء کیا ظہر اور عشا کی نمازوں میں نکلنے کا جب اقامت شروع ہو جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے ظہر یا عشا کی نماز تنہا پڑھ لی اُس کے لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے پہلے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ اس پر کھلے عام جماعت کی مخالفت کرنے کی تہمت لگے گی اور ان دونوں نمازوں کے بعد نفل پڑھنا مکروہ نہیں۔ اور جہاں تک فجر اور عصر کی نماز کا تعلق ہے تو ان نمازوں میں باہر چلے جانا مکروہ نہیں کہ ان کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہیں، اور مغرب کی نماز میں بھی نکلنے کی اجازت ہے کہ تین رکعات نفل پڑھنا لازم آئے گا یا اگر (ایک رکعت اور ملا کر) مکمل چار رکعتیں کر لیتا ہے تو اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی اور ہر دو کام مکروہ ہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اور مصنف نے بغیر نماز پڑھے مسجد میں ٹھہرنے کا حکم بیان نہیں کیا، بہر حال اُس مقام پر کہ جب نفل مکروہ نہیں تو (مسجد میں بغیر نماز پڑھے ٹھہرنے کی) کراہت ظاہر ہے، اور اُس مقام پر جہاں نفل مکروہ ہیں تو محیط میں ذکر کیا کہ عصر، مغرب اور فجر میں نکلنے کی اجازت ہے کہ ان نمازوں کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے، سو اگر وہ ٹھہر گیا اور جماعت کے ساتھ شامل نہ ہوا تو یہ مکروہ ہے کیونکہ جماعت کی مخالفت عظیم گناہ ہے۔

(بحر الرائق، الخروج من المسجد بعد الاذان، ج2، ص78، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:
بلا عذر اذان کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ ہے حتی کہ نماز پڑھ لے، حضرت ابو الشعثاء کی حدیث کی وجہ سے، وہ بیان کرتے ہیں: ((كُنَّا قُعُودًا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْمَسْجِدِ فَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ يَمْشِي فَأَتْبَعَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ بَصَرَهُ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: ہم مسجد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت مؤذن نے اذان دی اور ایک شخص مسجد سے اٹھ کر جانے لگا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ اس کا تعاقب کرتی رہی حتی کہ وہ مسجد سے نکل گیا، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا، اس شخص نے ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (المجموع شرح المہذب، فصل فی المساجد واحکامہا، ج2، ص179، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اذان کے بعد بلا عذر مسجد سے نکلنا جائز نہیں، امام ترمذی نے فرمایا: صحابہ کرام اوران کے بعد والوں کا اسی پر عمل ہے کہ اذان کے بعد بلا عذر مسجد سے کوئی نہ نکلے۔ ابو الشعثاء نے بیان کیا: ((كُنَّا قُعُودًا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ يَمْشِي، فَأَتْبَعَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ بَصَرَهُ حَتَّى خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: ہم مسجد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، مؤذن نے اذان دی تو ایک شخص مسجد سے اٹھ کر جانے لگا پس حضرت ابو ہریرہ کی نگاہ اس کا تعاقب کرتی رہی حتی کہ وہ مسجد سے نکل گیا، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: اِس شخص نے حضرت ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی۔ اس کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ أَدْرَكَهُ الْأَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ)) ترجمہ: جو مسجد میں اذان کو پالے پھر بلا ضرورت چلا جائے اور واپسی کا ارادہ نہ ہو تو منافق ہے۔ (ابن ماجہ) البتہ عذر کی وجہ سے نکلنا جائز ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھویب کی غرض سے نکلے۔ یوں ہی جس کی نیت واپس آنے کی ہے وہ بھی نکل سکتا ہے، اس کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل الخروج من المسجد بعد الاذان، ج1، ص296,297، مکتبۃ القاہرہ)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی کراہت کے بارے میں امام مالک نے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ ایک شخص حج کرنے لئے آیا اور حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بیٹھ گیا، مؤذن نے اذان دی تو اُس شخص نے ارادہ کیا کہ مسجد سے نکلے اور نماز تاخیر سے ادا کرے، حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس سے فرمایا: مت نکلو کیونکہ مجھے خبر ملی ہے کہ جو شخص اذان کے بعد مسجد نکلے اور واپس لوٹنے کا ارادہ نہ ہو تو اُس کو ایک بُری چیز پہنچے گی۔ راوی کہتے ہیں پس وہ شخص بیٹھ گیا پھر اس نے اقامت میں تاخیر سمجھی، اُس نے کہا: میرا خیال ہے کہ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ صرف مجھے روکنے کے لیے فرمایا ہے، یہ کہہ کر وہ نکل گیا اور سواری پر سوار ہو گیا، سواری نے اُس کو پچھاڑ دیا، یہ خبر سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی تو آپ نے

فرمایا: میرا یہی خیال تھا کہ اسے ناپسندیدہ چیز پہنچے گی۔

محمد بن رشد کہتے ہیں: حضرت سعید کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ یہ خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے پہنچی ہے کیونکہ اس جیسی خبر اپنی رائے اور قیاس سے بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والا جس کا ارادہ لوٹنے کا نہیں ہے، اُس کو یہ فوراً سزا اللہ کی طرف سے اس لئے ملی کہ اُس نے اپنی دنیاوی حاجتوں کو اُس نماز پر ترجیح دی جس کا وقت آچکا ہے۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے۔

ہاں اگر نماز سے بے رغبتی اور اُس کی ادائیگی سے انکار کرتے ہوئے نکلا تو ایسا شخص منافق ہے۔

اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی کہ اذان کے بعد مسجد سے کوئی نہیں نکلتا کہ واپسی کا ارادہ نہ ہو سوائے منافق کے۔ (البیان والتحصیل، الخروج من المسجد بعد الاذان، ج17، ص104،105، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

"البیان والتحصیل" کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

صاحبِ تمہید نے بلاغات مالک میں ذکر کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو مسجد میں چلتا ہے اور اذان کے بعد نکلتا ہے، آپ نے فرمایا: ((أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ)) بلاشبہ اس نے حضور ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔

ابوعمر بن عبدالبر نے فرمایا: اس حدیث کی وجہ سے علما نے اس حدیث کے مطابق قول کرنے پر اجماع کیا اُس شخص کے لئے جس نے نماز نہیں پڑھی اور وہ باوضو تھا۔ اور یوں ہی اگر وہ اکیلے نماز پڑھ چکا تھا سوائے اُن نمازوں کے جن کا اعادہ نہیں کیا جاتا، پس اُس کے لئے بالاتفاق مسجد سے نکلنا حلال نہیں مگر یہ کہ وہ وضو کے لئے نکلے یا واپس آنے کی نیت ہو۔ اُن کلام ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں: اُن کا یہ قول (حلال نہیں) یعنی اُس کے لئے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ مکروہ کام حلال نہیں ہوتا کہ حلال وہ ہے جو مباح ہو، اور الفاظ کا ظاہر تحریم پر دلالت کرتا ہے، یوں ہی حدیث کے یہ الفاظ ((اُس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی)) تحریم پر دلالت کرتے ہیں۔ (مواھب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، تنبیہ الاذان خلف المسافر ج1، ص467، دارالفکر، بیروت)

باب نمبر149

بَابُ مَا جَاءَ فِي الأَذَانِ فِي السَّفَرِ

سفر میں اذان دینے کا بیان

205-حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ خَالِدٍ الحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الحُوَيْرِثِ، قَالَ :قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِي، فَقَالَ لَنَا : إِذَا سَافَرْتُمَا فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا، وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا .قَالَ ابوعيسى: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ اخْتَارُوا الأَذَانَ فِي السَّفَرِ، وقَالَ بَعْضُهُمْ :تُجْزِءُ الإِقَامَةُ، إِنَّمَا الأَذَانُ عَلَى مَنْ يُرِيدُ أَنْ يَجْمَعَ النَّاسَ، وَالقَوْلُ الأَوَّلُ أَصَحُّ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

حضرت مالک بن حُویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا چچازاد بھائی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا: جب تم سفر کرو تو اذان کہنا اور اقامت کہنا، اور چاہیے کہ تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ اور اس پر عمل کرتے ہوئے اکثر علماء نے سفر میں اذان (کہنے) کو اختیار کیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اقامت کہنا کافی ہے کیونکہ اذان اُس شخص پر کہنا لازم کہ جو لوگوں کو جمع کرنا چاہتا ہو۔

پہلا قول صحیح ترین ہے۔ امام احمد اور امام اسحاق اسی کے قائل ہیں۔

تخریج حدیث205: (صحیح بخاری، باب سفر الاثنین، ج4، ص28، حدیث2848، دار طوق النجاۃ☆صحیح مسلم، باب من احق بالامامۃ، ج1، ص466، حدیث674، دار احیاء التراث العربی، بیروت☆سنن ابی داؤد، باب من احق بالامامۃ، ج1، ص161، حدیث589، المکتبۃ العصریہ، بیروت☆سنن نسائی، اذان المنفردین فی السفر، ج2، ص8، حدیث634، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب☆سنن ابن ماجہ، من احق بالامامۃ، ج1، ص313، حدیث979، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے)) کہا گیا کہ آپ قبیلہ بنی لیث سے ہیں، ایک وفد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور بیس دن بارگاہ میں حاضری رہی، اور بصرہ میں قیام کیا، یہ علامہ طیبی نے فرمایا ہے۔((جب تم دونوں سفر کرو تو اذان اور تکبیر کہو)) یعنی تم میں سے ایک اذان کہے اور اقامت کہے۔ اور تمہیں اختیار اُس وقت ہے کہ جب تم دونوں یکساں ہو((اور چاہیے کہ تمہاری امامت تم میں سے بڑا کرے)) یعنی عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو کیونکہ وہ اسلام کے اعتبار سے سابق ہے۔ یا رتبہ کے اعتبار سے جو بڑا ہو کیونکہ اُس کے متعلق غالب گمان یہ ہے کہ وہ اَحکام کا زیادہ علم رکھتا ہے، مطلب یہ کہ تم میں سے اَفضل تمہاری امامت کرے۔ علامہ ابن حجر نے اس تفصیل پر اکتفا کیا ہے۔ اور اس حدیث سے امامت کی فضیلت ثابت ہوئی۔ ابن ملک کہتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان صاحب فضیلت اور بڑے شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہے برخلاف امامت کے کیونکہ عمر یا رتبہ کے لحاظ سے بڑے شخص کی امامت مستحب ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تاخیر الاذان، ج2، ص574، دار الفکر، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((چاہیے کہ تم میں سے کوئی ایک اذان کہے)) اگر تم کہو کہ اگلے باب میں مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تو یہ الفاظ ہیں:((إِذَا أَنْتُمَا خرجتما فأذنا ثمّ أقيما)) یعنی جب تم دونوں سفر کرو تو دونوں اذان کہنا اور اقامت کہنا (یعنی اس حدیث پاک میں دونوں کو اذان و اقامت کہنے پر فرمایا ہے جبکہ پہلی حدیث پاک میں دونوں میں ایک کو فرمایا، لہذا) ان دونوں حدیثوں میں واضح تعارُض ہے۔ میں (بدرالدین عینی اس کے جواب میں) کہتا ہوں: اس کا معنی یہ بیان کیا گیا: تم میں سے جو اذان کہنا چاہے اذان کہے۔ اور یہ حکم دونوں کے فضیلت میں برابری کے وقت ہے، لیکن اس میں نظر ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کبھی کہا جاتا ہے "فلَان قتله بَنو تَمِيم " یعنی فلاں کو بنو تمیم نے قتل کیا، حالانکہ قتل اُن میں سے ایک کرتا ہے۔ یہ ہی بات اِنشا میں ہے، کہا جاتا ہے " يـا تـمِيـم اقتُلوه "اے بنو تمیم! فلاں کو قتل کرو۔ میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ تثنیہ ذکر کر کے اُس سے واحد مراد لیا جاتا ہے، اس کی مثل یہ ہے "قِـفَـا نبْكِ " یعنی تو ٹھہر تا کہ ہم رو لیں، اور شاعر کا مقصد ایک شخص کو خطاب کرنا ہے۔ ایسا ہی جمع کے صیغہ میں ہوتا ہے (یعنی جمع ذکر کر کے اُس سے واحد مراد لیا جاتا ہے) اور تمیمی نے کہا:

"اذنا" سے فضیلت مراد ہے ورنہ تو ایک شخص کی اذان کافی ہے۔
(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب من انتظر الاقامۃ، ج5، ص143، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:
((تم دونوں اذان کہنا)) ہم گذشتہ باب میں بیان کر چکے ہیں کہ اس سے مراد دونوں میں سے ایک شخص ہے، کیونکہ تثنیہ کے صیغہ سے واحد کو بھی مخاطب کیا جاتا ہے جیسا کہ وہاں ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو طبرانی نے اس معاملہ میں حماد بن سلمہ کی سند سے خالد حذاء کے حوالہ سے روایت کیا: ((إذا كنت مع صاحبك فأذن وأقم وليؤمكما أكبركما)) ترجمہ: جب تو اپنے صاحب کی معیت میں ہو تو اذان اور اقامت کہہ اور چاہیے کہ تم دونوں میں جو بڑا ہو وہ تمہاری امامت کرے۔ اور ابن قصار نے کہا اس سے اذان کی فضیلت کا بیان مقصود ہے ورنہ تو ایک شخص کی اذان کافی ہے۔ میں نے کہا انہوں نے الفاظ کے ظاہر کو دیکھا ہے حالانکہ ظاہر مراد نہیں، کیونکہ سلف صالحین سے اس کا خلاف منقول ہے۔ اور اگر یہ مقصد ہو کہ دونوں ہی اذان کہیں تو ایسا بھی نہیں کیونکہ ایک شخص کی اذان پوری جماعت کے لئے کافی ہوتی ہے **((اور چاہیے کہ تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرے))** امام قرطبی فرماتے ہیں: یہ حدیث اُن دونوں کے شرائط اقامت میں یکساں ہونے اور عمر کے لحاظ سے ایک کے راجح ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور ابن بزیزہ نے کہا ممکن ہے کہ اس حدیث میں فضیلت اور علم کے لحاظ سے بڑے ہونے کی طرف اشارہ ہو۔
(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب من انتظر الاقامۃ، ج5، ص145، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فوائد حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

(1) امام قرطبی فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان **((اور چاہیے کہ تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرے))** میں اس پر دلالت ہے کہ امامت کی شرائط میں دونوں برابر ہوں اور ان میں سے ایک عمر کی وجہ سے دوسرے سے راجح ہو۔ میں (بدرالدین عینی) کہتا ہوں: کیونکہ یہ سب باقی خصلتوں میں یکساں تھے وہ یوں کہ سب مہاجر، مسلمان اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ تھے اور بیس رات حضور کی صحبت میں رہے اور آپ سے علم کے حصول میں برابر کے شریک تھے لہٰذا عُمر کے سوا فضیلت کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔

(2) اور اس حدیث میں ہمارے علما کی دلیل ہے اس بارے میں کہ امامت، اذان سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اور چاہیے کہ تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرے)) امامت بڑے کے لئے خاص فرمائی۔

(3) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جماعت امام اور مقتدیوں کے ساتھ صحیح ہوتی ہے اور یہ مسلمانوں کا اجماعی مسئلہ ہے۔

(4) اور اس حدیث میں اذان کی محافظت کی ترغیب ہے خواہ حضر میں ہو یا سفر میں۔

(5) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان اور جماعت مسافروں پر مشروع ہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب من انتظر الاقامۃ، ج5، ص144، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سفر میں اذان کا حکم، مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف:

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

(اذان و اقامت دونوں فرض کفایہ ہیں) کیونکہ حدیث پاک میں ہے: ((إذَا حَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ)) ترجمہ: جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ تمہاری امامت کرے۔ (بخاری و مسلم) اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے (پنج وقتہ نمازوں کے لئے) منت اور دیگر نمازوں کے لئے فرض نہیں (جو اپنے وقت پر ادا کی جاتی ہوں) نہ کہ قضا نمازوں کے لئے (اور جمعہ کے لئے) اس کا عطف "پانچ نمازوں" پر ہے...... (اور یہ دونوں یعنی اذان و اقامت سنت ہیں تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے) حضرت عقبہ بن عامر کی مرفوع حدیث کی وجہ سے: ((يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِي غَنَمٍ فِي رَأْسِ الشَّظِيَّةِ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ وَيُصَلِّي فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: انْظُرُوا إِلَى عَبْدِي هَذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيمُ الصَّلَاةَ يَخَافُ مِنِّي. أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي وَأَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ)) ترجمہ: تمہارا رب اُس چرواہے سے خوش ہوتا ہے جو اپنی بکریاں لے کر پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے، نماز کے لئے اذان کہتا اور نماز پڑھتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کی طرف دیکھو جو مجھ سے ڈرتے ہوئے اذان کہتا اور نماز پڑھتا ہے، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اُسے جنت میں داخل کر دیا۔ اسے نسائی نے روایت کیا۔

(اور اذان و اقامت سفر میں بھی سنت ہیں)، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک بن حویرث اور اُن کے چچازاد سے ارشاد فرمایا: ((إذَا سَافَرْتُمَا فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا)) ترجمہ: جب تم دونوں سفر کرو تو تم دونوں اذان دینا اور اقامت کہنا اور چاہیے کہ تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے (اور پنج وقتہ قضا نمازوں کے لئے) بھی اذان و اقامت مسنون ہیں۔

(شرح منتہی الارادات، باب الاذان، ج1، ص131، مطبوعہ عالم الکتب)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی (450ھ) فرماتے ہیں:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تمام فرض نمازوں کے لئے اذان سنت ہے تو یہ مطلقاً سنت ہے خواہ جماعت ہو یا منفرد، سفر ہو یا حضر، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کہنے کا حکم فرمایا۔ البتہ جماعت میں اذان سنت مؤکدہ ہے اور منفرد کے لئے اس کا ترک آسان ہے۔ اور حضر میں اس کی زیادہ تاکید ہے اور سفر میں اس کا ترک اقرب ہے اگرچہ سنت تمام احوال میں ہے۔

حضرت ابوقلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ((أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم أَنَا وَرَجُلٌ فَوَدَّعْنَا وَقَالَ:إِذَا سَافَرْتُمَا وَحَضَرَتِ الصلاة فأذنا وأقيما وليؤمكما أكبركما)) ترجمہ: میں ایک شخص کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں الوداع فرمایا تو ارشاد فرمایا: جب تم سفر پر نکلو اور نماز کا وقت آ جائے تو اذان اور اقامت کہنا اور تم میں جو بڑا ہو وہ تمہاری امامت کرے۔

(الحاوی الکبیر، فصل، ج 2، ص 50، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ احمد بن غانم النفر اوی مالکی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ اذان پر پانچ احکام لگتے ہیں: (1) شہر میں واجب کفایہ ہے (2) ہر مسجد میں اور اُس جماعت میں سنت کفایہ ہے جو اپنے غیر کو طلب کرتی ہو (3) مستحب ہے اُس کے لئے جو صحراء میں ہو خواہ ایک ہو یا ایسی جماعت ہو جو اپنے غیر کو بلانے کی خواہش نہیں رکھتی (4) قبل از وقت اذان دینا حرام ہے (5) سنتوں اور اُس جماعت کے لئے مکروہ ہے جو اپنے غیر کی طالب نہیں اور حال یہ ہو کہ وہ صحراء میں نہ ہو۔ جیسا کہ قضا نماز کے لئے اذان مکروہ ہے۔

(الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیر وانی، باب الاذان واقامۃ، ج 1، ص 172، دار الفکر، بیروت)

احناف کا مؤقف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(اگر مسافر فقط اقامت کہے تو یہ بھی کافی ہے) کیونکہ سفر ایسا عذر ہے جو نماز کے ایک حصے کو (یعنی چار رکعتی نماز میں سے دو رکعتوں کو) ساقط کرنے والا ہے تو دو اذانوں میں سے ایک کو بدرجۂ اولیٰ ساقط کرے گا۔ نیز اذان، لوگوں کو نماز کی اطلاع

کے لئے دی جاتی ہے تاکہ وہ جمع ہو جائیں جبکہ سفر میں لوگ خود ہی جمع ہوئے ہوتے ہیں اور اقامت، نماز قائم کرنے کے لئے دی جاتی ہے اور مسافر اس کے محتاج ہیں لہذا سفر میں اقامت کہی جائے گی اور اس کا ترک مکروہ ہے اور بہتر و افضل یہ ہے کہ اذان و اقامت دونوں کہی جائیں، کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے چچازاد بھائی سے فرمایا: ((إن سافرتما فاذنا واقيما وليؤمكما أكثركما قرآنا)) ترجمہ: اگر سفر کرو تو اذان کہنا اور اقامت کہنا اور چاہیے کہ تم میں سے زیادہ قرآن پڑھنے والا تمہاری امامت کرے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من أذن في أرض قفر وأقام صلى بصلاته ما بين الخافقين من الملائكة ومن صلى بغير أذان وإقامة لم يصل معه إلا ملكاه)) ترجمہ: جس نے بے آب وگیاہ زمین میں اذان واقامت کہی تو اس کے ساتھ مشرق ومغرب کے فرشتے نماز پڑھیں گے، اور جو بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھے اُس کے ساتھ صرف اُس کے دو فرشتے (کراماً کاتبین) نماز پڑھیں گے۔ (المبسوط للسرخسی، اذان المسافر، ج1، ص132، دار المعرفۃ، بیروت)

فقہ حنفی میں مسافر پر جماعت کا حکم

فقہ حنفی کی کتب میں نفسِ سفر کو ترکِ جماعت کے اعذار میں شمار نہیں کیا گیا جبکہ عمدۃ القاری میں سفر کو جماعت چھوڑنے کا عذر قرار دیا ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ عمدۃ القاری کا قول حالتِ فرار پر محمول ہے جبکہ دوسرا قول حالتِ قرار واطمینان پر محمول ہے۔ حاصل یہ کہ مسافر اگر حالتِ اطمینان میں ہے تو اس پر جماعت واجب ہے اور اگر غیر اطمینان کی حالت میں ہے تو اس پر جماعت واجب نہیں۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ درمختار میں اور علامہ محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیے میں فرماتے ہیں: "(وارادة سفر)اى اقيمت الصلوٰة ويخشى ان تفوته القافلة واما السفر نفسه فليس بعذر كما فى القنية" ترجمہ: جماعت چھوڑنے کے اعذار میں سے سفر کا ارادہ (بھی) ہے، یعنی جب نماز کی جماعت کھڑی ہو، اور قافلہ چھوٹ جانے کا خوف ہو، اور جہاں تک نفسِ سفر کی بات ہے تو وہ جماعت کے چھوڑنے کے لئے عذر نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، ج2، ص293، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام اہل سنت مجدد دین ملت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں: "اقول: لكن فى عمدة القارى باب فضل الجماعة آخر (ان الجماعة لا تتاكد فى حق المسافر لوجود المشقة)اه وان حمل هذا على الفرار وذلك على القرار حصل التوفيق، والله تعالىٰ اعلم" ترجمہ: میں کہتا ہوں: لیکن عمدۃ القاری میں باب فضل

الجماعۃ آخر میں ہے: مشقت کے پائے جانے کی وجہ سے مسافر کے حق میں جماعت کی تاکید نہیں کی جائے گی اگر (علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے) اس (یعنی جماعت کو مؤکد نہ کرنے کے) قول کو حالتِ فرار پر محمول کیا جائے اور اس (یعنی جماعت کو مؤکد کرنے والے) قول کو قرار پر محمول کیا جائے، تو تطبیق ہو جائے گی۔

(جد الممتار، باب الامامۃ، ج2، ص225، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی)

باب نمبر 150

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الأَذَانِ

اذان کی فضیلت کا بیان

206- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَمْزَةَ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَذَّنَ سَبْعَ سِنِينَ مُحْتَسِبًا كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ قال ابوعيسىٰ وَفِي البَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَثَوْبَانَ، وَمُعَاوِيَةَ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ. حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَأَبُو تُمَيْلَةَ اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ وَاضِحٍ، وَأَبُو حَمْزَةَ السُّكَّرِيُّ اسْمُهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَيْمُونٍ، وَجَابِرُ بْنُ يَزِيدَ الجُعْفِيُّ ضَعَّفُوهُ، تَرَكَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ. قَالَ ابوعيسىٰ سَمِعْتُ الجَارُودَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ: لَوْلَا جَابِرٌ الجُعْفِيُّ لَكَانَ أَهْلُ الكُوفَةِ بِغَيْرِ حَدِيثٍ، وَلَوْلَا حَمَّادٌ لَكَانَ أَهْلُ الكُوفَةِ بِغَيْرِ فِقْهٍ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بہ نیت ثواب سات برس اذان کہے، اُس کے لئے جہنم سے آزادی لکھ دی جائے گی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت ابن مسعود، حضرت ثوبان، حضرت معاویہ، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث "غریب" ہے۔

"ابوتمیلہ" کا نام یحییٰ بن واضح ہے۔ اور "ابوحمزہ سُکری" کا نام محمد بن میمون ہے۔ اور جابر بن یزید جعفی کو محدثین نے ضعیف کہا۔ یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے اُسے ترک کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں نے جارود سے سُنا اور اُنہوں وکیع کو فرماتے سُنا: کہ اگر جابر جعفی نہ ہوتا تو اہل کوفہ حدیث کے بغیر ہوتے، اور اگر حماد نہ ہوتے تو اہل کوفہ بغیر فقہ کے ہوتے۔

تخریج حدیث 206: (مسند البزار، مسند ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج 11، ص 191، حدیث 4937، مکتبۃ العلوم الحکم، المدینۃ المنورہ ☆ المعجم الکبیر للطبرانی، مجاہد عن ابن عباس، ج 11، ص 78، حدیث 11098، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ)

ازان دینے کے فضائل

(1) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: ((اَلْمُؤَذِّنُوْنَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ترجمہ: مؤذنوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ دراز ہوں گی۔

(صحیح مسلم، باب فضل الاذان، ج 1، ص 290، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب فضل الاذان وثواب المؤذنین، ج 1، ص 240، داراحیاء الکتب العربیہ، حلب ☆ مسند احمد، حدیث معاویہ بن ابی سفیان، ج 28، ص 75، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

(۱) یعنی وہ رحمت الٰہی کے زیادہ امیدوار ہوں گے کیونکہ کوئی شخص کسی چیز کی امید رکھتا ہے تو اُس کی طرف اُس کی گردن دراز ہوتی ہے، اور (دیگر) لوگ سختی میں مبتلا ہوں گے اور تمنا کریں گے کہ اُن کو جنت میں داخل ہونے کا اذن دیا جائے۔

(۲) یا مراد یہ ہے کہ مؤذن اللہ عزوجل کے قریب ہوں گے۔

(۳) یا یہ ہے کہ پسینہ اُن تک نہیں پہنچے گا کیونکہ قیامت کے روز لوگ اپنے اپنے عمل کے مطابق پسینہ میں ڈوبے ہوں گے۔

(۴) یا اس سے مراد یہ ہے کہ مؤذن بروز قیامت سردار ہوں گے اور عرب لوگ سردار کے لئے "لمبی گردن" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(۵) بعض نے کہا: اَعناق سے مراد جماعت ہے، کہا جاتا ہے: "جَاءَ عَنَقٌ مِنَ النَّاسِ" یعنی لوگوں کی جماعت آئی۔ اور مقصد یہ ہے کہ مؤذنوں کی جماعت بڑی ہوگی کیونکہ جن لوگوں نے مؤذنوں کی دعوت کو قبول کیا وہ بھی ساتھ ہی ہوں گے۔

(۶) اور بعضوں نے کہا یہ کنایہ ہے، اس سے کہ شرمندہ نہ ہوں گے اس لیے کہ جو شرمندہ ہوتا ہے، اس کی گردن جھک جاتی ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور کہیں تم دیکھو جب مجرم (اپنے رب کے پاس) سر نیچے ڈالے ہوں گے۔ اس کے علاوہ بھی اَقوال ہیں۔

(التیسیر حرف الہمزہ، ج 1، ص 165، مکتبۃ امام الشافعی، ریاض)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

(۷) یہ حدیث متواتر ہے اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

(التیسیر حرف المیم، ج2، ص451، مکتبۃ امام الشافعی، ریاض)

امام بیہقی فرماتے ہیں:

(۸) ابوبکر بن ابوداؤد بجستانی کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سناوہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ بروز قیامت مؤذنوں کی گردنیں بہت اونچی ہوگی، اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ پیاسے ہوں گے، اور جب انسان پیاسا ہوتا ہے تو اُس کی گردن اکٹھی ہوجاتی ہے اور مؤذن پیاسے نہیں ہوں گے لہذا اُن کی گردن سیدھی ہوں گی۔

(شعب الایمان، فضل الاذان، ج4، ص446، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الْمُؤَذِّنَ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ وَيُصَدِّقُهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ سَمِعَهُ وَلِلشَّاهِدِ عَلَيْهِ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ دَرَجَةً)) ترجمہ: مؤذن کی جہاں تک آواز پہنچتی ہے، اس کے لیے مغفرت کردی جاتی ہے اور ہر تر و خشک جس نے اس کی آواز سنی اس کی تصدیق کرتا ہے، اور اس کی آواز پر حاضر ہونے والے کے لیے پچیس درجے اجر ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج13، ص52، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

ایک روایت میں یوں ہے: ((الْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ)) ترجمہ: مؤذن کی جہاں تک آواز پہنچتی ہے، اس کے لیے مغفرت کردی جاتی ہے اور ہر تر و خشک جس نے آواز سنی اس کے لیے گواہی دے گا۔

(مسند احمد، مسند عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج10، ص337، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ صحیح ابن خزیمہ، باب فضل الاذان، ج1، ص204، المکتب الاسلامی، بیروت)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قَضَى النِّدَاءَ أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ، حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى)) ترجمہ: جب اَذان کہی جاتی ہے، شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے، یہاں تک کہ اَذان کی آواز اسے نہ پہنچے، جب اَذان پوری ہوجاتی ہے، چلا آتا ہے، پھر جب اِقامت کہی جاتی ہے، بھاگ جاتا ہے، جب پوری ہو لیتی ہے، آجاتا ہے اور خطرہ ڈالتا ہے، کہتا ہے فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر وہ جو پہلے یاد نہ تھی یہاں تک کہ آدمی کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کتنی پڑھی۔

(صحیح بخاری، باب فضل التأذین، ج1، ص125، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب فضل الاذان وھرب الشیطان، ج1، ص291، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داود،

باب رفع الصوت بالاذان، ج1، ص142، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ موطاامام مالک، ماجاء فی النداء للصلاۃ، ج2، ص94، موسسۃ زاید بن سلطان آل نهيان، ابوظہبی امارات)

(4) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ذَهَبَ حَتَّى يَكُونَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ)) ترجمہ: شیطان جب اَذان سنتا ہے، اتنی دور بھاگتا ہے، جیسے روحا۔

(صحیح مسلم، باب فضل الاذان، ج1، ص290، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

صحیح مسلم میں ہے: ((قَالَ سُلَيْمَانُ: فَسَأَلْتُهُ عَنِ الرَّوْحَاءِ فَقَالَ: هِيَ مِنَ الْمَدِينَةِ سِتَّةٌ وَثَلَاثُونَ مِيلًا)) ترجمہ: سلیمان نے کہا: میں نے ان سے روحا کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا کہ روحا مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

(صحیح مسلم، باب فضل الاذان، ج1، ص290، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(5) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ أَذَّنَ سَبْعَ سِنِينَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ)) ترجمہ: جس نے سات برس ثواب کے لیے اَذان کہی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے نار سے براءت لکھ دے گا۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الاذان، ج1، ص400، مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر ☆ سنن ابن ماجہ، باب فضل الاذان، ج1، ص240، داراحیاء الکتب العربیہ، حلب ☆ المعجم الکبیر للطبرانی، مجاہد عن ابن عباس، ج11، ص78، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

(6) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الْمُؤَذِّنُ الْمُحْتَسِبُ كَالشَّهِيدِ يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهِ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ أَذَانِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَإِذَا مَاتَ لَمْ يُدَوَّدْ فِي قَبْرِهِ)) ترجمہ: اَذان دینے والا کہ طالبِ ثواب ہے اس شہید کی مثل ہے کہ خون میں آلودہ ہے اور جب مرے گا، قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑیں گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، مجاہد عن ابن عمر، ج12، ص422، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

(7) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فِي قَرْيَةٍ آمَنَهَا اللَّهُ مِنْ عَذَابِهِ ذَلِكَ الْيَوْمَ)) ترجمہ: جس بستی میں اَذان کہی جائے، اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے اس دن اسے امن دیتا ہے۔

(المعجم الصغیر للطبرانی، من اسمہ صالح، ج1، ص301، المکتب الاسلامی، عمان)

(8) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَيُّمَا قَوْمٍ نُودِيَ فِيهِمْ بِالْأَذَانِ صَبَاحًا إِلَّا كَانُوا فِي أَمَانِ اللهِ حَتَّى يُمْسُوا، وَأَيُّمَا قَوْمٍ نُودِيَ عَلَيْهِمْ بِالْأَذَانِ مَسَاءً إِلَّا كَانُوا فِي أَمَانِ اللهِ حَتَّى يُصْبِحُوا)) ترجمہ: جس قوم میں صبح کو اَذان ہوئی ان کے لیے اللہ کے عذاب سے شام تک امان ہے اور جن میں شام کو اَذان ہوئی ان کے لیے اللہ کے عذاب سے صبح تک امان ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، معاویہ بن قرہ عن معقل بن یسار، ج20، ص215، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

(9) حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَرَأَيْتُ فِيهَا جَنَابِذَ مِنَ اللُّؤْلُؤِ تُرَابُهَا الْمِسْكُ فَقُلْتُ: لِمَنْ هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: لِلْمُؤَذِّنِينَ وَالْأَئِمَّةِ مِنْ أُمَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ)) ترجمہ: میں جنت میں گیا، اس میں موتی کے گنبد دیکھے، اس کی خاک مشک کی ہے، فرمایا: اے جبریل! یہ کس کے لیے ہے؟ عرض کی، حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت کے مؤذنوں اور اماموں کے لیے۔

(معجم ابی یعلی، باب المحمدین صلی اللہ علی محمد والہ وسلم، ج 1، ص 73، ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد ☆ الجامع الصغیر، حرف الدال، ج 2، ص 104، دار الفکر، بیروت)

(10) سنن ابن ماجہ میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ أَبُوهُ فِي حِجْرِ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ لِي أَبُو سَعِيدٍ: إِذَا كُنْتَ فِي الْبَوَادِي، فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالْأَذَانِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَسْمَعُهُ جِنٌّ، وَلَا إِنْسٌ، وَلَا شَجَرٌ، وَلَا حَجَرٌ، إِلَّا شَهِدَ لَهُ)) ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوصعصعہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ اُن کے والد ابوسعید کی پرورش میں تھے، وہ فرماتے ہیں مجھ سے ابوسعید نے فرمایا: جب تم جنگل میں ہو تو اذان بلند آواز سے دیا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اذان کو جنات، انسان، درخت اور پتھر جو بھی سنیں گے وہ (بروز قیامت) اُس کی گواہی دیں گے۔

(سنن ابن ماجہ، باب فضل الاذان وثواب المؤذنین، ج 1، ص 239، دار احیاء الکتب العربیہ، حلب)

(11) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا لَهُمْ فِي التَّأْذِينِ لَتَضَارَبُوا عَلَيْهِ بِالسُّيُوفِ)) ترجمہ: اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان کہنے میں کتنا ثواب ہے، تو اس پر باہم تلوار چلتی۔ (مسند احمد بن حنبل، مسند ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج 17، ص 341، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(12) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ أَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِينِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سِتُّونَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ إِقَامَةٍ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً)) ترجمہ: جس نے بارہ برس اذان کہی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور ہر روز اس کی اذان کے بدلے ساٹھ نیکیاں اور اقامت کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(سنن ابن ماجہ، باب فضل الاذان وثواب المؤذنین، ج 1، ص 241، دار احیاء الکتب العربیہ، حلب ☆ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، باب فی فضل الصلوات الخمس، ج 1، ص 322، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(13) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا)) ترجمہ: اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان اور پہلی

صف میں کیا ہے پھر وہ بغیر قرعہ کے نہ پاتے تو ضرور قرعہ اندازی کرتے۔

(شعب الایمان،فضل الاذان، ج4،ص447،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(14) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ حَافَظَ عَلَى الْأَذَانِ سَنَةً أَوْجَبَ اللهُ لَهُ الْجَنَّةَ)) ترجمہ: جس نے سال بھر اذان پر محافظت کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

(شعب الایمان،فضل الاذان، ج4،ص450،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(15) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلْإِمَامُ ضَامِنٌ الْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، فَأَرْشَدَ اللهُ الْأَئِمَّةَ وَغَفَرَ لِلْمُؤَذِّنِينَ)) ترجمہ: امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے، اللہ اماموں کو ہدایت عطا کرے اور مؤذنوں کی بخشش فرمائے۔

(شعب الایمان،فضل الاذان، ج4،ص452،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(16) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَوَّلًا قَالَ: الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ، ثُمَّ مُؤَذِّنُو مَسْجِدِي، ثُمَّ سَائِرُ الْمُؤَذِّنِينَ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا لوگوں میں سے کون سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، ارشاد فرمایا: انبیاء پھر شہداء پھر میری مسجد کے مؤذن پھر بقیہ تمام مؤذن اپنے اپنے عمل کی بقدر۔

(شعب الایمان،فضل الاذان، ج4،ص453،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(17) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ أَذَّنَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَأَمَّهُمْ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ: جس نے پانچ نمازوں کی اذان ایمان کی بنا پر ثواب کے لیے کہی اس کے جو گناہ پہلے ہوئے ہیں معاف ہو جائیں گے اور جو اپنے ساتھیوں کی پانچ نمازوں میں امامت کرے ایمان کی بنا پر ثواب کے لیے اس کے جو گناہ پیشتر ہوئے معاف کر دیئے جائیں گے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، ج1،ص634، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(18) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ أَذَّنَ سَنَةً لَا يَطْلُبُ عَلَيْهِ أَجْرًا دُعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَقَفَ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَقِيلَ لَهُ اشْفَعْ لِمَنْ شِئْتَ)) ترجمہ: جو سال بھر اذان کہے اور اس پر اجرت طلب نہ کرے، قیامت کے دن بلایا جائے گا اور جنت میں دروازہ پر کھڑا کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا جس کے لیے تو چاہے شفاعت کر۔

(الجامع الصغیر، حرف المیم، ج3،ص146 دار الفکر، بیروت ☆ تاریخ دمشق لابن عساکر، الحسین بن عبداللہ بن یزید بن الازرق، ج14،ص90، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

(19) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ((یُحْشَرُ الْمُؤَذِّنُونَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلَی نُوقٍ مِنْ نُوقِ الْجَنَّةِ یَقْدُمُهُمْ بِلَالٌ رَافِعِي أَصْوَاتَهُمْ بِالْأَذَانِ یَنْظُرُ إِلَیْهِمُ الْجَمْعُ، فَیُقَالُ: مَنْ هَؤُلَاءِ؟ فَیُقَالُ: مُؤَذِّنُو أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، یَخَافُ النَّاسُ وَلَا یَخَافُونَ وَیَحْزَنُ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُونَ)) ترجمہ: مؤذنوں کا حشر یوں ہوگا کہ جنت کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے، ان کے آگے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے سب کے سب بلند آواز سے اذان کہتے ہوئے آئیں گے، لوگ ان کی طرف نظر کریں گے، پوچھیں گے یہ کون لوگ ہیں؟ کہا جائے گا، یہ اُمت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن ہیں، لوگ خوف میں ہیں اور ان کو خوف نہیں لوگ غم میں ہیں، ان کو غم نہیں۔

(تاریخ بغداد، ذکر من اسمہ موسیٰ، ج15، ص5، دار الغرب الاسلامی، بیروت ☆ تاریخ دمشق لابن عساکر، بلال بن رباح ابو عبد الکریم الخ، ج10، ص461، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

(20) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا أذن المؤذن فتحت أبواب السماء واستجیب الدعاء، فإذا کان عند الإقامة لم ترد دعوة)) ترجمہ: جب اَذان کہی جاتی ہے، آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دُعا قبول ہوتی ہے، جب اِقامت کا وقت ہوتا ہے، دُعا رد نہیں کی جاتی۔

(کنز العمال، بحوالہ ابو الشیخ، الفصل الرابع فی الاذان، ج7، ص685، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(21) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا یُرَدُّ الدُّعَاءُ بَیْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ)) ترجمہ: اَذان و اِقامت کے درمیان دُعا رد نہیں کی جاتی۔

(سنن ابی داود، باب ماجاء فی الدعاء بین الاذان والاقامۃ، ج1، ص144، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ جامع الترمذی، باب ماجاء فی ان الدعاء لایرد بین الاذان والاقامۃ، ج1، ص415، مصطفی البابی، مصر)

(22) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ((لَوْ کُنْتُ أُطِیقُ الْأَذَانَ مَعَ الْخِلَافَةِ لَأَذَّنْتُ)) ترجمہ: میں خلافت کے ساتھ ساتھ اگر اذان دینے کی بھی طاقت رکھتا تا ضرور اذان دیتا۔

(السنن الکبری للبیہقی، باب الترغیب فی الاذان، ج1، ص636، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ مصنف عبد الرزاق، باب فضل الاذان، ج1، ص486، دار النشر دار الوفاء، منصورہ ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، فی فضل الاذان وثوابہ، ج1، ص203، مکتبۃ الرشد، ریاض)

جابر بن یزید الجعفی

جابر بن یزید جعفی کی تعدیل وتضعیف میں محدثین کا اختلاف ہے، جمہور محدثین بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ، امام بخاری،

امام نسائی اور امام یحیی بن معین وغیرہم نے اس کی سخت تضعیف کی ہے، امام اعظم نے تو یہاں تک فرمایا کہ میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا۔ بعض محدثین جیسا کہ امام وکیع وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ترمذی "العلل الصغیر" میں فرماتے ہیں:

ہمیں محمود بن غیلان نے ابو یحیی حمانی کا یہ قول سُنایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ فرماتے سُنا: میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔ (العلل الصغیر للترمذی، جواز الکلم علی الرجال والاسانید، ج1، ص739، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ترمذی "العلل الکبیر" میں فرماتے ہیں:

میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا: یہ حدیث شعبی سے جابر جعفی کے علاوہ کسی نے روایت کی ہو میں نہیں جانتا۔ اور امام محمد بن اسماعیل بخاری نے جابر کی انتہا درجہ کی تضعیف کی ہے۔

(العلل الکبیر للترمذی، ماجاء فی درء الحد عن المعترف الخ، ج1، ص228، عالم الکتب، بیروت)

علامہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

علما کی جماعت کے نزدیک جابر جعفی جس حدیث کو روایت کرنے میں تنہا ہو وہ حدیث قابل استدلال نہیں اُس کی بداعتقادی کی وجہ سے۔ امام ثوری اور شعبہ ان کے حافظہ کی وجہ سے ان کی تعریف کرتے تھے۔

(الاستذکار، باب ترک القراءة خلف الامام الخ، ج1، ص469، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

شعبہ اور امام ثوری جابر جعفی کی تعریف کرتے اور حفظ واتقان کے اَوصاف سے اس کو متصف کرتے۔ اور ابن عیینہ اس کی مذمت کرتے تھے۔ اور آپ کے حوالہ سے جابر جعفی کی بداعتقادی میں سے وہ منقول ہے جو اس کی روایت کو ساقط کر دیتی ہے۔ اور ابن عیینہ کے تلامذہ یحیی ابن معین، علی مدینی اور امام احمد وغیرہ اس کے حوالہ سے اپنے اُستاد کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ اسی لئے میں نے کہا یہ حدیث مستند سند سے ثابت نہیں ہے۔ (التمہید، الحدیث الرابع، ج20، ص158، وزارة عموم الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، المغرب)

مزید فرماتے ہیں:

اور اس حدیث میں جابر جعفی کی وجہ سے کوئی حجت نہیں۔ ہم نے اس کا ذکر اس لئے کیا تاکہ اُس کی پہچان ہو۔ اور علما کا اس پر اجماع ہے کہ جابر جعفی کی حدیث کو لکھا جائے۔ اور اس سے استدلال میں علما مختلف ہیں، اور یحیی اور عبدالرحمٰن جابر جعفی سے حدیث نہیں بیان کرتے۔ امام احمد اور ابن معین اس کی تضعیف کرتے تھے۔ امام ثوری، شعبہ، وکیع اور زہیر بن معاویہ نے اُس کے صدق اور حافظہ کی گواہی دی۔ اور وکیع نے فرمایا جب کبھی تمہیں کسی چیز میں شک ہو تو جابر جعفی کے ثقہ ہونے میں شک نہ

کرنا۔ (التمهید، الحدیث الثالث، ج23، ص123، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ، المغرب)

علامہ مغلطای بن قلیج حنفی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

ابن حزم نے کہا: اس حدیث کی سند میں جابر جعفی ہے اور وہ کذاب ہے۔

(شرح ابن ماجہ لمغلطای، باب الفساء تجلس، ج1، ص915، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب)

علامہ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

ابوعبداللہ جابر بن یزید بن حارث بن عبد یغوث اور ان کو ابویزید کوفی بھی کہا جاتا ہے۔

اس نے ابوالطفیل، ابوالضحیٰ، عکرمہ، عطاء، طاؤس، خیثمہ، مغیرہ بن شبیل اور ایک جماعت سے روایت کی۔ اور اُس سے شعبہ، امام ثوری، اسرائیل، حسن بن حی، شریک، مسعر، معمر، ابوعوانہ وغیرہ نے روایت کیا۔

اور ابونعیم نے امام ثوری کے حوالہ سے فرمایا: جب جابر یہ الفاظ کہے ''حدثنا، اخبرنا'' تو حقیقت یہ ہی ہے۔ اور ابن مہدی نے سفیان کے حوالہ سے فرمایا: میں نے حدیث میں جابر سے بڑھ کر متقی نہیں دیکھا۔

اور ابن علیہ نے شعبہ کے حوالہ سے بیان کیا: جابر صدوق فی الحدیث ہے۔ اور یحیی بن ابوبکیر نے شعبہ کے حوالہ سے فرمایا: جابر جب یہ کہتے "حدثنا" اور "سمعت" تو وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہوتے۔ اور ابن ابوبکیر نے بھی زہیر بن معاویہ کے حوالہ سے فرمایا: جابر جب "سمعت" یا "سألت" کہتے تھے تو وہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر صادق ہوتے۔

اور وکیع نے فرمایا: جب بھی تمہیں کسی چیز میں شک ہو تو جابر کے ثقہ ہونے میں شک نہ کرنا۔

ہمیں وکیع کے حوالہ سے مسعر، سفیان اور حسن بن صالح نے بیان کیا اور ابن عبدالحکم نے بیان کیا میں نے امام شافعی کو فرماتے سنا ہے، سفیان ثوری نے شعبہ سے فرمایا: میں جابر جعفی کے بارے میں کلام کروں گے تو میں ضرور تمہارے بارے میں کلام کروں گا۔

اور معلّی بن منصور کہتے ہیں مجھ سے ابوعوانہ نے فرمایا: سفیان اور شعبہ جابر جعفی (کے متعلق گفتگو) سے مجھے منع کرتے تھے۔ اور میں ابوعوانہ کے پاس جاتا اور کہتا: آپ کے پاس کون تھے، وہ کہتے: شعبہ اور سفیان۔

اور وکیع نے فرمایا: شعبہ سے کہا گیا تم نے فلاں اور فلاں کو چھوڑ کیوں دیا اور جابر سے روایت کیوں کی؟ اُنہوں نے فرمایا: کیونکہ جابر وہ احادیث لے کر آئے جن کے بغیر ہمیں صبر نہیں ہوا۔

اور دوری نے یحیی ابن معین کے حوالہ سے فرمایا: جابر کذاب تھا، اور ایک اور مقام پر فرمایا: نہ اُس کی حدیث لکھی جائے اور نہ کوئی عزت وتکریم کی جائے۔ اور بیان بن عمرو نے یحیی بن سعید کے حوالہ سے فرمایا: ہم نے جابر کی حدیث کو ثوری کے

ہمارے پاس آنے سے پہلے ہی چھوڑ دیا۔

اور یحیی بن سعید نے اسماعیل بن ابوخالد کے حوالہ سے فرمایا کہ امام شعبی نے جابر سے فرمایا: اے جابر تم نہ مرو گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ نہ باندھ لو۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ ابھی چند ہی دن اور رات گزرے تھے کہ وہ متہم بالکذب ہو گئے۔

حمانی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا کہ میں جن سے ملا ہوں اُن میں جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا نہیں دیکھا۔ میں اُس کے پاس اپنی رائے سے کچھ نہیں لایا مگر وہ میرے پاس اس کے متعلق اثر لے آیا۔ اور اُنہوں نے کہا اُس کے پاس تیس ہزار احادیث ہیں جن کو اُس نے ظاہر نہیں کیا۔

اور عمرو بن علی نے فرمایا: یحیی اور عبدالرحمٰن جابر کے حوالہ سے حدیث بیان نہیں کرتے۔ عبدالرحمٰن ہمیں پہلے جابر سے حدیث بیان کرتے تھے پھر چھوڑ دیا۔

اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا: یحیی اور عبدالرحمٰن نے اس کو چھوڑ دیا۔........ امام نسائی نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ ثقہ نہیں اور اس کی حدیث کو نہیں لکھا جائے گا، امام حاکم نے فرمایا کہ ابواحمد ذاہب الحدیث ہے .... سلام بن ابی مطیع نے کہا کہ مجھے جابر جعفی نے بتایا کہ میری پاس پچاس ہزار علم کے باب ہیں جو میں نے کسی سے بیان نہیں کیے، میں ایوب کے پاس آیا اور یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ اب وہ کذاب ہے۔ جریر بن عبدالحمید نے ثعلبہ سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو مجھے لیث بن ابی سلیم نے فرمایا: اس کے پاس نہ جاؤ وہ کذاب ہے۔ جریر کہتے ہیں کہ میرے لیے حلال نہیں کہ میں جابر سے روایت کروں کہ وہ رجعت کا قائل تھا۔ امام ابوداؤد نے فرمایا کہ وہ میرے نزدیک حدیث میں قوی نہیں، ابوالاحوص کہتے ہیں کہ میں رب سے عافیت مانگتا ہوں کہ جابر جعفی کے پاس جاؤں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ کو فرماتے ہیں کہ میں جابر جعفی سے ایسا کلام سنا کہ مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں ہم پر چھت ہی نہ گر جائے۔

(تہذیب التہذیب ملخصاً من اسمہ جابان وجابر، ج 2، ص 46 تا 51، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

باب نمبر 151

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الإِمَامَ ضَامِنٌ، وَالمُؤَذِّنَ مُؤْتَمَنٌ

امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے

207- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الإِمَامُ ضَامِنٌ، وَالمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، اللَّهُمَّ أَرْشِدِ الأَئِمَّةَ، وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ، قال ابو عيسى: وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَحَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَى أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: حُدِّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَى نَافِعُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَذَا الحَدِيثَ، قال ابو عيسى: وسَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ يَقُولُ: حَدِيثُ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔ اے اللہ! اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنوں کی بخشش فرما۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت سہل بن سعد اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔ سفیان ثوری، حفص بن غیاث اور متعدد راویوں نے یہ حدیث امام اعمش اور ابوصالح کے واسطہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَسباط بن محمد نے امام اَعمش سے روایت کرتے ہوئے کہا: میں نے ابوصالح سے حدیث سُنی جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے ہیں۔

اور نافع بن سلیمان نے یہ حدیث محمد بن صالح اور ابوصالح کے واسطہ کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں ابوزرعہ کو کہتے سُنا: کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوصالح کی روایت، اُن کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے۔

أَبِـی صَـالِحٍ، عَنْ عَـائِشَةَ. قَـالَ ابـو عِيسى: وسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: حَدِيثُ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ عَائِشَةَ أَصَحُّ، وَذَكَرَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ أَنَّهُ لَمْ يُثْبِتْ حَدِيثَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَلَا حَدِيثَ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ عَائِشَةَ فِي هَذَا

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں نے امام بخاری سے سُنا: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت ابوصالح کی (روایت کردہ) حدیث أصح ہے۔

اور امام علی بن مدینی سے منقول ہے کہ انہوں نے اس باب میں ابوصالح کی روایت حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں سے کسی سے ثابت نہیں مانی۔

تخریج حدیث 207: (سنن ابی داؤد، باب ما یجب علی المؤذن من تعاہد الوقت، ج1،ص143، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مسند ابی داؤد طیالسی، وابوصالح، ج4،ص156، حدیث 2526، دار ہجر، مصر ☆ مسند الشافعی، ومن کتاب الامامۃ، ج1،ص56، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شرح حدیث

امام کے ضامن ہونے اور مؤذن کے امین ہونے سے مراد:

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

امام ضامن ہے یعنی وہ قوم پر نماز اور رکعات کی تعداد کی حفاظت کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دعا کا ضامن ہے، وہ دعا میں سب کو شامل کرتا ہے، بعض کو چھوڑ کر بعض کی تخصیص نہیں کرتا، اور یہ ضمان وہ نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی چیز میں کوئی جرمانہ لازم ہوتا ہو، اور ایک قوم نے اس معنی کے ساتھ اس کی تاویل بیان کی ہے کہ امام بعض احوال میں مقتدیوں سے قراءت کو اٹھالیتا ہے، اسی طرح قیام بھی اٹھالیتا ہے جبکہ مقتدی اس کو حالت رکوع میں پائے۔

(معالم السنن، ومن باب اخذ الاجر علی الاذان، ج1، ص156، مطبعہ العلمیہ، حلب)

علامہ ابن عربی مالکی (متوفی 543ھ) فرماتے ہیں:

اس کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام کے ضامن ہونے کا معنی ہے کہ وہ نگران ہے اور ضمان لغت میں نگرانی کو کہتے ہیں، اور یہ ضعیف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے امام رکعات کی تعداد کی حفاظت کرنے والا ہے اور یہ بھی ضعیف ہے، ان دونوں اقوال کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے لغت میں ضمان کا معنی نگرانی یا حفاظت کرنا نہیں پایا جاتا۔ لغت اور شریعت میں ضمان کا معنی التزام ہے اور یہ برتن کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس کو تو کسی چیز میں رکھ دیتا ہے تو وہ اس کا ضامن ہوجاتا ہے، پس جب ضمان کا معنی معلوم ہوگیا تو امام کے مقتدی کی نماز کا ضامن ہونا' نماز کی شرائط اور نماز کی حفاظت کا التزام کرنا ہے کیونکہ مقتدی کی نماز کی بنیاد اسی پر ہے اگر اس نے اپنی نماز فاسد کردی تو جو بھی اس کی اقتداء کرے گا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی تو وہ اس کا ضامن ہوگیا، ہم نے جو برتن کے معنی میں کہا تو تحقیق مقتدی کی نماز امام کی نماز میں داخل ہے کیونکہ مقتدی سے قراءت کا حکم اٹھ جاتا ہے اور رکوع میں شامل ہوتے وقت قیام بھی اٹھ جاتا ہے اور سہو بھی اٹھ جاتا ہے، اسی وجہ سے فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہے کیونکہ واجب کا ضمان اس پر جو واجب نہیں ادا کررہا محال ہے اور یہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا "اے اللہ ائمہ کو ہدایت دے" کا فائدہ ہے۔ بے شک جب ان امور کو ان کے طریقوں کے مطابق ادا کرنے کی ہدایت دے دی گئی تو ان کی عبادت درست ہوجائے گی۔ **((واغفر للمؤذنین))** مؤذنین کو بخش دے جو ان سے وقت کی رعایت کرنے میں کوتاہی ہوجائے۔

(عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلوۃ، ج2، ص9،10، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((امام ضامن ہے)) ضمان کی اصل نگرانی اور حفاظت کرنا ہے کیونکہ وہ قوم کی نمازوں کی حفاظت کرتا ہے، ایک قول یہ ہے اس لئے کہ وہ ان سے قراءت کو اٹھادیتا ہے اور رکوع کی حالت میں ملنے کی صورت میں قیام بھی اٹھادیتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مقتدیوں کی نماز اس کے ضمان میں ہوتی ہے اور ان کی نماز کی صحت امام کی نماز کی صحت کے ساتھ ملی ہوتی ہے تو یہ ان کی نماز کے ضامن کی طرح ہوگیا اور کہا گیا ہے کہ دعا کا ضمان سب کو دعا میں شامل کرنا ہے بعض کو چھوڑ کر بعض کے لیے خاص نہ کرنا ہے اور ہمارے اصحاب میں سے بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ امام کی نماز قوم کی نماز کو شامل ہوتی ہے، اسی وجہ سے علما نے فرمایا فرض پڑھنے کا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں کیونکہ شی کا اپنے سے اوپر والی چیز کے ضمن میں ہونا جائز ہے اور کم تر کے ضمن میں ہونا جائز نہیں۔

بے شک فرض اصل نماز اور ایک صفت پر مشتمل ہے اور نفل اصل نماز پر مشتمل ہے اور جب امام فرض پڑھنے والا ہو تو اس کی نماز مقتدی کی نماز کو بھی شامل ہے اور مزید ایک صفت پر مشتمل ہے لہٰذا اقتدا درست ہے اور جب امام نفل پڑھنے والا ہو تو اس کی نماز اس کو شامل نہیں جس پر مقتدیوں کی نماز مشتمل ہے لہٰذا اس کی اقتداء کرنا درست نہیں کیونکہ یہ قوی کی بنا ضعیف پر ہے تو یہ اس وصف میں منفرد ہوگا۔ یہ حدیث تین فرعی مسائل کیلئے اصل ہے، اس سے درج ذیل مسائل اخذ ہوتے ہیں: (۱) متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتدا کا فاسد ہونا۔ (۲) مقتدیوں پر قراءت کا واجب نہ ہونا (۳) جب امام کا محدث یا جنبی ہونا ظاہر ہو تو مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہونا۔

ان تمام مسائل میں امام شافعی کا اختلاف ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

((مؤذن امین ہیں)) یعنی لوگوں کی نمازوں اور روزوں پر امین ہیں کیونکہ لوگ اوقات کے داخل ہونے اور خارج ہونے میں انہیں پر اعتماد کرتے ہیں، یہ لوگ بلند جگہ پر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے حُرم پر مطلع ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے علما نے فرمایا نماز کے اوقات سے جاہل اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب ما یجب علی المؤذن من تعاہد، ج2، ص468، مکتبۃ الرشد، ریاض)

((امام ضامن ہے)) یعنی مقتدیوں کی نماز کو مکمل کرنے کا ضامن ہے اور ان سے قراءت کو اٹھانے والا ہے اور حالت رکوع میں ملنے کی صورت میں قیام کو اٹھانے والا ہے تو ضمان یہاں چٹی کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہاں مراد حفاظت اور نگرانی ہے اسی طرح بعض علماء نے فرمایا ہے اور علامہ ابن حجر نے فرمایا: ان کا ضمان یا تو قراءت کے آہستہ اور بلند آواز میں ہونے کے ساتھ ہے یا دعا کے ساتھ ہے اس طرح کہ وہ دعا میں سب کو شامل رکھے، اپنے ساتھ خاص نہ کرے مگر اس صورت میں جو وارد ہی اس

طرح ہوئی ہو جیسے دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں "رَبِّ اغْفِرْ لِی "یا مسبوق سے قراءت جیسے امور کو اور بھولنے والے سے سجدہ سہو کو اٹھانے میں ضامن ہے یا فرض کفایہ کے ساقط ہونے کے ساتھ ضامن ہے یہ کئی اقوال ہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب مایجب علی المؤذن من تعاہد، ج2، ص468، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اور مؤذن امین ہے)): قاضی نے کہا: امام جماعت کی نماز کے امور کا ضامن ہے وہ ان سے قراءت کو اٹھانے والا ہے یا تو مطلقا ان کے نزدیک جو مقتدی پر قراءت کو واجب قرار نہیں دیتے یا جب وہ مسبوق ہو، اور ان پر ارکان، سنن اور تعداد رکعات کی حفاظت کرتا ہے اور دعا میں ان کے اور ان کے رب تعالیٰ کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہے اور اسی پر اعتماد ہے کیونکہ اس کی نماز کی درستگی کے ساتھ ان کی نماز کی درستگی وابستہ ہے، اور اس کا عکس بھی۔

اور مؤذن اوقات میں امین ہے، لوگ نماز، روزے، اور تمام موقت عبادات میں ان کی آوازوں پر اعتماد کرتے ہیں، اس کو طیبی نے نقل کیا ہے۔ ابن ملک نے کہا ائمہ ضامن اس لیے ہیں کہ وہ نگرانی کرتے ہیں اور قوم کی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنے عہدہ کے اعتبار سے ان کی نمازوں کی صحت وفساد اور کمال ونقصان کے ضامن ہیں کیونکہ وہ متبوع ہیں اور لوگ تابع ہیں، اسی ضمان کی وجہ سے ان کا ثواب زیادہ ہے جبکہ وہ اس کے حق کی حفاظت کریں، اور ان کا گناہ بھی زیادہ ہے جبکہ وہ حقوق کی رعایت سے خالی ہوں، یا ضمان سے مراد دعا کا ضمان ہے۔ اور مؤذن امین ہیں کیونکہ لوگ نماز وغیرہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں یا اس لئے کہ وہ بلند جگہوں پر چڑھ جاتے ہیں تو مناسب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے گھروں کے اوپر بلند نہ ہو کیونکہ وہ امین ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، ج2، ص563، دار الفکر، بیروت)

امام کے لیے ہدایت اور مؤذن کے لیے دعاءِ بخشش کی وجہ

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((اے اللہ! اماموں کو ہدایت عطا فرما)) ائمہ کے حق میں "ارشد" کہا اور مؤذنوں کے حق میں "اغفر" کہا کیونکہ امام ضامن ہیں تو یہ ضمانت کے طریقہ میں راہنمائی کے محتاج ہیں تاکہ حفاظت کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکیں اور مؤذن امین ہیں تو یہ بخشش کے محتاج ہیں اسلئے کہ ان سے کبھی کوتاہی بھی ہو جاتی ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب مایجب علی المؤذن من تعاہد، ج2، ص468، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اے اللہ ائمہ کو ہدایت دے اور مؤذنین کو بخش دے)) اس کے معنی یہ ہیں کہ ائمہ کو علم کی ہدایت دے کیونکہ وہ اس

کے ضامن ہیں اور علم کے ساتھ قائم رہنے اور عہدہ برآ ہونے کی ہدایت دے۔اور مؤذنین کی وہ کوتاہیاں بخش دے جوان سے ان کی اس امانت میں ہوں جس کوانہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے مثلاً بھول کر وقت سے مقدم کرنا یا مؤخر کرنا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، ج 2، ص 563، دار الفکر، بیروت)

اس حدیث پاک سے اذان کے افضل ہونے کا استدلال اور اس کارد

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

اشرف نے کہا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان: "امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے" سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اذان امامت سے افضل ہے کیونکہ امین کی حالت ضامن سے افضل ہوتی ہے۔ان کا کلام مکمل ہو گیا۔اس کا اس طرح رد کیا گیا ہے کہ یہ امین صرف وقت کا متکفل ہوتا ہے اور امام نماز کے ارکان کا ضامن ہوتا ہے اور وہ دعا میں لوگوں کے اور ان کے رب کے درمیان سفارت کی ذمہ داری لیتا ہے تو ان میں سے ایک (یعنی مؤذن جو صرف وقت کا امین ہے وہ) دوسرے (یعنی امام جو کہ نماز کے ارکان وغیرہا کا ضامن ہے) کے کیسے برابر ہو سکتا ہے، اور کیوں رد نہ کیا جائے حالانکہ امام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے اور مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ ہے اور اسی طرح "ارشاد" اس رہنمائی کو کہتے ہیں جو مطلوب تک پہنچانے والی ہو اور بخشش گناہ کے بعد ہوتی ہے، علامہ طیبی نے یہی فرمایا ہے، یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پر شافعیہ کی ایک جماعت ہے...

اور اس میں ہے کہ ہدایت کی دعا مغفرت کی دعاء سے اعلیٰ ہے کیونکہ بخشش تقاضا کرتی ہے کہ پہلے گناہ ہوا ہو اور ہدایت مطلوب تک پہنچنے کا تقاضا کرتی ہے........ اور بہر حال اذان کی فضیلت میں وارد روایات جو گزر گئیں اور جو آئیں گی اور جیسے امام احمد کی روایت کہ اگر لوگوں کو اس کا علم ہو جائے جو اذان میں ہے تو اذان کیلئے آپس میں تلواروں کے ساتھ لڑیں۔یہ اذان کے افضل ہونے پر دلالت نہیں کرتیں برخلاف اس کے جو علامہ ابن حجر کو وہم ہوا ہے۔اور بہر حال امام حاکم کی خبر جس کو انہوں نے اور ابن شاہین نے صحیح قرار دیا ہے کہ بے شک تم میں سے بہترین لوگ اللہ کے وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے سورج، چاند، ستاروں اور سائیوں کی رعایت کرتے ہیں۔تو اس میں مؤذن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے جیسا کہ ابن حجر نے سمجھا ہے اور بہر حال وہ جو حضرت عمر سے صحیح منقول ہے کہ اگر میں اپنے خلیفہ کے ہونے کے باوجود اذان کی طاقت رکھتا تو میں ضرور اذان دیتا۔اس سے مراد دونوں کو جمع کرنا ہے لہٰذا اس میں اذان کے افضل ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے بلکہ یہ تو امام کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اور امامت کے افضل ہونے پر صحیحین کی یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے: ((لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَيَؤُمَّكُمْ

أَكْبَرُكُمْ)) ترجمہ: تم میں سے کوئی ایک تمہارے لئے اذان دے اوراورتمہارا بڑا تمہاری امامت کرے۔اورنسائی کی حدیث میں ہے:((لِيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قِرَاءَةً لِلْقُرْآنِ)) ترجمہ: تمہاری امامت وہ کروائے جو قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہے اور ابن عدی کی روایت ہے:((لِيَؤُمَّكُمْ أَحْسَنُكُمْ وَجْهًا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يَكُونَ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا)) ترجمہ: تمہاری امامت تم میں سے خوبصورت چہرے والا کروائے بے شک وہ زیادہ لائق ہے اس بات کا کہ وہی تم میں سے سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔اور بہرحال ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت کہ:((يُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاؤُكُمْ)) تم میں سے بہترین تمہارے لئے اذان دیں اور تم میں سے بڑے قاری تمہاری امامت کروائیں،تو یہاں خیار سے مراد نیک لوگ ہیں اور قراء سے مراد علماء ہیں اور علما انبیا کے بعد لوگوں میں سے سب سے افضل ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ امامت کے حقوق کا قیام زیادہ مشکل ہے تو یہ انجام کار زیادہ فضیلت والا اور زیادہ ثواب والا کام ہے اور یہ سب کچھ ان دونوں کو ان کے حق کے ساتھ قائم کرنے کے بعد ہے لہٰذا دوسرے بعض لوگوں کے اس قول کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی کہ اگر امامت کو اس کے حقوق کے ساتھ قائم کیا تو یہ افضل ہے ورنہ اذان افضل ہے کیونکہ یہ اطلاق درست نہیں ہے۔علامہ ابن حجر پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کو لکھا اور برقرار رکھا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، ج2،ص563,564،دار الفکر، بیروت)

حدیث مذکور کے بارے میں محدثین کی آرا

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اس کو امام احمد، ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے)) علامہ نووی نے اس کو احادیث ضعیفہ میں ذکر کیا ہے ،میرک نے یہی کہا ہے۔

اور امام ترمذی نے کہا میں نے ابوزرعہ کو فرماتے ہوئے سنا: ابوصالح کی حضرت ابوہریرہ سے روایت ابوصالح کی حضرت عائشہ سے روایت سے زیادہ صحیح ہے انہوں نے کہا میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا ابوصالح کی حضرت عائشہ سے روایت زیادہ صحیح ہے۔اور امام علی بن مدینی نے ذکر کیا کہ اس بارے میں نہ حدیث ابوہریرہ ثابت ہے اور نہ ہی حدیث حضرت عائشہ۔اس کو میرک نے نقل کیا ہے۔علامہ ابن حجر نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے،اس سے ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے اس کے مطابق جو امام شافعی نے "کتاب الأم" میں نص کی ہے یعنی بے شک اذان امامت سے افضل ہے۔اور ان کی عبارت یہ ہے کہ مجھے اذان پسند ہے اس حدیث "اے اللہ مؤذنین کو بخش دے" کی وجہ سے اور ضمان اور امام کی ذمہ داری کی وجہ سے مجھے امامت ناپسند ہے۔**انہوں نے اس روایت کے ضعیف ہونے کے باوجود اس سے استدلال کیا**

ہے کیونکہ اس کو ایک دوسری روایت جس کو ابن حبان اور عقیلی نے صحیح قرار دیا ہے سے تقویت ملی ہے اگرچہ اس کو ابن مدینی نے معلول قرار دیا ہے، اور امام احمد نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے کہ ائمہ ضامن ہیں اور مؤذن امین ہیں پس اللہ تعالیٰ ائمہ کو ہدایت دے اور موذنوں کو بخش دے، علامہ ابن حجر کا کلام ختم ہوا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، ج2، ص563،564، دار الفکر، بیروت)

امام علی بن مدینی کے قول پر تبصرہ:

علامہ ابو محمد علی بن ابی یحیی الانصاری حنفی (متوفی 686ھ) فرماتے ہیں:

ابو عیسی نے فرمایا: میں نے ابوزرعہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابو صالح کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت زیادہ صحیح ہے بہ نسبت ابو صالح کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرنے سے، انہوں نے کہا میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابو صالح کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت زیادہ صحیح ہے بہ نسبت ان کی اس روایت کے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

اگر کہا جائے کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ علی ابن مدینی سے ذکر کیا گیا ہے کہ ابو صالح کی روایت نہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے اور نہ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔

ان سے کہا گیا کہ اگر ابن مدینی کا یہ قول صحیح ہے تو ابوزرعہ اور امام بخاری تو ان دونوں صورتوں میں سے ہر ایک کے صحیح ہونے پر متفق ہیں، ان کا تو بس اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون زیادہ صحیح ہے، باوجود اس بات کہ ابن مدینی کا یہ کلام مجمل ہے کہ انہوں نے کہا کہ ثابت نہیں ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اس سے یہ مراد لیا ہو کہ انہوں نے لکھا نہیں ہے اور عدم کتابت سے عدم صحت تو لازم نہیں آتی، اور اسی طرح ان کے نزدیک ثابت نہ ہونے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ کسی دوسرے کے نزدیک بھی ثابت نہ ہو۔ (اللباب فی جمع بین السنۃ والکتاب، باب من اقتدی بامام ثم علم انہ محدث، ج1، ص263، الدار القلم، دمشق)

اذان افضل ہے یا امامت، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

امامت اذان سے افضل ہے کیونکہ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشگی فرمائی ہے اور اسی طرح حضور کے بعد خلفاء راشدین نے ہمیشگی اختیار کی، اور حضرت عمر کا قول کہ اگر خلیفہ نہ ہوتا تو میں اذان دیتا اس سے اذان کا امامت سے افضل ہونا لازم

نہیں آتا بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ امامت کے ساتھ میں اذان بھی دیتا نہ کہ امامت کو ترک کر کے۔اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ امام ہی کا مؤذن ہونا افضل ہے اور یہ ہمارا مذہب ہے اور اسی پر حضرت امام ابو حنیفہ تھے جیسا کہ ان کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔اور اللہ سبحانہ سے ہی سوال کے تام کرنے میں سوال کیا جاتا ہے۔

(فتح القدیر، باب شروط الصلوۃ التی تتقدمہا، ج 1،ص 255، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اذان امامت سے افضل ہے یا امامت اذان سے افضل ہے؟اس میں چار وجوہات (اقوال) ہیں:

پہلی وجہ: ان میں سے سب سے صحیح عراقیین ، سرخسی اور بغوی کے نزدیک ہے کہ اذان افضل ہے اور " کتاب الأم" میں امام شافعی کی بھی یہی نص ہے اور یہی اکثر اصحاب کا قول ہے، محاملی نے کہا یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور ہمارے اکثر اصحاب کا یہی قول ہے اور جس نے اس کے علاوہ کچھ کہا اس نے غلطی کی اور اسی طرح شیخ ابو حامد نے کہا کہ یہی امام شافعی اور ہمارے جمہور اصحاب کا مذہب ہے۔

دوسری وجہ: امامت افضل ہے اور خراسیین کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح ہے اور انہوں نے اس کو امام شافعی سے صراحتاً نقل کیا ہے اور اس کو قاضی ابو الطیب نے صحیح قرار دیا ہے اور اس پر دارمی نے جزم کیا ہے۔

تیسری وجہ: یہ دونوں برابر ہیں، اس کو صاحب بیان اور رافعی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

چوتھی وجہ: اگر اپنے بارے میں معلوم ہے کہ امامت کو اس کے تمام حقوق وخصائل کے ساتھ قائم کرلے گا تو یہ افضل ہے ورنہ اذان افضل ہے، اس کو شیخ ابو حامد اور صاحب بیان وغیرہ نے بیان کیا ہے اور اس کو رافعی نے ابو علی طبری، قاضی ابو القاسم بن کج، مسعودی، اور قاضی حسین سے نقل کیا ہے۔**اور مذہب اذان کو ترجیح دینا ہے اور** " کتاب الام" میں امامت کے مکروہ ہونے پر نص کی گئی ہے چنانچہ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی اس دعا کہ "اے اللہ مؤذنوں کو بخش دے " کی وجہ سے مجھے اذان پسند ہے اور ضمان اور امام پر جو ذمہ داری ہے اس کی وجہ سے میں امامت کو مکروہ جانتا ہوں یہ امام شافعی کی نص ہے۔

اور جنہوں نے امامت کو ترجیح دی ہے انہوں اس سے استدل کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے امامت کروائی ہے، اذان نہیں دی اسی طرح ان کے بعد کبار علما کرام کا بھی یہی عمل رہا اور صحیحین میں مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ)) تم

میں سے کوئی ایک اذان دے اور تم میں سے جو سب سے بڑا ہو وہ امامت کروائے۔اور جنہوں نے اذان کو ترجیح دی ہے انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے آپ فرماتے ہیں:((سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسلم یقول الْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن مؤذنوں کے گردنیں سب سے لمبی ہونگی اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے،اور حدیث ابو ہریرہ سے استدلال کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوا إِلَّا أَنْ یَسْتَھِمُوا عَلَیْہِ لَاسْتَھَمُوا)) اگر لوگ اس کو جان لیتے جو اذان اور صف اول میں ہے پھر وہ قرعہ ڈالے بغیر اس کو نہ پاسکتے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے۔اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:((لَا یَسْمَعُ مَدَی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ ولا شئ الا شھد لہ لَہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ سَمِعْتُہُ مِنْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)) انسان،جن اور جو بھی چیز مؤذن کی آواز کو سنتے ہیں وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دیں گے،یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے۔اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((إِذَا نودی للصلاۃ أَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَہُ ضُرَاطٌ حَتَّی لَا یَسْمَعَ التَّأْذِینَ فَإِذَا قَضَی النِّدَاءَ أَقْبَلَ حَتَّی إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاۃِ أَدْبَرَ حَتَّی إِذَا قَضَی التَّثْوِیبَ أَقْبَلَ حَتَّی یَخْطِرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِہِ یَقُولُ اذْکُرْ کَذَا وَاذْکُرْ کَذَا لِمَا لَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ حَتَّی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَا یَدْرِی کَمْ صَلَّی)) ترجمہ:جب نماز کیلئے اذان دی جائے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں سے اذان نہ سن سکے پھر جب اذان مکمل ہوجاتی ہے تو واپس آجاتا ہے یہاں تک جب نماز کیلئے تھویب کہی جاتی ہے تو بھاگتا ہے یہاں تک کہ جب تھویب مکمل ہوجائے تو آجاتا ہے یہاں تک کہ آدمی کے دل میں خیالات ڈالتا ہے،جو چیزیں اس کو یاد نہ ہوں ان کے بارے کہتا ہے وہ یاد کرو،وہ یاد کرو یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں۔اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ أَذَّنَ اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ سَنَۃً وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ وَکُتِبَ لَہُ بِتَأْذِینِہِ فِی کُلِّ یَوْمٍ سِتُّونَ حَسَنَۃً وَلِکُلِّ إِقَامَۃٍ ثَلَاثُونَ حَسَنَۃً)) جس نے بارہ سال اذان دی اس کیلئے جنت واجب ہوگئی اور اس کیلئے ہر روز کی اذان کے بدلہ ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت کے بدلہ تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔اس کو ابن ماجہ،دارقطنی،اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہی روایت عبداللہ بن صالح کاتب اللیث

سے بھی مروی ہے، بعض علماء نے ان پر جرح کی ہے اور بعض نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور اس کا شاہد ہے جو اس کو قوت دیتا ہے۔ ان لوگوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خلفاء اور ائمہ کے اذان نہ دینے اور امامت پر ہمیشگی اختیار کرنے کے بارے میں یہ جواب دیا ہے کہ یہ تمام مسلمانوں کی ایسی مصلحتوں میں مشغول تھے کہ جن کو قائم کرنے میں ان کا کوئی نائب نہیں تھا تو یہ اذان اور اس کے اوقات کی رعایت کیلئے فارغ ہی نہ ہوتے تھے اور بہر حال امامت اس لئے کرلی کہ نماز تو پڑھنی ہی ہوتی تھی اور اس تاویل کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا: آپ فرماتے ہیں: ((لَوْ كُنْتُ أُطِيقُ الْأَذَانَ مَعَ الْخِلَافَةِ لَأَذَّنْتُ)) اگر میں خلافت کے ساتھ اذان کی طاقت رکھتا تو ضرور اذان دیتا۔

(المجموع شرح المہذب، باب الاذان، ج3، ص78، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اذان امامت سے افضل ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حنابلہ کی روایات مختلف ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ امامت افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اس کو سرانجام دیا، اسی طرح آپ کے خلفاء نے اسے سرانجام دیا اور انہوں نے اذان نہیں دی اور یہ لوگ صرف افضل کو ہی اختیار کرتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ امامت کیلئے اس کو منتخب کیا جاتا ہے جو حالت کے اعتبار سے افضل اور اکمل ہو اور اس کی فضیلت کا اعتبار کرنا یہ اس کے مرتبہ کی فضیلت پر دلیل ہے اور دوسرا موقف یہ ہے کہ اذان افضل ہے، اور یہ امام شافعی کا مذہب ہے، ان روایات کی بناء پر جو ہم نے اس کی فضیلت میں بیان کی ہیں اور اس روایت کی وجہ سے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے، اے اللہ ائمہ کو ہدایت دے اور مؤذنوں کو بخش دے۔ اس کو ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ امانت ضمان سے اعلیٰ ہے اور مغفرت ارشاد سے اعلیٰ ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے وقت کی تنگی کی وجہ سے اذان نہ دی، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر خلافت نہ ہوتی تو میں اذان دیتا۔ اور قاضی، ابن ابو موسی اور ہمارے اصحاب کی ایک جماعت کا مختار ہے۔ واللہ اعلم۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل ھل الاذان افضل من الامامۃ، ج1، ص292،293، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ علی بن سلیمان المرداوی حنبلی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

صحیح مذہب کے مطابق اذان امامت سے افضل ہے۔ شیخ تقی الدین نے فرمایا: دو روایتوں میں سے یہ زیادہ صحیح ہے اور اکثر اصحاب کا مختار ہے۔ مغنی میں فرمایا: اس کو ابن ابو موسی، قاضی اور ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ اور امام احمد سے ایک

روایت یہ ہے کہ امامت افضل ہے اور فائق وغیرہ میں ہے اور اس کو ابن حامد، ابن جوزی نے اختیار کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ دونوں فضیلت میں برابر ہیں اور کہا گیا ہے کہ اگر اس کو اپنے بارے میں معلوم ہو کہ وہ امامت کو اس کے حقوق و خصائل کے ساتھ قائم کر سکتا ہے تو یہی افضل ہے ورنہ نہیں۔ (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، باب الاذان، ج 1، ص 405،406، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

فرع: علماء کا اختلاف ہے کہ اذان افضل ہے یا امامت؟ تو کہا گیا ہے کہ اذان افضل ہے اور اس کو صاحب تہذیب الطالب نے اختیار کیا ہے کیونکہ یہ تکبیرات اور توحید کی شہادت میں حق اللہ پر اور رسالت کی گواہی دینے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق پر اور عورتوں اور منفردین کیلئے وقت کا اعلان کرنے میں اور مقتدیوں کیلئے جماعت کی دعوت دینے میں بندے کے حق پر مشتمل ہے برخلاف امامت کے کہ امام کے لیے صرف ذکر بالجہر ہی متجدد ہوتا ہے اعلام کے لیے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر خلافت نہ ہوتی تو میں ضرور مؤذن ہوتا۔ سوال: حضور علیہ السلام مؤذن کیوں نہیں تھے؟ حالانکہ افضل الخلق کی شان افضل الاعمال پر ہمیشگی اختیار کرنا ہے بلکہ آپ امام تھے اور آپ نے سفر میں صرف ایک مرتبہ اذان دی تھی۔ جواب: اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے: (۱) اذان لوگوں کو نماز کی طرف بلانے پر مشتمل ہے پس اگر حضور اذان دیتے تو آپ کے بلاوے سے پیچھے رہنا شدید حرج کی وجہ سے ہی جائز ہوتا تو اس سے لوگوں پر مشقت ہو جاتی۔ (۲) اگر حضور کہتے اشہد انی محمد رسول اللہ تو اذان کا نظم تبدیل ہو جاتا اور اگر اشہد ان محمدا رسول اللہ کہتے تو غیر کی رسالت کا وہم ہوتا۔ (3) اذان انتظار اور نگرانی کی محتاج ہے اور رسالت کے فرائض اور مصالح امت میں مشغول ہونا اس سے روکتا ہے بخلاف امامت کے۔ اور کہا گیا ہے کہ امامت افضل ہے کیونکہ اس سے جماعت کی فضیلت کا افادہ ہوتا ہے اور یہ پچیس درجہ ہیں اور یہ فضیلت اذان کیلئے ثابت نہیں ہے۔

(الذخیرۃ للقرافی، الفصل الثالث فی صفۃ المؤذن، ج 2، ص 63،64، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر 152

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أَذَّنَ المُؤَذِّنُ

اذان سُن کر کیا کہے

208- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ :حَدَّثَنَا مَالِكٌ، ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ المُؤَذِّنُ .وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأُمِّ حَبِيبَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبِيعَةَ، وَعَائِشَةَ، وَمُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ، وَمُعَاوِيَةَ .قَالَ ابو عيسى:حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .وَهَكَذَا رَوَى مَعْمَرٌ،وَغَيْرُ وَاحِدٍعَنِ الزُّهْرِيِّ مِثْلَ حَدِيثِ مَالِكٍ، وَرَوَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ المُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِوَايَةُ مَالِكٍ أَصَحُّ

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اذان سُنو تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے۔

اس باب میں حضرت ابورافع، حضرت ابوہریرہ ،حضرت ام حبیبہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن ربیعہ، حضرت عائشہ، حضرت معاذ بن انس اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوسعید کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

معمر اور متعدد راویوں نے امام مالک ہی کی طرح امام زُہری سے حدیث روایت کی ہے۔اور عبدالرحمٰن بن اسحاق نے بھی زُہری اور حضرت سعید بن میبّب کے واسطہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔اور امام مالک کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

تخریج حدیث 208:(صحیح بخاری، باب مایقول اذا سمع المنادی، ج1،ص126،حدیث 611،دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، ج1،ص288، حدیث 283،داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب مایقول اذا سمع المؤذن، ج1،ص144،حدیث 522،المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، القول مثل مایقول المؤذن، ج2،ص23،حدیث 673،مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

اذان کا جواب دینے کے فضائل

(1) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((یا معشر النساء إذا سمعتن هذا الحبشي يؤذن ويقيم يعني بلالا فقلن كما يقول فإن الله يكتب لكن بكل كلمة مائة ألف حسنة ويرفع لكن ألف درجة ويحط عنكن ألف سيئة فقال فقلن يا رسول الله هذا للنساء فماللرجال قال للرجال ضعفين)) ترجمہ: اے عورتوں کے گروہ! جب تم بلال کو اذان و اقامت کہتے سنو، تو جس طرح وہ کہتا ہے، تم بھی کہو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ہر کلمہ کے بدلے ایک لاکھ نیکی لکھے گا اور ہزار درجے بلند فرمائے گا اور ہزار گناہ محو کریگا، عورتوں نے عرض کی یہ تو عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے کیا ہے؟ فرمایا: مردوں کے لیے دُونا ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر، محمد بن الغمر بن عثمان ابوبکر الطائی، ج55، ص75، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

(2) امام طَبرانی کی روایت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ إِذَا سَمِعْتُنَّ أَذَانَ هَذَا الْحَبَشِيِّ وَإِقَامَتِهِ فَقُلْنَ كَمَا يَقُولُهُ فَإِنَّ لَكُنَّ بِكُلِّ حَرْفٍ أَلْفَ أَلْفَ دَرَجَةٍ فَقَالَ عُمَرُ:هَذَا لِلنِّسَاءِ فَمَا لِلرِّجَالِ؟ قَالَ:ضِعْفَانِ يَا عُمَرُ)) ترجمہ: اے عورتوں کے گروہ! جب تم بلال کو اذان و اقامت کہتے سنو، تو جس طرح وہ کہتا ہے، تم بھی کہو کہ بے شک تمہارے لیے ہر کلمہ کے مقابل دس لاکھ درجے بلند کیے جائیں گے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یہ عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے کیا ہے؟ فرمایا: مردوں کے لیے دُونا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، العالیۃ بنت سبیع عن میمونہ، ج24، ص16، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((للمؤذن فضل على من أتى بالصلاة عشرين ومأتى حسنة إلا من قال مثل ما يقول فإن أقام فأربعون ومائة حسنة إلا من قال مثل ما يقول)) ترجمہ: مؤذن کو نماز پڑھنے والے پر دو سو بیس حسنہ زیادہ ہے، مگر وہ جو اس کی مثل کہے اور اگر اقامت کہے تو ایک سو چالیس نیکی ہے، مگر وہ جو اس کی مثل کہے۔ (کنز العمال، بحوالہ ابو نعیم، الفصل الرابع فی الاذان والترغیب فیہ، ج7، ص703، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(4) امیرُ المؤمنین حضرتِ سیّدُنا عُمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ پاک، صاحبِ لَولاک، سیاحِ افلاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:((إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ:اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ أَحَدُكُمْ:اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ:أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ قَالَ:أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ قَالَ:أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ:أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ ثُمَّ قَالَ:حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ:لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ:حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ:لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا

باللہِ ثُمَّ قَالَ:اللہُ أَکْبَرُ اللہُ أَکْبَرُ، قَالَ: اللہُ أَکْبَرُ اللہُ أَکْبَرُ، ثُمَّ قَالَ:لَا إِلٰہَ إِلَّا اللہُ قَالَ:لَا إِلٰہَ إِلَّا اللہُ مِنْ قَلْبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ ")) ترجمہ: جب مؤذِن اَللہُ اَکْبَر اَللہُ اَکْبَر کہے تو تم میں سے کوئی اَللہُ اَکْبَر اَللہُ اَکْبَر کہے پھر مؤذِن اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّااللہُ کہے تو وہ شخص اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے، پھر مؤذِن اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ کہے تو وہ شخص اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًارَّسُوْلُ اللہِ کہے، پھر مؤذِن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہے تو وہ شخص لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کہے، پھر مؤذِن حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہے تو وہ شخص لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کہے، پھر جب مؤذِن اَللہُ اَکْبَرُ اللہُ اَکْبَرُ کہے تو وہ شخص اَللہُ اَکْبَرُ اللہُ اَکْبَرُ کہے اور جب مؤذِن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے اور یہ شخص صدق دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے تو جنت میں داخل ہوگا۔

(صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، ج1، ص289، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((من قال حین یؤذن المؤذن مثل قولہ غفر لہ)) ترجمہ: جب کوئی مؤذن کی اذان کے وقت مؤذن کی طرح کہے (یعنی اذان کا جواب دے) تو اس کی مغفرت ہوجائے گی۔ (کنز العمال، بحوالہ کتاب الاذان لابی الشیخ، الفصل الرابع فی الاذان والترغیب فیہ، ج7، ص701، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(6) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَقَالَ مِثْلَ مَا یَقُوْلُ:غَفَرَ اللہُ لَہُ الذُّنُوْبَ)) ترجمہ: جب کوئی اذان سنے اور مؤذن کی مثل کہے (یعنی اذان کا جواب دے) تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، مالک بن انس فمنہم امام الحرمین المشہور، ج6، ص351، دار الکتاب العربی، بیروت)

(7) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:((رجل لا یکاد یری ولا یعرف لہ کبیر عمل فمات فقال النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) وھو فی أصحابہ ھل علمتم أن اللہ قد أدخل فلانا الجنۃ قال فتعجب القوم إذ کان لا یکاد یری فقام إلی إھلہ رجل فسأل امرأتہ عن عملہ فقال ما کان لہ کبیر عمل إلا ما قد رأیت غیر أنہ قد کانت فیہ خصلۃ قال وما ھی قالت کان لا یسمع المؤذن فی لیل ولا نھار وعلی أی حال ما کان یقول أشھد أن لا إلہ إلا اللہ إلا قال مثل ذلک)) ترجمہ: ایک صاحب جن کا بظاہر کوئی بہت بڑا نیک عمل نہ تھا، وہ فوت ہوگئے تو رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کردیا ہے۔ اس پر لوگ متعجب ہوئے کیونکہ بظاہر ان کا کوئی بڑا عمل نہ تھا۔ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے گھر گئے اور ان کی بیوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ اُن کا کوئی خاص عمل ہمیں بتایئے، تو اُنہوں نے جواب دیا: اور تو کوئی خاص بڑا عمل مجھے معلوم نہیں، صرف اتنا جانتی ہوں کہ دن ہو یا رات، جب بھی وہ اذان سنتے تو جواب ضرور دیتے تھے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر، عطاء بن قرۃ ابو قرۃ السلولی، ج40، ص412,413، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

زبان سے اذان کے جواب کا حکم، مذاہب ائمہ

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اذان کا زبان سے جواب دینا مستحب ہے، احناف اور مالکیہ کے اس بارے میں دو اقوال ہیں، ایک وجوب کا اور ایک استحباب کا، ان کے نزدیک بھی استحباب والا قول راجح ہے۔

احناف کا موقف:

امام قاضی خان شرح مختصر الطحاوی میں فرماتے ہیں: اذان سننے والے کے لئے مستحب ہے کہ موذن کی مثل کلمات کہے۔ (شرح مختصر الطحاوی للقاضی خان، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج1، ص153، مسئلہ 113، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

زبان سے مطلقاً جواب دے اور ظاہر یہ ہے کہ زبان سے جواب دینا واجب ہے کیونکہ حدیث میں موجود امر کے ظاہر کی وجہ سے، کہ حدیث میں ارشاد فرمایا: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ)) ترجمہ: جب تم موذن کو سنو تو اس کی مثل کہو جو وہ کہتا ہے جیسا کہ بحر میں بسط سے بیان کیا ہے اور مصنف نے اس کو برقرار رکھا ہے، محیط وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے نہر میں اس کو اس بات کے ساتھ تقویت دی ہے کہ وہ نہ سلام کا جواب دے، نہ سلام کرے اور نہ ہی قرآن کی تلاوت کرے بلکہ اس کو موقوف کردے اور اذان کا جواب دے اور جواب دینے کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔

(الدر المختار مع رد المحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص399، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

فتح القدیر میں اسی طرح کہا ہے، اس کی علت یہ بیان کی کہ وجوب سے پھیرنے والا یہاں کوئی قرینہ ظاہر نہیں ہے اور شرح منیہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے آخری حصہ کے ساتھ منازعہ کیا ہے کہ پھر مجھ پر درود پڑھو کہ جس نے مجھ پر درود پڑھا۔ آخر تک۔ کیونکہ اس طرح کی ثواب کی ترغیبات اکثر طور پر مستحب میں استعمال کی جاتی ہیں۔ شرح منیہ کی عبارت ختم ہوگئی۔ میں کہتا ہوں اس میں نظر ہے کیونکہ جو فضیلت ذکر کی گئی وہ صرف درود پاک وغیرہ کی ہے اور نظم کا ملا ہونا حکم کے ایک ہونے کو لازم نہیں کرتا جیسا کہ اصول میں مقرر شدہ ہے۔

ہاں امام ابو جعفر طحاوی نے اپنی کتاب شرح الآثار میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَسَمِعَ مُنَادِيًا وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ النَّارِ "فَابْتَدَرْنَاهُ فَإِذَا

صَاحِبُ مَاشِيَةٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَنَادَى بِهَا)) ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ نے ایک اذان دینے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فطرت پر ہے۔ پھر اس نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا: یہ جہنم سے نکل گیا۔ پس ہم جلدی سے اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ تو جانوروں والا شخص ہے جس کو نماز کا وقت آ گیا تو اس نے اذان دی۔ ابو جعفر فرماتے ہیں تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان دینے والے کے قول کے علاوہ کہا تو یہ دلالت کرتا ہے کہ امر استحباب کیلئے جیسا کہ نمازوں کے بعد دعا کا امر۔ امام طحاوی کی عبارت ختم ہوئی۔ تو یہ وجوب سے پھیرنے والا قرینہ ہے اور اسی سے اس کی تائید ہوتی ہے جس کی ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے یعنی زبان سے جواب واجب نہیں، یہ تو مستحب ہے اور یہ امام حلوانی کے قول کو ترجیح دینے میں ظاہر ہے اور خانیہ اور فیض میں اسی پر چلے ہیں اور اسی پر دلالت کرتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ((إِذَا سَمِعْتَ النِّدَاءَ فَأَجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ)) جب تو اذان سنو تو اللہ کے داعی کو جواب دو اور ایک روایت میں ہے: ((فَأَجِبْ وَعَلَيْكَ السَّكِينَةُ)) تم جواب دو اور سکینہ کو اختیار کرو۔ اور اس کی ترجیح میں وہ دلائل کافی ہیں جو جماعت کے واجب ہونے پر ہیں، بے شک تو جانتا ہے کہ حلوانی کا قول اس بات پر مبنی ہے کہ اجابت سے مراد قصدِ جماعت کی اجابت ہے، اس محل میں جو لکھنا مناسب ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے جواب دینا مستحب ہے اور قدم سے جواب دینا واجب ہے۔ (ردالمحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج 1، ص 399، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جو اذان سنے اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ مؤذن کی مثل کہے کیونکہ حضرت ابو سعید نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول)) ترجمہ: جب تم اذان سنو تو جو وہ کہتا ہے اس کی مثل کہو۔ متفق علیہ۔ اور حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے وقت جواب دینے والا کہے گا: لا حول و لا قوة الا بالله، کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إذا قال المؤذن: الله أكبر الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله فقال: أشهد أن لا إله إلا الله ثم قال: أشهد أن محمداً رسول الله فقال: أشهد أن محمداً رسول الله ثم قال: حي على الصلاة فقال: لاحول ولا قوة إلا بالله ثم قال: حي على الفلاح قال: لا حول ولا قوة إلا بالله ثم قال: الله أكبر الله أكبر قال: الله أكبر، الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله قال: لا إله إلا الله خالصاً من قلبه دخل الجنة)) ترجمہ: جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو تم میں سے کوئی کہے

اللہ اکبراللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہدان لا الہ الا اللہ تو یہ بھی کہے اشہدان الا الہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہدان محمدا رسول اللہ تو یہ بھی کہے اشہدان محمدا رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوۃ تو یہ کہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح تو یہ کہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے اللہ اکبراللہ اکبر تو یہ کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو یہ کہے لا الہ الا اللہ خلوص دل کے ساتھ تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے، اثرم نے کہا یہ جید احادیث میں سے ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب الاذان، ج1، ص214 تا 216، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

مؤذن کو سننے والے کیلئے مستحب ہے کہ وہ مؤذن کی مثل کہے سوائے حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے، اس وقت کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤذن کہے اللہ اکبراللہ اکبر تو تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبراللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہدان لا الہ الا اللہ تو یہ بھی کہے اشہدان الا الہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہدان محمدا رسول اللہ تو یہ بھی کہے اشہدان محمدا رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوۃ تو یہ کہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح تو یہ کہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے اللہ اکبراللہ اکبر تو یہ کہے اللہ اکبراللہ اکبر پھر مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو یہ کہے لا الہ الا اللہ خلوص دل کے ساتھ تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص113,114، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

(اذان سننے والے کیلئے شہادتین کے آخر تک اسی کی نقل کرنا ہے دو دو مرتبہ اور یہ نفل ہے فرض نہیں ہے) یعنی مستحب ہے مؤذن کی نقل کرنا کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جب تم مؤذن کو سنو تو جو وہ کہتا ہے اس کی مثل کہو۔ اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور مصنف نے جو یہ ذکر کیا کہ اس کا حکم مستحب ہونا ہے یہی مشہور قول ہے، ابن زرقون نے اس پر وجوب کا اطلاق کیا ہے، ابن عرفہ کہتے ہیں میں اس کو نہیں پہچانتا۔ ابن ناجی نے شرح مدونہ میں کہا یہ کوتاہی ہے بلکہ یہ تہذیب میں ابن شاس کی نقل سے معروف ہے کہ انہوں نے کہا ظاہر مذہب یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، جنبیہ الاذان خلف المسافر، ج1، ص442، دارالفکر، بیروت)

عندالاحناف وجوب اوراستحباب کےقول میں محاکمہ

جب موذن اذان دے تو زبان سے اذان کا جواب دینا واجب ہے یا مستحب؟ اس بارے ہمارے ائمہ ثلاثہ سے کچھ منقول نہیں (البتہ علامہ سراج الدین ابن نجیم نے ائمہ ثلاثہ سے منقول اذانِ خطبہ کے مسئلہ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جواب اذان باللسان علی الاتفاق مستحب ہونا چاہئے۔) جبکہ بعد کے علمائے احناف کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ایک جماعت استحباب کی قائل ہے جبکہ بعض علماء کے نزدیک جواب اذان باللسان واجب ہے، **دلائل کی رو سے راقم الحروف کے نزدیک استحباب کا قول راجح ہے**۔ سطورِ ذیل میں اولاً ہم قائلین استحباب کی عبارات پیش کریں گے بعدہٗ قائلین وجوب کی عبارات پیش کر کے ان کے استدلالات کی تردید کریں گے۔

قائلین استحباب کی عبارات:

(۱) امام قاضی خان شرح مختصر الطحاوی میں فرماتے ہیں: ”ویستحب لمن یسمع الاذان ان یقول کماقال المؤذن“ ترجمہ: اذان سننے والے کے لئے مستحب ہے کہ مؤذن کی مثل کلمات کہے۔

(شرح مختصر الطحاوی للقاضی خان، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج1، ص153، مسئلہ 113، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

بحرالرائق میں فتاوی قاضی خان سے ہے: ”إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لا يأثم، وأما قوله عليه الصلاة والسلام من لم يجب الأذان فلا صلاة له فمعناه الإجابة بالقدم لا باللسان فقط “ ترجمہ: اذان کا جواب دینا امر فضیلت ہے اور کسی نے جواب نہ دیا تو گنہگار نہیں ہوگا اور رہا نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جس نے اذان کا جواب نہ دیا اس کی نماز نہیں تو اس میں جواب سے مراد جواب باللسان نہیں بلکہ فقط جواب بالقدم مراد ہے۔

(بحرالرائق، ج1، ص273، دارالکتاب الاسلامی)

(۲) صاحب ہدایہ امام شمس الائمہ السرخسی کے حوالے سے فرماتے ہیں: ”لَا يُكْرَهُ الْكَلَامُ عِنْدَ الْأَذَانِ بِالْإِجْمَاعِ اسْتِدْلَالًا بِاخْتِلَافِ أَصْحَابِنَا فِي كَرَاهِيَتِهِ عِنْدَ أَذَانِ الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ إِنَّمَا كَرِهَهُ لِأَنَّهُ يُلْحِقُ هَذِهِ الْحَالَةَ بِحَالَةِ الْخُطْبَةِ، وَكَانَ هَذَا اتِّفَاقًا عَلَى أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ فِي غَيْرِ هَذِهِ الْحَالَةِ، كَذَا ذَكَرَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ فِيمَا قَرَءُوا عَلَيْهِ اهـ “ ترجمہ: اذان کے وقت کلام کرنا بالاجماع مکروہ (تحریمی) نہیں، استدلال یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان خطبہ کے دوران کلام کرنے کی کراہت میں ہمارے اصحاب کو اختلاف ہے اور امام اعظم نے اسے صرف اس لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ آپ اس حالت کو حالت خطبہ سے ملحق کرتے ہیں سو اس بات پر اتفاق ہوا کہ جب اس حالت کے علاوہ اذان کے وقت

کلام میں کراہت نہیں، اسی طرح امام شمس الائمہ السرخسی نے ذکر فرمایا ہے۔

(التجنیس والمزید، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج 1، ص 389، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی)

(۳) علامہ سراج الدین ابن نجیم (متوفی 1005ھ) اولاً وجوب اور پھر استحباب کا قول نقل کرنے کے بعد ائمہ ثلاثہ سے منقول مسئلہ اذان خطبہ کی روشنی میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''واقول: ینبغی ان لا تجب باللسان اتفاقا وعلی قول الامام فی الاذان بین یدی الخطیب وان تجب بالقدم اتفاقا فی الاذان الاول من الجمعۃ حیث لم یکن فی المسجد وباللسان ایضا علی الاول الا ان یقال الواجب انما ھو السعی لا اجابۃ الموذن ''ترجمہ: میں کہتا ہوں: اذان خطبہ میں امام اعظم کے قول کے مطابق اور اذان خطبہ کے علاوہ میں علی الاتفاق اذان کا جواب باللسان واجب نہیں ہونا چاہئے (بلکہ صرف مستحب ہونا چاہئے)، اور جُمُعہ کی اذان اول کے وقت اگر کوئی مسجد میں نہ ہو تو علی الاتفاق اس پر اجابۃ بالقدم واجب ہونی چاہئے، یونہی قول اول کے مطابق جواب باللسان بھی واجب ہونا چاہئے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ واجب تو فقط سعی ہے اجابۃ موذن نہیں۔

(النھر الفائق، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، جلد 1، صفحہ 176، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴) غنیۃ المستملی میں امام ابوالحسن علی بن سعید الحنفی الرستغفنی (متوفی نحو 345ھ) کے حوالے سے ہے ''وقال الرستغفنی یمضی فی قرائتہ ان کان فی المسجد وان کان فی بیتہ فکذلك ان لم یکن اذان مسجدہ ''ترجمہ: امام رستغفنی فرماتے ہیں کہ اذان سننے والا اگر مسجد میں ہے تو اپنی قراءت جاری رکھے اور اگر گھر پر ہے تو بھی قراءت جاری رکھے جبکہ اذان اس کی اپنی مسجد کی نہ ہو۔

(غنیۃ المستملی (کبیری)، سنن الصلاۃ، ص 328، مکتبہ نعمانیہ، کوئٹہ)

(۵) بحرالرائق میں فتاوی ظہیریہ سے ہے'' ولو كان الرجل في المسجد يقرأ القرآن فسمع الأذان لا يترك القراءة؛ لأنه أجابه بالحضور ولو كان في منزله يترك القراءة ويجيب ''ترجمہ: کوئی شخص مسجد میں قرآن کریم کی قراءت کرتے ہوئے اذان سنے تو قراءت ترک نہ کرے کیونکہ اس کا مسجد میں موجود ہونا ہی اذان کا جواب ہے اور اگر وہ اپنے گھر پر ہو تو قراءت ترک کرے اور اذان کا جواب دے۔

(بحرالرائق، ج 1، ص 272,273، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

(۶) امام ابواللیث سمرقندی کی عیون المسائل میں ہے''وإذا سمع النداء فالأفضل أن يمسك عن القراءة ويستمع ''ترجمہ: جب کوئی شخص اذان سنے تو افضل یہ ہے کہ قراءت روک دے اور اذان سنے۔

(عیون المسائل للسمرقندی، ص 292، المکتبۃ الشاملۃ)

(۷) علامہ طحطاوی، شیخ عمر بن عمر الدفری الزہری الحنفی (متوفی 1079ھ) کی الدرۃ المنیفۃ کے حوالے سے لکھتے ہیں''وفي الدرة المنيفة أنها مستحبة على الأظهر ''ترجمہ: اظہر قول کے مطابق زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب

ہے۔ (طحطاوی علی مراقی، ج1،ص202،دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۸)صاحب ہدایہ علامہ علی بن ابوبکر فرغانی مرغینانی فرماتے ہیں'' ویستحب لمستمع الاذان ان یقول مثل ما یقول المؤذن''ترجمہ:اذان سننے والے کے لئے مستحب ہے کہ موذن کی مثل کلمات کہے۔

(التجنیس والمزید، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج1،ص389،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

(۹)علامہ شیخی زادہ معروف بداماد آفندی فرماتے ہیں''یَنْبَغِی أَنْ یُجِیبَ الْمُسْتَمِعُ وَیَقُولَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ....وَفِی الْجَوَاهِرِ:أَنَّ إجَابَةَ الْمُؤَذِّنِ سُنَّةٌ هَكَذَا یُجِیبُ فِی الْإِقَامَةِ أَیْضًا''ترجمہ:اذان سننے والے کو چاہئے کہ جواب دے مؤذن کی مثل کلمات کہے........ اور جواہر میں ہے کہ اذان کا جواب دینا سنت (مستحبہ) ہے اسی طرح اقامت کا جواب بھی دے۔ (مجمع الانہر، ج1،ص76،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(۱۰)متن تنویر الابصار ہے'' أن الاجابة المطلوبة بقدمه لا بلسانه فیقطع قراء ة القرآن لو بمنزله ویجیب ولو بمسجد لا''ترجمہ:اذان سننے پر اجابۃ بالقدم مطلوب ہے اجابۃ باللسان نہیں لہٰذا قرآن کریم کی قراءت کرنے والا اگر اپنے گھر پر اذان سنے تو قراءت قطع کردے اور اذان کا جواب دے لیکن اگر مسجد میں اذان سنے تو قراءت قطع کرنا لازم نہیں۔

(تنویر و درمختار، ج1،ص57،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۱)علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں''والذی ینبغی تحریره فی هذا المحل أن الإجابة باللسان مستحبة وأن الإجابة بالقدم واجبة إن لزم من ترکها تفویت الجماعة''ترجمہ:اس مقام پر جس مسئلہ کی تحریر ضروری ہے وہ یہ کہ اجابۃ باللسان مستحب ہے اور اجابۃ بالقدم کے ترک سے جماعت کا فوت ہونا لازم آتا ہو تو اجابۃ بالقدم واجب ہے۔

(ردالمحتار، ج1،ص399،دارالفکر، بیروت)

(۱۲)علامہ طحطاوی وجوب واستحباب کے اقوال ذکر کر کے فرماتے ہیں:''والحاصل أنه اختلف التصحیح فی وجوب الإجابة باللسان والأظهر عدمه''ترجمہ:حاصل یہ کہ اجابۃ باللسان کے وجوب میں تصحیح مختلف ہے اور اظہر عدم وجوب ہے۔ (طحطاوی علی مراقی، ج1،ص202،دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱۳)دررالحکام شرح غررالاحکام میں ہے''رجل فی المسجد یقرأ القرآن فسمع الأذان لا یترك القراءة؛ لأنه إجابة بالحضور، ولو کان فی منزله یترك القراءة ویجیب، کذا فی الظهیریة''ترجمہ:کوئی شخص مسجد میں قرآن کریم کی قراءت کرتے ہوئے اذان سنے تو قراءت ترک نہ کرے کیونکہ اس کا مسجد میں موجود ہونا ہی اذان کا جواب ہے اور اگر وہ اپنے گھر پر ہو تو قراءت ترک کرے اور اذان کا جواب دے۔اسی طرح ظہیریہ میں ہے۔

(دررالحکام شرح غررالاحکام، ج1،ص57،داراحیاء الکتب العربیۃ، بیروت)

(۱۴) شیخ ابراہیم الحلبی غنیۃ المتملی (صغیری) میں فرماتے ہیں" فالاجابة على هذا الوجه قيل واجبة وقيل الواجب الإجابة بالقدم وأما باللسان فمستحبة وهو الأظهر " ترجمہ: جواب اذان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ واجب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اجابۃ بالقدم واجب جبکہ اجابۃ بالقول مستحب ہے اور یہی اظہر ہے۔

(غنیۃ المتملی (صغیری)، ص212، المکتبۃ الشاملۃ)

کبیری میں بھی آپ نے یہی موقف اپنایا ہے، علامہ ابن الہمام کی قرینہ صارفہ کی غیر موجودگی والی عبارت ذکر نے کے بعد فرماتے ہیں" لكن آخر الحديث وهو قوله ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة متفق عليه من حديث عبد الله بن عمرو بن العاص ان يكون صارفا عن الوجوب لان مثله من الترغيبات في الثواب يستعمل في المستحب غالبا " ترجمہ: لیکن حدیث کا آخری حصہ "پھر مجھ پر درود بھیجو، کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو کہ یہ جنت کی ایک منزل ہے، اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوتو جس میں میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی" امر کو وجوب سے پھیر دے گا کیونکہ ایسی عبارات ثواب کی ترغیبات کے لئے ہوتی ہیں اور غالب طور پر مستحب کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

(غنیۃ المستملی (کبیری)، سنن الصلاۃ، ص328، مکتبہ نعمانیہ، کوئٹہ)

(۱۵) ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں" ويستحب اجابة المؤذن باللسان فيمسك عن التلاوة وغيرها وفي المسجد وغيره " ترجمہ: زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے لہذا اذان سننے والا مسجد میں ہو یا کہیں اور اذان کے وقت تلاوت وغیرہ روک کردے۔

(فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، ج1، ص206، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

(۱۶،۱۷) امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اور اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری نے جد الممتار میں استحباب کے دلائل کو ترجیح دی ہے ان کی عبارات عنقریب مذکور ہوں گی۔

<u>قائلین وجوب کی عبارات:</u>

(۱) محیط برہانی میں ہے:" ومن سمع الأذان، فعليه أن يجيب، قال عليه السلام: من لم يجب الأذان فلا صلاة له " ترجمہ: اذان سننے والے پر لازم ہے کہ جواب دے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اذان کا جواب نہ دے اس کی کوئی نماز نہیں۔

(المحیط البرہانی، ج1، ص350,351، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) علامہ طاہر بن عبد الرشید البخاری فرماتے ہیں:" ومن سمع الاذان فعليه ان يجيب وان كان جنبا لان

اجابة الاذان لیس باذان ''ترجمہ: جو شخص اذان سنے اس پر لازم ہے کہ جواب دے اگرچہ جنبی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اذان کا جواب اذان نہیں۔
(خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلاۃ، الفصل الاول فی الاذان، ج 1، ص 50، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) علامہ ابن الہمام استحباب کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''لٰکِنَّ ظَاھِرَ الْاَمْرِ فِی قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا یَقُولُ الْوُجُوبُ، إِذْ لَا تَظْھَرُ قَرِینَۃٌ تَصْرِفُہُ عَنْہُ، بَلْ رُبَّمَا یَظْھَرُ اسْتِنْکَارُ تَرْکِہٖ لِأَنَّہُ یُشْبِہُ عَدَمَ الِالْتِفَاتِ إِلَیْہِ وَالتَّشَاغُلَ عَنْہُ ''ترجمہ: فرمان رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ''**إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا یَقُولُ** ''میں وارد امر کا ظاہر وجوب ہے کیونکہ امر کو وجوب سے پھیرنے والا قرینہ ظاہر نہیں، بلکہ اس کے ترک پر انکار موجود ہے کہ جواب نہ دینے والا اس کی طرف التفات نہ کرنے والے اور لاپرواہی کرنے والے کے مشابہ ہو جائے گا۔
(فتح القدیر للکمال ابن الہمام، جلد 1، صفحہ 249، مکتبہ دار الفکر، بیروت)

(۴) بحر الرائق میں ہے''ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب وإن كان جنبا؛ لأن إجابة المؤذن ليست بأذان....... والظاهر أن الإجابة باللسان واجبة لظاهر الأمر في قوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول إذ لا تظهر قرينة تصرف عنه بل ربما يظهر استنكار تركه؛ لأنه يشبه عدم الالتفات إليه والتشاغل عنه ''ترجمہ: جو کوئی اذان سنے تو اس پر لازم ہے کہ جواب دے اگرچہ جنبی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اذان کا جواب اذان نہیں ہے....... اور ظاہر یہ ہے کہ اجابت باللسان واجب ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''جب تم مؤذن کو اذان کہتے سنو تو اسی کی مثل کہو'' میں امر کے ظاہر ہونے کے سبب۔ کیونکہ اس سے پھیرنے والا کوئی واضح قرینہ نہیں بلکہ اس کے ترک پر انکار موجود ہے کہ جواب نہ دینے والا اس کی طرف التفات نہ کرنے والے اور لاپرواہی کرنے والے کے مشابہ ہو جائے گا۔
(بحر الرائق، ج 1، ص 272,273، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

(۵) تحفۃ الفقہاء اور بدائع الصنائع میں ہے''وَأَما بَيَان مَا يجب على السامعين عِنْد الْأَذَان فَنَقُول يجب عَلَيْهِم الْإِجَابَة على مَا رُوِيَ عَن النَّبِي عَلَيْهِ السَّلَام أَنه قَالَ أَربع من الْجفَاء وَذكر من جُمْلَتهَا وَمن سمع الْأَذَان وَالْإِقَامَة وَلم يجب وَالْإِجَابَةُ :أَنْ يَقُولَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :مَنْ قَالَ مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ وَكَذَا يَنْبَغِي أَن لَا يتَكَلَّم فِي حَال الْأَذَان وَالْإِقَامَة وَلَا يقْرَأ الْقُرْآن وَلَا يشْتَغل بِشَيْء من الْأَعْمَال سوى الْإِجَابَة وَلَو أَن فِي قِرَاءَة الْقُرْآن حِين سمع الْأَذَان يَنْبَغِي أَن يقطع الْقِرَاءَة ويستمع الْأَذَان ويجيب هَكَذَا ذكر فِي الْفَتَاوَى ''ترجمہ: اور سامعین پر اذان کے وقت جو لازم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ان پر اجابت واجب ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو روایت کیا گیا اس کے مطابق کہ چار چیزیں جفاء میں سے ہیں اور ان میں

ایک یہ ہے کہ جواذان واقامت سنے اور جواب نہ دے۔اور جواب یہ ہے کہ موذن کی مثل کلمات ادا کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص موذن کی مثل کلمات کہے اللہ تعالی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔یونہی یہ بھی ضروری ہے کہ اذان واقامت کے دوران کوئی کلام کرے نہ قراءۃ قرآن بلکہ جواب اذان کے سوا کسی بھی کام میں مشغول نہ ہو،اور اگر دوران قراءت اذان سنے تو لازم ہے قراءت چھوڑ دے،اذان سنے اور جواب دے،فتاوی میں اسی طرح مذکور ہے۔

(تحفۃ الفقہا،ج 1،ص 116,117،دار الکتب العلمیۃ،بیروت ☆ بدائع الصنائع،ج 1،ص 155،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

(۶) فتاوی بزازیہ میں ہے''سمع الاذان فعليه الاجابة ولو ضيفا والاجابة بالقول لا بالقدم، ولو فی المسجد لا جواب عليه سمع القارى الاذان لا يترك القراءة وقيل لو فی المسجد لا وان فی بيته ترك''ترجمہ:جو اذان سنے اس پر لازم ہے کہ جواب دے اور جواب سے مراد جواب باللسان ہے جواب بالقدم نہیں البتہ اگر کوئی شخص پہلے ہی سے مسجد میں ہے تو اس پر جواب لازم نہیں،قراءت کرنے والا اذان سنے تو قراءۃ ترک نہ کرے اور کہا گیا ہے کہ اگر مسجد میں ہے تو ترک نہ کرے اور اگر گھر پر ہے تو ترک کردے۔ (فتاوی بزازیہ،کتاب الصلاۃ،الاول فی الاذان،ج 1،ص 25,26،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

(۷) علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں'' ويجيب وجوبا.......والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الامر فی حديث :إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول كما بسط فی البحر''ترجمہ:اذان سننے والا بطور وجوب اس کا جواب دے گا.......حدیث میں وارد امر کے ظاہر کالحاظ کرتے ہوئے زبان سے جواب اذان کا وجوب ظاہر ہے جیسا کہ بحر میں بیان فرمایا ہے۔

(تنویر و در مختار،ج 1،ص 57،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

(۸) فتاوی ہندیہ میں ہے''يجب على السامعين عند الأذان الإجابة وهی أن يقول مثل ما قال المؤذن''ترجمہ:اذان سننے والوں پر جواب دینا واجب ہے اور جواب یہ ہے کہ موذن کی مثل کلمات کہے۔

(فتاوی ہندیہ،ج 1،ص 51،دار الفکر،بیروت)

(۹) علامہ بدر الدین عینی نے البنایہ میں دونوں اقوال ذکر کئے ہیں کسی کو ترجیح نہیں دی البتہ نخب الافکار میں استحباب کی تردید کرتے ہوئے وجوب کو ترجیح دی ہے،نخب الافکار کی عبارت ان شاء اللہ عنقریب ذکر کی جائے گی۔

قائلین وجوب کی عبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تین دلائل سے استدلال کی ہے:

اول: حدیث پاک میں جواب اذان باللسان کے سلسلہ میں''صیغہ امر''وارد ہے اور کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو تو امر وجوب کے لئے آتا ہے،اب یہاں چونکہ کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں اس لئے اذان کا جواب باللسان واجب ہے۔

دوم: حدیث پاک میں ہے کہ چار چیزیں جفا ہیں جن میں سے ایک''اذان کا جواب نہ دینا''بھی ہے اس سے پتا چلا

کہ جواب اذان باللسان واجب ہے کیونکہ جفا ترک واجب ہی کو کہا جاتا ہے ترک مستحب کو نہیں۔

سوم: نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''جس نے اذان سنی اور جواب نہ دیا اس کی نماز نہیں۔'' سو جواب اذان باللسان واجب ہے۔

اب ہم یکے بعد دیگرے ان تینوں دلیلوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں تا کہ واضح ہو سکے کہ قائلین وجوب و استحباب میں سے کس کا استدلال قوی ہے۔

مسئلہ جواب اذان باللسان کی بابت وجوب واستحباب کے دلائل کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ:

پہلی دلیل:

صحیح مسلم اور دیگر کثیر کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول)) ترجمہ: جب تم مؤذن کو اذان کہتا سنو، تو اسی کی مثل کہو۔

(صحیح مسلم، جلد 01، صفحہ 288، مکتبہ دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث پاک میں صیغہ امر ((قولوا)) وارد ہے اور قائلین وجوب نے اسی کو دلیل وجوب قرار دیا ہے چنانچہ علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں: ''أصحابنا أن إجابة المؤذن واجبة على السامعين لدلالة الأمر على الوجوب، وبه قال ابن وهب من أصحاب مالك، والظاهرية، ألا ترى أنه يجب عليهم قطع القراءة وترك الكلام والسلام ورده وكل عمل غير الإجابة؟ فهذا كله أمارة الوجوب'' ترجمہ: ہمارے اصحاب کے نزدیک سامعین پر اذان کا جواب دینا واجب ہے کیونکہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے، یہی قول امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے اصحاب میں سے ابن وہب کا ہے اور ظاہریہ کا بھی یہی قول ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ اذان سننے والے کے لیے قرآن کی تلاوت سے رک جانا، کلام وسلام اور سلام کا جواب اور ہر وہ عمل جو اجابت کے علاوہ ہو اس کو ترک کرنا واجب ہے۔ یہ تمام اسکے وجوب کی علامت ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد 05، صفحہ 117، مکتبہ دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

مزید فرماتے ہیں: ''قلت: الْأَمر الْمُطلق الْمُجَرّد عَن الْقَرَائِن يدل على الْوُجُوب، وَلَا سِيمَا قد تأيد ذَلِك بِمَا رُوِيَ من الْأَخْبَار والْآثَار فِي الْحَث على الْإِجَابَة'' میں کہتا ہوں امر مطلق قرائن سے خالی ہو تو وجوب پر دلالت کرتا ہے خصوصا جب جواب اذان پر ابھارنے والی دیگر احادیث وآثار بھی اسی (وجوب) کی مؤید ہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد 05، صفحہ 118، مکتبہ دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن ہمام (متوفی: 871) پھر علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہما (متوفی: 970) نے بھی یوں ہی فرمایا ہے، لکھتے ہیں: ''والظاہر أن الإجابة باللسان واجبة لظاہر الأمر فی قوله صلى الله تعالیٰ علیه وآله وسلم إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول إذ لا تظهر قرینة تصرف عنه بل ربما یظهر استنکار ترکه؛ لأنه یشبه عدم الالتفات إلیه والتشاغل عنه ''ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ اجابت باللسان واجب ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''جب تم مؤذن کو اذان کہتے سنو تو اسی کی مثل کہو'' میں امر کے ظاہر ہونے کے سبب۔ کیونکہ اس سے پھیرنے والا کوئی واضح قرینہ نہیں بلکہ اس کے ترک پر انکار موجود ہے کہ جواب نہ دینے والا اس کی طرف التفات نہ کرنے والے اور لاپرواہی کرنے والے کے مشابہ ہو جائے گا۔

(البحرالرائق شرح کنز الدقائق، جلد 01، صفحہ 273، دار الکتاب الاسلامی، بیروت ☆ فتح القدیر، جلد 1، صفحہ 248،249، دار الفکر، بیروت)

مذکورہ استدلال کا جواب:

یہ امر مسلم ہے کہ "قرائن سے خالی امر مطلق وجوب کی دلیل ہے" لیکن اس مقام پر امر خالی عن القرائن نہیں ہے بلکہ امر کو وجوب سے پھیرنے والا قرینہ موجود ہے۔ اب وہ قرینہ کیا ہے؟ اس تعلق سے ہمارے سامنے دو آرا ہیں، ایک رائے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے (اسی کو علامہ شامی نے ردالمحتار میں ذکر کیا ہے۔) اور دوسری اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی، اول الذکر کی تردید علامہ عینی نے نخب الافکار میں فرمائی ہے جبکہ دوسری رائے بالکل بے غبار ہے۔

اب ہم قرینہ مذکورہ سے متعلق بالترتیب پہلے امام طحاوی (وعلامہ شامی کی) رائے پھر اس پر علامہ عینی کا رد اور اس کے بعد اعلیٰ حضرت کی رائے ذکر کرتے ہیں۔

امام طحاوی نے درج ذیل حدیث کو قرینہ صارفہ قرار دیا ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ ,فَسَمِعَ مُنَادِيًا وَهُوَ يَقُولُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَى الْفِطْرَةِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ,فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَرَجَ مِنَ النَّارِ قَالَ: فَابْتَدَرْنَاهُ فَإِذَا هُوَ صَاحِبُ مَاشِيَةٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ ,فَ...)) ترجمہ: حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم کسی سفر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے ... أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ" کہتے سنا تو فرمایا: یہ فطرت پر ہے پھر اس نے کہا "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ" تو آ... ے دور رہا، حضرت عبداللہ کہتے ہیں ہم نے دوڑ کر دیکھا تو وہ چرواہا تھا نماز کا وقت ہونے پر اس نے اذان کہی

اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں" فَهَذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ يُنَادِي فَقَالَ غَيْرَ مَا قَالَ فَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ قَوْلَهُ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُنَادِيَ فَقُولُوا مِثْلَ الَّذِي يَقُولُ "أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ عَلَى الْإِيجَابِ وَأَنَّهُ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ وَالنُّدْبَةِ إِلَى الْخَيْرِ وَإِصَابَةِ الْفَضْلِ كَمَا عَلَّمَ النَّاسَ مِنَ الدُّعَاءِ الَّذِي أَمَرَهُمْ أَنْ يَقُولُوهُ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ "ترجمہ: پس اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موذن کو اذان کہتے ہوئے سنا مگر کلمات موذن کے علاوہ کچھ اور ارشاد فرمایا (موذن کی مثل کلمات نہیں کہے) حضور کا یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا فرمان: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُنَادِيَ فَقُولُوا مِثْلَ الَّذِي يَقُولُ)) وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے، ایک امر خیر اور فضیلت پر ابھارنے کے لئے ہے جیسا کہ آپ نے لوگوں کو ایک دعا سکھائی اور نماز کے بعد پڑھنے کے حکم دیا۔

(شرح معانی الآثار، باب ما یستحب الرجل ان یقولہ اذا سمع الموذن، ج 1، ص 146، مطبوعہ عالم الکتب)

علامہ شامی امام طحاوی کے حوالے سے مذکورہ بالا حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:" فهذه قرينة صارفة للأمر عن الوجوب، وبه تأيد ما صرح به جماعة من أصحابنا، من عدم وجوب الإجابة باللسان وأنها مستحبة .وهذا ظاهر فى ترجيح قول الحلواني، وعليه مشى فى الخانية والفيض ويدل عليه قوله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إذا سمعت النداء فأجب داعي الله وفي رواية "فأجب، وعليك السكينة "ويكفي فى ترجيحه الأدلة على وجوب الجماعة، فإنك علمت أن قول الحلواني مبني على أن الإجابة لقصد الجماعة "ترجمہ: یہ حدیث امر کو وجوب سے پھیرنے کے لئے قرینہ ہے اور اس سے تائید ہوتی ہے جس کی ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ زبان سے اذان کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ یہ امام حلوانی کے قول کی تائید میں ظاہر ہے اور خانیہ وفیض میں بھی اسی طرح ہے، اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے، ارشاد فرمایا: ((إذا سمعت النداء فأجب داعي الله)) ترجمہ: جب اذان سنو تو اللہ کے داعی کی اجابت کرو یعنی نماز کے لیے جاؤ۔ اور ایک روایت میں یوں ہے: ((فأجب وعليك السكينة)) اجابت کرو اور تم پر سکینہ لازم ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اس کی تردید میں فرماتے ہیں:"أما حديث ابن مسعود فلا ينافي إجابة الرسول -عليه السلام- لذلك المنادى بمثل ما قال، وترك الراوي ذكره لأنه يمكن أن يكون قد قال مثل ما قال ذلك المنادى ثم قال ما قال، أو قال ما قال ثم أجاب، فتقدمُ ما قال على الإجابة يكون لمصلحة ظهرت له فى ذلك الوقت، أو يكون الأمر بالإجابة بعد هذه القضية "ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کی مذکورہ حدیث اس بات کے منافی نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موذن کی مثل جواب دیا ہو اور راوی نے اس کا ذکر ترک کر دیا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ آپ نے اولا جواب دیا ہو اور دوسرے کلمات بعد میں ارشاد فرمائے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اولا یہ کلمات ارشاد فرمائے ہوں اور پھر

جواب دیا ہو، اور جواب پر ان کلمات کو کسی وقتی مصلحت کے باعث مقدم کیا ہو، نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جواب اذان کے وجوب کا حکم اس واقعہ کے بعد کا ہو۔ (نخب الافکار، جلد3، صفحہ 130، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ اس قرینے سے متعلق ایسا ہی اظہار فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''أقول: غاية ما ثبت بالحديث أنّه صلّى الله تعالى عليه وسلّم قال غير ما قال المنادى، وهذا خارج عن النزاع؛ إذ التكلّم بشيء آخر لا ينافي الوجوب، ولا ينفي الإجابة، أمّا أنّه صلّى الله تعالى عليه وسلّم لم يجب قطعاً وإنّما اقتصر على هذه الكلمات التي نقل الراوي، فلا يدلّ عليه الحديث أصلاً؛ إذ هو واقعة حال سكت فيها الراوي عن شيء، فلا يدلّ على عدمه، وما يدريك لعلّه ترك حكاية الإجابة لما أنّه كان معلوماً مشهوراً، فاقتصر على نقل ما تعلّق به الغرض في وقت الرواية'' ترجمہ: میں کہتا ہوں اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منادی کے قول کے علاوہ کہا اور یہ نزاع سے خارج ہے کیونکہ دوسری چیز کا تکلم نہ تو وجوب کے منافی ہے اور نہ ہی جواب کے منافی ہے بہر حال یہ بات کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قطعاً جواب نہیں دیا اور انہی کلمات پر اقتصار کیا جس کو راوی نے نقل کیا اس پر حدیث بالکل بھی دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ واقعہ حال ہے جس میں راوی نے کچھ چیزوں سے سکوت اختیار کیا ہے تو یہ عدمِ جواب پر دلالت نہیں کرتا اور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے جواب دینے کو بیان کرنا اس لئے ترک کر دیا ہو کہ یہ تو مشہور و معلوم ہے لہٰذا وقتِ روایت صرف اس چیز کو نقل کرنے پر اقتصار کر لیا جس سے غرض متعلق تھی۔

اور پھر اس کے بعد ایک دوسرا قرینہ صارفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لكنّي أقول وبالله التوفيق: أنّ النبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم أجاب الشهادتين مرّةً بقوله (وأنا) فدلّ على أنّه لا يجب أن يقول مثل مقالة المؤذّن، وحديث (إذا سمعتم) إن دلّ، دلّ على وجوب المثليّة كما لا يخفى، فهذا يصلح -إن شاء الله تعالى- صارفاً للأمر عن الوجوب'' ترجمہ: میں توفیق خداوندی سے کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہادتین کے جواب میں کلمہ ''انا'' ارشاد فرمایا تھا یہ دلالت کرتا ہے کہ حضور نے کلمات موذن کی مثل کچھ ارشاد نہیں فرمایا اور حدیث ((إذا سمعتم۔۔۔۔۔)) اگر کسی بات پر دلالت کرتی ہے تو صرف اس پر کہ موذن کی مثل کلمات کہنا واجب ہے لہٰذا یہ روایت ان شاء اللہ تعالیٰ امر کو وجوب سے پھیرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (جد الممتار، جلد3، صفحہ 86، تحت القول 855، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت نے جس حدیث پاک کو قرینہ صارفہ بنایا ہے وہ سنن ابی داؤد میں ہے۔

(ابوداود، ج1، ص45، حدیث 526، المکتبۃ العصریۃ، صیدا بیروت)

رہی علامہ عینی کی یہ بات کہ ''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جواب اذان کے وجوب کا حکم اس واقعہ کے بعد کا ہو'' تو اس حوالے

سے عرض یہ ہے کہ جب تک اس پر کوئی دلیل نہیں تب تک یہ فقط ایک احتمال ہے اور جیسے یہ احتمال ہے کہ "جواب اذان کے وجوب کا حکم اس واقعہ کے بعد کا ہو۔" ویسے ہی یہ احتمال بھی موجود ہے کہ "یہ واقعہ مذکورہ وجوب کے بعد کا ہو۔" سو پہلے احتمال سے اگر ہمارے استدلال پہ حرف آتا ہے تو دوسرے سے آپ کا استدلال بھی باطل ہو جاتا ہے، نتیجۃً دلیل وجوب ساقط اور جواب اذان کی ترغیب پر مشتمل دیگر روایات سے استحباب ثابت۔

اور محقق ابن ہمام وعلامہ زین الدین ابن نجیم نے جو یہ فرمایا تھا کہ "بل ربما يظهر استنكار تركه؛ لأنه يشبه عدم الالتفات إليه والتشاغل عنه" ترجمہ: بلکہ اس کے ترک کا مستنکر وقبیح ہونا ظاہر ہے کہ جواب نہ دینے والا اس کی طرف التفات نہ کرنے والے اور لاپروائی کرنے والے کے مشابہ ہو جائے گا۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، جلد 01، صفحہ 273، دار الکتاب الاسلامی) (فتح القدیر، جلد 1، صفحہ 248،249، دار الفکر)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی کے مطابق جب مسجد کی جماعت اولی کے حصول کے لئے اجابۃ بالقدم واجب ہے تو بے التفاتی اور لاپروائی والی صورت بھی نہیں رہے گی۔

دوسری دلیل اور اس کا جواب:

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ چار چیزیں جفا ہیں اور ان چار میں "اذان کا جواب نہ دینا" بھی شامل ہے لہٰذا اذان کا جواب باللسان واجب ہے۔ علامہ ابو بکر علاء الدین السمر قندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 540) فرماتے ہیں: "وأما بيان ما يجب على السامعين عِنْد الْأَذَان فَنَقُول يجب عَلَيْهِم الْإِجَابَة على مَا رُوِيَ عَن النَّبِي عَلَيْهِ السَّلَام أَنه قَالَ أَربع من الْجفَاء وَذكر من جُملَتهَا وَمن سمع الْأَذَان وَالْإِقَامَة وَلم يجب" ترجمہ: اور سامعین پر اذان کے وقت جو لازم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ان پر اجابت واجب ہے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے جو روایت کیا گیا اس کے مطابق کہ چار چیزیں جفاء میں سے ہیں اور ان میں ایک یہ ہے کہ جو اذان واقامت سنے اور جواب نہ دے۔ (تحفۃ الفقہاء، جلد 01، صفحہ 116، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: "وقد روى ابن أبي شيبة في "مصنفه" عن وكيع، عن سفيان، عن عاصم، عن المسيب بن رافع، عن عبد الله قال: من الجفاء أن تسمع المؤذن ثم لا تقول مثل ما يقول." ولا يكون من الجفاء إلا ترك الواجب، وترك المستحب ليس من الجفاء ولا تاركه جافٍ" ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف حضرت عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ "تم موذن کو اذان کہتا سنو اور پھر اس کی مثل کلمات نہ کہو تو یہ جفا ہے۔" اور جفا ترک واجب ہی کو کہتے ہیں نہ ترک مستحب کو جفا کہتے ہیں اور نہ ہی تارک مستحب کو جافی۔

(نخب الافکار، جلد 3، صفحہ 130، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ)

فتح القدیر میں نہایہ سے ہے: ''تَجِبُ عَلَيْهِمُ الْإِجَابَةُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِنَ الْجَفَاءِ، وَمِنْ جُمْلَتِهَا: وَمَنْ سَمِعَ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ وَلَمْ يُجِبْ ''ترجمہ: نہایہ میں ہے: اذان سننے والوں پر اجابت لازم ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے سبب کہ چار چیزیں جفاء ہیں اور ان میں سے ایک یہ ذکر کی کہ جو اذان واقامت سنے اور جواب نہ دے۔ (فتح القدیر للکمال ابن الہمام، جلد 1، صفحہ 249، مکتبہ دار الفکر، بیروت)

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث پاک اجابت باللسان میں صریح نہیں، یہاں اجابت بالقدم بھی مراد ہوسکتا ہے، چنانچہ محقق ابن الہمام فرماتے ہیں: وَهُوَ غَيْرُ صَرِيحٍ فِي إجَابَةِ اللِّسَانِ، إذْ يَجُوزُ كَوْنُ الْمُرَادِ الْإِجَابَةَ بِالْإِتْيَانِ إلَى الصَّلَاةِ، وَإِلَّا لَكَانَ جَوَابُ الْإِقَامَةِ وَاجِبًا، وَلَمْ نَعْلَمْ فِيهِ عَنْهُمْ إلَّا أَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ ترجمہ: حدیث: ''اذان کا جواب نہ دینا جفا ہے۔'' اجابت باللسان میں صریح نہیں کیونکہ اجابت سے مراد (جماعت کے لئے) مسجد میں حاضر ہونا ہے ورنہ تو اقامت کا جواب بھی واجب ہوگا (کیونکہ حدیث میں اس کا جواب نہ دینے کو بھی جفا قرار دیا گیا ہے۔) حالانکہ فقہاء سے ہمیں اس کا استحباب ہی معلوم ہے۔ واللہ اعلم (فتح القدیر للکمال ابن الہمام، جلد 1، صفحہ 249، مکتبہ دار الفکر، بیروت)

تیسری دلیل اور اس کا جواب:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس نے اذان سنی اور اس کا جواب نہ دیا اس کی نماز نہیں۔'' حضرت ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد البخاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 616) نے جواب اذان کو واجب قرار دیتے ہوئے اس حدیث کو بطور دلیل ذکر کیا ہے، آپ لکھتے ہیں: ''ومن سمع الأذان، فعليه أن يجيب، قال عليه السلام: من لم يجب الأذان فلا صلاة له'' ترجمہ: اذان سننے والے کے لیے لازم ہے کہ جواب دے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اذان کا جواب نہ دے اس کی کوئی نماز نہیں۔ (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی فقہ الامام أبی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلد 01، صفحہ 351، دار الکتب العلمیۃ، بیروت - لبنان)

یہ بھی اجابت باللسان میں صریح نہیں، علامہ زین الدین المعروف بابن نجیم مصری، امام قاضی خان کے حوالے سے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وفي فتاوى قاضي خان إجابة المؤذن فضيلة وإن تركها لا يأثم، وأما قوله عليه الصلاة والسلام من لم يجب الأذان فلا صلاة له فمعناه الإجابة بالقدم لا باللسان فقط '' ترجمہ: فتاوی قاضی خان میں ہے: اذان کا جواب دینا مستحب ہے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''جو اذان کا جواب نہ دے اس کی نماز نہیں۔'' سے مراد اجابت بالقدم ہے نہ کہ اجابت باللسان۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، جلد 01، صفحہ 273، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

خلاصہ بحث:

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ استحباب کا قول ائمہ ثلاثہ سے منقول مسئلہ کے مطابق ہے اور دلائل کی رو سے بھی راجح ہے اگر یہ کہا جائے کہ قائلین وجوب میں علامہ ابن الہمام اور علامہ زین الدین ابن نجیم مصری جیسے محققین کے علاوہ طبقہ ثالثہ سے صاحب محیط اور صاحب خلاصۃ الفتاوی بھی شامل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قائلین استحباب میں طبقہ ثالثہ سے تین علما، امام ابو جعفر الطحاوی، امام شمس الائمہ السرخسی اور فقیہ النفس امام قاضی خان شامل ہیں امام قاضی خان کے بارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے نیز ان کی تصحیح سے عدول نہیں کیا جا سکتا، رہی بات علامہ ابن الہمام اور علامہ زین الدین ابن نجیم مصری کی تو ان کے حوالے سے عرض یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے وجوب کا قول ایک خاص وجہ سے کیا ہے کہ "امر کو وجوب سے پھیرنے کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں۔" **اور اس تعلق سے ہماری بیان کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ قرینہ صارفہ موجود** ہے، سو ہمیں حسن ظن ہے کہ اگر ان حضرات کو اس قرینہ تک رسائی ہوتی تو یہ حضرات بھی وجوب کا قول چھوڑ کر استحباب کا قول اختیار فرماتے۔

اذان واقامت کے جواب کا طریقہ

عندالاحناف:

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

اور اذان کا جواب یہ ہے کہ جو مؤذن نے کہا وہ اس کی مثل کہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مِثْلَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ)) ترجمہ: جس نے اس کی مثل کہا جو مؤذن نے کہا تو اس کے پچھلے اور اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ لہذا جو مؤذن کہے وہ اس کی مثل کہتا جائے مگر مؤذن کے حی علی الفلاح کے جواب میں وہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" کہے کیونکہ اس کا اعادہ تو نقل اتارنا اور استہزا ہے اور اسی طرح جب مؤذن کہے "الصلوۃ خیر من النوم" تو سننے والا اس کو نہ دہرائے اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، بلکہ اس کے جواب میں وہ کہے "صدقت وبررت" یا ایسا جملہ جو ثواب کا باعث ہو۔ سننے والے کیلئے اذان واقامت میں گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے اور قرآن کریم کی قراءت اور دیگر اعمال کے بجائے صرف اذان کا جواب دینے میں مشغول ہو، اور اگر وہ قرآن کریم کی قراءت پہلے کر رہا ہو تو مناسب ہے کہ اس کو موقوف کر دے اور اذان سننے اور جواب دینے میں مشغول ہو جائے، علماء نے فتاوی میں اسی طرح فرمایا ہے۔

(تبیین الحقائق، باب الاذان، ج1، ص89، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

(حوقلہ کہے) یعنی "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" پڑھے اور عمدۃ المفتی میں "ماشاء اللہ کان" کا اضافہ کیا ہے اور کافی میں ان دونوں کے درمیان اختیار دیا گیا ہے، اور محیط میں اسماعیل نے یہ تفصیل بیان کی کہ "حی علی الصلوۃ" کے جواب میں "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہے اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں "ماشاء اللہ کان" کہے اور مختار پہلا قول ہی ہے، نوح آفندی۔ پھر "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہنا اگرچہ ظاہرا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان "تم اس کی مثل کہو جو مؤذن کہتا ہے" کے خلاف ہے لیکن اس کے بارے بھی ایک مفسر حدیث وارد ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور فتح میں دونوں کو جمع کرنے کا اختیار کیا ہے تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے، انہوں نے فرمایا: بعض احادیث میں صراحتاً وارد ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے تو سننے والا بھی حی علی الصلوۃ کہے، اور ان کا یہ کہنا کہ یہ استہزا کے مشابہ ہے یہ بات اتنی کامل نہیں ہے کیونکہ جواب میں یہ دونوں جملے دہرانے والے کیلئے کوئی مانع نہیں ہے کہ وہ اس سے اپنے نفس کو مخاطب کر کے اس کو دعوت دیتے ہوئے یہ کہہ لے اور تحقیق ہم نے مشائخ سلوک میں کتنوں کو دیکھا ہے جو ان دونوں کو جمع کرتے اور اپنے نفس کو دعوت دیتے پھر لاحول کے ساتھ طاقت وقوت سے بیزاری کا اظہار کرے تاکہ دونوں احادیث پر عمل ہو جائے۔ تحقیق انہوں نے اس بارے میں طویل گفتگو کی ہے اور اس کو برقرار رکھا بحر اور نہر وغیرہ میں۔ میں نے کہا: سلطان العارفین سیدی محیی الدین کا بھی یہی موقف ہے انہوں نے الفتوحات المکیہ میں اس پر نص کی ہے۔ (ردالمحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص397، دارالفکر، بیروت)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

اقامت کا اجماعاً بطور مستحب جواب دے اذان کی طرح اور قد قامت الصلوۃ کے وقت کہے: "اقامھا اللہ و ادامھا" (اللہ تعالیٰ اس کو قائم ودائم رکھے) اور کہا گیا ہے کہ جواب نہ دے اور اس پر شمنی نے جزم کیا ہے۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص400، دارالفکر، بیروت)

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ" کہے، تو سننے والا کہے "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ" اور دوسری مرتبہ کہے تو انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگالے اور کہے "قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" (اگر ایسا کرے گا تو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کی طرف اس کے قائد ہوں گے، کنز العباد میں ایسا ہی ہے۔ (ردالمحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص398، دارالفکر، بیروت)

عند الحنابلہ:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(اذان سننے والے کیلئے مستحب ہے کہ وہ مؤذن کی مثل کہے) اس کے مستحب ہونے کے بارے میں اہل علم کے اختلاف مجھے معلوم نہیں، اور اس بارے میں اصل وہ ہے جسے حضرت ابو سعید نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فَإِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ)) جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہتا ہے اس کی مثل کہو۔ متفق علیہ۔ اور اس کو ایک جماعت نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، ان میں سے حضرت ابو ہریرہ، عمرو بن عاص، ان کے صاحبزادے اور ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

اور ہمارے اصحاب میں خرقی کے علاوہ نے کہا: حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے وقت لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا مستحب ہے، اس پر امام احمد نے نص فرمائی ہے کیونکہ اثرم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو رافع سے روایت کی انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب حضور اذان سنتے تو جو مؤذن کہتا حضور بھی وہی کہتے، پھر جب مؤذن حی علی الصلوۃ پر پہنچتا تو حضور کہتے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اور حضرت حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب نے اپنے والد سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ أَحَدُكُمْ: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ. قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ. ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ. قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. ثُمَّ قَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ. قَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہدان لا الہ الا اللہ تو یہ بھی کہے اشہدان لا الہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہدان محمدا رسول اللہ تو یہ بھی کہے اشہدان محمدا رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوۃ تو یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح تو یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو یہ کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو یہ کہے لا الہ الا اللہ دل سے تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس کو امام مسلم اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے، ابو بکر اثرم نے کہا یہ جید احادیث میں سے ہے۔ اور یہ حضرت ابو سعید کی حدیث سے خاص ہے تو اس کو اس پر مقدم کیا جائے گا یا پھر دونوں میں تطبیق دی جائے گی۔ اور اقامت میں اس کی مثل کہنا مستحب ہے اور قد قامت الصلوۃ کے جواب

میں کہے:"اقـامـهـا الـلـه و ادامـهـا" کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اقامت کہنا شروع کیا پس جب انہوں نے کہا قد قامت الصلوۃ تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا اقامھا اللہ وادامھا۔اور بقیہ اقامت میں حضرت عمر کی حدیث کے مطابق جواب دیا۔

(المغنی لابن قدامہ،مسئلہ یستحب لمن سمع المؤذن ان یقول الخ،ج1،ص309,310،مکتبۃ القاہرہ)

علامہ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن محمد ابن مفلح حنبلی فرماتے ہیں:

اور تثویب (یعنی الصلوة خير من النوم کے جواب) میں کہے:صدقت و بررت ۔اور اقامت میں" قدقامت الصلوة "کے وقت کہے:اقامها الله و ادامها ۔مستوعب اور تلخیص میں یہ اضافہ کیا:مادامت السماوات و الارض بھی کہے اور یہ آہستہ کہے۔ (المبدع فی شرح المقنع،مایقولہ من سمع المؤذن،ج1،ص292،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

عندالشوافع:

امام الحرمین علامہ عبدالملک بن عبداللہ جوینی شافعی (متوفی 478) فرماتے ہیں:

مؤذن کا جواب مستحب ہے جبکہ اذان سننے والا نماز میں نہ ہو اور زیادہ کامل طریقہ یہ ہے کہ وہ حرف بہ حرف مؤذن کی مثل کہتا جائے مگر جب مؤذن حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہے تو جواب دینے والا لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے کیونکہ ان دونوں کلمات کا مطلب دعوت ہے اور مدعو کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ بھی دعوت کے کلمات کو ہی دہرا دے بلکہ جب وہ دعوت سنے تو اسے یہ کہنا مناسب ہے:"لا حول، ولا قوة إلا بالله العلي العظيم " گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت صرف اس اللہ کی مدد سے ہے جو بلند شان والا اور عظمت والا ہے۔یہ سلف سے منقول ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے دامن کرم کو تھامتے ہوئے طاقت وقوت سے بیزاری کا اظہار ہے۔پھر جب مؤذن اللہ اکبر کہے تو یہ بھی اس کی مثل کہے اور جب وہ لا الہ الا اللہ کہے تو یہ بھی یہی کہے۔مؤذن کی طرح اقامت کہنے والا کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔اور جب مؤذن فجر کی اذان میں الصلوہ خیر من النوم کہے تو اس کے جواب میں صدقتَ و بررتَ کہے۔ (نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب،باب صفۃ الاذان،ج2،ص55،مطبوعہ دارالمنہاج)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ اقامت کے الفاظ میں اس کی پیروی کرے مگر اقامت کے کلمات میں کہے: اقامها الله و ادامها۔

(المجموع شرح المہذب،باب الاذان،ج3،ص117،دارالفکر،بیروت)

عند المالکیہ:

علامہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

(اذان کو سننے والے کا اس کو حکایت کرنا شہادتین کے آخر تک) یعنی سننے والے کیلئے مستحب ہے کہ وہ اذان کی حکایت کرے اس طرح کہ جو مؤذن کہتا ہے وہ بھی اسی طرح کہتا جائے، اس حدیث کی وجہ ہے کہ جب تم مؤذن کو سنو تو جو وہ کہتا ہے تم بھی اس کی مثل کہو۔ اس کو اصحاب صحاح ستہ نے نقل کیا ہے۔ امر کا ظاہری معنی وجوب ہے اور اس کو ابن بشیر اور ابن زرقون نے نقل کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک وجوب سے پھیرنے والا قرینہ موجود ہے اور وہ جواب دینے والے کے قول کا مؤذن کے قول کے تابع ہونا ہے، ابن عبدالبر نے یہ کہا ہے، اور مشہور قول کے مطابق مؤذن کی پیروی شہادتین کے آخر تک کرے گا کیونکہ تکبیر تہلیل اور شہادت ایسے الفاظ ہیں جو بذات خود قربت ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور توحید ہیں، اور حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح (کا جواب نہیں دے گا کیونکہ یہ تو) نماز کی طرف بلاوا ہیں اور سننے والا تو نماز کی طرف بلانے والا نہیں، اور مشہور کے مقابل ایک قول میں تمام اذان کی حکایت کا مطلوب ہے۔

جو امام مالک سے مروی ہے اور جس کو مازری نے اختیار کیا اور اس کے صحیح بخاری وغیرہ میں وارد ہونے کی وجہ سے اس کو توضیح میں ظاہر قرار دیا ہے، اس کی بناء پر حی علی الصلوہ اور حی علی الفلاح کو لاحول ولاقوہ الا باللہ سے بدل دیا جائے گا اور توضیح میں العلی العظیم کا اضافہ کیا ہے اور حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح دونوں کی تعداد کے حساب سے لاحول چار مرتبہ کہے۔ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کو دوسرے الفاظ کے ساتھ تبدیل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ایسا ذکر کیا جائے جس سے مؤذن کی جواب دینے والے کو بھی ثواب ملے، اور حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح تو نماز اور فلاح کا بلاوا ہیں اس سے ثواب تو صرف سنانے کی صورت میں ہی ہوگا اور وہ سنانا تو مؤذن کیلئے نہ کہ جواب دینے والے کیلئے تو جواب دینے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کو لاحول سے تبدیل کرلے کہ اس کے کہنے سے اس کو بھی اجر مل جائے چاہے بلند آواز سے کہے یا آہستہ اور اس وجہ سے بھی کہ یہ مؤذن کے بلاوے کے مناسب ہے کہ اس کا معنی نماز اور فلاح حاصل کرنے پر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت وقوت کے علاوہ طاقت وقوت سے بیزاری ہے۔ اور یہ (یعنی لاحول) جیسا کہ صحیحین میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے یعنی اس کا اجر اس کے قائل کیلئے اس طرح جمع کیا جاتا ہے جس طرح خزانہ جمع کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب بندہ یہ کہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ میرا تابع دار ہوگیا۔ اور "حوقلہ" یہ مرکب ہے اس میں پہلی حاء اور واؤ "حول" سے اور قاف "قوۃ" سے اور لام اسم جلالت سے لیا گیا ہے۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی الاذان، ج 1، ص 233، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

علامہ شیخ احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں:

(اور) مستحب ہے (سننے والے کا اس کی نقل کرنا) اس طرح کہ جو مؤذن کہے یہ بھی وہی کہتا جائے (دونوں شہادتوں کے آخر تک) پس حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کو نقل نہ کرے، کہا گیا ہے کہ ان دونوں کو "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" سے بدل دے اور "الصلوۃ خیر من النوم " کو بھی حکایت نہ کرے، اور نہ ہی اس کو صدقت و بررت سے تبدیل کرے، اور ظاہر و مشہور مذہب یہ ہے کہ آخری تکبیر اور تہلیل کو حکایت نہ کرے باوجود اس کے کہ اس کو ذکر کیا گیا ہے اور مشہور کے مقابل یہ ہے کہ اس کو حکایت کرے۔ اور حکایت میں دو دو مرتبہ کہنے میں پیروی کرنا مستحب ہے، لہٰذا ترجیع میں حکایت نہ کرے مگر جب کہ وہ پہلی شہادت کو نہ سن پائے۔ اور اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ جب مؤذن کا مذہب تکبیر کو چار مرتبہ کہنے والا ہو تو حکایت کرنے والا اس کو چار مرتبہ نہیں کہے گا۔ (الشرح الکبیر، شروط صحۃ الاذان ومندوباتہ، ج1، ص196,197، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 153

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَأْخُذَ الْمُؤَذِّنُ عَلَى الأَذَانِ أَجْرًا

اذان پر اُجرت لینے کی کراہیت کا بیان

209. حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُبَيْدٍ وَهُوَ عَبْثَرُ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ، قَالَ: إِنَّ مِنْ آخِرِ مَا عَهِدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا، قَالَ ابو عيسى: حَدِيثُ عُثْمَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا أَنْ يَأْخُذَ الْمُؤَذِّنُ عَلَى الأَذَانِ أَجْرًا، وَاسْتَحَبُّوا لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَحْتَسِبَ فِي أَذَانِهِ

حضرت عثمان ابن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (جب آپ مجھے طائف پر عامل مقرر فرما کر بھیجنے لگے) مجھ سے آخری عہد یہ لیا کہ میں ایسے مؤذن کی تقرری کروں جو اپنی اذان پر اُجرت نہ لے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عثمان کی حدیث ''حسن'' ہے۔

اور اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے علماء نے اذان پر اُجرت لینے کو مکروہ کہا اور فرمایا کہ مؤذن کے لئے ثواب کی نیت سے اذان دینا مستحب ہے۔

تخریج حدیث 209: (سنن ابی داؤد، باب اخذ الاجرۃ علی التاذین، ج 1، ص 146، حدیث 531، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، اتخاذ المؤذن الذی لایأخذ علی اذانہ اجرا، ج 2، ص 23، حدیث 672، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ مسند الحمیدی، حدیثا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج 2، ص 152، دار السقا، دمشق)

اذان پر اجرت لینے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

اذان اور حج پر اجرت لینا جائز نہیں، اسی طرح امامت، تعلیم قرآن اور فقہ پر بھی اجرت لینا جائز نہیں، اصول یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جس کے ساتھ مسلمان خاص ہیں ہمارے نزدیک اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ہر اس عمل پر جائز ہے جو اجیر پر معین (طور پر لازم) نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسے معلوم عمل کی اجرت لینا ہے جو اس پر معین نہیں ہے لہذا جائز ہے، ہماری دلیل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان ہے: ((اقرء وا القرآن ولا تأكلوا به)) ترجمہ: قرآن پڑھو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی العاص سے آخری جو عہد لیا وہ یہ ہے کہ تو ایسا موذن رکھ جو اذان پر اجرت نہ لے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ جب قربت حاصل ہوگئی تو وہ عمل کرنے والے پر واقع ہوگئی، اسی وجہ سے اس کا اہل ہونا معتبر ہے لہذا دوسرے شخص سے اسی کام کی اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ روزہ اور نماز میں ہے اور اس وجہ سے کہ تعلیم ان چیزوں میں سے ہے جن پر معلم قادر نہیں ہے مگر اس معنی کے سبب جو متعلم کی طرف سے ہوتا ہے تو وہ ایسی چیز کا التزام کرنے والا ہے جس کو سپرد کرنے پر وہ قادر نہیں ہے لہذا یہ درست نہیں ہے۔ اور ہمارے بعض مشائخ نے فی زمانہ استحسانا تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ امور دینیہ میں سستی ظاہر ہو چکی ہے اور اس سے منع کرنے میں حفظ قرآن کو ضائع کرنا ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔ (الهدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، باب الاجارۃ الفاسدۃ، ج3، ص238، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہدایہ کی عبارت "بعض مشایخنا الخ" کے تحت علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

(ہمارے بعض مشائخ) اور وہ ائمہ بلخ رحمہم اللہ ہیں **(نے آج استحسانا تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ توانی ظاہر ہوگئی ہے)** توانی یعنی فتور اور سستی **(امور دینیہ میں تو روکنے میں حفظ قرآن کو ضائع کرنا ہے)** متقدمین نے اس سے منع کیا تھا کیونکہ لوگوں کا تعلیم میں راغب ہونا ہی ان کو کافی تھا اور بلا شرط احسان کے بدلہ احسان کرنے والی مروت کی موجودگی ہی ان کو کافی تھی، اور تحقیق یہ ختم ہو چکی ہے تو اس زمانہ میں اس سے منع کرنے میں حفظ قرآن کو ضائع کرنا ہے۔

اور زمانہ کے بدلنے سے جواب بدل گیا تو جب انہوں نے اس کی مدت مقرر کرلی تو وہ اس کو پورا کریں گے یہاں تک کہ باپ کو معلم کی اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے مدت مقرر نہ کی تو اجرت مثل کے اعتبار سے اجرت دی

جائے گی اور دینے پر مجبور کیا جائے گا........ اور امام خیزاخزی نے فرمایا ہمارے زمانہ میں امام، مؤذن اور معلم کیلئے اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ روضہ اور ذخیرہ میں ہے۔ فائدہ: خیزاخزی کا نام عبداللہ بن فضل ہے یہ مفتی بخاری تھے، ان کی تاریخ وفات مجھے ملی نہیں۔

(اسی پر فتوی ہے) یعنی مشائخ بلخ رحمہم اللہ کے استحسان پر۔ تتمۃ الفتاوی میں فرمایا: فقہ کی تعلیم پر اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ قرآن کی تعلیم پر جائز نہیں اور حرف کی تعلیم پر اجرت لینے کے بارے دو قول ہیں مبسوط کی روایت میں جواز ہے اور قدوری کی روایت میں عدم جواز۔ علامہ سرخسی نے مشائخ بلخ سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے تعلیم قرآن پر معلم کے اجرت لینے کے جواز کے بارے میں اہل مدینہ کے قول کو اختیار کیا ہے تو ہم بھی جواز کا ہی فتوی دیتے ہیں۔ عبارت ختم ہوگئی۔

(البنایہ شرح الہدایہ، الاستیجار علی الطاعات کالاذان والحج، ج10، ص282,281، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

ظاہر مذہب میں اذان پر اجرت لینا جائز نہیں، قاسم بن عبدالرحمٰن، اوزعی، اصحاب رائے اور ابن منذر نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی العاص سے فرمایا: ((وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا)) ترجمہ: تو ایسا مؤذن رکھ جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔ اس کو امام ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ کام کرنے والے کیلئے قربت ہے، صرف مسلم سے ہی اس کی ادائگی درست ہے تو وہ امامت کی طرح اس پر اجرت نہیں لے سکتا۔ امام احمد سے دوسری روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور امام مالک اور بعض شوافع نے اس میں رخصت دی ہے کیونکہ یہ ایسا معلوم عمل ہے جس پر رزق لینا جائز ہے تو بقیہ کاموں کی طرح اس پر اجرت لینا جائز ہے اور ہمیں اس پر رزق حاصل کرنے کے جائز ہونے کے بارے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ اور امام اوزاعی اور شافعی کا یہی قول ہے کیونکہ مسلمانوں کی اس کی حاجت ہے اور کبھی ایسا شخص نہیں ملتا جو بغیر اجرت یہ کام کرے اور اگر اس پر رزق بھی نہ دیا جائے تو یہ معطل ہو جائیں گے اور امام (حاکم) مال فیء سے اجرت دے گا کیونکہ وہ مصالح کیلئے رکھا گیا ہے تو یہ قاضیوں اور فوجیوں کے رزق کی طرح ہوگیا اور اگر بغیر اجرت یہ کام کرنے والا شخص موجود ہو تو دوسرے کو اجرت پر نہیں رکھا جائے گا کیونکہ اس کی حاجت نہیں ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل اخذ الاجرۃ علی الاذان، ج1، ص301، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف:

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اور اگر ایسا شخص موجود ہو جو بغیر اجرت اذان دے تو مؤذن کو بیت المال سے رزق نہیں دیا جائے گا کیونکہ مال کو مصلحت کیلئے رکھا گیا ہے اور اس میں کوئی مصلحت نہیں ہے اور اگر ایسا شخص نہ پایا جائے جو تطوعا اذان دے تو خمس کے خمس میں سے مؤذن کو روزی دی جائے گی کیونکہ یہ مصالح میں سے ہے اور کیا اس پر اجرت مانگنا جائز ہے؟ اس بارے میں دو وجہیں (اقوال) ہیں: ایک یہ ہے کہ جائز نہیں اور یہ شیخ ابو حامد کا مختار ہے کیونکہ یہ اس کے حق میں قربت ہے تو نماز کی امامت کی طرح اس پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ ایسا معلوم عمل ہے جس پر اجرت لینا جائز ہے تو باقی اعمال کی طرح اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص115,116، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اذان پر اجارہ کے جائز ہونے کے بارے میں تین وجوہات (اقوال) ہیں: (۱) پہلی وجہ: ان میں سے سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ حاکم کے لیے اسے اجرت دینا جائز ہے بیت المال کے مال میں سے بھی، اپنے ذاتی مال سے بھی اور اہل محلہ وغیرہ میں سے کسی شخص کیلئے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے ذاتی مال سے دے، اس کو قاضی ابو الطیب نے ابو علی طبری اور ہمارے عام اصحاب سے نقل کیا ہے، اسی طرح اس کو متولی، صاحب ذخائر اور عبدری نے ہمارے عام اصحاب سے نقل کیا ہے اور قاضی ابو الطیب، فورانی، امام الحرمین، ابن صباغ، متولی، غزالی نے بسیط میں، الکیا ہراسی نے اپنی کتاب الزوایا فی الخلاف میں، شاشی نے معتمد میں، رافعی نے اور کئی دوسرے علماء نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور خلاصہ میں امام غزالی نے، حلیہ میں رویانی نے اس پر جزم کیا اور یہی امام مالک اور داود کا مذہب ہے (۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی کے لئے بھی اجرت طلب کرنا جائز نہیں، اس پر شیخ ابو حامد، صاحب حاوی اور قفال نے جزم کیا ہے اور اس کو محاملی، بندنیجی اور بغوی وغیرہ نے درست قرار دیا ہے، امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ، احمد، ابن منذر نے بھی یہی کہا ہے (۳) اور تیسری وجہ: امام (حاکم) کیلئے دینا جائز ہے اور عام لوگوں میں سے کسی کے لیے دینا جائز نہیں ہے۔ (المجموع شرح المہذب، باب الاذان، ج3، ص127، دار الفکر، بیروت)

علامہ زکریا بن محمد بن زکریا انصاری شافعی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں:

حاکم اور غیر حاکم ہر ایک کیلئے اذان پر اجرت دینا جائز ہے کیونکہ یہ ایک ایسا معلوم عمل ہے جس پر رزق حاصل دیا جاتا ہے جیسے وثیقہ نویسی اور اس سبب سے بھی جائز ہے کہ اس کا نفع تمام مسلمانوں کی طرف لوٹے گا تو یہ تعلیم قرآن کی طرح ہی ہے اور

بہر حال امام ترمذی کی روایت کہ تم ایسا مؤذن رکھو جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے تو یہ مستحب پر محمول ہے۔

(اسنی المطالب، ویستحب مؤذنان للمسجد، ج1، ص132، دارالکتاب الاسلامی، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ محمد بن یوسف غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

(صرف اذان پر اجرت لینا یا اذان کی نماز کے ساتھ ملا کر اجرت لینا جائز ہے حالانکہ صرف نماز پر اجرت لینا مکروہ ہے) مدونہ میں ہے امام مالک نے فرمایا صرف اذان پر اور اذان و نماز دونوں پر بھی اجارہ جائز ہے اور صرف نماز پر اجارہ جائز نہیں۔

(التاج والاکلیل لمختصر خلیل، فصل فی حکم الاذان والاقامۃ، ج2، ص115، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

(صرف اذان پر یا اذان و نماز دونوں پر اجرت جائز ہے) یعنی صرف اذان پر یا صرف اقامت پر یا ان میں سے کسی ایک کو نماز کے ساتھ ملا کر دونوں پر چاہے وہ نماز فرض ہو یا نفل ہو مشہور قول کے مطابق اجرت لینا جائز ہے چاہے اجرت بیت المال سے ہو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا یا عام لوگوں کی طرف سے دی جائے اور ابن حبیب نے اسے ممنوع قرار دیا ہے کہ اذان پر اجرت عام لوگوں کی طرف سے دی جائے۔ (شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی الاذان، ج1، ص236، دارالفکر للطباعۃ، بیروت)

عندالاحناف طاعت پر اجرت لینے کا عدم جواز اور کچھ مستثنیٰ صورتیں

طاعات و عبادات پر اجارہ ناجائز و گناہ ہے، حالات زمانہ دیکھ کر فقہا نے ان میں سے چند امور پر ضرورتاً اجرت لینے کی اجازت دی ہے، وہ مستثنیٰ امور یہ ہیں: امامت، اذان، تعلیم قرآن مجید، تعلیم فقہ، وعظ و بیان۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اقرؤوا القرآن ولا تاكلوا به)) ترجمہ: قرآن پڑھو اور اس کا عوض مت کھاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب صلوۃ التطوع والامامۃ، فی الرجل یقوم بالناس فی رمضان فیعطی، جلد2، صفحہ168 مکتبۃ الرشد، الریاض)

حضرت عثمان ابن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

((إِنَّ مِنْ آخِرِ مَا عَهِدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا)) ترجمہ: حضرت عثمان ابن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (جب مجھے طائف پر عامل مقرر فرما کر بھیجنے لگے) تو مجھ سے آخری عہد یہ لیا کہ میں ایسے مؤذن کی تقرری کروں جو اپنی اذان پر اُجرت نہ لے۔

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یاخذ المؤذن، ج1، ص409، مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

علامہ ابوالحسن علی بن حسین سغدی (متوفی 461ھ) فرماتے ہیں:

طاعات پر اجارہ ناجائز ہے جیسا کہ تعلیم قرآن، سنت، روزہ، نماز، زکوۃ، حج اور عمرہ وغیرہا پر اجارہ کرنا ناجائز ہے امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب کے قول پر۔ (النتف فی الفتاوی للسغدی، اجارۃ الحمام، ج2، ص574، دار الفرقان، عمان)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ایک آدمی نے کسی شخص سے اجارہ کیا کہ وہ اس کی طرف سے حج کرے تو ہمارے نزدیک جائز نہیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ایسی طاعات پر اجارہ ناجائز ہے جو کافر سے ادا نہیں ہوسکتیں، اور امام شافعی کے نزدیک ہر وہ طاعت جو اجیر پر متعین نہ ہو اس پر اجارہ ہوسکتا ہے جبکہ اس میں نیابت کفایت کرے۔

(مبسوط للسرخسی، استأجر رجلا لیحج عنہ، ج4، ص158، دار المعرفہ، بیروت)

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"وَالِاسْتِئْجَارُ عَلَى الطَّاعَاتِ لَا يَجُوزُ عِنْدَنَا" ترجمہ: طاعات پر اجارہ ہمارے نزدیک ناجائز ہے۔

درر الحکام شرح غرر الحکام میں ہے:

اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک طاعات و معاصی یعنی نیکی و بدی کے کاموں پر اجارہ جائز نہیں مگر وہ صورتیں جن میں امور دینیہ میں نقصان واقع ہوا تو متاخرین نے جواز کا فتوی دیا، اسی وجہ سے فی زمانہ ان امور یعنی تعلیم قرآن، فقہ، امامت اور مؤذن پر اجارہ کی صحت کا فتوی دیا جاتا ہے۔ (درر الحکام شرح غرر الحکام، کتاب الاجارۃ، باب ما یفسد الاجارۃ، جلد2، صفحہ233، دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت)

محیط برہانی، بحر الرائق، اور رد المحتار میں ہے:

متاخرین کا مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ ضرورت کی بناء پر تعلیم قرآن، امامت اور اذان پر اجرت لینا جائز ہے لیکن محض تلاوت قرآن اور بقیہ طاعات جن کی طرف ضرورت نہیں ان پر اجرت لینا جائز نہیں۔

(رد المحتار علی در مختار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد1، صفحہ562، دار الفکر، بیروت)

رد المحتار میں ہے:

ہدایہ میں فرمایا ہمارے بعض مشائخ نے آج کل دینی امور میں سستی کی وجہ سے قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے کو بہتر قرار دیا ہے تو اس سے پرہیز کرنے پر قرآن پاک کا حفظ خطرہ میں پڑسکتا ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے اھ، اور قرآن کی تعلیم پر اجرت کو عدم جواز سے مستثنی قرار دیا ہے کنز، مواہب الرحمان، اور بہت سی کتب میں بھی اسی طرح ہے اور مختصر وقایہ اور الاصلاح کے متن نے تعلیم القرآن کے ساتھ تعلیم فقہ کو زائد کیا ہے۔ اور مجمع کے متن میں امامت کو زائد کیا اور اسی طرح ملتقی و درر البحار میں ہے، اور

بعض نے اذان واقامت اور وعظ کو بھی شامل کیا ہے، اور مصنف نے مذکور معظم امور کو ذکر کیا لیکن اکثر کتب نے ہدایہ میں مذکور پر اکتفاء کیا ہے اور ہمارے مشائخ متاخرین کے فتووں کا یہ مجموعہ ہے اور یہ بلخی حضرات ہیں جبکہ ان میں سے بعض نے بعض میں اختلاف بھی کیا ہے، ان متاخرین نے خلاف کیا مسلک امام اور صاحبین کے، اور شروح وفتاوٰی سب نے جواز کی علت ضرورت کو قرار دیا ہے اور وہ قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ الفاسد، ج6، ص55,56، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

فتاوٰی امام اجل قاضی خان میں ہے:

عالم شخص جب دیہاتوں میں وعظ کے لئے جائے اور وہ اس کے لئے کچھ نذرانہ جمع کریں، امام ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا میں یہ فتوٰی دیا کرتا تھا کہ وہ دیہات کی طرف نہ نکلیں پھر میں نے اس سے رجوع کرلیا۔

(فتاوٰی قاضی خاں، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی التسبیح والتسلیم الخ، ج4، ص795، نولکشور لکھنو)

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:

"اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اجرت لینی حرام ہے۔ درمختار میں اسے یہود ونصارٰی کی ضلالتوں میں سے گنا مگر "کم من احکام یختلف باختلاف الزمان، کما فی العالمگیریہ" (بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے) کلیہ غیر مخصوصہ کہ طاعات پر اُجرت لینا ناجائز ہے ائمہ نے حالات زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنٰی کیں: امامت، اذان، تعلیم قرآن مجید، تعلیم فقہ، کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں، مجمع البحرین وغیرہ میں ان کا پانچواں وعظ گناوبس۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں "میں چند چیزوں پر فتوٰی دیتا تھا، اب ان سے رجوع کیا، ازانجملہ میں فتوٰی دیتا تھا کہ عالم کو جائز نہیں کہ دیہات میں دورہ کرے اور وعظ کے عوض تحصیل کرے مگر اب اجازت دیتا ہوں، لہذا یہ ایسی بات نہیں جس پر نکیر لازم ہو۔" (فتاوٰی رضویہ شریف، جلد19، صفحہ538، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"بعض علماء نے وعظ کو بھی ان امور مستثنٰی میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذِ اجرت (اجرت لینا) مشائخ متاخرین نے بحکم ضرورت جائز رکھا۔" (فتاوٰی رضویہ، جلد19، صفحہ435، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طاعت وعبادت کے کاموں پر اجارہ کرنا جائز نہیں مثلاً اذان کہنے کے لیے امامت کے لیے قرآن وفقہ کی تعلیم کے لیے حج کے لیے یعنی اس لیے اجیر کیا کہ کسی کی طرف سے حج کرے۔ متقدمین فقہا کا یہی مسلک تھا مگر متاخرین نے دیکھا کہ دین

کے کاموں میں سستی پیدا ہوگئی ہے اگر اِس اجارہ کی سب صورتوں کو ناجائز کہا جائے تو دِین کے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہوگا اُنھوں نے اس کلیہ سے بعض امور کا استثنا فرمادیا اور یہ فتویٰ دیا کہ تعلیم قرآن وفقہ اور اذان وامامت پر اجارہ جائز ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو قرآن وفقہ کے پڑھانے والے طلب معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دِین کی باتوں سے ناواقف ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح اگر مؤذن وامام کو نوکر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہوجائے گا اور اس شعار اسلامی میں زبردست کمی واقع ہوجائے گی۔ اسی طرح بعض علما نے وعظ پر اجارہ کو بھی جائز کہا ہے اس زمانہ میں اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں اہل علم نہیں ہیں ادھر اُدھر سے کبھی کوئی عالم پہنچ جاتا ہے جو وعظ وتقریر کے ذریعہ اُنھیں دِین کی تعلیم دے دیتا ہے اگر اس اجارہ کو ناجائز کردیا جائے تو عوام کو جو اس ذریعہ سے کچھ علم کی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں اس کا انسداد ہوجائے گا یہاں یہ بتادینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب اصل مذہب یہی ہے کہ یہ اجارہ ناجائز ہے ایک دینی ضرورت کی بنا پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے تو جس بندہ خدا سے ہوسکے کہ ان امور کو محض خالصاً لوجہ اللہ انجام دے اور اجر اُخروی کا مستحق بنے تو اس سے بہتر کیا بات ہے پھر اگر لوگ اس کی خدمت کریں بلکہ یہ تصور کرتے ہوئے کہ دِین کی خدمت یہ کرتے ہیں ہم ان کی خدمت کرکے ثواب حاصل کریں تو دینے والا مستحق ثواب ہوگا اور اُس کو لینا جائز ہوگا کہ یہ اُجرت نہیں ہے بلکہ اعانت وامداد ہے۔

فقہائے کرام نے اُس کلیہ سے جن چیزوں کا استثنا فرمایا وہ مذکور ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن پر اجارہ جس طرح قدما کے نزدیک ناجائز ہے متاخرین کے نزدیک بھی ناجائز ہے لہٰذا سوم وغیرہ کے موقع پر اُجرت پر قرآن پڑھوانا ناجائز ہے دینے والا لینے والا دونوں گنہگار، اسی طرح اکثر لوگ چالیس روز تک قبر کے پاس یا مکان پر قرآن پڑھوا کر ایصال ثواب کراتے ہیں اگر اُجرت پر ہو یہ بھی ناجائز ہے بلکہ اس صورت میں ایصال ثواب بے معنی بات ہے کہ جب پڑھنے والے نے پیسوں کی خاطر پڑھا تو ثواب ہی کہاں جس کا ایصال کیا جائے اس کا ثواب یعنی بدلہ پیسہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اعمال جتنے ہیں نیت کے ساتھ ہیں جب اللہ (عزوجل) کے لیے عمل نہ ہو تو ثواب کی اُمید بیکار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایصال ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اُجرت پر تلاوت قرآن مجید یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصال ثواب نہیں ہوسکتا بلکہ پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھیں اور ایصال ثواب کریں یہ جائز ہے۔

ختم پڑھنے کے لیے اجارہ کرنا ناجائز مثلاً کوئی آیہ کریمہ کا ختم کراتا کوئی ختم خواجگان پڑھواتا ہے کوئی کلمہ طیبہ کا ختم کراتا ہے یہ سب کام اُجرت پر ناجائز ہیں۔

کسی کو سانپ یا بچھونے کاٹا ہو اُس کے جھاڑنے کی اُجرت لینا جائز ہے اگرچہ قرآن مجید ہی کی آیت یا سورت پڑھ کر

جھاڑنا ہو کہ یہ تلاوت نہیں بلکہ علاج کے قبیل سے ہے حدیث میں ایک صحابی کا سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا اور اُس کا اچھا ہو جانا اور اُن کا پہلے ہی سے اُجرتِ مقرر کر لینا اور اُس کے اچھے ہونے کے بعد لینا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس معاملہ کو پیش کرنا اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کا انکار نہ فرمانا بلکہ جائز رکھنا، اس کے جواز کی صریح دلیل ہے۔

بہت سے لوگ تعویذ کا معاوضہ لیتے ہیں یہ جائز ہے اس کو اجارہ کی حد میں داخل نہیں کیا جاسکتا بلکہ بیع میں شمار کرنا چاہیے یعنی اُتنے پیسوں یا روپے میں اپنے تعویذ کو بیع کرتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ تعویذ ایسا ہو کہ اُس میں شرعی قباحت نہ ہو جیسے ادعیہ اور آیات یا ان کے اعداد یا کسی اسم کا نقش مظہر یا مضمر لکھا جائے اور اگر اُس تعویذ میں نا جائز الفاظ لکھے ہوں یا شرک وکفر کے الفاظ پر مشتمل ہو تو ایسا تعویذ لکھنا بھی نا جائز ہے اور اس کا لینا اور باندھنا سب نا جائز۔ صاحب درمختار نے ردِ سحر کے تعویذ لکھنے پر اجارہ کو جائز فرمایا جبکہ مقدارِ کاغذ و مقدارِ تحریر معلوم ہو کہ اتنا کاغذ ہوگا اور اُس میں اتنی سطریں لکھی جائیں گی مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ اُس صورت میں ہوگا کہ جب اُس لکھوانے والے نے یہ کہا کہ فلاں چیز مجھے لکھ کر دے دو اور یہ طریقہ تعویذ دینے والوں کا نہیں ہے بلکہ ناقلین کا ہوسکتا ہے کیوں کہ کاغذ کی مقدار اور تحریر کے لحاظ سے اگر اُجرت ہوتی تو تعویذ کے چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے اُجرت میں اختلاف ہوتا حالانکہ یہ نہیں بلکہ امراض اور تعویذ کے زود اثر) ہونے کے اعتبار سے اس کی قیمتوں میں اختلاف ہوتا ہے اسی وجہ سے پانچ پیسے اور پانچ روپے کے تعویذ میں تحریر و کاغذ کی مقدار میں فرق نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اجارہ نہیں ہے البتہ بیع کی صورت میں ایک خرابی یہ نظر آتی ہے کہ عموماً اُس وقت تعویذ موجود نہیں ہوتا بعد میں لکھا جاتا ہے اور معدوم کی بیع درست نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب اُس نے تعویذ کی فرمائش کی اُس وقت بیع نہیں بلکہ لکھ لینے کے بعد بطور تعاطی بیع ہوگی اور یہ جائز ہے۔ (بہار شریعت، جلد3، صفحہ 147-145، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نعت خوانی کی اجرت

نعت خوانی کہ اعلیٰ درجہ کی طاعت وعبادت ہے اور طاعت پر اجارہ حرام ہے اور یہ ان مستثنیٰ امور میں سے بھی نہیں جن کی مشائخ نے ضرورتاً اجازت دی، لہٰذا اس پر اجارہ کرنا، اجرت لینا ناجائز وگناہ ہے۔

نعت خوانی کرنے میں پیسے لینے کی مختلف صورتیں ہیں، بعض صورتیں اجارہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں اور بعض صورتیں جائز ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

(1) پہلے طے کرلیا کہ نعت خوانی کے بدلے اتنے پیسوں لوں گا، یہ صورت ناجائز ہے، لینا دینا دونوں ناجائز ہیں کیونکہ یہ طاعت (عبادت) پر اجارہ ہے اور طاعات پر اجارہ ناجائز وگناہ ہے۔

(2) طے تو نہیں کیا مگر عرفاً معلوم ہے کہ اجرت پر پڑھ رہے ہیں یا پڑھانے والے اجرت دیں گے، اگر یہ نہ پڑھیں تو نہ دیں، اور وہ نہ دیں تو یہ نہ پڑھیں تو ایسی صورت میں لینا اور دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوں گے۔

(3) اگر عرف میں ایسے نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھیں اور دل میں کسی عوض کا خیال نہ کریں حتی کہ یقین بھی ہو کہ نہ دینگے اسکے باوجود پڑھیں، ایسی صورت میں کسی لفظی یا عرفی تقرر کے بغیر پڑھنے والوں کو دیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(4) ایسی جگہ جہاں عرف میں لینا دینا ہوتا ہو، پڑھنے والے پہلے شرط کریں کہ ہم کچھ نہ لیں گے اور اس کے بعد اگر دینے والے دیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صراحت دلالت پر فوقیت رکھتی ہے۔

(5) ایک جواز کی صورت یہ ہے کہ نعت خوان کو مقررہ وقت مثلاً کچھ گھنٹوں جیسے رات آٹھ سے دس بجے تک اپنی خدمت یا کام کے لئے مقررہ اجرت جس پر فریقین راضی ہوں، اجیر بنالیں، تو اتنے وقت کے لئے یہ حضرات نوکر ہوں گے اور اپنے آپ کو پابند بنانا واجب ہوگا تو اجرت پر رکھنے والوں کو حق ہوگا کہ وہ جو خدمت ان سے چاہیں لیں، انہی خدمات میں سے نعت خوانی بھی ہوگی، اس صورت میں دینا ضروری اور لینا جائز ہوگا کیونکہ اب ان کی ذات سے منافع پر اجارہ ہے، طاعات وعبادات پر نہیں ہے۔

(6) وہ پیسے جو (عقد میں طے کیے بغیر) لٹائے جاتے ہیں یہ ان کے حق میں انعام ہے جسے لینا جائز ہے کہ وہ مال ہے جو بغیر کسی شرط کے ہے جسے فقہاء کرام نے مباح قرار دیا ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فارسی فتوی کا ترجمہ وخلاصہ درج ذیل ہے:

قرآن عظیم کی تعلیم، دیگر دینی علوم، اذان اور امامت پر اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ متاخرین ائمہ نے موجودہ زمانہ میں شعائر دین وایمان کی حفاظت کے پیش نظر فتوی دیا ہے اور باقی طاعات مثلاً زیارت قبور اموات کے لئے ختم قرآن، قراءت، **میلاد پاک سید الکائنات** علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتحیات (**یعنی نعت خوانی**) پر اصل ضابطہ کی بناء پر منع باقی ہے، اور عرف میں مقرر ومشہور لفظاً مشروط کی طرح ہے۔ لہٰذا ان باقی امور پر اجرت مقرر کی گئی یا عرفاً معلوم ہے کہ اجرت پر پڑھ رہے ہیں یا پڑھانے والے اجرت دیں گے، اگر یہ نہ پڑھیں تو نہ دیں، اور وہ نہ دیں تو یہ نہ پڑھیں تو ایسی صورت میں لینا اور دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوں گے۔ اگر عرف میں ایسے نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھیں اور دل میں کسی عوض کا خیال نہ کریں حتی کہ یقین بھی ہو کہ نہ دینگے اسکے باوجود پڑھیں، ایسی صورت میں کسی لفظی یا عرفی تقرر کے بغیر پڑھنے والوں کو دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ایسی جگہ جہاں عرف میں لینا دینا ہوتا ہو، پڑھنے والے پہلے شرط کریں کہ ہم کچھ نہ لیں گے اور

اس کے بعد اگر دینے والے دیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صراحت فائق ہوتی دلالت پر جیسا کہ فتاوی قاضیخان میں ہے۔ اگر اجرت کی شرط پر پڑھنا حلال ہو جائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ قراء اور حفاظ حضرات کو مقررہ وقت مثلاً کوئی دن ہفتہ میں یا گھنٹے مثلاً صبح سے دس بجے تک اپنی خدمت یا کام کے لئے مقررہ اجرت جس پر فریقین راضی ہوں، اجیر بنالیں، تو اتنے وقت کے لئے یہ حضرات نوکر ہوں گے اور اپنے آپ کو پابند بنانا واجب ہوگا تو اجرت پر رکھنے والوں کو حق ہوگا کہ وہ جو خدمت ان سے چاہیں لیں، انہی خدمات میں سے میلاد خوانی وقرآن خوانی برائے ایصال ثواب فلاں بھی ہوگی، اس صورت میں دینا ضروری اور لینا جائز ہوگا کیونکہ اب ان کی ذات سے منافع پر اجارہ ہے، طاعات وعبادات پر نہیں ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 19، صفحہ 495، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اہلسنت نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک خود عمدہ طاعات واجل عبادات سے ہے اور طاعت وعبادت پر فیس لینی حرام، مبسوط پھر خلاصہ پھر عالمگیری میں ہے" لایجوز الاستیجار علی الطاعات کالتذکیر ولا یجب الاجر "ترجمہ: نیک کاموں میں اجرت لینا جائز نہیں، جیسے وعظ کرنا۔ اور اجرت واجب نہیں ہوگی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الاجارہ، ج 4، ص 448، نورانی کتب خانہ، پشاور ☆ فتاوی رضویہ، ج 23، ص 725، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتا ہے، عرفاً شرط معروف ومعہود سے بھی ہو جاتا ہے مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا، وہ (پڑھنے والے بھی) سمجھ رہے ہیں کہ "کچھ" ملے گا، انہوں نے اس طور پر پڑھا، انہوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہو گیا اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت (یعنی عبادت) پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت کی وجہ سے اجارہ فاسد یہ دوسرا حرام۔

(فتاوی رضویہ ملخصاً، ج 19، ص 487، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

اگر دینے والے نے یہ مال حسب دستور فی الواقع انعام یا بیل کے طور پر دیا تو ہبہ ٹھہرے گا۔۔۔۔۔۔فانما الامور بمقاصدھا وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئی مانوی "ترجمہ: کاموں کا مدار ان کے مقاصد پر ہے اور اعمال کا مدار ارادوں پر ہے لہذا ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے ارادہ کیا ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد 23، ص 509، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید فرماتے ہیں:

وہ اس اجرت مقررہ پر مجرا لیتا ہے تو یہ بیل درحقیقت بیل نہیں بلکہ وہی اجرت ہے اور مغصوب میں داخل" لان المعھود عرفا کالمذکور لفظاً" (کیونکہ عرفاً معہود لفظاً مذکور کی طرح ہے) غرض ان صورتوں سے پاک ہو تو بیشک انعام اور بیل کا روپیہ ان کی ملک خاص ہے اور انہیں خود اس سے انتفاع اور دوسرے کو اس میں سے دینا جائز ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 509، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لیکن نعت خوانی کے دوران نعت خوان کے اوپر پیسے پھینکنا خلافِ ادب ہے، نعت خوان کے اوپر پیسے پھینکنے کی بجائے ادب سے اس کے پاس رکھ دیے جائیں۔

تلاوت کی اجرت

تلاوت قرآن بھی یقیناً عبادت وطاعت ہے، اس پر اجرت لینا دینا بھی ناجائز اور گناہ ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک فتوی میں اس کے عدمِ جواز اور پھر اس کے جواز کی صورتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیم قرآن عظیم وعلوم دین و اذان وامامت وغیرہا معدودے چند اشیاء کو جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظر حال زمانہ جائز رکھا) مطلقاً حرام ہے، اور تلاوت قرآن عظیم بغرض ایصال ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ضرور منجملہ عبادات وطاعت ہیں تو ان پر اجارہ بھی ضرور حرام ومحذور..........

اور اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتا ہے، عرفاً شرط معروف ومعہود سے بھی ہو جاتا ہے، مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا۔ انھوں نے اس طور پر پڑھا، انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہو گیا، اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسد، یہ دوسرا حرام.........

پس اگر قرارداد کچھ نہ ہو نہ ہو وہاں لین دین معہود ہوتا ہو تو بعد کو بطور صلہ وحسن سلوک کچھ دے دینا جائز بلکہ حسن ہوتا ....

مگر جبکہ اس طریقہ کا وہاں عام رواج ہے تو صورت ثانیہ میں داخل ہو کر حرام محض ہے، اب اس کے حلال ہونے کے دو طریقے ہیں:

(۱) اول یہ کہ قبل قرأت پڑھنے والے صراحۃً کہہ دیں کہ ہم کچھ نہ لیں گے پڑھوانے والے صاف انکار کر دیں کہ تمھیں

کچھ نہ دیا جائے گا،اس شرط کے بعد ہو پڑھیں اور پھر پڑھوانے والے بطور صلہ جو چاہیں دے دیں، یہ لینا دینا حلال ہوگا۔ لانتفاع الاجارة بوجهيها اما اللفظ فظاهر واما العرف فلانهم نصوا على نفيها والصريح يفوق الدلالة، فلم يعارضه العرف المعهود كما نص عليه الامام فقيه النفس قاضی خان رحمه الله تعالیٰ فی الخانیة وغیره فی غیرها من السادة الربانية ۔(دووجوہات سے اجارہ نہ ہونے کے سبب،ایک لفظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے،دوسرا عرف کی وجہ سے کیونکہ انھوں نے اس نفی پر نص کردی ہے اور صریح بات دلالت پر فائق ہوتی ہے،تو عرف معہود اس کے معارض نہ ہوسکے گا جیسا کہ امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اس پر اپنے فتاوٰی اور دیگر فقہاء نے دوسری کتب میں نص فرمائی ہے۔)

(۲)دوم پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعیین وقت اجرت ان سے مطلق کارِخدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں،مثلاً یہ ان سے کہیں ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا،وہ کہیں ہم نے قبول کیا۔اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہوگئے،وہ جو کام چاہیں لیں،اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں،اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں کو بخش دو یا مجلس میلاد مبارک پڑھ دو،یہ جائز ہوگا اور لینا دینا حلال،لان الاجارة وقعت على منافع ابدانهم لاعلى الطاعات والعبادات واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم (کیونکہ یہ اجارہ ان کے ابدان سے انتفاع پر ہوا ہے نہ کہ ان کی عبادات اور طاعات پر ہوا ہے،والله سبحانه و تعالىٰ اعلم)

(فتاوی رضویہ،ج19،ص486 تا 488،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بہار شریعت میں ہے:

فقہائے کرام نے اُس کلیہ سے جن چیزوں کا استثنا فرمایا وہ مذکور ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن پر اجارہ جس طرح قدما کے نزدیک ناجائز ہے متاخرین کے نزدیک بھی ناجائز ہے لہٰذا سوم وغیرہ کے موقع پر اُجرت پر قرآن پڑھوانا ناجائز ہے دینے والا لینے والا دونوں گنہگار،اسی طرح اکثر لوگ چالیس روز تک قبر کے پاس یا مکان پر قرآن پڑھوا کر ایصال ثواب کراتے ہیں اگر اُجرت پر ہو یہ بھی ناجائز ہے بلکہ اس صورت میں ایصال ثواب بے معنی بات ہے کہ جب پڑھنے والے نے پیسوں کی خاطر پڑھا تو ثواب ہی کہاں جس کا ایصال کیا جائے اس کا ثواب یعنی بدلہ پیسہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اعمال جتنے ہیں نیت کے ساتھ ہیں جب اللہ عزوجل کے لیے عمل نہ ہو تو ثواب کی اُمید بیکار ہے۔مقصد یہ ہے کہ ایصال ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اُجرت پر تلاوت قرآن مجید یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصال ثواب نہیں ہوسکتا بلکہ پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھیں اور ایصال ثواب کریں یہ جائز ہے۔

ختم پڑھنے کے لیے اجارہ کرنا ناجائز مثلاً کوئی آیہ کریمہ کا ختم کراتا کوئی ختم خواجگان پڑھواتا ہے کوئی کلمہ طیبہ کا ختم کراتا

ہے یہ سب کام اُجرت پرنا جائز ہیں۔ (بہارشریعت، جلد3، صفحہ 146-145، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تراویح کی اجرت

تراویح میں حفاظ جو قرآن سناتے ہیں اس کے عوض پیسے لینا ناجائز ہے کہ یہ بھی طاعت پر اجارہ ہے اور یہ بھی مستثنیٰ صورتیں میں داخل نہیں، اور ناجائز صرف اسی صورت میں نہیں کہ پہلے سے طے کرلیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے بلکہ اگر یہ معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا ہو یہ بھی ناجائز ہے کہ "المعروف کالمشروط "یعنی معروف مشروط کی طرح ہے، ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں کہ "الصریح یفوق الدلالة" (یعنی صراحت دلالت پر فوقیت رکھتی ہے) اسی طرح اگر انتظامیہ حافظ صاحب سے اس طرح اجارہ کرلے کہ ہم آپ سے اتنی رقم کے عوض دو گھنٹے کا اجارہ کرتے ہیں کہ ہم جو کام دیں گے وہ کرنا ہوگا، اگر حافظ صاحب منظور کرلیں تو وہ ملازم ہو گئے، اب انتظامیہ حافظ صاحب کی ڈیوٹی لگادے کہ وہ ان دو گھنٹوں کے اندر روزانہ تراویح پڑھادے، اور مقررہ رقم حافظ کو دینی ہوگی اور وہ رقم حافظ صاحب کے لیے جائز و حلال ہوگی۔

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آج کل اکثر رواج ہوگیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں یہ ناجائز ہے، دینے والا اور لینے والا دونوں گناہ گار ہیں، اجرت صرف یہ ہی نہیں کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے یہ دیں بلکہ اگر یہ معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا ہو یہ بھی ناجائز ہے کہ "المعروف کالمشروط "ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں کہ "الصریح یفوق الدلالة" (بہارشریعت، ج1، حصہ 4، ص692، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں اجرت دے کر میت کے ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کو ذکر اللہ عزوجل کروانے سے متعلق پوچھا گیا تو جواباً ارشاد فرمایا:

تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی پر اُجرت لینا دینا دونوں حرام ہے، لینے والے دینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں.... اور جب یہ فعل حرام کے مرتکب ہیں تو ثواب کس چیز کا اموات کو بھیجیں گا؟ گناہ پر ثواب کی امید اور زیادہ سخت واشد ہے....... ہاں اگر لوگ چاہیں کہ ایصال ثواب بھی ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو گھنٹے دو گھنٹے کے لئے نوکر رکھ لیں اور تنخواہ اتنی دیر کی ہر شخص کی معین کردیں مثلاً پڑھوانے والا کہے میں نے تجھے آج فلاں وقت سے فلاں وقت تک کے لئے اس قدر اجرت پر نوکر رکھا جو کام چاہوں گا لوں گا وہ کہے میں قبول کیا، اب اتنی دیر کے واسطے اس کا اجیر ہوگیا جو کام چاہے لے سکتا ہے اس کے بعد

اس سے کہے فلاں میت کے لئے اتنا قرآن عظیم یا اس قدر کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھ دو، یہ صورت جواز کی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے واللہ سبحنہ وتعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم ۔

(فتاوی رضویہ، ج23، ص537، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر154

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ

مؤذن کے اذان دینے کے بعد کونسی دُعا پڑھے

210. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ الْحُكَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ: وَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ، قَالَ ابو عيسى: وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ حُكَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ "

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اذان سُن کر یہ کہے"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ عزوجل کے رب ہونے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں" تو اُس شخص کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث"حسن صحیح غریب" ہے۔ہم اِسے صرف لیث بن سعد کے حوالہ سے جانتے ہیں جو (اس حدیث کو) حضرت حکیم بن عبداللہ بن قیس سے روایت کرنے والے ہیں۔

تخریج حدیث210: (صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ج1، ص290، حدیث386، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب مایقول اذا سمع المؤذن، ج1، ص145، حدیث525، المکتبة العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، الدعاء عند الاذان، ج2، ص26، حدیث679، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب مایقال اذا اذن المؤذن، ج1، ص238، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((جس نے مؤذن کو سنتے وقت کہا)) یعنی اس کی آواز سنتے وقت، یا اذان یا اس کا قول سنتے وقت اور یہی زیادہ ظاہر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ جس وقت اس کی پہلی شہادت یا آخری شہادت سنی اور آخری شہادت اس کا اذان کے آخر میں یہ کہنا ہے "لا الہ الا اللہ" اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ اور ممکن ہے سننا یہاں جواب دینے کے معنی میں ہو تو یہ مقصود میں واضح ہو جائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ ثواب اس اضافہ کے ساتھ مکمل جواب دینے پر ہی ہوگا........ **(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ایک ہے)** یعنی اپنی وحدانیت کے ساتھ منفرد ہے۔ **(اس کا کوئی شریک نہیں)** اس کی ذات وصفات میں، یہ مزید تاکید ہے۔

(اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بندے) عبد کو عبودیت کا اظہار کرنے اور رب کی بارگاہ میں عاجزی کرنے کیلئے مقدم کیا ہے **(اور اس کے رسول ہیں)** اس کو نعمت کے اظہار کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اور ان دونوں میں عیسائیوں اور یہودیوں کے رد کی طرف اشارہ ہے، اور دونوں میں اضافت اختصاص کیلئے ہے اور دونوں سے مراد ایک ہی فرد کامل ہے جو دونوں سے موصوف ہے۔ **(میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا)** "ربا" تمیز ہے یعنی اس کے رب ہونے اور اس کے تمام فیصلوں اور تقدیر پر راضی ہوں....... اور کہا گیا ہے کہ یہ حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ پالنے والا ہے، مالک ہے، آقا ہے اور اصلاح کرنے والا ہے **(اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علی والہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا)** یعنی ان تمام اعتقادی اور غیر اعتقادی امور پر جن کے ساتھ ان کو بھیجا گیا اور انہوں نے ہم تک پہنچائے۔

(اور اسلام کے) یعنی اسلام کے اوامر ونواہی کے تمام احکام کے **(دین ہونے پر راضی ہوا)** یعنی عقیدہ کے اعتبار سے یا تابعداری کے اعتبار سے۔ ابن مالک نے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا گیا: تیری گواہی کا سبب کیا ہے تو اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا...... اور جو روایت علامہ ابن حجر نے ذکر کی ہے جس میں اسلام کے دین ہونے کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر مقدم کیا ہے تو وہ روایت اصل کتاب کے صحیح نسخوں (جو کہ درایت کے بھی مطابق ہیں) کی روایت کے مخالف ہے، بے شک اسلام کا حصول شہادتین کے پائے جانے کے بعد ہوگا۔ **(اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے)** یعنی صغیرہ، اس میں احتمال ہے کہ یہ اخبار ہو اور یہ بھی کہ یہ دعا ہو، ابن ملک نے یہ کہا ہے اور پہلی بات ہی قابل اعتماد ہے۔ **(اس کو امام مسلم**

نے روایت کیا ہے)اور ائمہ اربعہ نے ۔تعجب کی بات ہے کہ امام حاکم نے اس کو اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ تعجب علامہ ذہبی پر ہے کہ انہوں نے امام حاکم کے استدراک کو برقرار رکھا ہے کہ یہ انہی الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں ہے، میرک نے یہی کہا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، ج2، ص562، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبد الہادی التتوی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جس نے مؤذن کو سنتے ہوئے کہا، ظاہر یہ ہے کہ جب اس کی اذان سننے سے فارغ ہو جائے ورنہ تو اذان کی حالت میں اس روایت میں اور اس روایت میں جس میں مؤذن کی مثل کہنے کا حکم دیا گیا تطبیق مشکل ہو جائے گی، لہذا یہ اذان سے فارغ ہو کر پڑھے جیسا کہ دوسری دعا کے بارے میں حدیث پاک وارد ہے: ((مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ إلخ)) جس نے اذان سنتے وقت کہا: اللہم رب ھذہ الدعوۃ الخ۔ جس طرح اس حدیث میں اذان کا آخر مراد ہے ویسے ہی اُس میں آخر مراد ہے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب ما یقال اذا اذن المؤذن، ج1، ص245,246، دار الجیل، بیروت)

وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ:

امام ترمذی نے اس باب کی حدیث پاک کو غریب قرار دیا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ یہ حدیث پاک حکیم بن عبد اللہ بن قیس سے ان کے شاگردوں میں سے صرف لیث بن سعد ہی نے روایت کی ہے مگر امام ابو جعفر طحاوی (متوفی 321ھ) نے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے جس میں حکیم بن عبد اللہ بن قیس سے عبید اللہ بن مغیرہ نے روایت کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

((حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْفَرَجِ، قَالَ: ثنا سَعِيدُ بْنُ كَثِيرِ بْنِ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنِ الْحَكِيمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ بِإِسْنَادِهِ وَزَادَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ)) (شرح معانی الآثار، باب ما یستحب للرجل ان یقولہ اذا سمع الخ، ج1، ص145، مطبوعہ عالم الکتب)

امام ابن خزیمہ (متوفی 311ھ) نے بھی اپنی صحیح میں مذکورہ بالا روایت کو (کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ) اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

((عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنِ الْحَكِيمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ فَالْتَفَتَ فِي وَجْهِهِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ:

حضرت عبید اللہ بن مغیرہ، حکیم بن عبد اللہ بن قیس سے وہ عامر بن سعد بن ابی وقاص سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مؤذن کو گواہی دیتے ہوئے سنا تو اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں، میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح ابن خزیمہ، باب فضیلۃ الشہادۃ للہ عزوجل بوحدانیتہ، ج 1، ص 220، المکتب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر 155
بَابُ مِنْهُ أَيضًا
اسی عنوان کا دوسرا باب

211. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، إِلَّا حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "قال ابو عيسى: حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ غَيْرَ شُعَيْبِ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: ''اے اللہ! اس کامل دعوت اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اُس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے'' تو اُس شخص کے لئے قیامت کے دن شفاعت واجب ہو جائے گی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''حسن غریب'' ہے جو کہ محمد بن منکدر کے حوالہ سے ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ (محمد بن منکدر سے) شعیب بن ابوحمزہ کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

تخریج حدیث 211: (صحیح بخاری، باب الدعاء عند النداء، ج 1، ص 126، حدیث 614، دار طوق النجاة ☆ صحیح مسلم بالفاظ مختلفۃ، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، ج 1، ص 290، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب ما جاء فی الدعاء عند الاذان، ج 1، ص 146، حدیث 529، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب ما یقال اذا اذن المؤذن، ج 1، ص 239، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

((جس نے اذان سن کر کہا: اے اللہ اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب! تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور ان کو مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ تو قیامت کے دن اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی)) امام طحاوی نے فرمایا: تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اذان کے وقت اس حدیث میں وارد شدہ کلمات کے علاوہ کلمات کہتے تھے اور ان کا حکم دیتے تھے، جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مؤذن کو سنتے وقت کہا: ((وأنا أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدًا عبده ورسوله رضيت بالله عز وجل، ربًا وبالإسلام دينًا)) (ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ عزوجل کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں) اس کو بخش دیا جائے گا۔

اور جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: جب مغرب کی اذان ہو تو تم کہو: ((اللهم هذا استقبال ليلك وإدبار نهارك وأصوات دعاتك وحضور صلواتك اغفر لي)) (ترجمہ: اے اللہ یہ تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے، تجھے پکارنے والے کی آواز اور تیری نماز کی حاضری کا وقت ہے، مجھے بخش دے۔

امام طحاوی نے فرمایا: پس یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اذان کے وقت کوئی سا بھی ذکر کر لیا جائے، کیونکہ اذان میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے علاوہ تمام ذکر ہے کہ یہ دونوں نماز کی دعوت ہیں لہذا ذکر کرنا اولیٰ ہے۔ اور مہلب نے کہا اس میں نماز کے اوقات میں دعا پر ابھارنا ہے کہ اس وقت رحمت کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور تحقیق حدیث میں آیا ہے: ((ساعتان لا يرد فيهما الدعاء حضرة النداء بالصلاة وحضرة الصف في سبيل الله)) ترجمہ: دو گھڑیاں ایسی ہیں جن میں دعا رد نہیں ہوتی، نماز کی اذان کے وقت، جہاد فی سبیل اللہ میں صف سیدھی کرتے وقت۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبولیت کے اوقات پر لوگوں کی رہنمائی فرمائی ہے اور اس بات پر کہ ایسے طریقہ کے ساتھ دعا کی جائے جس کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ یہ فرمان ہے: **((اس کامل دعوت کے رب))** کامل دعوت

سے مراد اذان ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی خالص شہادت اور اس کے نبی کے ایمان پر مشتمل ہے، اسی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے کا استحقاق مکمل ہوتا ہے۔ **((اور قائم ہونے والی نماز کے رب))** وہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب فرائض میں سے اول فرض ہے۔ جب اس نے حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے وسیلہ اور مقام محمود کی دعا کی تو تحقیق اس نے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا کی ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان **((اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی))** اس کے معنی ہیں شفاعت نے اس کو ڈھانپ لیا نہ یہ کہ اس سے قبل اس پر حرام تھی۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب الدعاء عند النداء، ج2، ص242،243، مکتبۃ الرشد، ریاض)

وسیلہ کیا ہے:

علامہ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

((محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما)) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ؛ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ھو)) ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگو بے شک یہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔

امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((سلوا اللہ لی الوسیلۃ)) اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی یا رسول اللہ! وسیلہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ((اعلی درجۃ من الجنۃ لا ینالھا الا رجل واحد ارجو ان اکون انا)) جنت کا اعلیٰ درجہ جس تک صرف ایک شخص پہنچ سکتا ہے، مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((إذا صلیتم علی فسلوا اللہ لی الوسیلۃ)) جب تم نماز پڑھو تو اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگو۔ باقی روایت اسی طرح ذکر کی۔

امام احمد نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((الوسیلۃ درجۃ عند اللہ عز وجل لیس فوقھا درجۃ فسلوا اللہ ان یؤتینی الوسیلۃ)) وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مرتبہ ہے جس سے بلند کوئی مرتبہ نہیں ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ مجھے وسیلہ عطا فرمادے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب الدعاء عند النداء، ج5، ص273، مکتب تحقیق دار الحرمین، القاہرہ)

فضیلت کیا ہے:

علامہ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

فضیلت سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اور اس کے بعد تمام مخلوق پر آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنا اور اس جگہ ان سب پر آپ کی فضیلت کی گواہی دینا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((انا سید ولد ادم یوم القیامة)) میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں پھر حدیث شفاعت کو ذکر کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتح الباری لابن رجب، باب الدعاء عند النداء، ج5، ص274، مکتب تحقیق دار الحرمین، القاہرہ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

فضیلت: یعنی وہ مرتبہ جو تمام مخلوق سے بڑھ کر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فضیلت کوئی دوسرا مقام ہو اور بعض نے کہا ہوسکتا ہے یہ وسیلہ کی تفسیر ہو۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، باب الدعاء عند النداء، ج5، ص122، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مقام محمود کیا ہے:

علامہ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

مقام محمود: اس کی ایک تفسیر شفاعت کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ، ابو سعید اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی یہ تفسیر (بھی) بیان کی گئی ہے کہ آپ کو قیامت کے دن بلایا جائے گا تا کہ آپ کو سبز حلہ پہنایا جائے پس آپ عرش کے دائیں جانب ایسے مقام پر کھڑے ہونگے جہاں آپ سے پہلے کوئی نہیں گیا تو اس پر اولین وآخرین سب رشک کریں گے اور یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے اور اس کی مثل حضرت کعب بن مالک سے بھی مروی ہے اور اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت کیا گیا ہے اور یہ شفاعت سے پہلے ہوگا۔

(فتح الباری لابن رجب، باب الدعاء عند النداء، ج5، ص275، مکتب تحقیق دار الحرمین، القاہرہ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

مقام محمود وہ مقام ہے جس میں کھڑا ہونے والا اس مقام کی حمد کرتا ہے اور ہر وہ شخص جس نے اس مقام کو دیکھا اور پہچانا وہ اس کی حمد کرتا ہے، اس سے مراد ہر وہ اچھا کام ہے جس کی وجہ سے حمد ہوتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہاں اس سے مراد شفاعت ہے، لفظ جن معانی کو شامل ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ مقام جس

میں اولین وآخرین حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے اور آپ کو تمام مخلوق پر عزت دی جائے گی کہ آپ سوال کریں گے تو آپ کو عطا کر دیا جائے گا، آپ شفاعت کریں گے تو آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، ہر ایک آپ کے جھنڈے تلے ہوگا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((هو المقام الذي أشفع فيه لأمتي)) یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کیلئے شفاعت کروں گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مقام محمود کا تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا تو امت کے اس کی دعا کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ (دعا کا مقصد صرف یہی نہیں ہوتا کہ جو نہ ہو وہ مانگا جائے بلکہ اور بھی مقاصد ہوتے ہیں، لہذا) یہاں دعا ثبات اور دوام کے لیے ہے یا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ہے کہ کسی شخص کا دوسرے کیلئے دعا کرنا بھی جائز ہے اور اپنی حاجات میں دوسرے سے دعا کے ذریعہ مدد حاصل کرنا بھی جائز ہے بالخصوص نیک لوگوں سے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب الدعاء عند الاذان، ج2، ص493، مکتبۃ الرشد، ریاض)

کون سی شفاعت یہاں مراد ہے؟:

علامہ عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

((اس کیلئے میری شفاعت واجب ہے)) کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میری شفاعت کو اس نے پالیا اور اس کو حاصل ہوگئی اور واجب ہوگئی، اس شفاعت سے مراد حساب شروع کروانے والی شفاعت نہیں ہے کہ وہ تو ہر ایک کو عام ہے اور نہ ہی یہاں جہنم سے خروج کے بارے شفاعت کرنا مراد ہے کیونکہ یہ دعا تو وہ بھی پڑھے گا جو جہنم میں داخل ہی نہ ہوگا (تو اس پر یہ معنی کیسے صادق آئیں گے) یہاں مراد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی عنایت میں ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کی شفاعت اس کو خوش کر دیتی ہے پس (یہ عام معنی لیں گے تو) اگر وہ اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جانے والوں میں سے ہو تو آپ اس کو جہنم سے نکالنے کے بارے یا جہنم میں جانے سے روکنے کے بارے شفاعت کر دیں گے اور اگر وہ جہنمیوں میں سے نہ ہو تو آپ اس کیلئے بغیر حساب جنت میں داخلہ یا جنت میں بلندئ درجات کیلئے شفاعت فرما دیں گے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب الدعاء عند النداء، ج5، ص275، مکتب تحقیق دار الحرمین، القاہرہ)

لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ غَيْرَ شُعَيْبٍ

امام ترمذی نے اس باب کی حدیث پاک کو غریب قرار دیا کہ اس حدیث پاک کو ابن المنکدر کے شاگردوں میں سے صرف شعیب ہی روایت کرتے ہیں، اس کے بارے میں علامہ مغلطای بن قلیج بن عبد اللہ حنفی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

امام ترمذی نے اس کے بارے میں فرمایا: یہ روایت ابن منکدر کی حدیث سے حسن غریب ہے ہم شعیب کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے جس نے اس کو روایت کیا ہو اور ابوالقاسم نے "المعجم الصغیر" میں فرمایا اس کو ابن منکدر سے شعیب کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا، علی بن عیاش اس کو روایت کرنے میں متفرد ہیں اور حضرت جابر سے صرف اسی سند سے مروی ہے۔ **اس میں نظر ہے** کیونکہ انہوں نے ہی اس کو اس سند "ابن لہیعہ عن ابی الزبیر" اور وہ ان (یعنی حضرت جابر) سے'' کے ساتھ المعجم الاوسط میں ذکر کیا ہے اور وہاں انہوں نے کہا اس کو ابوالزبیر سے صرف ابن لہیعہ نے روایت کیا ہے اور یہ روایت صرف اسی سند سے معروف ہے۔

(شرح ابن ماجہ لمغلطای، باب مایقال اذا اذن المؤذن، ج1، ص1150، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب)

مذکورہ دعا میں اضافے کا ثبوت

عام طور پر اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں مذکورہ الفاظ پر کچھ اضافہ ہے، جیسا کہ نیچے بریکٹس میں موجود ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ **(والدرجة الرفيعة)**، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ **(وجعلنا فی شفاعته یوم القیامة انك لاتخلف المیعاد)**۔

یہ اضافہ درج ذیل احادیث کریمہ سے ثابت ہے:

امام طبرانی (متوفی 360ھ) کی المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں اذان کے بعد کی دعا میں یہ الفاظ بھی ہیں: ((وَاجْعَلْنَا فِي شَفَاعَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ترجمہ: تو ہمیں قیامت کے دن ان کی شفاعت میں کرنا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ سیف، ج4، ص78، دار الحرمین، القاہرہ)

امام بیہقی (متوفی 458ھ) نے السنن الکبری اور الدعوات الکبیر میں اذان کے بعد کی دعا میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: ((إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ)) ترجمہ: بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

(السنن الکبری للبیہقی، باب مایقول اذا فرغ من ذلک، ج1، ص603، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام ابن السُّنّی (متوفی 364ھ) نے اذان کے بعد کی دعا میں ''والدرجۃ الرفیعۃ'' کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں: ((اللَّهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ)) ترجمہ: اے اللہ اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب تو محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ، فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما، اور ان کو اس مقام محمود پر مبعوث فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، باب کیف مسئلۃ الوسیلۃ، ج1، ص87، دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ، جدہ)

اذان سے پہلے اور بعد درود پاک پڑھنے کی تحقیق

صحیح مسلم کی روایت میں وسیلہ کی دعا سے پہلے درود پاک پڑھنے کا بھی فرمایا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ)) ترجمہ: جب تم مؤذن کو سنو تو اس کی مثل کہو جو وہ کہتا ہے پھر تم مجھ پر درود پڑھو بے شک جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو۔ (صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، ج1، ص290، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اسی وجہ سے فقہاء ومحدثین نے اذان کے بعد درود پاک پڑھنے کو مستحب بلکہ سنت قرار دیا ہے، علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''(وَ) يُسَنُّ (لِكُلٍّ) مِنَ الْمُؤَذِّنِ، وَالْمُقِيمِ وَسَامِعِهِمَا (أَنْ يُصَلِّيَ) وَيُسَلِّمَ (عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بَعْدَ فَرَاغِهِ) مِنَ الْأَذَانِ، أَوِ الْإِقَامَةِ لِلْأَمْرِ بِالصَّلَاةِ عَقِبَ الْأَذَانِ فِي خَبَرِ مُسْلِمٍ'' ترجمہ: اذان اور اقامت کہنے والوں اور سننے والوں کے لیے سنت ہے کہ اذان اور اقامت سے فراغت کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجیں کیونکہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں اذان کے بعد درود پاک پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، فصل فی الاذان والاقامہ، ج1، ص482، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

ہم اذان سے پہلے اور بعد میں درود پاک پڑھنے پر تفصیلی دلائل ذکر کریں گے۔

قرآن مجید سے دلیل:

درود وسلام ایسی عبادت ہے جو کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(سورۃ الاحزاب، سورۃ 33، آیت 56)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا اور یہ حکم مطلق ارشاد فرمایا کسی خاص وقت کی پابندی نہ لگائی کہ اس وقت پڑھو اور اس وقت نہ پڑھو، اس مطلق میں اذان سے پہلے اور بعد کا وقت بھی شامل ہے، لہذا اذان سے پہلے اور بعد میں درود وسلام پڑھنا اس حکم قرآنی پر عمل کرنا ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ قاعدہ موجود ہے: ''المطلق یجری علی اطلاقہ'' یعنی جو بات مطلق ہو وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوتی ہے۔

ردالمحتار میں درودِ پاک کے بارے میں ہے:''ومستحبة فی کل أوقات الإمکان ''ترجمہ: درود شریف ہر ممکنہ وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔
(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، فروع قرا بالفارسیۃ، جلد1، صفحہ517، دارالفکر، بیروت)

ہر جائز کام جس کی ابتداء:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر جائز اور صاحب شان کام سے پہلے درود پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے، چنانچہ جامع صغیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيهِ بِحَمْدِ اللهِ وَالصَّلاَةِ عَلَيَّ فَهُوَ أَقْطَعُ أَبْتَرُ مَمْحُوقٌ مِنْ كُلِّ بَرَكَةٍ)) ترجمہ: ہر جائز کام جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد اور مجھ پر صلوۃ سے نہیں کی جاتی تو وہ کام ادھورا، نامکمل اور برکت سے خالی ہوتا ہے۔
(جامع صغیر مع التیسیر، ج1، ص9702، مکتبہ امام شافعی، ریاض)

اذان و اقامت بھی یقیناً جائز و صاحب شان کاموں میں سے ہیں، لہذا ان سے پہلے بھی صلوۃ پڑھنا اس حدیث پر عمل کرنا ہے۔

اقامت سے پہلے:

اقامت سے پہلے تو خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا ذکر موجود ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((كَانَ بِلَالٌ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ الصَّلَاةَ قَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ الصَّلَاةَ رَحِمَكَ اللَّهُ)) ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اقامت کہنے کا ارادہ کرتے تو عرض کرتے: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ الصَّلَاةَ رَحِمَكَ اللَّهُ۔
(المعجم الاوسط، ج8، ص372، دار الحرمین، القاہرہ)

ممانعت نہیں:

جب تک شریعت کی طرف سے ممانعت کا حکم نہ ہو اشیاء میں اصل اباحت (جائز ہونا) ہے۔ جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و مستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((الحلال ما احل الله فی كتابه الحرام ما حرم الله فی كتابه و ماسكت عنه فهومما عفاعنه)) یعنی حلال وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے۔
(جامع الترمذی، ج4، ص220، مصطفی البابی حلبی، مصر)

اذان و اقامت سے پہلے کہیں درود و سلام کی ممانعت نہیں، لہذا جائز ہے۔

شوافع کے فقہاء:

(1)علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"ولکل أن یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد فراغہ "ترجمہ: ہرایک (مؤذن، اقامت کہنے والے اوراذان واقامت کو سننے والے) کے لیے سنت ہے کہ اذان سے فراغت کے بعد درود پاک پڑھے۔ (منہاج الطالبین، ج1،ص23، دارالفکر، بیروت)

(2)علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 974ھ) لکھتے ہیں:"(وَ) يُسَنُّ (لِكُلٍّ) مِنَ الْمُؤَذِّنِ، وَالْمُقِيمِ وَسَامِعِهِمَا (أَنْ يُصَلِّيَ) وَيُسَلِّمَ (عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -بَعْدَ فَرَاغِهِ) مِنَ الْأَذَانِ، أَوْ الْإِقَامَةِ لِلْأَمْرِ بِالصَّلَاةِ عَقِبَ الْأَذَانِ فِي خَبَرِ مُسْلِمٍ "ترجمہ: اذان اوراقامت کہنے والوں اور سننے والوں کے لیے سنت ہے کہ اذان اوراقامت سے فراغت کے بعد حضور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر درود وسلام بھیجیں کیونکہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں اذان کے بعد درود پاک پڑھنے کاحکم دیا گیاہے۔ (تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، فصل فی الاذان والاقامہ، ج1، ص482، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

(3)ایساہی علامہ شہاب الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1004ھ) نے لکھاہے۔

(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، شروط الاذان، ج1، ص422، دارالفکر، بیروت)

(4)اس کے تحت علامہ عبدالحمید الشروانی لکھتے ہیں:"مَا يَقَعُ لِلْمُؤَذِّنِينَ مِنْ قَوْلِهِمْ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إلَى آخِرِ مَا يَأْتُونَ بِهِ فَيَكْفِي "ترجمہ: بعض مؤذن اذان کے بعد"**الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ**، اور دیگر صیغوں کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں تو اس سے یہ سنت اداہوجاتی ہے۔

(حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، فصل فی الاذان والاقامہ، ج1، ص482، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

(5)علامہ شبراملسی متوفی 1087ھ فرماتے ہیں:" مَا يَقَعُ لِلْمُؤَذِّنِينَ مِنْ قَوْلِهِمْ بَعْدَ الْأَذَانِ: الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إلَى آخِرِ مَا يَأْتُونَ بِهِ فَيَكْفِي "ترجمہ: بعض مؤذن اذان کے بعد"**الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ**، اور دیگر صیغوں کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں تو اس سے یہ سنت اداہوجاتی ہے۔

(حاشیہ شبراملسی علی نہایۃ المحتاج، شروط الاذان، ج1، ص422، دارالفکر، بیروت)

(6)یہ بات انہی الفاظ کے ساتھ حاشیہ جمل میں بھی ہے۔

(حاشیۃ الجمل علی شرح منہج، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص310، دارالفکر، بیروت)

(7) یہی بات علامہ سلیمان بن محمد بن عمر البجیرمی المصری (متوفی 1221ھ) نے بھی لکھی ہے۔

(حاشیۃ البجیرمی علی شرح المنہج، باب توجہ للقبلۃ فی الصلوۃ، ج1، ص175، مطبعۃ الحلبی)

(8) اذان کے بعد درود وسلام کی اصل تو قرآن وحدیث میں موجود ہے، اس کا باقاعدہ آغاز کب ہوا اس کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 974ھ) فرماتے ہیں: ''ما اعتید علی المنائر من الصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عقب الأذان إلا الصبح والجمعة؛ فإنهم يقدمونه عليهما، وإلا المغرب؛ فإنه لا يفعل فيها لضيق وقتها. أحدثه السلطان صلاح الدين يوسف بن أيوب. وذكر بعض المؤرخين: أن ابتداءه بمصر والقاهرة سنة إحدى وتسعين وسبع مئة لرؤية رآها بعض المعتقدين، ولا يخالف ما قبله لاحتمال أنه ترك بعد موت السلطان صلاح الدين إلى هذا التاريخ، أو كان أمره به في ليلة الجمعة خاصة. وصوّب بعض المتأخرين: أن ذلك بدعة حسنة يؤجر فاعله بحسن نيته، وقريب منه قول شيخنا شيخ الإسلام زكريا سقى الله تعالى عهده ورضي عنه في فتاويه: الأصل مستحب، والكيفية بدعة'' ترجمہ: یہ جو مناروں پر فجر اور جُمُعَہ کے علاوہ اذان کے بعد (کیونکہ فجر اور جُمُعَہ میں درود وسلام کو اذان پر مقدم کرتے ہیں اور مغرب میں وقت کی تنگی کے باعث پڑھتے ہی نہیں) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام پڑھنا رائج ہے اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایجاد کیا ہے، بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس کی ابتدا مصر اور قاہرہ میں 791ھ میں بعض معتقدین کی رائے کی وجہ سے ہوئی ہے، اس سے قبل کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا سلطان صلاح الدین ایوبی کے وصال کے بعد لوگوں نے اسے اس تاریخ تک ترک کردیا ہو، یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فقط شب جُمُعَہ درود پڑھنے کی اجازت دی ہو، بعض متاخرین نے اس کی تصویب بیان کی ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اس کے موجد کو حسن نیت کی وجہ سے اجر ملے گا، اور اس کے قریب ہی ہمارے شیخ شیخ الاسلام زکریا کا قول ہے جو ان کے فتاوی میں ہے: اصل مستحب ہے اور کیفیت بدعت ہے۔

(الدر المنضود فی الصلاۃ والسلام علی صاحب المقام المحمود، فائدہ، ج1، ص209، دار المنہاج، جدہ)

حنابلہ کے فقہاء:

(1) علامہ عبد الرحمٰن بن محمد مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں: ''ويستحب أن يصلي على النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ويدعو لما روى جابر بن عبد الله أن رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال "من قال حين ينادي المنادي: اللهم رب هذه الدعوة القائمة والصلاة النافعة صل على محمد وأرض عنه رضا لاسخط بعده،

استحباب الله له دعوته "رواه الإمام أحمد " ترجمہ: مستحب ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے اور دعا کرے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مؤذن کی اذان کے وقت یہ کہا: اے اس درست دعوت اور نفع بخش نماز کے رب تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج اور ان سے اس طرح راضی ہوجا کہ جس کے بعد کوئی ناراضی نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے

(الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلہ: ھل یقتل حدا أو لکفرہ الخ، ج1، ص417، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

(2) علامہ محمد بن مفلح رامینی حنبلی (متوفی 763ھ) فرماتے ہیں:

"وَيُسْتَحَبُّ "و "لِلْمُؤَذِّنِ وَسَامِعِهِ--- ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ الخ " ترجمہ: مؤذن اور اذان سننے والے کیلئے مستحب ہے--- پھر وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے پھر کہے: اے اللہ اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب۔ آخر تک۔

(الفروع وتصحیح الفروع، فصل وصح للفجر بعد نصف اللیل، ج2، ص26، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(3) علامہ موسیٰ بن احمد مقدسی حنبلی (متوفی 968ھ) فرماتے ہیں:

"ويسن لمن سمع المؤذن---ثم يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم بعد فراغه ثم يقول: اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة الخ " ترجمہ: مؤذن کو سننے والے کے لیے سنت ہے کہ......... وہ فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے پھر کہے: اے اللہ اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب۔ آخر تک۔

(الاقناع فی فقہ الامام احمد، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص81، دار المعرفہ، بیروت)

(4) علامہ مرعی بن یوسف مقدسی حنبلی (متوفی 1033ھ) فرماتے ہیں:

"وسن لمن يسمع المؤذن أو المقيم أن يقول مثله---ثم يصلي على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم إذا فرغ ويقول: اللهم رب هذه الدعوة التامة الخ " ترجمہ: مؤذن اور اقامت کہنے والے کو سننے والے کیلئے سنت ہے کہ وہ بھی اس کی مثل کہے......... پھر جب فارغ ہوجائے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے اور کہے: اے اللہ اس کامل دعوت کے رب۔ آخر تک۔

(دلیل الطالب لنیل المطالب، باب الاذان والاقامۃ، ج1، ص28، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، ریاض)

احناف کے فقہاء:

(1) علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

''ثم دعا "المجیب والمؤذن "بالوسیلة "بعد صلاته علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عقب الإجابة'' ترجمہ: پھر مؤذن اور جواب دینے والا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے بعد وسیلہ کی دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔

(مراقی الفلاح، باب الاذان، ج 1، ص 81، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ)

(2) علامہ علاء الدین حصکفی (متوفی 1088ھ) فرماتے ہیں:

''التَّسلِيمُ بَعدَ الأَذَانِ حَدَثَ فِي رَبِيعٍ الْآخِرِ سَنَةَ سَبعِمِائَةٍ وَإِحدَى وَثَمَانِينَ فِي عِشَاءِ لَيلَةِ الِاثنَينِ، ثُمَّ يَومَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ بَعدَ عَشرِ سِنِينَ حَدَثَ فِي الْكُلِّ إلَّا الْمَغرِبَ، ثُمَّ فِيهَا مَرَّتَينِ، وَهُوَ بِدعَةٌ حَسَنَةٌ .'' ترجمہ: اذان کے بعد سلام پڑھنا سن سات سو اکیاسی کے ربیع الآخر میں شب پیر عشاء کی نماز میں شروع ہوا، پھر جُمُعَہ کے دن پھر دس سال کے بعد مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں شروع ہوگیا پھر اس میں دو مرتبہ شروع ہوگیا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج 1، ص 390، دار الفکر، بیروت)

(3) علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی (متوفی 1231ھ) فرماتے ہیں:

''وأول ما زیدت الصلاة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بعد الأذان علی المنارة فی زمن حاجی بن الأشرف شعبان بن حسین بن محمد بن قلاوون بأمر المحتسب نجم الدین الطنیدی وذلك فی شعبان سنة إحدی وتسعین وسبعمائة کذا فی الأوائل للسیوطی والصواب من الأقوال أنها بدعة حسنة'' ترجمہ: سب سے پہلے منارہ پر اذان کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا اضافہ حاجی بن اشرف شعبان بن حسین بن محمد بن قلاوون کے زمانہ میں محتسب نجم الدین الطنیدی کے حکم سے ہوا اور یہ سن سات سو اکیانوے کے شعبان میں ہوا، الاوائل للسیوطی میں اسی طرح ہے، اور درست بات یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، باب الاذان، ج 1، ص 193، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(4) خاتم المحققین حضرت علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ درود شریف پڑھنے کے مستحب مواقع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نص العلماء علی استحباب صلوة النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فی مواضع: یوم الجمعة و لیلتها وزید یوم السبت والاحد والخمیس لما ورد فی کل من الثلثة و عند الصباح والمساء وعند دخول المسجد والخروج منه وعند زیارة قبره الشریف صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وعند الصفاء والمروة وفی خطبة الجمعة وغیرها وعقب اجابة المؤذن وعند الاقامة واول الدعاء واوسطه وآخره وعقب دعاء القنوت وعند طنین الاذان وعند نسیان الشئی'' یعنی علماء کرام نے بعض مواقع پر درود پاک پڑھنے کے مستحب ہونے پر نص فرمائی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: روز جمعہ، ہفتہ اتوار اور سوموار کے دن، صبح وشام، مسجد میں جاتے اور نکلتے وقت، بوقت زیارت روضہ اطہر، صفا ومروہ پر، خطبہ

جمعہ کے وقت، جواب اذان کے بعد، بوقت اقامت، دعا کے اول آخر اور بیچ میں۔ دعائے قنوت کے بعد، اذان دینے کے وقت اور کسی چیز کے بھول جانے کے وقت۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، فروع قرا بالفارسیۃ، جلد 1، صفحہ 517، دارالفکر، بیروت)

مالکیہ کے فقہاء:

(1) شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

"يُسْتَحَبُّ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْأَذَانِ، وَأَنْ يَقُولَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ ثُمَّ يَدْعُو بِمَا شَاءَ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ" ترجمہ: مستحب ہے کہ اذان کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے اور یہ کہے: اے اللہ اس کامل دعوت اور قائم نماز کے رب تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر مبعوث فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ پھر وہ امور دنیا اور آخرت میں سے جو چاہے دعا کرے۔

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، تنبیہ الاذان خلف المسافر، ج 1، ص 445، دار الفکر، بیروت)

(2) علامہ شہاب الدین احمد بن غانم نفراوی مالکی (متوفی 1126) فرماتے ہیں:

"يُسْتَحَبُّ لِكُلِّ مَنْ سَمِعَ الْأَذَانَ أَنْ يَحْكِيَهُ لِمُنْتَهَى الشَّهَادَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ تَرْجِيعٍ، كَمَا يُسْتَحَبُّ لِلْمُؤَذِّنِ وَالسَّامِعِ أَيْضًا أَنْ يُصَلِّيَ وَيُسَلِّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ فَرَاغِهِ ثُمَّ يَقُولُ عَقِبَ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَه" ترجمہ: ہر اذان سننے والے کیلئے مستحب ہے کہ وہ شہادتین کے آخر تک ترجیع کے بغیر مؤذن کی مثل کہے جیسا کہ مؤذن اور سامع کیلئے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھے پھر درود و سلام کے بعد کہے: اے اللہ اس کامل دعوت اور قائم نماز کے رب تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ (الفواکہ الدوانی، صفۃ الاقامہ، ج 1، ص 174، دار الفکر، بیروت)

(3) علامہ دسوقی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1230ھ) فرماتے ہیں: "وَأَمَّا الصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْأَذَانِ فَبِدْعَةٌ حَسَنَةٌ أَوَّلُ حُدُوثِهَا زَمَنَ النَّاصِرِ صَلَاحِ الدِّينِ يُوسُفَ بْنِ أَيُّوبَ سَنَةَ إِحْدَى وَثَمَانِينَ وَسَبْعِمِائَةٍ فِي رَبِيعِ الْأَوَّلِ وَكَانَتْ أَوَّلًا تُزَادُ بَعْدَ أَذَانِ الْعِشَاءِ لَيْلَةَ الِاثْنَيْنِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَقَطْ ثُمَّ بَعْدَ عَشْرِ سِنِينَ زِيدَتْ عَقِبَ كُلِّ أَذَانٍ إِلَّا الْمَغْرِبَ كَمَا أَنَّ مَا يُفْعَلُ لَيْلًا مِنَ الِاسْتِغْفَارَاتِ وَالتَّسَابِيحِ وَالتَّوَسُّلَاتِ فَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ كَذَا ذَكَرَ

بَعْضُهُمْ وَالَّذِي ذَكَرَهُ الْعَلَّامَةُ الشَّيْخُ أَحْمَدُ الْبِشْبِيشِيُّ فِي رِسَالَتِهِ الْمُسَمَّاةِ بِالتُّحْفَةِ السَّنِيَّةِ فِي أَجْوِبَةِ الْأَسْئِلَةِ الْمَرْضِيَّةِ أَنَّ أَوَّلَ مَا زِيدَتْ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ كُلِّ أَذَانٍ عَلَى الْمَنَارَةِ زَمَنَ السُّلْطَانِ الْمَنْصُورِ حَاجِيُّ بْنُ الْأَشْرَفِ شَعْبَانُ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ النَّاصِرِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمَنْصُورِ قَلَاوُونَ وَذَلِكَ فِي شَعْبَانَ سَنَةَ إِحْدَى وَتِسْعِينَ وَسَبْعِمِائَةٍ وَكَانَ قَدْ حَدَثَ قَبْلَ ذَلِكَ فِي أَيَّامِ السُّلْطَانِ يُوسُفَ صَلَاحِ الدِّينِ بْنِ أَيُّوبَ أَنْ يُقَالَ قَبْلَ أَذَانِ الْفَجْرِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ بِمِصْرَ وَالشَّامِ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَاسْتَمَرَّ ذَلِكَ إِلَى سَنَةِ سَبْعٍ وَسَبْعِينَ وَسَبْعِمِائَةٍ فَزِيدَ فِيهِ بِأَمْرِ الْمُحْتَسِبِ صَلَاحِ الدِّينِ الْبُرُلُّسِيِّ أَنْ يُقَالَ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثُمَّ جُعِلَ ذَلِكَ عَقِبَ كُلِّ أَذَانٍ سَنَةَ إِحْدَى وَتِسْعِينَ وَسَبْعِمِائَةٍ'' ترجمہ: بہرحال اذان کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود پیش کرنا تو یہ (اس کیفیت کے ساتھ) ایک اچھی بدعت ہے، اس کا (با قاعدہ) آغاز الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کے زمانے میں 781ھ کو ربیع الاول کے مہینے میں ہوا، ابتدا میں جُمعہ اور پیر کی رات کو اذان عشاء کے بعد درود پاک پڑھنے کا اضافہ کیا گیا، پھر دس سال بعد مغرب کے علاوہ ہر اذان کے بعد درود پڑھنا رائج ہو گیا جس طرح رات کو استغفارات، تسابیح اور تؔوسُلات وغیرہ معمولات کیے جاتے ہیں، یہ ایک اچھی بدعت ہے، جیسا کہ بعض علماء نے اس کا ذکر کیا ہے اور جنہوں نے اس بات کو ذکر کیا ہے وہ شیخ احمد بشبیشی ہیں جنہوں نے اپنے رسالے ''تحفة السنية في اجوبة الاسئلة المرضيه'' میں اس کو ذکر کیا ہے کہ سلطان منصور حاجی بن اشرف شعبان وہ پہلے آدمی ہیں جن کے زمانے میں منارہ پر اذان کے بعد حضور احمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں صلوۃ وسلام پڑھنے کا (با قاعدہ) اضافہ ہوا، اور یہ 791ھ میں ہوا۔ جبکہ سلطان صلاح الدین بن ایوب کے دور حکومت میں یہ بات پہلے سے ہی رائج ہو چکی تھی کہ ہر رات فجر کی اذان سے پہلے مصر اور شام میں حضور اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یوں عرض کیا جائے: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ یہ معاملہ اسی طرح 777ھ تک چلتا رہا اسکے بعد صلاح الدین برلسی کے حکم سے اس میں یہ اضافہ کیا گیا: الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ اس کے بعد 791ھ میں ہر اذان کے بعد رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ درود پیش کرنے کا معمول ہو گیا۔

(الشرح الکبیر، فصل فی الاذان والاقامۃ، ج1، ص193، دار الفکر، بیروت)

مصر میں اذان کے بعد

مفتی عبد الرسول منصور سیالوی لکھتے ہیں: ''میں نے مصر میں پندرہ روز تک جس ہوٹل میں قیام کیا اس کے بالمقابل جامع الحسینی ہے، یہ وہ عظیم الشان مسجد ہے جس میں سیدنا حسین بن علی کا سر مبارک دفن ہے اور جس حجرے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کا سر مبارک دفن ہے اس کے اوپر ایک پرشکوہ گنبد بنا ہوا ہے........ ہر نماز کے وقت مؤذن اذان کے بعد بلند آواز سے چار یا پانچ مرتبہ "الصلوة والسلام عليك يا سيدى يا رسول الله وعلىٰ الك يا سيدى يا حبيب الله" کہہ کر نبی کریم اور آپ کی ال پاک پر فاتحہ شریف پڑھتا ہے۔"

(پندرہ روزہ ندائے اہل سنت لاہور، 16 نومبر 1992ء)

مسجدِ اقصیٰ میں اذان سے قبل اور بعد:

مسجدِ اقصیٰ میں اذان سے قبل اور بعد صلوۃ وسلام "الصلوة والسلام عليك يا رسول الله" پڑھا جاتا ہے۔

(سفرنامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، ص284)

دمشق میں اذان کے بعد:

دمشق میں بھی اکثر مساجد میں اذان کے بعد یوں سلام پڑھا جاتا ہے: الصلوة والسلام عليك يا رسول الله ۔

(سفرنامہ اویسی، ص389)

بغداد میں اذان کے بعد:

بغداد شریف میں اذان کے بعد "الصلوة والسلام عليك يا رسول الله "عربی لہجے میں پڑھتے ہیں۔"

(سفرنامہ اویسی، ص336)

درگاہِ غوثیہ میں اذان کے بعد:

صبح درگاہِ غوثیہ یعنی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف آ رہے تھے، اذان شروع ہوگئی، اذان کے بعد (مؤذن سے) "الصلوة والسلام عليك يا سيدنا يا رسول الله، الصلوة والسلام عليك يا حبيبنا يا حبيب الله" سن کر دل بہت خوش ہوا۔"

(سفرنامہ اویسی، ص104 ☆ سفرنامہ مفتی احمد یار خان نعیمی، ص291)

نوٹ: اذان یا اقامت سے پہلے درود وسلام اس طرح پڑھیں کہ اذان و اقامت سے تھوڑا فاصلہ ہو یا یا درود شریف کی آواز اذان و اقامت کی آواز سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو۔ امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آوازِ اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو۔"

(فتاوی رضویہ، ج5 ص386، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

"الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کا ثبوت

اذان سے قبل اور بعد عموی طور پر اہل محبت ان الفاظ کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں: "الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" "وعلی الک واصحٰبک یا حبیب اللہ" تو بد مذہبوں کی طرف سے یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ یہ درود وسلام ثابت نہیں اور بعض یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ صرف درودِ ابراہیمی ہی پڑھنا چاہیے، لہذا ہم "الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کے ثبوت میں کچھ دلائل ذکر کریں گے، یعنی ایسے دلائل ذکر کریں گے جن میں "الصلوة والسلام عليك يارسول الله" یا اس سے ملتے جلتے صیغوں جن میں نداء کے ساتھ صلوۃ وسلام یا صرف صلوۃ یا صرف سلام حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا ہوگا مثلاً "السلام عليك يا رسول الله" "صلى الله عليك يا رسول الله" وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد درودِ ابراہیمی کے علاوہ درود وسلام کے ثبوت پر بھی دلائل ذکر کریں گے۔

قرآن مجید سے:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب، آیت 56)

استدلال:

اولاً اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں "صلوۃ" اور "سلام" پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور مسلمان "الصلوة والسلام عليك يا رسول الله الصلوة والسلام عليك يا نبی الله" کہہ کر اس پر عمل کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ "صلوا (درود بھیجو) کے حکم پر عمل کرتے ہوئے "الصلوة" اور "وسلموا" کے حکم پر عمل کرتے ہوئے "والسلام" اور "علیہ" پر عمل کرتے ہوئے "علیک" کہتے ہیں بلکہ نماز میں "ایها النبی" کی اتباع کرتے ہوئے "یا نبی الله اور یا رسول الله" بھی کہتے ہیں۔

ثانیاً اس آیت کریمہ میں کسی خاص طریقہ سے صلوۃ وسلام بھیجنے کا حکم نہ دیا بلکہ اسے مطلق رکھا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے امتی جس طریقے سے چاہیں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں درود وسلام عرض کریں اور اس مطلق میں "**الصلوة والسلام عليك يا رسول الله**" بھی ہے۔

السلام علیک یا رسول اللہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ)) ترجمہ: میں مکۃ المکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ہم مکہ کے بعض مضافات کی طرف نکلے، راستے میں ہمیں جو بھی پہاڑ اور درخت ملتا وہ یوں عرض کرتا: **السلام علیك یا رسول الله۔**

(سنن ترمذی، ج6، ص25، دار الغرب الاسلامی، بیروت ☆ دلائل النبوۃ للبیہقی، باب مبتداء البعث والتنزیل، ج2، ص154، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل التاسع عشر، ج1، ص389، دار النفائس، بیروت ☆ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ج1، ص306، دار الفیحاء، عمان)

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

علامہ علی بن ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1044ھ) "سیرتِ حلبیہ" میں روایت نقل کرتے ہیں: ((إِنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَرَادَ اللهُ تعالى كَرَامَتَه بِالنبوّةِ كان إذا خَرَجَ لِحَاجَةٍ أي لحاجة الإنسان أبعد حتى لا يرى بيناء، ويفضى إلى الشعاب وبطون الأودية فلا يمر بحجر ولا شجر إلا قال: الصلاة والسلام عليك يا رسول الله)) ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت کے قریب زمانے میں جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اتنی دور تشریف لے جاتے کہ وہاں سے آبادی نظر نہ آتی تھی، پھر وہاں آپ گھاٹیوں اور وادیوں کے اندرونی حصوں میں جا کر قضائے حاجت فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس پتھر اور جس درخت کے پاس سے گزرتے وہ یوں عرض کرتا: **الصلوة والسلام علیك یا رسول الله۔**

(سیرت حلبیہ، باب سلام الحجر والشجر علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص320، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، تبشیر التوراۃ بہ، ج1، ص21، دار الفیحاء، دمشق)

درخت وغیرہا کا الصلوۃ والسلام عرض کرنا

علامہ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل روایت نقل کرتے ہیں: ((إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْضِيَ حَاجَةَ الْإِنْسَانِ بَعُدَ عَنْ النَّاسِ حَتَّى لَا يَرَى شَيْئًا فَلَا يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ وَلَا مَدَرٍ إِلَّا يَقُولُ: الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ)) ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو لوگوں سے دور تشریف لے جاتے یہاں تک کوئی چیز نظر نہ آتی، آپ جس درخت، پتھر اور ٹھیکری کے پاس سے گزرتے وہ یوں عرض کرتا: **الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔**

(حاشیۃ الجمل علی شرح منہج، المقدمہ، ج1، ص16، دار الفکر، بیروت)

درخت اور السلام علیک یارسول اللہ

حضرت بُرَیْدَۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((سَأَلَ أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آیَةً فَقَالَ لَہُ: قُلْ لِتِلْكَ الشَّجَرَةِ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْعُوكِ قَالَ: فَمَالَتِ الشَّجَرَةُ عَنْ یَمِینِهَا وَشِمَالِهَا وَبَیْنَ یَدَیْهَا وَخَلْفَهَا فَتَقَطَّعَتْ عُرُوقُهَا ثُمَّ جَاءَتْ تَخُدُّ الْأَرْضَ تَجُرُّ عُرُوقَهَا مُغْبَرَّةً حَتَّى وَقَفَتْ بَیْنَ یَدَیْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ. قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: مُرْهَا فَلْتَرْجِعْ إِلَى مَنْبِتِهَا. فَرَجَعَتْ فَدَلَّتْ عُرُوقَهَا فَاسْتَوَتْ. فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ ائْذَنْ لِي أَسْجُدُ لَكَ. قَالَ: لَوْ أَمَرْتُ أَحَدًا أَنْ یَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. قَالَ فَأْذَنْ لِي أَنْ أُقَبِّلَ یَدَیْكَ وَرِجْلَیْكَ. فأذن له.)) ترجمہ: ایک اعرابی نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا: اس درخت سے جا کر کہو کہ تمہیں اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بلاتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ درخت اپنے دائیں، بائیں اور آگے، پیچھے جھکا تو اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں پھر وہ زمین پھاڑتا، اپنی جڑیں کھینچتا اور غبار اڑاتا ہوا حاضر بارگاہِ رسالت ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: ''**السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ**'' اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو، اعرابی نے عرض کی: اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ واپس چلا جائے، تو درخت واپس چلا گیا اس کی جڑیں اپنی حالت پہ آ گئیں اور زمین برابر ہو گئی، اعرابی نے عرض کی: مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کو سجدہ کروں، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ (اللہ کے سوا) کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اعرابی نے عرض کی: مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دوں تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس کی اجازت دی۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، الفصل السادس عشر فی کلام الشجر، ج 1، ص 574، دار الفیحاء، عمان)

کعبہ مشرفہ قبرِ انور پر حاضر ہوگا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ((زُفَّتِ الْكَعْبَةُ لِلْبَیْتِ الْحَرَامِ إِلَى قَبْرِي فَتَقُولُ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُحَمَّدُ فَأَقُولُ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا بَیْتَ اللّٰہِ)) ترجمہ: (بروز قیامت) کعبہ مشرفہ مسجد الحرام سے میری قبرِ انور پر حاضر ہو کر عرض کرے گا: **السلام علیك یا محمد**، تو میں جواب میں کہوں گا: وعلیك السلام یا بیتَ اللہ۔

(الفردوس بماثور الخطاب، ج 2، ص 296، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ تفسیر عزیزی، سورۃ البقرہ، ص 463)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور الصلوۃ والسلام

مکاشفۃ القلوب میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا: اے موسیٰ! کیا تیری یہ خواہش ہے کہ میں

تیری زبان پر تیرے کلام سے، تیرے دل میں خیالات سے، تیرے بدن میں تمہاری روح سے، تمہاری آنکھوں میں تمہاری بصارت سے اور تمہارے کانوں میں تمہاری سماعت سے زیادہ قریب ہوں تو اس کے لیے محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر کثرت سے یہ درود پڑھا کرو: **الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ۔** (مکاشفۃ القلوب مترجم، ص 54 ،مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام

حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں یوں سلام عرض کیا: **اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا آخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَاشِرِ۔**

(دلائل النبوۃ للبیہقی، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج 2، ص 362، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جبریل علیہ السلام اور الصلوۃ والسلام

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں: ''حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چودھویں کے چاند کی طرح چہرہ چمکاتے ہوئے اس جہاں میں جلوہ افروز ہوئے اور جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: **الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ۔**''

(بیان المیلاد النبوی، ص 33، مطبوعہ لاہور)

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: **((حَتّٰی نَزَلَ جِبْرِیلُ وَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُولَ اللّٰہ))**

ترجمہ: یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا: **السلام علیک یا رسول اللہ۔**

(الحاوی للفتاوی، آخر العجاجۃ الخ، ج 2، ص 55، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت)

حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پردۂ ظاہری فرمانے کے بعد حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواتین کے اجتماع میں صیغۂ خطاب کے ساتھ اس طریقہ سے درود بھیجا:

یَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكِ ضَوْءُہٗ   صَلّٰی عَلَیْكَ مُنَزِّلُ الْقُرْآنِ

ترجمہ: اے آخری نبی، مبارک روشنی والے! آپ پر قرآن اتارنے والے رب کا درود ہو۔

(الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، جہاز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ودفنہ، ج 7، ص 599، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صحابہ کرام اور الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: **((والمنقول انھم کانوا یقولون فی تحیۃ الصلوۃ والسلام**

علیك یا رسول اللہ)) ترجمہ: منقول ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں یوں تحیت پیش کرتے:
الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ۔ (نسیم الریاض، ج5، ص18، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اعرابی اور الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

علامہ کاشفی "معارج النبوۃ" میں روایت نقل کرتے ہیں: "ایک روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان جمع تھے، ہمارا گمان تھا کہ ظہر کی نماز بے وقت ادا کر رہے ہیں، ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کہ ابھی آپ لوگوں نے ظہر کی نماز ادا نہیں کی، ہم نے بتایا کہ نہیں، ابھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما ہیں، وہ اٹھا اور زور سے کہنے لگا: **الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ**، اور آکر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ (معارج النبوۃ مترجم، ج3، ص637)

صحابہ کا بصیغہ خطاب سلام عرض کرنا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میری میت کو اس حجرۂ اقدس کے دروازے کے سامنے رکھ دینا جس میں حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مزار پر انوار ہے، پھر دروازے پر دستک دینا، اگر اجازت ملے تو مجھے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پہلو میں دفن کر دینا ورنہ نہیں ((**لَمَّا حُمِلَتْ جِنَازَتُهُ إِلَى بَابِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُودِيَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا أَبُو بَكْرٍ بِالْبَابِ فَإِذَا الْبَابُ قَدِ انْفَتَحَ وَإِذَا بِهَاتِفٍ يَهْتِفُ مِنَ الْقَبْرِ أَدْخِلُوا الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ**)) ترجمہ: جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کو مزار انور کے پاس رکھ دیا گیا اور (قربان جاؤں صحابہ کے عقیدہ پر) عرض کی گئی: **السلام علیک یا رسول اللہ** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! یہ ابو بکر صدیق (حاضر) ہیں، تو دروازہ کھلا اور قبر انور سے کسی پکارنے والے نے پکارا: حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دو۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر، عبد اللہ ویقال عتیق الخ، ج30، ص436، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت ☆ تفسیر کبیر، سورۃ الکہف، ج21، ص433، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ نفحات الانس، ص152 ☆ الخصائص الکبریٰ، ذکر آیات وقعت علی اثر الخ، ج2، ص492، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ سیرت حلبیہ، باب یذکر فیہ مدۃ مرضہ وما وقع فیہ، ج3، ص517، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابن عمر اور الصلوۃ والسلام

(9) غیر مقلد صلاح الدین یوسف نے لکھا: "نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر اطہر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھا جائے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل نقل ہوا کہ وہ **الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ** پڑھا کرتے تھے، اس لیے اگر کوئی یہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ (رسالہ ماہنامہ حرمین جہلم، جنوری 1992ء)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كُنْتُ آتِيهِ كُلَّ سَحَرٍ، فَأَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰه)) ترجمہ: میں ہر روز سحری کے وقت حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور عرض کرتا: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰه۔ (سنن نسائی، التنحنح فی الصلاۃ، ج3، ص12، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((فقلت : السلام عليك يا نبي الله)) ترجمہ: میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: **السلام عليك يا نبي الله** ۔ (کنز العمال، محظورات الکسب، ج4، ص133، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت علی کا بعدِ وصال بصیغہ خطاب درود عرض کرنا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال ظاہری کے بعد یوں عرض کیا: ((**صلى الله عليك لقد طبت حياً وميتاً**)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو، آپ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں پاک اور صاف ہیں۔ (سرور المحزون ترجمہ سیرت الرسول، ص78,79، مطبوعہ کراچی)

یارسول اللہ صلی اللہ علیک

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: ''انه ورد في عدة طرق جماعة من الصحابة انهم قالوايا رسول الله صلى الله عليك ''ترجمہ: متعدد طرق سے صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ صحابہ نے یوں عرض کیا: **يا رسول الله صلى الله عليك**۔ (زرقانی علی المواہب، ج6، ص331، مطبوعہ مصر)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور روایت نقل کرتے ہیں: ((عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يقول أني لاقول إذا دخلت المسجد السلام عليك يا رسول الله)) ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو یوں عرض کرتا ہوں: **السلام عليك يا رسول الله**۔

(القول البدیع، عند دخول المسجد، ج1، ص189، دار الریان للتراث، بیروت)

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((انَّ زَيْدَ بْنَ خَارِجَةَ خَرَّ مَيِّتًا فِي بَعْضِ أَزِقَّةِ

المدينة فرفع وسجّي إذ سمعوه بين العشائين وَالنِّسَاءُ يَصْرُخْنَ حَوْلَهُ يَقُولُ: أَنْصِتُوا أَنْصِتُوا فَحَسَرَ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ: صَدَقَ صَدَقَ وَذَكَرَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، ثُمَّ عاد ميتا كما كان)) ترجمہ:

حضرت زید بن خارجہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ظہر وعصر کے درمیان چلے جارہے تھے کہ اچانک فوت ہو کر گر پڑے۔ لوگ انہیں اٹھا کر لائے اور ان کو لٹا کر کمبل اوڑھا دیا، جب مغرب وعشاء کے درمیان لوگوں نے ان کے وصال کا سنا تو کچھ عورتوں نے رونا شروع کیا تو کمبل کے اندر سے آواز آئی: اے رونے والیو! خاموش رہو پھر اپنے چہرے سے کمبل ہٹا دیا اور فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نبی امی خاتم النبیین ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب میں ہے۔ پھر کہنے لگے: سچ کہا، سچ کہا، اور ابو بکر وعمر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کیا۔ پھر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، پھر دوبارہ ان پر وفات طاری ہو گئی جیسا کہ پہلے تھی۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، الفصل العشرون، ج1، ص616، دار الفکر الطباعۃ والنشر والتوزیع ☆ دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجاء فی شہادۃ المیت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج6، ص56، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صلی اللہ علیک یا محمد

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن ابی فدیک تابعی کہتے ہیں: ((سمعت بعض من أدركت يقول: بلغنا أنه من وقف عند قبر النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فتلا هذه الآية: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ وقال: صلى الله عليك يا محمد حتى يقولها سبعين مرة ناداه ملك: صلى الله عليك يا فلان ولم تسقط له حاجة)) ترجمہ: میں بعض ان (صحابہ) کو جن کو پایا ہے کہتے سنا کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی قبرِ انور کے پاس کھڑے ہو کر آیتِ درود تلاوت کرے اور ستر مرتبہ "صلى الله عليك يا محمد" کہے تو فرشتہ نداء کرتا ہے کہ اے فلاں! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اور تمہاری حاجت پوری ہو۔

(المواہب اللدنیہ، الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف، ج3، ص597، المکتبۃ التوفیقیہ، مصر)

اس روایت کو علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، الفصل الرابع فی اداب الزیارۃ، ج4، ص213، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس روایت کو امام سخاوی نے بھی القول البدیع میں امام بیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(القول البدیع، الصلوۃ علیہ عند الذبیحہ، ج1، ص214، دار الریان للتراث، بیروت)

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میدان کربلا میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں سلام وفریاد یوں عرض کی:((یَا مُحَمَّدَاہُ صَلَّی عَلَیْکَ اللہُ وَ مَلَائِکَۃُ السَّمَاءِ ہٰذَا الْحُسَیْنُ بِالْعَرَاءِ، مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ، مُقَطَّعُ الْأَعْضَاءِ)) ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وملائکۃ السماء (یارسول اللہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا اور آسمان کے فرشتوں کا درود ہو)! یہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خون کی چادر اوڑھے ہوئے ہے، ان کے اعضاء کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔

(الکامل فی التاریخ، ثم دخلت سنۃ احدی وستین، ج3، ص185، دار الکتاب العربی، بیروت ☆ البدایۃ النہایۃ، صفۃ مقتلہ، ج8، ص210، دار احیاء التراث العربی، بیروت).

حضرت علقمہ اور حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت علقمہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یوں سلام کرتے: **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہُ۔**

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، فصل فی المواطن التی یستحب فیہا الصلوۃ، ج2، ص67، دار الفکر الطباعۃ والنشر والتوزیع)

ایسے ہی حضرت کعب سے بھی مروی ہے۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، فصل فی المواطن التی یستحب فیہا الصلوۃ، ج2، ص67، دار الفکر الطباعۃ والنشر والتوزیع)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ''الفقہ الاکبر'' کے خطبہ میں ہے: **وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سیدنا محمد۔** (الفقہ الاکبر، من اصول اہل السنۃ والجماعۃ، ج1، ص76، مکتبۃ الفرقان، عرب)

امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدہ میں خطاب کے ساتھ یوں درود پاک بھیجتے ہیں:

صلی اللہ علیک یا علم الھدی   ماحسن مشتاق الی مشواك

(قصیدۃ النعمان، ص101)

شیخ رفاعی رحمۃ اللہ علیہ

احسان الٰہی ظہیر کی ''دراسات فی التصوف'' میں شیخ رفاعی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر ہیں) کے بارے میں لکھا: ''وقف تجاہ حجرۃ النبی علیہ الصلاۃ والسلام وقال علی رؤوس الأشہاد السلام علیك یا

جدی .فقال له علیه الصلاۃ والسلام :علیك السلام یا ولدی .سمع ذلك كل من فی المسجد النبوی ''ترجمہ: شیخ رفاعی رحمۃ اللہ علیہ روضہ انور کے سامنے کھڑے ہوئے اور سب کے سامنے عرض کیا: **السلام علیك یا جدی**، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! تم پر سلام ہو، اس کو ہر اس شخص نے سنا جو مسجد نبوی میں موجود تھا۔

(دراسات فی التصوف، الطریقۃ الرفاعیہ، ج1، ص242، دارالامام المجد للنشر التوزیع)

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 597ھ) اپنی کتاب ''التذکرہ فی الوعظ'' کے خطبہ میں لکھتے ہیں: **اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سید الْاَنَامِ ☆ اَلصَّلَاۃُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ الْاِسْلَامِ۔**

(التذکرہ فی الوعظ، المجلس الثامن متابعۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ج1، ص83، دارالمعرفہ، بیروت)

ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور بصیغہ خطاب درود پاک

ابوبکر بن محمد بن عمر فرماتے ہیں: ''كنت عند أبی بكر بن مجاهد فجاء الشبلی فقام إلیه أبو بكر بن مجاهد فعانقه وقبل بین عینیه، وقلت له یا سیدی تفعل بالشبلی هكذا وأنت وجمیع من ببغداد یتصوران أو قال یقولون أنه مجنون فقال لی فعلت كما رأیت رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فعل به وذلك أنی رأیت رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فی المنام وقد أقبل الشبلی فقام إلیه وقبل بین عینیه فقلت یا رسول الله أتفعل هذا بالشبلی فقال هذا یقرأ بعد صلاته ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ إلی آخر السورة ویتبعها بالصلاة علی وفی روایة لأنه لم یصل صلاة فریضة إلا ویقرأ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ الآیة، ویقول ثلاث مرات **صلی الله علیك یا محمد صلی الله علیك یا محمد صلی الله علیك یا محمد**'' ترجمہ: میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس تھا کہ حضرتِ سیِّدُنا شیخ ابوبکر شبلی علیہ رحمۃ اللہِ الوَلی حضرتِ سیِّدُنا ابوبکر بن مُجاہِد علیہ رحمۃ اللہِ الواحِد کے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے فوراً کھڑے ہو کر اُن کو گلے لگا لیا اور پیشانی چوم لی۔ میں نے عرض کیا: یا سیِّدی! آپ اور اہلِ بغداد آج تک اِنہیں دیوانہ تصور کرتے رہے ہیں یا کہا کہ دیوانہ کہتے رہے ہیں مگر آج ان کی اِس قدر تعظیم کیوں؟ جواب دیا: (میں نے یوں ہی ایسا نہیں کیا) میں نے تو وہی کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ کرتے دیکھا ہے اور یہ چیز میں نے خواب میں دیکھی ہے کہ حضرتِ سیِّدُنا ابوبکر شبلی علیہ رحمۃ اللہِ الوَلی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو سرکارِ دو عالم، نورِ مُجَسَّم، شاہِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کے لیے قیام فرمایا ہے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا ہے۔ میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم! شبلی پر اس قدر شفقت کی وجہ؟ اللہ عزوجل کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیُوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے (غیب کی خبر دیتے ہوئے) فرمایا کہ یہ ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے: ﴿لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِکُمْ﴾ اور اس کے بعد مجھ پر دُرُود پڑھتا ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ جب بھی نماز پڑھتا ہے تو پہلے یہ آیت ﴿لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِکُمْ﴾ پڑھتا ہے اس کے بعد تین دفعہ یہ درود پاک پڑھتا ہے: **صلی الله علیك یا محمد۔**

(القول البدیع، بعد الفراغ من الوضوء، ج 1، ص 177، دار الریان للتراث، بیروت)

حضرت جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 785ھ) فرماتے ہیں: ''جو شخص درج ذیل درود شریف پابندی سے پڑھے گا وہ دنیا و آخرت کی تمام مصیبتوں سے بے خوف ہو جائے گا اور آخرت میں ان شاء اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسائیگی اختیار کرے گا:

بسم الله الرحمن الرحیم

الصلوة والسلام علیك یا محمد العربی

الصلوة والسلام علیك یا محمد القرشی

الصلوة والسلام علیك یا محمد المکی

الصلوة والسلام علیك یا نبی الله

الصلوة والسلام علیك یا حبیب الله

(جواہر الاولیاء، ص 232، مطبوعہ اسلام آباد)

حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک درود معظم ومکرم قطب عالم حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری قدس سرہ العزیز نے اپنے اوراد میں لکھا ہے کہ جو مومن اس درود کو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پڑھے گا تو حج کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور جو اپنے پاس رکھے گا، دنیا و آخرت کی تمام بلاؤں سے امن میں رہے گا اور عقبیٰ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسائیگی اسے نصیب ہوگی، درودِ معظم یہ ہے:

الصلوة والسلام علیك یا محمد العربی

الصلوة والسلام علیك یا محمد القرشی

الصلوة والسلام علیك یا محمد المکی

الصلوة والسلام علیك یا نبی الله

الصلوة والسلام علیك یا محمد رسول الله

الصلوة والسلام علیك یا حبیب الله

الصلوة والسلام علیك یا جد الحسن والحسین

الصلوة والسلام علیك یا اباالفاطمة الزهراء

الصلوة والسلام علیك یا صاحب المنبر والمعراج محمد رسول الله

(اصلی جواہر خمسہ کامل،ص102،مطبوعہ کراچی)

اوپر والا درود پاک جواہر خمسہ کا حصہ ہے اور جواہر خمسہ وہ وظیفہ ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کی اجازت لی ہے۔

(الانتباہ فی سلاسل الاولیاء،ص138،مطبوعہ کراچی)

سید محمود ناصر الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جہانیاں جہاں گشت کے صاحبزادے سلطان سید محمود ناصر الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص دن اور رات کو نیک نیتی سے خلوصِ دل سے درج ذیل درود شریف پڑھے گا تو ہر قسم کی آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا:

الصلوة والسلام علیك یا رسول الله

الصلوة والسلام علیك یا نبی الله

الصلوة والسلام علیك یا حبیب الله

(جواہر الاولیاء،ص247،مطبوعہ اسلام آباد)

سید علی کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اور اورادِ فتحیہ

ولی کامل سید علی کبیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد و وظائف کے مجموعہ کا نام اورادِ فتحیہ ہے جس کے آخر میں 24 صیغوں سے اس طرح درود شریف درج ہے:

الصلوة والسلام علیك یا رسول الله

الصلوة والسلام علیك یا حبیب الله

الصلوۃ والسلام علیك یا خلیل اللہ

الصلوۃ والسلام علیك یا نبی اللہ الخ

(اورادِفتحیہ،ص142،جواہرالاولیاء،ص378،مطبوعہ اسلام آباد)

اورادِفتحیہ کی مقبولیت

اورادِفتحیہ کی دربارِرسالت میں مقبولیت کوشاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بیان کیا ہے،لکھتے ہیں کہ والدگرامی نے فرمایا: ''منقول ہے کہ انہیں حضرت امیرسیدعلی ہمدانی سے ہے،فرماتے ہیں کہ جب بارہویں دفعہ کعبہ شریف کی زیارت کوگیا،مسجداقصیٰ میں پہنچا،حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوخواب میں دیکھاکہ اس درویش کی طرف آرہے ہیں،میں اٹھااورآگے گیااورسلام عرض کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آستین مبارک سے ایک جزونکالااوراس درویش سے فرمایا:خذھذاالفتحیہ،یعنی اس فتحیہ کو لے۔

میں حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک سے لےلیااورنظرکی تویہی اوراد تھے،اس اشارہ سےاس کانام فتحیہ رکھا گیا۔ (الانتباہ فی سلاسل الاولیاء،ص125،مطبوعہ کراچی)

شاہ ولی اللہ اوراورادِفتحیہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اورادِفتحیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:''پھرفرضِ صبح پڑھے،جب سلام پھیرےتواورادِفتحیہ کے پڑھنے میں مشغول ہوکہ جوایک ہزارچارسواولیاءکے متبرک کلام سے جمع ہواہے۔۔۔۔اس کی برکت سے صفائی اورمشاہدہ کرےگااورایک ہزارچارسواولیاءکی ولایت سے حصہ پائےگا۔'' (الانتباہ فی سلاسل الاولیاء،ص125،مطبوعہ کراچی)

شیخ رشیدالدین اسفرائینی اوراورادِفتحیہ

شیخ نجم الدین محمدبن محمدالغزی رحمۃ اللہ علیہ(متوفی1061ھ)فرماتے ہیں:''عن الشیخ رشید الدین الإسفرائینی أنه كان يقول:إنه صلى الله تعالیٰ عليه وآله وسلم يحضر روحه عند قول القائل في الأوراد الفتحية :الصلاة والسلام عليك يا من عظمه الله۔۔۔ قال صاحب الترجمة بعد فعل ذلك:ولذلك ترى العادة أن ترفع الأيدي عند قولك:الصلاة والسلام عليك يا رسول الله إلى قولك:الصلاة والسلام عليك يا من عظمه الله ''ترجمہ:شیخ رشید الدین اسفرائینی سے روایت ہے،وہ فرمایاکرتے کہ اورادِفتحیہ میں قائل کے اس قول کے وقت حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کی تشریف آوری ہوتی ہے:**الصلوۃ والسلام علیك یا من عظمه الله** (اے وہ جسےاللہ تعالیٰ نےعظمت عطاکی ہے

آپ پر صلوۃ وسلام ہوں)، اس کے بعد صاحب ترجمہ نے کہا کہ اسی وجہ سے یہ عادت دیکھی گئی ہے کہ (اور افتحیہ میں) اپنے اس قول کے وقت ہاتھوں کو بلند کیا جاتا ہے: **الصلوۃ والسلام علیك یا رسول الله** (اس قول تک) **الصلوۃ والسلام علیك یا من عظمه الله**۔ (الکواکب السائرۃ، عبد اللطیف الخراسانی، ج2، ص180، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں: ''فـالتـقـدیر اللّٰھُمّ اجعَل السّلام عَلَیْکُم کَمَا تقدر فِـی قَـوْلـنَـا الصَّلَاۃ وَالسَّلَام عَلَیْكَ یَا رَسُول الله فَإن الْمَعْنی اللّٰھُمَّ اجعَل الصَّلَاۃ وَالسَّلَام علی رَسُول الله'' ترجمہ: (قبرستان میں جو قبر والوں کو سلام کیا جاتا ہے) اس کی تقدیر اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اے قبر والو! سلامتی نازل فرمائے جیسا کہ ہمارے قول **الصلوۃ والسلام علیك یا رسول الله** کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیج۔ (الامتاع بالاربعین المتباینۃ السماع، ج1، ص86، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جمہور علماء اور الصلوہ والسلام

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وَذَھَـبَ الْـجُـمْـھُورُ إِلَی الِاجْتِزَاءِ بِکُلِّ لَفْظٍ أَدّی الْمُرَادَ بِالصَّلَاۃِ عَلَیْهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰـی قَـالَ بَعضهم لَو قَالَ فِی أَثْنَاءِ التَّشَھُّدِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ أَیُّھَا النَّبِیُّ أَجزَأَ'' ترجمہ: جمہور اس طرف گئے ہیں کہ ہر وہ لفظ جو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود کی مراد کو پورا کرے وہ کافی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز کے تشہد میں **الصلوۃ والسلام علیك ایھا النبی** پڑھا تو کافی ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، قولہ باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج11، ص166، دار المعرفہ، بیروت)

یہی کلام امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 902ھ) نے بھی القول البدیع میں نقل کیا ہے۔

(القول البدیع، ما الحکمۃ ان اللہ تعالیٰ امر نا الخ، ج1، ص72، دار الریان للتراث)

امام ابن حجر ہیتمی، علامہ عبد الحمید شروانی، علامہ شبراملسی وغیرہم

امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''(وَ) یُسَنُّ (لِکُلٍّ) مِنَ الْمُؤَذِّنِ، وَالْمُقِیمِ وَسَامِعِھِمَا (أَنْ یُصَلِّیَ) وَیُسَلِّمَ (عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ فَرَاغِهِ) مِنَ الْأَذَانِ، أَوْ الْإِقَامَةِ لِلْأَمْرِ بِالصَّلَاۃِ عَقِبَ الْأَذَانِ فِی خَبَرِ مُسْلِمٍ'' ترجمہ: اذان اور اقامت کہنے والوں اور سننے والوں کے لیے سنت ہے کہ اذان اور اقامت سے فراغت کے بعد حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّم پر درود وسلام بھیجیں کیونکہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں اذان کے بعد درود پاک پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(تحفۃ المحتاج فی شرح المنهاج،فصل فی الاذان والاقامۃ،ج 1،ص 482،المکتبۃ التجاریۃ الکبری،مصر)

اس کے تحت علامہ عبدالحمید الشروانی لکھتے ہیں:''مَا يَقَعُ لِلْمُؤَذِّنِينَ مِنْ قَوْلِهِمْ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَى آخِرِ مَا يَأْتُونَ بِهِ فَيَكْفِي ''ترجمہ:بعض مؤذن اذان کے بعد''**الصلوۃ والسلام علیك یا رسول الله**،اور دیگر صیغوں کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں تو اس سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج فی شرح المنهاج،فصل فی الاذان والاقامۃ،ج 1،ص 482،المکتبۃ التجاریۃ الکبری،مصر)

علامہ شبراملسی متوفی 1087ھ فرماتے ہیں:''مَا يَقَعُ لِلْمُؤَذِّنِينَ مِنْ قَوْلِهِمْ بَعْدَ الْأَذَانِ:الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَى آخِرِ مَا يَأْتُونَ بِهِ فَيَكْفِي ''ترجمہ:بعض مؤذن اذان کے بعد''**الصلوۃ والسلام علیك یا رسول الله**،اور دیگر صیغوں کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں تو اس سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(حاشیۃ شبراملسی علی نهایۃ المحتاج،شروط الاذان،ج 1،ص 422،دار الفکر،بیروت)

یہ بات انہی الفاظ کے ساتھ حاشیہ جمل میں بھی ہے۔

(حاشیۃ الجمل علی شرح منہج،باب الاذان والاقامۃ،ج 1،ص 310،دار الفکر،بیروت)

یہی بات علامہ سلیمان بن محمد بن عمر البجیرمی المصری(متوفی 1221ھ)نے بھی لکھی ہے۔

(حاشیۃ البجیرمی علی شرح المنہج،باب توجہ للقبلۃ فی الصلوۃ،ج 1،ص 175،مطبعۃ الحلبی)

شیخ ابراہیم التازی رحمۃ اللہ علیہ اور الصلوۃ والسلام

شیخ ابو جعفر احمد بن علی(متوفی 938ھ)''شیخ ابراہیم التازی'' کا وظیفہ لکھا ہے،اس میں اس طرح درود وسلام ہے:**اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سيد الْمُرسلين ☆ اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خاتم النَّبِيين ☆ اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خير خلق الله أَجْمَعِينَ** عدد مَا فِي علم الله صَلَاةً وَسَلَامًا۔

(ثبت ابو جعفر احمد بن علی،نص وظیفۃ الشیخ ابراہیم التازی،ج 1،ص 324،دار الغرب الاسلامی،بیروت)

علامہ ابن صالح،فقیہ محمد بن زرندی اور بعض مشائخ کا عمل

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ(متوفی 902ھ)''مقاصدِ حسنہ''میں نقل کرتے ہیں:''قالَ ابن صالح:وسمعت ذلك أيضا من الفقيه محمد بن الزرندى عن بعض شيوخ العراق أو العجم أنه يقول عندما يمسح عينيه:صلى اللّٰه عليك يا

سیدی یا رسول اللّٰہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی، وقال لی کل منہما :منذ فعلہ لم ترمد عینی، قال ابن صالح:وأنا وللّٰہ الحمد والشکر منذ سمعتہ منہما استعملتہ فلم ترمد عینی، وأرجو أن عافیتہما تدوم، وأنی أسلم من العمی إن شاء اللّٰہ ''ترجمہ:ابن صالح فرماتے ہیں میں نے یہ امر فقیہ محمد بن زرندی سے بھی سنا کہ بعض مشائخ عراق یا عجم سے راوی تھے اور اُن کی روایت میں یوں ہے کہ آنکھوں پر مَس کرتے وقت یہ درود عرض کرے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یاسَیِّدِیْ یا رَسُوْلَ اللّٰہِ یاحَبِیبَ قَلْبِیْ وَیانُوْرَ بَصَرِیْ وَیا قُرَّۃَ عَینِیْ ،اور دونوں صاحبوں یعنی شیخ مجد وفقیہ محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب سے ہم یہ عمل کرتے ہیں ہماری آنکھیں نہ دُکھیں۔اللہ کے لئے حمد وشکر ہے جب سے مَیں (یعنی امام ابن صالح ممدوح) نے یہ عمل اُن دونوں صاحبوں سے سُنا اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دُکھیں اور اُمید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا اِن شاء اللہ تعالی۔ (المقاصد الحسنۃ،حرف المیم،ج1،ص605.606،دار الکتاب العربی،بیروت)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روضہ انور کی حاضری کے وقت یوں عرض کرے:''السلام علیك یا رسول اللہ السلام علیك یا نبی اللہ السلام علیك یا خیرۃ اللہ السلام علیك یا خیر خلق اللہ السلام علیك یا حبیب اللہ السلام علیك یا سید المرسلین السلام علیك یا خاتم النبیین السلام علیك یا رسول رب العالمین السلام علیك یا قائد الغر المحجلین السلام علیك یا بشیر السلام علیك یا نذیر السلام علیك وعلی أہل بیتك الطاہرین السلام علیك وعلی أزواجك الطاہرات أمہات المؤمنین السلام علیك وعلی أصحابك أجمعین السلام'' (القول البدیع،آداب زیارۃ قبرہ الشریف،ج1،ص213،دار الریان للتراث،بیروت)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ خطاب کے ساتھ یوں درود وسلام عرض کرتے ہیں:

چہ وصفت کند سعدی ناتمام
علیك الصلوۃ اے نبی والسلام

ترجمہ:سعدی ناقص آپ کی تعریف کا حق کس طرح ادا کرے،اے اللہ کے نبی! آپ پر صلوۃ وسلام ہو۔(بوستان،ص11)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ رسالت میں خطاب کے ساتھ یوں درود پاک عرض کیا ہے:

صلی علیك الله یاخیر خلقه ویا خیر مامول ویا خیر واهب

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اے مخلوق میں سب سے بہتر ذات! اے وہ بہترین ہستی جس سے امید رکھی جائے اور اے بہترین عطا کرنے والے۔ (قصیدہ اطیب النغم، ص22، مطبوعہ دہلی)

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر روح البیان" میں درود وسلام یوں بیان کیا: **الصلاۃ والسلام علیك یا رسول الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا حبیب الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا خلیل الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا صفی الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا نجی الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا خیر خلق الله** ☆الصلاۃ والسلام علیك یا من اختارہ الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا من زینه الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا من أرسله الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا من شرفه الله ☆ الصلاۃ والسلام علیك یا من عظمه الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا من کرمه الله ☆الصلاۃ والسلام علیك یا سید المرسلین ☆ الصلاۃ والسلام علیك یا امام المتقین ☆الصلاۃ والسلام علیك یا خاتم النبیین ☆الصلاۃ والسلام علیك یا شفیع المذنبین ☆الصلاۃ والسلام علیك یا رسول رب العالمین ☆الصلاۃ والسلام علیك یا سید الأولین ☆الصلاۃ والسلام علیك یا سید الآخرین ☆الصلاۃ والسلام علیك یا قائد المرسلین ☆الصلاۃ والسلام علیك یا شفیع الامة ☆الصلاۃ والسلام علیك یا عظیم الهمة ☆الصلاۃ والسلام علیك یا حامل لواء الحمد ☆الصلاۃ والسلام علیك یا صاحب المقام المحمود۔ (تفسیر روح البیان، سورۃ الاحزاب، ج7، ص235،236، دار الفکر، بیروت)

علامہ بکری اور بصیغۂ خطاب درود وسلام

علامہ ابوبکر المشہور بالبکری (متوفی 1301ھ) لکھتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر حاضر ہو تو: "ویقول حالة کونه غاضا لبصرہ ناظرا للأرض، مستحضرا عظمة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم ، وأنه حی فی قبرہ الأعظم، مطلع بإذن الله علی ظواهر الخلق وسرائرهم السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته الصلاۃ والسلام علیك یا رسول الله. الصلاۃ والسلام علیك یا حبیب الله. الصلاۃ والسلام علیك یا نبی الرحمة. الصلاۃ والسلام علیك یا بشیر یا نذیر، یا ظاهر یا ظهیر . الصلاۃ والسلام علیك یا شفیع المذنبین" ترجمہ: نظروں کو جھکائے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کو دل میں حاضر کرکے، یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عظیم قبر میں زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کے ظاہر و باطن پر مطلع ہیں، آپ کی بارگاہ میں یوں عرض کرے: السلام علیك أيها النبي ورحمة الله وبركاته ☆ الصلاة والسلام عليك يا رسول الله ☆ الصلاة والسلام عليك يا حبيب الله ☆ الصلاة والسلام عليك يا نبي الرحمة ☆ الصلاة والسلام عليك يا بشير يا نذير يا طاهر يا طهير ☆ الصلاة والسلام عليك يا شفيع المذنبين۔

(اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین، باب الحج، ج2، ص356، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت)

شیخ احمد دجانی اور الصلوۃ والسلام

شیخ نجم الدین ''شیخ احمد الدجانی رحمۃ اللہ علیہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''كان يحفظ القرآن العظيم، والمنهاج للنووى .وحدثنى تلميذه الشيخ الصالح العارف بالله تعالى يوسف الدجانى الأربدى أن الشيخ أحمد الدجانى كان لا يعرف النحو، فبينما هو فى خلوته بالأقصى إذ كوشف بروحانية النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم، فقال له:يا أحمد تعلم النحو . قال:فقلت له:يا رسول الله علمنى، فألقى على شيئاً من أصول العربية، ثم انصرف قال: فقلت:الصلاة والسلام عليك يا رسول الله، وضممت اللام من رسول .قال:فعاد إلى .وقال لى:أما علمتك النحو أن لا تلحن قل: رسول الله بفتح اللام .قال:فاشتغلت فى النحو، ففتح على فيه '' ترجمہ: شیخ نے قرآن حفظ کیا اور علامہ نووی کی منہاج یاد کی، ان کے شاگرد شیخ صالح عارف باللہ یوسف الدجانی نے مجھ سے بیان کیا کہ شیخ احمد الدجانی کو نحو نہیں آتی تھی، خلوت میں ان کو روحانی طور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے احمد نحو سیکھو، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھے سکھا دیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کچھ عربی قواعد سکھائے، پھر تشریف لے جانے کے لیے مڑے تو میں نے عرض کیا: الصلوة والسلام عليك يا رسول الله، میں نے رسول پر پیش پڑھ دی، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہیں نحو اس لیے سکھائی ہے کہ تم غلطی نہ کرو، رسول اللہ کے لام کو زبر کے ساتھ پڑھو۔ فرماتے ہیں کہ میں نحو میں مشغول ہوگیا اور مجھ پر نحو کا علم کھول دیا گیا۔

(الکواکب السائرہ، شیخ احمد الدجانی، ج3، ص109، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ سنوسی اور الصلوۃ والسلام

شیخ محمد بن عثمان السنوسی (متوفی 1318ھ) اپنی کتاب میں یوں درود وسلام لکھتے ہیں: الصلاة والسلام عليك وعلى آلك و أصحابك وكل من شهد أنك رسول الله إلى جميع الخلق يا سيدنا يا رسول الله من عين الذات

حيث لا اسم ولا رسم. الصلاة والسلام عليك وعلى آلك وأصحابك وأزواجك وذريتك وأنصارك وأشياعك وجميع أمتك يا سيدنا يا رسول الله من الحضرة الجامعة لكل صفة واسم. الصلاة والسلام عليك وعلى آلك وجميع أمتك يا سيدنا يا رسول الله من حضرة الذات التي هي منقطع الإشارات على حقيقتك التي هي روح حياة الوجود۔ (مسامرات الظریف بحسن التعریف، ج1، ص61، مکتبہ شاملہ)

جب اذان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام سنے

جامع الرموز میں ہے کہ اذان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سنے تو یوں کہے: صلی اللّٰہ تعالیٰ عليك يا رسول الله قرة عيني بك يارسول اللّٰه اللهم متعني بالسمع والبصر ۔ترجمہ: **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیک یارسول اللّٰہ**، آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، اے اللہ! میری سماعت وبصارت کو اس کی برکت سے مالا مال فرما۔

(جامع الرموز، باب الاذان، ج1، ص125، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس، ایران)

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ اور اورادِ فتحیہ

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے خلیفہ صاحبزادہ محمد عمر لکھتے ہیں: ''حضرت میاں صاحب نے مجھے فرمایا کہ اورادِ فتحیہ چالیس دن تک دوبار روزانہ پڑھنا تاکہ طبیعت میں اثر پیدا کرلے لیکن بعد میں صرف ایک بار ہی کافی ہے یہ اوراد بڑے بابرکت ہیں۔'' (انقلاب حقیقت، ص88، مطبوعہ مرکز الاولیاء لاہور)

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الصلوة والسلام عليك يا رسول الله'' روزانہ سو مرتبہ پڑھنا قضائے حاجت کے لیے مجرب ہے۔'' (شواہد الحق، ص376)

پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہمارے ملک میں بعض مولوی ایسے ہیں کہ جہاں کسی نے ''الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کہا، وہ اسے فوراً مشرک قرار دے دیتے ہیں، حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نداء بھی نداءِ غیب تھی، مگر حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نداءِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطلع ہوجانا ثابت ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ غیب کو ظاہر کرسکتا ہے اور اپنے بندوں پر فی الواقع ایسا کرتا ہے۔'' (ملفوظات مہریہ، ص89، مطبوعہ گولڑہ شریف)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

اکابر دیوبند کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں: ''تہجد کی بارہ رکعتیں سلاموں سے پڑھی جائیں اور ہر رکعت میں تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور نہایت خشوع و خضوع سے تین یا پانچ یا سات بار ہاتھ اٹھا کر اللهم طهر قلبي۔۔۔ الخ پڑھے اور توبہ و استغفار کے بعد ''استغفر الله'' اکیس بار پڑھ کر درود ''الصلوة و السلام عليك يا رسول الله'' تین بار عروج و نزول کے طریقے پر پڑھے۔'' (ضیاء القلوب مشمولہ کلمات امدادیہ، ص 14,15 مطبوعہ کراچی)

ایک مقام پر فرماتے ہیں: ''الصلوة والسلام عليك يا رسول الله بصیغۂ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں، یہ اتصال معنوی پر مبنی ہے، له الخلق والامر امر مقيد بجهت وطرف وقرب وبعد، وغیرہ نہیں ہے پس اس کے جواز میں شک نہیں ہے۔'' (امداد المشتاق، ص 59)

اشرفعلی تھانوی

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے لکھا: ''یوں جی چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں اور وہ بھی ان الفاظ سے: **الصلوة والسلام عليك يا رسول الله**۔ (شکر النعمۃ بذکر الرحمۃ، ص 18، عشق رسول اور اکابر علماء دیوبند، ص 44)

ایک مقام پر کہا: ''آج کی مجلس ذکر میں ذکر کے بجائے ''**الصلوة والسلام عليك يارسول الله**'' پڑھیں گے اور تصور یہ کریں گے کہ ہم روضۂ پاک پر کھڑے ہیں۔'' (ماہنامہ الخیر مناظر اسلام، ص 460)

زکریا دیوبندی

تبلیغی جماعت کے شیخ محمد زکریا دیوبندی نے لکھا: ''بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سلام کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا نبي الله وغیرہ کے ''الصلوة والسلام عليك يا رسول الله'' ''الصلوة والسلام عليك يا نبي الله''، اس طرح اخیر تک سلام کے ساتھ الصلوۃ کا لفظ بھی بڑھا دے تو زیادہ اچھا ہے۔ (فضائل درود شریف، ص 24,25)

حسین احمد مدنی دیوبندی

حسین احمد مدنی دیوبندی نے لکھا: ''وہابیہ خبیثہ یہ صورت نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں، چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے الصلوة و السلام عليك يا رسول الله کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفرین اس

نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء اڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے مقدس بزرگانِ دین اس صورت اور جملہ صور درود شریف کو اگرچہ بصیغۂ نداء وخطاب کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔" (شہاب ثاقب، ص65، مطبوعہ دیوبند)

نجد کا فتوی

ریاض (نجد) سے شائع ہونے والے فتاوی "فتاوی اللجنۃ الدائمۃ" میں ہے: "فيجوز أن يقال عند زيارته: الصلاة والسلام عليك يا رسول الله، فإن معناها: الطلب والإنشاء وإن كان اللفظ خبرا، ويجوز أن يصلى عليه بالصلاة الإبراهيمية فيقول: اللهم صل على محمد، والأفضل: أن يسلم عليه بصيغة الخبر كما يسلم على بقية القبور، ولأن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما كان إذا زاره يقول: السلام عليك يا رسول الله" ترجمہ: زیارتِ اقدس کے وقت "**الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول الله**" کہنا جائز ہے، کہ یہ طلب وانشاء کے معنی میں ہے اگرچہ لفظاً خبر ہے، درودِ ابراہیمی پڑھنا بھی جائز ہے، پس وہ کہے: **اللهم صل علی محمد**، اور افضل یہ ہے کہ صیغہ خبر کے ساتھ سلام کہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب زیارت کرتے تو یوں عرض کرتے: **السلام علیك یا رسول الله**۔

(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ، صیغۃ السلام علی رسول علیہ الصلوۃ والسلام، ج1، ص474، ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء، الادارۃ العامۃ، ریاض)

سرفراز گکھڑوی

سرفراز گکھڑوی دیوبندی نے لکھا: "ہم اور ہمارے تمام اکابر "**الصلوۃ و السلام علیك یا رسول الله**" کو بطور درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں۔" (درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ، ص75، مطبوعہ گوجرانوالہ)

تقی عثمانی

دیوبندیوں کے مفتی تقی عثمانی نے لکھا: "میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص کے سامنے کسی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام گرامی آیا اور اس کو بے اختیار یہ تصور آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سامنے موجود ہیں اور اس نے یہ تصور کرکے کہہ دیا "**الصلوۃ و السلام علیك یا رسول الله**"......... یہ الفاظ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔"

(اصلاحی خطبات، ج1، ص232، مطبوعہ کراچی)

درودِ ابراہیمی کے علاوہ درود

احادیث میں موجود کچھ درود

☆رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:((جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا بِمَا ھُوَ أَھْلُہُ أَتْعَبَ سَبْعِیْنَ کَاتِبًا أَلْفَ صَبَاحٍ)) ترجمہ: جس شخص نے یہ درود پاک پڑھا: **جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا بِمَا ھُوَ أَھْلُہ**، تو ستر فرشتے ایک ہزار دن تک اس کے لیے اجر لکھتے رہتے ہیں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ احمد، ج1، ص82، دار الحرمین، القاہرہ☆الترغیب لابن شاہین، باب مختصر من الصلاۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص13، دار الکتب العلمیہ، بیروت☆حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، جعفر بن محمد الصادق، ج3، ص206، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت)

☆حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:((مَنْ قَالَ:اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وأَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَجَبَتْ لَہُ شَفَاعَتِی)) ترجمہ: جس شخص نے یہ درود پاک پڑھا: **اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وأَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ**، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، رویفع بن ثابت الانصاری، ج5، ص25، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

☆ایک اعرابی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس نے سلام کیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا، پھر اس اعرابی سے پوچھا کہ تم نے میرے پاس آتے وقت کیا پڑھا، اس نے عرض کی کہ میں نے یہ درود پاک پڑھا ہے: **اللھم صل علی محمد حتی لا تبقی صلاۃ اللھم بارک علی محمد حتی لا تبقی برکۃ اللھم سلم علی محمد حتی لا یبقی سلام وارحم محمداً حتی لا تبقی رحمۃ**۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:((أنی أری الملائکۃ قد سد الأفق)) ترجمہ: میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ انہوں نے آسمان بھر دیا ہے۔

(القول البدیع، تنبیہ، ج1، ص50،51، دار الریان للتراث، بیروت)

☆حدیث پاک ہے:((کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من صلی علی طھر قلبہ من النفاق، کما یطھر الثوب بالماء وکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من قال صلی اللہ علی محمد فقد فتح علی نفسہ سبعین بابا من الرحمۃ والقی اللہ مجلتہ فی قلوب الناس فلا یبغضہ الامن فی قلبہ نفاق)) ترجمہ: حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے جو مجھ پر درود بھیجے اس کا دل نفاق سے ایسا پاک ہو جائے جیسے کپڑا پانی سے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے جو کہے ''صلی اللہ علی محمد'' اس نے ستر دروازے رحمت کے اپنے اوپر کھول لیے، اللہ عزوجل اُس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ اُس سے بُغض نہ رکھے گا

مگروہ جس کے دل میں نفاق ہوگا۔ (کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، فصل فی الامر بالصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ج1، ص345، دارالفکر، بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درود

حضرت سلامۃ الکندی تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو یہ والا درود پاک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پڑھنا سکھاتے تھے: اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوكَاتِ وَجَبَّارَ الْقُلُوبِ عَلَى فِطْرَاتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيدِهَا اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ وَرَافِعَ تَحِيَّتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ، وَالْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقَ، وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ، وَالدَّامِغِ جَيْشَاتِ الْأَبَاطِيلِ كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِي مَرْضَاتِكَ بِغَيْرِ نُكْلٍ فِي قَدَمٍ، وَلَا وَهْنٍ فِي عَزْمٍ، دَاعِيًا لِوَحْيِكَ حَافِظًا لِعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلَى نَفَاذِ أَمْرِكَ حَتَّى أَوْرَى قَبَسًا لِقَابِسٍ بِهِ هُدِيَتِ الْقُلُوبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْإِثْمِ بِمُوضِحَاتِ الْأَعْلَامِ، وَمُنِيرَاتِ الْإِسْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ، فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَخَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُونِ وَشَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ، وَمَبْعُوثُكَ نِعْمَةً وَرَسُولُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهُ مُتَفَسَّحًا فِي عَدْلِكَ وَاجْزِهِ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهُ مُهَنَّيَاتٍ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَعْلُومِ وَجَزِيلِ عَطَائِكَ الْمَجْلُولِ اَللّٰهُمَّ أَعْلِ عَلَى بِنَاءِ الْبَانِينَ بِنَاءَهُ وَأَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزُلَهُ وَأَتْمِمْ لَهُ نُورَهُ وَأَجْزِهِ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهُ مَقْبُولَ الشَّهَادَةِ مَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ، وَكَلَامٍ فَصْلٍ، وَحُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ عَظِيمٍ۔

(المعجم الاوسط، من اسمہ مسعدۃ، ج9، ص43، دارالحرمین، القاہرہ ☆ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الفصل الرابع کیفیۃ الصلاۃ علیہ والتسلیم، ج2، ص163 تا 165، دارالفیحاء، عمان ☆ تفسیر ابن کثیر، باب نمبر56، ج6، ص461، دارطیبۃ للنشر والتوزیع)

یہ والا درود پاک بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ علی النبي الْآيَةَ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ رَبِّي وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيمِ، وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ، وَالنَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ، وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ، وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ، وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ، وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، الشَّاهِدِ الْبَشِيرِ، الدَّاعِي إِلَيْكَ بِإِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيرِ، وَعَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، الفصل الرابع کیفیۃ الصلاۃ علیہ والتسلیم، ج2، ص166، دارالفیحاء، عمان ☆ القول البدیع، ج1، ص54,55، دارالریان للتراث)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درود

اللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلَی سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ، وَإِمَامِ الْمُتَّقِینَ، وَخَاتَمِ النَّبِیِّینَ، مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُولِکَ إِمَامِ الْخَیْرِ، وَقَائِدِ الْخَیْرِ، وَرَسُولِ الرَّحْمَۃِ اللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَحْمُودًا یَغْبِطُہُ بِہِ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ۔

(سنن ابن ماجہ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص293، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ مصنف عبدالرزاق، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2، ص213، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ المعجم الکبیر للطبرانی، خطبۃ ابن مسعود ومن کلامہ، ج9، ص115، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ ☆ شعب الایمان، تعظیم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج3، ص122، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا درود

اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَۃَ مُحَمَّدٍ الْکُبْرٰی، وَارْفَعْ دَرَجَتَہُ الْعُلْیَا، وَآتِہِ سُؤْلَہُ فِی الْآخِرَۃِ وَالْأُولٰی، کَمَا آتَیْتَ إِبْرَاھِیمَ، وَمُوسٰی۔

(مصنف عبدالرزاق، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج2، ص211، المکتب الاسلامی، بیروت)

اس درود پاک کے بارے میں علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: ((وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما أنہ کان إذا صلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال اللھم تقبل شفاعۃ الخ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے تو اس طرح بھیجتے (پھر مذکورہ درود پاک لکھا)۔

(القول البدیع، ج1، ص54، دار الریان للتراث، بیروت)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا درود

حضرت ثویر مولیٰ بنی ہاشم سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کیسے بھیجا جائے تو جواباً ارشاد فرمایا:

اللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَبَرَکَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ عَلَی سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ، وَإِمَامِ الْمُتَّقِینَ، وَخَاتَمِ النَّبِیِّینَ، مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُولِکَ، إِمَامِ الْخَیْرِ، وَقَائِدِ الْخَیْرِ، اللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَقَامًا مَحْمُودًا یَغْبِطُہُ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ، وَصَلِّ عَلَی مُحَمَّدٍ وَعَلَی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلَی إِبْرَاھِیمَ وَآلِ إِبْرَاھِیمَ، إِنَّکَ حَمِیدٌ مَجِیدٌ۔

(المطالب العالیہ بزوائد المسانید لابن حجر عسقلانی، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج13، ص806، دار العاصمۃ، عرب)

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درود

اللهم صل على محمد في الأولين وصل على محمد في الآخرين وصل على محمد إلى يوم الدين اللهم صل على محمد شاباً فتياً وصل على محمد كهلاً مرضياً وصل على محمد رسولاً نبياً اللهم صل على محمد حتى ترضى، وصل على محمد بعد الرضى، وصل على محمد أبداً أبداً اللهم صل على محمد كما أمرت بالصلاة عليه وصل على محمد كما تحب أن يصلى عليه وصل على محمد كما أردت أن يصلى عليه اللهم صل على محمد عدد خلقك و صل على محمد رضى نفسك وصل على محمد زنة عرشك وصل على محمد مداد كلماتك التي لا تنفذ اللهم وأعط محمداً الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة اللهم عظم برهانه وابلج حجته وأبلغه مأموله من أهل بيته وأمته اللهم أجعل صلواتك وبركاتك ورأفتك ورحمتك على محمد حبيبك وصفيك وعلى أهل بيته الطيبين الطاهرين اللهم صل على محمد بأفضل ما صليت على أحد من خلقك وبارك على محمد مثل ذلك وأرحم محمداً مثل ذلك اللهم صل على محمد في الليل إذا يغشى وصل على محمد في النهار إذا تجلى وصل على محمد في الآخرة و الأولى، اللهم صل على محمد الصلاة التامة وبارك على محمد البركة التامة وسلم على محمد السلام التام اللهم صل على محمد إمام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة اللهم صل على محمد أبد الآبدين ودهر الداهرين، اللهم صل على محمد النبي الأمي العربي القرشي الهاشمي الأبطحي التهامي المكي صاحب التاج والهراوة والجهاد والمغنم، صاحب الخير والمنبر، صاحب السرايا والعطايا والآيات المعجزات والعلامات الباهرات والمقام المشهود والحوض المورود والشفاعة والسجود للرب المحمود، اللهم صل على محمد بعدد من صلى عليه وعدد من لم يصل عليه۔ (القول البدیع، ج1، ص58,59، دار الریان للتراث، بیروت)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا درود

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب درود پاک پڑھتے تو یوں پڑھتے:

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وأصحابه وأولاده وأهل بيته وذريته ومحبيه وتباعه وأشياعه وعلينا معهم أجمعين يا أرحم الراحمين۔ (القول البدیع، ج1، ص55، دار الریان للتراث، بیروت)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا درود

وہابیہ کے امام ابن قیم نے جلاء الافہام میں بیان کیا ہے: ''قَالَ عبد الله بن عبد الحكم رَأَيْت الشَّافِعِي رَحمَه الله

فِی النَّوم فَقلت مَا فعل الله بك قَالَ رحمني وَغفر لی وزفنی إِلَی الْجنَّة كَمَا يزف بالعروس ونثر عَلیّ كَمَا ينثر علی الْعَرُوس فَقلت بِمَ بلغت هَذِه الْحَال فَقَالَ لی قَائِل يَقُول لَك بِمَا فِی كتاب الرسَالَة من الصَّلَاة علی النَّبِی صلی الله عَلَيْهِ وَسلم قلت فَكيف ذَلِك قَالَ وَصلی الله علی مُحَمَّد عدد مَا ذكره الذاكرون وَعدد مَا غفل عَن ذكره الغافلون قَالَ فَلَمَّا اصبحت نظرت إِلَی الرسَالَة فَوجدت الْأَمر ''ترجمہ:عبداللہ بن عبدالحکم نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کوخواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا ہے؟تو انہوں نے جواب دیا: مجھ پر رحم کیا، مجھے بخش دیا اور مجھے جنت کی طرف یوں بھیجا جیسا کہ دلہن کو روانہ کرتے ہیں اور مجھ پر یوں نچھاور کیا جیسا کہ دلہن پر کرتے ہیں،آپ کو یہ مرتبہ کیسے ملا؟،فرمایا کہ مجھے ایک بتانے والے نے بتایا کہ ''کتاب الرسالہ'' میں نبی کریم صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم پر جو درود پاک آپ نے لکھا ہے یہ اس کا عوض ہے، میں نے کہا کہ وہ درود کیسے ہیں،امام شافعی نے فرمایا: **صلی الله علی مُحَمَّد عدد مَا ذكره الذاكرون وَعدد مَا غفل عَن ذكره الغافلون**۔کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں نے کتاب الرسالہ میں دیکھا تو ایسے ہی پایا۔ (جلاء الافہام،قال ابو الشیخ حدثنا اسید بن عاصم،ج1،ص412،دار العروبہ،الکویت)

محدثین وعلماء کا درود

جب بھی حضور صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم کا نام اقدس آتا ہے محدثین اور دیگر علماء ''**صلی الله تعالیٰ علیه وسلم**'' لکھتے ہیں بلکہ بدمذہب بھی یہی لکھتے ہیں،اس مقام پر درود ابراہیمی کوئی نہیں لکھتا،اس کے بارے میں ابن قیم نے لکھا:''وَقَالَ بعض أهل الحَدِيث كَانَ لی جَار فَمَاتَ فَرُئِیَ فِی الْمَنَام فَقيل لَهُ مَا فعل الله بك قَالَ غفر لی قيل بِمَاذَا قَالَ كنت إِذا كتبت ذكر رَسُول الله صلی الله عَلَيْهِ وَسلم فِی الحَدِيث كتبت صلی الله عَلَيْهِ وَسلم ''ترجمہ:ایک صاحبِ حدیث میرا پڑوسی تھا،اس کا انتقال ہوگیا،کسی نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟اس نے جواب دیا :میری مغفرت فرمادی، پوچھا گیا: کیوں؟ جواب دیا کہ جب بھی حدیث میں حضور صلی اللہ عَلَیْہِ وَسلم کا ذکر اقدس لکھتا تو میں اس کے ساتھ لکھتا: **صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم**۔ (جلاء الافہام،قال ابو الشیخ حدثنا اسید بن عاصم،ج1،ص412،دار العروبہ،الکویت)

مزید لکھا:''وَقَالَ سُفْيَان بن عُيَيْنَة حَدثنَا خلف صَاحب الخلقان قَالَ كَانَ لی صديق يطْلب معی الحَدِيث فَمَاتَ فرأيته فِی مَنَامِی وَعَلِيهِ ثِيَاب خضر يجول فِيهَا فَقلت أَلَسْت كنت معی تطلب الحَدِيث قَالَ بلَی قلت فَمَا الَّذِی صيرك إِلَی هَذَا قَالَ كَانَ لَا يمر حَدِيث فِيهِ ذكر مُحَمَّد صلی الله عَلَيْهِ وَسلم إِلَّا كتبت فِی أَسْفَلهُ صلی الله عَلَيْهِ وَسلم فكافأنی رَبِّی هَذَا الَّذِی تری عَلیّ ''ترجمہ:سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ہمیں خلف صاحب خلقان نے بتایا

کہ میرا ایک دوست تھا جو میرے ساتھ علمِ حدیث حاصل کرتا تھا، وہ فوت ہوگیا، میں نے اسے خواب میں دیکھا اس نے سبز لباس پہنا ہوئے گھوم رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ کیا تو میرے ساتھ علمِ حدیث حاصل نہیں کرتے تھے، وہ کہنے لگا کہ کیوں نہیں، میں نے کہا کہ کس چیز نے تمہیں یہاں پہنچا دیا، وہ کہنے لگا کہ جب بھی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آتا تو میں اس کے ساتھ "صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم" لکھ دیا کرتا تھا تو میرے رب مجھے اس کا اجر عطا فرمایا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

(جلاء الافہام، قال ابوالشیخ حدثنا اسید بن عاصم، ج1 ص412، دار العروبہ، الکویت)

امام مسلم کا درود

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم کے مقدمہ کے خطبہ میں لکھتے ہیں:

وَصَلَّى اللهُ عَلَى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ، وَعَلَى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ۔

(صحیح مسلم، مقدمۃ الامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ج1 ص3، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی کا درود

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَالرِّسَالَةِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ كَثِيرًا۔

(معجم اسامی شیوخ ابی بکر اسماعیلی، مقدمۃ مؤلف، ج1 ص309، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا درود

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوثِ بِالْآيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَأَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ۔

(الحاوی للفتاوی، مقدمۃ الکتاب، ج1 ص3، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت)

شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ کا درود

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ میرے والد (شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھے حکم دیا کہ درود پاک یوں پڑھا کروں: **اللھم صلّ علٰی محمد النبی الامی و اٰلہ وبارک وسلّم۔**

کیونکہ میں نے یہ درود پاک خواب میں پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔ (درثمین، ص35، مطبوعہ فیصل آباد)

ابن تیمیہ کا درود

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا مَزِيدًا۔

(العقیدۃ الواسطیۃ لابن تیمیہ، مقدمۃ المصنف، ج1 ص53، اضواء السلف، ریاض)

ابن قیم کا درود

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ، وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ، وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا، إِلَى يَوْمِ الدِّينِ۔

(ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصاری، فصل فی انہ لایمکن الایمان بنبی اصلا مع جحو د نبوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، ج2، ص593، دارالقلم، جدہ)

محمد بن عبدالوہاب نجدی کا درود

صلى الله وسلم على سيدنا محمد، وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

(التوحید لابن عبدالوہاب، باب ماجاء فی قولہ تعالی: وماقدرواللہ حق قدرہ۔۔الایۃ، ج1، ص151، جامعۃ ابن سعود، ریاض)

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نجدی کا درود

وصلى الله وسلم على نبينا محمد، وآله وصحبه۔

(التحذیر من البدع، الرسالۃ الاولی حکم الاحتفال بالمولد، ج1، ص16، الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد)

اسماعیل دہلوی کا درود

اللهم فصلّ وسلم على حبيبك، وآله وأصحابه، وخلفائه ألف ألف صلاة وسلام۔

(تقویۃ الایمان، مقدمۃ الکتاب، ص27، داروحی القلم، دمشق)

قاضی شوکانی کا درود

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الْمُنْتَقَى مِنْ عَالَمِ الْكَوْنِ وَالْفَسَادِ. الْمُصْطَفَى لِحَمْلِ أَعْبَاءِ أَسْرَارِ الرِّسَالَةِ الْإِلَهِيَّةِ مِنْ بَيْنِ الْعِبَادِ. الْمَخْصُوصِ بِالشَّفَاعَةِ الْعُظْمَى فِي يَوْمٍ يَقُولُ فِيهِ كُلُّ رَسُولٍ: نَفْسِي نَفْسِي، وَيَقُولُ: أَنَا لَهَا أَنَا لَهَا۔ (نیل الاوطار، مقدمۃ الکتاب، ج1، ص13، دارالحدیث، مصر)

قاسم نانوتوی دیوبندی کا درود

وصلى اللّٰهُ على خيرِ خَلْقِه محمد واله وصحبه اجمعين۔ (تحذیر الناس، ص102، مطبوعہ گوجرانوالہ)

رشید احمد گنگوہی دیوبندی کا درود

وصلى الله تعالىٰ على سيد الانبياء والمرسلين وعلى اله وصحبه اجمعين وعلى من يتبعهم

اجمعین۔ (تالیفات رشیدیہ، ص481، مطبوعہ لاہور)

الحاصل

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وذهب الجمهور إلى الأجزاء بكل لفظ أدى المراد من الصلاة على النبي صلی اللہ علیہ وسلم'' ترجمہ: جمہور کا موقف یہ ہے کہ درود پاک کے معاملہ میں ہر وہ صیغہ کفایت کرتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ (القول البدیع، ما الحکمۃ فی ان اللہ تعالی امرنا ان الخ، ج1، ص72، دار الریان للتراث)

قرآن پاک کے اطلاق، احادیث میں منقول درود کے صیغوں اور صحابہ و تابعین و ائمہ دین سے نقل کردہ درود کے صیغوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

دیوبندی مفتی محمد شفیع نے لکھا: ''آیت ﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ میں صلوۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے ہو سکتی ہے، جس میں صلوۃ وسلام کے الفاظ ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ الفاظ بعینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بھی ہیں۔'' (تفسیر معارف القرآن، ج7، ص223، مطبوعہ کراچی)

نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنے کی تحقیق

(1) امام سخاوی نے ''الفردوس للدیلمی'' کے حوالے سے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے جب مؤذن کو یہ کہتے سنا: اشھد ان محمدا رسول اللہ، تو انہوں نے ایسا ہی کہا اور اپنی شہادت کی انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي فَقَدْ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي)) ترجمہ: جس طرح میرے خلیل نے کیا ہے جو ایسا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت ہے۔ (المقاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص605، دار الکتاب العربی، بیروت)

(2) امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ''موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ'' کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ((عن الخضر عليه السلام أنه: من قال حين يسمع المؤذن يقول أشهد أن محمدا رسول الله: مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلی اللہ علیہ وسلم، ثم يقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يرمد أبدا)) ترجمہ: حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے روایت ہے: کہ جس نے مؤذن سے'' أشهد ان محمدا رسول الله '' سن کر یہ پڑھا ''مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلی اللہ علیہ وسلم'' پھر اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھ لئے تو اس کی آنکھوں میں کبھی تکلیف نہ ہوگی۔

(المقاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص605، دار الکتاب العربی، بیروت)

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَيْ إِبْهَامِهِ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ

فِی الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُہٗ وَمُدْخِلُہٗ فِی صُفُوفِ الْجَنَّۃِ)) ترجمہ: جس نے اذان کے دوران مؤذن سے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ سُنا اور نام اقدس سُن کر اپنے انگوٹھے کے ناخن کو چوما تو میں ایسے شخص کو لے جا کر جنت کی صفوں میں داخل کر دوں گا۔

(ردالمحتار بحوالہ کتاب الفردوس، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص398، دار الفکر، بیروت)

(4) علامہ امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1252ھ) نے لکھا کہ اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا مستحب ہے اور ایسا کرنے والے کے لیے لکھا: ''فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ قَائِدًا لَهُ إِلَى الْجَنَّةِ، كَذَا فِي كَنْزِ الْعِبَادِ'' ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی طرف اس کے قائد ہوں گے، ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔

(ردالمحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص398، دار الفکر، بیروت)

علامہ شامی کا مکمل جزئیہ ان الفاظ کے ساتھ ہے:

''يُسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ :صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا: قَرَّتْ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ثُمَّ يَقُولُ:اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَيِ الْإِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ قَائِدًا لَهُ إِلَى الْجَنَّةِ، كَذَا فِي كَنْزِ الْعِبَادِ .اهـ .قُهُسْتَانِيٌّ، وَنَحْوُهُ فِي الْفَتَاوَى الصُّوفِيَّةِ .وَفِي كِتَابِ الْفِرْدَوْسِ مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَيْ إِبْهَامِهِ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فِي الْأَذَانِ أَنَا قَائِدُهُ وَمُدْخِلُهُ فِي صُفُوفِ الْجَنَّةِ'' ترجمہ: پہلی شہادت سننے کے وقت یہ کہنا مستحب ہے یارسول اللہ اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے اور دوسری شہادت کے وقت: یارسول اللہ آپ سے میری آنکھ ٹھنڈی ہوگئی، پھر دونوں آنکھوں پر دونوں انگوٹھوں کے ناخن رکھنے کے بعد کہے: اے اللہ مجھے سماعت اور بصارت سے نفع عطا فرما، تو بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کی طرف اس کے قائد ہوں گے۔ کنز العباد میں اسی طرح ہے۔ قہستانی۔ فتاوی صوفیہ میں بھی اسی کی مثل ہے اور فردوس میں ہے جس نے اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ سنتے وقت اپنے انگوٹھوں کے ناخن چومے تو میں اس کا قائد ہوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کرنے والا ہوں گا۔

(ردالمحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص398، دار الفکر، بیروت)

(5) امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، ارشاد فرمایا: ((من قال حین یسمع المؤذن یقول أشهد أن محمدا رسول اللّٰه :مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ويقبل إبهاميه ويجعلهما على عينيه لم يعم ولم يرمد)) ترجمہ: جو شخص موذن کو أشهد ان محمدا رسول اللّٰه کہتا سنے پھر کہے مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے وہ نہ اندھا ہو اور نہ ہی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔

(المقاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص606، دار الکتاب العربی، بیروت)

(6) شمس الدین امام محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حکی الشمس محمد بن صالح المدنی إمامها وخطيبها في تاريخه عن المجد أحد القدماء من المصريين أنه سمعه يقول:من صلى على النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذا سمع ذكره في الأذان وجمع أصبعيه المسبحة والإبهام وقبلهما ومسح بهما عينيه لم يرمد أبدا'' ترجمہ: سیدنا محمد بن صالح مدنی نے اپنی تاریخ میں حضرت مجد مصری سے نقل کیا (وہ بیان کرتے ہیں) کہ میں نے مجد مصری کو فرماتے ہوئے سُنا: جوشخص اذان کے دوران نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ذکر خیر سُنے اور آپ پر درود پاک پڑھ کر اپنی شہادت والی اُنگلی اور انگوٹھے کو ملا کر چومے اور اپنی آنکھوں سے لگالے تو اُس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں گی۔

(القاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص605، دار الکتاب العربی، بیروت)

(7) علامہ سخاوی مزید لکھتے ہیں: ''قال ابن صالح:وسمعت ذلك أيضا من الفقيه محمد بن الزرندي عن بعض شيوخ العراق أو العجم أنه يقول عندما يمسح عينيه:صلى الله عليك يا سيدي يا رسول الله يا حبيب قلبي ويا نور بصري ويا قرة عيني، وقال لي كل منهما:منذ فعله لم ترمد عيني'' ترجمہ: ابن صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے فقیہ محمد بن زرندی سے بھی یہ سُنا اور وہ عراق یا عجم کے بعض مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں سے لگاتے وقت یہ پڑھے صلى الله عليك يا سيدي يا رسول الله يا حبيبَ قلبي ويا نورَ بَصَري ويا قُرَّةَ عيني۔ ابن صالح فرماتے ہیں ان میں سے ہر شیخ نے مجھ سے کہا جب سے میں یہ عمل کر رہا ہوں میری آنکھیں نہیں دُکھیں۔

(القاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص605، دار الکتاب العربی، بیروت)

(8) پھر فرماتے ہیں: ''قال ابن صالح:وأنا ولله الحمد والشكر منذ سمعته منهما استعملته فلم ترمد عيني، وأرجو أن عافيتهما تدوم، وأني أسلم من العمى إن شاء الله'' ترجمہ: ابن صالح فرماتے ہیں کہ الحمد للہ جب سے میں نے ان دونوں حضرات سے سُنا ہے، میری آنکھوں میں بھی کبھی تکلیف نہ ہوئی، اور مجھے امید ہے کہ میری آنکھیں ہمیشہ عافیت میں رہیں گی اور ان شاء اللہ تعالیٰ میں اندھے پن سے بھی محفوظ رہوں گا۔

(القاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص605، دار الکتاب العربی، بیروت)

(9) مزید فرماتے ہیں: ''وقال الطاوسي:إنه سمع من الشمس محمد ابن أبي نصر البخاري خواجه حديث:من قبل عند سماعه من المؤذن كلمة الشهادة ظفري إبهاميه ومسهما على عينيه يعم'' ترجمہ: طاؤسی نے فرمایا کہ انہوں نے محمد بن نصر بخاری سے سنا کہ جوشخص موذن سے کلمہ شہادت سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخن چوم کر آنکھوں سے لگائے وہ اندھا نہ ہوگا۔

(القاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص606، دار الکتاب العربی، بیروت)

(10) علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی (متوفی 1231ھ) فرماتے ہیں:

"ذکر القهستانی عن کنز العباد أنه یستحب أن یقول عند سماع الأولی من الشهادتین للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم صلی الله علیك یا رسول الله وعند سماع الثانیة قرت عینی بك یا رسول الله اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع إبهامیه علی عینیه فإنه صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم یکون قائدا له فی الجنة وذکر الدیلمی فی الفردوس من حدیث أبی بکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعا من مسح العین بباطن أنملة السبابتین بعد تقبیلهما عند قول المؤذن أشهد أن محمدا رسول الله وقال:أشهدأن محمدا عبده ورسوله رضیت بالله ربا وبالإسلام دینا وبمحمد صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم نبیا حلت له شفاعتی اهـ وکذا روی عن الخضر علیه السلام وبمثله یعمل فی الفضائل" ترجمہ: قہستانی نے کنز العباد سے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہادتوں میں سے پہلی کو سننے کے وقت یہ کہنا مستحب ہے "یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے" اور دوسری کو سننے کے وقت "یارسول اللہ! آپ سے میری آنکھ ٹھنڈی ہوگئی اے اللہ تو مجھے سماعت اور بصارت سے نفع عطا فرما" آنکھوں پر انگوٹھے رکھنے کے بعد، تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنت میں اس کے قائد ہوں گے۔ اور دیلمی نے فردوس میں حضرت ابوبکر صدیق کی روایت سے مرفوعا ذکر کیا ہے کہ جس نے مؤذن کے اشہدان محمدا رسول اللہ کہنے کے وقت دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیوں کو چوم کر ان کے پوروں کے اندرونی حصے کو آنکھوں پر ملا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔ تو اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ حضرت خضر علیہ السلام سے بھی اسی طرح مروی ہے اور فضائل میں اس کی مثل پر عمل کرلیا جاتا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، باب الاذان، ج1، ص205، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(11) جامع الرموز میں ہے:

"واعلم انه یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشهادة الثانیة "صلی الله تعالیٰ علیك یارسول الله "وعند الثانیة منها "قرة عینی بك یارسول الله "ثم یقال "اللهم متعنی بالسمع والبصربعدوضع ظفری الابهامین علی العینین "فانه صلی الله تعالی علیه وسلم یکون قاعداً لهالی الجنة کذافی کنزالعباد "ترجمہ: خبردار ہو بیشک مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشهد ان محمدا رسول اللہ سنے" صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ "کہے اور دوسری بار" قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ "پھر انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر کہے" اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ "کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اُسے جنت میں لے جائیں گے، ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔

(جامع الرموز، فصل الاذان، ج1، ص125، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس، ایران)

(12) امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور پُر نور شفیع یوم النشور صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز، جس کے جواز پر مقام تبرع میں دلائل کثیرہ قائم، اور خود اگر کوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لئے دلیل کافی تھا، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمہ ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے اور متمسک باصل محتاجِ دلیل نہیں، پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشاد علما وعمل قدیم سلف صلحا سب کچھ موجود۔ علمائے محدثین نے اس باب میں حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر وحضرت ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا امام حسن وحسین وحضرت نقیب اولیائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا ابو العباس خضر علی الحبیب الکریم وعلیہم جمیعا الصلاۃ والتسلیم وغیرہم اکابر دین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مستطاب مقاصد حسنہ میں ذکر فرمائی اور جامع الرموز شرح نقایہ، مختصر الوقایہ وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد ورد المحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتب فقہ میں اس فعل کے استحباب واستحسان کے صاف تصریح آئی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج5، ص431، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اشکال

جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک پر انگوٹھے چومنے کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں، ان کے بارے میں محدثین وفقہاء نے لکھا کہ "بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں" جیسا کہ مقاصد حسنہ میں فرمایا: "لا یصحّ فی المرفوع مِنْ کُلّ ھذا شَیْء ترجمہ: بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں۔

(المقاصد الحسنہ، حرف المیم، ج1، ص606، دار الکتاب العربی، بیروت)

یہی بات علامہ شامی نے بھی علامہ اسماعیل جراحی کے حوالے سے نقل فرمائی ہے۔

(رد المحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص398، دار الفکر، بیروت)

اس کے جوابات

(1) ان احادیث کے بارے میں علما کا یہ فرمانا کہ یہ صحیح نہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ احادیث موضوع (گڑھی ہوئی) ہیں، بلکہ ضعیف ہونا بھی لازم نہیں آتا کیونکہ صحیح کے نیچے درجہ صحیح لغیرہ کا ہے، اس کے بعد حسن کا درجہ ہے، اس کے بعد حسن

لغیرہ کا درجہ ہے اور جس طرح صحیح دلیل بنتی ہے اسی طرح اس کے نیچے باقی تین قسمیں بھی بالاتفاق دلیل بن سکتی ہیں۔

بدرالدین زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح پھر امام جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ پھر علامہ علی بن محمد بن عراق کنانی تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں "بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، فان الوضع اثبات الکذب والاختلاق، وقولنا لم یصح لایلزم منه اثبات العدم، وانما هو اخبار عن عدم الثبوت، وفرق بین الامرین "یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے کہ موضوع کہنا تو اسے کذب وافتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفی حدیث لازم نہیں، بلکہ اُس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے، اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ (مجمع بحار الانوار، فصل وعلومہ واصطلاحہ، جلد 3، صفحہ 506، نولکشور لکھنو)

موضوعات کبیر میں مولانا علی قاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں: "غَایَتُهُ أَنَّهُ ضَعِیفٌ مَعَ أَنَّ قَوْلَ السَّخَاوِیِّ لَا یَصِحُّ لَا یُنَافِی الضَّعْفَ وَالْحُسْنَ" ترجمہ: زیادہ سے زیادہ یہ ضعیف ہے، علاوہ ازیں امام سخاوی نے فرمایا کہ "لایصح" ضعف اور حسن کے منافی نہیں۔ (الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، صفحہ 249، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

القول المسدد فی الذب عن مسند احمد میں امام ابن حجر عسقلانی (المتوفی 852) فرماتے ہیں "لایلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا "یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

(القول المسدد، الحدیث السابع، صفحہ 45، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ہند)

علامہ طاہر صاحب مجمع تذکرۃ الموضوعات میں امام سند الحفاظ عسقلانی سے ناقل "ان لفظ "لایثبت" لایثبت الوضع فان الثابت یشمل الصحیح فقط، والضعیف دونه "یعنی کسی حدیث کو بے ثبوت کہنے سے اس کی موضوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ ثابت فقط صحیح کو شامل ہے اور ضعیف کا درجہ اس سے کم ہے۔

(مجمع تذکرۃ الموضوعات، الباب الثانی فی اقسام الواضعین، صفحہ 7، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

(2) اور بالفرض اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہیں تو کثرتِ طرق (ایک سے زیادہ اسناد ہونے) کی وجہ سے حسن لغیرہ ہوگئیں ہیں، اور یہ بھی بالاتفاق دلیل بن سکتی ہیں۔

(3) اگر بالفرض اس کو کثرتِ طرق کی وجہ سے قوت نہ بھی ملتی تب بھی علماء کے عمل نے اس کو قوت دے دی، کیونکہ علماء کا کسی حدیث پر عمل کرنا اس کو قوی بنا دیتا ہے۔

(4) اگر بالفرض یہ احادیث ضعیف ہیں اور کثرتِ طرق اور عملِ علماء ان کو قوت نہ بھی دیتے تب بھی انگوٹھے چومنے والے مسئلے میں ان کو دلیل بنایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ فضائلِ اعمال سے ہے اور فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بھی بالاجماع مقبول

ہوتی ہے۔ الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی (المتوفی 676ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال العلماء من المحدثین والفقھاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا "ترجمہ: محدثین وفقہا وغیرہم علما نے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

(کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فصل قال العلماء من المحدثین، صفحہ 8، دار الفکر، بیروت)

(5) اگر بالفرض انگوٹھے چومنے کے بارے میں کوئی روایت نہ بھی ہوتی تب بھی یہ عمل مستحب ہی ہوتا کہ اکابر ائمہ وعلما سے مروی ومنقول ہے اور جسے مسلمان بالخصوص علماء وائمہ اچھا سمجھ کر کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: ((ماراہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسنا)) یعنی جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(6) اگر یہ سب نہ بھی ہوتا تب بھی اس کے جواز کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اسلاف میں سے منقول ہے کہ یہ عمل بصارت کے لئے مفید ہے اور مجرب (تجربہ شدہ) ہے اور اس میں کسی شرعی حکم کا خلاف لازم نہیں آرہا۔

(7) بلکہ محدثین کا یہ فرمانا کہ "اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں" تو اس سے پتا چلا کہ انہوں نے حدیث موقوف کی صحت کی نفی نہ کی۔ (مرفوع حدیث کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول فعل یا تقریر ہو اور حدیث موقوف کا مطلب ہے کہ کسی صحابی کا قول فعل یا تقریر ہو) جب حدیث موقوف صحیح اس بارے میں موجود ہے تو وہ بھی دلیل بن سکتا ہے۔

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"قُلْتُ وَإِذَا ثَبَتَ رَفْعُهُ الی الصِّدِّیقِ فَیَکْفِی الْعَمَلُ بِهِ لِقَوْلِهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ "ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت عمل کو بس ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنّت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، ج1، ص316، دار الامانہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

بدمذہبوں نے اس جملہ "بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں" کو دیکھ کر ان احادیث کریمہ پر موضوع اور باطل ہونے کا حکم لگا دیا اور انگوٹھے چومنے سے سختی سے روکنے اور اپنی عادت کے مطابق شرک وبدعت کے فتوے لگانے لگے، امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے بدمذہبوں کے اس پروپگنڈے کے خلاف ایک رسالہ لکھا اور اس میں محدّثانہ شان سے کلام فرمایا، چنانچہ ابتدا میں اس کا اجمالی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

خادمِ حدیث پر روشن کہ اصطلاحِ محدثین میں نفیِ صحت نفیِ حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفیِ صلاح وتماسک وصلوحِ تمسک، نہ کہ دعوائے وضع کذب، تو عندالتحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاحِ محدثین حکمِ صحت صحیح نہیں یونہی حکمِ وضع وکذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بتصریحِ ائمہ فن کثرتِ طرق سے جبرِ نقصان متصوّر اور عملِ علماء وقبولِ قدماء حدیث کے لئے قوی، دیگر اور نہ سہی تو فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول، اور اس سے بھی گزرے تو بلاشبہہ یہ فعل اکابرِ دین سے مروی ومنقول اور سلف صالح میں حفظِ صحتِ بصر وروشنائی چشم کے لئے مجرب اور معمول، ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہوتو اسی قدر سند کافی بلکہ اصلاً نقل بھی نہ ہوتو صرف تجربہ وافی کہ آخر اس میں کسی حکمِ شرعی کا ازالہ نہیں، نہ کسی سنتِ ثابتہ کا خلاف، اور نفع حاصل تو منع باطل، بلکہ انصاف کیجئے تو محدثین کا نفیِ صحت کو احادیث مرفوعہ سے خاص کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ احادیثِ موقوفہ کو غیر صحیح نہیں کہتے پھر یہاں حدیث موقوف کیا کم ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص431، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

(حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنیٰ نہیں کہ غلط ہے) محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط وباطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت ودشوار اور موانع وعلائق کثیر وبسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں "یہ حدیث صحیح نہیں "یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عندالتحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں۔

تو یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ صحتِ حدیث سے انکار نفیِ حسن میں بھی نص نہیں جس سے قابلیت احتجاج منفی ہو نہ کہ صالح ولائق اعتبار نہ ہونا نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائیگا کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر واقع ہیں، سب سے اعلیٰ صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور وسط میں بہت اقسامِ حدیث ہیں درجہ بدرجہ۔ (فتاوی رضویہ، ج5، ص431 تا 440، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 156

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الدُّعَاءَ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ

اذان واقامت کے درمیان کی دُعا رَدّ نہیں کی جاتی

212. حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَأَبُو أَحْمَدَ، وَأَبُو نُعَيْمٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدٍ العَمِّيِّ، عَنْ أَبِي إِيَاسٍ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الدُّعَاءُ لَا يُرَدُّ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ، قال ابو عيسىٰ: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو إِسْحَاقَ الهَمْدَانِيُّ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ هَذَا

حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان (مانگی جانے والی) دُعا رَدّ نہیں کی جاتی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''حسن'' ہے۔

ابواسحاق ہمدانی نے بھی یزید بن مریم اور حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واسطہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

تخریج حدیث 212: (سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی الدعا بین الاذان، ج1، ص144، حدیث 521، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، الساعۃ التی یستجاب فیہا الدعاء، ج6، ص31، حدیث 29247، مکتبۃ الرشد، ریاض ☆ مسند احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج19، ص234، حدیث 12200، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی)) مراد یہ ہے کہ تم اس وقت میں دعا کرو جیسا کہ دوسری روایت میں ہے اور یہ مقبولیت وقت کے شرف کی وجہ سے ہے۔ **((اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے))** اور کہا یہ حدیث حسن ہے، اس کو میرک نے نقل کیا ہے۔ اور علامہ ابن حجر نے کہا: اس کی سند صحیح ہے اور ایک روایت جس کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے اس میں اس طرح ہے: **((اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم کیا دعا مانگیں تو حضور نے ارشاد فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں عافیت مانگو۔))**

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن، ج2، ص569، دار الفکر، بیروت)

دعا کی قبولیت اور عدمِ قبولیت کے اسباب

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی)) ابن قیم نے کہا یہ اس بات سے مشروط ہے کہ دعا کرنے والے کا دل فعال اور ہمت مؤثر ہو تو اس وقت یہ دعا مصائب و تکالیف کو دور کرنے اور مقصود و مطلوب کے حصول میں قوی ترین اسباب میں سے ہوگی لیکن کبھی اس کا اثر نہیں بھی ہوتا نفس دعا میں کمزوری کی وجہ سے جیسا کہ وہ دعا جو نافرمانی کے متعلق ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا یا وقتِ دعا ضعف قلب اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور دلجمعی نہ ہونے کی وجہ سے جیسا کہ نرم کمان سے تیر ضعف کے ساتھ نکلتا ہے، یا قبولیت سے مانع کسی امر کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے حرام کھانا، ظلم، گناہ کا غالب آجانا، غفلت، سہو اور لہو کا غالب آجانا تو یہ امور اس کی قوت کو باطل کر دیتے ہیں یا اس کو ضعیف کر دیتے ہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے اور ابن عدی، ابن قطان اور مغلطائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حافظ عراقی نے کہا اس کو امام نسائی نے الیوم واللیلۃ میں ایک دوسری جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(فیض القدیر، فصل فی المحلی بال من حذا الحرف الخ، ج3، ص541، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث کی شرح میں علامہ مناوی فرماتے ہیں:

(اذان و اقامت کے درمیان دعا مقبول ہوتی ہے تو تم دعا کرو) جبکہ دعا کی شرائط جمع ہوں ان شرائط میں سے کچھ یہ

ہیں: دل کا حاضر ہونا، مطلوب پر مکمل طور پر دلجمعی کا ہونا، خشوع وانکساری، عاجزی، خضوع اور توجہ وغیرہ کا ہونا ہے۔ دعا سے پہلے توبہ واستغفار کرنا، ظلم کو ترک کرنا اور طہارت وغیرہ کا ہونا ہے۔ بہت دفعہ کوئی انسان دوسرے انسان کو دیکھتا ہے کہ اس نے کسی وقت میں دعا کی تو اس کی دعا قبول ہوگئی تو وہ گمان کرتا ہے کہ اس وقت اور ان الفاظ میں کوئی راز ہے پس وہ دعا کرنے والے کی طرف سے اس دعا سے ملے ہوئے بقیہ امور کو چھوڑ کر محض اس کو پکڑ لیتا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اگر کوئی شخص کسی خاص وقت، حالت اور استعداد میں کوئی نفع بخش دوائی استعمال کرے پھر وہ دوائی اس کو نفع دے تو کوئی یہ گمان کرلے محض اس دوائی کا استعمال ہی کافی ہے تو یہ غلط ہے۔ (فیض القدیر، فصل فی المحلی بال من ھذا الحرف الخ، ج3، ص541، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

اذان کے بعد کی دعائیں اور اذکار

(1) اللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیلَۃَ وَالْفَضِیلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِی وَعَدْتَہُ۔

اذان کے بعد یہ دعا پڑھنے والے کے لیے شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

(صحیح بخاری، باب الدعاء عند النداء، ج1، ص126، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(2) درود پاک۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ)) ترجمہ: جب تم مؤذن کو سنو تو جو وہ کہتا ہے اس کی مثل کہتے جاؤ، پھر مجھ پر درود پڑھو، بے شک جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو۔

(صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، ج1، ص290، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا

جو اذان کے بعد یہ کلمات پڑھے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(صحیح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، ج1، ص288، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) مطلقاً کوئی بھی دعا مانگنا کہ وقتِ قبولیت ہے۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((سَاعَتَانِ تُفْتَحُ لَهُمَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَقَلَّ دَاعٍ تُرَدُّ عَلَيْهِ دَعْوَتُهُ: حَضْرَةُ النِّدَاءِ لِلصَّلَاةِ وَالصَّفُّ فِي سَبِيلِ اللهِ)) ترجمہ: دو گھڑیوں میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی دعا کرنے والے کی دعا رد کی جائے، نماز کی اذان کے وقت اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صف بناتے وقت۔

(موطا امام مالک، ماجاء فی النداء للصلاۃ، ج2، ص95، موسسۃ زاید بن سلطان للاعمال الخیریۃ والانسانیۃ، ابوظبی امارات)

علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی (متوفی 1182ھ) نے اذان کے بعد دعاؤں اور اذکار کا تفصیلی ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

((اذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی)) ان اوقات میں دعا کی مقبولیت پر حدیث دلیل ہے کیونکہ رد نہ ہونے سے مراد قبولیت ہی ہے پھر یہ قبولیت ہر دعا کو عام ہے لیکن اس کے علاوہ احادیث میں جو قیودات ہیں ان سے مقید کرنا ضروری ہے مثلاً وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو۔ اور تحقیق اذان کے بعد کی معین دعائیں بھی منقول ہیں اور یہ وقت اذان واقامت کے درمیان ہی ہے جیسے وہ کہے: ((رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا)) میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے یہ کہا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور وہ اذان کے جواب سے فارغ ہو کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر کہے: ((اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ)) اے اللہ، اس کامل دعوت اور قائم نماز کے رب! تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر مبعوث فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور یہ صحیح بخاری میں ہے اور ان کے علاوہ نے یہ اضافہ کیا ہے: ((إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ)) بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اس کے بعد وہ اپنے لئے دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنن میں مروی ہے: ((قُلْ مِثْلَ مَا يَقُولُ "أَيِ الْمُؤَذِّنُ" فَإِذَا انْتَهَتْ فَسَلْ تُعْطَهُ)) تم موذن کی مثل کہو پس جب اذان ختم ہو جائے تو مانگو تمہیں دیا جائے گا۔ اور امام احمد بن حنبل نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ((مَنْ قَالَ حِينَ يُنَادِي الْمُنَادِي: اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْقَائِمَةِ وَالصَّلَاةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَارْضَ عَنْهُ رِضًا لَا سَخَطَ بَعْدَهُ اسْتَجَابَ اللهُ دَعْوَتَهُ)) جس نے موذن کے اذان دینے کے وقت کہا: اے اللہ اس قائم دعوت اور نفع بخش نماز کے رب تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرما اور ان سے ایسا راضی ہو جا جس کے بعد ناراضی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اور امام ترمذی نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی وہ فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سکھایا کہ میں اذان مغرب کے بعد کہوں: ((اللّٰهُمَّ هٰذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِدْبَارُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَاتِكَ، فَاغْفِرْ لِي)) اے اللہ یہ تیری رات کا آنا اور تیرے دن کا

جانا اور تیری طرف بلانے والوں کی آوازیں ہیں تو مجھے بخش دے۔

امام حاکم نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مؤذن کو سنتے تھے تو کہتے: ((اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْمُسْتَجَابَةِ الْمُسْتَجَابِ لَهَا دَعْوَةُ الْحَقِّ وَكَلِمَةُ التَّقْوٰى تَوَفَّنِي عَلَيْهَا وَأَحْيِنِي عَلَيْهَا وَاجْعَلْنِي مِنْ صَالِحِي أَهْلِهَا عَمَلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) اے اللہ اس مقبول دعوت کے رب وہ دعوت کہ جس کو قبول کیا جائے، حق کی دعوت، کلمہ تقوی تو مجھے اس پر موت دینا اور مجھے اسی پر زندہ رکھنا اور قیامت کے دن مجھے عمل کے اعتبار سے اس کے اہل صالحین میں سے قرار دینا۔

اور تحقیق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان واقامت کے درمیان دعا بھی معین فرمائی کیونکہ آپ نے فرمایا اذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کیا کہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ((سَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں عفو وعافیت کا سوال کرو۔ ابن قیم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام بیہقی نے ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلمۂ اقامت (یعنی قد قامت الصلوۃ) کے وقت یہ کہا کرتے تھے: اقامها الله وادامها۔ اور دوسرے مقام پر دوسری دعائیں۔ (سبل السلام، الدعاء بین الاذان والاقامۃ لا یرد، ج 1، ص 195، مطبوعہ دار الحدیث)

ابواسحاق الہمدانی والی روایت:

امام جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

ابوایاس معاویہ بن قرۃ سے مروی ہے وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔ حدیث انس حسن ہے۔

اور تحقیق اس کو ابواسحاق ہمدانی نے اس سند سے روایت کیا ہے: حضرت بریدہ بن ابومریم حضرت انس سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔

منذری نے کہا: حدیث بریدہ زیادہ عمدہ ہے تو اولیٰ یہ ہے کہ اس کو حضرت بریدہ والی سند سے ہی بیان کیا جائے اور ابن سید الناس نے کہا: بے شک یہ اجود ہے کیونکہ اس کے مرفوع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور حدیث معاویہ کے مرفوع وموقوف ہونے میں اختلاف ہے اور علماء کے نزدیک اس کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے، بعض نے اس کو سفیان بن مہدی سے موقوفاً ذکر کیا ہے۔

لہٰذا جو امام ترمذی نے کیا ہے وہ اولیٰ ہے کیونکہ انہوں نے مختلف فیہ روایت کو نقل کیا اور اس کے استشہاد کیلئے اس

روایت کو پیش کر دیا جس میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ مختلف فیہ روایت سے استشہاد پیش کرنا اچھا نہ ہوتا۔ عبارت ختم ہو گئی۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص126 تا 128، جامعہ ام القریٰ، مکۃ المکرمہ)

باب نمبر 157

بَابُ مَا جَاءَ كَمْ فَرَضَ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کیں؟

213. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: فُرِضَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ الصَّلَوَاتُ خَمْسِينَ، ثُمَّ نُقِصَتْ حَتَّى جُعِلَتْ خَمْسًا، ثُمَّ نُودِيَ: يَا مُحَمَّدُ، إِنَّهُ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، وَإِنَّ لَكَ بِهَذِهِ الْخَمْسِ خَمْسِينَ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَطَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، وَأَبِي ذَرٍّ، وَأَبِي قَتَادَةَ، وَمَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قال ابو عيسى: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ "

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شب معراج نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر کمی کی گئی یہاں تک کہ اُنہیں پانچ کر دیا گیا، پھر اعلان کیا گیا: اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! میرے ہاں بات نہیں بدلتی اور تمہارے لئے اِن پانچ (نمازوں) کے عوض پچاس (نمازوں کا ثواب) ہے۔

اس باب میں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت ابوقتادہ، حضرت ابوذرؓ، حضرت مالک بن صَعصَعہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "حسن صحیح غریب" ہے۔

تخریج حدیث 213: (صحیح بخاری بالفاظ مختلفۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء، ج1، ص78، حدیث 349، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم بالفاظ مختلفۃ، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص145، حدیث 162، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، فرض الصلاۃ وذکر اختلاف الناقلین الخ، ج1، ص221، حدیث 449، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی فرض الصلوات الخمس، ج1، ص448، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

مفصل حدیث پاک

صحیح بخاری میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَفَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلاَةً فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى، فَقَالَ: مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: فَرَضَ خَمْسِينَ صَلاَةً قَالَ: فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تُطِيقُ ذَلِكَ فَرَاجَعْتُهُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، قُلْتُ: وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تُطِيقُ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تُطِيقُ ذَلِكَ فَرَاجَعْتُهُ فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ، وَهِيَ خَمْسُونَ لاَ يُبَدَّلُ القَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي)) ترجمہ: اللہ عزوجل نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں، میں اس حکم کے ساتھ واپس آیا، یہاں تک کہ میں موسی علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں، کہا: اپنے رب کی بارگاہ میں واپس جائیے کہ آپ کی امت اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھے گی، میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ حصہ کم فرمادیا، پھر واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ اللہ نے کچھ کم کردی ہیں انہوں نے کہا: آپ پھر جائیں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہ رکھ سکے گی، میں پھر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ اور کم کردیا میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر کہا کہ آپ واپس جائیں کہ آپ کی امت اتنی نمازوں کی طاقت نہ رکھ سکے گی، میں پھر واپس اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ عزوجل نے فرمایا: یہ نمازیں پانچ ہیں لیکن ان کا ثواب پچاس کے برابر ہوگا کہ میرا قول نہیں بدلتا، میں پھر جب موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر کہا کہ واپس جائیے، میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ (صحیح بخاری، کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء، ج1، ص78، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

صحیح مسلم میں ہے:

((فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِينَ صَلاَةً فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَنَزَلْتُ إِلَى مُوسَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: خَمْسِينَ صَلاَةً قَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ يُطِيقُونَ ذَلِكَ فَإِنِّي قَدْ بَلَوْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَخَبَرْتُهُمْ "، قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي، فَقُلْتُ: يَا رَبِّ خَفِّفْ عَلَى أُمَّتِي، فَحَطَّ عَنِّي خَمْسًا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقُلْتُ: حَطَّ عَنِّي خَمْسًا قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لاَ يُطِيقُونَ ذَلِكَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ "، قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى، وَبَيْنَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلاَمُ حَتَّى قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ

لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ، فَذَلِكَ خَمْسُونَ صَلَاةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَاحِدَةً "، قَالَ: فَنَزَلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى مُوسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ "، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَقُلْتُ: قَدْ رَجَعْتُ إِلَى رَبِّي حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ)) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں تو میں حضرت موسیٰ کے پاس اترا تو انہوں نے کہا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ انہوں نے کہا: آپ اپنے رب کے پاس واپس جا کر تخفیف کا سوال کیجئے، بے شک آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی تحقیق میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا ہے، حضور فرماتے ہیں: میں اپنے رب کی طرف لوٹا، میں نے کہا اے میرے رب! میری امت پر تخفیف فرما تو اس نے مجھ سے پانچ نماز کم کر دیں پھر میں حضرت موسیٰ کی طرف لوٹا تو میں نے کہا: مجھ سے پانچ نمازیں کم ہو گئیں تو انہوں نے کہا بے شک آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی تو آپ اپنے رب کی طرف واپس جا کر تخفیف کا سوال کریں۔ حضور فرماتے ہیں میں مسلسل اپنے رب تبارک وتعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! ہر دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کا ثواب دس گنا ہے تو یہ پچاس ہو جائیں گی۔ اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا پھر وہ کر نہ سکا تو اس کی ایک نیکی لکھ دی جائے گی پھر اگر اس نے کر لی تو اس کی دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے برائی کا ارادہ کیا پھر برائی کی نہیں تو کچھ نہیں لکھا جائے گا پھر اگر اس نے برائی کر لی تو ایک ہی لکھی جائے گی، حضور فرماتے ہیں میں نیچے آیا یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا، میں نے ان کو بتایا تو کہنے لگے اپنے رب کے پاس واپس جا کر تخفیف کا سوال کریں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے کہا میں اپنے رب کے پاس اتنا گیا ہوں کہ مجھے اس سے حیا آنے لگی ہے۔

(صحیح مسلم، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ج1، ص145، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نماز کب فرض ہوئی

علامہ ابن بطال (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

علما کا اجماع ہے کہ نماز شب معراج فرض ہوئی، البتہ معراج کی تاریخ میں علماء کا اختلاف ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، کتاب الصلاۃ، ج2، ص6، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابن عبد البر (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

آثار اور اخبار وسیر کے علما کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مکہ میں اس وقت فرض ہوئی جب

آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصی سیر کرائی گئی پھر آپ کو آسمان پر لے جایا گیا پھر اگلے دن آپ کے پاس حضرت جبریل آئے تو آپ کو تمام اوقات پر نمازیں پڑھائیں۔ (الاستذکار، باب وقوت الصلاۃ، ج1، ص17، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

معراج کب ہوئی:

معراج کس سال ہوئی، کس مہینے میں ہوئی، کس تاریخ کو ہوئی، سب میں اختلاف ہے، راجح اور مشہور یہ ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے نبوت کے بارہویں سال رجب کی ستائیس (27) تاریخ کو ہوئی۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

معراج نبوت کے بارہویں سال میں ہوئی اور بیہقی کی روایت میں موسی بن عقبہ عن الزہری کے طریق سے ہے کہ مدینہ جانے سے ایک سال قبل آپ کو معراج کرائی گئی، اور سدی سے یہ منقول ہے کہ ہجرت سے چھ مہینہ پہلے، تو اس قول پر معراج ذی قعدہ کے مہینہ میں ہوئی اور زہری کے قول کے مطابق ربیع الاول میں ہوگی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معراج رجب کی ستائیسویں رات ہوئی اور اس کو حافظ عبدالغنی بن سرو المقدسی نے اپنی سیرت میں اختیار کیا ہے اور بعض علماء یہ سمجھتے ہیں کہ معراج رجب کے مہینہ میں پہلی شب جمعہ کو ہوئی اور یہی وہ بابرکت رات ہے جس میں نماز شروع کی گئی اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے پھر کہا گیا ہے کہ معراج ابوطالب کی وفات سے قبل ہوئی، اور ابن جوزی نے ذکر کیا کہ ان کی وفات کے بعد نبوت کے بارہویں سال میں ہوئی پھر کہا گیا ہے کہ نبوت کے تیرویں سال سترہ رمضان کو ہفتہ کی رات معراج ہوئی اور کہا گیا ہے کہ ربیع الاول میں ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ رجب میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب کیف فرضت الصلوات فی الاسراء، ج4، ص39،40، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

شیخ محمد بکری (اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکات سے سرسبز باغ میں نفع دے) نے جو ذکر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علما کا اس میں اختلاف ہے کہ معراج کس سال میں ہوئی بس اس پر اتفاق ہے کہ یہ بعثت کے بعد ہوئی ہے تو ایک جماعت نے اس پر جزم کیا کہ یہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی اور ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پانچ سال پہلے ہوئی۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس مہینہ میں ہوئی تو علامہ ابن اثیر اور علامہ نووی نے اپنے فتاوی میں اس پر جزم کیا کہ یہ ربیع الاول میں ہوئی، علامہ نووی نے فرمایا: ستائیسویں رات۔ اور ایک قول ہے کہ ربیع الاخر میں اور ایک قول ہے کہ رجب میں اور امام رافعی کی اتباع میں امام نووی نے الروضہ میں اس پر جزم کیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ شوال میں اور حافظ عبدالغنی مقدسی نے اپنی سیرت میں

اس پر جزم کیا کہ معراج رجب کی ستائیسویں رات میں ہوئی اواسی پر شہروں کے لوگوں کا عمل ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، ج 1، ص 352، دار الفکر، بیروت)

خزائن العرفان میں ہے ''نبوّت کے بارہویں سال سیدِ عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے نوازے گئے مہینہ میں اختلاف ہے مگر اشہر یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی۔ (خزائن العرفان، تحت الآیۃ ﴿سبحن الذی اسری الخ﴾، ص 365، قدرت اللہ کمپنی)

نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئیں یا چار چار

علامہ ابن عبد البر (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اخبار و سیر کے علما کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مکہ میں اس وقت فرض ہوئی جب آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ سیر کرائی گئی پھر آپ کو آسمان پر لے جایا گیا پھر اگلے دن آپ کے پاس حضرت جبریل آئے تو آپ کو تمام اوقات پر نمازیں پڑھائیں، ہاں البتہ نماز کے فرض ہونے کی ہیئت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے پس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئی پھر حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا تو مکمل چار کر دی گئیں اور ہماری اس حدیث کے راویوں میں بعض کا کہنا ہے کہ یہ اضافہ مدینہ میں ہوا اور سفر کی نماز کو دو رکعت ہی برقرار رکھا گیا۔

امام شعبی، امام حسن بصری (ایک روایت کے مطابق)، میمون بن مہران اور محمد بن اسحاق نے یہی کہا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نماز حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض کی گئی اور حضرت نافع بن جبیر بن مطعم (جو کہ نسب، ایام عرب اور فقہ میں قریش کے علما میں سے ایک عالم ہیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے رواۃ میں سے بھی ہیں، انہوں نے اُن سے حضرت جبریل کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت کرانے والی حدیث روایت کی ہے) فرماتے ہیں بے شک نماز شروع سے ہی چار رکعت فرض کی گئی مگر مغرب کہ وہ تین رکعت فرض کی گئی اور فجر دو رکعت فرض کی گئی اور ایک روایت کے مطابق حضرت حسن بصری کا یہی قول ہے اور یہی ابن جریج کا قول ہے۔ اور حضرت انس بن مالک قشیری کی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہ روایت منقول ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلَاةِ)) اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزے اور آدھی نماز کم کر دی۔ اور کم کرنا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ پہلے مکمل ہو اور حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی حدیث میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ((فُرِضَتِ الصَّلَاةُ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ)) حضر میں نماز چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض کی گئی۔ اور تحقیق ہم نے اس خبر کو باب قصر الصلوۃ میں ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کی سند کی علت بھی ذکر کی ہے اور وہ حدیث حسن ہے تو یہ

تمام چار سے دو کی طرف کمی پر دلالت کرتی ہیں اور اس بات پر کہ اصل چار رکعتیں ہیں نہ کہ دو رکعتیں۔ واللہ اعلم

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث عائشہ نقل کے اعتبار سے صحیح ہے اور یہ سند کے اعتبار سے حدیث قشیری وغیرہ سے زیادہ صحیح ہے اور یہ حدیث ابن عباس سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اصل فرض کی طرف حاجت نہیں سوائے قصر کے طریق پر اور اس شخص کے قول کی کوئی وجہ نہیں ہے جس نے یہ کہا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت قرآن کے اس فرمان کے متضاد ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصلواة﴾ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم نماز میں قصر کرلو۔ (سورۃ النساء)۔ اور تحقیق علماء کا اتفاق ہے کہ حالت امن میں سفر میں دو رکعتوں سے مزید قصر کسی نماز میں نہیں ہے کیونکہ حدیث عائشہ نے یہ وضاحت کردی کہ حالت حضر میں نماز میں اضافہ کیا گیا ہے، یہ معلوم ہے کہ نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی اور اضافہ مدینہ منورہ میں ہوا اور بے شک سورۃ النساء تو بعد میں نازل ہوئی ہے لہٰذا قصر مباح نہیں ہوئی مگر فرض مکمل ہونے کے بعد، اور اس کا یہی معنی ہے کہ قصر کا حکم نماز کے چار رکعت مکمل ہونے کے بعد وارد ہوا ہے اور آج اصل فرض کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ حضر کی نماز مکمل بغیر قصر کے ہے۔

(الاستذکار، باب وقوت الصلاۃ، ج 1، ص 17،18، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 158

بَابٌ فِي فَضْلِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ

پانچ نمازوں کی فضیلت کا بیان

214. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، مَا لَمْ يُغْشَ الْكَبَائِرُ، وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَأَنَسٍ، وَحَنْظَلَةَ الْأُسَيِّدِيِّ، قال ابو عيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازیں اور ایک جُمُعہ دوسرے جُمُعہ تک، اُن کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہے جب تک کبیرہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو۔

اس باب میں حضرت جابر، حضرت انس اور حضرت حنظلہ اُسیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایتیں ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

تخریج حدیث 214: (صحیح مسلم بالفاظ مختلفۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبۃ، ج 1، ص 208، حدیث 231، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، ثواب من توضأ کما امر الخ، ج 1، ص 91، حدیث 145، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی الوضوء علی ما امر الخ، ج 1، ص 156، حدیث 459، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

کبیرہ گناہوں میں مبتلا نہ ہونے کی قید لگانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جن گناہوں کا کفارہ ہے وہ صغیرہ گناہ ہیں تو تمام مطلق روایات کو اس مقید پر محمول کر دیا جائے گا، "اور جب تک کبیرہ میں مبتلا نہ ہو" اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ کبیرہ گناہ کرے گا تو وہ معاف نہیں کئے جائیں گے، یہ مراد نہیں ہے کہ صغیرہ کے معاف کرنے کیلئے کبیرہ سے بچنا شرط ہے کیونکہ محض کبیرہ سے بچنا ہی صغیرہ کو ختم کر دیتا ہے جیسا کہ قرآن اس پر ناطق ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صغائر کو صرف کبیرہ سے اجتناب ہی ختم کر سکتا ہے، اور جب کسی شخص کے صغیرہ گناہ نہ ہوں تو امید ہے کہ اتنی مقدار میں اس کے کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے ورنہ اس کو اتنی مقدار میں ثواب دیدیا جائے گا اور اس قسم کی تمام روایت میں یہی صورت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتح الباری لابن حجر، قولہ باب الدہن للجمعہ، ج2، ص372,373، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

((پانچوں نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک کفارہ ہے اس کیلئے جو ان کے درمیان ہو جب تک کہ کبیرہ گناہ میں مبتلا نہ ہو)) علامہ نووی نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے سوائے کبیرہ گناہوں کے کہ وہ نہیں بخشے جائیں گے اور یہ مراد نہیں ہے کہ گناہ اس وقت بخشے جائیں گے جب کہ کبیرہ نہ ہوں........ مزید فرمایا: کبھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب وضو نے یہ گناہ مٹا دیئے تو نماز کیا ختم کرے گی اور جب نماز نے یہ ختم کر دیئے تو جمعے اور رمضان کیا ختم کریں گے، اسی طرح یوم عرفہ اور عاشوراء کا روزہ اور ملائکہ کی امین کی موافقت کون سے گناہ ختم کریں گی؟

اس کا جواب وہ ہے جو علماء نے دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک گناہ ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اگر صغیرہ گناہ ہوئے تو یہ ان کو ختم کر دیں گے اور اگر صغیرہ اور کبیرہ دونوں نہ ہوئے تو اس کے بدلہ نیکیاں لکھی جائیں گی اور درجات بلند کئے جائیں گے اور اگر کبیرہ یا کبائر ہوئے اور صغیرہ نہ ہوئے تو ہم امید کرتے ہیں کہ کبائر میں سے تخفیف کر دی جائے گی اھ۔ ابن سید الناس نے کہا: علامہ نووی کے قول "ہمیں امید ہے کہ کبائر میں سے تخفیف کر دی جائے گی" میں دو وجوں سے نظر ہے: پہلی وجہ: گناہوں کا معاف کیا جانا اور طاعات پر مخصوص ثواب کا ہونا یہ امر توقیفی ہے اس میں ظن کو کوئی مجال نہیں اور دوسری وجہ: نص جو کبائر سے بچنے کے ساتھ وارد ہوئی ہے وہ اور جو محققین نے نقل کیا ہے کہ کبائر توبہ کے علاوہ معاف نہیں ہوتے اس کو رد کر رہے

ہیں۔علامہ قرطبی وغیرہ متاخرین نے کہا ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کہ بعض لوگوں کے اخلاص ،احسان اور آداب کے اعتبار سے ان کے کبائر اور صغائر دونوں ہی معاف کر دیئے جائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی،ابواب الصلاۃ،ج1،ص128,129،جامعہ ام القری،مکۃ المکرمہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب وضو نے یہ گناہ مٹا دیئے تو نماز کیا ختم کرے گی اور جب نماز نے یہ ختم کر دیئے تو جمعہ اور رمضان کیا ختم کریں گے،اسی طرح یوم عرفہ کا روزہ دو سال کا کفارہ ہے اور یوم عاشوراء ایک سال کا کفارہ ہے اور جب اس کی امین فرشتوں کی امین سے مل جائے تو اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان مذکورہ اعمال میں سے ہر ایک کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پس اگر صغیرہ گناہ ہوئے تو یہ ان کو ختم کر دیں گے اور اگر صغیرہ گناہ نہ ہوئے تو اس کیلئے نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور اس کے درجات بلند کر دیئے جائیں گے اور اگر اس کا ایک کبیرہ گناہ یا کئی کبیرہ گناہ ہوں اور صغیرہ کوئی نہ ہوں تو امید ہے کہ ان میں سے کم کر دیئے جائیں گے اور علامہ نووی نے کہا ہمیں کبیرہ کی تخفیف کی امید ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری،باب الوضوء ثلاثا ثلاثا،ج3،ص13،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

نماز کی اہمیت وفضائل پر آیات واحادیث

ایمان وتصحیح عقائد مطابق مذہب اہل سنت وجماعت کے بعد نماز تمام فرائض میں نہایت اہم واعظم ہے۔قرآن مجید واحادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس کی اہمیت سے مالا مال ہیں،جا بجا اس کی تاکید آئی اور اس کے تارکین پر وعید فرمائی،چند آیتیں اور حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں،کہ مسلمان اپنے رب عزوجل اور پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنیں اور اس کی توفیق سے ان پر عمل کریں۔

آیات مبارکہ:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ یہ کتاب پرہیزگاروں کو ہدایت ہے،جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم رکھتے اور ہم نے جو دیا اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

(پارہ01،سورۃ،آیت2-3)

اللہ عزوجل فرماتا ہے﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

(پارہ01،سورۃ،آیت43)

یعنی مسلمانوں کے ساتھ کہ رکوع ہماری ہی شریعت میں ہے۔ یا با جماعت ادا کرو۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى0وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ تمام نمازوں خصوصاً بیچ والی نماز (عصر) کی محافظت رکھو اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے رہو۔ (پارہ02، سورۃ البقرۃ، آیت238)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ۔

(پارہ16، سورۃ طٰہٰ، آیت14)

اللہ عزوجل ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (پارہ5، سورۃ النساء، آیت103)

نماز کی اہمیت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ عزوجل نے سب احکام اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین پر بھیجے، جب نماز فرض کرنی منظور ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عرشِ عظیم و قربِ خاص میں بلا کر اسے فرض کیا اور شبِ اسرا میں یہ تحفہ دیا۔

احادیث کریمہ

صحیح بخاری و مُسلِم میں ہے: ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ دینا اور حج کرنا اور ماہِ رمضان کا روزہ رکھنا۔

(صحیح بخاری، باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی الاسلام الخ، ج1، ص11، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان أرکان الاسلام، ج01، ص45، مکتبہ ارإحیاء التراث العربی - بیروت)

پانچ نمازیں پڑھیے اور پچاس نمازوں کا ثواب کمائیے

صحیح بخاری میں ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

((فَفَرَضَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى، فَقَالَ:مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ:فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَاةً قَالَ:فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، قُلْتُ:وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ:رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ

فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ تُطِيقُ ذَلِكَ فَرَاجَعْتُهُ فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ، وَهِيَ خَمْسُونَ لاَ يُبَدَّلُ القَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي)) ترجمہ: اللہ عزوجل نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں، میں اس حکم کے ساتھ واپس آیا، یہاں تک کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں، کہا: اپنے رب کی بارگاہ میں واپس جائیے کہ آپ کی امت اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھے گی، میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ حصہ کم فرمادیا، پھر واپس آکر موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ اللہ نے کچھ کم کردی ہیں انہوں نے کہا: آپ پھر جائیں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہ رکھ سکے گی، میں پھر گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ اور کم کردیا میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر کہا کہ آپ واپس جائیں کہ آپ کی امت اتنی نمازوں کی طاقت نہ رکھ سکے گی، میں پھر واپس اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ عزوجل نے فرمایا: یہ نمازیں پانچ ہیں لیکن ان کا ثواب پچاس کے برابر ہوگا کہ میرا قول نہیں بدلتا، میں پھر جب موسیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے پھر کہا کہ واپس جائیے، میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ (صحیح بخاری، کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء، ج1، ص78، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

موسیٰ علیہ السلام نے وصال ظاہری کے بعد بھی ہماری مدد فرمائی، اللہ عزوجل کے پیارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے محبت کرتے ہیں اور آپ کو پہلے ہی سے یہ علم تھا، ہم سست لوگوں کو پہچانتے تھے کہ پچاس تو پچاس یہ لوگ پانچ بھی نہیں پڑھ سکیں گے۔

جنت میں لے جانے والا عمل

جامع ترمذی میں ہے: ((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ، قَالَ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ، وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ البَيْتَ)) ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا، وہ عمل ارشاد ہو کہ مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز قائم رکھ اور زکاۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھ اور بیت اللہ کا حج کر۔

(جامع الترمذی، أبواب الإیمان، باب ما جاء فی حرمۃ الصلاۃ، الحدیث: ، ج04، ص308، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

گناہوں کا کفارہ

صحیح مُسلم میں ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الصَّلَاةُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں اور جُمعہ سے جُمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک ان تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، جو ان کے درمیان ہوں جب کہ کبائر سے بچا جائے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الصلاۃ الخمس، جلد 01، ص209، مکتبہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نماز سے گناہ دھلتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا)) ترجمہ: بتاؤ تو کسی کے دروازہ پر نہر ہو وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرے کیا اس کے بدن پر میل رہ جائے گا؟ عرض کی نہ۔ فرمایا: یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب خطاؤں کو محو فرما دیتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المشی إلی الصلاۃ، ج01، ص462، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نمازیں گناہوں کو ختم کرتی ہیں

صحیح بخاری میں ہے: ((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ، إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود114) فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَلِي هَذَا؟ قَالَ: لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ)) ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب سے ایک گناہ صادر ہوا، حاضر ہو کر عرض کی، اُس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ نماز قائم کر دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں، یہ نصیحت ہے، نصیحت ماننے والوں کے لیے۔ انھوں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا یہ خاص میرے لیے ہے؟ فرمایا: میری سب اُمت کے لیے۔

(صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلاۃ کفارۃ، ج01، ص111، مکتبہ دار طوق النجاۃ)

نمازی کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خزاں میں درخت کے پتے

حضرت سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ: فَجَعَلَ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، قَالَ: فَقَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ

قَالَ:إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا يَتَهَافَتُ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سردیوں میں باہر تشریف لے گئے، پت جھاڑ کا زمانہ تھا، دو ٹہنیاں پکڑ لیں، پتے گرنے لگے، فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کی، لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے، تو اس سے گناہ ایسے گرتے ہیں جیسے اس درخت سے یہ پتے۔

(المسند للإمام أحمد بن حنبل، مسند الأنصار، حديث أبي ذر الغفاري، ج35، ص440,441، مؤسسة الرسالة، بيروت)

سب سے محبوب عمل

صحیح بخاری و مسلم میں ہے: ((عَبْدِ اللَّهِ قَالَ:سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَيُّ العَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ:الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا، قَالَ:ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:ثُمَّ بِرُّ الوَالِدَيْنِ قَالَ:ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ:حَدَّثَنِي بِهِنَّ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کیا ہے؟ فرمایا: وقت کے اندر نماز۔ میں نے عرض کی، پھر کیا؟ فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے عرض کی، پھر کیا؟ فرمایا: راہِ خدا میں جہاد۔

(صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلاۃ کفارۃ، ج01، ص112، مکتبہ دار طوق النجاۃ)

نماز دین کا ستون ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ عِنْدَ اللهِ فِي الْإِسْلَامِ؟ قَالَ:الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا وَمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَلَا دِينَ لَهُ وَالصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ)) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے عرض کی، یا رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب کیا چیز ہے؟ فرمایا: وقت میں نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑی اس کا کوئی دین نہیں۔ نماز دین کا ستون ہے۔

(شعب الإیمان، باب فی الصلوات، ج04، ص300، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیۃ ببومبای بالہند)

بچے سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) ترجمہ: جب تمہارے بچے سات برس کے ہوں، تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں، تو مار کر پڑھاؤ اور ان کے بستر الگ کر دو۔

(سنن أبي داود، کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، ج01، ص133، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

گناہ معاف، درجہ بلند

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَشَى إِلَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللهِ كَانَتْ خَطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيئَةً وَالْأُخْرَى تَرْفَعُ دَرَجَةً)) ترجمہ: جو شخص اپنے گھر میں طہارت (وضو و غسل) کر کے فرض ادا کرنے کے لیے مسجد کو جاتا ہے، تو ایک قدم پر ایک گناہ محو ہوتا، دوسرے پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المشی الی الصلاۃ، ج01، ص462، مکتبہ دار احیاء التراث العربی - بیروت)

قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ فَإِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ لَهُ سَائِرُ عَمَلِهِ وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ)) ترجمہ: سب سے پہلے قیامت کے دن بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر یہ درست ہوئی تو باقی اعمال بھی ٹھیک رہیں گے اور یہ بگڑی تو سبھی بگڑے۔

(المعجم الأوسط للطبرانی، باب الألف، ج2، ص240، مکتبہ دار الحرمین، القاہرۃ)

اعضائے سجود کو کھانا جہنم کی آگ پر حرام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((تَأْكُلُ النَّارُ ابْنَ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ، حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ)) ترجمہ: (جو مسلمان جہنم میں جائے گا والعیاذ باللہ تعالیٰ) اس کے پورے بدن کو آگ کھائے گی سوا اعضائے سجود کے، اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا آگ پر حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، أبواب الزھد، باب صفۃ النار، ج2، ص1446، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی)

جنت کی کنجی نماز

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الْوُضُوءُ وَمِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ)) ترجمہ: جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت۔

(مسند أبی داود الطیالسی، جلد 3، ص337، مکتبہ دار ہجر، مصر)

حج کرنے والے جیسا اجر

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ، وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَا يَنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فَأَجْرُهُ

كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ، وَصَلَاةٌ عَلَى أَثَرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلِّيِّينَ)) ترجمہ: جو طہارت کر کے اپنے گھر سے فرض نماز کے لیے نکلا اس کا اجر ایسا ہے جیسا حج کرنے والے محرم کا اور جو چاشت کے لیے نکلا اس کا اجر عمرہ کرنے والے کی مثل ہے "اور ایک نماز دوسری نماز تک کہ دونوں کے درمیان میں کوئی لغویات نہ ہو علیین میں لکھی ہوئی ہے۔ (یعنی درجہ قبول کو پہنچتی ہے۔)

(سنن أبی داود، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی فضل المشی إلی الصلاۃ، ج 1، ص 153، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

سجدہ میں بندہ اللہ عزوجل سے قریب تر ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد)) ترجمہ: بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، جلد 01، صفحہ 350، مکتبہ دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

جہنم سے براءت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من صلی رکعتین فی خلأ لا یراہ إلا الله والملائکة کتب له براءة من النار)) ترجمہ: جو تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے کہ اللہ عزوجل اور فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے، اس کے لیے جہنم سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ (کنز العمال"، کتاب الصلاۃ، ج 7، ص 308، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

وقت پر نماز پڑھنے والے کے لیے بخشش کا عہد

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ)) ترجمہ: پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا اور نمازیں وقت میں پڑھیں اور رکوع و خشوع کو پورا کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر عہد کر لیا ہے کہ اسے بخش دے، اور جس نے نہ کیا اس کے لیے عہد نہیں، چاہے بخش دے، چاہے عذاب کرے۔

(سنن أبی داود"، کتاب الصلاۃ، باب المحافظۃ علی الصلوات، ج 1، ص 115، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

توحید اور نماز سے بہتر کوئی چیز نہیں

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللّٰه عز وجل لا یفترض شَيْئًا أفضل من التَّوْحِيد وَالصَّلَاة وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ أفضل مِنْهُ لافترضه على مَلَائِكَته مِنْهُم رَاكِع وَسَاجِد

))ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز فرض نہ کی، جوتو حیداور نماز سے بہتر ہو، اگر اس سے بہتر کوئی چیز ہوتی تو وہ ضرور ملائکہ پر فرض کرتا، ان میں کوئی رکوع میں ہے، کوئی سجدے میں۔ (الفردوس بمأثور الخطاب، ج1،ص165، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

فرشتے استغفار کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ((إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ)) تم میں سے جب کوئی مسجد آئے، نماز میں ایسا مشغول ہو کہ نماز اسے روک لے یعنی اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ تو فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہوئے کہتے ہیں: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ۔ جب تک نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا رہے، جب تک بے وضو نہ ہو جائے۔

(سنن ابن ماجہ واللفظ لہ، ج1،ص262، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی ☆ سنن أبي داود، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی فضل المشی إلی الصلاۃ، ج1،ص153، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

سب سے پسندیدہ حالت

حضور نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ((مَا مِنْ حَالٍ يَكُونُ عَلَيْهَا الْعَبْدُ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ أَنْ يَرَاهُ سَاجِدًا مُعَفِّرًا وَجْهَهُ فِي التُّرَابِ)) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی یہ حالت سب سے زیادہ پسند ہے کہ اسے سجدہ کرتا دیکھے کہ اپنا منہ خاک پر رگڑ رہا ہے۔ (المعجم الأوسط للطبرانی، باب المیم، ج6،ص158، دارالحرمین، القاہرۃ)

نماز کی وجہ سے زمین کی بزرگی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْ صَبَاحٍ وَلَا رَوَاحٍ إِلَّا وبقَاعُ الْأَرْضِ تُنَادِي بَعْضُهَا بَعْضًا: يَا جَارَةُ هَلْ مَرَّ بِكِ الْيَوْمَ عَبْدٌ صَالِحٌ صَلَّى عَلَيْكِ أَوْ ذَكَرَ اللَّهَ؟ فَإِنْ قَالَتْ: نَعَمْ رَأَتْ لَهَا بِذَلِكَ عَلَيْهَا فَضْلًا)) کوئی صبح وشام نہیں مگر زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے کو پکارتا ہے، آج تجھ پر کوئی نیک بندہ گزرا جس نے تجھ پر نماز پڑھی یا ذکر الٰہی کیا؟ اگر وہ ہاں کہے تو اس کے لیے اس سبب سے اپنے اوپر بزرگی تصور کرتا ہے۔

(المعجم الأوسط للطبرانی، باب الألف، ج1،ص177، دارالحرمین، القاہرۃ)

جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ فِي

الصَّلَاۃ فتحت لَہُ الْجنان وکشفت لَہُ الْحجب بینہ وبین ربہ واستقبلہ الْحور الْعین مَا لم یمتخط أَو یتنخع)) بندہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اس کے لیے جنتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اس کے اور پروردگار کے درمیان حجاب ہٹا دیے جاتے ہیں، اور حُور عین اس کا استقبال کرتی ہیں، جب تک نہ ناک سنکے، نہ کھنکارے۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب الصلاۃ، الترھیب من البصاق فی المسجد، ج1، ص126 دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

یہ فضائل مطلق نماز کے ہیں خاص خاص نمازوں کے متعلق جو احادیث وارد ہوئیں، ان میں بعض یہ ہیں:

فجر کی نماز کی فضیلت

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ صَلَّی الْغَدَاۃَ کَانَ فِی ذِمَّۃِ اللہِ حَتَّی یُمْسِیَ)) جو صبح کی نماز پڑھتا ہے، وہ شام تک اللہ کے ذمہ میں ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج12، ص311، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

شیطان کا ساتھی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ غَدَا إِلَی صَلَاۃِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَایَۃِ الْإِیمَانِ وَمَنْ غَدَا إِلَی السُّوقِ غَدَا بِرَایَۃِ إِبْلِیس)) جو صبح نماز کو گیا، ایمان کے جھنڈے کے ساتھ گیا اور جو صبح بازار کو گیا، ابلیس کے جھنڈے کے ساتھ گیا۔

(سنن ابن ماجہ، أبواب التجارات، باب الأسواق، ودخولھا، ج2، ص751، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی)

پوری رات قیام

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ شَھِدَ الْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ فِی جَمَاعَۃٍ کَانَ لَہُ قِیَامُ لَیْلَۃٍ)) جو نماز صبح کے لیے طالب ثواب ہو کر حاضر ہوا، گویا اس نے تمام رات قیام کیا (عبادت کی) اور جو نماز عشا کے لیے حاضر ہوا گویا اس نے نصف شب قیام کیا۔

(شعب الإیمان"، باب فی الصلاۃ فصل فی الجماعۃ، ج4، ص333، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیۃ ببومبای بالھند)

اگر جانتے تو سرین کے بل حاضر ہوتے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَا صَلَاۃٌ أَثْقَلَ عَلَی الْمُنَافِقِینَ مِنْ صَلَاۃِ الْعِشَاءِ وَالْفَجْرِ، وَلَوْ یَعْلَمُونَ مَا فِیھِمَا مِنَ الْفَضْلِ لَأَتَوْھُمَا وَلَوْ حَبْوًا)) سب نمازوں میں زیادہ گراں

منافقین پر نماز عشاو فجر ہے اور جوان میں فضیلت ہے، اگر جانتے تو ضرور حاضر ہوتے اگر چہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے یعنی جیسے بھی ممکن ہوتا۔ (المعجم الکبیر، ج10، ص99، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

جہنم اور نفاق سے بری ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ لَمْ يفته الرَّكْعَةُ الْأُولَى أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بَرَاءَتَيْنِ، بَرَاءَةً مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةً مِنَ النِّفَاقِ)) ترجمہ: جس نے چالیس دن نماز فجر با جماعت پڑھی، اس کو اللہ تعالی دو براءتیں عطا فرمائے گا، ایک نار سے دوسری نفاق سے۔ (تاریخ بغداد، ج11، ص374، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دوزخ سے آزادی

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما سے راویت ہے، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةً أَرْبَعِينَ لَيْلَةً لَا تَفُوتُهُ الرَّكْعَةُ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهَا عِتْقًا مِنَ النَّارِ)) جو مسجد جماعت میں چالیس راتیں نماز عشا پڑھے، کہ رکعت اولی فوت نہ ہو، اللہ تعالی اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھ دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ"، أبواب المساجد، باب صلاۃ العشاء والفجر فی جماعۃ، ج1، ص261، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی)

نماز نہ پڑھنے کے بارے میں وعیدیں

ہر عاقل بالغ پر روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے، نماز کے فرض ہونے کا جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ ایک بھی نماز جان بوجھ کر وقت گزار کر پڑھنا کبیرہ گناہ ہے اور معاذ اللہ بالکل ہی نہ پڑھنا یہ تو نہایت ہی سخت کبیرہ گناہ ہے بد قسمتی سے آج مسلمانوں کو نماز کی بالکل پرواہ ہی نہیں رہی، ہماری مسجدیں ویران رہتی ہیں، نماز کو ترک کرنے اور قضا کرنے کی کچھ وعیدیں ذکر کی جاتی ہیں تا کہ جو ایسا کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کریں، اور نماز کے پابند بنیں۔

نماز کا مطلقا ترک تو سخت ہولناک چیز ہے اسے قضا کر کے پڑھنے والوں کو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ. الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴾ ترجمہ: خرابی ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، وقت گزار کر پڑھنے اٹھتے ہیں۔ (پارہ30، سورۃ الماعون، آیت4.5)

جہنم میں ایک وادی ہے، جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے، اس کا نام "ویل" ہے، قصداً نماز قضا کرنے والے اس کے مستحق ہیں۔

اور فرماتا ہے: ﴿ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾

ترجمہ: ان کے بعد کچھ ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نمازیں ضائع کر دیں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا، عنقریب انھیں سخت عذاب طویل وشدید سے ملنا ہوگا۔ (پارہ16، سورۃ مریم، آیت59)

غی جہنم میں ایک وادی ہے، جس کی گرمی اور گہرائی سب سے زیادہ ہے، اس میں ایک کنواں ہے، جس کا نام "ہبہب" ہے، جب جہنم کی آگ بجھنے پر آتی ہے، اللہ عزوجل اس کوئیں کو کھول دیتا ہے، جس سے وہ بدستور بھڑکنے لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ترجمہ: جب بجھنے پر آئے گی ہم انھیں اور بھڑک زیادہ کریں گے۔ (پارہ15، سورۃ بنی اسرائیل، آیت97)

یہ کنواں بے نمازوں اور زانیوں اور شرابیوں اور سود خواروں اور ماں باپ کو ایذا دینے والوں کے لیے ہے۔

قران مجید میں ہے کہ جب جنتی جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ تمھیں کون سا عمل جہنم میں لے گیا تو وہ نہایت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ جواب دیں گے۔ ﴿فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ 0عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ 0مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ 0قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ 0وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ 0وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ 0وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ 0حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: باغوں میں پوچھتے ہیں مجرموں سے تمھیں کیا بات دوزخ میں لے گئی وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے۔ اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی۔ (پارہ29، سورۃ المدثر، آیات40تا47)

احادیث کریمہ میں نماز نہ پڑھنے پر جو وعیدیں آئیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

گویا کہ اہل ومال جاتے رہے:

نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مِنَ الصَّلَاةِ صَلَاةٌ مَنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ)) ترجمہ: جس کی کوئی نماز فوت ہوئی تو گویا اس کے اہل ومال جاتے رہے۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، جلد4، صفحہ199، مکتبہ دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب نزول الفتن الخ، ج4، ص2212، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بے نمازی سے اللہ ورسول بری الذمہ ہیں:

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لا تترکن الصلاۃ متعمدا فانہ من ترک الصلاۃ متعمدا فقد برئت منہ ذمۃ اللہ ورسولہ" قصداً نماز ترک نہ کرو کہ جو قصداً نماز ترک کر دیتا ہے،

اللہ (عزوجل) اور اس کا رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس سے بری الذمہ ہیں۔ (کنز العمال"، کتاب الصلاۃ، جلد 7، صفحہ 326، مکتبہ مؤسسۃ الرسالۃ)

نماز چھوڑنے والے کا نام جہنم کے دروازے پر:

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((من ترك الصلاة متعمدا كتب اسمه على باب النار ممن يدخلها)) ترجمہ: جس نے قصداً نماز چھوڑی، جہنم کے دروازے پر اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے جس سے وہ داخل ہوگا۔ (کنز العمال، بحوالہ ابی نعیم، کتاب الصلاۃ، ج 7، ص 325، مکتبہ مؤسسۃ الرسالۃ)

تارک نماز کا کوئی دین نہیں:

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((تَرْكُ الصَّلَاةِ فَلَا دِينَ لَهُ وَالصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ)) جس نے نماز چھوڑ دی اس کا کوئی دین نہیں، نماز دین کا ستون ہے۔

(شعب الایمان، جلد 4، صفحہ 300، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیۃ بومبای بالہند)

بے نمازی کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لا سهم في الإسلام لمن لا صلاة له)) ترجمہ: اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں، جس کے لیے نماز نہ ہو۔

(مسند البزار، مسند ابی حمزہ انس بن مالک، ج 15، ص 176، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

قارون اور فرعون کے ساتھ حشر:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا، وَبُرْهَانًا، وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ، وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ)) ترجمہ: جس نے نماز پر محافظت (مداومت) کی، قیامت کے دن وہ نماز اس کے لیے نور و برہان و نجات ہوگی اور جس نے محافظت نہ کی اس کے لیے نہ نور ہے نہ برہان نہ نجات اور قیامت کے دن قارون و فرعون و ہامان و اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (المسند للامام أحمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو، ج 11، ص 141، مؤسسۃ الرسالۃ)

سب کاموں سے اہم نماز ہے:

بُخاری و مُسلم و موطا امام مالک میں ہے: ((عن مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَاةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا

أَضْيَعُ))امام مالک حضرت نافع رضی اللہ تعالی عنہ سے راویت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے صوبوں کے پاس فرمان بھیجا کہ "تمھارے سب کاموں سے اہم میرے نزدیک نماز ہے" جس نے اس کا حفظ کیا اور اس پر محافظت کی اس نے اپنا دین محفوظ رکھا اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اوروں کو بدرجہ اولی ضائع کرے گا۔

(الموطا امام مالک، کتاب وقوت الصلاۃ، ج2، ص9، مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان للأعمال الخیریۃ والإنسانیۃ أبوظبی الإمارات)

اللہ تعالی اس کی آنکھ نہ سلائے:

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:((من نام عن صلاۃ العشاء حتی یفوتہ وقتھا فلا نامت عینہ)) ترجمہ: جو نماز عشا چھوڑ کر سوجائے یہاں تک کہ عشا کا وقت فوت ہوجائے تو اللہ اس کی آنکھ کو نہ سلائے۔

(کنزالعمال، ج7، ص401، مکتبہ مؤسسۃ الرسالۃ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((ألا من نَامَ عَنْ صَلَاۃِ الْعَتَمَۃِ حَتّٰی یذھب وَقتھَا تَقول مَلَائکتہ لَا نَامَتْ عَیْنك وَلَا قرت)) ترجمہ: خبردار جو شخص عشا کی نماز پڑھے بغیر سوجائے یہاں تک کہ اس کا وقت فوت ہوجائے تو اس کے فرشتے کہتے ہیں تیری آنکھیں نہ سوئیں اور نہ ہی ٹھنڈی ہوں۔

(الفردوس بماثور الخطاب، باب الالف، ج1، ص138، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

بے نمازی بعض صحابہ وائمہ کے نزدیک کافر ہے:

جامع ترمذی میں ہے:((عن عبد اللہ بن شقیق العقیلی، قال:کان أصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لا یرون شیئا من الأعمال ترکہ کفر غیر الصلاۃ)) عبداللہ بن شقیق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے سوائے نماز کے۔

(جامع الترمذی"، أبواب الإیمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ، ج4، ص 310، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

بہت سی ایسی حدیثیں آئیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ قصداً نماز کا ترک کفر ہے اور بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت امیر المومنین فاروق اعظم وعبدالرحمٰن بن عوف وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس وجابر بن عبداللہ ومعاذ بن جبل وابو ہریرہ وابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہم کا یہی مذہب تھا اور بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل واسحاق بن راھویہ وعبداللہ بن مبارک وامام نخعی کا بھی یہی مذہب تھا، اگرچہ ہمارے امام اعظم ودیگر آئمہ نیز بہت سے صحابہ کرام اس کی تکفیر نہیں کرتے پھر بھی یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ ان جلیل القدر

38/38

حضرات کے نزدیک ایسا شخص "کافر" ہے۔ (بہار شریعت، ج1، حصہ3، ص442، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ لِأَصْحَابِهِ: هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا قَالَ: فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُصَّ، وَإِنَّهُ قَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ: إِنَّهُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ وَإِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِي، وَإِنَّهُمَا قَالَا لِي انْطَلِقْ، وَإِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَإِنَّا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ، وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ وَإِذَا هُوَ يَهْوِي بِالصَّخْرَةِ لِرَأْسِهِ فَيَثْلَغُ رَأْسَهُ فَيَتَدَهْدَهُ الْحَجَرُ هَا هُنَا فَيَتْبَعُ الْحَجَرَ فَيَأْخُذُهُ فَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ حَتَّى يَصِحَّ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: سُبْحَانَ اللَّهِ مَا هَذَانِ؟ "قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاهُ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِكَلُّوبٍ مِنْ حَدِيدٍ وَإِذَا هُوَ يَأْتِي أَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهِ فَيُشَرْشِرُ شِدْقَهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرَهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنَهُ إِلَى قَفَاهُ قَالَ: وَرُبَّمَا قَالَ أَبُو رَجَاءٍ: فَيَشُقُّ قَالَ: ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْأَوَّلِ فَمَا يَفْرُغُ مِنْ ذَلِكَ الْجَانِبِ حَتَّى يَصِحَّ ذَلِكَ الْجَانِبُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ: قُلْتُ: سُبْحَانَ اللَّهِ مَا هَذَانِ؟ "قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى مِثْلِ التَّنُّورِ -قَالَ: فَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ- فَإِذَا فِيهِ لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ "قَالَ: فَاطَّلَعْنَا فِيهِ فَإِذَا فِيهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ وَإِذَا هُمْ يَأْتِيهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ، فَإِذَا أَتَاهُمْ ذَلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: مَا هَؤُلَاءِ؟ "قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى نَهَرٍ حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ -أَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ، وَإِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَسْبَحُ وَإِذَا عَلَى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ حِجَارَةً كَثِيرَةً وَإِذَا ذَلِكَ السَّابِحُ يَسْبَحُ مَا يَسْبَحُ ثُمَّ يَأْتِي ذَلِكَ الَّذِي قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ فَيَفْغَرُ لَهُ فَاهُ فَيُلْقِمُهُ حَجَرًا فَيَنْطَلِقُ يَسْبَحُ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ كُلَّمَا رَجَعَ إِلَيْهِ فَغَرَ لَهُ فَاهُ فَأَلْقَمَهُ حَجَرًا قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: مَا هَذَانِ؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ كَرِيهِ الْمَرْآةِ كَأَكْرَهِ مَا أَنْتَ رَاءٍ رَجُلًا مَرْآةً وَإِذَا عِنْدَهُ نَارٌ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى حَوْلَهَا قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: مَا هَذَا؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ فِيهَا مِنْ كُلِّ لَوْنِ الرَّبِيعِ، وَإِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيلٌ لَا أَكَادُ أَرَى رَأْسَهُ طُولًا فِي السَّمَاءِ، وَإِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ أَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَأَيْتُهُمْ قَطُّ "قَالَ " :قُلْتُ لَهُمَا :مَا هَذَا مَا هَؤُلَاءِ؟ "قَالَ " :قَالَا لِي :انْطَلِقِ انْطَلِقْ "قَالَ :فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا إِلَى رَوْضَةٍ عَظِيمَةٍ لَمْ أَرَ رَوْضَةً قَطُّ أَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا أَحْسَنَ قَالَ " :قَالَا لِي :ارْقَ فِيهَا "قَالَ :فَارْتَقَيْنَا فِيهَا

فَانْتَهَيْنَا إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ، فَأَتَيْنَا بَابَ الْمَدِينَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ قَالَ: قَالَا لَهُمْ: اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذَلِكَ النَّهَرِ "قَالَ: وَإِذَا نَهَرٌ مُعْتَرِضٌ يَجْرِي كَأَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِي الْبَيَاضِ، فَذَهَبُوا فَوَقَعُوا فِيهِ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذَلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ، فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ " :قَالَا لِي :هَذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَهَذَاكَ مَنْزِلُكَ "قَالَ :فَسَمَا بَصَرِي صُعُدًا فَإِذَا قَصْرٌ مِثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَيْضَاءِ قَالَ: قَالَا لِي :هَذَاكَ مَنْزِلُكَ "قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا :بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمَا فَذَرَانِي فَأَدْخُلَهُ قَالَا :أَمَّا الْآنَ فَلَا، وَأَنْتَ دَاخِلُهُ "قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا :فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ مُنْذُ اللَّيْلَةِ عَجَبًا، فَمَا هَذَا الَّذِي رَأَيْتُ؟ "قَالَ: قَالَا لِي: أَمَا إِنَّا سَنُخْبِرُكَ، أَمَّا الرَّجُلُ الْأَوَّلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُشَرْشَرُ شِدْقُهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرُهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنُهُ إِلَى قَفَاهُ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَغْدُو مِنْ بَيْتِهِ فَيَكْذِبُ الْكَذْبَةَ تَبْلُغُ الْآفَاقَ، وَأَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِينَ فِي مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّورِ، فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِي، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يَسْبَحُ فِي النَّهَرِ وَيُلْقَمُ الْحَجَرَ، فَإِنَّهُ آكِلُ الرِّبَا، وَأَمَّا الرَّجُلُ الْكَرِيهُ الْمَرْآةِ الَّذِي عِنْدَ النَّارِ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى حَوْلَهَا فَإِنَّهُ مَالِكٌ خَازِنُ جَهَنَّمَ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيلُ الَّذِي فِي الرَّوْضَةِ فَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِينَ حَوْلَهُ فَكُلُّ مَوْلُودٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ "قَالَ :فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ، وَأَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنًا وَشَطْرٌ قَبِيحًا فَإِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهُمْ)) ترجمہ: رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اکثر اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کرتے: کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ "جس کو اللہ عزوجل چاہتا وہ اپنا خواب بیان کر دیتا۔" چنانچہ ایک صبح آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: آج رات میرے پاس دو فرشتے آئے، انہوں نے مجھے اٹھایا اور کہا": چلیں۔ میں ان کے ساتھ چل دیا، ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا جبکہ دوسرا شخص اس کے قریب پتھر لئے کھڑا تھا، وہ اس کے سر پر پتھر مارتا جس سے وہ پھٹ جاتا پھر وہ پتھر لڑھک کر دور جا گرتا اور وہ شخص پتھر اٹھانے کے لئے چلا جاتا اس کے لوٹنے سے پہلے ہی اس کا سر پہلے کی طرح درست ہو جاتا، پھر وہ واپس آ کر اس کے سر پر اسی طرح پتھر مارتا جس طرح پہلی دفعہ مارا تھا، میں نے ان دونوں فرشتوں سے کہا "سُبْحَانَ اللہ! یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا ": آگے چلیں۔ "لہٰذا ہم چل دیئے، پھر ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص اس کے پاس کھڑا تھا اور آنکس (یعنی لوہے کا ایسا راڈ جس کا ایک سرا قدرے مڑا ہوتا ہے) کے ذریعے اس کے جبڑے، نتھنے اور آنکھ کو گدی تک چیر دیتا تھا۔ "ابو عوف کہتے ہیں کہ کبھی ابو رجاء یوں بیان کرتے ": وہ چیر کر دوسری جانب چلا جاتا اور وہاں

بھی ایسا ہی کرتا جیسا پہلی طرف کیا تھا جب وہ ایک جانب چیر کر فارغ ہوتا تو دوسری جانب پہلے کی طرح درست ہو چکی ہوتی، پھر وہ دوبارہ ویسے ہی کرتا جیسے پہلی مرتبہ کیا تھا۔

میں نے پھر کہا": سُبحان اللہ! یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": اور آگے چلیں۔ "لہٰذا ہم چل دیئے یہاں تک کہ تنور جیسی ایک چیز کے پاس پہنچے۔ "راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا": اس میں سے شور وغل کی آوازیں آ رہی تھیں، میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور عورتیں نظر آئیں جب انہیں نیچے سے آگ کی لپٹ پہنچتی تو چیخنے چلانے لگتے۔

میں نے پوچھا": یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": مزید آگے چلیں۔ "لہٰذا ہم چل دیئے یہاں تک کہ ہم ایک نہر پر پہنچے۔ ' راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا تھا": وہ نہر خون کی طرح سرخ تھی، نہر کے اندر ایک شخص تیر رہا تھا جبکہ دوسرا شخص نہر کے کنارے کھڑا تھا اور اس کے پاس بہت سے پتھر جمع تھے، جب وہ اندر والا تیرتا ہوا اس شخص کے قریب آتا جس کے پاس بہت سے پتھر جمع تھے تو آ کر اپنا منہ کھول دیتا اور یہ اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا اور وہ تیرتا ہوا واپس چلا جاتا اور جب واپس لوٹ کر آتا تو اسی طرح یہ اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا۔"

میں نے ان دونوں سے پوچھا": یہ کون ہیں؟ "تو انہوں نے مجھ سے کہا": مزید آگے چلیں۔ "تو ہم چل دیئے یہاں تک کہ ایک نہایت ہی بدصورت آدمی کے پاس پہنچے اتنا بدصورت کہ تم نے کبھی دیکھا نہ ہو، اس کے پاس آگ تھی جسے وہ بھڑکا رہا تھا اور اس کے گرد دوڑ رہا تھا۔ میں نے پوچھا": یہ کون ہے؟ "تو انہوں نے کہا": آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم آگے چلیں۔ "ہم چل دیئے یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے اس میں موسمِ بہار کے پھول کھلے ہوئے تھے، باغ کے درمیان ایک دراز قد شخص کھڑا تھا، آسمان سے باتیں کرتی ہوئی اس کی بلندی کے باعث میں اس کا سر نہ دیکھ سکا، اس شخص کے گرد اتنے بچے تھے جتنے میں نے کسی کے نہیں دیکھے۔

میں نے پوچھا: یہ شخص کون ہے اور یہ بچے کون ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": آگے چلیں۔ "لہٰذا ہم چل دیئے پھر ہم ایک اتنے بڑے باغ میں پہنچے جتنا بڑا اور خوبصورت کوئی باغ میں نے نہیں دیکھا، انہوں نے مجھ سے کہا": اس پر چڑھیں۔ "چنانچہ ہم اس پر چڑھ گئے تو ہمیں ایک شہر نظر آیا جس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی تھی، جب ہم شہر کے دروازے پر پہنچے اور اسے کھولنے کے لئے کہا تو وہ ہمارے لئے کھول دیا گیا، ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو اس میں ایسے لوگوں سے ملے جن کا نصف بدن تو اتنا خوبصورت تھا جتنا تم نے نہ دیکھا ہو اور نصف اتنا بدصورت کہ جتنا تم نے نہ دیکھا ہو، ان فرشتوں نے ان لوگوں سے کہا ": جاؤ اور اس نہر میں کود پڑو۔ "وہ نہر چوڑائی میں بہہ رہی تھی اور اس کا پانی بالکل سفید تھا وہ لوگ جا کر اس نہر میں کود پڑے، پھر

جب وہ لوٹ کر ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی دور ہو چکی تھی اور وہ خوبصورت ہو گئے تھے۔

ان فرشتوں نے مجھ سے کہا": یہ باغ عدن ہے اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مکان ہے۔ "میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ سفید ابر یعنی بادل کی طرح تھا، میں نے ان سے کہا": اللہ عزوجل تمہیں برکت دے مجھے اس کے اندر جانے دو۔ "انہوں نے جواب دیا": ابھی نہیں، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس میں ضرور داخل ہوں گے۔"

پھر میں نے ان سے کہا": رات بھر میں نے جو عجیب چیزیں دیکھیں وہ کیا ہیں؟ "تو انہوں نے کہا": ہم ابھی عرض کئے دیتے ہیں، **جس پہلے شخص کے پاس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہنچے تھے اور جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا وہ قرآن پڑھ کر بھلانے والا اور نماز کے وقت سو جانے والا تھا**، وہ شخص جس کے پاس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہنچے تو اس کے جبڑے، نتھنے اور آنکھ کو گدی تک چیرا جا رہا تھا یہ وہ شخص تھا جو صبح گھر سے نکلتا تو جھوٹی باتیں گھڑتا اور انہیں دنیا بھر میں پھیلا دیتا، وہ ننگے مرد اور عورتیں جو تنور سے مشابہ جگہ میں تھے وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں، وہ شخص کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو وہ نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر ڈالے جا رہے تھے وہ سود خور تھا، اور وہ ہیبت ناک صورت والا شخص جو آگ کے قریب تھا اور اسے بھڑکا کر اس کے ارد گرد دوڑ رہا تھا وہ داروغہ جہنم (یعنی جہنم پر مقرر فرشتے) حضرت مالک علیہ السلام تھے اور بلند قامت آدمی جو باغ میں تھے وہ حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ فطرتِ اسلامیہ پر فوت ہونے والے تھے۔"

راوی کا بیان ہے کہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی": یارسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! اور مشرکین کے بچے؟ "تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا": مشرکین کے بچے بھی۔ "اور وہ لوگ جن کا نصف بدن خوبصورت اور نصف بدصورت تھا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے یعنی اچھے عمل بھی کئے اور برے بھی تو اللہ عزوجل نے ان سے درگزر فرمایا۔"

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح، جلد 9، صفحہ 44، دار طوق النجاۃ)

قبر میں آگ کے شعلے:

ایک شخص کی بہن فوت ہوگئی۔ جب اسے دفن کر کے لوٹا تو یاد آیا کہ رقم کی تھیلی قبر میں گر گئی ہے چنانچہ وہ اپنی بہن کی قبر پر آیا اور اس کو کھودا تا کہ تھیلی نکال لے اس نے دیکھا کہ بہن کی قبر میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں چنانچہ اس نے جوں توں قبر پر مٹی ڈالی روتا ہوا ماں کے پاس آیا اور پوچھا پیاری امی جان! میری بہن کے اعمال کیسے تھے؟ وہ بولی بیٹا کیوں پوچھتے ہو؟ عرض کی میں نے اپنی بہن کے قبر میں آگ کے شعلے بھڑکتے دیکھے ہیں یہ سن کر ماں بھی رونے لگی اور کہا ''افسوس تیری بہن میں سستی کیا کرتی تھی اور نماز اوقات گزار کر پڑھا کرتی تھی۔ یعنی قضا کر کے پڑھتی تھی۔

(مکاشفۃ القلوب مترجم، ص 429، مکتبہ اسلامیات، لاہور)

باب نمبر 159

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْجَمَاعَةِ

جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت

215. حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلَى صَلَاةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ، بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قال ابو عيسى: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهَكَذَا رَوَى نَافِعٌ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمِيعِ عَلَى صَلَاةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً وَعَامَّةُ مَنْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا قَالُوا: خَمْسٍ وَعِشْرِينَ، إِلَّا ابْنَ عُمَرَ فَإِنَّهُ قَالَ: بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ

حدیث: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، آدمی کے تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت اُبی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوسعید، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت، آدمی کے تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجے بڑھ کر ہے۔

صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''ستائیس درجے'' کا ذکر کیا جبکہ آپ کے علاوہ تمام راویوں نے ''پچیس درجے'' کا کہا ہے۔

216. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ فِي الجَمَاعَةِ تَـزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا، قال ابو عيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز باجماعت، تنہا پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

تخریج حدیث215: (صحیح بخاری، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص131، حدیث645، دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص450، حدیث650، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، فضل الجماعۃ، ج2، ص103، حدیث837، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب فضل الصلاۃ فی الجماعۃ، ج1، ص259، حدیث789، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

تخریج حدیث216: (صحیح مسلم، باب فضل الجماعۃ، ج1، ص449، حدیث649، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص241، حدیث486، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ سلیمان بن خلف باجی اندلسی (متوفی 474ھ) فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان "ستائیس درجہ" یہ تقاضا کرتا ہے کہ مقتدی کی نماز منفرد کی نماز کے اٹھائیس درجہ کے برابر ہو کیونکہ یہ اس کے برابر اور اس سے ستائیس درجہ زیادہ ہے۔ (المنتقی شرح المؤطا، فضل صلاۃ الجماعۃ علی صلاۃ الفذ، ج 1، ص 229، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

اس سے منفرد کی نماز کے صحیح ہونے اور جماعت کے شرط نہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور وجہ دلیل یہ ہے کہ صیغہ اسم تفضیل تقاضا کرتا ہے کہ دو طرف اصل میں اشتراک ہو لیکن اس کے ساتھ ہی ایک طرف میں اضافہ ہو اور اس بات کا مقتضی ہے کہ منفرد کی نماز میں فضیلت موجود ہے اور جو صحیح نہ ہو اس میں کوئی فضیلت نہیں ہوتی۔

(احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، حدیث صلاۃ الجماعۃ افضل الخ، ج 1، ص 187، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

ستائیس درجہ یا پچیس درجہ:

جماعت سے نماز کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں بعض روایات میں پچیس درجے مذکور ہے اور بعض میں ستائیس مذکور ہے، ان روایات کی محدثین نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں:

(1) پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جماعت کی پچیس گنا فضیلت ارشاد فرمائی گئی پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کی فضیلت میں اضافہ فرما دیا تو اس کو ستائیس درجہ مکمل کر دیا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت میں اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں: تحقیق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جس مؤمن نے ان پر ایک سو مرتبہ درود پڑھا تو وہ اس کی شفاعت فرمائیں گے اور ایک دوسری حدیث میں ہے جس نے ان پر چالیس مرتبہ درود پڑھا تو اس کی شفاعت فرمائیں گے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج 2، ص 276، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(2) پچیس جز والی روایت میں خاص لوگوں سے خطاب کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث میں ان کے علاوہ لوگ مراد ہیں۔ (المنتقی شرح المؤطا، فضل صلاۃ الجماعۃ علی صلاۃ الفذ، ج 1، ص 229، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

(3) نمازیوں کے احوال کے بدلنے سے ثواب میں تبدیلی آ جاتی ہے کہ نماز کے کمال، اس کی کیفیت، خشوع وخضوع، کثرت جماعت، لوگوں کی فضیلت وغیرہا کے اعتبار سے بعض نمازوں کیلئے پچیس درجہ ہے اور بعض کیلئے ستائیس درجہ۔

(شرح النووی علی مسلم، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج 5، ص 151، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) درجہ جزء سے کم ہوتا لہٰذا پچیس جز ستائیس درجہ ہی ہوتے ہیں۔

(احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، حدیث صلاۃ الجماعۃ افضل الخ، ج1، ص188، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ درجہ جزء کا غیر ہے اور یہ درست نہیں ہے کیونکہ صحیحین میں درجہ کی صراحت کے ساتھ ستائیس درجہ اور پچیس درجہ ہے تو لفظ درجہ کے ایک ہونے کے باوجود یہاں مقدار میں فرق آ گیا ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فضل المشی الی الصلاۃ، ج3، ص40،41، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(5) ان کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ قلیل کا ذکر کثیر کی نفی نہیں کرتا اور اعداد کا مفہوم مخالف مراد لینا جمہور اصولیین کے نزدیک باطل ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج5، ص151، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(6) یہ فضیلت نمازوں کے بدلنے سے بدل جاتی ہے تو جس نماز کی فضیلت زیادہ اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور جس کی فضیلت دوسری کی نسبت کم اس کا اجر بھی دوسری کی نسبت کم ہوگا پھر اس میں کہا گیا کہ زیادہ فضیلت فجر اور عصر کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ فجر اور عشاء کی ہے۔ (احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، حدیث صلاۃ الجماعۃ افضل الخ، ج1، ص188، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

(7) یہ بھی احتمال ہے کہ جگہوں مثلاً مساجد وغیرہ کے بدلنے سے ثواب بدلتا ہو۔

(احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، حدیث صلاۃ الجماعۃ افضل الخ، ج1، ص188، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

(8) یہ فرق نمازیوں کے آدابِ جماعت کی حفاظت کرنے کے اعتبار سے ہے، بعض کو پچیس درجہ اور بعض کو ستائیس درجہ فضیلت ملتی ہے۔ (طرح التثریب فی شرح التقریب، فائدۃ العدد الذی تفضل بہ صلوۃ الجماعۃ، ج2، ص298، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

درجہ اور جزء ایک معنی میں ہیں:

علامہ ابن عبد البر (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث میں لفظ جزء ہے اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں لفظ درجہ ہے، حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ((خَمْسًا وَعِشْرِينَ صَلَاةً)) یعنی پچیس نمازیں۔ امام ابو داؤد نے ان سب کا ایک ہی معنی ذکر کیا ہے کہ ان سب سے مراد مذکور اجزاء کے ساتھ منفرد کے مقابلہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کے ثواب کی زیادتی اور منفرد کے اجر کے مقابلہ میں باجماعت نماز پڑھنے والے کے اجر کے زیادہ ہونے کو بیان کرنا ہے۔

(الاستذکار، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج2، ص135، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

بعض روایات میں اجزاء، بعض میں اضعاف اور بعض میں درجات کے الفاظ ہیں، ان سب کا ایک ہی معنی ہے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج6، ص15، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ)

جماعت کی ستائیس خصلتیں:

علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

باجماعت نماز کی ستائیس خصلتیں ہیں:

(۱) جماعت میں نماز کیلئے حاضر ہونے کی نیت سے موذن کو جواب دینا (۲) اول وقت میں نماز کی طرف جانے میں جلدی کرنا (۳) مسجد کی طرف سکون سے جانا (۴) دعا کرتے ہوئے مسجد میں داخل ہونا (۵) مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد ادا کرنا، یہ تمام چیزیں جماعت میں حاضری کی نیت سے ہوں (۶) جماعت کا انتظار کرنا (۷) فرشتوں کا ان پر رحمت بھیجنا اور ان کیلئے استغفار کرنا (۸) فرشتوں کا ان کیلئے گواہی دینا (۹) اقامت کا جواب دینا (۱۰) شیطان سے محفوظ ہونا جب وہ اقامت کے وقت بھاگ جاتا ہے (۱۱) امام کی تکبیر تحریمہ کا انتظار کرتے ہوئے کھڑے ہونا، یا امام کے ساتھ نماز میں شامل ہونا جس بھی ہیئت پر اس کو پایا (۱۲) تکبیر تحریمہ کو پانا (۱۳) صفوں کو سیدھا کرنا، خالی جگہ کو پر کرنا (۱۴) امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے وقت اس کا جواب دینا (۱۵) اکثر طور پر سہو سے حفاظت ہونا، اور امام جب بھولے تو اسے تسبیح یا لقمہ کے ذریعہ متنبہ کرنا (۱۶) خشوع کا حاصل ہونا اور اکثر طور پر لہو میں ڈالنے والی چیزوں سے محفوظ ہونا (۱۷) غالب طور پر ہیئت کا اچھا ہونا (۱۸) فرشتوں کا ان کو گھیرنا (۱۹) قراءت کی تجوید اور ارکان سیکھنا (۲۰) شعائر اسلام کا اظہار کرنا (۲۱) عبادت پر جمع ہونے، طاعت پر ایک دوسرے کی مدد کرنے اور سست شخص کے چست ہونے کے ساتھ شیطان کی ناک کو خاک آلود کرنا (۲۲) نفاق سے محفوظ ہونا اور غیر کی اس بدگمانی سے بچنا کہ اس نے سرے سے نماز ہی ترک کردی ہے (۲۳) امام کے سلام کا جواب دینا (۲۴) دعا وذکر پر اجتماع سے نفع اٹھانا اور ناقص پر کامل کی برکت کا لوٹنا (۲۵) پڑوسیوں کے درمیان نظام الفت کا قائم ہونا، نماز کے اوقات میں ان سے ملاقات ہونا۔

تو یہ پچیس خصلتیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں امر یا ترغیب وارد ہے جو اس پر ابھارتی ہے۔ اور ان میں سے دو امر باقی رہ گئے ہیں جو جہری نماز سے خاص ہیں اور وہ دونوں یہ ہیں: (۲۶) امام کی قراءت کے وقت خاموش رہنا، اس کو سننا (۲۷) اور اس کی آمین کے وقت آمین کہنا تاکہ یہ فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتح الباری لابن حجر، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج2، ص133,134، دار المعرفہ، بیروت)

جماعت کے فضائل

(1) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَقَالَ: أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوا: لَا. قَالَ: أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوا: لَا. قَالَ: إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكٰى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى)) ترجمہ: ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی پھر فرمایا کیا فلاں موجود ہے؟ صحابہ نے عرض کی نہیں۔ فرمایا: فلاں موجود ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا یہ دونوں نمازیں منافقین پر ساری نمازوں سے بھاری ہیں اور اگر تم جانتے جو ان میں ہے تو تم ضرور ان کیلئے آتے اگرچہ گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آتے۔ بے شک صف اول ملائکہ کی صف کی مثل ہے اور اگر تم اس کی فضیلت جانتے تو جلدی کرتے اور بے شک ایک آدمی کی نماز ایک آدمی کے ساتھ تنہا نماز سے اچھی ہے اور دو آدمیوں کے ساتھ ایک آدمی کے ساتھ ہونے سے اچھی ہے اور جو زیادہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

(سنن ابی داود، فی فضل صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص151، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(2) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ نِصْفِ لَيْلَةٍ وَمَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ)) ترجمہ: جس نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو یہ نصف رات قیام کرنے کی طرح ہے اور جس نے عشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھی تو یہ ساری رات قیام کرنے کی طرح ہے۔

(سنن ابی داود، فی فضل صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص152، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(3) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ صَلَّى فِيْ مَسْجِدٍ جَمَاعَةً أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً لَا تَفُوْتُهُ الرَّكْعَةُ الْأُوْلٰى مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا عِتْقًا مِنَ النَّارِ)) ترجمہ: جس نے مسجد میں جماعت کے ساتھ چالیس راتیں اس طرح نماز عشاء پڑھی کہ اس کی پہلی رکعت فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جہنم سے آزادی لکھ دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، باب صلاۃ العشاء والفجر فی جماعۃ، ج1، ص261، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ)

(4) صحیح البخاری میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)) ترجمہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جماعت کے ساتھ نماز، تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ بڑھ کر ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، جلد 01، صفحہ 131، دار طوق النجاۃ)

(5) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيضٌ، إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ، وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ)) ترجمہ: ہم نے اپنے کو اس حالت میں دیکھا کہ نماز سے پیچھے نہیں رہتا، مگر کھلا منافق یا بیمار اور بیمار کی یہ حالت ہوتی کہ دو شخصوں کے درمیان میں چلا کر نماز کو لاتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم کو سنن الہدیٰ کی تعلیم فرمائی اور جس مسجد میں اذان ہوتی ہے، اس میں نماز پڑھنا سنن الہدیٰ سے ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الھدیٰ، الحدیث ، ج 01، ص 453، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(6) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ، فَإِنَّ اللهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ)) ترجمہ: جسے یہ اچھا معلوم ہو کہ کل خدا سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے، تو پانچوں نمازوں پر محافظت کرے، جب ان کی اذان کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کے لیے سنن الہدیٰ مشروع فرمائی اور یہ سنن الہدیٰ سے ہے اور اگر تم نے اپنے گھروں میں پڑھ لی جیسے یہ پیچھے رہ جانے والا اپنے گھر میں پڑھ لیا کرتا ہے، تو تم نے اپنے نبی کی سُنت چھوڑ دی اور اگر اپنے نبی کی سُنت چھوڑ وگے، تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(صحیح مسلم"، کتاب المساجد، باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الھدیٰ، الحدیث ، ج 1، ص 453، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

سنن ابوداود کی روایت میں ہے: ((وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَفَرْتُمْ)) اور اگر تم اپنے نبی کی سُنت چھوڑ وگے کافر ہو جاؤ گے۔

(سنن أبي داود، جلد 01، صفحہ 151، المکتبۃ العصریۃ، صیدا - بیروت)

(7) صحیح مسلم میں ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ، ثُمَّ يَعْمِدُ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً وَيَرْفَعُهُ بِهَا دَرَجَةً وَيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً)) ترجمہ: اور جو شخص اچھی طرح طہارت کرے پھر مسجد کو جائے تو جو قدم چلتا ہے، ہر قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ نیکی لکھتا ہے اور درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم"، کتاب المساجد، باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الھدیٰ، الحدیث ، ج 1، ص 453، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(8) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ مَشَى إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَصَلَّاهَا مَعَ الْإِمَامِ، غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ)) ترجمہ:

جس نے کامل وضو کیا، پھر نماز فرض کے لیے چلا اور امام کے ساتھ پڑھی، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح ابن خزیمۃ، باب فضل المشی إلی الجماعۃ متوضیا، جلد 2، صفحہ 373، المکتب الإسلامی، بیروت)

(9) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت، کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((وَلَوْ يَعْلَمُ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْجَمَاعَةِ مَا لِهٰذَا الْمَاشِي إِلَيْهَا لَأَتَاهَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ)) ترجمہ: اگر یہ نماز باجماعت سے پیچھے رہ جانے والا جانتا کہ اس جانے والے کے لیے کیا ہے؟ تو گھسٹتا ہوا حاضر ہوتا۔

(المعجم الکبیر، جلد 8، صفحہ 224، مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاہرۃ)

(10) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ)) ترجمہ: جو اللہ کے لیے چالیس دن باجماعت پڑھے اور تکبیرہ اُولیٰ پائے، اس کے لیے دو آزادیاں لکھ دی جائیں گی، ایک نار سے، دوسری نفاق سے۔

(جامع الترمذی"، أبواب الصلاۃ، باب ماجاء فی فضل التکبیرۃ الاولی، ج 01، ص 321، دار الغرب الإسلامی، بیروت)

(11) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّي وَسَعْدَيْكَ قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى؟ قُلْتُ: رَبِّ لَا أَدْرِي، فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ فَقُلْتُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى؟ قُلْتُ: فِي الدَّرَجَاتِ وَالْكَفَّارَاتِ وَفِي نَقْلِ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَإِسْبَاغِ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَمَنْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ)) ترجمہ: رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور ایک روایت میں ہے، میں نے اپنے رب کو نہایت جمال کے ساتھ تجلی فرمائے ہوئے دیکھا، اس نے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کی لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، اس نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے ملاءِ اعلیٰ (یعنی ملائکہ مقربین) کس امر میں بحث کرتے ہیں؟" میں نے عرض کی، "نہیں جانتا، اس نے اپنا دستِ قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں پائی، تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے میں نے جان لیا" اور ایک روایت میں ہے، "جو کچھ مشرق و مغرب کے درمیان ہے جان لیا"، فرمایا: اے محمد! جانتے ہو ملاءِ اعلیٰ کس چیز میں بحث کرتے ہیں؟ "میں نے عرض کی، "ہاں، درجات و کفارات اور جماعتوں کی طرف چلنے اور سخت سردی میں پورا وضو کرنے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں اور جس نے ان پر محافظت کی خیر کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر کے ساتھ مرے گا اور اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا، جیسے اس دن کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

(جامع الترمذی"، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ص، جلد 05، صفحہ 220، مکتبہ دار الغرب الإسلامی، بیروت)

(12) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت ہے کہ ((احْتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى كِدْنَا نَتَرَاءَى عَيْنَ الشَّمْسِ، فَخَرَجَ سَرِيعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ فَقَالَ لَنَا: عَلَى مَصَافِّكُمْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا فَقَالَ: أَمَا إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي عَنْكُمُ الغَدَاةَ: أَنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ فَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِي فَنَعَسْتُ فِي صَلَاتِي فَاسْتَثْقَلْتُ........ - فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ المَلَأُ الأَعْلَى؟ قُلْتُ: فِي الكَفَّارَاتِ قَالَ: مَا هُنَّ؟ قُلْتُ: مَشْيُ الأَقْدَامِ إِلَى الجَمَاعَاتِ وَالجُلُوسُ فِي المَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَإِسْبَاغُ الوُضُوءِ فِي المَكْرُوهَاتِ.......إِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوهَا. قال: هذا حديث حسن صحيح)) ترجمہ: ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صبح کی نماز میں تشریف لانے میں دیر ہوئی، یہاں تک قریب تھا کہ ہم آفتاب دیکھنے لگیں کہ جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے، اقامت ہوئی اور مختصر نماز پڑھی، سلام پھیر کر بلند آواز سے فرمایا: سب اپنی اپنی جگہ پر رہو، میں تمہیں خبر دوں گا کہ کس چیز نے صبح کی نماز میں آنے سے روکا؟، میں رات میں اٹھا، وضو کیا اور جو مقدر تھا نماز پڑھی، پھر میں نماز میں اونگھا (اس کے بعد اُسی کے مثل واقعات بیان فرمائے اور اس روایت میں یہ ہے) اس کے دستِ قدرت رکھنے سے ان کی خنکی میں نے اپنے سینہ میں پائی تو مجھ پر ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی "اور فرمایا: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، میں نے عرض کی اے میرے رب میں حاضر ہوں: فرمایا: ملاءِ اعلیٰ کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں، میں نے عرض کی کفارات میں، فرمایا وہ کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی، جماعت کی طرف چلنا اور مسجدوں میں نمازوں کے بعد بیٹھنا اور سختیوں کے وقت کامل وضو کرنا"، اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حق ہے اسے پڑھو اور سیکھو۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع الترمذی"، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ص، جلد05، صفحہ220، مکتبہ دار الغرب الاسلامی، بیروت)

(13) سنن ابو داود میں ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللّٰهُ جَلَّ وَعَزَّ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَجْرِهِمْ شَيْئًا)) ترجمہ: جو اچھی طرح وضو کر کے مسجد کو جائے اور لوگوں کو اس حالت میں پائے کہ نماز پڑھ چکے، تو اللہ تعالیٰ اسے بھی جماعت سے پڑھنے والوں کی مثل ثواب دے گا اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا۔

(سنن أبي داود"، کتاب الصلاۃ، باب فیمن خرج یرید الصلاۃ، جلد01، صفحہ155، المکتبۃ العصریۃ، صیدا - بیروت)

(14) سنن ابی دواد میں ہے: ((عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَقَالَ: أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوا: لَا قَالَ: أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوا: لَا قَالَ: إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ، وَلَو

تَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَيْتُمُوهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوهُ وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى)) ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ ایک دن صبح کی نماز پڑھ کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آیا فلاں حاضر ہے؟" لوگوں نے عرض کی نہیں، فرمایا: فلاں حاضر ہے؟ لوگوں نے عرض کی نہیں، فرمایا: یہ دونوں نمازیں منافقین پر بہت گراں ہیں، اگر جانتے کہ ان میں کیا (ثواب) ہے تو گھٹنوں کے بل گھسیٹتے آتے اور بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف کے مثل ہے اور اگر تم جانتے کہ اس کی فضیلت کیا ہے تو اس کی طرف سبقت کرتے مرد کی ایک مرد کے ساتھ نماز بہ نسبت تنہا کے زیادہ پاکیزہ ہے اور دو کے ساتھ بہ نسبت ایک کے زیادہ اچھی اور جتنے زیادہ ہوں، اللہ عزوجل کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔

(سنن أبي داود"، كتاب الصلاة، باب في فضل صلاة الجماعة، جلد 01، صفحہ 152، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت)

(15) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ)) ترجمہ: جس نے باجماعت عشا کی نماز پڑھی، گویا آدھی رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی، گویا پوری رات قیام کیا۔

(صحیح مسلم"، كتاب المساجد، باب فضل صلاة العشاء، جلد 01، ص 454، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(16) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ((إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِنْ حَطَبٍ إِلَى قَوْمٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ)) ترجمہ: منافقین پر سب سے زیادہ گراں نماز عشاو فجر ہے اور جانتے کہ اس میں کیا ہے؟ تو گھسٹتے ہوئے آتے اور بیشک میں نے قصد کیا کہ نماز قائم کرنے کا حکم دوں پھر کسی کو امر فرماؤں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں اپنے ہمراہ کچھ لوگوں کو جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوں ان کے پاس لے کر جاؤں، جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھر ان پر آگ سے جلادوں۔

(صحیح مسلم"، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، جلد 01، ص 451، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(17) موطأ امام مالک میں ہے: ((عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غَدَا إِلَى السُّوقِ. وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ السُّوقِ وَالْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ أُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا: لَمْ أَرَ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ. فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَاتَ يُصَلِّي، فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ: لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْجَمَاعَةِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً)) ترجمہ: امام مالک نے ابوبکر بن

سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، کہ "امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کونہیں دیکھا، بازار تشریف لے گئے، راستہ میں سلیمان کا گھر تھا ان کی ماں شفا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: کہ صبح کی نماز میں، میں نے سلیمان کونہیں پایا، انہوں نے کہا! رات میں نماز پڑھتے رہے پھر نیند آ گئی، فرمایا: صبح کی نماز جماعت سے پڑھوں، یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ رات میں قیام کروں۔

(الموطا "للامام مالک، کتاب صلاۃ الجماعۃ، باب ماجاء فی العتمۃ والصبح، جلد 01، صفحہ 131، مکتبہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

(18) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں: ((مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ، قَالُوا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ، لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى)) ترجمہ: جس نے اذان سُنی اور آنے سے کوئی عذر مانع نہیں، اس کی وہ نماز مقبول نہیں"، لوگوں نے عرض کی، عذر کیا ہے؟ فرمایا: خوف یا مرض۔

(سنن أبی داود "، کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ترک الجماعۃ، جلد 01، صفحہ 151، المکتبۃ العصریۃ، صیدا - بیروت)

(19) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ)) ترجمہ: کسی گاؤں یا بادیہ میں تین شخص ہوں اور نماز نہ قائم کی گئی مگر ان پر شیطان مسلّط ہو گیا تو جماعت کو لازم جانو، کہ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے، جو ریوڑ سے دور ہو۔ (سنن النسائی"، جلد 02، صفحہ 106، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب)

(20) سنن النسائی میں ہے: ((عَنْ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْمَدِينَةَ كَثِيرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ. قَالَ: هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَحَيَّ هَلًا. وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ)) حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! مدینہ میں موذی جانور بکثرت ہیں اور میں نابینا ہوں، تو کیا مجھے رخصت ہے کہ گھر پڑھ لوں؟ فرمایا: حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ سُنتے ہو، عرض کی، ہاں، فرمایا: تو حاضر ہو۔ (سنن النسائی"، کتاب الامامۃ، جلد 2، صفحہ 109، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب)

(21) سنن ابو داؤد میں ہے: ((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَبْصَرَ رَجُلًا يُصَلِّي وَحْدَهُ فَقَالَ: أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَى هَذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ")) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب مسجد میں حاضر ہوئے اس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، فرمایا: ہے کوئی کہ اس پر صدقہ کرے (یعنی اس کے ساتھ نماز پڑھ لے کہ اسے جماعت کا ثواب مل جائے) ایک صاحب (یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ (سنن أبی داود"، کتاب الصلاۃ، باب فی الجمع فی المسجد مرتین، جلد 01، صفحہ 157، مکتبہ المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

(22) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا)) ترجمہ: اگر لوگ جانتے کہ اذان اور صفِ اوّل میں کیا ہے؟ پھر بغیر قرعہ ڈالے نہ پاتے، تو اس پر قرعہ اندازی کرتے۔

(صحیح البخاری"، کتاب الأذان، باب الاستہام فی الأذان،، 1، ص 126، دار طوق النجاۃ)

(23) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ، حَتَّى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ، فَقَالَ: عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری صفیں تیر کی طرح سیدھی کرتے یہاں تک کہ خیال فرمایا کہ اب ہم سمجھ لیے، پھر ایک دن تشریف لائے اور کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہیں کہ ایک شخص کا سینہ صف سے نکلا دیکھا، فرمایا: اے اللہ (عزوجل) کے بندو! صفیں برابر کرو یا تمھارے اندر اللہ تعالیٰ اختلاف ڈال دے گا (یا اس کا معنی یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو نہ بگاڑ دے۔

(صحیح مسلم"، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصف، جلد 01، ص 324، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(24) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ: أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ: يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ)) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کیوں نہیں اس طرح صف باندھتے ہو جیسے ملائکہ اپنے ربّ کے حضور باندھتے ہیں"، عرض کی، یا رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! کس طرح ملائکہ اپنے ربّ کے حضور صف باندھتے ہیں؟ فرمایا: اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور صف میں مِل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الأمر بالسکون فی الصلاۃ۔۔، جلد 01، ص 322، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(25) حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى مَيَامِنِ الصُّفُوفِ)) اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے سیدھی جانب والی صفوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ج 01، ص 321، دار إحیاء الکتب العربیۃ، فیصل عیسی البابی الحلبی)

(26) ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راویت، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إِنَّ اللّٰـــــهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَصِلُونَ الصُّفُوفَ)) اللہ (عزوجل) اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو صفیں ملاتے ہیں۔ (المستدرک للحاکم، کتاب، باب من وصل صفا وصلہ اللہ، ج 01، ص 334، مکتبہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حاکم نے کہا، یہ حدیث بشرط مُسلِم صحیح ہے۔

(27) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَأَخَّرُونَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتَّی یُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ)) ترجمہ: ہمیشہ صف اوّل سے لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے مؤخر کر کے، نار میں ڈال دے گا۔

(سنن أبي داود"، کتاب الصلاۃ، باب صف النساء، ج01، ص181، المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت)

باب نمبر 160

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَا يُجِيبُ

جو شخص اذان سُنے لیکن اُس کا جواب نہ دے

217۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ فِتْيَتِي أَنْ يَجْمَعُوا حُزَمَ الْحَطَبِ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلَى أَقْوَامٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ، وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَمُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ، وَجَابِرٍ، قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ قَالُوا: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يُجِبْ فَلَا صَلَاةَ لَهُ "وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: هَذَا عَلَى التَّغْلِيظِ وَالتَّشْدِيدِ، وَلَا رُخْصَةَ لِأَحَدٍ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ اپنے نوجوانوں کو لکڑیوں کے گٹھے جمع کرنے کا حکم کروں پھر نماز کا حکم دوں تو وہ قائم کی جائے پھر اُن لوگوں کو آگ لگا دوں جو (مسجد میں) نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتے۔

اس باب میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ بن انس اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

اور متعدد صحابۂ کرام سے اُن کا قول منقول ہے کہ جو شخص اذان سُنے اور جواب نہ دے (یعنی مسجد میں نہ آئے) تو اُس کی نماز (کامل) نہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں: (یہ روایت) تاکید اور سختی پر (مبنی) ہے۔ اور کسی کیلئے بغیر عذر جماعت چھوڑنے کی رُخصت نہیں ہے۔

218۔ قَالَ مُجَاهِدٌ، وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ رَجُلٍ يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ

امام مُجاہد فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو دن بھر روزہ رکھتا اور رات میں قیام کرتا ہے (یعنی ساری رات نوافل ادا کرتا ہے)

اللَّيْلَ، لَا يَشْهَدُ جُمُعَةً وَلَا جَمَاعَةً؟ فَقَالَ :هُوَ فِي النَّارِ،قال حَدَّثَنَا بِذَلِكَ هَنَّادٌ قَالَ:حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، "وَمَعْنَى الْحَدِيثِ :أَنْ لَا يَشْهَدَ الْجَمَاعَةَ وَالْجُمُعَةَ رَغْبَةً عَنْهَا، وَاسْتِخْفَافًا بِحَقِّهَا، وَتَهَاوُنًا بِهَا "

لیکن وہ جُمُعَہ یا جماعت کی نماز میں حاضر نہیں ہوتا ،تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔اس روایت کو حماد نے محاربی اور لیث سے اور اُنہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص جُمُعَہ اور جماعت سے رُوگردانی کرتے ہوئے ،اُن کے حق کو ہلکا سمجھتے ہوئے اور اُن میں سُستی کرتے ہوئے اِن میں شریک نہ ہو۔

تخریج حدیث217:(صحیح بخاری،باب وجوب صلاۃ الجماعۃ ،ج1،ص131 ،حدیث644،دارطوق النجاۃ☆صحیح مسلم،باب فضل صلاۃ الجماعۃ ،ج1،ص451،حدیث651، داراحیاء التراث العربی،بیروت☆سنن ابی داود،باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ ،ج1،ص150 ،حدیث548،المکتبۃ العصریہ،بیروت☆سنن نسائی،التشدید فی التخلف عن الجماعۃ، ج2،ص107 ،مکتب المطبوعات الاسلامیہ،حلب☆سنن ابن ماجہ،باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ ،ج1،ص259 ،حدیث791 ،داراحیاء الکتب العربیہ،بیروت)

تخریج حدیث218:(مصنف عبدالرزاق،باب شہود الجماعۃ ،ج1،ص519 ،حدیث1990 ،المکتب الاسلامی،بیروت)

شرح حدیث

علامہ ابن بطال (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

((تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں)) یہ جماعت کی تاکید پر اور اس کے معاملہ کے عظیم ہونے پر دلیل ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ساتھ نمازوں کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾ نمازوں کی حفاظت کرو۔ (البقرہ:238) اور نمازوں کی مکمل حفاظت میں سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ، ج2، ص269، مکتبۃ الرشد، ریاض)

امام جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

((پھر میں نماز کا حکم دوں تو نماز قائم کردی جائے پھر میں ان لوگوں کو آگ لگادوں جو نماز کیلئے حاضر نہیں ہوتے))

ابن سید الناس نے فرمایا: علماء کا اس میں نماز اختلاف ہے جس سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کو جلانے کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ وہ نماز کون سی ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ وہ عشاء کی نماز ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عشاء اور فجر ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ جُمُعَہ کی نماز ہے، یحیی بن معین نے کہا وہ جُمُعَہ کی نماز ہے، اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ تمام نمازیں ہیں۔ (قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص130، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

جماعت کا حکم، مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے عام مشائخ نے فرمایا بے شک یہ واجب ہے اور علامہ کرخی نے ذکر کیا کہ یہ سنت ہے اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس درجہ فضیلت والی ہے اور ایک روایت میں پچیس درجہ ہے، آپ نے جماعت کو فضیلت حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا اور یہ سنتوں کی نشانی ہے۔ اور عام مشائخ کے قول کی وجہ کتاب وسنت کے فرامین اور امت کا ہمیشگی سے عمل کرنا ہے، بہر حال کتاب اللہ سے دلیل تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (البقرہ:43) اللہ تعالیٰ نے رکوع کرنے

والوں کے ساتھ رکوع کا حکم دیا ہے اور یہ رکوع میں شریک ہونے کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے لہذا یہ نماز کو جماعت کے ساتھ قائم کرنے کا حکم ہے اور مطلق امر وجوب عمل کیلئے آتا ہے۔

اور بہر حال سنت سے دلیل تو وہ حدیث جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأَنْصَرِفَ إِلَى أَقْوَامٍ تَخَلَّفُوا عَنِ الصَّلَاةِ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ)) تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ میں ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ان اقوام کی طرف جاؤں جو نماز سے پیچھے رہتے ہیں تو میں ان کے گھروں کو آگ لگادوں۔

اس طرح کی وعید واجب کے ترک پر ہی آتی ہے۔

اور بہر حال امت کا توارث تو اس لئے کہ امت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اس کے کرنے پر قائم ہے اور اس کے تارک کو سرزنش کرنے والی ہے اور اس طور پر مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔

اور یہ جو ماقبل واجب اور سنت کا اختلاف ذکر کیا یہ حقیقی اختلاف نہیں بلکہ یہ تعبیر کا اختلاف ہے کیونکہ سنت مؤکدہ اور واجب برابر ہیں بالخصوص وہ جو شعائر اسلام میں سے ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام کرخی نے اس کو سنت کہا پھر اس کی تفسیر واجب کے ساتھ کرتے ہوئے فرمایا جماعت سنت ہے کسی کو اس سے پیچھے رہنے کی رخصت نہیں سوائے عذر کی وجہ سے اور جمہور کے نزدیک یہ واجب کی تفسیر ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل بیان من تجب علیہ الجماعۃ، ج1، ص155، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

جماعت ایسے عاقل، بالغ، آزاد مردوں پر واجب ہے جو بغیر حرج کے اس پر قادر ہوں لہذا عورتوں، بچوں، پاگل، غلام، مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کٹا ہوئے شخص اور ایسا بوڑھا شخص جو چلنے پر قادر نہ ہو اور مریض پر واجب نہیں۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان من تجب علیہ الجماعۃ، ج1، ص155، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

اور نہر میں مفید سے ہے: جماعت واجب ہے اور سنت اس معنی میں ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے، اھ۔ اور وتر کے سنت ہونے والی روایت کے جواب کی طرح ہے یعنی اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے اور شرح منیہ میں فرمایا: احکام وجوب پر دلالت کرتے ہیں یعنی بلا عذر اس کے تارک کو تعزیراً سزا دی جائے گی اور اس کی شہادت رد کردی جائے گی اور خاموش رہنے کی وجہ سے اس کا پڑوسی گناہ گار ہوگا۔ (رد المحتار ملخصا، باب الامامۃ، ج1، ص552، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موٴقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

ہر فرض نماز کی جماعت مردوں پر واجب ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((والذی نفسی بیدہ لقد هممت أن آمر بحطب فيحتطب، ثم آمر بالصلاة ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم بالنار)) قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیوں کے گھٹے جمع کرنے کا حکم کروں پھر نماز کا حکم دوں پھر میں ایک شخص کو حکم دوں وہ لوگوں کی امامت کروائے پھر ان مردوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے تو میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ متفق علیہ۔ اور یہ نماز کے صحیح ہونے کیلئے شرط نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((تفضل صلاة الجماعة على صلاة الفذ بخمس وعشرين درجة)) جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے پچیس درجہ افضل ہے۔ متفق علیہ۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صلاۃ الجماعۃ، ج 1، ص 287، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موٴقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

احادیث صحیحہ مشہورہ اور مسلمانوں کے اجماع کی وجہ سے جماعت مأمور بہ (اس کا حکم دیا گیا) ہے، اور ہمارے اصحاب کی اس میں تین وجوہات (اقوال) ہیں: (1) یہ فرض کفایہ ہے۔ (2) سنت ہے۔ مصنف نے ان دونوں کی دلیل ذکر کی ہے۔ (3) ہر ایک کیلئے فرض عین ہے لیکن نماز کے صحیح ہونے کی شرط نہیں اور یہ تیسرا قول فقہ وحدیث میں ہمارے اکابر ماہر اصحاب میں سے دو کا قول ہے اور وہ علامہ ابو بکر بن خزیمہ اور علامہ ابن منذر ہیں۔ رافعی نے کہا: کہا گیا ہے کہ یہ امام شافعی کا قول ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، اور یہی وہ ہے جس پر امام شافعی نے کتاب الامامۃ میں نص فرمائی ہے جیسا کہ اس کو مصنف نے ذکر کیا ہے اور یہی ہمارے مذہب کے دو شیوخ شیخ ابن سریج اور شیخ ابو اسحاق اور ہمارے جمہور متقدمین اصحاب کا قول ہے اور اس کو اکثر مصنفین نے درست قرار دیا ہے اور صحیح احادیث اسی کا تقاضا کرتی ہیں۔

اور ایک گروہ نے اس کے سنت ہونے کو صحیح قرار دیا ہے ان میں سے ایک شیخ ابو حامد ہیں پس اگر ہم اس کو فرض کفایہ قرار دیں تو شہر والوں یا دیہات والوں کے اس کو قائم نہ کرنے سے امام ان سے قتال کرے گا اور ان سے قتال ساقط نہیں ہوگا مگر اس وقت کہ وہ اس طرح جماعت کو قائم کرلیں کہ یہ شعار ان میں ظاہر ہو جائے اور جب ہم اسے سنت قرار دیں تو یہ سنت موٴکدہ ہے

، ہمارے اصحاب نے کہا کہ اس کا ترک مکروہ ہے اس کی شیخ ابو حامد، ابن صباغ اور دوسرے علماء نے صراحت کی ہے پس اسی بناء پر اگر شہر والے یا دیہات والے اس کو چھوڑنے پر متفق ہو جائیں تو کیا ان سے قتال کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں: ان میں سے صحیح ترین یہ ہے کہ قتال نہیں کیا جائے گا جیسا کہ فجر وظہر وغیرہ کی سنتوں میں ہے اور اسی پر بندنیجی نے جزم کیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ قتال کیا جائے گا کیونکہ یہ شعارِ ظاہر ہے۔ (المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ الجماعۃ، ج4، ص182 تا 186، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ شمس الدین ابو عبداللہ رُعینی مالکی فرماتے ہیں:

جماعت کے ساتھ نماز کا حکم سنت ہے اور اسی پر اکثر شیوخ ہیں اور ان میں سے کثیر تعداد کہتی ہے کہ سنت مؤکدہ ہے اور مازری نے ہمارے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے اور تلقین میں کہا مستحب ہے فضیلت کی تاکید کی گئی ہے اور عارضہ میں کہا: مستحب ہے اس پر ابھارا گیا ہے اور ابن رشد نے اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے کہا: من حیث الجملہ فرض کفایہ ہے، ہر مسجد میں سنت ہے، خاص شخص کیلئے فضیلت ہے اور اہل مذہب میں سے کثیر نے صراحت کی ہے کہ جب تمام شہر والے اس کو ترک کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے، لہذا بعض نے اس سے یہ اخذ کیا کہ فرض کفایہ ہے اور بعض نے کہا کہ ان سے قتال سنت کو ہلکا جاننے کی وجہ سے ہے۔ (مواہب الجلیل، فصل صلاۃ الجماعۃ، ج2، ص81، دار الفکر، بیروت)

جماعت کی اہمیت اور اسے چھوڑنے کی وعیدیں

(1) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيضٌ، إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ، وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ)) ترجمہ: تحقیق میں نے دیکھا کہ ہم میں سے کوئی بھی نماز سے پیچھے نہیں رہتا تھا مگر وہ منافق جس کا نفاق ظاہر ہو یا مریض اگر مریض دو اشخاص کے درمیان چل سکتا ہوتا تو وہ نماز کیلئے آجاتا، اور فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدی سکھائی ہیں اور سنن ہدی میں سے ایک اس مسجد میں نماز پڑھنا ہے جس میں اذان دی گئی ہے۔ (صحیح مسلم، باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الہدی، ج1، ص453، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((فَلَوْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَتَرَكْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَمَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ، ثُمَّ يَمْشِي إِلَى صَلَاةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً أَوْ يَرْفَعُ لَهُ بِهَا دَرَجَةً أَوْ يُكَفِّرُ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً وَلَقَدْ

رَأَيْتُنَا نُقَارِبُ بَيْنَ الْخُطَا وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومٌ نِفَاقُهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُ الرَّجُلَ يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ)) ترجمہ: پس اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، اور اپنی مساجد کو چھوڑ دو تو تم نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے اور جو بھی مسلمان شخص وضو کرے، پھر اچھے طریقے سے وضو کرے، پھر نماز کی طرف چلے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ہر قدم پر جو وہ چلتا ہے اس کے بدلہ ایک نیکی لکھتا ہے یا اس کیلئے اس کے بدلے میں ایک درجہ بلند کرتا ہے یا اس سے ایک خطا مٹا دیتا ہے اور تحقیق میں نے دیکھا کہ ہم قدموں کے درمیان تھوڑا تھوڑا فاصلہ کرتے تھے یعنی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے تھے اور تحقیق میں نے دیکھا کہ اس سے کوئی پیچھے نہیں رہتا تھا مگر ایسا منافق جس کا نفاق معلوم ہوتا، اور تحقیق میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کو دو آدمیوں کے درمیان اٹھا کر لایا جاتا یہاں تک کہ اس کو صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔

(سنن نسائی، المحافظۃ علی الصلوات حیث ینادی بھن، ج2، ص108، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(3) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کسی شہر یا گاؤں میں تین چیزیں نہیں ہوتیں، ان میں نماز قائم نہیں کی جاتی مگر ان پر شیطان غالب آ جاتا ہے تو تم پر جماعت لازم ہے بے شک بھیڑیا کنارے والی بکری کو کھا لیتا ہے۔

(سنن ابی داؤد، باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ، ج1، ص150، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، التشدید فی ترک الجماعۃ، ج2، ص106، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ مسند احمد بن حنبل، حدیث ابی درداء، ج36، ص42، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ المستدرک للحاکم، ومن کتاب الامامۃ وصلاۃ الجماعۃ، ج1، ص330، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(4) سنن ابی داؤد اور المستدرک للحاکم میں ہے، واللفظ للحاکم، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ فَلَا صَلَاةَ لَهُ قَالُوا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ)) ترجمہ: جس نے منادی کو سنا پھر اس کی اتباع سے روکنے والا کوئی عذر نہ ہو تو اس کی نماز نہیں، صحابہ نے عرض کی: عذر کیا ہے؟ فرمایا: خوف یا بیماری۔

(المستدرک للحاکم، ج1، ص373، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ، ج1، ص151، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(5) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ)) ترجمہ: جس نے اذان سنی پھر وہ جماعت کیلئے نہیں آیا تو اس کی کوئی نماز

نہیں مگر عذر کے ساتھ۔

(سنن ابن ماجہ، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ، ج1، ص260، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ المستدرک للحاکم، واما حدیث عبد الرحمن بن مہدی، ج1، ص373، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(6) حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے، ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ((لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجَمَاعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ)) ترجمہ: ضرور بالضرور لوگ جماعت کو چھوڑنے سے باز آجائیں گے یا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ، ج1، ص260، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(7) حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ أَوْ لَأُحَرِّقَنَّ بُيُوتَهُمْ)) ترجمہ: لوگ ضرور بالضرور جماعت کے ترک سے باز آجائیں یا ضرور بالضرور میں ان کے گھر جلا دوں گا۔ (سنن ابن ماجہ، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ، ج1، ص260، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(8) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ)) ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں مگر مسجد میں۔

(المستدرک للحاکم، واما حدیث عبد الرحمن بن مہدی، ج1، ص373، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(9) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((صَلَاتُكَ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِكَ وَحْدَكَ وَصَلَاتُكَ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِكَ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَثُرَتْ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ)) ترجمہ: تمہارا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنا تمہارے اکیلے نماز پڑھنے سے اچھا ہے اور تمہارا دو مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا ایک مرد کے ساتھ نماز پڑھنے سے اچھا ہے اور جو اس سے زیادہ ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔

(المستدرک للحاکم، واما حدیث عبد الرحمن بن مہدی، ج1، ص375، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فوائد حدیث

علامہ ابو الفضل زین الدین عراقی (متوفی 806ھ) فرماتے ہیں:

(1) اگر امام بوقت ضرورت اپنا نائب بنائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور وہ نائب بھی امام کی طرح ہوگا۔ (3) اس جملہ "میں ان کے گھر جلا دیتا" سے مالی سزا کا جواز ثابت ہو رہا ہے اور امام احمد اسی کی طرف گئے ہیں اور جمہور اس طرف گئے ہیں

کہ مالی سزائیں مال کو ضائع کرنے سے روکنے والی اور اس جیسی دوسری نصوص سے منسوخ ہوگئی ہیں اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ اس باب سے ہے کہ واجب اس کے بغیر تام ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ غیر معلوم مکانوں میں چھپ جاتے ہیں تو گھر جلانے سے ان تک پہنچنے کا ارادہ کیا ہے۔

(2) اس میں نماز با جماعت کی تاکید ہے اور اس پر ابھارنا ہے اور تارک جماعت کو خوف دلانا ہے۔

(3) جو اس طرف گئے کہ جماعت فرض عین ہے انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ اگر یہ سنت یا فرض کفایہ ہوتی تو ان کو جلانے کا ارادہ نہ فرماتے اور اس پر امام بخاری نے باب کا عنوان قائم کیا ہے باب وجوب صلوۃ الجماعۃ، قاضی عیاض اور قرطبی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضور نے ارادہ فرمایا لیکن یہ کیا نہیں، ابن دقیق العید نے کہا یہ بہت ضعیف بات ہے کیونکہ حضور صرف اسی کا ارادہ کرتے ہیں جس کا کرنا آپ کیلئے جائز ہو اگر مجیب اس کے ساتھ اس بات کو بھی تسلیم کرلے کہ یہ مومنین کے حق میں ہے۔ قرطبی نے کہا: یہ خوف دلانے اور ان منافقوں کیلئے وعید کے انداز پر کلام کیا گیا ہے جو جماعت اور جُمُعَہ سے پیچھے رہ جاتے تھے اور صحابہ کے نزدیک جماعت سے پیچھے رہ جانا علامات نفاق میں سے ایک علامت تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے دیکھا ہم میں سے کوئی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا مگر وہ منافق جس کا نفاق معلوم ہوتا اور جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہمارے اور منافقین کے درمیان عشاء اور فجر کی حاضری ہے وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

قاضی عیاض نے کہا: اور ایک وجہ فرض نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو یہ خبر نہیں دی کہ جو جماعت سے پیچھے رہ جانے والے ہیں ان کی نماز باطل ہے کافی نہیں ہے حالانکہ یہ موضع بیان ہے اور اس کے بارے میں ابن دقیق العید نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک بیان کیلئے ضروری نہیں کہ وہ نص ہی ہو کبھی دلالۃً بھی بیان ہوتا ہے، اگر کوئی دلیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عبادت میں واجب چیز اس عبادت کی شرط ہوتا ہے تو حضور کا صحابہ کے سامنے اس کو ذکر کرنا حاضری کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(4) اس میں وعید اور ڈرانے کو سزا سے مقدم کرنا ہے، ابن دقیق العید نے کہا: اور اس میں راز یہ ہے کہ جب فساد ہلکی زجر کے ساتھ مرتفع ہو جائے تو اعلیٰ کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(5) روایات اور اقوالِ علما اس نماز کے معین کرنے میں مختلف ہیں جس کے ترک پر وعید سنائی گئی ہے کہ وہ عشاء ہے یا فجر یا جُمُعَہ؟ پس ظاہر الروایہ میں اس سے مراد عشا کی نماز ہے اور یہ حضرت اعرج کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد نماز عشاء ہے، اس روایت کے آخر میں ہے: ((لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَظْمًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ

حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ)) ترجمہ: اگران میں سے کسی کو یہ امید ہو کہ وہاں اس کی موٹی ہڈی یا دو مرماۃ حسنہ (یعنی بکری کے کھر کے درمیان جو گوشت ہوتا ہے) ملیں گے تو وہ ضرور عشاء میں حاضر ہوتا۔

اور تحقیق اس کی صراحت وارد ہے اس روایت میں جس کو عبداللہ بن وہب نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا انہوں نے عجلان مولی مشمعل سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ مِمَّنْ حَوْلَ الْمَسْجِدِ لَا يَشْهَدُونَ الْعِشَاءَ أَوْ لَأُحَرِّقَنَّ حَوْلَ بُيُوتِهِمْ)) مسجد کے گرد رہنے والے مرد ضرور بالضرور مسجد میں نمازِ عشا کی غیر حاضری سے باز آجائیں گے یا میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں گا۔ اور ابن بطال نے اس قول کو حضرت سعید بن مسیّب سے نقل کیا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ وہ عشاء اور فجر دونوں ہیں اور اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے شیخین نے اس حدیث کے بعض طرق میں ذکر کیا ہے کہ ((إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا وَلَقَدْ هَمَمْتُ الخ)) بے شک منافقین پر سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے اور اگر وہ اس کو جان لیتے جو ان دونوں میں ہے تو وہ ان دونوں کیلئے آتے اگر چہ سرین کے بل گھسٹنا پڑتا اور تحقیق میں نے ارادہ کیا پھر اس روایت کو آخر تک ذکر کیا۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ نماز جُمُعَہ ہے اور اس کی دلیل امام بیہقی کی وہ روایت ہے جو اصل میں مذکور ہے: ((فَأُحَرِّقُ عَلَى قَوْمٍ بُيُوتَهُمْ لَا يَشْهَدُونَ الْجُمُعَةَ)) میں ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں گا جو جُمُعَہ میں حاضر نہیں ہوتے اور اس کی دلیل وہ روایت بھی جس کو اصل میں صحیح مسلم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قوم کیلئے فرمایا جو جُمُعَہ سے پیچھے رہ جاتے تھے کہ میں نے ارادہ کیا پھر روایت ذکر کی۔ اور علامہ ابن بطال نے اس قول کو امام حسن بصری سے نقل کیا ہے اور امام ابن معین سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ حدیث جُمُعَہ کے بارے میں ہے کسی اور کے بارے نہیں، انتہی۔ اور یہ ان باتوں میں سے ہے جو حدیث سے جماعت کے فرض عین ہونے کا استدلال کرنے والوں کے قول کو ضعیف کرنے والی ہیں کیونکہ جب اس سے مراد جُمُعَہ ہے اور جماعت جُمُعَہ میں شرط ہے تو اس میں دوسری نمازوں کی جماعت پر کوئی دلیل باقی نہ رہی۔

علامہ ابن دقیق العید نے کہا: جو اس نماز کے بارے میں ثابت روایات ہیں ان میں نظر کرنے کی ضرورت ہے کہ اس سے مراد جُمُعَہ ہے یا عشاء ہے یا فجر؟ اگر احادیث مختلف ہوں تو ہر ایک کا قول کیا جائے اور اگر حدیث ایک ہو جس کے بارے میں بعض طرق مختلف ہوں اور کسی ایک کو ترجیح نہ ہو تو استدلال کو موقوف کر دیا جائے یہ ان کے کلام کا حاصل ہے۔ میں نے کہا بیہقی

کی روایت اس کے جُمُعَہ ہونے میں اور اس کے عشاء و فجر ہونے میں ایک حدیث ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث جُمُعَہ کے بارے میں ایک دوسری مستقل حدیث ہے، اس بناء پر حضرت ابن مسعود حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں کوئی عیب نہیں لگائے گی اور حدیث ابو ہریرہ کے اختلاف کے بارے نظر کی جائے گی اور تحقیق امام بیہقی نے اس جماعت کی روایت کو جُمُعَہ کی روایت پر ترجیح دی ہے پس انہوں نے اس میں جُمُعَہ کی روایت کے بعد کہا اور جس پر تمام روایت دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ انہوں نے جماعت کو جُمُعَہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور علامہ نووی نے خلاصہ میں امام بیہقی کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا بلکہ یہ دو روایتیں ہیں ایک روایت جُمُعَہ کے بارے میں ہے اور ایک روایت تمام نمازوں کی جماعت کے بارے میں ہے اور یہ دونوں صحیح ہیں۔

(6) "ظاہر یہ" نے اس حدیث سے جو استدلال کیا کہ تمام نمازوں میں جماعت شرط ہے، علامہ ابن دقیق العید نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ جب خوف دلانے کے ساتھ یہ وعید معین نماز یعنی نماز عشاء یا جُمُعَہ یا فجر کے بارے میں وارد ہوئی تو یہ اس نماز میں جماعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے تو ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اور معنی کی اتباع کو ترک کرتے ہوئے ظاہر یہ کے مذہب کا تقاضا ہے کہ یہ دوسری نمازوں میں جماعت کے واجب ہونے پر دلالت نہ کرے، (یہ تو ظاہر یہ پر اعتراض تھا) مگر ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ فرمان لیتے ہیں کہ "میں نماز کا حکم دیتا" اس کو صلوۃ کے عموم پر برقرار رکھا جائے گا پس اس وقت اس میں حدیث کے لفظ، سیاق اور اس پر دلالت کرنے والے امور کے اعتبار کی ضرورت ہوگی لہٰذا اگر طلب حق کی تحقیق کا ارادہ ہو تو لفظ صلوۃ کو اس پر محمول کیا جائے۔

(7) اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ارادہ کیا یعنی خوف دلایا اس ارادے کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ اس بات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے تھا کہ انہوں نماز پڑھی ہے، تو یہ خوف دلانا اصل نماز کے ترک پر ہوگا یا یہ جماعت کے ترک کی وجہ سے تھا جبکہ معلوم ہو کہ انہوں نے گھروں میں نماز پڑھ لی ہے۔ دوسرا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ فرمایا: ((لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ)) وہ نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور تحقیق اس کی صراحت کہ وہ گھروں میں نماز پڑھتے تھے اس روایت میں وارد ہے جس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے پس حضور نے اس روایت میں فرمایا: ((ثُمَّ آتِي قَوْمًا يُصَلُّونَ فِي بُيُوتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ فَأُحَرِّقُهَا عَلَيْهِمْ)) پھر میں اس قوم کے پاس آؤں جو بلا وجہ گھروں میں نماز پڑھتے ہیں تو میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

(8) اسی طرح ان لوگوں کے بارے میں اختلاف ہے جن کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے جلانے کی وعید سنائی کہ کیا وہ منافق ہیں یا مومن ہیں؟ اور جنہوں نے اس بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے ان میں علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض بھی شامل ہیں اور ابن بطال نے کہا منافق ہیں اور ان کا استدلال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہے کہ آپ نے قسم اٹھا کر فرمایا: ((انه يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ)) اگر ان میں سے کسی کو یہ امید ہو کہ

وہاں اس کی موٹی ہڈی یا دو مرماۃ حسنہ (یعنی بکری کے کھر کے درمیان جو گوشت ہوتا ہے) ملیں گے تو وہ ضرور عشاء میں حاضر ہوتا۔ اور یہ مومنین کی صفات میں سے نہیں ہے، علامہ ابن دقیق العید نے کہا: آغاز حدیث سے سیاق حدیث بھی اس کا شاہد ہے اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے: ((أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ)) (منافقین پر تمام نمازوں سے بھاری) اور اس وجہ سے بھی اس کو ترجیح دی کہ آپ کا جلانے کا ارادہ فرمانا جواز پر دلالت کرتا ہے اور جلانے کو ترک کرنا ترک کے جواز پر دلالت کرتا ہے اور یہ مومنین کے بارے میں نہیں ہوگا۔

اور انہوں نے اس سے قبل کہا کہ حضور نے منافقین کی سزا کو ترک کر دیا حالانکہ ان کو سزا دینا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے مباح تھا اور اس معاملہ میں با اختیار تھے۔ اور قرطبی نے کہا کہ وہ مومن ہیں اور ان کا استدلال ابوداؤد کی گزشتہ روایت سے ہے جس میں یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے تھے انہوں نے کہا حالانکہ منافق تو گھروں میں نماز نہیں پڑھتے تھے وہ تو جماعت میں دکھلاوے اور شہرت کیلئے نماز پڑھتے تھے۔ میں نے کہا اس میں ان کیلئے حجت نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ يَجْلِسُ أَحَدُهُمْ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا)) منافقین کی نماز یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بیٹھا رہتا ہے یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور چار چونچیں مار لیتا ہے جس میں وہ تھوڑا سا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔

اور کبھی ان کے گھروں میں پڑھی ہوئی نماز مشار الیہ ہوتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اس طرح مذموم انداز میں پڑھی ہوئی نماز تو لوگوں کو نہیں دکھائیں گے، واللہ اعلم۔

(9) مسلم کی روایت میں ہے: ((فَقَدْنَا نَاسًا فِي بَعْضِ الصَّلَوَاتِ)) ہم نے بعض نمازوں میں کچھ لوگوں کو مفقود پایا ۔ یہ سبب حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

(10) ابوداؤد کی روایت میں یزید بن اصم کا قول "صُمَّتَا أُذُنَايَ كَذَا" ہے، ہماری مسند روایت میں سماعی طور پر ایسا ہی ہے اور یہ بنو حارث کی لغت ہے۔

(11) منافقین پر سب سے بھاری عشاء اور فجر کی نماز ہے یہ دونوں نمازیں منافقین پر دو امور کی وجہ سے بھاری ہیں: ایک تو اس مشقت کی وجہ سے جو ان دونوں میں مسجد کی حاضری میں ہوتی ہے یعنی اندھیرا اور ان کے وقت کے سکون یا غلبہ نیند یا گھر والوں سے خلوت کا وقت ہونا تو اس مشقت پر کوئی ہمت نہیں کر سکتا مگر جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی توفیق دی گئی ہو اور منافق یا تو اس میں شک کرنے والا ہوتا ہے یا وہ تصدیق نہیں کرتا تو اس پر یہ بھاری ہو جاتی ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ منافقین جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔ (النساء:142) اور یہ دونوں نمازیں رات میں ہوتی ہیں تو بہت مرتبہ ان سے غائب ہونے والا مخفی رہ جاتا ہے اور اس کا حال چھپ جاتا ہے بخلاف باقی نمازوں کے بے شک ان کو تو لوگ دیکھتے ہیں اور جو غائب ہو اس کا پتہ چل جاتا ہے تو ان کی ریاء ان کو ان نمازوں میں حاضری پر ابھارتی ہے تاکہ لوگ انہیں دیکھیں۔ اور پہلی وجہ زیادہ ظاہر ہے آیت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ: ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى﴾ جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔ (النساء:142) اور اس میں بھی کوئی مانع نہیں کہ آیت میں جو دو امر مذکور ہیں وہ دونوں ہی ان مذکورہ نمازوں میں ترک جماعت پر ابھارنے والے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(طرح التثریب فی شرح التقریب ملخصا، الحدیث الرابع، ج2، ص307 تا312، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 161

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَحْدَهُ ثُمَّ يُدْرِكُ الْجَمَاعَةَ

جو شخص تنہا نماز ادا کرے پھر جماعت کو پالے

219- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ:حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ:أَخْبَرَنَا يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ قَالَ:حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ، فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ انْحَرَفَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي أُخْرَى الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ، فَقَالَ:عَلَيَّ بِهِمَا، فَجِيءَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا، فَقَالَ:مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا، فَقَالَا:يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا، قَالَ :فَلَا تَفْعَلَا، إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ، فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ، وَفِي الْبَابِ عَنْ مِحْجَنٍ، وَيَزِيدَ بْنِ عَامِرٍ،قال ابو عيسى:حَدِيثُ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ،

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج میں حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ فجر کی نماز مسجد خیف میں ادا کی، نماز پوری کرنے کے بعد آپ نے صحابہ کرام کی طرف رُخ فرمایا تو سب سے آخر میں دو آدمی بیٹھے ہوئے دیکھے جنہوں نے آپ کے ہمراہ نماز ادا نہیں کی تھی، آپ نے فرمایا: ان کو میرے پاس لاؤ، چنانچہ اُنہیں اس حالت میں لایا گیا کہ اُن کے کندھے (خوف سے) کانپ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے رُوکا ہے، اُنہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنی منزل میں نماز پڑھ چکے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کیا کرو، اگر تم اپنی منزل میں نماز پڑھ لو اور پھر مسجد جماعت (یعنی جس مسجد میں جماعت ہوتی ہو اُس) میں آؤ، تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو بے شک یہ تم دونوں کے نفل ہو جائیں گے۔

اس باب میں حضرت محجن دیلی اور یزید بن عامر رضی اللہ عنہما سے بھی روایات ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یزید بن اسود کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ اور متعدد علما کا یہی قول ہے۔

سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی

وَإِسْحَاقُ، قَالُوا :إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ وَحْدَهُ ثُمَّ أَدْرَكَ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّهُ يُعِيدُ الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا فِي الْجَمَاعَةِ، وَإِذَا صَلَّى الرَّجُلُ الْمَغْرِبَ وَحْدَهُ ثُمَّ أَدْرَكَ الْجَمَاعَةَ، قَالُوا : فَإِنَّهُ يُصَلِّيهَا مَعَهُمْ وَيَشْفَعُ بِرَكْعَةٍ، وَالَّتِي صَلَّى وَحْدَهُ هِيَ الْمَكْتُوبَةُ عِنْدَهُمْ

نظریہ ہے کہ یہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص علیحدہ نماز پڑھ لے اور پھر جماعت کو پالے تو وہ تمام نمازوں کو جماعت کے ساتھ (بھی) لوٹائے۔ اگر مغرب کی نماز تنہا ادا کرلے اور پھر جماعت کو پائے تو ان علما کا موقف یہ ہے کہ یہ شخص لوگوں کے ہمراہ اس نماز کو ادا کرے اور ایک رکعت ملا کر (اُس نماز کو) جفت کر لے۔ اور جو نماز علیحدہ پڑھی وہ اُن علما کے نزدیک فرض شمار ہوگی۔

تخریج حدیث219: (سنن ابی داود، باب فیمن صلی فی منزلہ الخ، ج1، ص157، حدیث575، المکتبۃ العصریۃ، بیروت ☆ سنن نسائی، اعادۃ الفجر مع الجماعۃ لمن صلی وحدہ، ج2، ص112، حدیث858، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((مسجد خیف میں)) اور وہ منی میں مشہور مسجد ہے۔ علامہ طیبی نے کہا: خیف وہ ہے جو پہاڑ کی بلندی سے نیچے ہو اور وادی سے بلند ہو یعنی یہ اس کی وجہ تسمیہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب من صلی صلاۃ مرتین، ج3، ص885، دار الفکر، بیروت)

((انحرف کیا)) یعنی اس سے پھر گئے، علامہ ابن حجر نے کہا یعنی اپنی دائیں طرف مقتدیوں کی طرف اور بائیں طرف قبلہ کی طرف کر دی جیسا کہ سنت ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب من صلی صلاۃ مرتین، ج3، ص886، دار الفکر، بیروت)

فرائص فریصہ کی جمع ہے اور یہ وہ گوشت ہے جو پہلو اور کندھے کے درمیان ہوتا ہے اور یہ خوف کے وقت حرکت اور اضطراب میں آجاتا ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ڈر رہے تھے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب من صلی صلاۃ مرتین، ج3، ص886، دار الفکر، بیروت)

فرض پڑھنے کے بعد جماعت میں شامل ہونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

پھر مکمل کرنے کے بعد اگر چاہے تو نفل پڑھتے ہوئے اقتدا کرلے اور یہ افضل ہے کراہت کے نہ ہونے کی وجہ سے، عصر اور فجر میں ایسا نہ کرے ان دونوں کے بعد نفل پڑھنے کی ممانعت کی وجہ سے۔ اور مغرب میں بھی نہ کرے مخالفت کی وجہ سے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا صليت في أهلك ثم أدركت الصلاة فصلها إلا الفجر والمغرب)) ترجمہ: جب تم اپنے گھر والوں میں نماز پڑھ لو پھر جماعت کو پاؤ تو اس کے ساتھ نماز پڑھو سوائے فجر اور مغرب کے۔ اور آپ کا فرمان ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لو، اس سے مراد نفل نماز ہے کیونکہ ان دو شخصوں کو آپ نے اسی کا صراحتاً حکم دیا جنہوں نے اپنی منزل میں نماز پڑھنے کی وجہ سے آپ کے ساتھ ظہر اور عصر نہیں پڑھی تھی چنانچہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جب تم اپنی منزل میں نماز پڑھ لو پھر قوم کی جماعت میں آؤ تو ان کے ساتھ نفل نماز پڑھو۔ یہاں لفظ "سبحۃ" ہے جس کا معنی ہے نفل نماز ہے جیسا کہ عنایہ میں ہے۔ (مراقی الفلاح، باب ادراک الفریضۃ، ج1، ص174، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ کمال الدین ابن ہمام (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: ((شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ إِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي أُخْرَى الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ فَقَالَ: عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيءَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا قَالَ: مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟ قَالَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُنَّا صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ: فَلَا تَفْعَلَا إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ، فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ)) ترجمہ: میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے موقع پر حاضر ہوا تو میں نے آپ کے ساتھ فجر کی نماز مسجد خیف میں ادا کی پس جب نماز مکمل ہوئی تو دو شخص قوم کے آخر میں موجود تھے جنہوں نے حضور کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ نے فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ چنانچہ انہیں لایا گیا اور ان کے کندھے کانپ رہے تھے تو آپ نے فرمایا تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے اپنی منزل میں نماز پڑھ لی تھی تو حضور نے فرمایا ایسے نہ کرو جب تم اپنی منزل میں نماز پڑھ لو پھر مسجد جماعت میں آؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھو بے شک یہ تمہارے لئے نفل ہیں۔ اس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے اور اس امر کو وجوب سے پھیرنے والا قرینہ یہ ارشاد ہے کہ آپ نے اسے نفل قرار دیا ہے، (یعنی اس حدیث پاک میں مطلقاً نفل کی نیت سے شامل ہونے کا فرمایا ہے، اس میں فجر، عصر اور مغرب کا استثنٰی نہیں)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس حدیث کے معارض ہے جو عصر اور فجر کے بعد نفل کی نہی کے حوالے سے گزری ہے اور وہ قوت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے مقدم ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مانع مقدم ہوتا ہے اور مطلقاً کسی خاص واقعہ کو عام حکم سے مقدم سمجھنا ممنوع ہے بلکہ اتنے حصہ میں وہ دونوں معارض ہوں گی اور اس کا مقام اصول ہیں، یا پھر دلائل میں تطبیق دیتے ہوئے اس روایت کو اوقات معلومہ میں نہی سے قبل پر محمول کیا اور یہ حکم عام کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ اس بارے میں صریح حدیث موجود ہے جس کو دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ((قَالَ إِذَا صَلَّيْتَ فِي أَهْلِكَ ثُمَّ أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّهَا إِلَّا الْفَجْرَ وَالْمَغْرِبَ)) ترجمہ: جب تم اپنے گھر والوں میں نماز پڑھ لو پھر نماز کو پاؤ تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لو سوائے فجر اور مغرب کے۔ عبدالحق نے کہا: اس کو مرفوع قرار دینے میں سہل بن صالح انطا کی متفرد ہیں اور وہ ثقہ ہیں اور جب معاملہ ایسے ہی ہے تو جنہوں نے اس کو موقوف قرار دیا ہے ان کا موقوف قرار دینا کچھ نقصان نہیں دے گا کیونکہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا تو یہ بات مخفی نہیں کہ فجر کو جس علت کی وجہ سے خارج کیا ہے عصر کو اس کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے۔

(فتح القدیر، باب ادراک الفریضۃ، ج1، ص473، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(اگر کوئی نماز پڑھ چکا ہو، اور وہ مسجد میں ہو اور نماز قائم ہو تو نماز ادا کرے) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اپنے فرض پڑھ لئے پھر اسی نماز کو جماعت کے ساتھ پالیا تو اس کیلئے مستحب ہے کہ اس کا اعادہ کرلے، چاہے وہ کوئی بھی نماز ہو بشرطیکہ اس کے مسجد میں ہونے کی حالت میں اس کی جماعت قائم ہو جائے۔ یا لوگوں کے نماز پڑھنے کی حالت میں وہ مسجد میں داخل ہو جائے۔ اور یہ امام حسن، شافعی، ابوثور، کا قول ہے۔ پس اگر فجر یا عصر کی جماعت قائم ہو اور وہ مسجد سے باہر ہو تو اس کیلئے مسجد میں داخل ہونا مستحب نہیں۔ اور قاضی نے نہی کے وقت میں اعادہ کے جائز ہونے کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ امام محلّہ کے ساتھ ہو، خرقی نے امام محلہ اور اس کے غیر میں کوئی فرق نہیں کیا اور نہ ہی نمازی کے جماعت یا منفرد ہونے کے درمیان فرق کیا ہے اور امام احمد کا کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اثرم نے کہا: میں نے ابوعبداللہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جس نے جماعت میں نماز پڑھی پھر مسجد داخل ہو تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے کیا وہ ان کے ساتھ نماز پڑھے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔ اور انہوں نے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذکر کیا کہ: ((أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ)) بہرحال یہ تو اس نے حضور ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔

یہ نفل نماز ہوگی تو یہ داخل نہ ہو اور اگر داخل ہو گیا تو نماز پڑھے، اگرچہ یہ جماعت میں نماز پڑھ چکا تھا، امام ابوعبداللہ سے کہا گیا اور مغرب؟ تو کہا وہ بھی مگر یہ کہ وہ مغرب میں شفعہ پورا کرلے...... اور ہماری دلیل وہ ہے جسے حضرت جابر بن یزید بن اسود نے اپنے والد سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: ((شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الْفَجْرِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ وَأَنَا غُلَامٌ شَابٌّ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ إِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي آخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ. فَقَالَ: عَلَيَّ بِهِمَا فَأُتِيَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا، فَقَالَ: مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟، فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا. قَالَ: لَا تَفْعَلَا، إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا، ثُمَّ أَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ؛ فَإِنَّهَا لَكُمْ نَافِلَةٌ)) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے موقع پر حاضر ہوا تو میں نے ان کے ساتھ مسجد خیف میں فجر کی نماز پڑھی اور میں اس وقت نوجوان تھا پس جب حضور نے نماز مکمل کرلی تو دو آدمی قوم کے آخر میں تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تو حضور نے فرمایا: ان کو میرے پاس لاؤ، انہوں کو لایا گیا اس حال میں کہ ان کے کندھے کانپ رہے تھے تو حضور نے فرمایا: تمہیں ہمارے

ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟ تو عرض گذار ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے اپنی منزل میں نماز ادا کر لی ہے تو حضور نے فرمایا: ایسے نہ کرو جب تم اپنی منزل میں نماز پڑھ چکو پھر مسجد جماعت میں آؤ تو ان کے ساتھ نماز ادا کرو بے شک یہ تمہارے لئے نفل ہیں۔ (سنن ابوداود، جامع ترمذی) اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ کان فی المسجد واقیمت الصلاۃ وقد صلاہا، ج2، ص82,83، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف:

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

جب کوئی شخص فرض نماز جماعت میں یا اکیلا ادا کر لے پھر وہ نماز جماعت میں پالے تو اس کیلئے مستحب ہے اور اختیار ہے کہ ان کے ساتھ نماز ادا کر لے چاہے وہ کوئی بھی نماز ہو اور یہ حضرت علی، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا اگر پہلی نماز اکیلے پڑھی ہو تو اس کا اعادہ جماعت میں کر لے اور اگر پہلی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہو تو ان نمازوں کے علاوہ کا اعادہ کرے جن کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے جیسے فجر اور عصر...... ان میں سے ایک نماز فرض ہے اور ایک نفل۔ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ پڑھنے کے بعد اسی نماز کو پانے والا مامور بالاعادہ ہے تو امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ پہلی نماز فرض ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((فَالْأُولَى هِيَ صَلَاتُهُ وَالثَّانِيَةُ تَطَوُّعٌ)) پہلی ہی اس کی نماز ہے اور دوسری نفل ہے۔

امام شافعی نے اپنے قدیم قول میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ان میں سے فرض شمار فرما لے، اور یہی قول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے اور پہلا قول اصح ہے کیونکہ اس بارے میں حدیث وارد ہے اور اس پر ایک دلیل یہ ہے کہ اگر پہلی نماز فرض نہ مانی جائے تو اس پر دوبارہ نماز لازم ہو جائے۔ (الحاوی الکبیر، مسئلہ، ج2، ص195، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

مدونہ میں ہے:

امام مالک نے فرمایا جب کوئی شخص مسجد آئے اور وہ اپنے گھر میں اکیلا نماز پڑھ چکا ہو تو وہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھے سوائے مغرب کے، اگر وہ مغرب پڑھنے کے بعد مسجد میں داخل ہو تو جب مؤذن مغرب کی اقامت کہے تو وہ مسجد سے نکل جائے۔

(المدونہ، اعادۃ الصلاۃ مع الامام، ج1، ص179، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی فرماتے ہیں:

جس نے اکیلے نماز ادا کی پھر وہ ایسی جماعت کو پالے جو اسی وقت میں اسی نماز کو ادا کر رہی ہو تو اس کیلئے اچھا ہے کہ وہ جائے اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لے اور اگر وہ مسجد میں ہو یا مسجد کے علاوہ پھر اس نماز کی اقامت کہی جائے جو وہ اکیلا ادا کر چکا ہے تو وہ وہاں سے ان کے ساتھ نماز پڑھے بغیر نہ جائے اور یہ مغرب کے علاوہ بقیہ نمازوں کا حکم ہے اور اہل مدینہ میں سے بعض کی یہ رائے ہے کہ مغرب اور غیر مغرب سب کا اعادہ کیا جائے اور پہلے پر ہی ہمارے نزدیک عمل ہے کیونکہ نفل طاق نہیں ہوتے وہ دو دو ہوتے ہیں اور ہمارے اصحاب میں سے اور ان کے علاوہ جس کسی نے یہ کہا کہ مغرب کا اعادہ کرے اور ایک رکعت مزید ملا کر اس کو شفعہ بنالے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ اس کے پاس جس نے یہ کہا اس کا دوسری مرتبہ اعادہ کرے تو یہ چھ رکعتیں ہو جائیں گی۔

اور اس بارے میں ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں: (۱) بغیر تعیین کے دونوں نمازوں میں سے ایک فرض ہے اور دوسری نفل (۲) دوسری نماز نفل ہے اور یہ دونوں اقوال امام مالک سے مروی ہیں۔ اور اسی طرح علما کے اس شخص کے بارے دو قول ہیں جس نے اپنی منفرد ادا کی ہوئی نماز کو امام کے ساتھ دہرایا پھر اسے یاد آیا کہ پہلی نماز تو بغیر وضو کے تھی: (۱) دوسری نماز اس کے فرض کی طرف سے کفایت کر جائے گی (۲) وہ کفایت نہیں کرے گی اور اس پر اعادہ لازم ہے اور یہ میرے نزدیک اس وقت ہے جبکہ وہ جماعت کیساتھ نماز ادا کرتے ہوئے یہ اعتقاد کئے ہوئے ہو کہ وہ فرض ادا کر چکا ہے پھر اس پر ظاہر ہو کہ پہلی نماز بغیر وضو کے ہوئی تھی۔ بہر حال جب جماعت میں فرض اور جماعت کی سنت کی ادائیگی کیلئے داخل ہوا تو پہلی نماز کے فاسد ہونے کی صورت میں اس پر کچھ نہیں اور اگر جماعت کے ساتھ ادا کی جانے والی دوسری نماز بغیر وضو کے ہو اور پہلی جو اکیلے ادا کی تھی وضو کے ساتھ ہو تو پہلی کافی ہے اور قیاس یہی ہے جیسا کہ ہم نے کتاب الاستذکار اور التمہید میں وضاحت کی ہے اور اس بات پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ جس نے اکیلے نماز ادا کر لی وہ اس نماز میں دوسرے کی امامت نہیں کروا سکتا اور اس میں دلیل وہی جو تمہارے لئے ان شاء اللہ واضح کی جائے گی کہ بے شک علماء کے نزدیک یہ نماز نفل ہے۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب اعادۃ الصلاۃ فی جماعۃ لمن صلی وحدہ، ج 1، ص 218,219، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

فرض شروع کر چکا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا کرے:

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

جس نے ظہر کی ایک رکعت ادا کی پھر اقامت ہوئی تو دوسری رکعت پڑھ لے اس نماز کو بطلان سے بچانے کیلئے پھر قوم کے ساتھ جماعت میں داخل ہو جائے جماعت کی فضیلت کو پانے کیلئے اور اگر اس نے پہلی کا سجدہ نہیں کیا تھا تو اس کو توڑ دے اور

امام کے ساتھ شامل ہو جائے یہی صحیح ہے، کیونکہ یہ چھوڑنے کا محل ہے اور یہ توڑنا کامل کرنے کیلئے ہے برخلاف اس کے جب نفل میں ہو کیونکہ وہ کامل کرنے کیلئے نہیں ہوگا اگر وہ ظہر و جمعہ سے قبل کی سنتوں میں ہو پھر اقامت کہی جائے یا خطیب خطبہ دے تو وہ دو کر کے ختم کر دے، یہ امام ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکمل کر لے (یہ دوسرا قول ہی مفتیٰ بہ ہے) اور اگر وہ ظہر کی تین رکعتیں پڑھ چکا ہو تو مکمل کر لے کیونکہ اکثر کل کے حکم میں ہے تو یہ توڑنا کا احتمال نہیں رکھتا برخلاف اس کے جب تیسری رکعت میں ہو اور ابھی اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو کیونکہ اس کو ختم کر سکتا ہے کہ محلِ رفض (یعنی توڑنے کا محل) ہے اور اسے اختیار ہے چاہے تو لوٹ آئے پس بیٹھ کر سلام پھیر دے اور اگر چاہے تو کھڑے کھڑے جماعت میں داخل ہونے کی نیت سے تکبیر کہہ لے اور جب اس نے مکمل اپنی پڑھ لی تو قوم کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائے اور یہ بعد والے اس کے نفل ہو جائیں گے، کیونکہ ایک وقت میں فرض کی تکرار نہیں ہو سکتی۔

اگر فجر کی ایک رکعت پڑھ لی تھی کہ اقامت ہوگئی تو توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ اگر دوسری رکعت ملائے گا تو جماعت فوت ہو جائے گی اور اسی طرح جب دوسری کیلئے کھڑا ہوا جب تک دوسری کا سجدہ نہ کیا ہو۔ اور اگر مکمل کر لی تو اب امام کے ساتھ شامل نہیں ہوگا کیونکہ فجر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح عصر کے بعد بھی اس وجہ سے جو ہم نے کہا، اسی طرح مغرب کے بعد بھی ظاہر الروایہ کے مطابق کیونکہ تین نفل پڑھنا مکروہ ہے اور اس کو چار کرنے میں امام کی مخالفت ہے۔ اور جو مسجد اس وقت داخل ہوا کہ اذان دیدی گئی ہو تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان ہے اذان کے بعد مسجد سے نہیں نکلے گا مگر منافق یا وہ شخص جس کا واپسی کا ارادہ ہو اور وہ کسی حاجت کیلئے جائے۔

مکروہ جو ان میں سے ہو جس سے متعلق جماعت کے معاملہ کا انتظام ہے کیونکہ یہ صورتاً ترک اور معناً تکمیل ہے اور اگر وہ ظہر یا عشاء کی نماز پڑھ چکا تھا تو جانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے داعی کا جواب دیدیا ہے مگر جب اقامت شروع ہو جائے کیونکہ جماعت کی مخالفت کی تہمت لگے گی اور اگر عصر، مغرب یا فجر پڑھ چکا ہو تو نکل جائے اگرچہ مؤذن اقامت شروع کر دے کیونکہ ان کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ (ہدایہ، باب ادراک الفریضۃ، ج 1، ص 71، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 162

بَابُ مَا جَاءَ فِي الجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ مَرَّةً

اُس مسجد میں جماعت کا حکم جس میں ایک بار جماعت ہو چکی ہو

220- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي المُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هَذَا؟ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ، وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، وَأَبِي مُوسَى، وَالحَكَمِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ ابو عيسىٰ: وَحَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَغَيْرِهِمْ مِنَ التَّابِعِينَ، قَالُوا: لَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ القَوْمُ جَمَاعَةً فِي مَسْجِدٍ قَدْ صَلَّى فِيهِ جَمَاعَةٌ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ "وقَالَ آخَرُونَ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ: يُصَلُّونَ فُرَادَى، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَمَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، يَخْتَارُونَ الصَّلَاةَ فُرَادَى "

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر چکے تھے۔ آپ نے (صحابہ سے مخاطب ہوکر) فرمایا: تم میں سے کون اس کے ساتھ (شریک ہوکر) ثواب حاصل کرے گا؟ ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اُس کے ساتھ نماز ادا کی۔

اس باب میں حضرت ابواُمامہ، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حکم بن عُمیر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوسعید کی حدیث ''حسن'' ہے۔ متعدد صحابہ اور تابعین کا یہی نظریہ ہے کہ کسی مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو وہاں دوبارہ جماعت قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام احمد اور امام اسحاق کا یہی مسلک ہے۔ دیگر علما نے فرمایا کہ (پہلی جماعت کے بعد آنے والے لوگ) علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں گے۔

سفیان ثوری، ابن مبارک، امام مالک اور امام شافعی کا مختار یہی ہے کہ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں گے۔

تخریج حدیث 220: (مصنف ابن ابی شیبہ، فی القوم یجیؤں الی المسجد وقد صلی، ج2، ص112، حدیث 7097، مکتبۃ الرشد، ریاض ☆ مسند احمد بن حنبل، مسند ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج17، ص63، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ مسند ابی یعلی، من مسند ابی سعید خدری، ج2، ص321، حدیث 1057، دار المأمون للتراث، دمشق)

شرح حدیث

علامہ ابن اثیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

((کون اجر حاصل کرے گا کہ وہ کھڑا ہو اور اس کے ساتھ نماز پڑھے)) روایت میں "یأتجر" ہے اگر چہ صحیح اس میں "یتّجر" ہے، اس صورت میں یہ تجارت سے ہوگا نہ کہ اجر سے گویا اس کے ساتھ اپنی نماز کے ذریعہ اس نے اپنے لئے تجارت یعنی کمائی حاصل کی۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، اجر، ج1، ص25، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس طرح کی ایک اور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

((نہیں کوئی شخص جو صدقہ کرے)) یعنی اپنے لئے خیر حاصل کرے اور ترمذی کی روایت میں ہے: **((ایک شخص آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کون اس پر تجارت کرے گا تو ایک شخص کھڑا ہوا پھر اس نے اس کے ساتھ نماز ادا کی))** تو گویا کہ اس کے ساتھ اپنی نماز کے ذریعہ اس نے اپنے لئے تجارت یعنی کمائی حاصل کی تو یہ حضور کے اس قول کے موافق ہو گیا کہ وہ صدقہ کرے کیونکہ اس کا معنی ہے کہ اپنے لئے خیر حاصل کرے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، الجمع فی المسجد مرتین، ج3، ص64، مکتبۃ الرشد، ریاض)

نووارد کے ساتھ نماز پڑھنے والا کون تھا اور نماز کونسی تھی:

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

ابو بکر نے کہا: ہمیں ہشیم نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہمیں خصیف بن زید التیمی نے خبر دی کہ حسن نے کہا: بے شک ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ادا کر چکے تھے تو آپ نے فرمایا: کیا کوئی شخص ہے جو اس کی طرف آئے اور اس کے ساتھ نماز ادا کرے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ نماز ادا کی اور تحقیق آپ وہ نماز پڑھ چکے تھے...... اور ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ظہر کی نماز تھی۔

(شرح ابی داؤد للعینی، الجمع فی المسجد مرتین، ج3، ص64، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

((ایک شخص کھڑا ہوا اُس نے اس کے ساتھ نماز ادا کی)) ابن سید الناس نے کہا یہ شخص جو کھڑے ہوئے تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اس کو امام ابن ابی شیبہ نے حسن سے مرسلا روایت کیا ہے۔

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص131، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

تکرار جماعت کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

بے شک صحیح یہ ہے کہ تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے جبکہ وہ پہلی ہیئت پر نہ ہو۔

(ردالمحتار، فائدۃ التسلیم بعد الاذان، ج1، ص396، دارالفکر، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

(1) مسجد اگر شارع عام یا بازار کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں جب تو بالاجماع اس میں تکرار جماعت باذان جدید و تکبیر جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بہ نوبت جو لوگ آئیں نئی اذان و اقامت سے جماعت کرتے جائیں۔

(2) اور اگر مسجد محلہ ہے تو اگر اس کے غیر اہل جماعت کر گئے ہیں تو اہل محلہ کو تکرار جماعت بلاشبہ جائز۔

(3) یا اول اہل محلہ ہی نے جماعت کی مگر بے اذان پڑھ گئے۔

(4) یا اذان آہستہ دی تو ان کے بعد آنے والے باذان جدید بروجہ سنت اعادہ جماعت کریں۔

(5) یا اگر امام میں کسی نقص قرأت وغیرہ یا فسق یا مخالفت مذہب کے باعث جماعت اولیٰ فاسد یا مطلقاً مکروہ یا باقی ماندہ لوگوں کے حق میں غیر اکمل واقع ہوئی جب بھی انہیں اعادہ جماعت سے مانع نہیں۔

یہ سب صورتیں تو قطعی یقینی ہیں اب رہی ایک صورت کہ مسجد مسجدِ محلہ ہے اور اس کے اہل بروجہ مسنون اذان دے کر امام نظیف موافق المذہب کے پیچھے جماعت کر چکے اب غیر لوگ یا اہل محلہ ہی سے جو باقی رہ گئے تھے آئے، انہیں بھی اس مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے ظاہر الروایہ سے حکم کراہت نقل کیا گیا اور علامہ محقق اجل مولی خسرو نے درر وغرر اور مدقق اکمل علامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی نے خزائن الاسرار میں فرمایا کہ اس کراہت کا محل صرف اس صورت میں ہے جب یہ لوگ باذان جدید جماعت ثانیہ کریں ورنہ بالاجماع مکروہ نہیں، اور اسی طرف درمختار میں اشارہ فرمایا اور ایسے ہی منح وغیرہ میں تصریح کی، اور قول محقق منقح یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اذان جدید کے ساتھ اعادہ جماعت کریں تو مکروہ تحریمی، ورنہ اگر محراب نہ بدلیں تو مکروہ تنزیہی ورنہ اصلاً کسی طرح کی کراہت نہیں، یہی صحیح ہے اور یہی ماخوذ للفتوی۔

(فتاوی رضویہ، ج7، ص54، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

دلائل دینے کے بعد مزید فرماتے ہیں:

بالجملہ جماعت ثانیہ جس طرح عامہ بلاد میں رائج ومعمول درروتبع وخزائن شروح معتمدہ کے طور پر تو بالا جماع اور عند التحقیق قول صحیح مفتی بہ پر بلا کراہت جائز ہے کہ دوسری جماعت والے تجدید اذان نہیں کرتے اور محراب سے ہٹ ہی کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم پر لازم کہ ائمہ فتوی جس امر کی ترجیح وتصحیح فرماگئے اس کا اتباع کریں۔۔۔۔ پھر خلاف صحیح مذہب اختیار کرکے اسے ناجائز وممنوع بتانا اور اس کے سبب لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو گنہگار ٹھہرانا محض بے جا ہے۔

ثم اقول حال زمانہ کی رعایت اور مصلحت وقت کا لحاظ بھی مفتی پر واجب، علماء فرماتے ہیں: من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔ جو شخص اپنے دور کے لوگوں کے احوال سے آگاہ نہیں وہ جاہل ہے۔

اب دیکھئے کہ جماعت ثانیہ کی بندش میں کوشش وکاوش سے یہ تو نہ ہوا کہ عوام جماعت اولیٰ کا التزام تام کرلیتے، رہا وہی کہ کچھ آئے کچھ نہ آئے، ہاں یہ ہوا کہ آٹھ آٹھ دس دس جورہ جاتے ہیں ایک مسجد میں ایک وقت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ کرنا حق روافض سے مشابہت پاتے ہیں حضرات مجتہدین رضوان اللہ تعالی اجمعین کے زمانے میں ایسی مشابہت پیدا ہونا درکنار خود جماعت کی برکات عالیہ ظاہر یہ وباطنیہ سے محروم رہنا ایک سخت تازیانہ تھا جس کے ڈر سے عوام خواہی نخواہی جماعت اولیٰ کی کوشش کرتے، اب وہ خوف بالائے طاق اور اہتمام التزام معلوم، جماعت کی جو قدر رے وقعت نگاہوں میں ہے کہ اگر رہ گئے اور تنہا پڑھی ایک طرح کی خجلت وندامت ہوتی ہے جب بفتوی مفتیان یہی انداز رہے اور گروہ کے گروہ اکیلے اکیلے پڑھا کئے تو ایک تو مرگ انبوہ جشنے دارد، دوسرے شدہ شدہ عادت پڑجاتی ہے چند روز میں یہ رہی سہی وقعت بھی نظر سے گرجائے گی اور اس کے ساتھ ہی سستی وکاہلی اپنی نہایت پر آئے گی، اب تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ خیر اگر پہلی جماعت فوت ہوئی ایسی دیر تو نہ کیجئے کہ اکیلے ہی رہ جائیں اور تنہا پڑھ کر محرومی وندامت کا صدمہ اٹھائیں، جب یہ ہوگا کہ جماعت تو آخر ہوچکی اول ہوچکی اب جماعت تو ملنے سے رہی اپنی اکیلی نماز ہے جب جی میں آیا پڑھ لیں گے یا پھر مسجد کی بھی کیا حاجت ہے لاؤ گھر ہی میں سہی، لہٰذا ائمہ فتوی رحمہم اللہ تبارک وتعالی کچھ سوچ سمجھ کر ترجیح وتصحیح فرمایا کرتے ہیں من وتو سے ان کے علوم وسیعہ عقول رفیعہ لاکھوں درجے بلند وبالا ہیں روایت ودرایت ومصالح شریعت وزمانہ وحالت کو جیسا وہ جانتے ہیں دوسرا کیا جانے لگا پھر ان کے حضور دخل در معقولات کیسا! فاللہ الھادی وولی الایادی۔

تنبیہ: مگر یہ ان کے لئے ہے جو احیاناً کسی عذر کے باعث حاضری جماعت اولیٰ سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعت ثانیہ کے بھروسہ پر قصداً بلا عذر مقبول شرعی جماعت اولیٰ ترک کریں یہ بلاشبہ ناجائز ہے۔

(فتاوی رضویہ ملخصا، ج7، ص56 تا 57، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

مسجد میں جماعت کا اعادہ مکروہ نہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ جب امام محلّہ نے نماز پڑھ لی اور دوسری جماعت آئی تو ان کیلئے مستحب ہے کہ وہ باجماعت نماز ادا کریں اور یہی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام عطاء، حسن نخعی، قتادہ، اور اسحاق کا قول ہے........

ہماری دلیل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان کا عام ہونا ہے کہ: ((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلَى صَلَاةِ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً وَفِي رِوَايَةٍ :بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً)) ترجمہ: جماعت کی فضیلت تنہا نماز سے پچیس درجہ زیادہ ہے اور ایک روایت میں ستائیس درجہ کا ذکر ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ: ((جَاءَ رَجُلٌ، وَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هَذَا؟ فَقَامَ رَجُلٌ، فَصَلَّى مَعَهُ)) ترجمہ: ایک شخص آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ادا فرما چکے تھے تو آپ نے فرمایا کون ہے جو اس پر ثواب حاصل کرے گا تو ایک شخص کھڑے ہوئے پس انہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔اور اس کو اثرم اور ابوداود نے روایت کیا اس میں یہ الفاظ ہیں: ((أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَى هَذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ)) ترجمہ: کیا کوئی ایسا شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے تو اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔اثرم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ سے روایت کیا انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور یہ اضافہ کیا کہ جب وہ دونوں نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ((وَهَذَانِ جَمَاعَةٌ)) یہ دونوں جماعت ہیں۔اور اس وجہ سے بھی کہ وہ جماعت پر قادر ہیں تو جماعت کروانا مستحب ہے جیسا کہ اگر مسجد گزرگاہ میں ہو۔فصل: بہر حال مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں جماعت کا اعادہ کرنا تو حضرت امام احمد سے مروی ہے کہ ان مسجدوں میں جماعت کا اعادہ مکروہ ہے اور اس کو ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے تاکہ لوگ دوسرے شخص کے ساتھ نماز کے ممکن ہونے کی وجہ سے امام راتب کے ساتھ جماعت کی حاضری میں سستی نہ کریں۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ نہ ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ مسجد نبوی کا واقعہ ہے اور معنی بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے بے شک جماعت کی فضیلت اسے اس میں بھی حاصل ہو جائے گی جیسا کہ اس کے علاوہ میں حاصل ہوتی ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل اعادۃ الجماعۃ فی المسجد، ج2، ص133، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا کہ اگر مسجد کا باقاعدہ امام ہو اور وہ مسجد راستہ میں نہ ہو تو فوت ہونے سے قبل اس مسجد میں امام کے علاوہ کا ابتداءً جماعت قائم کرنا مکروہ ہے اور اگر امام نماز پڑھ چکا ہو تو بھی اس مسجد میں امام کی اجازت کے بغیر دوسری جماعت قائم کرنا مکروہ ہے یہی صحیح مشہور ہے اور اسی پر جمہور نے جزم کیا ہے اور علامہ رافعی نے ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے، اس کو باب الاذان میں ذکر کیا ہے اور یہ شاذ ضعیف ہے اور اگر مسجد راستہ میں ہو یا راستہ میں نہ ہو لیکن اس کا کوئی باقاعدہ امام نہ ہو تو اس میں دوسری جماعت قائم کرنا مکروہ نہیں ہے اس وجہ سے جسے مصنف نے ذکر کیا ہے بہر حال جب جماعت کے بعد ایک شخص آئے تو وہ لوگ جو نماز پڑھ چکے ہیں ان میں سے بعض کیلئے مستحب ہے کہ وہ اس کے ساتھ نماز پڑھے تا کہ اسے جماعت حاصل ہو جائے اور جس کو اس کے ساتھ نماز ادا نہ کرنے میں کوئی عذر ہو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ دوسرے سے اس کی سفارش کر دے کہ وہ اس کے ساتھ نماز ادا کر لے حدیث پاک کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(المجموع شرح المہذب، باب صلاۃ الجماعۃ، ج 4، ص 222، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف:

علامہ ابو محمد عبداللہ قیروانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:

جس مسجد کا مقررہ امام ہو اس مسجد میں ایک نماز کی دو جماعتیں مکروہ ہیں۔

(الرسالۃ للقیروانی، باب فی الامامۃ وحکم الامام والماموم، ج 1، ص 36، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اہل علم نے مکروہ قرار دیا ہے کہ ایک مسجد میں ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت کروائی جائے جبکہ اس مسجد کا کوئی امام راتب (باقاعدہ امام) ہو اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر پہلے کسی گروہ نے نماز ادا کر لی پھر ان کے بعد امام راتب آیا تو اس کیلئے جائز ہے کہ لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب اعادۃ الصلاۃ فی جماعۃ لمن صلی وحدہ، ج 1، ص 220، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

باب نمبر163

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ العِشَاءِ وَالفَجْرِ فِي الجَمَاعَةِ

عِشا اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی فضیلت

221-حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ:حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ قَالَ:حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ،عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ شَهِدَ العِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَ لَهُ قِيَامُ نِصْفِ لَيْلَةٍ، وَمَنْ صَلَّى العِشَاءَ وَالفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَ لَهُ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَعُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ، وَجُنْدَبٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ،وَأَبِي مُوسَى، وَبُرَيْدَةَ

حدیث: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص عشا کی جماعت میں حاضر ہو، اُس کے لئے نصف رات قیام (کرنے کا ثواب) ہے، اور جو شخص عشا اور فجر (دونوں) کو باجماعت ادا کرے، اُس کے لئے ساری رات کے قیام (کا ثواب) ہے۔

اس باب میں حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت عمارہ بن ابورویبہ، حضرت جُندب، حضرت اُبی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

222- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ:حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ:أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ الحَسَنِ،عَنْ جُنْدَبِ بْنِ سُفْيَانَ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ قال ابوعيسى :حَدِيثُ عُثْمَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ عُثْمَانَ مَوْقُوفًا وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُثْمَانَ مَرْفُوعًا

حدیث: حضرت جُندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو فجر کی نماز ادا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کی حفظ واَمان میں ہے، تو تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ کی خلاف ورزی نہ کرو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عثمان کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابوعمرہ کے واسطہ سے (بھی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے موقوفاً مروی ہے۔ اور کئی اسنادوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً (بھی) مروی ہے۔

223-حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ العَنْبَرِيُّ قَالَ:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ أَبُو غَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ الْكَحَّالِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَوْسٍ الْخُزَاعِيِّ، عَنْ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

حدیث: حضرت بُریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: رات کی تاریکیوں میں مساجد کی طرف کثرت سے چلنے (جانے) والوں کو قیامت کے دن مکمل نور کی خوشخبری دیدو۔

یہ حدیث غریب ہے۔

تخریج حدیث 221: (سنن ابی داؤد، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص152، حدیث555، المکتبۃ العصریۃ، بیروت ☆ موطا امام مالک ت الاعظمی، باب ماجاء فی العتمۃ والصبح، ج2، ص181، موسسۃ زاید بن سلطان، ابوظبی، الامارات)

تخریج حدیث 222: (صحیح مسلم، باب فضل صلاۃ العشاء والصبح الخ، ج1، ص454، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب المسلمون فی ذمۃ اللہ عزوجل، ج2، ص1301، حدیث3945، داراحیاء الکتب العربیۃ، بیروت)

تخریج حدیث 223: (سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی المشی الی الصلاۃ الخ، ج1، ص154، المکتبۃ العصریۃ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب المشی الی الصلاۃ، ج1، ص257، داراحیاء الکتب العربیۃ، بیروت)

شرح حدیث

فجر با جماعت پڑھنا آدھی رات کے برابر ہے یا پوری رات کے

علامہ بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) یہی حدیث جن الفاظ کے ساتھ "صحیح مسلم" میں ہے اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((جس نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی تو گویا کہ اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز با جماعت ادا کی تو گویا اس نے ساری رات قیام کیا)) بعض نے مسلم کی حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے کہ عشاء کی جماعت فضیلت میں نصف رات کے قیام کے برابر ہے اور صبح کی جماعت فضیلت میں پوری رات کے قیام کے برابر ہے۔ اور ابوداؤد کے ذکر کردہ الفاظ اس کی تفسیر کر رہے ہیں اور اس فرمان ((جس نے صبح کی نماز با جماعت ادا کی گویا کہ اس نے ساری رات قیام کیا)) کی مراد کو واضح کر رہے، اس میں الفاظ یہ ہیں کہ ((جس نے عشاء اور فجر دونوں با جماعت ادا کیں اس کے لیے پوری رات کے قیام کا ثواب ہے)) اس حدیث کے تمام طرق میں اس کی صراحت ہے اور بے شک ان میں سے ہر ایک نصف رات کے قیام کے قائم مقام ہے اور ان دونوں کا مجموعہ پوری رات کے قیام کے قائم مقام ہے اور اس کا معنی ہے کہ یہ اس شخص کی طرح ہے جس نے فجر اور عشاء جماعت کے ساتھ نہ پڑھی ہو اور آدھی رات یا پوری رات قیام کیا ہو کیونکہ اگر اس نے بھی یہ نمازیں با جماعت ادا کیں تو اس کو قیام کی وجہ سے مزید فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے کہ: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ایسے ہزار مہینوں سے جن میں شب قدر نہ ہو۔ اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ بعض نماز کے خاص فضائل ہیں جو دوسری نمازوں کے نہیں ہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج3، ص32،33، مکتبۃ الرشد، ریاض)

فجر و عشا کی خاص فضیلت کی وجہ

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((جس نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی تو گویا کہ اس نے نصف رات قیام کیا)) یعنی پہلا آدھا حصہ یعنی نماز اور ذکر کے ساتھ رات کو زندہ کرنے کی طرح ہے کیونکہ عشاء کی نماز بالخصوص با جماعت میں وہ ہے جو مسجد کی طرف جانے کا تقاضا کرتی ہے یہاں تک کہ اندھیروں میں یا پھر یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس نماز میں جماعت کے انتظار میں اعتکاف کی فضیلت کے

41

ساتھ ساتھ ایسی مشقت ہے جس کو برداشت کرنے کی قوت کمال اخلاص، اللہ تعالیٰ کے جلال کے خوف کے ظہور اور اس کے جمال کی امید سے پیدا ہوتی ہے۔

((اور جس نے فجر کی نماز با جماعت ادا کی تو گویا کہ اس نے ساری رات نماز ادا کی)) اس کو "صلی" کے ساتھ اور پچھلے جملہ کو "قام" کے ساتھ تعبیر کرنا از راہ تفنن ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ رات کی نماز کو قیام کہتے ہیں۔

((ساری رات)) یعنی اس نصف کو ملا کر، گویا کہ اس نے دوسرے آدھے حصہ کو زندہ کیا یا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فجر کا قیام عشاء کی نماز کے قیام سے افضل ہے، کہ یہ نفس پر زیادہ شاق اور مشکل ہے اور شیطان پر زیادہ سخت ہے کیونکہ نیند میں داخل ہونے کے بعد اس کو چھوڑنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت اس میں داخل ہونے کا ارادہ کر کے چھوڑنے سے۔ کیونکہ سستی پہلی صورت میں زیادہ ہے تو اس کیلئے کوشش کرنا شیطان کے خلاف زیادہ بڑا مجاہدہ ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضیلۃ الصلوات، ج2، ص543، دار الفکر، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ذمہ

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

((جس نے فجر کی نماز ادا کی وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہے)) حدیث کا معنی یہ ہے کہ بے شک جس نے فجر کی نماز ادا کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا ذمہ لے لیا تو اس کو ظلماً اذیت پہنچانا کسی کو نہ چاہیے، لہٰذا جس نے اس پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کی وجہ سے اس سے مطالبہ فرمائے گا۔ (کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند جندب بن عبد اللہ، ج2، ص49، دار الوطن، ریاض)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

((جس نے فجر کی نماز ادا کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہے)) کہا گیا ہے کہ یہاں ذمہ سے مراد ضمان ہے اور کہا گیا ہے کہ امان مراد ہے۔ (شرح النووی علی مسلم، ج5، ص158، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((جس نے فجر کی نماز ادا کی)) یعنی اخلاص کے ساتھ ((تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہے)) یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور امان میں ہے اور یہ اس امان کے علاوہ ہے جو کلمہ توحید سے ثابت ہوتی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضیلۃ الصلوات، ج2، ص541، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

41/41

علامہ طیبی نے فرمایا: بے شک صبح کی نماز کو اس لئے خاص کیا ہے کہ اس میں مشقت ہے اور اس کا ادا کرنا آدمی کے خلوص پر دال اور اس کے ایمان کی علامت ہے اور جو خالص ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب فضیلۃ الصلوات، ج2، ص542، دار الفکر، بیروت)

اندھیروں میں مسجدوں کی طرف چلنا:

علامہ عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

((اندھیروں میں مسجدوں کی طرف چلنے والوں کو قیامت کے دن نور تام کی خوشخبری دیدو)) اس کو ابن ماجہ نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے نقل کیا ہے اور یہ روایت کئی دیگر طرق سے مروی ہے اور بعض روایات میں کچھ اضافہ ہے: ((لوگ ڈر رہے ہوں گے لیکن یہ خوف زدہ نہیں ہونگے)) امام نخعی نے فرمایا: وہ سمجھتے تھے کہ اندھیری رات میں نماز کی طرف چل کر جانا مغفرت کی کو لازم کرنے والا ہے۔ اور ہم نے حضرت حسن سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: اہل توحید کو جہنم میں بیڑیاں نہیں پہنائی جائیں گی تو خازن ایک دوسرے سے کہیں گے ان کو بیڑیاں کیوں نہیں پہنائی گئیں حالانکہ ان دوسروں کو تو پہنائی گئیں ہیں ؟ تو ایک منادی ندا کرے گا بے شک یہ لوگ رات کے اندھیرے میں مساجد کی طرف چل کر جاتے تھے۔ جیسا کہ موحدین میں گنہگاروں کے سجدہ کے مقامات کو آگ نہیں کھائی گی تو اسی طرح ان کے قدم جن کے ساتھ یہ اندھیرے میں مساجد کی طرف چلتے تھے، ان کو جہنم میں بیڑیاں نہیں پہنائی جائیں گی۔ اور خدمت گزار اور غیر خدمت گزار عذاب میں برابر نہیں ہونگے اگرچہ عذاب ان کو بھی ہو۔ جو ناراضگی کی حالت میں اچھا سلوک کرنے والا ہو تو جب وہ راضی ہوگا تو کیسا سلوک کرے گا؟

جب نماز بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہے اور عافین اور مقربین کے دلوں کیلئے مناجات میں اس کی تجلیات کے ثار ظاہر ہوتے ہیں تو اس میں داخل ہونے سے پہلے طہارت کو مشروع کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے اور تنہائی میں اس سے مناجات کرنے کے لائق نہیں مگر پاک شخص۔ بہر حال ظاہری اور باطنی میل کچیل سے اٹا شخص قرب کے لائق نہیں تو اللہ تعالیٰ نے نمازی کیلئے اعضاء کو پانی کے ساتھ دھونا مشروع قرار دیا اور اس کی گناہوں کو مٹانا اور ان سے طہارت کو وضو پر مرتب فرمایا تاکہ جو مناجات کرنا چاہتا ہے اس کیلئے ظاہری اور باطنی طہارت جمع ہو جائے پھر مسجد کی طرف جانے کا حکم دیا اور اس میں بھی گناہوں کا کفارہ رکھا گیا حتی کہ اگر وضو کے بعد کوئی گناہ باقی رہ گیا ہو تو اب گناہوں سے طہارت کامل ہو جائے یہاں تک کہ بندہ میل کچیل اور گناہوں سے ظاہری اور باطنی طور پر کامل طہارت کے بعد مقام مناجات میں کھڑا ہو، اور اسی وجہ سے ہر وضو کے بعد تجدید توبہ اور استغفار کو مشروع کیا گیا حتی کہ گناہوں سے طہارت کامل ہو جائے جیسا کہ امام نسائی نے حضرت ابو سعید رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے مرفوعا اور موقوفا نقل کیا ہے کہ:((من توضا فأسبغ الوضوء، ثم قال عند فراغه من وضوئه:سبحانك اللهم وبحمدك استغفرك وأتوب إليك خُتم عليها بخاتم، فوُضعت تحت العرش فلم يكسر إلى يوم القيامة)) ترجمہ: جس نے وضو کرتے ہوئے کامل طریقہ سے وضو کیا پھر وضو سے فارغ ہونے کے بعد کہا: اے اللہ تو پاک ہے، تیرے لئے حمد ہے، میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تو اس پر مہر کر کے اس کو عرش کے نیچے رکھ دیا جائے گا پھر قیامت تک اس کی مہر نہیں کھلے گی۔

اور جب بندہ مکمل طہارت حاصل کرنے اور مسجد کی طرف جانے کی کوشش کرے اور یہ اس کے گناہوں کے مٹانے کیلئے کافی نہ ہو تو نماز اس کو مکمل مٹا دیتی ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:((أرأيتم لو أن نهراً بباب أحدكم يغتسل فيه كل يوم خمس مرات هل يبقى من درنه شيء؟ قالوا:لا يبقى من درنه شيء .قال:فذلك مثل الصلوات الخمس يمحو الله بهن الخطايا)) ترجمہ: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کسی کے دروازے کے پاس ایک نہر جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ نہائے تو کیا کوئی میل باقی رہ جائے گی؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: کچھ بھی میل باقی نہ رہے گی۔ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ خطائیں مٹا دیتا ہے۔

اور اگر اکیلا وضو ہی خطائیں مٹانے کیلئے کافی ہو تو اس کے بعد مسجد کی طرف جانا اور نماز نیکیوں میں اضافہ کا باعث ہوں گے۔

(اختیار الاولی، السبب الثانی من مکفرات الذنوب، ج1، ص62 تا66، مکتبہ دار الاقصی، الکویت)

بشارت اور مشائین کا معنی:

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

((چلنے والوں کو خوشخبری سنا دو)) بشارت ایسی خبر کو کہتے ہیں جس سے مخبر بہ (جس کو خبر دی گئی ہو) خوشی ظاہر کرے، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا: جب کسی شخص نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم میں سے جس نے مجھے فلاں کے آنے کی خوشخبری دی تو وہ آزاد ہے پھر ان سب نے علیحدہ علیحدہ خوشخبری دی تو ان میں سے پہلا آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہی وہ ہے کہ جس کی خبر پر اس نے خوشی کا اظہار کیا نہ کہ باقی، اور اگر اس نے خوشخبری کی جگہ یہ کہا کہ جس نے مجھے خبر دی تو وہ سب آزاد ہو جائیں گے کیونکہ ان سب نے اس کو خبر دی ہے۔ اور اسی سے "البشرۃ" ہے، جس کا معنی جلد کا ظاہر ہے اور تباشیر الصباح صبح کے وقت ظاہر ہونے والی ابتدائی روشنیوں کو کہتے ہیں۔ المشائین یہ مشاء کی جمع ہے اور یہ ماشی سے مبالغہ کا صیغہ ہے، باب تفعیل یا تو فعل کی کثرت کو بیان

کرنے کیلئے آتا ہے جیسے ''طوفت'' میں نے طواف کیا۔ یا فاعل کی کثرت کیلئے آتا ہے جیسے "مَوَّتَ الحیوان" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کثیر جانور مرنا شروع ہو جائیں اور ''مَوَّتَ المال'' یعنی مال میں سے بڑی تعداد فوت ہو گئی۔ اور مال سے مراد حیوان ہیں یا مفعول کی کثرت کیلئے آتا ہے اور یہ اس وقت ہو گا جب فاعل ایک ہو لیکن اس کے مفعول کثیر ہوں اور لفظ فعل ایک ہی ہو جیسے تیرا قول ''قطعت الثیاب'' یعنی میں نے کثیر کپڑے کاٹے۔ ''غلقت الابواب'' یعنی میں نے کثیر دروازے بند کئے۔ اور یہاں باب تفعیل کا صیغہ فعل کی تکثیر کیلئے آیا ہے یعنی وہ لوگ جو اندھیروں میں مساجد کی طرف کثرت سے چلتے ہیں۔ لفظ الظلم ظاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ ظلمۃ کی جمع ہے اور اس میں رات کے اندھیروں میں مساجد کی طرف بہت زیادہ چلنے کی طرف رغبت دلانا اور ابھارنا ہے اور بشارت ہے کہ اس کا بدلہ قیامت کے دن ایک ایسا دائمی نور ہو گا جو اندھیروں میں لوگوں کو روشنی دے گا۔

(شرح ابی داود للعینی، باب فضل المشی الی الصلاۃ، ج3، ص44، مکتبۃ الرشد، ریاض)

خوشخبری دو کا مخاطب کون:

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

((خوشخبری دو)) یہ خطاب عام کے باب سے ہے اور اس سے کوئی ایک معین شخص مراد نہیں۔

(قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص132، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

نورِ تام سے مراد:

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

علامہ طیبی نے کہا: نور کی صفت تام لانے اور اس کو یوم قیامت کے ساتھ مقید کرنے میں قیامت کے دن مومن کے چہرہ کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا﴾ (ترجمہ: ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف دوڑتا ہو گا وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور تام کر دے۔ (تحریم: 8) اور منافقین کے چہرہ کی طرف، جیسا کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ﴾ ترجمہ: ہماری طرف دیکھو ہم تمہارے نور کو اچک لیں گے۔ (حدید: 13)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب پل صراط پر منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا تو مومنین کہیں گے: اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو تام کر دے۔ (تحریم: 8)

(مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد و مواضع الصلاۃ، ج2، ص606، دار الفکر، بیروت)

علامہ عبد الرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((کامل نور)) وہ جوان کی تمام جہات کو گھیرے ہو گا یعنی پل صراط پر کیونکہ انہوں نے رات کی تاریکی میں چلنے کی مشقت کو برداشت کیا تو انہیں ایسا نور دیا گیا جو ان کیلئے روشنی کرے گا اور ان کو گھیر لے گا۔

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، حرف الباء، ج 1، ص 433، مکتبۃ الامام الشافعی، ریاض)

نماز فجر و عشاء کو باجماعت ادا کرنے کے فضائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيمَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ، ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ)) ترجمہ: منافقین پر فجر و عشاء سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں ہے اور اگر وہ جان لیتے کہ ان دونوں میں کتنا اجر ہے تو وہ ان دونوں نمازوں میں ضرور آتے اگرچہ گھسٹ کر، یقیناً میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو حکم دوں پھر وہ اقامت کہے تو میں ایک شخص کو لوگوں کی امامت کروانے کا حکم دوں پھر میں آگ کا شعلہ لوں تو ان کو آگ لگا دوں جو اس کے بعد بھی نماز کی طرف نہیں آئے۔

(صحیح بخاری، باب فضل العشاء فی الجماعۃ، ج 1، ص 132، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يُحَافِظُ الْمُنَافِقُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً عَلَى صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ يَعْنِي: فِي جَمَاعَةٍ)) ترجمہ: منافق چالیس رات تک عشاء کی نماز باجماعت پابندی سے نہیں پڑھ سکتا۔ (مسند ابو داؤد طیالسی، و ابو عبد اللہ القراظ، ج 4، ص 224، دار ہجر، مصر)

اس میں ایک راوی محمد بن ابو حمید ضعیف ہے۔

حضرت ابو عمیر بن انس اپنے ایک چچا جو کہ صحابی ہیں ان سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يَشْهَدُهُمَا مُنَافِقٌ يَعْنِي صَلَاةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَاءِ، قَالَ أَبُو بِشْرٍ: يَعْنِي لَا يُوَاظِبُ عَلَيْهِمَا)) ترجمہ: ان دو نمازوں میں منافق نہیں آتے یعنی فجر اور عشاء کی نماز میں۔ ابو بشر نے کہا: یعنی وہ اس پر ہمیشگی نہیں کر پاتے۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث رجال من الانصار، ج 34، ص 187، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

امام مالک نے مؤطا میں عبد الرحمن بن حرملہ سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُنَافِقِينَ شُهُودُ الْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ لَا يَسْتَطِيعُونَهُمَا)) ہمارے اور منافقین کے درمیان عشاء اور فجر کی نماز کی حاضری ہے وہ ان دونوں میں حاضری کی طاقت نہیں رکھتے۔

(مؤطا امام مالک ت عبد الباقی، باب ما جاء فی العتمۃ والصبح، ج 1، ص 130، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ابن خزیمہ، اور امام حاکم نے اسناد صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: ((كُنَّا إِذَا فَقَدْنَا الْإِنْسَانَ فِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ وَالصُّبْحِ أَسَأْنَا بِهِ الظَّنَّ)) ترجمہ: جب ہم کسی شخص کو عشاء اور فجر کی نماز میں نہ پاتے تو ہم اس کے بارے میں برا گمان کرتے۔

(صحیح ابن خزیمہ، باب ذکر ثقل الصلاۃ علی المنافقین، ج2، ص370، المکتب السلامی، بیروت ☆ المستدرک علی الصحیحین، ومن کتاب الامامۃ وصلاۃ الجماعۃ، ج1، ص330، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن رجب حنبلی اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

اور بے شک یہ دونوں نمازیں مساجد میں منافقین پر دوسری نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں کیونکہ منافقین کی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ بیان کی کہ: ﴿إِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاؤُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ترجمہ: جب نماز کیلئے اٹھتے ہیں تو سستی کی حالت میں اٹھتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔ (النساء:142) اور دکھاوا کرنے والا خوشی سے عمل اسی وقت کرتا ہے جب لوگ اس کو دیکھیں جو وہ نہ دیکھیں تو اس پر عمل بھاری ہو جاتا ہے۔

اور تحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دونوں نمازیں اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ اکثر فجر اندھیرے میں ہوتی تھی اور عشاء کو مؤخر کرتے تھے اور اس وقت مسجد میں چراغ نہیں ہوتا تھا تو ان دو نمازوں میں حضور کے ساتھ نہیں حاضر ہوتے تھے مگر وہ مومن جو ان دونوں کی حاضری میں اجر کے طلب گار ہوں پس منافق ان دونوں نمازوں میں پیچھے رہتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پوشیدہ ہے۔

اور اسی طرح ان دو وقتوں میں مساجد کی طرف جانا زیادہ مشکل ہے کیونکہ اس میں اندھیرے میں چلنا ہے اور اسی لئے متعدد طرق سے اس پر قیامت کے دین نور تام کی خوشخبری وارد ہوئی۔

(فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ، ج6، ص34، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورۃ)

ان سب میں سے عمدہ ترین وہ طریق ہے جسے ابوداؤد اور ترمذی نے حدیث بریدہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) اندھیروں میں مساجد کی طرف چلنے والوں کو قیامت کے دن نور تام کی بشارت دو۔

(سنن ابی داؤد، باب ما جاء فی المشی الی الصلاۃ الخ، ج1، ص154، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ((كانوا يرون أن المشي إلى الصلاة في الليلة الظلماء موجبة يعني: توجب لصاحبها الجنة)) ترجمہ: صحابہ کرام یہ سمجھتے تھے کہ اندھیری رات میں نماز کی طرف چلنا واجب کرنے والا ہے یعنی اس

شخص کیلئے جنت کوواجب کرنے والا ہے۔ (فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ، ج6،ص34،مکتبۃ الغرباء الاثریہ،المدینۃ المنورۃ)

صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ)) ترجمہ: جس نے عشاء کی نما باجماعت ادا کی تو گویا کہ اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا کہ اس نے ساری رات نماز ادا کی۔ (صحیح مسلم، باب فضل صلاۃ العشاء والصبح، ج1،ص454،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام وکیع نے اپنی کتاب میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:((لأن أشهد الفجر والعشاء في جماعة أحب إلى من أن أحيي ما بينهما)) ترجمہ: یقیناً فجر اور عشاء کی جماعت میں حاضر ہونا مجھے ان کے درمیانی وقت میں عبادت کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ (فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ، ج6،ص36،مکتبۃ الغرباء الاثریہ،المدینۃ المنورۃ)

حضرت ابودرداء سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:((اسمعوا وبلغوا من خلفكم، حافظوا عَلَى العشاء والفجر، ولو تعلمون مَا فيهما لأتيتموهما ولو حبواً)) سنو اور اس کو بعد والوں تک پہنچاؤ! عشاء اور فجر کی پابندی کرو۔ اگر تم جانتے اس کو جو ان دونوں میں ہے تو ضرور ان دونوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھسٹتے ہوئے آتے۔ اس کو ابونعیم فضل بن دکین نے نقل کیا ہے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ، ج6،ص36،مکتبۃ الغرباء الاثریہ،المدینۃ المنورۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:((لَوْ يعلم القاعدون مَا للمشائين إلى هاتين الصلاتين:صلاة العشاء الفجر لأتوهما ولو حبواً)) اگر پیچھے رہنے والے جان لیتے کہ ان دونمازوں یعنی عشاء اور فجر کی طرف جانے والوں کیلئے کیا ہے تو وہ ضرور آتے اگرچہ سرین کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا۔

(فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ، ج6،ص36،مکتبۃ الغرباء الاثریہ،المدینۃ المنورۃ)

اور امام مالک نے موطا میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:((لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْجَمَاعَةِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً)) میرے نزدیک فجر کی جماعت کی حاضری رات کے قیام سے زیادہ محبوب ہے۔ (مؤطا امام مالک ت عبدالباقی، باب ماجاء فی العتمۃ والصبح، ج1،ص131،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حافظ ابوموسیٰ نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن عبدالغافر سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:((صلاة العشاء فِي جماعة تعدل حجة وصلاة الفجر فِي جماعة تعدل عمرة)) عشاء کی نماز باجماعت حج کے برابر ہے اور فجر کی نماز باجماعت عمرہ کے برابر ہے۔ (فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ، ج6،ص36،مکتبۃ الغرباء الاثریہ،المدینۃ المنورۃ)

ایک منقطع سند کے ساتھ حضرت شداد بن اوس سے روایت کیا گیا کہ انہوں نے فرمایا:((من أحب أن يجعله الله

من الذين يدفع الله بهم العذاب عَن أهل الأرض فليحافظ عَلَى هاتين الصلاتين فِي جماعة :العشاء الآخرة و الصبح)) جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں کر دے کہ اہل زمین میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کو دور کر دیا تو وہ ان دونوں نمازوں کی باجماعت حاضری کی پابندی کرے یعنی عشاء اور فجر۔

(فتح الباری لابن رجب، باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ، ج6، ص36، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، المدینۃ المنورۃ)

باب نمبر 164

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

پہلی صف کی فضیلت

224- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا، وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأُبَيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَالْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، وَأَنَسٍ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ كَانَ يَسْتَغْفِرُ لِلصَّفِّ الْأَوَّلِ ثَلَاثًا، وَلِلثَّانِي مَرَّةً

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مردوں کی صفوں میں بہترین صف، پہلی صف ہے، اور کم تر صف، آخری صف ہے۔ اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور کم تر صف، پہلی صف ہے۔

اس باب میں حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید، حضرت اُبی، حضرت عائشہ، حضرت عرباض بن ساریہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ پہلی صف (والوں) کیلئے تین بار اور دوسری صف (والوں) کے لئے دو بار دُعائے مغفرت کرتے تھے۔

225- وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُونَ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا عَلَيْهِ، حَدَّثَنَا بِذَلِكَ إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ

حدیث: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان اور پہلی صف میں کیا فضیلت ہے؟ پھر وہ اسے قرعہ اندازی کے بغیر نہ پائیں تو ضرور اس کی خاطر قرعہ اندازی کریں گے۔

اسحاق بن موسیٰ انصاری نے معن اور مالک کے واسطہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِثْلَهُ،

سے نیز قتیبہ نے مالک، سمی اور ابو صالح کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

226- وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، نَحْوَهُ

حدیث: قتیبہ نے بواسطۂ مالک ایسے ہی روایت کیا ہے۔

تخریج حدیث224: (صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الخ، ج1، ص326، حدیث440، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب صف النساء الخ، ج1، ص181، حدیث678، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، ذکر خیر صفوف النساء الخ، ج2، ص93، حدیث820، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب صفوف النساء، ج1، ص320، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

تخریج حدیث225: (صحیح بخاری، باب الاستہام فی الاذان، ج1، ص126، حدیث615، دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الخ، ج1، ص325، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، الرخصۃ فی ان یقال للعشاء العتمۃ، ج1، ص269، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

خیر الصفوف اور شر الصفوف کی وجوہات:

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

((مردوں کی صفوں میں سے بہترین صف پہلی صف ہے)) کیونکہ انہیں آگے آنے کا حکم دیا گیا ہے تو ان میں سے بہتر وہ ہے جس نے فضیلت کو جلد پایا بر خلاف عورتوں کی حالت کے کہ ان کی وجہ سے فتنہ پیدا ہونے کے خوف سے انہیں پیچھے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ج3، ص460، دار الوطن، ریاض)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

مردوں اور عورتوں کی صفوں میں سے بری صف سے مراد یہ ہے کہ ان کا ثواب اور فضیلت ان سب سے کم ہے اور یہ شریعت کے مطلوب سے سب سے زیادہ دور ہے اور صفوں میں سے بہترین اس کے برعکس ہے۔ اور بے شک مردوں کے ساتھ حاضر ہونے والی عورتوں کی صفوں میں سے سب سے آخر والی کو اس لئے فضیلت دی کہ وہ مردوں کے اختلاط، ان کو دیکھنے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر، ان کا کلام سن کر ان کے ساتھ دل کے معلق ہونے وغیرہ سے دور ہیں اور ان کی پہلی صف کی مذمت اس کے الٹ ہونے کی وجہ سے فرمائی۔ (شرح النووی علی مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول، ج4، ص159، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((مردوں کی صفوں میں سے بہترین صف ان کی پہلی صف ہے)) کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں پر درود بھیجتے ہیں اور اس وجہ سے کہ پہلی صف والے پہل اور جلدی کرنے والے اور ان کیلئے سبقت اور امام کے قرب کی فضیلت ہے اور ان کے اور قبلہ کے درمیان کوئی نہیں ہے پھر صفوں میں سے ممدوح وہ صف ہے جو امام سے ملی ہوئی ہے چاہے اس صف میں کھڑا ہونے والا پہلے آیا ہو یا بعد میں، چاہے صف کے مکمل ہونے میں کوئی چیز مخل ہو یا نہ ہو۔ اور بعض نے کہا کہ پہلی صف وہ ہے جو مسجد کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک متصل ہو اس میں کوئی چیز مخل نہ ہو، بے شک جو امام سے متصل ہے اگر اس میں کوئی چیز مخل ہے تو وہ صف اول نہیں ہے بلکہ صف اول وہ ہے جس میں کوئی چیز مخل نہ ہو اگرچہ وہ پیچھے والی صف ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ صف اول انسان کے مسجد کی طرف پہلے آنے سے عبارت ہے اگرچہ وہ پیچھے والی صف میں نماز ادا کرے۔ اور شیخ محیی الدین نے فرمایا یہ دونوں اقوال واضح طور پر غلط ہیں۔

میں نے کہا کہ لفظ اول امور نسبیہ میں سے ہے تو اس کا اطلاق ہر اس صف پر ہوگا جو امام کی طرف سے مسجد میں ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء آخری صف پر ہوگی تو آخری صف وہ ہر اس صف کی نقیض ہے جو اس سے آگے امام کی طرف ہے تو آخری صف کے علاوہ ہر صف پر خیر الصفوف ہونے کا اطلاق ہوگا اور شر الصفوف کا اطلاق صرف آخری صف پر ہوگا۔ اس کو سمجھ لو ۔بے شک مردوں کی صفوں میں سے آخری صف شر الصفوف یا تو اس لئے ہوئی کہ وہ امام سے دور ہے یا اس لئے کہ وہ عورتوں کے قریب ہے اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کی مخالفت کی اور ان کو فعل منافقین یعنی جماعت اور حضور جو لائے ہیں اس کے سننے سے پیچھے رہ جانے سے بچانے کیلئے۔ اور شر ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کا اجر سب سے کم ہے تو وہ پہلے کی نسبت مطلقاً ناقص ہے۔ ((ان کا فرمان: عورتوں کی صفوں میں سے بہترین صف ان میں سے آخری ہے)) یہ اس وقت ہے جب وہ مردوں کے ساتھ نماز ادا کریں۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب صف النساء والتأخر عن الصف، ج3، ص231,232، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

((مردوں کی صفوں میں سے بہترین صف ان میں سے پہلی صف ہے)) ابن سید الناس نے فرمایا یعنی سب سے زیادہ اجر والی۔ اور ان میں سب سے بری آخری ہے یعنی سب سے کم اجر والی۔ عورتوں کی صفوں کا بھی یہی معنی ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ مردوں کی صفوں میں سے پہلی صف کمال اوصاف کے ساتھ مختص ہے اور یہ امام سے کامل طریقہ سے یاد کرنے، اس کی اقتداء کرنے اور اس سے تبلیغ کرنے کے ساتھ مختص ہے اور یہ تمام امور عورتوں میں معدوم ہیں تو اس کا تقاضا ہے کہ وہ مؤخر ہوں ۔اور بہر حال عورتوں کی صفوں میں سے پہلی صف تو وہ پیچھے والی کی نسبت بری ہے کیونکہ اس میں عورتوں کا مردوں کے قریب ہونا ہے تو خوف ہے کہ عورت مرد کو یا مرد عورت کو پریشان کردے۔ (قوت المغتذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص132,133، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

پہلی اور دوسری صف کو مغفرت کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ:

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((مغفرت مانگتے تھے)) اللہ تعالیٰ سے ((پہلی صف کیلئے)) غفر طلب کرتے یعنی نماز میں پہلی صف والوں کے گناہوں کیلئے پردہ طلب کرتے تھے اور پہلی صف والے وہ ہیں جو امام سے متصل ہوتے ہیں اور اس کا تکرار کرتے ((تین)) مرتبہ ان کی شان کے اہتمام کیلئے ((اور دوسری کیلئے ایک مرتبہ)) یعنی دوسری صف کیلئے ایک مرتبہ استغفار کرتے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ فضیلت میں پہلی صف والوں سے کم ہیں اور باقی صفوں کے متعلق خاموشی فرماتے گویا کہ ان کو استغفار کے ساتھ خاص نہیں فرماتے ہیں ان کو ان کی کوتاہی اور ان دو صفوں کی فضیلت کے مقابلہ میں ان کے کم تر ہونے پر تادیب وتنبیہ

کرتے ہوئے۔ (فیض القدیر، باب کان دمی الشمائل الشریفۃ، ج5، ص219، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

معاملات میں قرعہ ڈالنے کی وجوہات اور کن انبیا علیہم السلام نے قرعہ ڈالا

علامہ ابن بطال ابو الحسن علی بن خلف (متوفی 449ھ) فرماتے ہیں:

((اگر لوگ اس کو جان لیتے جو اذان اور صف اول میں ہے پھر وہ اس کو قرعہ اندازی کے بغیر نہ پاتے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے)) جمہور فقہاء کے نزدیک مشکل معاملات میں حجت میں برابر لوگوں کے درمیان قرعہ ڈالنا سنت ہے تاکہ ان کے درمیان عدل ہو جائے اور ان کے دل مطمئن ہو جائیں اور ان کے معاملہ کے متولی سے بدگمانی دور ہو جائے اور کتاب وسنت کی اتباع کرتے ہوئے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے جبکہ مقسوم جنس واحد سے ہو۔ ابو عبید نے کہا: تین انبیاء کرام علیہم السلام نے قرعہ ڈالا ہے۔ حضرت یونس، حضرت زکریا اور ہمارے نبی حضرت محمد علی نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام نے۔ ابن منذر نے بھی یہ کہا ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب القرعۃ فی المشکلات، ج8، ص75، مکتبۃ الرشد، ریاض)

اذان اور صف اول کے لیے قرعہ ڈالنے کی وجہ

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اور اس کا معنی ہے کہ اگر وہ اذان کی فضیلت ومرتبہ اور اس کی عظیم جزاء کو جان لیتے پھر وہ اس کو حاصل کرنے کا طریقہ نہ پاتے اس وجہ سے کہ ایک اذان کے بعد دوسری اذان سے وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ مسجد میں ایک ہی شخص اذان دیتا ہے تو وہ اس کو حاصل کرنے کیلئے قرعہ اندازی کرتے اور اگر وہ اس فضیلت کو جان لیتے جو پہلی صف میں ہے جیسا کہ گزرا اور وہ اس کی طرف ایک ہی مرتبہ میں آسکتے اور معاملہ ان پر تنگ ہو جاتا پھر وہ ایک دوسرے کیلئے اس کو ترک نہ کرتے تو وہ اس پر قرعہ اندازی کرتے اور اس میں جھگڑنے والے حقوق میں قرعہ ڈالنے کا ثبوت ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول، ج4، ص158، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صف اول کے فضائل

(1) حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ)) ترجمہ: بے شک اللہ تعالی اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، باب فضل الصف المقدم، ج1، ص318، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(2) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصُّفُوفِ الْأُوَلِ)) ترجمہ:

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اگلی صفوں پر درود بھیجتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص178، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل، حدیث البراء بن عازب، ج30، ص580، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ لَكَانَتْ قُرْعَةٌ)) ترجمہ: اگر وہ پہلی صف کی فضیلت کو جانتے تو قرعہ اندازی ہوتی۔

(صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول، ج1، ص326، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب فضل الصف المتقدم، ج1، ص319، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا)) ترجمہ: مردوں کی سب صفوں میں بہتر پہلی صف ہے اور سب میں کم تر پچھلی اور عورتوں کی سب صفوں میں بہتر پچھلی ہے اور کم تر پہلی۔

(صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الاول، ج1، ص326، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ)) ترجمہ: ہمیشہ صف اوّل سے لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے مؤخر کر کے، نار میں ڈال دے گا۔

(سنن ابی داؤد، باب صف النساء وکراہیۃ التاخیر عن الصف الاول، ج1، ص181، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(6) حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ لَعَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ تَعْلَمُونَ لَابْتَدَرْتُمُوهُ)) ترجمہ: بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف کی مثل پر ہے اور اگر تم جانتے تو اس کی طرف جلدی کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، فی فضل الصف المقدم، ج1، ص333، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(7) حضرت عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ ثَلَاثًا، وَعَلَى الثَّانِي وَاحِدَةً)) ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی صف پر تین مرتبہ دعائے استغفار کرتے اور دوسرے پر ایک مرتبہ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، فی فضل الصف المقدم، ج1، ص332، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(8) حضرت داؤد بن ابی ہند کہتے ہیں:

((حُدِّثْتُ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ أَعْمَلُهُ قَالَ: كُنْ

إِمَامَ قَوْمِكَ فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَكُنْ مُؤَذِّنَهُمْ قَالَ :فَإِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ؟ قَالَ:فَكُنْ فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ)) ترجمہ: مجھے حدیث بیان کی گئی کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا تو عرض کی یارسول اللہ مجھے ایسے عمل پر رہنمائی کیجئے جس کو میں کروں تو فرمایا تو اپنی قوم کا امام ہوجا اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو ان کا مؤذن ہوجا۔اس نے عرض کی: اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو؟ تو فرمایا پہلی صف میں آجا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، فی فضل الصف المقدم، ج 1، ص 332، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(9) حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ .قَالُوا:يَا رَسُولَ اللهِ وَعَلَى الثَّانِي؟ قَالَ:إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ.قَالُوا :يَا رَسُولَ اللهِ وَعَلَى الثَّانِي؟ قَالَ:إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَعَلَى الثَّانِي؟ قَالَ:وَعَلَى الثَّانِي.وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، وَحَاذُوا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ، وَلِينُوا فِي أَيْدِي إِخْوَانِكُمْ، وَسُدُّوا الْخَلَلَ؛ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِي:أَوْلَادَ الضَّأْنِ الصِّغَارِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر درود بھیجتے ہیں۔صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! دوسری پر؟ فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر درود بھیجتے ہیں۔صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! دوسری پر؟ فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر درود بھیجتے ہیں۔صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! دوسری پر؟ فرمایا: اور دوسری پر۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفوں کو درست کرلو، کندھے برابر کرلو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجاؤ، خالی جگہ کو پر کردو بے شک شیطان تمہارے درمیان بھیڑ کے بچہ کی طرح داخل ہوجاتا ہے۔ (مسند احمد، حدیث ابی امامہ باہلی، ج 36، ص 597، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

صف اول لینے پر ترغیب کی حکمتیں

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

سب سے پہلی صف پر ابھارنے میں کئی حکمتیں ہیں:

(۱) عہدہ برآ ہونے میں جلدی کرنا، (۲) مسجد کے داخلہ میں سبقت کرنا، (۳) امام کے قریب ہونا، (۴) اس کی قراءت کو سننا (۵) اور اس سے سیکھنا، (۶) ضرورت کے وقت اس کو لقمہ دینا، (۷) خلیفہ طلب کرتے ہوئے امام کو اس کی حاجت ہونا، (۸) جو صفوں کو پھاڑتے ہیں ان سے دور ہونا، (۹) سامنے والے کو دیکھنے سے توجہ کا محفوظ ہونا، (۱۰) نمازیوں کے قدموں سے اس کے سجدہ کی جگہ کا خالی ہونا۔ (عمدۃ القاری، باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ، ج 5، ص 256، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 165

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الصُّفُوفِ

صفوں کو سیدھا کرنا

227- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا، فَخَرَجَ يَوْمًا فَرَأَى رَجُلًا خَارِجًا صَدْرُهُ عَنِ القَوْمِ، فَقَالَ: لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ، وَفِي البَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَالبَرَاءِ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ إِقَامَةُ الصَّفِّ وَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ يُوَكِّلُ رِجَالًا بِإِقَامَةِ الصُّفُوفِ، وَلَا يُكَبِّرُ حَتَّى يُخْبَرَ أَنَّ الصُّفُوفَ قَدِ اسْتَوَتْ. وَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ، وَعُثْمَانَ، أَنَّهُمَا كَانَا يَتَعَاهَدَانِ ذَلِكَ، وَيَقُولَانِ: اسْتَوُوا، وَكَانَ عَلِيٌّ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں سیدھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ باہر تشریف لائے تو ایک آدمی کو دیکھا جس کا سینہ دوسروں سے آگے بڑھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان پھوٹ ڈال دے گا۔

اس باب میں حضرت جابر بن سمرہ، براء (بن عازب)، جابر بن عبداللہ، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: تمامیت نماز سے صف کو سیدھا کرنا بھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ایک شخص کو صفیں سیدھی کرنے کے لئے مقرر فرماتے اور اُس وقت تک (نماز کی) تکبیر نہیں کہتے جب تک وہ آپ کو یہ اطلاع نہ دیتا کہ صفیں سیدھی ہو چکی ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس بات (صف سیدھی کرنے) کا خاص خیال رکھتے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: اے فلاں! آگے ہو جا، اے فلاں!

يَقُولُ: تَقَدَّمْ يَا فُلَانُ، تَأَخَّرْ يَا فُلَانُ   پیچھے ہو جا۔

تخریج حدیث 227: (صحیح بخاری، باب تسویۃ الصفوف عند الاقامۃ وبعدہا، ج 1، ص 145، حدیث 717، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الخ، ج 1، ص 324، حدیث 436، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب تسویۃ الصفوف، ج 1، ص 178، حدیث 663، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

شرح حدیث

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے)) یہ بچپن میں ہی مسلمان ہو گئے، ان کے والدین صحابی ہیں، جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال ہوا ان کی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب تسویۃ الصف، ج3، ص848، دار الفکر، بیروت)

چہرے الٹے کرنے سے مراد:

علامہ مبارک ابن الاثیر (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

((تو ضرور بالضرور صفوں کو سیدھا کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے الٹے کر دے گا)) مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے چہرہ پھیر لے گا اور ان کے درمیان دشمنی پیدا ہو جائے گی، بے شک چہرہ کو چہرہ پر متوجہ کرنا محبت والفت کی نشانی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ مراد ہے کہ چہروں کو پیٹھ کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کی صورتوں کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ج2، ص67، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

مظہر نے کہا: یعنی ظاہر کا ادب باطن کے ادب کی علامت ہے پس اگر تم ظاہر میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت نہیں کرو گے تو یہ باتوں کے اختلاف کی طرف لے جائے گا جس سے کدورت پیدا ہو گی تو وہ تمہارے ظاہر کی طرف سرایت کر جائے گی جس سے تمہارے درمیان دشمنی پیدا ہو جائے گی اس طرح کہ تم ایک دوسرے سے منہ پھیر لو گے۔ اور کہا گیا ہے کہ چہروں کے پھیرنے کا معنی ہے ان کو پیٹھوں کی طرف پھیرنا، یا صورتیں تبدیل کرنا تو یہ ڈرانے پر محمول ہو گا یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخالفت کبھی اس حالت تک بھی لے جاتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب تسویۃ الصف، ج3، ص848، دار الفکر، بیروت)

صفوں کے چار واجبات

صفیں بنانے میں چار باتیں واجب ہیں:

(1) تسویہ یعنی صف سیدھی ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں۔ (2) اتمام کہ جب تک اگلی صف پوری نہ ہو پیچھے صف نہ

بنائیں۔(3) تراص یعنی خوب مل کر کھڑے ہونا کہ کندھے سے کندھا مس ہو۔(4) تقارب کہ صفیں پاس پاس ہوں بیچ میں قدر سجدہ سے زائد فضول فاصلہ نہ چھوٹے۔

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

در بارہ صفوف شرعاً تین باتیں بتاکید اکید مامور بہ ہیں اور تینوں آج کل معاذ اللہ کالمتروک ہو رہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اول: تسویہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذی ایک خط مستقیم پر واقع ہوں جو اس خط پر کہ ہمارے سینوں سے نکل کر قبلہ معظمہ پر گزرا ہے عمود ہو........

دوم: اتمام کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری نہ کریں اس کا شرع مطہرہ کو وہ اہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں نقصان پایا تو اسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہوا جا کر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پورا کرے کہ انہوں نے مخالفت حکم شرع کر کے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مغفرت فرمائے گا......

سوم: تراص یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ ایسی صف کے گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔ (پ، سورۃ، آیت)

رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولیٰ سبحنہ وتعالیٰ دوست رکھتا ہے........ اور تینوں امر شرعاً واجب ہیں........

(**چہارم**) اور یہاں چوتھا امر اور ہے تقارب کہ صفیں پاس پاس ہوں بیچ میں قدر سجدہ سے زائد فضول فاصلہ نہ چھوٹے۔ (فتاوی رضویہ، ج7، ص219 تا 223، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

قوم کیلئے مناسب ہے کہ جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوں تو مل کر کھڑے ہوں اور خالی جگہ کو پر کریں اور صفوں میں کندھوں کو ایک سیدھ میں رکھیں اور امام کے ان کو اس کا حکم دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے اپنی صفیں سیدھی کر لو بے شک صف کا سیدھا کرنا نماز کے کمال میں سے ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان کی وجہ سے کہ تم ضرور بالضرور اپنی صفوں کو درست کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بدل دے گا۔

(تبیین الحقائق، الاحق بالامامۃ، ج1، ص136، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

ان واجبات پر احادیث مبارکہ

(1) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ)) ترجمہ: اللہ کے بندو! ضرور یا تم اپنی صفیں سیدھی کرو گے یا اللہ تمہارے آپس میں اختلاف ڈال دے گا۔

(صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص324، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

یہ مکمل حدیث پاک اس طرح ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ، حَتَّى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ: عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے تھے جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے ساتھ تیروں کو سیدھا کر رہے ہیں۔ حتی کہ جب آپ نے دیکھا کہ ہم اس کو سمجھ چکے ہیں تو ایک دن تشریف لائے، پھر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ تکبیر کہنے کے قریب تھے تو ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے تو ارشاد فرمایا: اللہ کے بندو! ضرور یا تم اپنی صفیں سیدھی کرو گے یا اللہ تمہارے آپس میں اختلاف ڈال دے گا۔ (صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص324، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(2) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ)) ترجمہ: اپنی صفوں کو سیدھا کرو بے شک صف کو سیدھا کرنا نماز کے کمال میں سے ہے۔ (صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص324، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا، وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى الشَّيَاطِينَ تَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ)) ترجمہ: اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیاطین کو دیکھتا ہوں کہ رخنہ صف سے داخل ہوتے ہیں جیسے بھیڑ کے بچے۔

(سنن نسائی، حث الامام علی رص الصفوف والمقاربۃ بینھا، ج2، ص92، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(4) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَقِيمُوا الصُّفُوفَ وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ)) ترجمہ: صفیں سیدھی کرو اور کندھے ایک دوسرے کے مقابل رکھو۔

(سنن ابی داود، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص178، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

مسند احمد بن حنبل میں یہ روایت اس طرح ہے:((أَقِيمُوا الصُّفُوفَ فَإِنَّمَا تَصُفُّونَ بِصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ)) ترجمہ: صفیں سیدھی کرو کہ تمہیں تو ملائکہ کی سی صف بندی چاہیا ورشانے ایک دوسرے کے مقابل رکھو۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ج10، ص17، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(5) حضرت جابر بن سمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟)) ترجمہ: ایسی صف کیوں نہیں باندھتے جیسی ملائکہ اپنے رب کے حضور باندھتے ہیں۔

ہم نے عرض کیا:((يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟)) ترجمہ: یارسول اللہ! ملائکہ کیسی صف باندھتے ہیں؟

ارشاد فرمایا:((يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ)) ترجمہ: اگلی صف پوری کرتے اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتها، ج1، ص322، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص178، المکتبۃ العصریہ بیروت)

(6) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ، ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ)) ترجمہ: پہلی صف پوری کرو پھر جو اس کے قریب ہے کہ جو کمی ہو تو سب سے پچھلی صف میں ہو۔ (سنن ابی داؤد، باب تسویۃ الصفوف، ج1، ص180، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

(7) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ)) ترجمہ: جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ (سنن نسائی، من وصل صفا، ج2، ص93، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

(8) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ نَظَرَ إِلَى فُرْجَةٍ فِي صَفٍّ فَلْيَسُدَّهَا بِنَفْسِهِ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَمَرَّ مَارٌّ فَلْيَتَخَطَّ عَلَى رَقَبَتِهِ فَإِنَّهُ لَا حُرْمَةَ لَهُ)) ترجمہ: جو صف میں کوئی خالی جگہ دیکھے تو اس کو پر کردے، اگر اس نے ایسا نہ کیا تو گزرنے والا گزرتے ہوئے چاہے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر جائے تو اس کے لئے کوئی حرمت نہیں ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، عمرو بن دینار عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج11، ص104، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

(9) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَلَائِكَتَهُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَصِلُونَ الصُّفُوفَ وَمَنْ سَدَّ فُرْجَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً

)) ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جوصفوں کو وصل کرتے ہیں اور جو صف کا فرجہ بند کرے اللہ تعالیٰ اس کے سبب جنت میں اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند الصدیقۃ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ج 41، ص 134، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(10) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي)) ترجمہ: اپنی صفیں سیدھی اور خوب گھنی کرو کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری، باب اقبال الامام علی الناس عند التسویہ، ج 1، ص 145، دار طوق النجاۃ)

واجبات صفوف کے ترک سے نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

واجبات صفوف (یعنی تسویہ، اتمام، تراص وتقارب) میں سے کوئی واجب چھوڑنا اگرچہ جائز نہیں لیکن ان کے چھوڑنے سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔ اس پر درج ذیل دلائل موجود ہیں:

(1) ایک مرتبہ صحابی رسول حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت میں ملنے کے لئے آئے جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر دیا۔ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا گیا تو ارشاد فرمایا: ''اللہ تمہاری حرص کو بڑھائے مگر دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے: ((عن أبي بكرة أنه انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو راكع، فركع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: زادك الله حرصا ولا تعد)) ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ (جماعت میں ملنے کے لئے) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف آئے جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر دیا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد فرمایا: ''اللہ تمہاری حرص کو بڑھائے مگر دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

(بخاری، باب إذا رکع دون الصف، جلد 1، صفحہ 156، دار طوق النجاۃ)

اس حدیث پاک سے فقہاء کرام نے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کوئی بندہ صف میں ملنے سے پہلے اس طرح نماز شروع کر دے تو اس پر اعادہ لازم نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعادے کا حکم نہیں دیا تھا۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''ظاهره عدم لزوم الإعادة لعدم أمره بها'' ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ نماز کا اعادہ لازم نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے اعادہ کا حکم نہیں دیا تھا۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ، باب تسویۃ الصف، جلد 3، صفحہ 855، دار الفکر، بیروت)

معلوم ہوا کہ اتمام صف نہ کرنا اگرچہ درست نہیں مگر اس سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔

(2) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ تشریف لائے تو ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے خلاف ہم میں کون کون سی بات آپ نے دیکھی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے سوائے اس کے کہ تم لوگ صفیں سیدھی نہیں رکھتے اور کوئی بات خلاف نہیں دیکھی۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے:((عن أنس بن مالك أنه قدم المدينة فقيل له: ما أنكرت منا منذ يوم عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: ما أنكرت شيئا إلا أنكم لا تقيمون الصفوف)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مدینہ تشریف لائے تو ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے خلاف ہم میں کون کون سی بات آپ نے دیکھی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے سوائے اس کے کہ تم لوگ صفیں سیدھی نہیں رکھتے اور کوئی بات خلاف نہیں دیکھی۔ (بخاری، باب اثم من لم یتم الصفوف، جلد 1، صفحہ 146، دار طوق النجاۃ)

اس حدیث پاک کے تحت محدثین نے لکھا ہے کہ صف سیدھی رکھنا اگرچہ ضروری امر ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا مستحق عتاب و مذمت ہے لیکن اس کے باوجود صف سیدھی نہ کرنے والے پر نماز کا اعادہ لازم نہیں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو اعادے کا حکم نہیں دیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ''دل ذلك أن تاركها يستحق الذم والعتب كما قال أنس، رحمة الله عليه، غير أن من لم يقم الصفوف لا إعادة عليه؛ ألا ترى أن أنسا لم يأمرهم بإعادة الصلاة '' یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تسویہ صفوف کا تارک یعنی جو شخص صف سیدھی نہیں رکھتا وہ عتاب و مذمت کا مستحق ہے جیسا کہ حضرت انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا مگر جو صف قائم (سیدھی) نہ کرے اس پر اعادہ لازم نہیں، کیا آپ نے حضرت انس کو نہ دیکھا کہ انہوں نے لوگوں کو اعادے کا حکم نہیں دیا۔

(شرح بخاری لابن بطال، جلد 2، صفحہ 347، مکتبۃ الرشد، الریاض)

علامہ بدر الدین محمود عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''ومع القول بوجوب التسوية فتركها لا يضر صلاته لأنها خارجة عن حقيقة الصلاة، ألا ترى أن أنسا، مع إنكاره عليهم، لم يأمرهم بإعادة الصلاة '' صف سیدھی رکھنے کے وجوب کے قول پر بھی اس کو ترک کرنا نماز میں نقص پیدا نہیں کرے گا کیونکہ یہ نماز کی حقیقت سے خارج ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے اس فعل کو ناپسند کرنے کے باوجود انہیں نماز کے اعادے کا حکم نہیں دیا۔

(عمدۃ القاری، باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ، ج 5، ص 258، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) فقہی اصول و قوانین کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو اس کے مطابق بھی واجبات صفوف میں سے کسی واجب کو ترک کرنے سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہونی چاہیے کیونکہ نماز واجب الاعادہ اسی صورت میں ہوتی ہے جب کوئی ایسا واجب چھوڑا جائے جو نماز کے واجبات میں سے ہو جبکہ واجبات صفوف نماز کے واجبات میں سے نہیں ہے بلکہ ایک خارجی واجب

ہے۔

نماز کے واجبات کن کو کہا جائے گا؟

(الف) اس کے بارے میں ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ جو چیز نماز کی ماہیت اور حقیقت میں داخل ہو اس کو نماز کے واجبات میں شمار کیا جائے گا اور جو ایسی نہ ہو اس کو نہیں جس طرح کہ جماعت سے نماز پڑھنا نماز کی حقیقت میں داخل نہیں بلکہ ایک خارجی وصف ہے چنانچہ خاتم المحققین سید علامہ محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "مرادھم بالواجب والسنة التی تعاد بترکه ما کان من ماهية الصلاة وأجزائها فلا يشمل الجماعة لأنها وصف لها خارج عن ماهيتها" ترجمہ: وہ واجب یا سنت جس کو چھوڑنے سے نماز کے اعادے کا حکم ہوتا ہے اس سے علماء کی مراد وہ واجب یا سنت ہے جو نماز کی ماہیت اور اس کے اجزاء میں سے ہو لہٰذا یہ حکم جماعت کو شامل نہیں کیونکہ جماعت نماز کا ایک ایسا وصف ہے جو نماز کی حقیقت سے خارج ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 457، دار الفکر، بیروت)

اس تعریف کے مطابق اگر دیکھا جائے تو واجبات صفوف نماز کی حقیقت میں داخل نہیں بلکہ نماز کی حقیقت سے خارج ہے جیسا کہ اوپر عمدۃ القاری کے حوالے گزرا۔ اس کے علاوہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ ان واجبات کا تعلق نماز کے حسن وکمال سے ہے چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے "ولا خفاء أن تسوية الصف ليست من حقيقة الصلاة، وإنما هی من حسنها و کمالها، وإن كانت هی فی نفسها سنة أو واجبة أو مستحبة على اختلاف الأقوال" یعنی مخفی نہیں کہ صف کو سیدھا رکھنا نماز کی حقیقت میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کے حسن وکمال میں سے ہے اگرچہ یہ فی نفسہ علی حسب الاختلاف سنت، واجب یا مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الاذان، باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ، جلد 5، صفحہ 374، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(ب) "نماز کے واجبات" کی دوسری تفسیر جو امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز نماز کی وجہ سے واجب ہوئی ہے وہ واجبات نماز کہلائے گی اور جو چیز نماز کی وجہ سے واجب نہیں ہوئی بلکہ علیحدہ طور پر ایک مستقل واجب ہے وہ واجبات نماز سے نہیں اگرچہ اس کا تعلق نماز کے حسن وکمال یا آداب سے ہی کیوں نہ ہو چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جد الممتار میں علامہ شامی علیہ الرحمہ کے کلام مذکورہ بالا پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں "والصحيح أن يقال إنّ الشیء قد يكون واجباً فی نفسه، وقد يكون واجباً لغيره، ولا تلازم بينهما كالتقوى واجبةٌ فی نفسها لا للإمامة، وكالطهارة واجبةٌ للصلاة لا فی نفسها، والإعادة إنّما تجب لخلل تطرّق إلى نفس الفعل، وإنّما يكون ذلك للإخلال بشیء من واجباته، أمّا ما وجب فی نفسه ولَم يكن من الواجب لذلك الفعل، وإن كان من آدابه ومستحبّاته، فهذا لا يوجب الإعادة قطعاً، والجماعة هكذا تجب، ولا تجب للصلاة كما أقمنا عليه

دلائلَ قاطعةً فی "العبقریّ الحسان" "یعنی صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے ایک شے کبھی فی نفسہ واجب ہوتی ہے اور کبھی کسی دوسری چیز کی وجہ سے۔ اور ان دونوں کے درمیان تلازم نہیں ہے مثلاً تقوی کہ یہ فی نفسہ واجب ہے امامت کی وجہ سے واجب نہیں اور طہارت فی نفسہ واجب نہیں بلکہ نماز کی وجہ سے واجب ہے۔ اور نماز کا اعادہ اس خلل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جو نفس فعل (نماز) کی طرف راہ پائے اور یہ اسی وقت ہوگا جب نماز کے واجبات میں سے کسی واجب میں خلل آئے۔ بہر حال جو چیز فی نفسہ واجب ہے کسی فعل کی وجہ سے واجب نہ ہو اگر چہ اس فعل کے آداب و مستحبات میں سے ہو تو اس کی وجہ سے اعادہ کبھی لازم نہیں آسکتا اور جماعت بھی اسی طرح (فی نفسہ) واجب ہے نماز کی وجہ سے واجب نہیں جس طرح کہ ہم نے اس پر العبقری الحسان میں دلائل قاطعہ قائم کیے ہیں۔ (جد الممتار، کتاب الصلوۃ، ج1، ص73)

اس تعریف کی رو سے بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "واجبات صفوف" نماز کے واجبات میں سے نہیں کیونکہ یہ نفس فعل یعنی نماز کی وجہ سے واجب نہیں ہوئے اگر ایسا ہوتا تو ہر نماز میں یہ واجب ہوتے چاہے وہ تنہا ہی پڑھی جائے بلکہ یہ احادیث میں دیئے گئے احکام کی وجہ سے ایک مستقل واجب ہے جیسا کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالی علیہ صف سیدھی رکھنے کے حوالے سے اس کی تصریح کی ہے

چنانچہ عمدۃ القاری میں ایک جگہ لکھتے ہیں" التسویة واجبة بمقتضی الأمر، ولکنھا لیست من واجبات الصلاۃ بحیث أنه إذا ترکھا فسدت صلاته أو نقصتھا غایة ما فی الباب إذا ترکھا یأثم "یعنی امر کے تقاضے کے مطابق صف سیدھی رکھنا واجب ہے لیکن یہ واجبات نماز میں سے نہیں ہے کہ اس کو چھوڑنے سے نماز فاسد یا ناقص ہو جائے۔ اس باب میں انتہائی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازی اسے ترک کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔

(عمدۃ القاری، باب اذا بکی الامام فی الصلاۃ، ج5، ص254، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اگر ان کو جماعت کی طرح ایک مستقل واجب نہ بھی کہا جائے تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نماز کی وجہ سے واجب ہوئے ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ صف یا جماعت کی وجہ سے واجب ہوئے ہیں لہٰذا یہ واجبات صفوف یا واجبات جماعت ہیں نہ کہ واجبات نماز۔

جو چیز نماز کی وجہ سے واجب نہ ہو اس کو ترک کرنے سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہوتی اس کی ایک نظیر ترتیب قراءت والا مسئلہ بھی ہے کہ اگر کسی نے نماز میں سورتوں کی ترتیب کے خلاف قراءت کی تو نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی کیونکہ ترتیب کے ساتھ قرآن پڑھنا نماز کے واجبات سے نہیں بلکہ واجبات قراءت میں سے ہے اسی لئے اس کو چھوڑنے سے سجدہ سہو یا اعادہ واجب نہیں ہوتا چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں: "قالوا یجب الترتیب فی سور القرآن، فلو قرأ منکوسا أثم

لکن لا یلزمہ سجود السھو لأن ذلك من واجبات القراءة لا من واجبات الصلاۃ کما ذکرہ فی البحر فی باب السھو ''ترجمہ: فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی سورتوں میں ترتیب رکھنا واجب ہے لہٰذا اگر کسی نے الٹا قرآن پڑھا تو وہ گنہگار ہوگا لیکن اس سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ واجبات قراءت میں سے ہے واجبات نماز سے نہیں ہے جیسا کہ امام ابن نجیم البحر الرائق، باب السہو میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 457، دارالفکر، بیروت)

نیز یہ کہ فقہاء کرام نے واجبات نماز میں کہیں بھی ان واجباتِ صفوف کو ذکر نہیں کیا اگر یہ واجبات نماز میں سے ہوتے تو فقہاء اس کا ذکر کرتے تو فقہاء کا ان کو واجبات نماز میں ذکر نہ کرنا بھی اس طرف راہنمائی کرتا ہے کہ یہ واجبات نماز میں سے نہیں ہیں جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جماعت کے واجباتِ نماز نہ ہونے کے بارے میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا'' ولذا لم یذکروا الجماعۃ من جملۃ واجبات الصلاۃ لأنھا واجب مستقل بنفسہ خارج عن ماھیۃ الصلاۃ ''ترجمہ: اسی وجہ سے علماء کرام نے جماعت کو واجباتِ نماز میں ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ایک علیحدہ و مستقل واجب ہے جو نماز کی ماہیت سے خارج ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 457، دارالفکر، بیروت)

علاوہ ازیں فقہاء کرام نے ان واجبات کے ترک کی وجہ نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے متعدد مقامات پر ان واجبات کے ترک پر زجر فرمائی ہے مگر نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا اور اسی طرح صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ترک پر اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ایک مقام پر فرماتے ہیں: ''صف میں کچھ مقتدی کھڑے کچھ بیٹھے ہوں تو اس سے امر اول یعنی تسویہ صف پر تو کچھ اثر نہیں پڑتا کہ قائم و قاعد بھی خط واحد مستقیم میں ہو سکتے ہیں تسویہ میں ارتفاع کی برابری ملحوظ نہیں نہ وہ ملحوظ ہونے کے قابل کہ ایک پیمائش کے قد کہاں سے آئیں گے، ہاں جبکہ بیٹھنے والے محض کسل و کاہلی کے سبب بے معذوری شرعی بیٹھیں گے تو فرائض و واجبات مثل عیدین و وتر میں امر دوم و سوم کا خلاف لازم آئے گا کہ جب بلا عذر بیٹھے تو ان کی نماز نہ ہوئی اور قطع صف لازم آیا کہ نمازیوں میں غیر نمازی دخیل ہیں، ان بیٹھنے والوں کو خود فساد نماز ہی کا گناہ کیا کم تھا مگر انہیں یہاں جگہ دینا اور اگر قدرت ہو تو صف سے نکال نہ دینا یہ باقی نمازیوں کا گناہ ہوگا کہ وہ خود اپنی صف کی قطع پر راضی ہوئے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے، ان پر لازم تھا کہ انہیں کھڑے ہونے پر مجبور کریں اور اگر نہ مانیں تو صفوں سے نکال کر دور کریں، ہاں نمازی اس پر قادر نہ ہوں تو معذور ہیں اور قطع صف کے وبال عظیم میں یہی بیٹھنے والے ماخوذ ہیں'' (فتاوی رضویہ، ج 7، ص 223، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 166

بَابُ مَا جَاءَ لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الأَحْلَامِ وَالنُّهَى

تم میں سے بالغ اور عقلمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں

228- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الجَهْضَمِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ : حَدَّثَنَا خَالِدٌ الحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الأَحْلَامِ وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ، وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الأَسْوَاقِ، وَفِي البَابِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، وَأَبِي مَسْعُودٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ،وَالبَرَاءِ، وَأَنَسٍ،قال ابوعيسى :حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَنَّهُ كَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ يَلِيَهُ المُهَاجِرُونَ وَالأَنْصَارُ،لِيَحْفَظُوا عَنْهُ وَخَالِدٌ الحَذَّاءُ هُوَ خَالِدُ بْنُ مِهْرَانَ، يُكْنَى أَبَا المُنَازِلِ " سَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ :إِنَّ خَالِدًا الحَذَّاءَ مَا حَذَا نَعْلًا قَطُّ، إِنَّمَا كَانَ يَجْلِسُ إِلَى حَذَّاءٍ فَنُسِبَ إِلَيْهِ وَأَبُو مَعْشَرٍ اسْمُهُ زِيَادُ بْنُ كُلَيْبٍ "

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بالغ اور عقلمند لوگ میرے قریب کھڑے ہوں پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف ہو جائے گا، اور بازاروں میں شور وشغب سے گریز کرو۔

اس باب میں حضرت اُبی بن کعب، حضرت ابو مسعود، حضرت براء اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن غریب" ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کو پسند تھا کہ مہاجرین اور انصار آپ کے قریب رہیں تا کہ آپ سے (سیرت طیبہ کو) محفوظ کرلیں۔ خالد الحذاء سے مراد خالد بن مہران ہے، جن کی کنیت ابوالمنازل ہے۔

میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سُنا کہ خالد الحذاء نے کبھی کوئی جوتا نہیں بنایا البتہ ایک موچی کے پاس بیٹھا کرتے تھے اس لئے اُس کی طرف منسوب ہوئے۔

ابو معشر کا نام زیاد بن کُلَیب ہے۔

تخریج حدیث228: (صحیح مسلم بالفاظ مختلفۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا وفضل الخ، ج1،ص323، حدیث432، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆سنن ابی داؤد بالفاظ مختلفۃ، ج1،ص180، حدیث674، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆سنن نسائی بالفاظ مختلفۃ، من یلی الامام ثم الذی یلیہ، ج2،ص87، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆سنن ابن ماجہ بالفاظ مختلفۃ، باب من یستحب ان یلی الامام، ج1،ص312، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

''اُولوالاَحلام والنُّہیٰ'' سے مراد:

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اولوالاحلام سے مراد عقلمند لوگ ہیں اور کہا گیا ہے کہ بالغ مراد ہیں اور النہی کا معنی ہے عقول، تو جنہوں نے اولوالاحلام سے عقلمند لوگ مراد لئے ہیں ان کے نزدیک احلام اور النہی دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہونگے پس جب لفظ مختلف ہوگئے تو تاکید کیلئے ایک کا دوسرے پر عطف کردیا گیا اور دوسرے معنی کی بناء پر اس پورے جملہ کا معنی ہوگا بالغ عقلمند۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ النہی کا واحد نُہیۃ ہے اور اس کا معنی ہے عقل اور عقل کو نُہیہ اسلئے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو مامور بہ تک پہنچا کر روک دیتی ہے اور اس سے آگے تجاوز نہیں کرنے دیتی اور کہا گیا ہے کہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بری باتوں سے روک دیتی ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا، ج4، ص155، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

عقلمندوں کو قریب کھڑے کرنے کی وجوہات:

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

اس کا حکم تین باتوں کی وجہ سے دیا گیا ہے: (۱) آگے ہونے کے ساتھ ان کو فضیلت دینا (۲) تاکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال کو سمجھیں اور آگے نقل کرسکیں (۳) اس لئے کہ کبھی ان کی ضرورت ہوتی ہے یا تو نماز میں مخل امر کو یاد دلانے کیلئے یا اگر امام کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو ان کو نائب بنانے کیلئے۔ اور ان کو مقدم کرنے میں ناقصین کو پیچھے رکھ کر ادب سکھانا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان: پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں یعنی قدر و منزلت میں۔

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین، کشف المشکل من مسند عبداللہ ابن مسعود، ج1، ص327، دارالوطن، ریاض)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی فرماتے ہیں:

اور اس وجہ سے کہ (۱) کبھی امام کو خلیفہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے تو یہی اولیٰ ہے اور (۲) اس لئے کہ وہ امام کو سہو ہونے کی صورت میں امام کو تنبیہ کرنے کیلئے دوسروں کی نسبت زیادہ سمجھدار ہیں اور (۳) تاکہ وہ نماز کا طریقہ یاد کر کے محفوظ کرلیں اور اس کو آگے نقل کریں اور لوگوں کو سکھائیں اور (۴) تاکہ ان کے پیچھے والے ان کے افعال کی پیروی کریں۔ اور یہ تقدیم نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سنت یہ ہے کہ اہل فضل کو ہر مجمع میں امام اور مجلس کے بڑے کی طرف مقدم کیا جائے جیسا کہ

مجلسِ علم،مجلسِ قضا،مجلسِ ذکر،مشاورت،جنگ کا میدان،نماز کی امامت،تدریس،افتاءاور حدیث پڑھاتے ہوئے وغیرہ اور دیگر لوگ ان نشستوں میں علم،دین،عقل،شرف،عمر اور اس مسئلہ میں ہم پلہ ہونے کے اعتبار سے اپنے مراتب کے مطابق ہوں گے۔اور کفو بھی اسی باب سے ہے اور احادیث صحیحہ اس کو قوت دینے والی ہیں۔

(شرح النووی علی مسلم،باب تسویۃ الصفوف واقامتھا،ج4،ص155،دار احیاء التراث العربی،بیروت)

ابدان کے اختلاف سے دلوں کا اختلاف

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی(متوفی1014ھ)فرماتے ہیں:

((اختلاف نہ کرو)) یعنی جسموں کے ساتھ **((ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے))** یعنی ان کی خواہشات اور ارادے۔اور حدیث میں ہے کہ دل اعضاء کے تابع ہے جب یہ بدلتے ہیں تو وہ بھی بدل جاتا ہے اور جب دل بدل جائے تو اس میں فساد آجاتا ہے پھر اعضاء بھی فساد زدہ ہو جاتے ہیں اس لئے کہ یہ ان کا سردار ہے۔میں(علامہ علی قاری)کہتا ہوں:دل ایسا بادشاہ ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور ایسا سردار ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے اور تمام اعضاء اس کے تابع ہیں پس جب متبوع درست ہوتا ہے تو تابع بھی درست ہوتا ہے اور جب بادشاہ استقامت والا ہو تو رعایا بھی استقامت والی ہوتی ہے

اور اس کو حدیث مشہور نے بیان کیا ہے وہ حدیث یہ ہے:((أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ)) خبردار بے شک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو جسم درست ہوتا ہے اور جب اس میں فساد آجائے تو جسم میں فساد آجاتا ہے خبردار وہ دل ہے۔تو اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ دل اور اعضاء کے درمیان ایک عجیب تعلق اور انوکھی تاثیر ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی تبدیلی دوسرے کی طرف سرایت کرتی ہے اور اگرچہ دل ہی پر تمام معاملات کا مدار ہوتا ہے،کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ظاہر کا ٹھنڈا ہو جانا باطن میں اثر انداز ہوتا ہے اور اسی طرح اس کا الٹ بھی ہوتا ہے اور یہ اقوی ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح،باب تسویۃ الصف،ج3،ص849،دار الفکر،بیروت)

"ہیشات الاسواق" سے مراد:

علامہ ابو سلیمان حمد بن محمد خطابی(متوفی388ھ)فرماتے ہیں:

ہیشات الاسواق یعنی وہ شور شرابا اور فتنے جو بازار میں ہوتے ہیں اور اس کی اصل "الھوش" ہے اس کا معنی ہے ملنا جیسے جب قوم مل جائے اور بعض بعض میں داخل ہو جائیں تو کہا جاتا ہے تہاوش القوم اور بینھم تہاوش یعنی ان کے درمیان اختلاط واختلاف ہے۔

(معالم السنن،ومن باب ما یستحب ان یلی الامام فی الصف،ج1،ص184،185،المطبعۃ العلمیہ،حلب)

خالد بن مہران الحذاء کا تعارف

علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

خالد بن مہران الحذاء ابو المنازل البصری مولی قریش ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مولی بنی مجاشع ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے اور حضرت عبداللہ بن شقیق، ابورجاء العطاردی، ابوعثمان النہدی، ابوقلابہ، انس، محمد، حفصہ (اولاد سیرین)، ابوالعالیہ، ابوالحسن بصری کے دونوں بیٹوں حسن اور سعید، سعید بن عمر بن اشوع، ابومعشر زیاد بن کلیب، عبداللہ بن حارث، نسیب بن سیرین، ان کے بیٹے یوسف بن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ، عکرمہ، عطاء بن ابورباح، عطاء بن ابومیمونہ، عمار بن ابوعمارہ مولی بنی ہاشم، مروان اصغر، ابوالملیح بن اسامہ اور ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ اور ان سے دونوں حماد، ثوری، شعبہ، ابن علیہ، سعید بن ابوعروبہ، خالد بن عبداللہ الواسطی، عبدالوہاب الثقفی، بشر بن المفضل، روح بن عطاء بن ابو میمونہ، حفص بن غیاث، ابن ابوعدی، یزید بن زریع وغیرہ خلق کثیر جن میں علی بن عاصم، عبدالوہاب الخفاف شامل ہے نے روایت کی ہے اور ان سے ان کے شیخ محمد بن سیرین، ابواسحاق السبیعی، اعمش، منصور، ابن جریج وغیرہ ان کے ہم مثل اور اکابرین نے حدیث بیان کی ہے۔

اثرم نے امام احمد بن حنبل سے بیان کیا کہ یہ ثبت ہیں، اسحاق بن منصور نے ابن معین سے کہا ثقہ ہیں، ایسا ہی نسائی نے کہا اور ابوحاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جائے گی، اس کو حجت نہیں بنایا جائے گا اور ابن سعد نے کہا خالد موچی نہیں تھے لیکن ان کے پاس بیٹھتے تھے....... فہد بن حبان نے کہا: اور خالد ثقہ، بارعب، کثیر الحدیث تھے، سن 141ھ میں فوت ہوئے..... اور محمد بن مثنی نے قریش بن انس سے بیان کیا کہ سن 142ھ میں فوت ہوئے۔ میں نے کہا: ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کی تاریخ وفات کے بارے دونوں اقوال نقل کئے ہیں اور عجلی بصری نے کہا: ثقہ ہے اور ابوالولید الباجی نے کہا میں نے ابوذر الہروی پر مسلم کی کتاب الکنی میں خالد الحذاء ابوالمنازل میم کی فتح کے ساتھ پڑھا تو ابوالولید نے کہا اور ضمہ زیادہ مشہور ہے

اور عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کتاب العلل میں اپنے والد سے بیان کیا کہ خالد الحذاء نے ابوعثمان النہدی سے کچھ بھی نہیں سنا، اور امام احمد نے یہ بھی کہا کہ ابوالعالیہ سے بھی نہیں سنا اور امام ابن خزیمہ نے اس کے موافق ذکر کیا ہے اور وہ اس کیلئے شاہد ہے اور ابن ابی حاتم نے مراسیل میں اپنے والد سے انہوں نے امام احمد سے بیان کیا کہ میں نے کوفیوں سے سماعت کرنے والوں میں ابوالضحی سے مقدم شخص کو نہیں دیکھا اور تحقیق انہوں نے شعبی سے بیان کیا کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا جس نے ان سے سنا ہو اور ان کے غیر نے کہا کہ انہوں نے عراک بن مالک سے نہیں سنا بلکہ ان کے درمیان خالد بن ابی الصلت ہیں اور عقیلی

نے اپنی تاریخ میں یحی بن آدم سے انہوں نے ابوشہاب سے نقل کیا کہ مجھے شعبہ نے کہا تم حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحٰق کی صحبت کو لازمی اختیار کرو کہ وہ دونوں حافظ ہیں اور علی نے بصریوں کے پاس خالد حذاء اور ہشام کے بارے میں کتمان سے کام لیا ہے، یحی نے کہا میں نے حماد بن زید سے کہا تو خالد بن حذاء نے کہا کہ وہ ہمارے پاس شام سے آئے تو گویا کہ ہم نے ان کے حافظہ کا انکار کیا۔ عباد بن عباد نے کہا: شعبہ نے ارادہ کیا کہ وہ خالد کے معاملہ میں پڑیں تو میں اور حماد بن زید ان کے پاس آئے تو ہم نے ان کو کہا: آپ کا کیا ہوگا؟ ہم نے اس کو ڈرایا ہے تو وہ خاموش ہو گئے اور عقیلی نے امام احمد بن حنبل کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ابن علیہ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جسے خالد روایت کرتے تھے تو ابن علیہ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور خالد کے معاملہ کو ضعیف قرار دیا۔ میں نے علامہ ذہبی کے خط سے لکھا ہوا پڑھا ہے خالد ہشام بن عروہ وغیرہ کے بغیر ثبت نہیں ہیں ۔میں نے کہا ظاہر یہ ہے کہ ان سب کا کلام خالد کے بارے اس وجہ سے جس کی طرف حماد بن زید نے اشارہ کیا ہے کہ آخر عمر میں ان کے حافظہ میں تغیر آگیا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ سلطان کے عمل میں چلے گئے تھے۔ واللہ اعلم

(تہذیب التھذیب، من اسمہ خالد، ج3، ص120 تا 122، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

ابومعشر کا تعارف:

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی (متوفی 748ھ) فرماتے ہیں:

زیاد بن کلیب ابومعشر تمیمی کوفی نے ابراہیم اور شعبی سے روایت کی، اور ان سے مغیر، خالد حذاء، یونس اور ایک گروہ نے روایت کیا، یہ بڑھاپے میں ایک سو دس سال کی عمر میں فوت ہوئے، ان سے آخری راوی ابن ابی عروبہ ہیں، ان کو نسائی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے، ابوحاتم نے کہا ان کا حافظہ قوی نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال، زیاد بن کلیب، ج2، ص92، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت)

علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

زیاد بن کلیب تمیمی حنظلی ابومعشر کوفی، انہوں نے ابراہیم نخعی، شعبی، سعید بن جبیر، فضیل بن عمرو فقیمی سے روایت کی ہے، ان سے قتادہ، خالد حذاء، سعید بن ابوعروبہ، منصور، مغیرہ، ہشام بن حسان، یونس بن عبید، اور شعبہ وغیرہ ان کے ہم عصر اور دیگر نے روایت کی ہے۔ عجلی نے کہا وہ حدیث میں ثقہ تھے، ابوحاتم نے کہا قدیم اصحاب ابراہیم میں سے صالح ہیں، ان کے حافظہ میں قوت نہیں ہے اور یہ مجھے حماد بن ابوسلیمان سے زیادہ محبوب ہیں، اور نسائی نے کہا ثقہ ہیں۔ ابن ابی عاصم نے کہا ایک سو بیس ہجری میں فوت ہوئے، ابن حبان نے کہا ایک سو انیس ہجری کو فوت ہوئے، اور یہ پختہ حفاظ میں سے تھے، ابن سعد نے کہا یہ عراق پر یوسف بن عمر کی ولایت میں فوت ہوئے، یہ قلیل الحدیث تھے....... میں نے کہا ابن مدینی اور ابوجعفر سبتی نے کہا: ثقہ ہیں،

اس کو ابن خلفون نے نقل کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، من اسمہ زیاد، ج3، ص382، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

ترتیب صفوف کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی (683ھ) فرماتے ہیں:

(مرد صف بنائیں، پھر بچے پھر خنثی، پھر عورتیں) بہر حال مرد تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان کی وجہ سے: ((لِيَلِيَنِي أُولُو الْأَحْلَامِ مِنْكُمْ)) چاہیے کہ تم میں سے عقل والے لوگ میرے قریب ہوں۔ بہر حال بچے تو حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کی وجہ سے، فرماتے ہیں: ((أَقَامَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ وَرَاءَنَا)) رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مجھے اور یتیم (حضرت انس کے بھائی) کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور ام سلیم کو ہمارے پیچھے۔ اور اس کے بعد خنثی کی صف کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عورت ہونے کا احتمال ہے، اور ان کو عورتوں پر مقدم کرنا تو یہ ان کے مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے ہے۔ (الاختیار لتعلیل المختار، باب صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص58، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا)) ترجمہ: مردوں کی صفوں میں سے بہترین صف پہلی ہے اور سب سے بری صف آخری صف ہے اور عورتوں کی صفوں میں سے بہترین صف آخری صف ہے اور ان کی سب سے بری صف پہلی صف ہے۔ (صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا، ج1، ص326، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

: اور اگر مرد، بچے، خنثی اور عورتیں جمع ہوں تو مرد آگے ہوں، پھر بچے پھر خنثی پھر عورتیں کیونکہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو مردوں نے صف بنائی پھر ان کے پیچھے بچوں نے صف بنائی۔ اس کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ: صاحب البیت احق بالامامۃ، ج2، ص150، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ ابراہیم بن محمد حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

(اگر مختلف انواع جمع ہوں تو مرد آگے ہوں گے) چاہے آزاد ہوں یا غلام کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے: ((لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى)) چاہیے کہ تم میں سے عقلمند لوگ میرے قریب ہوں، اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے

۔اور سب سے زیادہ فضیلت والے کو مقدم کیا جائے گا پھر جو اس کے بعد افضل ہو۔ **(پھر بچے)** کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز پڑھائی تو مردوں نے صف بنائی پھر ان کے پیچھے بچوں نے صف بنائی۔ اس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ **(پھر خنثی)** کیونکہ ان کے مرد ہونے کا بھی احتمال ہے........ **(پھر عورتیں)**۔

(المبدع فی شرح المقنع، فصل فی کیفیۃ وقوف المأمومین الخ، ج2، ص93,94، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ زکریا بن محمد بن زکریا انصاری شافعی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں:

(پس اگر وہ زیادہ ہوں) بایں طور کہ ہر جنس سے ایک جماعت ہو **(تو مردوں)** کو ان کی فضیلت کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا **(پھر بچے)** کیونکہ وہ مردوں کی جنس سے ہیں **(پھر خنثی)** ان کے مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے........ **(پھر عورتیں)** اس میں اصل یہ حدیث ہے: ((لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ، وَالنُّهَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثَلَاثًا)) چاہیے کہ تم میں سے عقل مند لوگ میرے قریب ہوں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں، تین مرتبہ فرمایا، اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(اسنی المطالب، الشرط الاول لا یتقدم المأموم علی الامام، ج1، ص223، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ محمد بن عبد اللہ الخرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

بے شک دو یا زیادہ مرد امام کے پیچھے کھڑے ہونگے اور یہ اسلئے کہ صف بندی مطلوب ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے: ((أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي)) اپنی صفیں سیدھی رکھو میں تمہیں اپنی پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ اور بچہ جب قربت کو سمجھتا ہو تو وہ بالغ کی طرح ہے تو وہ اکیلا ہونے کی صورت میں امام کی دائیں طرف کھڑا ہوگا اور ایک مرد کے ساتھ امام کے پیچھے اور بہر حال عورتیں تو وہ مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی کیونکہ وہ چھپانے کی چیز ہیں۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل صلاۃ الجماعۃ، ج2، ص45، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

باب نمبر 167

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّفِّ بَيْنَ السَّوَارِي

ستونوں کے درمیان صف بنانا مکروہ ہے

229. حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ هَانِئِ بْنِ عُرْوَةَ الْمُرَادِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ مَحْمُودٍ، قَالَ: صَلَّيْنَا خَلْفَ أَمِيرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ، فَاضْطَرَّنَا النَّاسُ فَصَلَّيْنَا بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَلَمَّا صَلَّيْنَا، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: كُنَّا نَتَّقِي هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،وَفِي الْبَابِ عَنْ قُرَّةَ بْنِ إِيَاسٍ الْمُزَنِيِّ،قال ابوعيسى :حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صحيح وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ :أَنْ يُصَفَّ بَيْنَ السَّوَارِي، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ذَلِكَ

عبدالحمید بن محمود کہتے ہیں: ہم نے ایک امیر (حاکم) کی اقتدا میں نماز ادا کی اور لوگوں (کی بھیڑ) سے مجبور ہو کر ہم نے ستونوں کے درمیان نماز ادا کی، ہم جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں اس سے بچا کرتے تھے۔

اس باب میں حضرت قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

علما کی ایک جماعت نے ستونوں کے درمیان صف بنانے کو مکروہ کہا ہے۔ امام احمد اور امام اسحاق کا یہی مؤقف ہے۔ اور بعض علما نے اس کی اجازت دی ہے۔

تخریج حدیث 229: (سنن نسائی، الصف بین السواری، ج 2، ص 94، حدیث 821، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ السنن الکبری للنسائی، الصف بین السواری، ج 1، ص 434، حدیث 897، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شرح حدیث

ستونوں کے درمیان نماز کی ممانعت کی وجہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

ستونوں کے درمیان پڑھنے سے بچنا صف کے منقطع ہونے کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ وہ جوتے جمع کرنے کی جگہ ہے اور پہلی بات زیادہ درست ہے کیونکہ دوسری تو بعد کی ایجاد ہے اور تنگی کے وقت اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں اور وسعت کے وقت مکروہ ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب الصفوف بین السواری، ج3، ص223، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ محمد بن احمد دسوقی مالکی فرماتے ہیں:

کیونکہ یہ جگہ جوتے رکھنے کیلئے تیار کی گئی ہے اور یہ غالبا نجاست سے خالی نہیں ہوتی یا اس لئے کہ یہ شیاطین کی جگہ ہے اور ان کی جگہ سے دوری ہی مناسب ہے، تحقیق حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس وادی سے کوچ کر لیا جس میں نماز فجر سے سوئے رہے یہاں تک سورج طلوع ہو گیا اور فرمایا یہاں شیطان ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی مع الشرح الکبیر، مکروہات صلاۃ الجماعۃ، ج1 ص331، دارالفکر، بیروت)

عمدۃ القاری میں علامہ عینی فرماتے ہیں:

علامہ قرطبی نے فرمایا: ستونوں کے درمیان کراہت کا سبب کے بارے میں مروی ہے کہ یہ مومنین جنوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ (عمدۃ القاری شرح البخاری، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، ج4، ص286، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ستونوں کے درمیان کھڑے ہونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

احناف کے نزدیک ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے درج ذیل احکام ہیں:

(1) امام کا ستونوں کے درمیان کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ (2) مقتدیوں کا ستونوں کے درمیان میں کھڑے ہونا مکروہ تحریمی اور نا جائز ہے کہ قطع صف کا سبب ہے۔ (3) منفرد کا ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

ہاں اگر کثرتِ جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی ستونوں کے درمیان کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

اصح روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں امام کے دو ستون کے درمیان کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔ (ردالمحتار، باب الامامۃ، ج1، ص568، دار الفکر، بیروت)

علامہ بدرالدین محمود عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

(جماعت کے علاوہ ستونوں کے درمیان نماز کا باب) یہ باب جماعت کے علاوہ ستونوں کے درمیان نماز کے بیان میں ہے یعنی جب وہ منفرد ہو تو ستونوں کے درمیان نماز میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ جماعت میں نہیں ہے، غیر جماعت کی قید لگائی گئی ہے کیونکہ اس سے صف قطع ہو جاتی ہے اور جماعت میں صفوں کی برابری مطلوب ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، ج4، ص284، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

امام کا بے ضرورت محراب میں کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں یہ بھی مکروہ (ہاں پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کراہت نہیں) اور **امام کا دَر میں کھڑا ہونا بھی مکروہ** مگر اُسی طرح پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کراہت نہیں بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو ورنہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کے موضع سے چار گرہ سے زیادہ اونچی ہوئی تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی اور چار گرہ یا کم بلندی ممتاز ہوئی تو کراہت سے خالی نہیں، اور **بے ضرورت مقتدیوں کا دَر میں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ باعث قطع صف ہے اور قطع صف ناجائز، ہاں اگر کثرت جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی دَر میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں** تو کراہت نہیں۔ **یونہی اگر مینہ کے باعث پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو یہ ضرورت ہے** والضرورات تبیح المحظورات (ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے۔) رہا اکیلا، اسکے لئے ضرورت، بے ضرورت محراب میں، **دَر میں مسجد کے کسی حصہ میں کھڑا ہونا اصلاً کراہت نہیں رکھتا۔** (فتاویٰ رضویہ، ج6، ص131 تا 134، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو القاسم محمد بن احمد الغرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

ستونوں کے درمیان نماز مکروہ ہے۔ (القوانین الفقہیہ، الباب الثامن عشر فی ارقاع الصلاۃ، ج1، ص49، مطبوعہ بیروت)

مدونہ میں ہے:

اور امام مالک نے کہا: جب مسجد میں جگہ تنگ ہو تو ستونوں کے درمیان صف بنانے میں کوئی حرج نہیں، علی بن زیاد نے سفیان ثوری سے بیان کیا، انہوں نے یحیٰ بن ہانی سے انہوں نے عبد الحمید بن محمود سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: ((صَلَّيْتُ مَعَ

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَأَلْجَئْنَا إِلَى مَا بَيْنَ السَّوَارِي فَتَقَدَّمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَقَالَ: قَدْ كُنَّا نَتَّقِي هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی تو ہم ستونوں کے درمیان والی جگہ کی طرف چلے گئے تو حضرت انس بن مالک آگے بڑھے اور فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس سے بچتے تھے۔

وکیع نے سفیان سے انہوں نے ابو اسحاق ہمدانی سے انہوں نے معدی کرب سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ستونوں کے درمیان نماز مکروہ ہے۔ (المدونہ، جامع الصلاۃ، ج1، ص195، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

ستونوں کے درمیان نماز کی ممانعت کی وجہ علامہ ابن عربی نے کہا: یا تو صفوں کے قطع کرنے کی وجہ سے یا اس لئے کہ یہ جوتے جمع کرنے کی جگہ ہے اور پہلی زیادہ درست ہے کیونکہ دوسری تو نئی ایجاد کردہ ہے اور جگہ تنگ ہونے کی صورت میں اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور وسعت ہونے کے ساتھ جماعت کیلئے مکروہ ہے اور اکیلا ہو تو کوئی حرج نہیں، عبارت ختم ہو گئی۔ (مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فصل من تکرہ امامتہ، ج2، ص106، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

امام کیلئے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ نہیں، مقتدیوں کیلئے مکروہ ہے کیونکہ ستون صفوں کو قطع کر دیں گے، اس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام نخعی نے مکروہ قرار دیا ہے، اور یہی حضرت حذیفہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا گیا ہے...... حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ((كُنَّا نُنْهَى أَنْ نَصُفَّ بَيْنَ السَّوَارِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُطْرَدُ عَنْهَا طَرْدًا)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں ستونوں کے درمیان صف بنانے سے منع کیا گیا تھا اور ہمیں اس سے دور کیا جاتا۔ (ابن ماجہ) اور اس وجہ سے کہ یہ صف کو قطع کر دیتا ہے پس اگر صف چھوٹی ہو وہ اتنی ہی ہو جو ستونوں کے درمیان ہے تو یہ مکروہ نہیں کیونکہ یہ قطع نہیں ہوگی۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل یستحب ان یقف الامام الخ، ج2، ص161، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف:

علامہ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں:

(جماعت کے علاوہ ستونوں کے درمیان نماز کا باب) غیر جماعت کی قید لگائی ہے کیونکہ یہ صفوں کو قطع کر دیتے ہیں اور

جماعت میں صفوں کو برابر رکھنا مطلوب ہے اور علامہ رافعی نے شرح المسند میں فرمایا: امام بخاری نے اس حدیث یعنی حدیث ابن عمرعن بلال سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جب جماعت نہ ہوتو دوستونوں کے درمیان نماز میں کوئی حرج نہیں، اور اشارہ کیا کہ اکیلے کیلئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ ستونوں کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھے اور اس اولویت کے باوجود ان کے درمیان کھڑا ہونے میں کراہت نہیں ہے یعنی منفرد کیلئے۔ اور جماعت میں دوستونوں کے درمیان کھڑا ہونا ستون کی طرف نماز پڑھنے کی طرح ہے ،ان کا کلام ختم ہوگیا۔ اور اس میں نظر ہے کیونکہ ستونوں کے درمیان نماز سے خاص نہی وارد ہے جیسا کہ اس کو امام حاکم نے حضرت انس سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ سنن ثلاثہ میں ہے اور اس کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے، محب طبری نے کہا: ایک قوم نے ستونوں کے درمیان صف کو مکروہ کہا ہے اس نہی کی وجہ سے جو وارد ہے، کراہت کا محل جگہ تنگ نہ ہونے کے وقت ہے اور اس میں حکمت یا تو صف کا منقطع ہونا ہے یا اس وجہ سے کہ یہ جوتے رکھنے کی جگہ ہے، عبارت ختم ہوگئی قرطبی نے کہا کراہت کا یہ سبب مروی ہے کہ یہ مومنین جنوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔

(فتح الباری لابن حجر، باب الصلاۃ بین السواری الخ، ج1، ص578، دارالمعرفہ، بیروت)

ستونوں کے درمیان کھڑے ہونے کی ممانعت پر دلائل:

سنن ابن ماجہ میں ہے: ((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا نُنْهَى أَنْ نَصُفَّ بَيْنَ السَّوَارِي عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُطْرَدُ عَنْهَا طَرْدًا)) یعنی قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں دوستونوں کے بیچ صف باندھنے سے منع فرمایا جاتا اور وہاں سے دھکے دے کر ہٹائے جاتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، باب الصلوٰۃ بین السواری فی الصف، ج1، ص320، مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ)

جامع ترمذی، سنن نسائی اور صحیح حاکم میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ مَحْمُودٍ قَالَ: صَلَّيْنَا خَلْفَ أَمِيرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ، فَاضْطَرَّنَا النَّاسُ فَصَلَّيْنَا بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَلَمَّا صَلَّيْنَا قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: كُنَّا نَتَّقِي هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) یعنی ایک تابعی کہتے ہیں ہم نے ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی لوگوں نے ہمیں مجبور کیا کہ ہمیں دوستونوں میں نماز پڑھنی ہوئی (جب ہم نماز پڑھ چکے تو) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس سے بچتے تھے۔

(جامع الترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ الصف بین السواری، مطبوعہ امین کمپنی، دہلی ☆ سنن نسائی، الصف بین السواری، ج2، ص94، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ المستدرک للحاکم، ومن کتاب الامامۃ وصلاۃ الجماعۃ، ج1، ص329، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سنن ابی داؤد اور مسند امام احمد میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ مَحْمُودٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَدُفِعْنَا إِلَى السَّوَارِي، فَتَقَدَّمْنَا وَتَأَخَّرْنَا، فَقَالَ أَنَسٌ: كُنَّا نَتَّقِي هَذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: حضرت عبدالحمید بن محمود سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جُمُعہ کے دن نماز پڑھی تو ہمیں ستونوں کے درمیان دھکیل دیا گیا پس ہم آگے اور پیچھے ہوئے تو حضرت انس نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس سے بچتے تھے۔

(سنن ابی داؤد، باب الصفوف بین السواری، ج1، ص180، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مسند احمد، مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج19، ص346، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: ((لَا تصفوا بين الأساطين واتموا الصُّفُوف)) ستونوں کے بیچ میں صف نہ باندھو اور صفیں پوری کرو۔

(عمدۃ القاری شرح البخاری، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، ج4، ص286، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:

اور ستونوں کے درمیان کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ قطع صف ہے اگر تینوں ستونوں میں لوگ کھڑے ہوئے تو ایک صف کے تین ٹکڑے ہوئے اور یہ ناجائز ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللَّهُ)) ترجمہ: جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ (سنن ابی داؤد، باب تسویۃ الصفوف الخ، ج1، ص178، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اور بعض ستونوں میں کھڑے ہوئے بعض خالی چھوڑ دے جب بھی قطع صف ہے صف ناقص چھوڑ دی، کاٹ دی، پُوری نہ کی، اور اس کا پُورا کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أَتِمُّوا الصُّفُوفَ فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي)) ترجمہ: صفوں کو مکمل کرو، میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف الخ، ج1، ص324، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اگر اس وقت زائد لوگ نہ ہوں تو آنے سے کون مانع ہے تو یہ ممنوع کا سامان مہیا کرنا ہے اور وُہ بھی ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾ ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں پس ان کو توڑنے کے قریب مت جاؤ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت 187 ☆ فتاوی رضویہ، ج6، ص134، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 168

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ

صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنا

230- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، قَالَ: أَخَذَ زِيَادُ بْنُ أَبِي الجَعْدِ بِيَدِي وَنَحْنُ بِالرَّقَّةِ، فَقَامَ بِي عَلَى شَيْخٍ يُقَالُ لَهُ: وَابِصَةُ بْنُ مَعْبَدٍ، مِنْ بَنِي أَسَدٍ، فَقَالَ زِيَادٌ: حَدَّثَنِي هَذَا الشَّيْخُ أَنَّ رَجُلًا صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ - وَالشَّيْخُ يَسْمَعُ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ. وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، قال ابوعيسٰى: حَدِيثُ وَابِصَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ، وَقَالُوا: يُعِيدُ إِذَا صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. وَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ: تُجْزِئُهُ إِذَا صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ. وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الكُوفَةِ إِلَى حَدِيثِ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَيْضًا، قَالُوا: مَنْ صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ يُعِيدُ، مِنْهُمْ: حَمَّادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَابْنُ أَبِي لَيْلَى، وَوَكِيعٌ وَرَوَى

حضرت ہلال بن یساف بیان کرتے ہیں: ہم مقام رقہ میں تھے کہ زیاد بن ابوجعد نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک شیخ جس کا نام وابصہ بن معبد تھا، کے سامنے لا کر مجھے کھڑا کر دیا اور زیاد نے کہا: مجھے ان بزرگ نے یہ حدیث بیان کی کہ ایک شخص نے صف کے پیچھے تنہا (کھڑے ہوکر) نماز ادا کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اور (اس گفتگو کو) وہ بزرگ سُن رہے تھے۔

اس باب میں حضرت علی بن شیبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث موجود ہے۔ امام ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں: حضرت وابصہ کی حدیث ''حسن'' ہے۔ علما کے ایک گروہ نے صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کرنے کو مکروہ کہا اور اُسے لوٹانے کا حکم دیا۔ امام احمد اور امام اسحاق کا یہی نظریہ ہے۔ جبکہ علما کے ایک گروہ نے فرمایا کہ اس طرح نماز ادا کرنا جائز ہے۔ سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے۔

کوفی علما کی ایک جماعت نے وابصہ بن معبد کی حدیث کو اختیار کیا اور کہا کہ جو صف کے پیچھے

حَدِيثَ حُصَيْنٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ غَيْرُ وَاحِدٍ، مِثْلَ رِوَايَةِ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ وَابِصَةَ، وَفِي حَدِيثِ حُصَيْنٍ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ هِلَالًا قَدْ أَدْرَكَ وَابِصَةَ، فَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْحَدِيثِ فِي هٰذَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: حَدِيثُ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَصَحُّ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: حَدِيثُ حُصَيْنٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَصَحُّ. قال ابوعيسٰى: وَهٰذَا عِنْدِي أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ حَدِيثِ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ.

231- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ، أَنَّ رَجُلًا صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ، قال ابوعيسٰى: سَمِعْتُ الْجَارُودَ يَقُولُ: سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ: إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَإِنَّهُ يُعِيدُ

تنہا نماز ادا کرے وہ اعادہ کرے۔ حماد بن سلیمان، ابن ابی لیلیٰ اور وکیع بھی اُن علما میں شامل ہیں۔

حصین کی حدیث کو ہلال بن یساف سے متعدد راویوں نے ابوالاحوص کی حدیث کی مثل روایت کیا جو بواسطہ زیاد بن ابوالجعد کے وابصہ سے منقول ہے۔

اور حصین کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہلال نے وابصہ کو پایا ہے (یعنی اُن سے ملاقات کی ہے)۔

محدثین کا اس میں اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ عمرو بن مُرّہ نے بواسطہ ہلال بن یساف اور عمرو بن راشد کے وابصہ سے جو حدیث روایت کی وہ صحیح ترین ہے۔

جبکہ بعض کے نزدیک حصین کی روایت جو بواسطہ ہلال بن یساف اور زیاد بن جعد کے وابصہ بن معبد سے ہے، وہ زیادہ مستند ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: عمرو بن مُرّہ کی حدیث کی بہ نسبت یہ روایت میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حدیث ہلال بن یساف (کی سند یعنی عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ) کے علاوہ (دیگر اسناد) سے بھی مروی ہے۔

حدیث: حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھی تو اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں جارود سے وکیع کا یہ قول سُنا کہ اگر کوئی شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے تو اُسے لوٹائے۔

تخریج حدیث 230,231: (مسند ابی داؤد الطیالسی، والصمد بن معبد، ج 2، ص 526، دار ہجر، مصر ☆ مسند الشافعی، من الجزء الثانی من اختلاف الحدیث الخ، ج 1، ص 176، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ بدرالدین محمود عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

امام احمد، اسحٰق، اور نخعی نے ظاہر حدیث کو دلیل بنایا ہے اور امام احمد کے بعض اصحاب سے مروی ہے کہ جب کسی شخص نے امام کے پیچھے تنہا نماز شروع کی پھر قوم میں سے کوئی شخص اس کے ساتھ آکر نہیں ملا یہاں تک اس نے رکوع سے سر اٹھالیا تو اس کی نماز نہیں ہے اور جو اس کے بعد آکر اس کے ساتھ ملے ان سب کی نماز فاسد ہے اگرچہ وہ سو یا اس سے بھی زیادہ ہوں۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک نے فرمایا: صف کے پیچھے تنہا شخص کی نماز جائز ہے اور انہوں اس اعادہ کے حکم کو مستحب ہونے پر محمول کیا ہے نہ کہ وجوب پر۔ اور حدیث ابی بکر میں اس بات پر دلالت ہے کہ ہے صف کے پیچھے تنہا شخص کی نماز جائز ہے کیونکہ نماز کا ایک جز جب تنہا جائز ہے تو باقی اجزاء بھی جائز ہیں اور حدیث انس میں جوان کے پیچھے عورت کے تنہا نماز پڑھنے کا ذکر ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے، اور اس معاملہ میں مرد و عورت کا ایک ہی حکم ہے اور امام طبرانی نے اوسط میں یونس بن عبید کے طریق سے انہوں نے ثابت سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ: ((أنه صلى خلف النبي عليه السلام وحده ووراءه امرأة حتى جاء الناس)) انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پیچھے تنہا نماز پڑھی اور ان کے پیچھے عورت تھی، یہاں تک کہ لوگ آگئے۔ اور فرمایا اس میں اسماعیل متفرد ہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف، ج3، ص237، مکتبۃ الرشد، ریاض)

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پاک کے تحت مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

علامہ ابن ہمام نے کہا: اس کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور علامہ ابن حجر نے کہا اس کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے موافق ایک خبر صحیح بھی ہے کہ: ((لَا صَلَاةَ لِلَّذِي خَلْفَ الصَّف)) ترجمہ: اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو صف کے پیچھے ہو۔ اور اسی سے امام احمد وغیرہ نے صف میں داخلہ کے ممکن ہونے کے باوجود صف سے پیچھے تنہا کی نماز کے باطل ہونے کا حکم اخذ کیا ہے اور ہمارے ائمہ نے پہلی روایت کے مستحب ہونے پر اور دوسری کو کمال کی نفی پر محمول کیا ہے تاکہ یہ دونوں صحیح بخاری کی اس روایت کے موافق ہو جائیں کہ حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے: ((أَنَّهُ دَخَلَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ)) وہ مسجد میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں تھے تو انہوں نے صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا پھر اس کا ذکر حضور نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے شوق کو بڑھائے، دوبارہ ایسا نہ کرنا۔اور ابوداود کی روایت میں ہے اس کو ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے کہ:((فَرَكَعَ دُونَ الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى)) انہوں نے صف کے پیچھے ہی رکوع کرلیا پھر چلے۔کیونکہ اس کا ظاہر اعادہ کا لازم نہ ہونا ہے کیونکہ اس کا حکم نہیں دیا گیا اور اسی طرح یہ بات بھی کہ آپ نے اس نماز پڑھنے والے کو فارغ ہونے تک کچھ نہیں کہا اور اگر اس کی نماز باطل ہوتی تو آپ اس کو جاری نہ رکھنے دیتے، اور اس حدیث مذکورہ محدثین کے صحیح اور حسن قرار دینے کے باوجود علامہ ابن عبد البر نے اس میں علت ذکر کی ہے کہ یہ مضطرب ہے اور بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

پھر کہا گیا ہے کہ حدیث ابوبکرہ کا یہ معنی ہے کہ دوبارہ صف سے پیچھے تکبیر تحریمہ نہ کہنا۔ایک قول یہ ہے کہ نماز سے اتنی تاخیر دوبارہ نہ کرنا۔اور ایک قول یہ ہے کہ نماز کی طرف آنے میں جلد بازی سے دوبارہ کام نہ لینا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب تسویۃ الصف، ج3،ص855، دار الفکر، بیروت)

اکیلے کھڑے ہونے والے مقتدی کی نماز کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف:

مسائل الامام احمد روایۃ ابی داود میں ہے:

اگر صف کے پیچھے ایک شخص نے نماز پڑھی تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔میں نے امام احمد سے سنا، ان سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جس نے صف کے پیچھے امام کی سیدھ میں تنہا نماز پڑھی؟ تو آپ نے فرمایا: امام کی سیدھ میں ہونا اور کنارے پر ہونا برابر ہے وہ نماز کا اعادہ کرے۔امام احمد سے کہا گیا: اگر رکوع سے پہلے ایک اور شخص آ جائے تو کیا حکم ہے؟ کہا: امید ہے کہ یہ نماز کفایت کر جائے گی۔ (مسائل الامام احمد روایۃ ابی داود، باب عند الرفع بشتر اصابعہ، ج1،ص54، مکتبہ ابن تیمیہ، مصر)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اگر ایک شخص صف کے پیچھے کھڑا ہو، یا امام کے پیچھے یا امام کی بائیں جانب تو اس کی نماز درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھما کر دائیں جانب کر دیا تھا جب وہ دونوں بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے۔اور حضرت وابصہ بن معبد نے روایت کیا:((أن النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رأى رجلا يصلي خلف الصف وحده فأمره أن يعيد)) ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ صف کے پیچھے تنہا پڑھ رہا تھا تو آپ نے اس کو اعادہ کرنے کا حکم دیا۔(سنن ابی داود) حضرت علی بن شیبان سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں:((صلى بهم النبي

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فانصرف ورجل فرد خلف الصف، فوقف النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حتی انصرف الرجل، فقال النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: استقبل صلاتك فلا صلاة لفرد خلف الصف)) ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی یہاں تک نماز سے فارغ ہوئے اس وقت ایک شخص صف کے پیچھے تنہا تھا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کھڑے ہوئے یہاں تک وہ شخص بھی نماز سے فارغ ہو گیا تو حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی نماز دوبارہ پڑھو صف کے پیچھے تنہا شخص کی کوئی نماز نہیں۔ اس کو اثرم نے روایت کیا ہے۔ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کے بارے اور حدیثِ وابصہ کے بارے میں کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

اور اس وجہ سے کہ اس نے کھڑے ہونے کی جگہ کی خلاف ورزی کی ہے تو اس کی نماز درست نہیں ہے جیسا کہ اگر کوئی امام کے آگے کھڑا ہو جائے۔ پس اگر اس نے ایک رکعت (تنہا ہی) پڑھی تو اس کی نماز درست نہیں اور اگر کوئی دوسرا شخص آ گیا وہ اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا یا یہ امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے صف میں داخل ہو گیا تو اس کی نماز درست ہے کیونکہ اس نے صف میں رکعت کو پا لیا ہے۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب موقف الامام والمأموم فی الصلاۃ، ج1، ص300، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

احناف کا موقف:

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(جب امام کے پیچھے ایک نمازی صف کے پیچھے کھڑا ہو تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی) محدثین میں سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے: ((لا صلاة لمنفرد خلف الصف)) صف کے پیچھے منفرد کی کوئی نماز نہیں۔ اور مروی ہے: ((أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یصلی فی حجرة من الأرض فقال: أعد صلاتك فإنه لا صلاة لمنفرد خلف الصف)) بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو زمین کے ایک کنارے میں نماز پڑھ رہا تھا تو ارشاد فرمایا اپنی نماز کا اعادہ کرو، بے شک صف کے پیچھے منفرد کی کوئی نماز نہیں۔ اور ہماری دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، انہوں نے فرمایا: ((فأقامنی والیتیم من ورائی وأمی أم سلیم وراءنا)) ترجمہ: پس آپ نے مجھے اور یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور میری والدہ ام سلیم ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔ تو تحقیق آپ نے ان کی والدہ کی اقتدا کو بھی جائز قرار دیا حالانکہ وہ صف کے پیچھے تنہا تھیں۔

اس حدیث پاک میں دلیل ہے کہ عورت مرد کی نماز کو فاسد کر دیتی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تنہا کھڑے ہونے کی نہی کے باوجود ان کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کیا تو یہ اسی وجہ سے تھا کہ ان دونوں کی نماز کی حفاظت ہو سکے، اور حدیث پاک

ہے:((إن أبا بكرة رضى الله تعالى عنه دخل المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم راكع فكبر وركع ثم دب حتى لصق بالصف فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلاته قال: زادك الله حرصا ولا تعد أو قال :لا تعد))
ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں تھے تو انہوں نے تکبیر کہی اور رکوع کیا پھر سرکتے ہوئے صف سے مل گئے پس جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے شوق کو زیادہ کرے لیکن دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ تو تحقیق اس حدیث پاک میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی اقتداء کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ وہ صف سے پیچھے تھے۔

اور امام احمد بن حنبل کی پیش کردہ حدیث پاک کی تاویل کمال کی نفی ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے:((لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد)) ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہے مگر مسجد میں۔ اور لوٹانے کا حکم دینا شاذ ہے اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو احتمال ہے کہ اس کے اور امام کے درمیان کوئی ایسی چیز ہو جو اقتداء سے مانع ہو۔ اور حدیث میں اس پر دلالت موجود ہے کہ فرمایا:((في حجرة من الأرض أي ناحية)) ترجمہ: زمین کے ایک کنارے میں۔

لیکن ہمارے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ اگر صف میں جگہ ہے تو وہ صف میں کھڑا ہو اور اگر جگہ نہ ہو تو کسی آنے والے کا انتظار کرے کہ وہ دونوں صف بنائیں اور اگر کوئی نہ آئے اور اسے رکعت فوت ہونے کا خوف ہو تو یہ جسے صاحب علم اور حسن اخلاق والا سمجھتا ہو اسے صف میں سے اپنی طرف کھینچ لے تاکہ اس پر کوئی مشکل کھڑی نہ ہو جائے پھر یہ دونوں پیچھے صف بنا لیں پس اگر کوئی نہ اس تک پہنچے تو ضرورت کی بناء امام کی سیدھ میں صف کے پیچھے کھڑا ہو جائے۔

(المبسوط للسرخسی، باب الحدث فی الصلاۃ، ج1، ص192,193، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی (861ھ) فرماتے ہیں:

معلوم ہوا کہ یہ اعادہ کا حکم استحبابی ہے، اور پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی کراہت کی بناء پر۔ علماء نے فرمایا: جب نمازی آئے اور صف مکمل ہو تو ان میں سے کسی ایک کو کھینچ لے تاکہ وہ اس کے ساتھ دوسری صف بنائے اور اُس کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ اس کو کوئی جواب نہ دے تو کراہت ختم ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنی وسعت بھر معاملہ کر لیا۔

(فتح القدیر، باب الامامۃ، ج1، ص357، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

اور قنیہ میں ہے ہمارے زمانہ میں عوام پر جہالت کے غلبہ کی وجہ سے اکیلے کھڑا ہونا زیادہ بہتر ہے۔

(بحر الرائق، وقوف المأمومین فی الصلاۃ خلف الامام، ج1، ص374، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا موقف:

فخر الاسلام محمد بن احمد قفال شافعی (متوفی 507ھ) فرماتے ہیں:

پس اگر اس نے صف کے پیچھے تنہا امام کی اقتدا کی تو یہ مکروہ ہے اور نماز اس کی ہو جائے گی یہی امام ابو حنیفہ، آپ کے اصحاب اور امام مالک کا قول ہے۔

(حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء، فصل اذا انکر رمنہ السہو فی الصلاۃ، ج2، ص181، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ محمد بن عبد اللہ الخرشی مالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

(صف کے پیچھے منفرد کی نماز جائز ہے اور وہ کسی کو نہ کھینچے اور یہ دونوں کی طرف سے خطا ہوگی) یعنی منفرد کیلئے صف کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور وہ مقتدیوں میں سے کسی کو نہ کھینچے اگر اس نے ایسا کیا اور اس نے اس کی بات مان لی تو یہ ان دونوں کی خطا ہوگی یعنی کھینچنے والے کی اس کے فعل کی وجہ سے اور جس کو کھینچا گیا اس کی اطاعت کی وجہ سے۔ ماتن کا یہ کہنا کہ " کسی کو نہ کھینچے " یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب وہ اگلی صف میں جگہ نہ پائے ورنہ مکروہ ہوگا اور ماتن کا یہ کہنا " اکیلے کا صف کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے " یعنی اسے جماعت کا ثواب ملے گا مگر اس سے صف کی فضیلت فوت ہو جائے گی کہ اس کا یہ فعل مکروہ ہے ورنہ اسے صف کی فضیلت بھی حاصل ہوتی کیونکہ وہ صف میں دخول کی نیت رکھتا تھا۔

(شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل صلاۃ الجماعۃ، ج2، ص33، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

حنابلہ کے دلائل:

سنن ابن ماجہ میں ہے:

((عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ وَكَانَ مِنَ الْوَفْدِ قَالَ: خَرَجْنَا حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا خَلْفَهُ ثُمَّ صَلَّيْنَا وَرَاءَهُ صَلَاةً أُخْرَى، فَقَضَى الصَّلَاةَ فَرَأَى رَجُلًا فَرْدًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ، قَالَ: فَوَقَفَ عَلَيْهِ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ انْصَرَفَ قَالَ: اسْتَقْبِلْ صَلَاتَكَ، لَا صَلَاةَ لِلَّذِي خَلْفَ الصَّفِّ)) ترجمہ: علی بن شیبان اور یہ وفد میں سے تھے انہوں کہا ہم نکلے یہاں تک کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ہم نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی پھر ہم نے آپ کے پیچھے ایک اور نماز پڑھی پس نماز ختم ہوئی تو آپ نے ایک شخص کو تنہا صف کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہو گئے، جب وہ فارغ ہوا تو فرمایا اپنی نماز

دوبارہ پڑھو، اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو صف کے پیچھے ہو۔

(سنن ابن ماجہ، باب صلاۃ الرجل خلف الصف وحدہ، ج1، ص320، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

المعجم الاوسط للطبرانی میں ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصُّفُوفِ وَحْدَهُ فَقَالَ: أَعِدِ الصَّلَاةَ لَا يُرْوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَبَّادِيُّ)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو صفوں کے پیچھے اکیلا ہی نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا اپنی نماز کا اعادہ کرو۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے صرف اسی سند سے مروی ہے اور اس میں عبد اللہ بن محمد عبادی متفرد ہیں۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ محمد، ج5، ص283، دار الحرمین، القاہرہ)

جامع ترمذی میں ہے:

((عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَنَّ رَجُلًا صَلَّى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ)) ترجمہ: حضرت وابصہ بن معبد سے مروی ہے کہ ایک شخص نے صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ نماز کا اعادہ کریں۔ (جامع الترمذی، باب ما جاء فی الصلاۃ خلف الصف وحدہ، ج1، ص445، مطبعۃ مصطفی البابی، مصر)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور حنابلہ کے دلائل کا جواب:

سنن ابی داؤد میں ہے:

((اَنَّ أَبَا بَكْرَةَ حَدَّثَ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَنَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاكِعٌ، قَالَ: فَرَكَعْتُ دُونَ الصَّفِّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ)) ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور اس وقت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت رکوع میں تھے، کہتے ہیں میں نے صف کے پیچھے ہی رکوع پا لیا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارا شوق زیادہ کرے، دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (سنن ابی داؤد، باب الرجل یرکع دون الصف، ج1، ص182، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس حدیث پاک کے تحت علامہ ابو سلیمان خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ صف کے پیچھے منفرد کی نماز جائز ہے کیونکہ نماز کا ایک جز جب تنہا جائز ہے تو باقی اجزاء بھی جائز ہیں اور حضور کا یہ فرمان کہ دوبارہ نہ کرنا یہ آئندہ کیلئے افضل کی رہنمائی کرنا ہے اور اگر یہ جائز نہ ہوتا تو ضرور اعادہ کا حکم دیتے، اسی طرح کی بات پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عورت کے گھر میں نماز پڑھنے اور اس عورت کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے کے بارے میں ہے، اور اس معاملہ میں مرد و عورت کا

ایک ہی حکم ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث وابصہ میں اعادہ کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔

(معالم السنن، من باب الرجل یرکع دون الصف، ج 1 ص 186، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

جامع ترمذی میں ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ: قُومُوا فَلْنُصَلِّ بِكُمْ، قَالَ أَنَسٌ: فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدْ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِالْمَاءِ، فَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ عَلَيْهِ أَنَا، وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی دادی ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کھانے تیار کر کے آپ کی دعوت کی تو حضور نے اس میں سے کھایا پھر فرمایا: اٹھو ہم تمہیں نماز پڑھاتے ہیں۔ حضرت انس کہتے ہیں میں اپنی چٹائی لینے اٹھا جو کہ کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی میں نے اس پر پانی چھڑکا پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے، میں نے اور یتیم نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بزرگ عورت ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر نماز سے فارغ ہوگئے۔

(جامع الترمذی، باب ما جاء فی الرجل یصلی ومعہ الرجال والنساء، ج 1 ص 454، مصطفیٰ البابی، مصر)

المعجم الاوسط للطبرانی میں ہے:

((عَنْ أَنَسٍ، أَنَّهُ صَلَّى خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَرَاءَهُ امْرَأَةٌ حَتَّى جَاءَ النَّاسُ بَعْدُ)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور ان کے پیچھے ایک عورت تھیں یہاں تک کہ لوگ اس کے بعد آئے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، باب من اسمہ ابراہیم، ج 3 ص 134، دار الحرمین، القاہرہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

حدیث ابوہریرہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اعادہ کا حکم وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے اور حدیث وابصہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ ایک جماعت سے ثابت نہیں اور اس میں اضطراب ہے، یہ علامہ ابوعمر ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: اس کی سند میں اختلاف ہے۔ اور حدیث ابن شیبان کا جواب یہ ہے کہ اس کے رجال غیر مشہور ہیں اور امام شافعی سے مروی ہے کہ اگر یہ ثابت ہوتی تو میں یہی قول کرتا۔ (عمدۃ القاری، باب المراۃ وحدہا تکون صفا، ج 5 ص 262، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ عینی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

((صف کے پیچھے تنہا کی نماز نہیں ہے)) اور اس کے معنی یہ ہے کہ کامل نماز نہیں ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

اس فرمان میں ہے:((لاوضوء لمن لم یسم الله)) ترجمہ: جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری، باب اتمام التکبیر فی الرکوع، ج6، ص56، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مذکورہ حدیث کی فنی حیثیت:

علامہ بدر الدین محمود عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

امام ترمذی نے فرمایا: علما کا اختلاف ہے: بعض نے کہا عمرو بن مرہ کی حدیث زیادہ صحیح ہے اور بعض نے کہا حصین کی حدیث زیادہ صحیح ہے اور یہ میرے نزدیک عمرو کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ ہلال عن زیادہ عن وابصہ کے علاوہ طریق سے بھی مروی ہے، ان کی عبارت ختم ہوئی۔ امام ابن ماجہ کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ مجھے شیخ نے خبر دی تو گویا کہ ہلال نے خود وابصہ سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے کہا: یہ خبر ہلال نے عمرو سے سنی، عمرو نے وابصہ سے۔ اور ہلال نے یہ زیاد سے سنی اور انہوں نے وابصہ سے تو یہ دونوں طریق محفوظ ہیں اور یہ خبر ایسی نہیں ہے کہ جس میں ہلال بن یساف متفرد ہوں۔ پھر انہوں نے اس کو یزید بن ابوزیاد بن ابوالجعد سے نقل کیا انہوں نے اپنے چچا عبید اللہ بن ابوالجعد سے انہوں نے ان کے والد ابوزیاد بن ابوالجعد سے انہوں نے وابصہ سے، پھر انہوں اس حدیث کو ذکر کیا۔ اور اس کو بزار نے اپنی مسند میں مذکورہ تینوں اسناد کے ساتھ روایت کر کے فرمایا: بہر حال حدیث عمرو بن راشد تو عمرو بن راشد ایسا شخص ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اس نے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث بیان کی ہو، اور وہ عدالت میں معروف نہیں ہے تو اس کی حدیث قابل حجت نہیں اور بہر حال حصین کی حدیث تو حصین حافظ نہیں ہے تو ان کی حدیث حکم میں حجت نہیں۔ اور بہر حال یزید بن ابوزیاد کی حدیث تو ہم اہل علم میں سے جس کو بھی جانتے ہیں وہ ان کی اخبار کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو اس کی روایت حجت نہیں اور تحقیق شمر بن عطیہ سے مروی ہے انہوں نے ہلال بن یساف سے انہوں نے وابصہ سے روایت کی۔ اور ہلال نے وابصہ سے سماعت نہیں کی تو ہم اس کے ارسال کی وجہ سے اس کے ذکر سے رک گئے۔ ان کی عبارت ختم ہوگئی۔ اور امام شافعی نے فرمایا: میں نے حدیث کا علم رکھنے والوں میں سے بعض سے سنا کہ بعض محدثین ہلال اور وابصہ کے درمیان ایک راوی کو داخل کرتے ہیں: ان میں سے بعض ہلال عن وابصہ کے طریق سے روایت کرتے کہ ہلال نے وابصہ سے سنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ گویا کہ انہوں نے اس کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور امام بیہقی نے کہا بخاری و مسلم دونوں نے اس روایت کو ذکر نہیں کیا کیونکہ امام شافعی نے اس کی سند میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ اور جب علی بن شیبان کی حدیث میں یہ بات ہے کہ اس کے رجال غیر مشہور ہیں تو امام شافعی نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا اگر یہ حدیث ثابت ہو جاتی تو میں یہی قول کرتا۔ اور امام حاکم نے کہا شیخین نے وابصہ کی روایت اپنی کتابوں میں اسلئے ذکر نہیں کی کہ ان تک پہنچنے والی سند میں

فساد ہے اور ابن منذر نے کہا: امام احمد اور اسحٰق نے اس کو بیان کیا ہے۔ ابو عمر نے کہا اس میں اضطراب ہے اور ایک جماعت نے اس کو ثابت نہیں مانا۔ اور اشبیلی نے کہا ابو عمر کے علاوہ کسی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ حصین ثقہ ہیں، ہلال اس کی مثل ہیں اور زیاد بھی ایسے ہی ہیں اور تحقیق انہوں نے اس کی سند بیان کی ہے اور اس میں اختلاف کا ہونا اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابن ماجہ نے اس کو عبد اللہ بن بدر سے انہوں نے عبد الرحمٰن بن علی بن شیبان سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی پس جب نماز ختم ہوئی تو آپ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوا تو فرمایا اپنی نماز نئے سرے سے پڑھو، بے شک اس کی کوئی نماز نہیں جو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے۔ میں نے کہا: اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور کہا عبد اللہ بن بدر معروف نہیں ہے، اس سے ملازم بن عمرو، محمد بن جابر نے روایت کی ہے اور ملازم کی حدیث اگرچہ حجت نہیں ہیں لیکن اس میں احتمال ہے اور محمد بن جابر تو اس کی حدیث کے بارے لوگ خاموش ہیں۔ اور علی بن شیبان سے صرف ان کے بیٹے نے روایت بیان کی ہے اور اس کے بیٹے کی یہ صفت ہے۔ اور بے شک مجہول کی جہالت اس وقت ختم ہوتی ہے جب دو مشہور ثقہ راوی اس سے روایت کریں اگر اس سے وہ راوی روایت کرے جس کی حدیث حجت نہیں تو وہ حدیث حجت نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کی جہالت ختم ہوگی پس اگر تو کہے ایک دوسری حدیث ہے جسے بزار نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے نضر بن عبد الرحمٰن سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابن شیبان کی حدیث کی مثل روایت کیا۔ میں نے کہا: بزار نے کہا اس حدیث کو عکرمہ سے روایت کرنے والوں میں نضر کے علاوہ ہم کسی کو نہیں جانتے اور وہ لین الحدیث ہے۔ اور تحقیق اس نے کئی ایسی احادیث بیان کی ہیں جن کی متابعت نہیں کی گئی اور وہ بعض اہل علم کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف ہے تو اس کی حدیث حجت نہیں۔ ان کی عبارت ختم ہو گئی۔ ابو عبد اللہ سے ابن ماجہ کی کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب صلوۃ الرجل خلف الصف وحدہ۔ عباس کی حدیث کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث منکر ہے یا باطل ہے۔ اثرم نے کہا میں نے ان کو کہا سند کے اعتبار سے ان میں سے کونسی روایت زیادہ اچھی ہے؟ تو فرمایا شعبہ کی عمرو بن راشد سے ان کی وابصہ سے روایت۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف، ج3، ص238 تا 240، مکتبۃ الرشد، ریاض)

باب نمبر 169

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَمَعَهُ رَجُلٌ

کوئی شخص اس حال میں نماز ادا کرے کہ اُس کے ہمراہ صرف ایک شخص ہو

232 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَطَّارُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، قَالُوا: إِذَا كَانَ الرَّجُلُ مَعَ الْإِمَامِ يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ادا کی، میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر کو پیچھے کی طرف سے پکڑا اور مجھے (اپنے) دائیں طرف کر دیا۔

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

صحابۂ کرام اور اُن کے بعد میں آنے والے علما (تابعین وغیرہ) کا اسی پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب امام کے ہمراہ (صرف) ایک شخص ہو تو وہ (امام کی) داہنے طرف کھڑا ہو گا۔

تخریج حدیث 232: (صحیح بخاری، باب السمر فی العلم، ج 1 ص 34، حدیث 117، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل الخ، ج 1 ص 525، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب الرجلین یؤم احدھما صاحبہ، ج 1 ص 166، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب الامر بالوضوء من النوم، ج 1 ص 215، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب الاثنان جماعۃ، ج 1 ص 312، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((پس میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہوا تو آپ نے اپنی پشت کے پیچھے کی طرف سے میرا ہاتھ پکڑا)) یعنی آپ نماز میں تھے جیسا کہ شراح نے بیان کیا، اوران کا قول: **((نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے))** کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الموقف، ج3، ص856، دارالفکر، بیروت)

علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

((توانہوں نے مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کردیا)) یہ اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ ایک مقتدی امام کی دائیں طرف کا زیادہ حق دار ہے اور یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دو شخص جماعت ہیں اس معنی میں کہ دو کی اکٹھے نماز جائز ہے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب الاثنان جماعۃ، ج1، ص308، دارالجیل، بیروت)

فوائد حدیث

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

اس میں کئی فقہی احکام ہیں:

(1) نفل نماز کی جماعت کروانا جائز ہے (2) دو اشخاص کی جماعت درست ہے (3) جب صرف دو شخص ہوں تو مقتدی امام کی دائیں طرف کھڑا ہو (4) نماز میں عمل قلیل کا جائز ہونا (5) جس نے امامت کی نیت نہیں کی اس کے ساتھ نماز مکمل کرنا جائز ہے۔

(معالم السنن، ومن باب فی الرجلین یؤم أحدہما صاحبہ، ج1، ص174، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

شرح السنہ میں فرمایا: حدیث میں کئی فوائد ہیں:

(1) نفل نماز کی جماعت کا جائز ہونا، (2) ایک مقتدی امام کی دائیں طرف کھڑا ہوگا (3) نماز تھوڑا عمل جائز ہے (4) مقتدی کا امام سے آگے ہونا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پیچھے سے گھمایا، حالانکہ آگے سے گھمانا زیادہ آسان تھا (5) جس نے امامت کی نیت نہ کی ہو اس کے پیچھے نماز کا جائز ہونا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اکیلے ہی نماز شروع کی تھی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اقتدا کی۔ اور ہدایہ میں ہے کہ اگر اکیلے مقتدی نے امام کے پیچھے یا بائیں

طرف نماز پڑھی تو جائز ہے اور اس نے برا کیا۔ ابن ہمام نے فرمایا یہی مذہب ہے اور جو بعض نے پیچھے ہونے کی صورت میں عدم اساءت ذکر کیا ہے اس بات سے استدلال کرتے ہوئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ کیا اور اس کے بارے میں ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا تو انہوں نے عرض کی کہ کھڑے ہونے کی جگہ میں آپ سے برابری کرنا کسی کے لئے جائز نہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا کی تو یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ مکروہ نہیں، یہ غلط ہے کیونکہ استدلال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل مبارک اور حکم مبارک سے ہوتا ہے اور دائیں طرف برابر میں ہے اور آپ کا ان کیلئے دعا کرنا ان کے حسن ادب کی وجہ سے ہے نہ کہ ان کے فعل کی وجہ سے۔ پھر یہ روایت اگر صحیح ہے تو یہ اس بارے میں صریح ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دائیں طرف کھڑے کرنے سے مراد دائیں طرف برابر میں کھڑا کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الموقف، ج3، ص856، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث میں چودہ فوائد ہیں:

(1) ایک مقتدی کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ امام کی دائیں طرف ہو (2) اگر وہ پیچھے اور بائیں طرف کھڑا ہوا تو اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ (3) اس پر سجدہ سہو لازم نہیں (4) جب بائیں طرف کھڑا ہو تو مناسب ہے کہ دائیں طرف پھر جائے (5) اگر وہ نہ پھرے تو امام اس کو پھیر دے۔ (6) امام اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے پھیرے نہ کہ بائیں ہاتھ سے۔ (7) اس کو پیچھے سے گھمائے (8) نفل نماز میں کلام حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلام نہیں فرمایا (9) نفل کی جماعت جائز ہے۔ (10) عمل قلیل نماز کو باطل نہیں کرتا جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے کیا (11) تھوڑا چلنا نماز کو باطل نہیں کرتا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما چلے۔ (12) بچے کیلئے صف میں کھڑے ہونے کی جگہ بالغ کی طرح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس وقت بچے تھے۔ (13) مقتدی گھومے گا نہ کہ امام (14) نمازی کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیچھے سے گھمایا نہ کہ آگے سے۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، باب موقف الامام والمأموم، ج2، ص423،424، دار المنہاج، جدہ)

باب نمبر 170

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي مَعَ الرَّجُلَيْنِ

کسی شخص کا دو آدمیوں کے ہمراہ نماز ادا کرنا

- 233 حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ، قَالَ: أَنْبَأَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً أَنْ يَتَقَدَّمَنَا أَحَدُنَا، وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، قَالَ ابوعيسى: وَحَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً قَامَ رَجُلَانِ خَلْفَ الْإِمَامِ "وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ صَلَّى بِعَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدِ، فَأَقَامَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ، وَالْآخَرَ عَنْ يَسَارِهِ، وَرَوَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ جب ہم تین (افراد) ہوں تو ہم میں سے ایک آگے کھڑا ہو۔

اس باب میں حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت سمرہ کی حدیث "غریب" ہے۔

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے علما نے فرمایا کہ جب تین (افراد) ہوں تو دو، امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود کو نماز پڑھائی تو اُن میں سے ایک کو اپنی دائیں جانب اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف کھڑا کیا۔ اور اِس (انداز) کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔

اور بعض لوگوں نے اسماعیل بن مسلم کے حافظہ کے حوالہ سے کلام کیا ہے۔

تخریج حدیث 233: (مسند الرویانی، الحسن عنہ، ج2، ص44، مؤسسۃ قرطبۃ، القاہرہ☆المعجم الکبیر للطبرانی، اسماعیل بن مسلم المکی عن الحسن عن سمرۃ، ج7، ص228، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ)

ایک یا دو مقتدی ہوں تو کہاں کھڑے ہوں گے، مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جب مقتدی ایک ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہو، اگر وہ بائیں طرف کھڑا ہوا، یا آگے کھڑا ہوا یا پیچھے اکیلا کھڑا ہوا تو نماز نہیں ہوگی مگر یہ کہ عورت تو وہ اکیلی پیچھے کھڑی ہوگی اور اگر مقتدی جماعت ہو تو پیچھے کھڑے ہونگے پس اگر وہ دائیں یا دونوں طرف کھڑے ہوئے تو نماز ہو جائے گی پس اگر وہ آگے یا بائیں کھڑے ہوئے تو درست نہیں۔

(عمدۃ الفقہ، باب الامامۃ، ج1، ص29، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

جب مقتدی ایک ہو تو وہ امام کی دائیں طرف کھڑا ہو، اگر اس نے تکبیر بائیں طرف کھڑے ہو کر کہی تو امام اس کو دائیں طرف گھمادے، پھر اگر کوئی دوسرا شخص آئے تو وہ تکبیر کہے اور پیچھے کھڑا تو یہ دونوں امام کے پیچھے صف بنالیں اور امام آگے نہ ہو مگر جبکہ جگہ تنگ ہو، اگر دوسرے نے بائیں طرف تکبیر کہی تو امام دونوں کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کر دے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا: فرماتے ہیں: ((سرت مع النبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فی غزوۃ فقام یصلی فتوضأت ثم جئت حتی قمت عن یسار رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فأخذ بیدی فأدارنی حتی أقامنی عن یمینہ فجاء جبار بن صخر حتی قام عن یسارہ فأخذ بیدینا جمیعًا حتی أقامنا خلفہ)) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا، آپ نماز پڑھنے لگے تو میں نے وضو کیا پھر میں آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھمایا حتی کہ اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا پھر جبار بن صخر آئے حتی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو حضور نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑے یہاں تک کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔

اور اگر دونوں دائیں طرف نماز پڑھیں یا ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف تو جائز ہے کیونکہ مروی ہے: ((ان ابن مسعود صلی بین علقمۃ والأسود وقال: ھکذا رأیت رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فعل)) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علقمہ اور اسود کے درمیان میں نماز پڑھی۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ (سنن ابی داؤد)۔ اور اس وجہ سے کہ وسط برہنہ لوگوں اور عورتوں کی امام کیلئے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ پس اگر ان کے ساتھ

عورت ہوتو وہ ان کے پیچھے کھڑی ہو کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ((قام رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وصففت أنا واليتيم وراءه والمرأة خلفنا، فصلى بنا ركعتين)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، میں نے اور یتیم نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور عورت نے ہمارے پیچھے تو حضور نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں (متفق علیہ)

اگر مرد، بچے، خنثی اور عورتیں جمع ہوں تو مرد آگے ہوں، پھر بچے پھر خنثی پھر عورتیں۔ کیونکہ حضرت ابو مالک اشعری نے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: ((ألا أحدثكم بصلاة النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قال: أقام الصلاة، فصف الرجال، ثم صف خلفهم الغلمان، ثم صلى بهم)) ترجمہ: کیا میں تمہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نہ بیان کروں؟ فرمایا: انہوں نے نماز قائم کی تو مردوں نے صف بنائی، پھر ان کے پیچھے بچوں نے صف بنائی پھر ان کو نماز پڑھائی۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

پس اگر مردوں کے ساتھ صرف ایک عورت ہوتو وہ ان کے پیچھے کھڑی ہو، اگر امام کے ساتھ ایک بچہ ہوتو وہ امام کی دائیں طرف کھڑا ہو کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا: فرماتے ہیں: ((بت عند خالتي ميمونة فقام النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلي من الليل، فقمت فوقفت عن يساره فأخذ بذؤابتي فأدارني عن يمينه)) میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رات گزاری، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے، میں اٹھا اور آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے میری پیشانی سے پکڑ کر مجھے دائیں طرف گھما دیا (متفق علیہ) اگر اس کے ساتھ فرض نماز میں ایک مرد اور ایک بچہ ہوتو ان دونوں کے درمیان کھڑا ہو جیسا کہ حدیث ابن مسعود میں اور مرد کو دائیں طرف کرے۔ یا پھر دونوں کو دائیں طرف کر لے، اور اگر نماز نفل ہوتو وہ دونوں اس کے پیچھے کھڑے ہوں جیسا کہ حدیثِ انس میں ہے۔

اور اگر ایک شخص صف کے پیچھے، یا امام کے پیچھے یا بائیں طرف کھڑا ہو تو اس کی نماز درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر کو گھمایا کیونکہ وہ دونوں بائیں طرف کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت وابصہ بن معبد نے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اس کو اعادہ کا حکم دیا۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب موقف الامام والمأموم فی الصلاۃ، ج1، ص299,300، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

احناف کا موقف:

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

(ایک مقتدی امام کی دائیں طرف کھڑا ہوگا) یعنی امام کے برابر دائیں طرف، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ وہ اپنی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے اور عوام کے ہاں یہی ہوتا ہے اور ہمارے لئے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دلیل ہے کہ: ((انَّهُ قَامَ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ)) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی دائیں طرف کھڑا کیا۔

بائیں جانب کھڑا ہونا مکروہ ہے اس روایت کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی، ایک روایت کے مطابق پیچھے کھڑا ہونا مکروہ نہیں، اور ایک روایت میں یہ بھی مکروہ ہے۔ اختلاف کا منشا امام محمد کا یہ قول ہے کہ اگر اس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو جائز ہے اور اسی طرح اگر بائیں طرف کھڑا ہوا، لیکن وہ اساءت کا مرتکب ہے، بعض علماء نے اساءت کا تعلق صرف آخری کے ساتھ جوڑا ہے اور بعض علماء نے دونوں کے ساتھ، اور یہی صحیح ہے۔ اور اس معاملہ میں بچہ بالغ کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ دائیں طرف کھڑا ہوگا۔

(اور دو امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے) اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام ان کے درمیان کھڑا ہو کیونکہ مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود کو نماز پڑھائی اور آپ ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی طرح نماز پڑھائی۔ اور ہماری دلیل حضرت جابر کی حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں: ((انَّهُ قَالَ قُمْتُ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدِي وَاَدَارَنِي حَتّٰى اَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَجَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ حَتّٰى قَامَ عَنْ يَسَارِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَاَخَذَ بِاَيْدِينَا جَمِيعًا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهُ)) میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھمایا یہاں تک کہ دائیں جانب کھڑا کر دیا پھر جبار بن صخر آئے یہاں تک کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو حضور نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑے یہاں تک کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر دیا، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کا فعل مکان کی تنگی کی وجہ تھا۔ حضرت ابراہیم نخعی نے اسی طرح فرمایا اور وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مذہب کو جاننے والے ہیں، اور اس کا مرفوع ہونا بھی ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ انہی پر موقوف ہے، علامہ نووی نے یہی کہا، اور اگر یہ صحیح ہو تو یہ اباحت کے بیان پر محمول ہے اور جو ہم نے روایت کیا وہ مستحب اور اولی ہونے کی دلیل ہے اور اگر اس کے ساتھ سمجھدار بچہ اور ایک عورت ہو تو بچہ اس کے دائیں طرف کھڑا ہو اور عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو۔ (تبیین الحقائق، الاحق بالامامۃ، ج 1، ص 136، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

دو مقتدیوں کے پیچھے کھڑے ہونے پر علامہ زیلعی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک کا حوالہ دیا، یہ حدیث پاک صحیح مسلم میں اس طرح ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ((

جِئْتُ حَتّٰی قُمْتُ عَنْ یَسَارِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِیَدِیْ فَأَدَارَنِیْ حَتّٰی أَقَامَنِیْ عَنْ یَمِیْنِہٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَامَ عَنْ یَسَارِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدَیْنَا جَمِیْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰی أَقَامَنَا خَلْفَہٗ) ترجمہ: میں آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا پھر جبار بن صخر آئے، انہوں وضو کیا پھر آئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر ہمیں پیچھے کر دیا یہاں تک کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (صحیح مسلم، باب حدیث جابر الطویل، ج4، ص2305، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

ایک مقتدی چاہے مرد ہو یا سمجھدار بچہ امام کے برابر ایڑیاں پیچھے کر کے اس کی دائیں جانب کھڑا ہو، بائیں جانب کھڑا ہونا مکروہ ہے، اسی طرح صحیح مذہب میں پیچھے کھڑا ہونا، حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دائیں جانب کر دیا۔

(مراقی الفلاح، فصل فی الاحق بالامامۃ، ج1، ص116، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی (متوفی 1231ھ) فرماتے ہیں:

ان کا قول: ایڑیاں پیچھے کرتے ہوئے۔ اس کلام میں تعارض ہے اور وہ جو ہدایہ کی شروح، قدوری، کنز، برہان، قہستانی میں ہے کہ امام کے برابر کھڑا ہو، آگے پیچھے نہ ہو، درمیان میں فاصلہ بھی نہ ظاہر الروایہ کے مطابق، یہ اس وقت ہے جب نماز سے پہلے ہو، اگر نماز میں ہو تو اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرے تاکہ اس کے برابر ہو جائے۔ ان کا قول فی الصحیح، یہ ان کے فقط پیچھے والے قول کی طرف راجع ہے۔ اسی وجہ سے اس کی تفصیل اپنے اس قول وکذا سے کی، اور امام محمد سے مروی ہے کہ وہ اپنی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے۔ ان کا قول حدیث ابن عباس کی وجہ سے...... الخ حدیث میں نفل نماز کی جماعت کے جائز ہونے پر دلیل ہے اور بے شک عمل قلیل نماز کو باطل نہیں کرتا اور بے شک مقتدی کا امام سے آگے ہونا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پیٹھ پیچھے سے گھمایا حالانکہ آگے سے گھمانا زیادہ آسان ہے اور بے شک جس نے امامت کی نیت کی ہو اس کے پیچھے بھی نماز جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اکیلے ہی نماز شروع کی تھی پھر حضرت ابن عباس نے آپ کی اقتدا کی، اور بے شک بچہ کی نماز صحیح ہے اور کھڑے ہونے کی جگہ کے حوالے سے بچہ بالغ کی طرح ہے، اور بے شک امام کیلئے مناسب ہے کہ وہ مقتدی کو سنت کی طرف رہنمائی کرے، اسی طرح شروح الحدیث میں ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، فصل فی بیان الاحق بالامامۃ، ج1، ص305، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی حنفی فرماتے ہیں:

اکیلا مقتدی مرد اگرچہ لڑکا ہو امام کی برابر دہنی جانب کھڑا ہو، بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے، دو مقتدی ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے، دو سے زائد کا امام کی برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی۔ دو مقتدی ہیں ایک مرد اور ایک لڑکا تو دونوں پیچھے کھڑے ہوں، اگر اکیلی عورت مقتدی ہے تو پیچھے کھڑی ہو، زیادہ عورتیں ہوں جب بھی یہی حکم ہے، دو مقتدی ہوں ایک مرد ایک عورت تو مرد برابر کھڑا ہو اور عورت پیچھے، دو مرد ہوں ایک عورت تو مرد امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور عورت ان کے پیچھے....... امام کے برابر کھڑے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مقتدی کا قدم امام سے آگے نہ ہو یعنی اس کے پاؤں کا گٹا اُس کے گٹے سے آگے نہ ہو، سر کے آگے پیچھے ہونے کا کچھ اعتبار نہیں، تو اگر امام کی برابر کھڑا ہوا اور چونکہ مقتدی امام سے دراز قد ہے لہٰذا سجدے میں مقتدی کا سر امام سے آگے ہوتا ہے، مگر پاؤں کا گٹا گٹے سے آگے نہ ہو تو حرج نہیں۔ یو ہیں اگر مقتدی کے پاؤں بڑے ہوں کہ اُنگلیاں امام سے آگے ہیں جب بھی حرج نہیں، جب کہ گٹا آگے نہ ہو۔

(بہار شریعت، امامت کا بیان، حصہ 3، ص 584,585، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

شوافع کا موقف:

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی (متوفی 204ھ) فرماتے ہیں:

جب ایک شخص ایک شخص کی امامت کروائے تو امام مقتدی کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے اور جب وہ خنثیٰ مشکل یا عورت کی امامت کروائے تو ان میں سے ہر ایک امام کے پیچھے کھڑا ہو نہ کہ برابر، اور جب ایک شخص ایک شخص کی امامت کروائے تو مقتدی کا امام کے بائیں جانب کھڑا ہونا یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ لیکن دونوں میں سے کسی پر اعادہ نہیں، اور اس کی نماز جائز ہے اور اسی طرح دو اشخاص کی امامت کروائی تو ان دونوں کا دائیں بائیں کھڑا ہونا، یا بائیں کھڑا ہونا یا دائیں کھڑا ہونا یا ایک کا کسی جانب اور ایک کا پیچھے کھڑا ہونا، یا دونوں کا امام کے پیچھے علیحدہ علیحدہ کھڑا ہونا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے ہو یہ دونوں کیلئے مکروہ ہے لیکن دونوں میں سے کسی پر اعادہ نہیں اور نہ ہی سجدہ سہو ہے، اور بے شک یہ نماز جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کی امامت کروائی تو وہ آپ کی ایک طرف کھڑے ہوئے پس جب ایک مقتدی کا امام کی ایک طرف ہونا جائز ہے تو امام کی ایک طرف میں دو یا ایک پوری جماعت کے ہونے سے نماز فاسد نہ ہوگی اور نہ ہی بائیں طرف ہونے سے فاسد ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کی ایک طرف میں ہے اور بے شک امام کے پیچھے منفرد کی نماز جائز ہے کیونکہ بوڑھی عورت نے اکیلے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی اور دوسرا حضرت انس کے ساتھ کھڑا تھا اور یہ دونوں نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے امام تھے۔ (الام للشافعی، موقف الامام، ج 1، ص 196، دارالمعرفہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ خلف بن ابی القاسم محمد الازدی القیروانی مالکی (متوفی 372ھ) فرماتے ہیں:

جب امام کے ساتھ دو مرد یا ایک مرد ایک بچہ ہو تو وہ دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہوں اگر بچہ نماز کو سمجھتا ہو کہ اس جگہ کو چھوڑ کر چلا نہ جاتا ہو اور اگر اس کے ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد امام کی دائیں جانب اور عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو، اور اگر ایک مرد ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو، اور اگر وہ بائیں جانب کھڑا ہوا تو امام اس کو پیچھے سے دائیں جانب گھما لے اور اگر اس کو پتہ نہ چلا یہاں تک نماز مکمل کر لی تو اس کی نماز جائز ہے۔

(التہذیب فی اختصار المدونہ، کتاب الصلاۃ الاول، ج 1، ص 254، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث، دبی)

علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابی زید قیروانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:

امام کے ساتھ ایک شخص ہو تو اس کی دائیں جانب کھڑا ہو، دو یا زیادہ اشخاص ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، اگر دو کے ساتھ عورت ہو تو وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو اور اگر دونوں کے ساتھ ایک مرد ہو تو مرد امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو اور جس نے اپنی بیوی کو نماز پڑھائی تو وہ اس کے پیچھے کھڑی ہوگی اور اگر ایک بچہ نے ایک مرد کے ساتھ امام کے پیچھے نماز ادا کی تو یہ دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہوں جبکہ وہ بچہ سمجھدار ہو کہ وہ وہاں سے جگہ چھوڑ کر نہ جاتا ہو۔

(الرسالہ للقیروانی، باب فی الامامۃ وحکم الامام والمأموم، ج 1، ص 36، دارالفکر، بیروت)

علامہ ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) نے لکھا:

جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ ایک مقتدی کیلئے سنت یہ ہے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ سے اس کے ثابت ہونے کی وجہ سے، اور اگر امام کے علاوہ تین مقتدی ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں، اور دو مقتدی ہونے کی صورت میں اختلاف ہے، امام مالک اور شافعی اس طرف گئے ہیں کہ وہ دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الثالث فی مقام المأموم من الامام، ج 1، ص 158، دارالحدیث، القاہرہ)

اسماعیل بن مسلم راوی

علامہ ابوالفضل احمد ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

اسماعیل بن مسلم المکی ابواسحق البصری، مکہ مکرمہ میں رہے اور ان کے یہاں زیادہ دیر رہنے کی وجہ سے ان کو مکی کہا جانے

لگا، یہ فقیہ مفتی ہیں، انہوں نے ابوالطفیل عامر بن واثلہ، حسن بصری، حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلمہ، شعبی، عطاء، عمر بن دینا، قتادہ ،زہری، ابوالزبیر، وغیرہ سے روایت کی ہے اوران سے اعمش (اور یہ ان کے ہمعصر ہیں)، ابن مبارک، اوزاعی، دونوں سفیان علی بن مسہر، ابومعاویہ، یزید بن ہارون، محمد بن ابوعدی، محمد بن عبداللہ انصاری نے روایت کی ہے۔ عمرو بن علی نے کہا یحیٰ اور عبد الرحمٰن ان سے حدیث نہیں بیان کرتے تھے۔ علی نے قطان کے حوالے سے بیان کیا کہ انہیں ہمیشہ اختلاط رہا وہ ایک حدیث تین طرح بیان کرتے تھے، اسحٰق بن ابواسرائیل نے ابن عیینہ کے حوالہ سے کہا: اسماعیل خطا کرتے تھے میں نے ان سے حدیث کے بارے سوال کیا تو وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ ابوطالب نے احمد سے بیان کیا کہ وہ منکر الحدیث ہیں۔ عبداللہ نے اپنے والد سے بیان کیا: حسن سے قراءت کے بارے جو روایات مروی ہیں اگر تو وہ عمرو بن دینار جیسوں سے اس کی سند بیان کرے تو یہ منکر احادیث ہیں، میں ان کو کچھ نہیں سمجھتا، گویا کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور جو سند حسن عن سمرہ سے بیان کی جائے وہ احادیث منکر ہیں۔ ابن معین نے کہا: یہ کچھ نہیں ہیں۔ ابن مدینی نے کہا: ان کی حدیث نہ لکھی جائے۔ فلاس نے کہا: وہ حدیث میں ضعیف ہے، حدیث میں وہم کرتا ہے، صدوق ہے، بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، اس سے وہی حدیث بیان کرے گا جس کی رجال میں نظر نہ ہو، جوزجانی نے کہا: بہت زیادہ ضعیف ہے۔ ابوزرعہ نے کہا ضعیف الحدیث ہے۔ ابوحاتم نے کہا ضعیف الحدیث مختلط ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے اپنے والد سے پوچھا: وہ آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا عمرو بن عبید تو کہا دونوں ہی ضعیف ہیں اور اسماعیل ضعیف الحدیث ہے متروک نہیں ہے اس کی حدیث لکھی جائے۔ امام بخاری نے کہا: ان کو یحیٰ، ابن مہدی نے ترک کیا اور ابن مبارک نے ان کو ترک کیا کبھی کبھی ان کو ذکر کیا ہے۔ نسائی نے کہا متروک الحدیث ہیں۔ مرہ نے کہا: ثقہ نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا: اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں مگر یہ ان میں سے ہیں جن کی حدیث لکھی جائے گی۔ میں نے کہا: خطیب نے ان کی کنیت ابوربیعہ ذکر کی ہے اور کہا: بصری مکہ میں رہے۔ ابن حبان نے کہا وہ فصیح تھے، ضعیف ہیں مشہور علماء سے منکر روایات بیان کرتے ہیں اور سندوں کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ حربی نے کہا: وہ فتوی دیتے تھے اور ان کی حدیث میں کچھ ہے۔ اور امام حاکم نے ابوعلی الحافظ سے بیان کیا کہ یہ ضعیف ہیں اور ابن خزیمہ نے کہا: میں اس ضمانت سے بری ہوں۔ بزار نے کہا وہ قوی نہیں اور الفسوی نے باب من یرغب عن الروایۃ عنہم (ان لوگوں کے بارے باب جن سے روایت کرنے میں اعراض کیا جائے گا) میں ان کو ذکر کیا ہے۔ ابواحمد حاکم نے کہا: علما کے ہاں وہ قوی نہیں۔ اس کو عقیلی، دولابی، ساجی، ابن جارود وغیرہ نے ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے اور ابن سعد نے کہا محمد بن عبداللہ انصاری نے کہا: یہ فتوی دیتے تھے اور رائے اور بصیرت والے تھے ،حدیثوں کے حافظ تھے تو میں ان سے ان کی بصیرت کی وجہ سے لکھتا تھا۔

(تہذیب التہذیب، من اسمہ اسماعیل، ج 1، ص 331 تا 333، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی نے اولاً امام ترمذی یہ قول نقل کیا کہ (اور بعض لوگوں نے اسماعیل بن مسلم کے حافظہ کے حوالہ سے کلام کیا ہے) پھر اس روایت کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

لوگوں نے حسن کے سمرہ سے سننے کے بارے میں کلام کیا ہے، اس کو میرک نے تصحیح سے نقل کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الموقف، ج3، ص858، دارالفکر، بیروت)

بہر حال اس حدیث کی سند میں کلام ہونے کے باوجود اس میں مذکور مسئلہ (یعنی دو مقتدی ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں گے) کے ثبوت میں کوئی حرج نہیں کہ اس بارے حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث موجود ہیں:

(1) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ((جِئْتُ حَتَّى قُمْتُ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَدَارَنِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْنَا جَمِيعًا فَدَفَعَنَا حَتَّى أَقَامَنَا خَلْفَهُ)) ترجمہ: میں آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا پھر جبار بن صخر آئے، انہوں وضو کیا پھر آئے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر ہمیں پیچھے کر دیا یہاں تک کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔

(صحیح مسلم، باب حدیث جابر الطویل، ج4، ص2305، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((صَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ)) ترجمہ: میں نے اور یتیم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صف بنائی اور بڑھیا ہمارے پیچھے تھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔

(صحیح مسلم، باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ، ج1، ص457، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 171

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي وَمَعَهُ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ

کوئی شخص نماز یوں ادا کرے کہ مرد اور عورتیں اس کے ساتھ ہوں

234- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ: قُومُوا فَلْنُصَلِّ بِكُمْ، قَالَ أَنَسٌ: فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدْ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِالْمَاءِ، فَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ عَلَيْهِ أَنَا، وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ، وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، "قال ابوعيسى: حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: إِذَا كَانَ مَعَ الْإِمَامِ رَجُلٌ وَامْرَأَةٌ قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَمِينِ الْإِمَامِ وَالْمَرْأَةُ خَلْفَهُمَا، وَقَدْ احْتَجَّ بَعْضُ النَّاسِ بِهَذَا الْحَدِيثِ فِي إِجَازَةِ الصَّلَاةِ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ، وَقَالُوا: إِنَّ الصَّبِيَّ لَمْ تَكُنْ لَهُ صَلَاةٌ، وَكَأَنَّ أَنَسًا كَانَ

اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُن کی دادی مُلیکہ نے اُس کھانے کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی جس کو انہوں نے تیار کیا، (آپ تشریف لائے) اور اُس میں سے تناول فرمایا، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، تاکہ ہم تمہیں نماز پڑھائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں کھڑا ہوا (اور بڑھا) ایک چٹائی کی طرف جو بکثرت استعمال کے باعث سیاہ ہو چکی تھی، چنانچہ میں نے اُس پر پانی چھڑکا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس پر کھڑے ہوئے، میں نے اور ایک یتیم نے آپ کے پیچھے صف باندھی اس حال میں کہ بڑھیا خاتون ہمارے پیچھے (کھڑی ہو گئیں)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں پھر واپس تشریف لے گئے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔ اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔

علما فرماتے ہیں: جب امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت ان دونوں کے پیچھے (کھڑی ہو)۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے اُس (شخص) کی نماز کے جائز ہونے کا استدلال کیا جب کوئی صف کے پیچھے تنہا ہو۔ اور اُن علمانے فرمایا کہ بچے کی نماز نہیں ہوتی، لہذا حضرت انس تنہا

خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحْدَهُ، وَلَيْسَ الْأَمْرُ عَلَى مَا ذَهَبُوا إِلَيْهِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَامَهُ مَعَ الْيَتِيمِ خَلْفَهُ، فَلَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْيَتِيمِ صَلَاةً لَمَا أَقَامَ الْيَتِيمَ مَعَهُ، وَلَأَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ، وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ دَلَالَةٌ أَنَّهُ إِنَّمَا صَلَّى تَطَوُّعًا أَرَادَ إِدْخَالَ الْبَرَكَةِ عَلَيْهِمْ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔

حالانکہ اُن کی یہ بات درست نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو یتیم کے ساتھ (ملا کر) اپنے پیچھے کھڑا کیا۔ اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یتیم کے لیے نماز کو مقرر نہ کیا ہوتا تو آپ اُسے حضرت انس کے ہمراہ کھڑا ہی نہ فرماتے اور حضرت انس کو اپنے دائیں جانب کھڑا کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت موسیٰ سے بھی روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ادا کی اور حضور نے آپ کو اپنی دائیں جانب کھڑا کیا۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے اُن پر برکت داخل کرنے کے لئے (دو رکعت) نفل نماز پڑھی۔

تخریج حدیث 234: (صحیح بخاری، باب الصلاۃ علی الحصیر، ج1، ص86، حدیث 380، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ، ج1، ص457، حدیث 658، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج1، ص166، حدیث 612، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، اذا کانوا ثلاثۃ وامرأۃ، ج2، ص85، حدیث 801، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

مُلیکہ کس کی دادی ہیں؟

((بے شک ان کی دادی ملیکہ)) "جدتہ" میں "ہ" ضمیر اسحاق کی طرف راجع ہے، اور یہ اسحاق کی جدہ ہیں، ان کے والد عبداللہ بن ابی طلحہ کی ماں، اور یہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام سلیم بنت ملحان ہیں اور یہ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ضمیر انس رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے کہ اور وہ قائل ہیں کہ ان کی جدہ یعنی حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ماں کی ماں یعنی نانی ہیں اور ان کا نام ملیکہ بنت مالک بن عدی ہے اور وجہ اول کی تائید اس کلام سے ہوتی ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں ہے: ((ان أم سُليم سألت رسول الله عليه السلام أن يأتيها)) ترجمہ: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے تشریف لانے کے بارے عرض کی۔ اسے امام نسائی نے یحیی بن سعید کے واسطہ سے اسحاق بن عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، بخاری میں اس کی تصریح وارد ہے۔ علامہ نووی نے خلاصۃ میں کہا کہ: ''جدتہ'' کی ضمیر صحیح قول کے مطابق اسحاق کی طرف راجع ہے، یہ جدۂ اسحاق ہیں، ایک قول یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جدہ ہیں اور یہ قول باطل ہے اور یہ ام سلیم ہیں اس کی بخاری کی روایت میں صراحت ہے، مُلیکہ میم کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ، اور بعض روات نے اس کو میم کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ روایت کیا اور اول قول اصح ہے۔ (شرح ابی داود للعینی، باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج3، ص128، مکتبۃ الرشد، ریاض)

طول لبس سے مراد

((بہت زیادہ پہننے کی وجہ سے)) یعنی کثرت استعمال کے سبب، شیخ تقی الدین نے کہا: یہ اس بات پر دلیل ہے کہ لباس پر افتراش کا اطلاق کیا جاتا ہے، اس پر دو مسئلہ مرتب ہوتے ہیں، پہلا: اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا اور اس کی کوئی نیت نہ ہو تو اگر اس نے کپڑا نیچے بچھایا تو حانث ہو جائے گا۔ دوسرا: ریشم کا بچھونا حرام ہے کیونکہ یہ پہننے کی طرح ہے، اھ۔ میں (علامہ عینی حنفی) کہتا ہوں: بہر حال پہلا امر تو یہ ایک نئی بات بیان کرنا ہے کیونکہ قسم کی بناء عرف پر ہوتی ہے اور دوسرا امر تو بچھانا پہننے کی طرح نہیں ہے کیونکہ بچھانے کا جواز حدیث میں وارد ہے۔

(شرح ابی داود للعینی، باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج3، ص129، مکتبۃ الرشد، ریاض)

چٹائی پر پانی چھڑکنے کی وجہ

((تو میں نے چٹائی پر پانی چھڑکا)) اگر نجاست یقینیہ ہو تو یہ "نضح" غسل یعنی دھونے کے معنی میں ہوگا، اور اگر اس کے زیادہ عرصہ استعمال کے سبب نجاست کے وقوع کے احتمال کی وجہ سے ہو تو یہ دلی اطمینان کیلئے پانی چھڑکنے کے معنی میں ہے۔ **اور کہا گیا ہے** کہ اگر یہ پانی ڈالنا اس غرض سے تھا کہ چٹائی نماز کیلئے نرم ہو جائے تو مراد چھڑکنا ہے اور اگر پاؤں وغیرہ کے سبب لگنے والی چکناہٹ اور میل کی وجہ سے تھا تو مراد دھونا ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج3، ص129، مکتبۃ الرشد، ریاض)

دو مقتدیوں کا پیچھے کھڑے ہونا

((میں نے اور یتیم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف باندھی)) اس حدیث پاک میں جمہور امت کی دلیل ہے اس مسئلہ میں کہ دو مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ امام کے پیچھے ہیں۔ اور بعض متقدمین یہ خیال کرتے تھے کہ دو مقتدیوں میں سے ایک امام کی سیدھی جانب کھڑا ہو اور دوسرا بائیں جانب کھڑا ہو۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج3، ص129، مکتبۃ الرشد، ریاض)

یتیم کا نام

یتیم کا نام سمیرہ بن سعد حمیری ہے جو کہ حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ کے دادا ہیں۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج3، ص129، مکتبۃ الرشد، ریاض)

منفرد کی نماز اکیلے درست ہے

اس حدیث پاک میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ صف کے پیچھے منفرد کی نماز درست ہے کہ بزرگ عورت آخری صف میں اکیلی کھڑی تھی، یہی امام اعظم، آپ کے اصحاب، امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے۔ اور امام احمد اور اصحاب حدیث نے کہا: صف کے پیچھے منفرد کی نماز درست نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ہے: ((لَا صَلَاۃَ للمنفرد خلف الصَّفّ)) ترجمہ: صف کے پیچھے منفرد کی کوئی نماز نہیں۔ ہم نے کہا اس حدیث میں کمال کی نفی مراد ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الصلاۃ علی الحصیر، ج4، ص112، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

نماز سے خروج کے لیے سلام ضروری نہیں

اور اس حدیث پاک میں اس بات پر دلیل ہے کہ نماز سے نکلنے کے لیے لفظِ سلام فرض نہیں، ان الفاظ کی وجہ سے

کہ:((ثمّ انصَرف)) ترجمہ: پھر وہ پھرے اور سلام کا ذکر نہیں کیا۔ اگر تم یہ کہو کہ یہاں انصراف سے مراد جس گھر میں تھے وہاں سے لوٹنا ہے، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ مراد نماز سے انصراف ہے، اگرچہ گھر سے پھرنے کا احتمال ہے، اور صرف اس احتمال کے ساتھ دلیل نہیں بن سکتی۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الصلاۃ علی الحصیر، ج4، ص112، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فوائد حدیث

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

حدیث مبارکہ سے چند فوائد مستفاد ہوتے ہیں:

(1) تواضع اور حسن اخلاق سے پیش آنا مستحب ہے۔

(2) دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا مستحب ہے۔

(3) اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ صاحب فضیلت شخص ولیمہ کے علاوہ دعوت دینے والی کی دعوت بھی قبول کر سکتا ہے۔

(4) سکھانے کے لیے یا حصول برکت لیے نماز پڑھنا مستحب ہے۔

(5) اس میں اس بات کا بیان ہے کہ دو شخصوں کے کھڑے ہونے کی جگہ امام کے پیچھے ہے، اس کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(6) (ممیز) بچہ کا صف میں کھڑا ہونا جائز ہے۔

(7) عورت صف میں بچوں سے پیچھے والی صف میں کھڑی ہوگی۔

(8) امام کے پیچھے نوافل اجتماعی طور پڑھنا جائز ہے۔

(9) بچہ کی نماز صحیح قابل اعتبار ہے۔

(10) چٹائی وغیرہ پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج3، ص130، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابو سلیمان حمد بن محمد خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث میں درج ذیل فقہی مسائل ہیں:

(1) نفل نماز کی جماعت کروانا جائز ہے۔

(2) اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ صف کے پیچھے منفرد کی نماز جائز ہے کیونکہ عورت ان دونوں کے پیچھے اکیلی کھڑی ہوئی تھی۔

(3) اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ عورت کا مردوں کی امام ہونا جائز نہیں کیونکہ جب اس کو صف میں مردوں کی برابری سے ہٹا دیا گیا تو ان سے مقدم کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

(4) اور اس میں دلیل ہے کہ مقتدیوں پر کھڑے ہونے میں ترتیب ہو اور افضل کو مقدم کیا جائے اس پر جو اس سے فضل میں کم ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہیے کہ میرے قریب عقلمند لوگ ہوں۔ اور اسی پر قیاس کیا جائے جب کوئی کئی مُردوں پر اکٹھی نماز پڑھائے اور ان میں، مرد، عورتیں، بچے اور مخنث ہوں تو افضل یہ ہے کہ امام کے قریب ان میں سے مرد ہو پھر بچہ پھر مخنث اور پھر عورت ہو، اور اگر ان سب کو ایک قبر میں دفن کرنا ہو تو ان میں جو افضل ہو اس کو قبلہ کی طرف رکھا جائے پھر جو اس کے بعد افضل ہو اور عورت کو سب سے آخر میں رکھا جائے مگر مرد و عورت کے درمیان اینٹ یا اس کی مثل کسی چیز سے پردہ آڑ رکھی جائے۔

(معالم السنن، ومن باب اذا کانوا ثلاثۃ کیف یقومون، ج1، ص174،175، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

نفل نماز کی جماعت کے بارے میں حکم شرعی

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

بہر حال نوافل تو باب صلوۃ التطوع میں یہ بات گزری کہ کن نوافل میں جماعت مشروع ہے اور کن میں مشروع نہیں، اور فقہاء کے قول "مشروع نہیں" کا یہاں مطلب یہ ہے نوافل کی جماعت مستحب نہیں لہذا اگر کوئی نوافل کی جماعت کروائے تو جائز ہے اور اسے مکروہ نہیں کہا جائے گا کہ احادیث صحیحہ اس کی مؤید ہیں۔

(روضۃ الطالبین، کتاب صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص340، المکتب الاسلامی، بیروت)

اس سے پہلے "صلاۃ التطوع" میں فرماتے ہیں:

فرض نماز کے علاوہ نماز کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کے لیے جماعت سنت ہے جیسا کہ عیدین، نماز کسوف وخسوف، نماز استسقاء اور اس کے لیے معروف ابواب ہیں، دوسری قسم وہ ہے جس میں جماعت سنت نہیں، یہ وہ سنتیں ہیں جو فرائض کے ساتھ اور اس کے علاوہ ہوتی ہیں، ان میں سے مؤکدہ وتر وغیرہ ہیں اور وتر کے علاوہ تو ان کی تعداد میں اصحاب کا اختلاف ہے، اکثر نے کہا: دس رکعتیں ہیں: دو رکعتوں نماز فجر سے قبل، دو ظہر سے پہلے دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔

(روضۃ الطالبین، صلاۃ التطوع، ج1، ص327، المکتب الاسلامی، بیروت)

مالکیہ کا موقف

مدونہ میں ہے:

امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ دن یا رات میں لوگ جماعت کے ساتھ نوافل ادا کریں۔ فرمایا: اسی طرح کسی آدمی کا نوافل کی جماعت میں اپنے گھر والوں یا اس کے علاوہ کو ساتھ جمع کر کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(المدونۃ، صلاۃ النافلۃ، ج1، ص188، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شیخ احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں:

نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا یعنی امام و مقتدی کے ساتھ فرض نماز کے لیے اگرچہ وہ فوت شدہ ہو سنت مؤکدہ ہے جمعہ کے علاوہ، بہرحال غیر فرائض تو ان میں کچھ وہ ہیں جن میں جماعت مستحب ہے جیسا کہ نماز عید، نماز کسوف، نماز استسقاء اور تراویح، بعض غیر فرائض میں جماعت مکروہ ہے۔ جیسا کہ نوافل میں کثیر لوگوں کو جمع کرنا یا کسی قلیل جگہ اعلان کر کے ادا کرنا مکروہ ہے، ورنہ جائز ہے، اور جمعہ میں جماعت فرض ہے۔ (الشرح الکبیر، فصل حکم صلاۃ الجماعۃ وما یتعلق بہا، ج1، ص319,320، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

نوافل تنہا اور جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں عمل کیے یعنی جماعت اور تنہا دونوں طرح نوافل پڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نوافل تنہا پڑا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ، ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اور ایک مرتبہ حضرت انس، ان کی والدہ اور یتیم کے ساتھ نفل باجماعت پڑھے، آپ نے ایک مرتبہ عتبان کے گھر میں اپنے اصحاب کی امامت فرمائی، اور رمضان کی تین راتوں میں صحابہ کی امامت کروائی، اور عنقریب ان شاء اللہ ان احادیث کو ہم ان کے مقام پر ذکر کریں گے اور یہ تمام جید اور صحیح ہیں۔

(المغنی لابن قدامہ، فصل التطوع جماعۃ وفرادی، ج2، ص104، مکتبۃ القاہرہ)

احناف کا موقف

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

حلیہ میں ہے: ظاہر یہ ہے کہ نوافل کی جماعت مستحب نہیں ہے پھر اگر کبھی کبھار ایسا ہو جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کرتے تو جائز ہے مکروہ نہیں، اور اگر اس پر ہمیشگی کرے تو بدعت و مکروہ ہے کیونکہ یہ خلاف متوارث ہے، اسی پر محمول کیا جائے گا

جسے امام قدوری نے اپنی مختصر قدوری میں ذکر کیا، اور جو غیر مختصر میں ذکر کیا وہ اول قول پر محمول کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ کلام بھی کرتا ہے جو بدائع میں ہے کہ نوافل میں جماعت سنت نہیں سوائے قیام رمضان (یعنی تراویح) کے۔اھ۔ ممانعت تب ہے جب نوافل کی جماعت تداعی کے ساتھ ہو، اس طور پر کہ چار مقتدی ایک امام کے ساتھ ہوں جیسا کہ درر میں ہے اور اس اقتداء کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ کوئی مانع موجود نہیں، نہر۔

(ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، ج2، ص48,49، دارالفکر، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفل غیر تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہے ہی چار کی نسبت کتب فقہیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہ جس کا حاصل خلاف اولیٰ ہے نہ کہ گناہ حرام کما بیناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابر دین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کئے جائیں گے علمائے امت و حکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے، درمختار میں ہے: اما العوام فلایمنعون من تکبیر و التنفل اصلا لقلة رغبتهم فی الخیرات بحر۔ (عوام کو تکبیرات اور نوافل سے کبھی بھی منع نہ کیا جائے کیونکہ پہلے ہی نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے، بحر۔ت) اُسی میں ہے: ولا یمنع العامة من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبه ناخذ بحر و مجتبی وغیرہ۔ (عوام کو ان (ذوالحجہ کے) دس دنوں میں بازار میں تکبیرات پڑھنے سے منع نہ کیا جائے، اسی پر ہمارا عمل ہے، بحر، مجتبیٰ وغیرہ۔ت) حدیقہ ندیہ میں ہے: ومن هذا القبیل نهی الناس عن صلوٰة الرغائب بالجماعة و صلوٰة لیلة القدر و نحو ذلك وان صرح العلماء بالکراهة بالجماعة فیها فلایفتی بذلك العوام لئلا تقل رغبتهم فی الخیرات وقد اختلف العلماء فی ذلك فصنف فی جوازها جماعة من المتاخرین و ابقاء العوام راغبین فی الصلوٰة اولی من تنفیرهم۔ (اسی قبیل سے نماز رغائب کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور لیلۃ القدر کے موقع پر نماز وغیرہ بھی ہیں اگرچہ علماء نے ان کی جماعت کے بارے میں کراہت کی تصریح کی ہے مگر عوام میں یہ فتوٰی نہ دیا جائے تاکہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو، علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور متاخرین میں سے بعض نے اس کے جواز پر لکھا بھی ہے، عوام کو نماز کی طرف راغب رکھنا انہیں نفرت دلانے سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ت)

(فتاوی رضویہ، ج7، ص465 تا 466، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اہلسنت ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

تراویح و کسوف و استسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب معلوم و مشہور اور عامہ کتب مذہب میں مذکور و مسطور ہے کہ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے

کثرت جماعت لازم عادی ہے اور اس کی تحدید امام نسفی وغیرہ نے کافی میں یوں فرمائی کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلاکراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بلاتفاق مکروہ، یہ تحدید امام شمس الائمہ سے منقول ہے کافی کا نصِ عبارت یہ ہے: (لایصلی تطوع بجماعۃ الاقیام رمضان) وعن شمس الائمة ان التطوع بالجماعة انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی امالو اقتدی واحد بواحد اواثنان بواحد لایکرہ واذا اقتدی ثلثة بواحد اختلف فیه وان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقا۔ (نفل جماعت کے ساتھ ادانہ کیے جائیں مگر رمضان کا قیام) شمس الائمہ سے یوں منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اس صورت میں مکروہ ہے جب علی سبیل التداعی ہو، اگر ایک نے ایک کی اقتداء کی یا دو نے ایک کی تو کراہت نہیں، اور جب تین ایک کی اقتداء کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار نے ایک کی اقتداء کی تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ت)

اور اصح یہ ہے کہ تین مقتدیوں میں بھی کراہت نہیں، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: قوله اختلف فیه والاصح عدم الکراهة۔ ان کا قول "اختلف فیہ" اس میں اصح یہ ہے کہ کراہت نہیں۔

مگر انہیں امام شمس الائمہ سے خلاصہ وغیرہ میں یوں منقول کہ تین مقتدیوں تک بالاتفاق کراہت نہیں چار میں اختلاف ہے اور اصح کراہت۔ فتاوٰی خلاصہ کا نص عبارت کتاب الصلوٰۃ فصل خامس عشر میں یہ ہے: اصل ھذا ان التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ فی الاصل للصدر الشهید اما اذا صلی بجماعة بغیر اذان واقامة فی ناحیة المسجد لایکرہ وقال شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالی ان کان سوی الامام ثلثة لایکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انه یکرہ۔ (اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علی سبیل التداعی ہو تو صدر شہید کی اصل میں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان وتکبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں، اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں اور اگر مقتدی چار ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور اصح کراہت ہے۔ت)

بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ، اور تین اور چار میں اختلاف نقل و مشائخ، اور اصح یہ کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے، تو مذہب مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں، ولہذا درر وغرر پھر درمختار میں فرمایا: یکرہ ذلك لوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد۔ (اگر نفل کی جماعت علی سبیل التداعی ہو بایں طور پر کہ چار آدمی ایک کی اقتداء کریں تو مکروہ ہے۔ت)

پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولٰی لمخالفة التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے

ـت) نہ تحریمی کہ گناہ وممنوع ہو۔ ردالمحتار میں ہے: فی الحلیۃ الظاھر ان الجماعۃ فیہ غیرمستحبۃ ثم ان کان ذلک احیانا کان مباحا غیرمکروہ وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعہ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث اہ ویؤید ایضا مافی البدائع من قولہ ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ الا فی قیام رمضان فان نفی السنیۃ لایستلزم الکراھۃ ثم ان کان مع المواظبۃ کان بدعۃ فیکرہ وفی حاشیۃ البحر للخیر الرملی علل الکراھۃ فی الضیأ والنھایۃ بان الوتر نفل من وجہ والنفل بالجماعۃ غیرمستحب لانہ لم تفعلہ الصحابۃ فی غیررمضان وھو کالصریح فی انھا کراھۃ تنزیہ تأمل اہ مختصرا۔ (حلیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نفل میں جماعت مستحب نہیں پھر اگر کبھی کبھی ایسا ہوتو یہ مباح ہے مکروہ نہیں اور اس میں دوام ہو تو طریقہ متوارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت مکروہ ہے اھ اس کی تائید بدائع کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ جماعت، قیام رمضان کے علاوہ نوافل میں سنت نہیں اھ کیونکہ نفی سنیت کراہت کو مستلزم نہیں پھر اگر اس میں دوام ہوتو یہ بدعت ومکروہ ہوگی، خیر رملی نے حاشیہ بحر میں کہا کہ ضیاء اور نہایہ میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نہیں کرائی اھ یہ گویا اس بات کی تصریح ہی ہے کہ جماعت مکروہ تنزیہی ہے تامل اھ اھ اختصارا۔ت)

صلوۃ الرغائب وصلوۃ البرائۃ وصلوۃ القدر کہ جماعات کثیرہ کے ساتھ بکثرت بلاد اسلام میں رائج تھیں متاخرین کا اُن پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام سنت نہ سمجھیں ولہٰذا وجیز کردری (فتاوٰی بزازیہ) میں بعد بحث وکلام فرمایا: فلو ترک امثال ھذہ الصلوات تارک لیعلم الناس انہ لیس من الشعار فحسن۔ (اگر اس طرح کی نمازوں کو کوئی اس لئے ترک کرتا ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ شعار اسلام نہیں تو یہ اچھا کام ہے۔ت)

اور بعض ناس کا غلو وافراط مسموع نہیں اور حدیث بروایت مجاہیل آنا موجب وضع نہیں نہ وضع حدیث موجب منع عمل ہے، عمل بالحدیث الموضوع اور عمل بمانی الحدیث الموضوع میں زمین آسمان کا بل ہے کما حققنا کل ذلک فی منیرالعین فی حکم تقبیل الابھامین (جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تحقیق رسالہ "منیرالعین فی حکم تقبیل الابہامین" میں کی ہے۔ت)

خصوصا ان کا فعل بجماعت اجلہ اعاظم اولیائے کبار وعلمائے ابرار حتی کہ ایک جماعت تابعین کرام وائمہ مجتہدین اعلام سے ثابت و منقول ہے، لطائف المعارف امام حافظ زین الدین ابن رجب میں ہے: ولیلۃ النصف من شعبان کان التابعون من اھل الشام کخالد بن معدان و مکحول ولقمان بن عامر وغیرھم یعظمونھا ویجتھدون فیھا فی العبادۃ وعنھم اخذ الناس فضلھا وتعظیمھا، وقدقیل انہ بلغھم فی ذلک اٰثار اسرائیلیۃ، فلما اشتھر ذلک عنھم فی البلدان اختلف الناس فی ذلک، فمنھم من قبلہ ووافقھم علی تعظیمھا منھم طائفۃ من عباد اھل البصرۃ وغیرھم، وانکرذلک

اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکۃ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن فقھاء المدینۃ، وھو قول اصحاب مالک وغیرھم وذلک کلہ بدعۃ، واختلف علماء اھل الشام فی صفۃ احیائھا علی قولین احدھما انہ یستحب احیاؤھا جماعۃ فی المساجد کان خالد بن معدان ولقمان بن عامر وغیرھما یلبسون فیھا احسن ثیابھم ویتبخرون ویکتحلون ویقومون فی المساجد لیلتھم ذلک ووافقھم اسحٰق بن راھویۃ علی ذلک وقد ذکر بعدہ القول الاٰخر وھو کراھۃ الجماعۃ دون الانفراد وان علیہ امام الشام الاوزاعی لکن فیہ سقطا فی نسختی فلم یتیسرلی نقلہ ویتضح بما اذکرہ عن الشرنبلالی فانہ انما اخذہ عنہ۔ (یعنی اہل شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان وامام مکحول ولقمان بن عامر وغیرہم شب برات کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انہیں سے لوگوں نے اس کا فضل ماننا اور اس کی تعظیم کرنا اخذ کیا ہے، کہا گیا کہ انہیں کچھ اسرائیلی آثار پہنچے تھے، خیر جب ان سے یہ امر شہروں میں پھیلا علماء اس میں مختلف ہوگئے ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برات کے موافق ہوئے ان میں سے ایک گروہ عابدین اہل بصرہ وغیرہم ہیں، اور اہل حجاز کے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا اُن میں سے امام عطاء وابن ابی ملیکہ و عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرہم کا ہے کہ یہ سب نو پیدا ہے، علمائے اہل شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے، خالد بن معدان ولقمان بن عامر وغیرہما اکابر تابعین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے، بخور کا استعمال کرتے، سرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے، امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی الخ، دوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔ لیکن میرے پاس موجود نسخہ سے کچھ عبارت ساقط ہے اس کی عبارت نقل کرنا میسر نہیں اس کی وضاحت اس سے ہوجائے گی جسے میں شرنبلالی کے حوالے سے ذکر کر رہا ہوں کیونکہ انہوں نے اس سے اخذ کیا ہے۔ ت)

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: انکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکۃ وفقھاء اھل مدینۃ واصحاب مالک وغیرھم وقالوا ذلک کلہ بدعہ ولم ینقل عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ولا عن اصحابہ احیاء لیلتی العید جماعۃ واختلف علماء الشام فی صفۃ احیاء لیلۃ النصف من شعبان علی قولین احدھما انہ استحب احیاؤہ بجماعۃ فی المسجد طائفۃ من اعیان التابعین کخالد بن معدان ولقمان بن عامر ووافقھم اسحٰق بن راھویۃ والقول الثانی انہ یکرہ الاجتماع لھا فی المساجد للصلوٰۃ وھذا قول الاوزاعی امام اھل الشام وفقیھھم وعالمھم۔ (اہل حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ان میں سے ہیں امام

عطاء وابن ابی ملیکۃ وفقہاء مدینہ اور اصحاب امام مالک وغیرہم۔ یہ علماء کہتے یہ سب نو پیدا ہے۔ نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عیدین کی دونوں راتوں کی باجماعت شب بیداری منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے مروی ہے، اور علماء شام بیداری شب برأت میں کہ کس طرح کی جائے دوقول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ بیداری مستحب ہے یہ قول اکابر تابعین مثل خالد بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے، امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے یہ قول اہل شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔ت)

شیخ محقق اعلم علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، ماثبت بالسنۃ میں حدیث صلٰوۃ الرغائب پر محدثین کا کلام ذکر کرکے ارشاد فرماتے ہیں: هذا ماذكره المحدثون على طريقهم في تحقيق الاسانيد و نقد الاحاديث وعجبا منهم ان يبالغوا في هذا الباب هذه المبالغة و يكفيهم ان يقولوا لم يصح عندنا ذلك و واعجب من الشيخ محى الدين النووى مع سلوكه طريق الانصاف فى الابواب الفقهية وعدم تعصبه مع الحنفية كماهو داب الشافعية فمانحن فيه اولى بذلك لنسبة الى المشائخ العظام والعلماء الكرام قدست اسرارهم۔ یعنی وہ کلام ہے کہ محدثین نے اپنے طریقہ تحقیق اسناد وتنقید آثار پر ذکر کیا اور ان سے اس قدر مبالغہ کا تعجب ہے انہیں اتنا کہنا کافی نہ تھا کہ حدیث ہمارے نزدیک درجہ صحت کو نہ پہنچی، اور زیادہ تعجب امام محی الدین نووی سے ہے کہ وہ تو مسائل فقہ میں راہ انصاف چلتے ہیں اور دیگر شافعیہ کی طرح حنفیہ کے ساتھ تعصب نہیں رکھتے، تو یہ مسئلہ جس میں ہم بحث کررہے ہیں زیادہ انصاف وترک افراط کے لائق تھا اس لئے کہ یہ فعل اولیائے عظام وعلمائے کرام قدست اسرارہم کی طرف منسوب ہے۔

پھر شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے دربارہ صلٰوۃ الرغائب خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث بحوالہ جامع الاصول کتاب امام رزین سے نقل کی جس کی وضع اس لئے ہے کہ صحاح ستہ کی حدیثیں جمع کرے اور اس کے آخر میں ابن اثیر سے نقل کیا: هذا الحديث مما وجدته فى كتاب رزين ولم اجده فى واحد من الكتب الستة و الحديث مطعون فيه۔ یعنی یہ حدیث میں نے کتاب رزین میں پائی اور صحاح ستہ میں مجھے نہ ملی اور اس پر جرح ہے۔

پھر فرمایا: وقد وقع فى كتاب بهجة الاسرار ذكر ليلة الرغائب فى ذكر سيدنا وشيخنا القطب الربانى وغوث الصمدانى الشيخ محى الدين عبدالقادر الحسينى الجيلانى رضى الله تعالى عنه قال اجتمع المشائخ وكانت ليلة الرغائب الى اخرماذكر من الحكاية وذكر ايضا انه نقل عن الشيخين القدوتين الشيخ عبدالوهاب والشيخ عبدالرزاق قالا بكر الشيخ بقابن بطوسحر يوم الجمعة الخامس من رجب السنة ثلث واربعين وخمسمائة الى مدرسة والدنا الشيخ محى الدين عبدالقادر رضى الله تعالى عنه و قال لنا الا اسألتمونى عن سبب

بکوری الیوم انی رأیت البارحة نوراً اضائت به الافاق وعم اقطار الوجود ورأیت اسرار ذوی الاسرار فمنها مایتصل به ومنها مایمنعه مانع من الاتصال به وما اتصل به سرالاتضاعف نوره فتطالبت ینبوع ذلك النور فاذا هو صادر عن الشیخ عبدالقادر فاردت الکشف عن حقیقته فاذا هو نور شهوده قابل نورقلبه وتقادح هذان النوران وانعکس ضیاؤهما علی مرأة حاله واتصلت اشعة المتقادحات من محط جمعه الی وصف قربه فاشرق به الکون ولم یبق ملك نزل اللیلة الااتاه وصافحه واسمه عندهم الشاهد والمشهود قالا فاتیناه رضی اللہ تعالی عنه وقلنا له اصلیت اللیلة صلوة الرغائب فانشد

اذا نظرت عینی وجوه حبائبی ۔ فتلك صلاتی فی لیالی الرغائب

وجوه اذا ما اسفرت عن جمالها ۔ اضاءت لها الاکوان من کل جانب

ومن لم یوف الحب مایستحقه ۔ فذاك الذی لم یأت قط بواجب اھ

یعنی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر اقدس میں صلوۃ الرغائب کا ذکر آیا ہے کہ شب رغائب میں اولیاء جمع ہوئے الٰی آخر کلماتہ، نیز امام ابوالحسن نورالدین علی قدس سرہ، نے بسند خود حضرات عالیات سیّدنا سیف الدین عبدالوہاب وسیّدنا تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق ابنائے حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ روز جمعۃ پنجم رجب کو حضرت شیخ بقا بن بطو قدس سرہ العزیز صبح تڑکے مدرسہ انور حضور پرنور رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاضر آئے اور ہم سے کہا مجھ سے پوچھتے نہیں کہ اس قدر اول وقت کیوں آیا میں نے آج کی رات ایک نور دیکھا جس سے تمام آفاق روشن ہوگئے اور جمیع اقطار عالم کو عام ہوا اور میں نے اہل اسرار کے اسرار دیکھے کہ کچھ تو اس نور سے متصل ہوئے ہیں اور کچھ کسی مانع کے سبب اتصال سے رک گئے ہیں جو اس سے اتصال پاتا ہے اس کا نور دوبالا ہوجاتا ہے تو میں نے غور کیا کہ اس نور کا خزانہ ومنبع کیا ہے کہاں سے چمکا ہے ناگاہ کھلا کہ یہ نور حضور پرنور سیدنا شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صادر ہوا ہے اب میں نے اس کی حقیقت پر اطلاع چاہی تو معلوم ہوا کہ یہ حضور کے مشاہدے کا نور ہے کہ حضور کے نور قلب سے مقابل ہوکر ایک کی جوت دوسرے پر پڑی اور دونوں کی روشنی حضور کے آئینہ حال پر منعکس ہوئی اور یہ آپس میں ایک دوسرے کی جوت بڑھانے والے نوروں کے بقعے حضور کے مقام جمع سے منزلت قرب تک متصل ہوئے کہ سارا جہان اس سے جگمگا اٹھا اور جتنے فرشتے اس رات اُترے تھے سب نے حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ کیا فرشتوں کے یہاں حضور کا نام پاک شاہد مشہود ہے (شاہد کہ مشاہدہ والے ہیں اور مشہود کہ سب ملائکہ ان کے پاس آئے قال تعالیٰ ان **قران الفجر کان مشهودا ای تشهده الملئکة** دونوں شاہزادگان دوجہاں نے فرمایا ہم یہ سن کر حضور پرنور کے پاس حاضر ہوئے اور حضور سے عرض کی کیا آج کی رات حضور نے

صلوۃ الرغائب پڑھی (یعنی جس کے انوار یہ چمکے یہ شب شب رغائب ہی تھی کہ رجب کی نوچندی شب جمعہ تھی ۔)

حضور پرنور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر یہ اشعار ارشاد فرمائے:

جب میری آنکھ میری پیاریوں کے چہرے دیکھے تو یہ شبہائے رغائب میں میری نماز ہے، وہ چہرے کہ جب اپنے جمال کا جلوہ دکھائیں تو ہر طرف سے سارا جہان چمک اُٹھے اور جس نے محبت کا حق پورا نہ کیا وہ کبھی کوئی واجب نہ لایا (پیاریاں عالم قدس کی تجلّیاں ہیں)(اور بہجۃ الاسرار شریف میں فقیر نے یوں دیکھا کہ کوئی فرشتہ باقی نہ رہا جو اُس رات زمین پر نہ اُترا اور حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ نہ کیا ہو یعنی تمام ملائکۃ اللہ زمین پر آئے اور محبوب خدا سے مصافحے کئے) واللہ تعالی اعلم۔

(فتاوی رضویہ، ج7، ص430 تا437، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر172

بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ

امامت کا زیادہ حقدار کون ہے؟

235-حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، ح:وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ رَجَاءٍ الزُّبَيْدِيِّ، عَنْ أَوْسِ بْنِ ضَمْعَجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيَّ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَؤُمُّ القَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي القِرَاءَةِ سَوَاءً، فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الهِجْرَةِ سَوَاءً، فَأَكْبَرُهُمْ سِنًّا، وَلَا يُؤَمُّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ، وَلَا يُجْلَسُ عَلَى تَكْرِمَتِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، قَالَ مَحْمُودٌ :قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِي حَدِيثِهِ :أَقْدَمُهُمْ سِنًّا،وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَمَالِكِ بْنِ الحُوَيْرِثِ، وَعَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ،قال ابوعيسى :وَحَدِيثُ أَبِي مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صحيح وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، قَالُوا :أَحَقُّ النَّاسِ بِالإِمَامَةِ أَقْرَؤُهُمْ

حضرت اوس بن ضمعج بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم کا سب سے زیادہ قاری لوگوں کی امامت کروائے، اگر قراءت میں سب یکساں ہوں تو سنت کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا، اگر سنت میں بھی سب برابر ہوں تو ہجرت سب سے پہلے کرنے والا، اگر ہجرت میں (بھی) سب مساوی ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ (امام بنے)۔ اور کسی شخص کی سلطنت میں امامت نہ کی جائے اور کسی کے گھر اُس کی باعزت جگہ پر نہ بیٹھا جائے بغیر اس کی اجازت کے۔

محمود کہتے ہیں: ابن نمیر نے اپنی حدیث میں ''اقدمھم سنا'' کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

اس باب میں حضرت ابوسعید، حضرت انس بن مالک، مالک بن حویرث اور عمرو بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوسعید کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ اور اسی پر عمل کرتے ہوئے علما فرماتے ہیں: امامت کا زیادہ حق دار قرآن کریم سب سے اچھا پڑھنے والا اور سنت کا زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ نیز اُنہوں

لِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، وَقَالُوا: صَاحِبُ الْمَنْزِلِ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ "وقَالَ بَعْضُهُمْ :إِذَا أَذِنَ صَاحِبُ الْمَنْزِلِ لِغَيْرِهِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِ "وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ، وَقَالُوا :السُّنَّةُ أَنْ يُصَلِّيَ صَاحِبُ الْبَيْتِ "قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ :وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يُؤَمُّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ، وَلَا يُجْلَسُ عَلَى تَكْرِمَتِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، فَإِذَا أَذِنَ فَأَرْجُو أَنَّ الإِذْنَ فِي الْكُلِّ، وَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا إِذَا أَذِنَ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِ

کہا: اور گھر والا امامت کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

بعض علما کہتے ہیں: جب گھر والا اجازت دیدے تو غیر کے نماز پڑھانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن بعض نے اسے ناپسند کیا اور کہا: سنت یہ ہے کہ گھر والا نماز پڑھائے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: کسی شخص کی سُلطانی میں اُس کی امامت نہ کی جائے اور کسی کے گھر میں اُس کی اجازت کے بغیر اُس کی باعزت جگہ پر نہ بیٹھا جائے۔ (امام احمد فرماتے ہیں) مجھے امید ہے کہ اگر اجازت مل جائے تو تمام امور میں اجازت ہے۔ اور آپ کے نزدیک اجازت سے نماز پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تخریج حدیث 235: (صحیح بخاری اختصاراً، باب امامۃ العبد والمولی، ج1، ص140، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب من احق بالامامۃ، ج1، ص465، حدیث 673، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب من احق بالامامۃ، ج1، ص159، حدیث 584، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، من احق بالامامۃ، ج2، ص77، حدیث 780، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ)) یعنی انصاری، حضرت ابن حجر کہا کہ بدری بھی ہیں: **((سے مروی وہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم کی امامت وہ کروائے))**، علامہ طیبی نے فرمایا: یہ امر کے معنی میں یعنی چاہیے کہ قوم کی امامت وہ کروائے **((جو ان میں سب سے بڑا قاری ہو))** ابن ملک نے کہا: یعنی ان میں سب سے اچھی قراءت کرنے والا ہو **((قرآن کریم کی))** اھ۔ اظہر یہ کہ اس کے معنی ان میں سے جو زیادہ قراءت کرنے والا ہو یعنی جو ان میں سے سب سے زیادہ قران کا حافظ ہو، جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں یعنی جو تم میں سے سب سے زیادہ قرآن والا ہو، کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ قراءت کرنے والے کو مقدم کیا کیونکہ اس زمانہ میں زیادہ قراءت والا ہی سب سے زیادہ فقیہ ہوتا تھا، کیونکہ اگر قراءت اور فقہ کی افضلیت میں تعارض واقع ہو تو افقہ کو مقدم کیا جائے گا جبکہ وہ اتنی اچھی قراءت کرتا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہو، اسی پر اکثر علما ہیں تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ اس سے مراد کتاب اللہ کا زیادہ جاننے والا ہے۔

کیونکہ فقیہ جانتا ہے نماز میں کتنی قراءت لازم ہے کیونکہ قرآن تو محفوظ ہے لیکن نماز میں نئے پیدا ہونے والے امور محفوظ نہیں اور کبھی نمازی کو ایسی چیز بھی پیش آجاتی ہے جو نماز کو فاسد کر دیتی ہے، جب وہ فقیہ نہیں ہوگا تو اسے اس کا علم نہیں ہوگا، **((پھر اگر قوم قراءت میں))** یعنی قرآن کی مقدار، خوبصورتی، اس پر عمل یا اس کے علم میں **((برابر ہوں تو ان میں سے سب سے زیادہ سنت کو جاننے والے کو))** علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے کہا: سنت سے مراد احادیث ہیں تو جو احادیث کو زیادہ جاننے والا تھا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عہد مبارک میں وہی زیادہ فقیہ تھا...... **((پس اگر وہ ہوں))** یعنی قراءت میں برابر ہونے کے بعد **((سنت میں))** یعنی سنت کے علم میں کیونکہ اس جگہ بغیر درایت کے روایت کا کوئی اعتبار نہیں **((برابر تو جو ان میں سے ہجرت کرنے میں مقدم ہو))** یعنی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف مکہ فتح ہونے سے پہلے ہجرت کرنے میں، تو جنہوں نے پہلے ہجرت کی وہ بعد میں ہجرت کرنے والوں سے زیادہ شرف والے ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُمْ مَنْ أَنفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ﴾ تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا۔ (سورۃ الحدید، آیت 10)، علامہ طیبی نے کہا: اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور اس کی فضیلت موروثی ہے، تو مہاجرین کی اولاد غیر مہاجرین کی اولاد پر مقدم ہے، اھ۔ یہی موضع بحث ہے، ابن ملک نے کہا: اب ہجرت معنویہ معتبر ہے، اور یہ

ہجرت گناہوں سے ہے تو جو زیادہ پرہیزگار ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ ((پس اگر وہ)) یعنی مذکورہ صفات میں برابر ہونے کے بعد ((ہجرت میں بھی برابر ہیں، تو ان میں سے جو عمر میں بڑا ہو)) یعنی اسلام میں، کیونکہ یہ ہجرت اور ایمان میں پہلے ہونے کے معنی میں ہے، اور مسلم کی روایت میں اس کی تائید ہے کہ اس میں ہے "پھر جوان میں اسلام کے اعتبار سے سب سے مقدم ہو"، ابن ملک نے کہا: عمر رسیدہ کو اس لیے مقدم کیا گیا کہ اس کو مقدم کرنے میں تکثیرِ جماعت ہے۔

امام ابن ہمام نے کہا: سب سے اچھی دلیل وہ ہے جس حدیث سے جمہور نے استدلال کیا: ((مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ)) ترجمہ: کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، بخاری۔ تو ہاں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اقرأ تو موجود تھے اعلم موجود نہ تھے، اس پر پہلی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَقْرَؤُكُمْ أُبَيٌّ)) ترجمہ: تم میں سے اقرأ اُبیّ ہیں۔ اور دوسری دلیل حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا فرمان: ((كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا)) ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سے سب سے زیادہ علم والے ہیں۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری امر ہے، تو اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ **میں کہتا ہوں**: ان کے سب سے پہلے ایمان لانے، ہجرت میں مقدم ہونے اور اسلام میں بڑی عمر ہونے کے سبب ان کو حکم فرمایا گیا، حاکم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: ((إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلَاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ)) ترجمہ: اگر تمہاری نمازوں کا قبول ہونا تمہیں خوش کرے تو چاہیے کہ تم میں سے بہترین تمہاری امامت کریں۔ پس اگر تو یہ صحیح ہے ورنہ کم از کم ضعیف غیر موضوع ہے اور ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کیا جاتا ہے، پھر علم اور قراءت میں برابری کے بعد اُس کا محل ہے جو حدیث صحیح میں ہے کہ ان کے بعد ہجرت کی وجہ سے تقدم ہوگا، اور اب ہجرت کا وجوب منسوخ ہے تو علماء کرام نے گناہوں سے ہجرت کو اس کی جگہ رکھا ہے۔

حدیث میں ہے: ((الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ)) ترجمہ: مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے ہجرت کرے۔ مگر جو دار الحرب میں مسلمان ہوا، اس کے لیے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا لازم ہے، تو جب اس نے ہجرت کر لی تو جو دار الاسلام میں پیدا ہوا ہے وہ اس سے بہتر ہے جبکہ ماقبل کی صفات میں یہ دونوں برابر ہوں اور اسی طرح جب بقیہ فضائل میں برابر ہوں مگر یہ کہ ان میں سے ایک تقوی میں مقدم ہو تو اسے مقدم کیا جائے گا، اور اذان کے باب میں جو حدیث گزری کہ: ((وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا)) ترجمہ: تم میں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ پھر اگر وہ عمر میں برابر ہوں تو ان میں سے اچھے اخلاق والے کو مقدم کیا جائے، تو اگر سب اخلاق میں برابر ہوں تو جو ان میں سب سے زیادہ عزت دار ہو اس کو مقدم کیا جائے تو اگر سب اس میں بھی برابر ہوں تو ان میں سے جو روشن چہرے والا ہو اس کو مقدم کیا جائے پھر اگر حسن میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سے جو نسب میں بہتر ہو تو اس کو مقدم کیا جائے اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں قرعہ اندازی کی

جائے یا قوم کو اختیار ہو گا۔

((آدمی کسی اور کی سلطنت میں اس کی امامت نہ کرے)) یعنی اس کی سلطنت کے مظہر اور اس کی ولایت کی محل میں یا جس کا وہ مالک ہے یا ایسی جگہ جو اس کے زیر حکم ہو۔ ایک دوسری روایت اس تاویل کی تائید کرتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اس کے اہل میں اس کی امامت نہ کرے، اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ اس کے گھر میں اور اس کی سلطنت میں نہ کرے، اسی سبب سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت ہے کہ امام مسجد کو غیر سلطان پر مقدم کیا جائے گا، اور اس کی تحریر یہ ہے کہ جماعت مشروع کی گئی تا کہ مومنین طاعت پر جمع ہو سکیں، اور ان کی تالیف قلب اور محبت بڑھانے کے لیے تو جب کوئی شخص دوسرے کی سلطنت میں امامت کرے گا تو یہ معاملہ اس کی سلطنت کے معاملہ کی توہین، اور طاعت کی رسی کو اتارنے کی طرف لے جائے گا، اسی طرح جب کوئی کسی کی امامت اس کی قوم میں یا اس کے گھر والوں میں کروائے گا تو یہ معاملہ بغض و کینہ اور قطع تعلقی کی طرف لے جائے گا، اور اختلاف پھیل جائے گا جس کو ختم کرنے کے لیے جماعت مشروع ہوئی تھی، تو کسی بھی شخص کو صاحب سلطنت پر مقدم نہیں کیا جائے گا خصوصا عیداور جمعے کے مواقع پر، اور نہ ہی محلے کے امام پر اور نہ ہی کسی کے گھر میں اس پر کسی کو مقدم کیا جائے گا مگر اس کی اجازت کے ساتھ، یہ علامہ طیبی نے کہا ہے۔

((اور کوئی شخص نہ بیٹھے دوسرے کے گھر میں اس کی عزت و تکریم کی جگہ پر)) جیسے اس کی جائے نماز یا اس کا تخت، اور یہ در حقیقت کرّم تکریماً سے مصدر ہے، اس کو مجازاً ہر اس چیز کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی شخص کیلئے اس کے گھر میں بطور اکرام تیار کی گئی ہو **((مگر اس کی اجازت کے ساتھ))** ابن ملک نے کہا: "الا باذنہ" کا تعلق ماقبل سب سے ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ملخصا، باب الامامۃ، ج3، ص862,863، دار الفکر، بیروت)

امامت کا حق دار کون، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

امامت کے لیے اولیٰ وہ ہے جو ان میں نماز کے احکام کو زیادہ جاننے والا ہو، اسی طرح مضمرات میں ہے، اور یہی ظاہر ہے، ایسا ہی بحر الرائق میں ہے، یہ جب ہے کہ وہ قراءت کی اتنی مقدار جانتا ہو جس سے قراءت کی سنت ادا ہو سکے، ایسا ہی تبیین الحقائق میں ہے، اور اس پر دین کے معاملہ میں طعن نہ کیا گیا ہو، ایسا ہی کفایہ میں ہے اور اسی طرح نہایہ میں ہے، اور وہ ظاہری گناہوں سے بچنے والا ہو اگر چہ اس کا غیر اس سے زیادہ متقی ہو، ایسا ہی محیط میں ہے اور اسی طرح زاہدی میں ہے، اور اگر وہ نماز

کے مسائل کے علم میں تبحر ہو لیکن اس کے علاوہ علوم میں کوئی حصہ نہ ہو تو وہی اولی ہے، ایسا ہی خلاصہ میں ہے، تو اگر وہ سب علم میں برابر ہوں تو ان میں سے سب سے بڑا قاری یعنی علم قراءت کو زیادہ جاننے والا ہو وہ اولیٰ ہے کہ وہ مقام وقف میں وقف کرے گا، مقام وصل میں وصل کرے گا، اور اسی طرح تشدید اور تخفیف وغیرہما میں خیال رکھے گا، ایسا ہی کفایہ میں ہے، تو اگر وہ سب علم اور قراءت میں برابر ہوں تو ان میں جو تقوی میں زیادہ ہو، اگر تقوی میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو وہ اولیٰ ہے، ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔

اگر وہ سب عمر میں بھی برابر ہوں تو ان میں جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو اس کو مقدم کیا جائے، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ عزت دار ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جو زیادہ روشن چہرے والا ہو، ایسا ہی فتح القدیر میں ہے یعنی رات میں نماز زیادہ پڑھنے کے سبب جس کا چہرہ روشن ہو، ایسا ہی کافی میں ہے، تو اگر وہ سب حسن میں بھی برابر ہوں تو ان میں جو نسب میں زیادہ شرف والا ہو اس کو مقدم کیا جائے، ایسا ہی فتح القدیر میں ہے، ہر وہ جو زیادہ کمالات والا ہو وہ افضل ہے، کیونکہ مقصود جماعت کی کثرت اور لوگوں کی اس میں رغبت ہے جیسا کہ تبیین میں ہے، اگر یہ سب اچھے خصائل دو آدمیوں میں جمع ہوں تو ان میں قرعہ اندازی کی جائے یا قوم کو اختیار ہوگا۔ ایسا ہی خلاصہ میں ہے، اگر مہمان کسی جگہ جمع ہوں تو صاحب خانہ ہی آگے ہونے کا زیادہ حقدار ہے مگر یہ کہ وہاں بادشاہ اسلام یا قاضی ہو۔ اگر صاحب خانہ کسی ایک کو مقدم کرے اور وہ عمر میں بڑا ہو تو یہ افضل ہے، اور اگران (حق دار افراد) میں سے کوئی خود آگے ہو گیا تو جائز ہے۔ کسی گھر میں کرایہ دار، اس گھر کا مالک اور مہمان ہو تو کرایہ دار اجازت دینے کا حق دار ہے اور اسی سے اجازت طلب کی جائے گی، اسی طرح تتارخانیہ میں ہے اور ایسے ہی مستعیر (عاریت لینے والا) معیر (عاریت دینے والے) سے اولی ہے، جیسا کہ سراج الوهاج میں ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص مسجد میں داخل ہو جو محلے کے امام سے امامت کا زیادہ حقدار ہے تو امام محلہ ہی زیادہ حقدار ہے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔

(فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی بیان من ھو احق بالامامۃ، ج1، ص83، دار الفکر، بیروت)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

(سب سے زیادہ علم والا امامت کا زیادہ حق دار ہے) یعنی وہ جو سنت کا زیادہ عالم ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ سب سے اچھی قراءت کرنے والا اولی (بہتر) ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ فَإِنْ كَانُوا سَوَاءً فِي الْقِرَاءَةِ فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا)) ترجمہ: لوگوں کو نماز وہ پڑھائے جو ان میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہو، تو اگر وہ سب قراءت میں برابر ہوں تو ان میں سے جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہوگا اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں ہجرت

کے اعتبار سے جو مقدم ہو اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جوان میں عمر میں بڑا ہو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جو اسلام لانے میں مقدم ہو۔ اور اس وجہ سے بھی کہ نماز میں قراءت ضروری ہے، اور فقہ کی طرف حاجت اس وقت ہوگی جب کوئی واقعہ پیش آئے گا۔

ہماری دلیل حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى.....الحديث)) ترجمہ: لوگوں کو نماز وہ پڑھائے جوان میں سے سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو تو اگر وہ سب سنت کے علم میں برابر ہوں تو ان میں جو کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہو...... الحدیث۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ)) ترجمہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حالانکہ صحابہ کرام میں حضرت ابی بن کعب وغیرہ بڑے قاری موجود تھے۔

اور اس وجہ سے کہ لوگوں کی نماز کا صحیح ہونا اور فاسد ہونا یہ امام کی نماز پر مبنی ہے تو اولیٰ یہی ہے کہ جو نماز کا علم زیادہ رکھتا ہو اسی کو امامت کے لیے مقدم کیا جائے جبکہ قراءت کا اتنا علم رکھتا ہو جس سے قراءت کی سنت ادا ہو جائے۔

اور اس لیے کہ نماز میں ایک رکن کی ادائیگی کیلئے قراءت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ رکن بھی زائد ہے اور فقہ کی نماز کے تمام ارکان، واجبات، سنن، مستحبات کیلئے ضرورت ہوتی ہے۔

اور حدیث پاک میں اقرأ (زیادہ قراءت جاننے والے) کو مقدم کرنے کا اس لیے فرمایا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان قرآن اس کے احکامات کے ساتھ سیکھتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے سورۂ بقرہ بارہ سال میں حفظ کی۔

اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی سورت نازل نہ ہوتی مگر یہ کہ ہم اس کے امر، نہی، اس کے زجر و توبیخ، اس کے حلال و حرام کو جانتے اور اب کوئی آدمی سورت پڑھتا ہے اور اس کے احکام میں سے کچھ بھی نہیں پہچانتا۔

اور اس وجہ سے کہ وہ روایت ابتداء اسلام کے بارے میں ہے اور ابتداء عہد اسلام میں اس کے حفظ سے اس کے علم پر استدلال کیا جاتا تھا، جب ایک طویل عرصہ گزر گیا اور انہوں نے تفقہ حاصل کیا تو اعلم کو ہی نصاً مقدم کیا گیا۔

اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان میں سب سے اعلم تھے، کیا آپ نے ابو سعید رضی اللہ عنہ کا قول نہیں دیکھا کہ انہوں نے فرمایا: ((كَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا)) ترجمہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب میں زیادہ علم والے تھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **(پھر سب سے بڑا قاری)** جیسا کہ ہم نے روایت کیا، اور فرمایا: **(پھر سب سے زیادہ تقوی**

والا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سبب کہ: ((اجْعَلُوا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ)) ترجمہ: اپنے بہترین لوگوں کو اپنا امام بناؤ کیونکہ امام تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندہ ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت میں تقدیم والے کو مقدم کیا اور اب کوئی ہجرت نہیں تو ہم نے اس کے قائم مقام تقوی کو کردیا، مصنف فرماتے ہیں: (**پھر عمر میں بڑے کو مقدم کیا جائے**) اس کی وجہ سے جو ہم نے روایت کیا اور اس سبب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حویرث اور ان کے ساتھی کے لیے فرمایا: ((إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا)) ترجمہ: جب نماز کا وقت ہو تم اذان کہو اور پھر اقامت اور تم میں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کروائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت اور علم کی وجہ سے تقدیم کو ذکر نہیں کیا، ظاہر یہی ہے کہ وہ دونوں قراءت اور علم میں برابر ہوں گے۔ اور اس وجہ سے کہ عمر رسیدہ عادۃً زیادہ خشوع قلب والا ہوتا ہے اور لوگوں کے درمیان اس کی عزت اور اس کی طرف رغبت زیادہ ہوتی ہے۔

اور لوگ اس کی زیادہ اقتدا کرتے ہیں تو اس کو مقدم کرنے میں جماعت کو بڑھانا ہے۔ اگر وہ سب عمر میں برابر ہوں تو ان میں سے سب سے اچھے اخلاق والے کو مقدم کیا جائے اور اگر وہ اس میں بھی برابر ہوں تو ان میں سے خوبصورت نورانی چہرے والے کو مقدم کیا جائے (اور کافی میں حسن الوجہ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ وہ رات میں نماز پڑھے، وہ اس تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرف گئے ہیں کہ جو رات میں نماز پڑھتا اس کا دن میں چہرہ روشن ہوتا ہے، محدثین کے نزدیک یہ ثابت نہیں۔ فتح) بہر حال جو زیادہ کامل ہو وہی افضل ہے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ جماعت کثیر ہو، اور لوگ اس کی طرف زیادہ راغب ہوں اور اس پر اجتماع زیادہ ہو۔ (تبیین الحقائق، الاحق بالامامۃ، ج 1، ص 133، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، القاہرہ)

شوافع کا موقف:

منہج الطلاب میں ہے:

امامت کے لیے اولیٰ سب سے زیادہ فقیہ پھر سب سے بڑا قاری، پھر زیادہ تقوی والا پھر ہجرت میں مقدم پھر عمر میں بڑا پھر نسب میں زیادہ اچھا پھر کپڑے، بدن، پیشے میں زیادہ نظافت رکھنے والا، پھر زیادہ خوبصورت آواز اور چہرہ والا۔

(منہج الطلاب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 21، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ زکریا بن محمد بن احمد انصاری شافعی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں:

سب سے پہلے امامت کا حقدار افقہ ہے یعنی سب سے زیادہ فقہ کو جاننے کیونکہ نماز میں فقہ کی طرف محتاجی کی کوئی حد

نہیں برخلاف قرآن پاک کے، پھر سب سے بڑا قاری یعنی جو قرآن کا زیادہ حافظ ہو کیونکہ قرآن کی تقوی سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، پھر اوْرَع یعنی جو تقوی میں زیادہ ہو اور یہ عدالت بالعفت اور حسن سیرت پر زائد ایک صفت ہے، پھر جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف یا دار الاسلام کی طرف ہجرت میں سب پر مقدم ہو اس حدیث کی وجہ سے جو ابھی آتی ہے اور اسی سے معلوم ہو گیا کہ جس نے ہجرت کی وہ اس سے مقدم ہو گا جس نے ہجرت نہیں کی، اور اقرء کی اوْرَع پر تقدیم اور اورع کی اس کے بعد والے پر تقدیم میری طرف سے اضافہ ہے اور یہ تحقیق وغیرہ میں ہے۔

پھر "اسن" یعنی عمر میں سب سے بڑے کو مقدم کیا جائے، یعنی اسلام میں بڑی عمر والا، نہ کہ بڑھاپے والا، پھر انسب یعنی نسب میں بہتر کو مقدم کیا جائے وہ جو قریش کی طرف منسوب ہو یا ہجرت والا ہو یا ہجرت میں مقدم ہو یا ان کے علاوہ جن امور کا کفو ہونے میں اعتبار ہے جیسے علما، صلحا کیونکہ اول کی فضیلت ذات کے اعتبار سے ہے اور دوسری اباء واجداد کے اعتبار سے، اور ذاتی فضیلت، اباء کی فضیلت سے بہتر ہے، اور شیخین نے روایت کیا: ((لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ)) ترجمہ: تم میں سے بڑا تمہاری امامت کروائے۔ امام مسلم نے روایت کیا: ((يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا "وَفِي رِوَايَةٍ سِلْمًا" وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ "وَفِي رِوَايَةٍ "فِي بَيْتِهِ وَلَا سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ)) ترجمہ: لوگوں کی امامت وہ کروائے جو ان میں سے کتاب اللہ کا زیادہ بڑا قاری ہو، پس اگر قراءت میں سب یکساں ہوں تو سنت کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا، اگر سنت میں بھی سب برابر ہوں تو ہجرت سب سے پہلے کرنے والا، اگر ہجرت میں (بھی) سب مساوی ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ (امام بنے)، ایک اور روایت میں جو اسلام میں سے مقدم ہو، آدمی کسی کی سلطنت میں اس کی امامت نہ کرے، ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں یا کسی کی سلطنت میں اس کی امامت نہ کرے اور کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر اس کی عزت و تکریم کی جگہ نہ بیٹھے۔

اس حدیث پاک کا ظاہر یہ ہے کہ زیادہ قراءت والا افقہ سے مقدم ہو گا، جیسا کہ شوافع کا ایک قول اسی طرح ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے جواب دیا کہ پہلے زمانے میں مسلمان قرآن پڑھنے کے ساتھ فقہ حاصل کرتے تھے، تو ایسا کوئی قاری نہ تھا جو فقیہ نہ ہو۔ (فتح الوہاب شرح منہج الطلاب، باب فی صلاۃ الجماعۃ، ج 1، ص 74، دار الفکر للطباعۃ والنشر)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

اگرکسی جگہ فقیہ، صاحب حدیث، قاری، عبادت گزار، عمر رسیدہ لوگ جمع ہوں توان میں امامت کے لیے سب سے بہتر فقیہ ہے پھر محدث، پھر ماہر قاری، پھر عابد، پھر عمر رسیدہ ہے۔اور امامت کے لیے فقیہ محدث سے اولیٰ ہے اگر چہ یہ اس سے افضل ہو کیونکہ وہ نماز کے احکام اس سے زیادہ جانتا ہے اور محدث امامت میں قاری سے اولیٰ ہے اگر چہ یہ اس سے افضل ہو کہ وہ نماز کی سنن کو اس سے زیادہ جانتا ہے۔اور اچھی قراءت والا ماہر قاری جس کا ظاہری حال اچھا ہو یہ امامت میں عابد سے اولیٰ ہے کیونکہ قراءت نماز کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور عبادت اس سے ملی ہوئی نہیں

اور عابد شخص امامت میں عمر رسیدہ آدمی سے بہتر ہے کیونکہ عابد کثرت عبادت کے سبب اس سے افضل ہے، اور عمر رسیدہ امامت کا زیادہ حقدار ہے بہ نسبت اس کے جو اس سے کم عمر والا ہے کیونکہ زیادہ عمر والے کے اعمال بھی زیادہ ہوں گے اور اعمال کا زیادہ ہونا فضیلت کا باعث ہے، لہذا اگر کوئی دوسرے سے عمر میں کم ہے مگر اسلام میں قدیم ہے تو اس سے اولیٰ بالامامۃ ہے کیونکہ محض عمر کے بڑا ہونے میں کوئی فضیلت نہیں ہے، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ حدیث میں ہجرت پہلے کرنے والے کو عمر رسیدہ پر مقدم کیا گیا ہے۔ (البیان والتحصیل، مسئلہ قوم فی السفر فیہم الفقیہ، ج1، ص355,356، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

(سنت یہ ہے کہ لوگوں میں اسے امام بنایا جائے جو ان میں بڑا قاری ہو) یعنی قاری فقیہ اور اس کے علاوہ سے مقدم ہے اور قراءت اور فقہ کی وجہ سے تقدیم میں کوئی اختلاف نہیں، اور اختلاف اس میں ہے کہ ان دونوں میں سے کون مقدم ہے، امام احمد رحمہ اللہ قاری کی تقدیم کی طرف گئے ہیں، یہی امام ابن سیرین، ثوری، ابن منذر، اسحاق، اصحاب رای (احناف کا قول افقہ کی تقدیم ہے، جیسا کہ گزرا۔مصنف) کا قول ہے۔امام عطاء، مالک، اوزاعی، شافعی فرماتے ہیں: افقہ کو مقدم کیا جائے گا جبکہ وہ نماز میں بقدر کفایت قراءت کرنا جانتا ہو، کیونکہ کبھی نماز میں کوئی نیا واقعہ پیش آ جاتا ہے جو فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا تو یہی اولی ہے جس طرح کہ امامت کبری اور حَکم بنانے میں ہوتا ہے۔

ہماری دلیل وہ ہے جسے حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((یؤم القوم أقرؤھم لکتاب اللہ تعالی فإن کانوا فی القراءۃ سواء فأعلمھم بالسنۃ فإن کانوا فی السنۃ سواء فأقدمھم ھجرۃ فإن کانوا فی الھجرۃ سواء فأقدمھم سناً أو قال سلماً)) ترجمہ: لوگوں کی امامت وہ کروائے جو ان میں سے کتاب اللہ کا بڑا قاری ہو، اگر قراءت میں سب یکساں ہوں تو سنت کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا، اگر سنت میں بھی سب برابر ہوں تو

ہجرت پہلے کرنے والا، اگر ہجرت میں (بھی) سب مساوی ہوں تو زیادہ عمر والا (امام بنے)، ایک روایت میں جوان میں پہلے اسلام لایا ہو۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إذا اجتمع ثلاثة فليؤمهم أحدهم وأحقهم بالإمامة أقرؤهم)) ترجمہ: جب تین افراد جمع ہوں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک ان کی آنامت کروائے اور ان میں سے امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو ان میں سب سے بڑا قاری ہو۔ ان دونوں کو مسلم نے روایت کیا۔ حضرت عمرو بن سلمہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ ارشاد فرمایا: ((ليؤمكم أكثركم قرآناً)) ترجمہ: تم سے زیادہ قرآن والا تمہاری امامت کروائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاری کو مقدم کرنے کا اس وجہ سے فرمایا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے بڑے قاری ہی بڑے فقیہ تھے کیونکہ صحابہ کرام جب قرآن پڑھتے تو وہ اس سے احکام بھی سیکھتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((كنا لا نجاوز عشر آيات حتى نعرف أمرها ونهيها وأحكامها)) ترجمہ: ہم دس آیات سے تجاوز نہ کرتے یہاں تک کہ ہم ان آیات میں بیان کردہ امر، نہی اور احکام کو جان لیتے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ لفظ عام ہے تو اس کے عموم کو لینا واجب ہے........ ابو عبداللہ سے کہا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث: ابوبکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں کیا یہ حدیثِ ابی مسعود کے خلاف ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، بے شک میرے نزدیک حضور کا حضرت ابوبکر کو لوگوں کی امامت کا حکم دینا خلافت کی وجہ سے ہے یعنی خلیفہ ہی امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ (الشرح الکبیر علی متن المقنع، فصل فی الامامۃ، ج2، ص17,18، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

باب نمبر 173

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ

جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بنے تو مختصر نماز پڑھائے

236- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ:حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ وَالكَبِيرَ، وَالضَّعِيفَ وَالمَرِيضَ، فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ،وَفِي البَابِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، وَأَنَسٍ،وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، وَمَالِكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبِي وَاقِدٍ، وَعُثْمَانَ بْنِ أَبِي العَاصِ، وَأَبِي مَسْعُودٍ، وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ،قال ابوعیسی :حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ اخْتَارُوا:أَلَّا يُطِيلَ الإِمَامُ الصَّلَاةَ مَخَافَةَ المَشَقَّةِ عَلَى الضَّعِيفِ وَالكَبِيرِ وَالمَرِيضِ . وَأَبُو الزِّنَادِ اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ ذَكْوَانَ، وَالأَعْرَجُ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ هُرْمُزَ المَدِينِيُّ، وَيُكْنَى أَبَا دَاوُدَ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو تخفیف کرے (یعنی لمبی نماز نہ پڑھائے) کیونکہ اُن (نمازیوں) میں بچے، بوڑھے، کمزور اور بیمار بھی ہوتے ہیں۔اور جب تنہا نماز پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔

اس باب میں حضرت عدی بن حاتم، حضرت انس، حضرت جابر بن سمرۃ، حضرت مالک بن عبداللہ، حضرت ابو واقد، حضرت عثمان بن ابوالعاص، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

اور اکثر علما کا یہی مسلک ہے (یعنی) اُنہوں نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ کمزور، بوڑھے اور بیمار کی تکلیف کے خوف امام لمبی نماز نہ پڑھائے۔

ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان ہے۔اوراعرج کا نام عبدالرحمٰن بن ہرمز المدینی ہے، جن کی کنیت ابوداؤد ہے۔

237 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَخَفِّ النَّاسِ صَلَاةً

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز

فِـي تَـمَامٍ، وَهٰـذَا حَـدِيـثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ　　والے تھے۔ اور یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

تخریج حدیث 236: (صحیح بخاری، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم الخ، ج1، ص30، حدیث90، دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ الخ، ج1، ص341، حدیث467، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب فی تخفیف الصلاۃ، ج1، ص211، حدیث794، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، ماعلی الامام من التخفیف، ج2، ص94، حدیث823، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب من ام قوما فلیخفف، ج1، ص315، حدیث984، داراحیاء الکتب العربیہ، حلب)

تخریج حدیث 237: (صحیح مسلم، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ الخ، ج1، ص342، حدیث469، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، ماعلی الامام من التخفیف، ج2، ص94، حدیث824، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اس باب کی احادیث کا معنی واضح وظاہر ہے کہ امام کو حکم ہے کہ نماز میں تخفیف کرے اس طرح کہ وہ نماز کی سنن اور مقاصد میں مخل نہ ہو، اور جب وہ اکیلا نماز ادا کرے تو ارکان نماز میں سے جس میں طویل کرنے کی گنجائش ہے مثلاً قیام، رکوع، سجود، اور تشہد وغیرہ میں جتنا چاہے طویل کرے نہ کہ تعدیل ارکان اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ الخ، ج4، ص184، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدرالدین محمود عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک کی فقہ یہ ہے کہ امام کے لیے مناسب ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی میں طوالت نہ کرے بلکہ اس میں تخفیف کرے اس طرح کہ وہ نماز کی سنن اور مقاصد میں مخل نہ ہو، اور جب وہ اکیلا نماز ادا کرے تو ارکان نماز میں سے جن میں طویل کرنے کی گنجائش ہے مثلاً قیام، رکوع، سجود وغیرہ میں جتنا چاہے طویل کرے نہ کہ تعدیل ارکان اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں۔

(شرح ابی داود للعینی، باب تخفیف الصلاۃ، ج3، ص452، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((چاہیے کہ امام نماز میں تخفیف کرے)) یہ مستحب ہے، کہا گیا کہ واجب ہے، بہرحال تخفیف اس طور پر کرے کہ نماز کی سنن میں اس کے سبب خلل نہ ہو، اور نہ ہی وہ اکملیت کو گھیر لے جیسا کہ مجموع میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ امام نظر کرے لوگوں میں سے سب سے ضعیف کی طرف پھر اس کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائے، ابن دقیق العید نے اس کی تائید کی کہ طویل اور تخفیف امور اعتباریہ میں سے ہیں تو جو کسی ایک قوم کے لیے طویل ہے وہ دوسری قوم کے لیے تخفیف ہو سکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا یہاں تخفیف سے مراد کمی اور نقصان نہیں، دلیل اس پر یہ ہے کہ کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے ممانعت فرمائی گئی، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز کے رکوع وسجود پورے ادا نہیں کر رہا تھا تو فرمایا: لوٹ جا! دوبارہ نماز ادا کر تو نے گویا نماز پڑھی ہی نہیں، اور فرمایا: اللہ عزوجل اس نمازی پر نظر رحمت نہیں فرماتا جو رکوع وسجود میں پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔

(فیض القدیر، حرف الھمزہ، ج1، ص302، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

عبداللہ بن ذکوان

علامہ ابوعبداللہ احمد بن محمد ذہبی (متوفی 748ھ) فرماتے ہیں:

عبداللہ بن ذکوان ابوزناد امام اور ثبت ہیں۔ امام ابن معین اور دیگر ائمہ نے کہا: ابن ذکوان ثقہ حجت ہیں، حرب نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا انہوں نے فرمایا: حضرت سفیان نے ابوزناد کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا نام دیا، پھر انہوں نے امام احمد سے نقل کیا: "ذکوان" علاء اور سہیل سے مرتبہ میں زیادہ ہے، ابوزرعہ دمشقی نے کہا: مجھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ ابوزناد ربیعہ سے حدیث میں اعلم ہیں، امام ابن مدینی نے کہا: کبار تابعین کرام کے بعد مدینہ منورہ میں امام زہری، یحیی بن سعید، ابوزناد، بکیر بن اشج سے بڑھ کر کوئی اعلم نہ تھا، ابوحاتم نے کہا: "ذکوان" ثقہ، فقیہ حجت اور صاحب سنت ہیں، امام بخاری نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں اصح ابوزناد عن الاعراج عنہ والی روایت ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ سے نقل کیا میں مدینہ منورہ آیا تو میں ابوزناد کے پاس گیا اور لوگ ربیعہ کے پاس جمع تھے حالانکہ ابوزناد افقہ تھے۔ (میزان الاعتدال، عبداللہ بن ذکوان، ج2، ص418، دار المعرفۃ للنشر والتوزیع، بیروت)

علامہ ابوالفضل احمد ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

عبداللہ بن ذکوان قرشی ابوعبدالرحمٰن مدنی المعروف ابوزناد جو رملہ کے آزاد کردہ ہیں اور ایک قول کے مطابق عائشہ بنت شیبہ بن ربیعہ کے اور ایک قول کے مطابق عائشہ بنت عثمان کے آزادہ کردہ ہیں، ایک قول کے مطابق آل عثمان کے آزاد کردہ ہیں ۔کہا گیا کہ ان کا باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے ابولولؤ کا بھائی تھا، ابن عیینہ نے کہا: ابوزناد اس پر غضب ناک تھے، انہوں نے حضرت انس، عائشہ بنت سعد، ابوامامہ بن سہل بن حنیف، سعید بن مسیب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان بن عفان، خارجہ بن زید بن ثابت، عبید بن حنین، عروہ بن زبیر، علی بن حسین، عمرو بن عثمان، اعرج سے (اور یہ روایت انہی سے ہے) اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، محمد بن حمزہ بن عمرو اسلمی اور ان کے علاوہ سے روایت کیا ہے، اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عمر بن ابی سلمہ بن عبدالاسد سے بھی روایت کیا ہے مگر کہا گیا کہ یہ مرسل ہے۔

اور ان سے ان کے دونوں بیٹوں عبدالرحمٰن اور ابوالقاسم نے، صالح بن کیسان، ابن ابی ملکیہ (اور وہ دونوں ان سے بڑے ہیں)، اعمش، عبیداللہ بن عمر و ابن عجلان، ہشام بن عروہ، شعیب بن ابی حمزہ، ابن اسحاق، موسی بن عقبہ، سعید بن ابی ہلال، زائدہ بن قدامہ، ثور بن یزید دیلمی، مالک، محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن، ورقاء بن عمر و اور دونوں سفیان وغیرہ نے روایت کیا ہے، عبداللہ بن احمد نے اپنے والد احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ یہ ثقہ ہیں، حرب نے امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہوئے کہا

کہ امام سفیان نے ابوزناد کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا نام دیا، اور فرمایا: وہ علاء بن عبدالرحمٰن اور سہیل بن ابوصالح اور محمد بن عمرو سے بلند درجہ ہیں، ابوزرعہ دمشقی نے امام احمد کے حوالے سے کہا: ابوزناد ربیعہ سے اعلم ہے، ابن ابی مریم نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ "ابوزناد" ثقہ حجت ہے، امام ابن مدینی نے کہا: کبار تابعین کرام کے بعد مدینہ منورہ میں ابوالزناد، ابن شہاب، یحیٰ بن سعید اور بکیر بن اشج سے بڑھ کر کوئی علم والا نہ تھا، عجلی نے کہا: ''ابوزناد'' مدنی تابعی ثقہ ہیں، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع کیا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یہ ثقہ، فقیہ، صالح الحدیث اور صاحب سنت ہیں، جب یہ ثقات سے روایت کریں تو ان سے حجت قائم ہوسکتی ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ کی اسانید میں اصح سند ابوالزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ہے، لیث نے عبدربہ بن سعید سے روایت کیا کہ میں نے ابوزناد کو مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور آپ کے ساتھ آپ کے پیروکار ایسے تھے جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتے ہیں، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ میں مدینہ منورہ آیا تو میں ابوزناد کے پاس گیا اور میں نے ربیعہ کو دیکھا کہ لوگ ربیعہ کے پاس جمع تھے اور ''ابوزناد'' دونوں میں افقہ تھے.........

خلیفہ وغیرہ نے کہا: ابوزناد ذکوان کا انتقال 130 ہجری رمضان المبارک میں ہوا، اور وہ 66 سال کے تھے، اور ابن سعد نے بھی اسی طرح کہا اور یہ اضافہ کیا کہ ''ابوزناد'' ثقہ، کثیر الحدیث، فصیح اور عربی کے اچھے جاننے اور سمجھنے والے تھے، ابن معین اور ان کے علاوہ نے کہا: 131 ہجری میں انتقال ہوا، ایک قول کے مطابق 132 ہجری میں ہوا۔ میں کہتا ہوں: امام نسائی، عجلی، ساجی، ابوجعفر طبری نے کہا: ''ابوزناد'' ثقہ تھے، ابن حبان نے "الثقات" میں کہا: ''ابوزناد'' فقیہ اور صاحب کتاب تھے، ابن عدی نے کہا: ان کی تمام احادیث مستقیم ہیں، ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ابوالزناد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کیا، اور ابن عمر سے روایت کیا حالانکہ انہوں نے ان کو دیکھا نہیں۔

(تہذیب التہذیب، من اسمہ عبداللہ، ج5، ص203، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

عبدالرحمٰن بن ہرمز:

علامہ ابوالفضل احمد ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج ابوداؤد مدنی، جو ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے آزاد کردہ ہیں، انہوں نے حضرت ابوہریرہ، ابوسعید، عبداللہ بن مالک بن بحینہ، ابن عباس، محمد بن مسلمہ انصاری، معاویہ بن ابوسفیان، معاویہ بن عبداللہ بن جعفر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، اسید بن رافع بن خدیج، عبیداللہ بن ابی رافع، عبداللہ بن کعب بن مالک، عمیر مولی ابن عباس رضوان اللہ علیہم اور ان کے علاوہ سے روایت کیا ہے، اور ان سے زید بن اسلم، صالح بن کیسان، زہری، ابوزبیر، یحیٰ بن سعید، ربیعہ، موسیٰ بن

عقبہ، عمرو بن ابی عمرو، ابوزناد عبداللہ بن ذکوان، ایوب، جعفر بن ربیعہ، سعد بن ابراہیم، عبداللہ بن فضل ہاشمی، عبیداللہ بن ابی جعفر، علقمہ ابن ابی علقمہ، محمد بن یحیی بن حبان، محمد بن عجلان، محمد بن اسحاق اور ابن لہیعہ وغیرہ نے روایت کیا، اور ابن سعد نے کہا: وہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔

مقدمی نے کہا: امام ابن مدینی سے سوال ہوا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے اعلی کون ہیں تو انہوں ابن مسیب سے ابتدا کی، اور ایک جماعت کا ذکر کیا، ان سے کہا گیا اعرج کے بارے کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: ان سے کم درجہ والے ہیں اور وہ ثقہ ہے، عجلی نے کہا: مدنی، تابعی، ثقہ ہے، ابوزرعہ خراش نے کہا: وہ ثقہ ہیں، ابن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ ابواسحاق نے کہا کہ ابوصالح اور اعرج کہتے ہیں کہ کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرے مگر یہ کہ ہم جان جاتے ہیں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ ابن یونس اور متعدد علماء نے کہا کہ اعرج اسکندریہ میں 117 ہجری میں فوت ہوئے، اور کہا گیا کہ 110 ہجری میں فوت ہوئے اور یہ وہم ہے، میں نے کہا اس کا قائل واقدی ہے اور فلاس وغیرہ نے اس کی پیروی کی، لیکن پہلا قول اصح ہے، ابن حبان نے ثقات میں کہا کہ ان کی کنیت ابوداؤد ہے، ایک قول میں ابوحازم ہے، یہ بھی کہا گیا کہ ان کے والد کا نام کیسان ہے، لہذا اغندر نے کہا ہمیں عبداللہ بن سعید بن ابی ہند نے بیان کیا، انہیں عبدالرحمٰن بن کیسان اعرج نے۔ اور حاکم نے ان کا ذکر یوں کیا ہے کہ ابواحمد عبدالرحمٰن بن ہرمز اور کیسان کہا جاتا۔ دانی نے کہا: ان سے قراءت مروی ہے۔ ابن لہیعہ نے ابونصر کے حوالے سے کہا "اعرج" انساب اور عربی لغت کے عالم تھے۔

(تہذیب التہذیب، من اسمہ عبدالرحمٰن، ج6، ص290,291، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

باب نمبر 174

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الصَّلَاةِ وَتَحْلِيلِهَا

نماز کی تحریم و تحلیل

238- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، طَرِيفٍ السَّعْدِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ، وَلَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِالْحَمْدُ، وَسُورَةٍ فِي فَرِيضَةٍ أَوْ غَيْرِهَا، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ وَحَدِيثُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَجْوَدُ إِسْنَادًا وَأَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ، وَقَدْ كَتَبْنَاهُ فِي أَوَّلِ كِتَابِ الْوُضُوءِ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: إِنَّ تَحْرِيمَ الصَّلَاةِ التَّكْبِيرُ، وَلَا يَكُونُ الرَّجُلُ دَاخِلًا فِي الصَّلَاةِ إِلَّا بِالتَّكْبِيرِ "قال ابو عيسى :سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبَانَ، يَقُولُ :سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کی کنجی طہارت ہے، اس کی حرمت، تکبیر (اُولیٰ) اور اس کی حلت، سلام ہے۔(یعنی تکبیر تحریمہ نماز کا دروازہ اور سلام نماز سے باہر آنے کا راستہ ہے) اُس شخص کی نماز (کامل) نہیں جس نے سورہ فاتحہ اور ایک سورت تلاوت نہیں کی، فرض نماز ہو یا کوئی دوسری نماز۔

اس باب میں حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات موجود ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی روایت سند کے اعتبار سے زیادہ عمدہ ہے اور ابوسعید کی حدیث کے مقابلے میں اصح ہے۔اور ہم نے اس حدیث کو ''کتاب الوضو'' کے آغاز میں (بھی) لکھا ہے۔

صحابہٴ کرام اور اُن کے بعد میں آنے والے علما (تابعین) کا اسی پر عمل ہے۔

سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا قول یہ ہے کہ نماز (میں اُن چیزوں) کی تحریم (جو نماز سے پہلے حلال تھیں) تکبیر (کے ذریعہ) ہے۔ اور تکبیر کے بغیر کوئی شخص نماز میں داخل نہیں ہوسکتا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں نے ابوبکر محمد بن

مَہْدِیٍّ، يَقُولُ :لَوِ افْتَتَحَ الرَّجُلُ الصَّلَاةَ بِتسعين اسْمًا مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَلَمْ يُكَبِّرْ لَمْ يُجْزِهِ، وَإِنْ أَحْدَثَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ أَمَرْتُهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ، ثُمَّ يَرْجِعَ إِلَى مَكَانِهِ وَيُسَلِّمَ، إِنَّمَا الأَمْرُ عَلَى وَجْهِهِ وَأَبُو نَضْرَةَ اسْمُهُ الْمُنْذِرُ بْنُ مَالِكِ بْنِ قُطَعَةَ "

اَبان سے عبدالرحمٰن مہدی کا یہ قول سُنا کہ اگر کوئی شخص اللہ کے ناموں میں سے نوے نام کے ساتھ نماز شروع کرے لیکن تکبیر نہ کہے، تو یہ اُسے کافی نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص سلام پھیرنے سے پہلے بے وضو ہو جائے تو میں اُسے یہ حکم دوں گا کہ وضو کر کے اپنی جگہ واپس آئے اور سلام پھیرے۔ بے شک حکم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی صورت پر (برقرار) ہے۔

ابونضرۃ کا نام منذر بن مالک بن قُطعہ ہے۔

تخریج حدیث 238: (سنن ابی داؤد، باب فرض الوضوء، ج 1، ص 16، حدیث 61، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب مفتاح الصلاۃ الطہور، ج 1، ص 101، حدیث 275، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ الآثار لابی یوسف، باب الوضوء، ج 1، ص 1، حدیث 1، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ الآثار لمحمد بن الحسن، باب الوضوء، ج 1، ص 5، حدیث 4، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

47/47

شرح حدیث

طہور کو مفتاح قرار دینے کی وجہ

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ابن عربی فرماتے ہیں: یہ اس چیز سے مجاز ہے جو نماز کے تالے کو کھولتی ہے وہ اس طرح کہ حدث نماز سے مانع ہے تو وہ اس تالے کی طرح ہے جو محدث پر لگا ہوا ہے یہاں تک کہ جب محدث وضو کرے گا تو یہ تالا کھل جائے گا، یہ ایک بعید استعارہ ہے جس کی معرفت پر صاحب نبوت ہی قادر ہو سکتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ نماز جنت کی کنجی ہے کیونکہ جنت کے دروازے بند ہیں جن کو نیکیاں کھولتی ہیں اور نماز بھی نیکیوں کا ایک رکن ہے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ج1، ص36، جامعہ ام القرای، مکۃ المکرمۃ)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارہ بالکنایۃ کے طریقہ پر نماز کو مقفل خزانے سے تشبیہ دی ہے اور استعارہ بالکنایۃ اس استعارہ کو کہتے ہیں جس میں (ارکانِ تشبیہ میں سے) سوائے مشبہ کے کچھ ذکر نہیں کیا جاتا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارہ ترشیحیہ کے طور پر نماز کے لئے چابی کو ثابت فرمایا ہے اور استعارہ ترشیحیہ اس استعارہ کو کہتے ہیں جس میں مستعار منہ کے مناسب کو مستعار لہ کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

(شرح سنن ابی داود للعینی، کتاب الطھارۃ، باب فرض الوضوء، 1/182، مکتبۃ الرشد، الریاض)

تکبیر کو تحریم اور سلام کو تحلیل کہنے کی وجہ

تکبیر کہتے ہی نمازی پر منافی نماز کام حرام ہو جاتے ہیں اس لئے اسے تحریم کہتے ہیں اور سلام پھیرتے ہی وہ کام پھر سے حلال ہو جاتے ہیں اس لئے سلام کو تحلیل کہتے ہیں علامہ سیوطی فرماتے ہیں: نماز چونکہ بہت سے کاموں کو حرام کر دیتی ہے اس لئے اس کے اول عمل یعنی تکبیر کو تحریم کہا گیا ہے اور تکبیر کہنے سے جو خارجِ نماز افعال وکلام نمازی پر حرام ہوئے تھے وہ سلام پھیرنے سے حلال ہو جاتے ہیں (اس لئے سلام کو تحلیل کہا گیا ہے۔)

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ج1، ص37، جامعہ ام القرای، مکۃ المکرمۃ)

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر اتفاق اور اس کے رکن یا شرط ہونے میں اختلاف ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مختصر طور پر رکن، شرط اور فرض کی وضاحت کر دی جائے تا کہ کسی طرح کا اشتباہ نہ ہو۔

رکن، شرط اور فرض کی تعریف اور لفظ ''فرض'' کا اطلاق

علامہ علاؤالدین حصکفی فرماتے ہیں:

کسی شے کا رکن اس امر لازم کو کہتے ہیں جو اس شے کی ماہیۃ میں داخل ہو اور شرط اس کی ماہیۃ سے خارج ہوتی ہے جبکہ لفظ فرض ان دونوں کو شامل ہے اور فرض اس امر کو کہتے ہیں جس کا لزوم قطعی ہو حتی کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے جیسے اصل مسح راس اور کبھی فرض کا اطلاق فرض عملی پر بھی کیا جاتا ہے اور فرض عملی اس امر کو کہتے ہیں جس کے فوت ہونے سے صحت عمل فوت ہو جائے جیسے فرائض میں اجتہادی مقداریں پس اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، ارکان الوضوء، 1/94، دار الفکر)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

اصطلاح شرع میں فرض اس امر کو کہتے ہیں جس کا کرنا دلیل قطعی سے لازم ہو عام ازیں کہ وہ شرط ہو یا رکن۔

(بحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/306، دار الکتاب الاسلامی)

علامہ عینی نے البنایہ اور علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں بھی یونہی ذکر کیا ہے کہ ''لفظ فرض شرط اور رکن دونوں کو شامل ہے اور فرض کا اطلاق ان دونوں پر کیا جاتا ہے۔''

(البنایۃ شرح الہدایۃ، کتاب الصلاۃ، باب فرائض الصلاۃ، تکبیرۃ الاحرام، 2/155، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/87، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تکبیر تحریمہ کی فرضیت

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر ائمہ اعلام کا اتفاق ہے اور اس بارے میں سوائے ابو بکر اصم اور اسماعیل بن علیہ کے کسی کو اختلاف نہیں، علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

جان لو کہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے قرآن کریم میں ہے ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھے۔ [پ۳۰، سورۃ الاعلی، آیت ۱۵] یہ آیت تکبیر تحریمہ کے بارے نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ ''اور اپنے رب کی ہی بڑائی بولو۔ [پ۲۹، سورۃ المدثر، آیت ۳] اس آیت میں بھی نماز کی تکبیر مراد ہے کیونکہ ائمہ تفسیر کے مطابق نماز کے علاوہ کوئی تکبیر واجب (فرض) نہیں۔ اور سنت سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ و ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا

التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ)) "طہارت نماز کی چابی ہے اور نماز کی تحریم تکبیر ہے اور نماز کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔" اس حدیث کو امام ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور اجماع سے یوں کہ اس کے واجب و ضروری ہونے میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، شیخ الاسلام کی مبسوط میں یوں ہی درج ہے، میں (محمود بن احمد عینی) کہتا ہوں: مبسوط سرخسی میں لکھا ہے کہ نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہنا لازم ہے لیکن ابو بکر اصم اور اسماعیل بن علیہ کے نزدیک ضروری نہیں، یہ دونوں کہتے ہیں کہ یوں مجرد نیت اور اذکار تکبیر یہ اور قراءت میں تنازع ہو جائے گا حالانکہ ائمہ تفسیر کے اجماع کے مطابق قرآن کریم میں تکبیر تحریمہ ہی مراد ہے نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر تکبیرات میں سے کوئی فرض نہیں پس (آیت مبارکہ میں) اسی کی فرضیت متعین ہے لہٰذا نص کے حکم کو معطل نہیں کیا جائے گا۔ (البنایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فرائض الصلاۃ، تکبیرۃ الاحرام، 156/2، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ملک العلما امام ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) لکھتے ہیں:

عامۂ علماء کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہے جبکہ ابو بکر اصم اور ابن علیہ نے کہا ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط نہیں اور بغیر تکبیر کہے فقط نیت سے نماز شروع ہونا صحیح ہے ان دونوں کا گمان یہ ہے کہ نماز افعال کا نام ہے اور اس میں اذکار نہیں ہیں یہاں تک کہ انہوں نے نماز میں قراءت کی فرضیت کا بھی انکار کیا ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، 130/1، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

تکبیر تحریمہ کے رکن یا شرط ہونے میں مذاہب اربعہ

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے جبکہ احناف رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک شرط ہے ہاں نماز جنازہ کی تکبیر تحریمہ احناف کے نزدیک بھی رکن ہے، شیخ دردیر مالکی (متوفی 1201ھ) ارکان نماز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نماز کا دوسرا فرض (رکن) تکبیر تحریمہ ہے۔ (الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی، باب الصلاۃ، فصل فی فرائض الصلاۃ، 306/1، دار المعارف)

شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی (متوفی 977ھ) فرماتے ہیں: ارکان نماز میں سے دوسرا رکن تکبیر احرام ہے۔ (مغنی المحتاج، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 344/1، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) لکھتے ہیں: تکبیر نماز کا رکن ہے بغیر اس کے نماز منعقد نہیں ہوتی۔ (المغنی لابن قدامۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل التکبیر رکن فی الصلاۃ، 334/1، مکتبۃ القاہرۃ)

امام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں: امام شافعی کے برخلاف ہمارے (احناف کے) نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہے یہاں تک کہ ہمارے نزدیک فرض کے لئے تکبیر تحریمہ کہنے والے کو اس تکبیر سے نفل ادا کرنا جائز ہے، امام شافعی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لئے وہ تمام چیزیں شرط ہیں جو دیگر ارکان کے لئے شرط ہیں اور یہ اس کی رکنیت

کی دلیل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھ۔[پ ۳۰، سورۃ الاعلیٰ، آیت ۱۵] میں تکبیر تحریمہ پر نماز کا عطف کیا ہے اور عطف مغایرۃ کا تقاضا کرتا ہے (لہٰذا تکبیر تحریمہ رکن یعنی جزو نماز نہیں بلکہ شرط ہے اور چونکہ یہ شرط ہے) اسی لئے دیگر ارکان کی طرح مکرر نہیں ہوتی اور (امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ) شرائط کی رعایت (خاص تکبیر تحریمہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ) اس سے متصل قیام کی وجہ سے ہے۔

(الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الصلاۃ باب صفۃ الصلاۃ، مدخل، 1/48، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سوال: ابھی مذکور ہوا کہ "احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن نہیں بلکہ شرط ہے۔" تو بعض کتب احناف میں جو تکبیر تحریمہ کو فرائض یعنی ارکان میں شمار کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی اس سوال کا جواب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حقیقۃً یہ (تکبیر تحریمہ) شرائط نماز سے ہے مگر چونکہ افعال نماز سے اس کو بہت زیادہ اتصال ہے، اس وجہ سے فرائض (ارکان) نماز میں اس کا شمار ہوا۔

(بہار شریعت، ج 1، ص 507، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تکبیر تحریمہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کہنا فرض ہے یا نہیں؟

ابھی گزرا کہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر اتفاق ہے، ائمہ ثلاثہ اسے نماز کا رکن بتاتے ہیں اور احناف شرط لیکن تکبیر تحریمہ کا فرض کس کس لفظ سے ادا ہو سکتا ہے یا بلفظ دیگر تکبیر تحریمہ میں کوئی خاص لفظ (مثلاً اللہ اکبر) کہنا فرض ہے یا نہیں؟ اس بارے اختلاف ہے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس فرض کی ادائیگی کے لئے خاص لفظ اللہ اکبر کہنا ہی ضروری ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کلمہ سے نماز منعقد نہیں ہوتی، شوافع کے نزدیک بھی کلمۂ تکبیر پر قدرت رکھنے والے کے لئے یہی لفظ متعین ہے لیکن اس قدر وسعت ہے کہ اگر کسی نے اللہ اکبر کی بجائے اللہ الا کبر کہا تو چونکہ یہ لفظ بھی تکبیر ہی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا تکبیر تحریمہ میں کفایت کر جائے گا نیز کلمات تکبیر کے درمیان یا آخر میں بعض صفات باری تعالیٰ کا اضافہ کیا اور اس اضافہ سے کلام ایسا طویل نہ ہوا کہ اسم تکبیر سے خارج ہو جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور احناف کے ہاں امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص درست طریقے سے تکبیر کہنے پر قادر ہے اس کے لئے لفظ تکبیر سے مشتق الفاظ (اللہ اکبر، اللہ الا کبر اور اللہ الکبیر) ہی کے ذریعے نماز میں داخل ہونا صحیح ہے جبکہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک ہر وہ ذکر جو خالصۃً اللہ تعالیٰ کی ثناء ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہی مراد لی جاتی ہو تو اس کے ذریعے نماز شروع کرنا صحیح ہے نیز امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ موقف تکبیر تحریمہ کا فرض ادا ہونے کے حوالے سے ہے ورنہ آپ کے نزدیک بھی مذکورہ بالا حدیث پاک کی وجہ سے تکبیر

تحریمہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کہنا واجب اور اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے، اور عند الاحناف امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف ہی مفتی بہ ہے۔

عبداللہ بن ابی زید قیروانی مالکی (متوفی 386ھ) فرماتے ہیں:
نماز کا احرام (تکبیر تحریمہ) یہ ہے کہ تو اللہ اکبر کہے اور (تکبیر تحریمہ میں) اس کے علاوہ کوئی کلمہ کفایت نہیں کرتا۔

(الرسالۃ للقیروانی، باب صفۃ العمل فی الصلوات المفروضۃ .... الخ، ص26، دار الفکر)

موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) لکھتے ہیں:
جب کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کہے ''اللہ اکبر'' اور ہمارے امام (سیدنا احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک اسی کلمہ کے ساتھ نماز منعقد ہوتی ہے (اس کے علاوہ سے نہیں ہوتی۔)

(المغنی لابن قدامۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مسألۃ الصلاۃ لا تنعقد الا بقول اللہ اکبر، 1/333، مکتبۃ القاہرۃ)

امام ابوزکریا یحیی بن شرف نووی شافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:
جو شخص تکبیر تحریمہ پر قادر ہے تو اس کے لئے کلمہ تکبیر ہی متعین ہے اور اس کے قریب کے کلمات جیسے ''الرحمٰن اجل''، ''الرب اعظم'' یا ''الرحمٰن الرحیم اکبر'' اسے کفایت نہیں کریں گے اور ایک وجہ شاذ کے مطابق الرحمٰن اکبر اور الرحیم اکبر کفایت کر جائیں گے اور اگر کسی نے ''اللہ الاکبر'' کہا تو مشہور قول کے مطابق "اللہ اکبر من کل شیئ" اور "اللہ اکبر واجل واعظم" کی طرح یہ بھی کفایت کر جائے گا اور اگر اللہ الجلیل اکبر کہا تو صحیح قول کے مطابق کفایت کرے گا۔ اور تکبیر تحریمہ کے دو کلمات کے درمیان اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی لفظ داخل کر دیا تو اگر الفاظ قلیل ہیں جیسے اللہ عزوجل اکبر تو یہ اختلاف اس میں بھی جاری ہوگا (یعنی صحیح قول کے مطابق یہ الفاظ بھی تکبیر تحریمہ میں کفایت کر جائیں گے) اور اگر کلام طویل ہو گیا مثلاً اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس اکبر کہا تو اسم تکبیر سے خارج ہونے کی وجہ سے یہ کلام ہرگز کفایت نہیں کرے گا۔ اور اگر اکبر اللہ یا الاکبر اللہ کہا تو مذہب کے مطابق نماز منعقد نہیں ہوگی اور کہا گیا ہے کہ اس بارے دو قول ہیں اور کہا گیا ہے کہ اول کلمہ سے منعقد نہیں ہوگی۔

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، کتاب الصلاۃ، فصل فی تکبیرۃ الاحرام، المکتب الاسلامی، بیروت)

ملک العلماء امام ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:
سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہو یا نہیں بہر صورت ہر وہ ذکر جو خالصۃً اللہ تعالیٰ کی ثناء ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہی مراد لی جاتی ہو تو اس کے ذریعے نماز شروع کرنا صحیح ہے مثلاً اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر، اللہ اجل، اللہ اعظم کہنا یا الحمد للہ، سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنا اور یونہی ہر وہ اسم جو کسی

صفت کے ساتھ ذکر کیا جائے جیسے الرحمٰن اعظم، الرحیم اجل وغیرہ اور یہی حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ لفظ تکبیر سے مشتق الفاظ ہی کے ذریعے نماز میں داخل ہونا صحیح ہے اور وہ تین الفاظ ہیں (1) اللہ اکبر (2) اللہ الا کبر (3) اللہ الکبیر، اِلّا یہ کہ کوئی شخص اچھی طرح تکبیر نہ کہہ سکتا ہو یا تکبیر سے نماز شروع کرنا نہ جانتا ہو۔

اور امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سوائے دو لفظوں اللہ اکبر اور اللہ الا کبر کے نماز شروع نہیں ہوگی، اور امام مالک فرماتے ہیں کہ سوائے ایک لفظ اللہ اکبر کے کسی سے نماز شروع نہیں ہوگی اور آپ رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان ((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ امْرِءٍ حَتّٰى يَضَعَ الطَّهُورَ مَوَاضِعَهُ وَيَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَيَقُولَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ)) ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ وہ طہارت کو اس کی جگہوں میں رکھے، قبلہ کو منہ کرے اور اللہ اکبر کہے۔'' سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ (اللہ اکبر) کے بغیر قبولیت نماز کی نفی فرمائی ہے لہٰذا تعلیل کی بجائے بعینہ نص میں وارد الفاظ کی رعایت واجب ہے کیونکہ تعلیل حکم کو متعدی کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ حکم نص کو باطل کرنے کے لئے جیسا کہ اذان میں ہے، اور اسی وجہ سے (کہ تعلیل حکم کو متعدی کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ حکم نص کو باطل کرنے کے لئے) رخسار اور تھوڑی پر سجدہ کرنے کو پیشانی پر سجدہ کے قائم مقام نہیں کیا جاتا، امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بھی اسی سے دلیل پکڑی ہے مگر آپ اللہ الا کبر کے بارے فرماتے ہیں کہ ان کلمات کا کہنے والا کلمات مشروعہ کو کسی قدر زیادتی کے ساتھ ادا کر رہا ہے اور زیادتی مانع نہیں ہے جس طرح کوئی اللہ اکبر کبیرا کہے۔ بہر حال جن الفاظ پہ شرع وارد ہے ان سے عدول جائز نہیں۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ)) سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حدیث میں لفظ تکبیر وارد ہے اور تکبیر ان تین الفاظ سے حاصل ہے کیونکہ اکبر (اسم تفضیل) بھی کبیر ہی (کے معنی میں) ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ [پارہ 21، سورۃ الروم، آیت 27] یہاں ﴿أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ ''هين عليه'' کے معنی میں ہے کیونکہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر کسی دوسری شے کی نسبت سہل نہیں بلکہ اس کی قدرت کے تحت داخل ہونے کے اعتبار سے بھی چیزیں ایک جیسی ہیں (یعنی اس کے لئے سب کچھ یکساں آسان ہے) نیز لفظ تکبیر کبریائی سے مشتق ہے اور کبریائی عظمت وقدم سے عبارت ہے کہا جاتا ہے ''هذا اكبر القوم'' ای ''اعظمهم منزلة واشرفهم قدرا'' اور کہا جاتا ہے ''هو اكبر من فلان'' ای ''اقدم منه'' پس معنی میں برابری نہ ہونے کی وجہ سے کسی لفظ کو ان کے قائم مقام کرنا ممکن نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اچھی طرح تکبیر نہ کہہ سکتا ہو یا یہ نہ جانتا ہو کہ نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے تو ہم ضرورتاً جواز کا حکم دیتے ہیں۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى﴾ اور اپنے رب کا نام

لے کر نماز پڑھ۔[پ ۳۰، سورۃ الاعلی، آیت ۱۵] سے حجت پکڑتے ہیں کہ یہاں نماز شروع کرنے کے لئے رب کا نام ذکر کرنا مراد ہے کیونکہ ذکر بعد نماز کو ایسے حرف کے ساتھ لایا گیا ہے جو تعقیب بلا فصل کو ثابت کرتا ہے اور وہ ذکر جس کے فوراً بعد بغیر کسی فاصلہ کے نماز ہو تکبیر تحریمہ ہی ہے پس مطلق ذکر کے ذریعے نماز میں داخل ہونا مشروع ہے لہٰذا اخبار آحاد کے ذریعے تحریمہ کو کبریائی سے مشتق الفاظ کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں، اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ماقبل میں بیان کردہ الفاظ کے ساتھ حکم کا جو تعلق ہے تو وہ ان الفاظ کے مطلق ذکر ہونے کی حیثیت سے ہے نہ کہ کسی خاص لفظ کے ساتھ ذکر ہونے کی حیثیت سے، اور یہ حدیث ((تَحْرِیمُهَا التَّکْبِیرُ)) اسی معنی سے معلول ہے اور اگر اس کی تعلیل نہ کی جائے تو کتاب اللہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے رد پر استدلال کریں گے کیونکہ اگر تعلیل کو ترک کیا جائے تو یہ حدیث حکم نص کو باطل کرنے کی طرف لے جاتی ہے اور تعلیل میں یہ معاملہ نہیں مزید یہ کہ لفظ تکبیر ذکر کر کے اس سے تعظیم مراد ہوتی ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے ﴿وَ کَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا﴾ [پ ۱۵، سورۃ بنی اسرآءیل، آیت ۱۱۱] یعنی ''عظمه تعظیما'' اس کی خوب تعظیم کرو، اور ارشاد فرماتا ہے ﴿فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَکْبَرْنَهٗ﴾ [پ ۱۲، سورۃ یوسف، آیت ۳۱] یعنی اس کی عظمت بیان کی، اور فرماتا ہے ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ [پ ۲۹، سورۃ المدثر، آیت ۳] یعنی اس کی عظمت و بڑائی بولو، تو حدیث پاک بھی تعظیم کے بارے ہی وارد ہے اور اللہ تعالی کا ذکر کوئی کسی بھی نام سے کرے اس نے اللہ تعالی کی عظمت بیان کی یونہی جس نے اللہ تعالی کی تسبیح بیان کی تو اس نے اللہ تعالی کی عظمت بیان کی اور علاماتِ حدث وصفات نقص وغیرہ ان امور سے اس کی تنزیہ بیان کی جو اس کے شایانِ شان نہیں تو وہ عظمت وقدم کے ساتھ اللہ تعالی کی توصیف کرنے والا ہے یونہی جب کسی نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا تب بھی ایسا ہی ہے کیونکہ جب اس نے اللہ تعالی کو تفرد اور الوہیۃ سے موصوف کیا تو عظمت وقدم سے موصوف کیا اور یہ اس لئے کہ ان دونوں کے بغیر الوہیۃ کا ثبوت محال ہے (اور امام مالک وشافعی علیہما الرحمۃ نے جو اعتراض کیا تھا کہ رخسار وتھوڑی پر سجدہ کو پیشانی پر سجدہ کے قائم مقام کیوں نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ) پیشانی پر سجدہ اور رخسار وتھوڑی پر سجدہ میں تعظیم کا تفاوت ہے (یعنی پیشانی پر سجدہ میں تعظیم زیادہ ہے اس لئے رخسار وتھوڑی پر سجدہ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا) بخلاف اذان کے کیونکہ اذان سے نماز کا اعلان مقصود ہوتا ہے اور وہ انہیں مشہور کلمات سے حاصل ہوتا ہے جو لوگوں میں متعارف ہیں یہاں تک کہ اگر ان الفاظ کے علاوہ سے نماز کا اعلان حاصل ہوتا ہو تو وہ بھی جائز ہیں حضرت حسن نے امام اعظم سے یونہی روایت کیا ہے اور امام ابو یوسف نے امالی اور حاکم نے منتقی میں امام اعظم سے یہی روایت کیا ہے اور اللہ اکبر اور الرحمن اکبر دونوں کے برابر ہونے پر دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔[پ ۱۵، سورۃ بنی اسرآءیل، آیت ۱۱۰] اور اسی وجہ سے رحمن اور رحیم کے نام پر ذبح کرنا بھی جائز ہے اور وہ دلیل جو طرفین کے مذہب کو ثابت کرتی

ہے وہ عبدالرحمٰن سلمی سے مروی روایت ہے کہ ''انبیاے کرام علیہم الصلوۃ والسلام ''لا الہ الا اللہ '' سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔''
اور ہمارے لئے ان کی پیروی ہے اور یہ کلام اس صورت میں تھا کہ جب اسم اور صفت کا ذکر کیا جائے۔

اور جب صرف اسم ذکر کیا جائے اس کے علاوہ کچھ مذکور نہ ہو مثلاً کوئی کہے: ''اللہ'' تو امام محمد کے نزدیک نماز شروع نہیں ہوگی جبکہ حضرت حسن امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ نماز شروع ہو جائے گی اسی طرح بشر از ابو یوسف از امام اعظم کی روایت میں ہے، امام محمد کی دلیل یہ ہے نص اسم وصفت دونوں کے بارے وارد ہے لہٰذا اسم پر اکتفا جائز نہیں، امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ نص معنیٰ تعظیم سے معلول ہے اور وہ مجرد اسم سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ (بالاتفاق) ''لا الہ الا اللہ '' سے نماز شروع ہو جاتی ہے اور اس میں نماز لفظ اللہ کی وجہ سے شروع ہوتی ہے نہ کہ نفی کی وجہ سے، اور اگر کسی نے ''اللھم اغفر لی '' کہا تو اس پر اجماع ہے کہ نماز شروع نہیں ہوگی کیونکہ یہ خالصۃً تعظیم نہیں بلکہ سوال اور دعا ہے۔

اور اگر کسی نے فارسی (غیر عربی) میں نماز شروع کی اور یوں کہا کہ خدائے بزرگ تر یا خدائے بزرگ تو امام اعظم کے نزدیک نماز شروع ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک شروع نہیں ہوگی الا یہ کہ وہ شخص عربی نہ جانتا ہو اور اگر کسی نے فارسی (غیر عربی) میں اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو بالا جماع جائز ہے پس امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ تو اس معاملہ میں اپنے اصول ''لفظ منصوص علیہ کی رعایت'' ہی پر چلتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان ((تحریمھا التکبیر)) کے باعث منصوص علیہ لفظ تکبیر ہے اور وہ فارسی زبان میں حاصل نہیں اور ذبح کے معاملہ میں منصوص علیہ مطلق ذکر ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ﴾ ''تو ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے'' [پارہ17، سورۃ الحج ،آیت36] اور یہ فارسی میں بھی حاصل ہے، امام محمد علیہ الرحمۃ دونوں میں فرق کرتے ہیں عربی کے دیگر الفاظ کی طرف انتقال کو جائز اور فارسی کی طرف انتقال کو نا جائز قرار دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ عربیت اپنی بلاغت و وجازت کی وجہ سے ایسے معانی پر دلالت کرتی ہے جس پر فارسی دلالت نہیں کرتی لہٰذا فارسی کی طرف انتقال کے وقت معنیٰ میں خلل کا احتمال ہے اسی طرح عربیت کو وہ فضیلت حاصل ہے جو دیگر زبانوں کو حاصل نہیں اسی وجہ سے عربی میں دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل کرامت کو جنت میں اسی زبان میں گفتگو کرنے کے ساتھ خاص فرمایا ہے لہٰذا کوئی دوسری زبان اس کی جگہ نہیں لے سکتی ،ہاں اگر کوئی شخص عربی ٹھیک سے نہ جانتا ہو تو بوجہ عذر جائز ہے اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کتاب اللہ پہ اعتماد کرتے ہوئے مطلق ذکر اور معنیٰ تعظیم کو معتبر جانتے ہیں اور یہ فارسی میں بھی حاصل ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل شرائط ارکان الصلاۃ، 1/131-130، دار الکتب العلمیہ بیروت)

محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ السلام (متوفی 861ھ) خاص لفظ اللہ اکبر کے وجوب اور اس

کے ترک کا مکروہِ تحریمی ہونا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((وَتَحْرِیمُهَا التَّکْبِیر)) میں لفظ تکبیر تعظیم کے معنی میں ہے اور تکبیر تحریمہ میں بھی یہی مراد ہے لہٰذا نص سے مقصود تعظیم ہے اور مخفی نہیں کہ تعظیم خاص لفظ اللہ اکبر کے علاوہ دیگر کو بھی شامل ہے، اور حدیث پاک سے جو خاص لفظ اللہ اکبر کا ثبوت ہے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے حتی کہ جو شخص اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہے اس کا اسے ترک کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ہم فاتحہ کے ساتھ (کسی اور سورت کی) قراءت اور رکوع و سجود میں تعدیل کے بارے کہتے ہیں، یونہی کافی میں ہے اور ظاہرا اس کلام سے تکبیر تحریمہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کے وجوب کا افادہ ہوتا ہے اور (اس عمل میں) ایسی مواظبت جس کے ساتھ ترک مقترن نہ ہو اس کا بھی یہی تقاضا ہے اس لئے لازم ہے کہ اسی پر اعتماد کیا جائے۔ (فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، 1/284، دار الفکر، ملتقطا)

صاحب بحر علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی مزید لکھتے ہیں:

اسی بناء پر تحفہ، ذخیرہ اور نہایہ میں جو ذکر کیا گیا کہ اصح قول کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک لفظ اللہ اکبر کے علاوہ سے نماز شروع کرنا مکروہ ہے تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ جہت ترک میں واجب کے رتبہ میں ہے لہٰذا امام سرخسی نے حضرت مجاہد سے مروی روایت: ((کَانَ الْأَنْبِیَاءُ یُفْتَتِحُونَ الصَّلَاۃَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) "انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام "لا الٰہ الا اللہ" سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔" اور ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام بھی انہیں میں سے ہیں، سے استدلال کرتے ہوئے جو یہ تصحیح ذکر فرمائی کہ اصح قول کے مطابق لفظ تکبیر کے علاوہ سے نماز شروع کرنا مکروہ نہیں تو یہ ضعیف ہے، پس اگر مذکورہ روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام مراد ہوں گے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خاص لفظ تکبیر سے نماز شروع کرنے پر مواظبت منقول ہے نیز مصنف نے مستصفی میں جو ذکر کیا کہ "دیگر نمازوں کے برخلاف نماز عید کی پہلی تکبیر میں لفظ اللہ اکبر کی رعایت واجب ہے۔" تو یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ آپ نے جان لیا کہ اس کی رعایت تمام نمازوں میں واجب ہے۔

(بحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، آداب الصلاۃ، 1/323، دار الکتاب الاسلامی)

سلام کے فرض یا واجب ہونے کی تحقیق

نماز کے آخر میں سلام پھیرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور نماز کا رکن ہے جبکہ (ہم) احناف کے نزدیک فرض نہیں بلکہ واجب ہے نیز ہمارے نزدیک دونوں جانب صرف لفظ "السلام" کہنا واجب ہے "علیکم" واجب نہیں۔

شیخ دردیر مالکی (متوفی 1201ھ) فرماتے ہیں: نماز کا دسواں اور آخری رکن سلام ہے۔

(الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی، باب الصلاۃ، فصل فی فرائض الصلاۃ، ج1، 315/1، دار المعارف)

شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی (متوفی 977ھ) فرماتے ہیں: ارکان نماز میں سے بارھواں رکن سلام ہے۔

(مغنی المحتاج، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، 385/1، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

شمس الدین عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں: پہلا سلام واجب (امر لازم) اور ارکانِ نماز میں سے ایک رکن ہے اور صحیح قول کے مطابق دوسرا اسلام سنت ہے اور اس بارے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ یہ بھی واجب ہے۔ (الشرح الکبیر علی المقنع، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل والتسلیمۃ الاولی... الخ، 589/1، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع، ملتقطاً)

امام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف ہمارے نزدیک لفظ سلام واجب ہے فرض نہیں، امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نبی مکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: ((تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ)) سے دلیل پکڑتے ہیں اور ہماری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پاک ہے (جو شرح معانی الآثار میں یوں مذکور ہے کہ حضور انور مالک بحر و بر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تشہد سکھائی اور فرمایا: ((فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ أَوْ قَضَيْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ)) جب تم یہ عمل کر لو یا اس سے فارغ ہو جاؤ تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی، اگر کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ، بیٹھنا چاہو تو بیٹھے رہو۔

(شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب السلام فی الصلاۃ... الخ، 275/1، حدیث 1641، عالم الکتب)

اور (حضرت ابن مسعود والی حدیث میں مذکور) تخییر فرضیت اور وجوب دونوں کے منافی ہے لیکن ہم نے ((تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ)) کے باعث احتیاطاً وجوب ثابت کیا ہے اور اس طرح کی حدیث سے فرض ثابت نہیں ہوتا۔

(الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مدخل، ج1، ص54، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علاؤ الدین حصکفی اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور لفظ ''سلام'' دو مرتبہ واجب'' ہے۔ پس اصح قول کے مطابق دوسرا اسلام بھی واجب ہے اور لفظ ''علیکم'' ہمارے نزدیک واجب نہیں۔''

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، ج1، 468/1، دار الفکر، بیروت، ملتقطاً)

سوال: جب اس حدیث سے طہارت اور تکبیر کی فرضیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو سلام کی فرضیت پر کیوں نہیں؟

جواب: ہمارے نزدیک طہارت اور تکبیر تحریمہ کی فرضیت اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى

الصَّلاۃِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ ...﴾[پ۶،المائدہ،آیت۶]اور﴿وَ ذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾[پ۳۰،سورۃالاعلی،آیت۱۵] سے ثابت ہے اور مذکورہ حدیث پاک ان کی فرضیت پر کوئی دلیل مستقل نہیں بلکہ صرف بطور تائید پیش کی جاتی ہے اور خبر واحد کو بطور تائید پیش کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں لیکن سلام کی فرضیت پر کوئی اور مستقل دلیل موجود نہیں اور مذکورہ حدیث چونکہ خبر واحد ہے اس لئے اس سے سلام کی فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا ہم سلام کو فرض نہیں مانتے بلکہ مذکورہ حدیث پاک کی وجہ سے احتیاطاً واجب قرار دیتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ سورت ملانا، مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

عندالاحناف سورۂ فاتحہ یا کوئی معینہ سورت فرض نہیں۔ مطلقاً قرأت یعنی ایک آیت کا پڑھنا اگرچہ چھوٹی ہو فرض کی دو رکعتوں میں اور وتر و نوافل کی ہر رکعت میں امام و منفرد پر فرض ہے۔ (فتاوی ہندیہ، الفصل الاول فی فرائض الصلاۃ، ج1، ص69، دارالفکر، بیروت)

اور سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت ملانا (یعنی ایک چھوٹی سورت یا ایک یا دو آیتیں تین چھوٹی کے برابر پڑھنا) فرض کی دو پہلی رکعتوں میں اور نفل و وتر کی ہر رکعت میں واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی واجبات الصلاۃ، ج1، ص69، دارالفکر، بیروت)

وجوبِ فاتحہ اور وجوبِ سورت پر ہماری ایک دلیل اس باب کی حدیث پاک ہے، اس حدیث پاک سے فرضیت ثابت نہ ہونے کے دلائل آگے باب نمبر (181) میں آرہے ہیں۔

حنابلہ کا مؤقف

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

نماز کے چودہ ارکان ہیں...... ان میں ایک فاتحہ کی قراءت ہے، اس کی دلیل یہ حدیث پاک ہے: ((لا صلاۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب)) ترجمہ: جس نے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ ہاں امام مقتدی کی قراءت کا متحمل ہوتا ہے۔ (الروض المربع شرح زادالمستقنع، فصل ارکان الصلاۃ وواجباتہا، ج1، ص102، دارالمؤید، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

فاتحہ کی قراءت نماز میں واجب (ضروری) ہے اور نماز کے ارکان میں ایک رکن ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوگی، امام احمد بن حنبل کے مشہور قول کے مطابق ایسا ہی ہے، اس کو ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ قراءت الفاتحۃ فی الصلاۃ، ج1، ص343، مکتبۃ القاہرہ)

یہی علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہر رکعت میں فاتحہ کی قراءت ضروری ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص246، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملانا سنت ہے، فجر میں طوال مفصل میں سے ملائے گا، مغرب میں قصار مفصل اور باقی تمام میں اوساط مفصل میں سے کوئی سورت ملائے گا۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص248،249، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز میں قرأت کے لیے سورۂ فاتحہ متعین ہے، اس پر قادر کی نماز اس کے بغیر نہیں ہوگی۔

(المجموع شرح المہذب، مسائل متعلقۃ بالتعوذ، ج3، ص327، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

نمازی پر لازم ہے کہ سورۂ فاتحہ کو ہر رکعت میں پڑھے، پس اگر ایک رکعت میں بھی ترک کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ (الحاوی الکبیر، فصل، ج2، ص109، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

سورہ فاتحہ کے بعد کسی سورت کی قراءت کرنا سنت ہے، حضرت عمر بن خطاب اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ سورہ فاتحہ کے بعد کچھ قران کی قراءت کرنا واجب ہے، کیونکہ جعفر بن میمون نے ابوعثمان سے روایت کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُنَادِيَ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فاتحة الكتاب فما زاد)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں یہ نداء کروں کہ سورہ فاتحہ اور جو اس پر زیادت ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ محمود بن ربیع نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أم القرآن عوضاً عَنْ غَيْرِهَا، وَلَيْسَ غَيْرُهَا مِنْهَا عِوَضٌ)) ترجمہ: سورۂ فاتحہ اپنے غیر کا عوض ہے اور سورہ فاتحہ کا کوئی عوض نہیں۔

(الحاوی الکبیر، فصل، ج2، ص113، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

امام ومنفرد کے لیے فرائض اورنوافل کی ہررکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے،اس کا غیراس کی جگہ کفایت نہیں کرے گا،اوراس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کوسراً یاجہراً قراءت نہیں کرے گا اور یہ امام مالک سے مشہورروایت ہے اوران کے اصحاب کے نزدیک ان کے مذہب کا حاصل یہی ہے۔ (الکافی فی فقہ اہل المدینہ،باب القراءۃ،ج1،ص201،مکتبۃ الریاض الحدیثۃ،ریاض)

مزید فرماتے ہیں:

"وما زاد علی قراءة الفاتحة سنة ولا يقرأ في الأخرتين من صلاة الأربع إلا بالحمد وحدها وكذلك الثالثة من المغرب" ترجمہ:سورہ فاتحہ کی قراءت پر جوزیادتی ہے وہ سنت ہےاور چاررکعتی نماز کی آخری دورکعتوں میں وہ قراءت نہیں کرے گا مگرصرف سورۂ فاتحہ پڑھے گااوراسی طرح مغرب کی تیسری رکعت میں (صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا)۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ،باب القراءۃ،ج1،ص202،مکتبۃ الریاض الحدیثۃ،ریاض)

نوٹ :سورۂ فاتحہ کےفرض ہونے پرائمہ ثلاثہ کے دلائل اورفرض نہ ہونے پراحناف کے دلائل آگے باب نمبر(181) میں آرہے ہیں۔

باب نمبر175

بَابُ فِی نَشْرِ الْاَصَابِعِ عِنْدَ التَّکْبِیرِ

تکبیر کے وقت انگلیوں میں کشادگی رکھنا

239- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَأَبُو سَعِيدٍ الأَشَجُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اليَمَانِ، عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سِمْعَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ نَشَرَ أَصَابِعَهُ، قال ابوعيسى: حديث ابي هريرة قَدْ رَوَاه غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سِمْعَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ يَحْيَى بْنِ اليَمَانِ، وَأَخْطَأَ ابْنُ اليَمَانِ فِي هَذَا الحَدِيثِ

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تکبیر کہتے وقت اپنی انگلیاں کشادہ رکھتے۔

متعدد راویوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابن ابی ذئب اور سعید بن سمعان کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو سیدھا کیے ہوئے اٹھاتے۔ اور یہ روایت، یحیی بن یمان کی روایت کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے۔ اور اس حدیث میں یحیی بن یمان سے خطا واقع ہوئی ہے۔

240- وحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ المَجِيدِ الحَنَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سِمْعَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا، قال ابوعيسى: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ اليَمَانِ، وَحَدِيثُ يَحْيَى بْنِ اليَمَانِ خَطَأٌ

حدیث: حضرت سعید بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو سیدھا کیے ہوئے اٹھاتے

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: امام عبداللہ (بخاری) نے فرمایا کہ یحیی بن یمان کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے۔ اور یحیی بن یمان کی روایت میں خطا ہے۔

تخریج حدیث 239: (مسند البزار، مسند ابی حمزۃ انس بن مالک، ج15، ص115، حدیث 8413، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ ☆ صحیح ابن خزیمہ، باب نشر الاصابع عند رفع

الیدین، ج1، ص233، حدیث458، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ السنن الکبریٰ للبیہقی، باب کیفیۃ رفع الیدین فی افتتاح الصلاۃ، ج2، ص42، حدیث2318، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

تخریج حدیث240: (سنن ابی داؤد، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ج1، ص200، حدیث753، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مسند ابی داؤد طیالسی، وما روی سعید بن سمعان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج4، ص127، حدیث2495، دارہجر، مصر ☆ مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج14، ص462، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے تکبیر کہتے تھے)) یعنی نماز کی تکبیر تحریمہ **((اپنے انگلیاں کشادہ رکھتے))** یعنی ان کو کھلا رکھتے، ان میں فاصلہ کرتے اس حال میں کہ وہ قبلہ کی طرف ہوتیں، کانوں کے اوپر والے حصہ تک۔ اسی سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل لی اور فرمایا: انگلیوں کو متوسط طور پر کھلا رکھنا سنت ہے اور بعض اس بات کی طرف گئے کہ کشادہ رکھنا مستحب نہیں، اور انہوں نے گمان کیا کہ حدیث مبارکہ کا معنی ہے کہ اپنی انگلیوں کو سیدھا رکھتے اور ان کو بند نہیں کرتے تو یہ اس حدیث کے معنی میں ہوگئی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ہاتھوں کو سیدھا کر کے اٹھایا۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، باب کان وھی الشمائل، ج5، ص159، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کی حکمتیں

علامہ مغلطای بن قلیج مصری حنفی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

(1) کہا گیا کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ بہرے کو نماز شروع ہونے کا علم ہو جائے، اور تکبیر اس لیے ہے کہ نابینا سن کر نماز کے شروع ہونے کو جان لے۔

(2) ایک قول یہ ہے کہ امور دنیا کو چھوڑنے اور نماز کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(شرح ابن ماجہ لمغلطای، باب اقامۃ الصلاۃ، ج1، ص1373، مکتبہ نزار مصطفی الباز، عرب)

علامہ محمود بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

(1) ایک قول یہ ہے کہ توحید کی طرف اشارہ ہے۔

(2) ایک قول اس کی حکمت میں یہ ہے کہ بہرا اس کو دیکھ لے تا کہ اسے نماز کے شروع ہونے کا علم ہو جائے، اور تکبیر

کے شروع ہونے کا علم ہو جائے۔

میں یہ حکمت ہے کہ نابینا سن لے تا کہ اسے نماز

(3) کہا گیا کہ یہ انقیاد یعنی فرمانبرداری ہے۔

(4) ایک قول یہ ہے کہ امور دنیا کو چھوڑنے اور نماز کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(5) اور ایک قول یہ ہے کہ عاجزی کا اظہار کرنا اور سلامتی مانگنا ہے کہ قیدی پر جب غلبہ پالیا جائے تو وہ اپنے ہاتھ اٹھا

دیتا ہے جو سلامتی مانگنے کی علامت ہوتی ہے۔

(6) اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کی تعظیم کی طرف اشارہ جس میں وہ داخل ہوا۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی رفع الیدین، ج3، ص295، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

(1) اس کی حکمت دنیا کو چھوڑنے اور عبادت کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(2) اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سلامتی مانگنا اور اطاعت کرنا ہے تاکہ اس کا فعل اللہ اکبر قول کے مطابق ہو جائے۔

(3) اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جس میں داخل ہوا اس کی تعظیم ہے۔

(4) اور ایک قول یہ ہے کہ تمامِ قیام کی طرف اشارہ ہے۔

(5) اور ایک قول یہ ہے کہ عابد و معبود کے درمیان حجاب اٹھنے کی طرف اشارہ ہے۔

(6) اور کہا گیا تاکہ وہ اپنے تمام بدن کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، باب کان وھی الشمائل، ج5، ص154، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کا حکم اور کہاں تک اٹھانے ہیں، مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ میں وہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ اس کے انگوٹھے اس کے کان کی لو کے برابر ہو جائیں اور انگلیوں کے سرے کان کے اوپر والے حصہ کے برابر ہو جائیں اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج1، ص11، دار المعرفہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی فرماتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تکبیر کے لیے اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے، ماوردی نے کہا: تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو اٹھانا بالاتفاق مسنون ہے لیکن ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے اس بارے میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے۔ (الحاوی الکبیر، مسئلہ، ج2، ص98، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مزید دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہماری دلیل حضرت عبید اللہ بن ابی رافع کی روایت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ:((اَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَيَصْنَعُ مِثْلَ ذَلِكَ إِذَا قَضَى قِرَاءَتَهُ وَأَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَيَصْنَعُهُ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھاتے، اور جب قراءت مکمل ہوتی اور رکوع کا ارداہ کرتے تو اسی کی مثل کرتے، اور جب رکوع سے اٹھتے تو اسی طرح کرتے۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو حمید ساعدی، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھاتے۔

(الحاوی الکبیر، مسئلہ، ج2، ص98,99، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو الحسن علی بن احمد مالکی (متوفی 1189ھ) فرماتے ہیں:

تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔ (حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب الربانی، سجود السہو، ج1، ص321، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو القاسم محمد بن احمد غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے، کہا گیا کہ اپنے کندھوں کے برابر اٹھائے، کہا گیا کہ اپنے سینے کے برابر اٹھائے اور اقوال کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ کلائی کو سینے کے برابر، ہاتھ کے کنارے کو کندھوں کے برابر اور انگلیوں کے کنارے کو کانوں کے برابر کرے۔ (القوانین الفقہیہ، الباب التاسع فی القیام، ج1، ص43، مطبوعہ بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(اور جب تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے تو کانوں کے اوپر والے حصہ، یا کندھوں تک اٹھائے) ہمیں نماز کے شروع کے وقت ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے میں کسی کے اختلاف کا علم نہیں۔ ابن منذر نے کہا: اہل علم میں سے کسی کا اس بارے اختلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے، اور ہم نے حضرت ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرمایا:((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَبَعْدَمَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ))

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع کی تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھایا، اور جب رکوع کا ارادہ کیا اور رکوع کے بعد جب سر اٹھایا تو ہاتھ اٹھائے اور دو سجدوں کے درمیان ہاتھ نہیں اٹھائے۔ متفق علیہ۔

اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے اوپری حصہ یا کندھوں تک اٹھانے میں اختیار ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس جگہ تک اپنی انگلیوں کے کنارے پہنچائے، اور ان دونوں میں اختیار دیا گیا کہ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھوں تک ہاتھ اٹھانا، حضرت ابو حمید اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے، اور اسے حضرت علی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے اور یہی امام شافعی اور امام اسحاق کا قول ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا، اسے حضرت وائل بن حجر اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے، اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ رفع الدین عند افتتاح الصلاۃ، ج 1، ص 339، مکتبۃ القاہرہ)

احناف کے دلائل:

(1) صحیح مسلم میں ہے: ((عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ...... الخ)) ترجمہ: مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین۔۔۔، جلد 1، صفحہ 293، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(2) مسند احمد بن حنبل میں ہے: ((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَ إِبْهَامَاهُ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ)) ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں تک اٹھاتے تھے۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث البراء بن عازب، ج 30، ص 615، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(3) مسند احمد بن حنبل میں ہے: ((عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ كَبَّرَ، رَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ)) ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے تکبیر کہی تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں تک اٹھایا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث وائل بن حجر، ج 31، ص 164، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد شمس الائمہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

"والمصير إلى هذا أولى؛ لأن فيه إثبات الزيادة" ترجمہ: اس کی طرف پھیرنا اولی ہے کیونکہ اس میں اضافہ کو

ثابت کرنا ہے۔ (المبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج 1، ص 12، دار المعرفہ، بیروت)

(4) امام کے پیچھے نابینا اور بہرے بھی ہوتے ہیں تو حکم دیا گیا کہ تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہے تا کہ نابینا سن سکے اور ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا گیا تا کہ بہرے دیکھ لے اور جان لے کہ نماز شروع ہو چکی، اور یہ مقصود تب حاصل ہوگا جب وہ اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے گا۔ (المبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج 1، ص 12، دار المعرفہ، بیروت)

(5) احناف و دیگر ائمہ کی دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ ہاتھوں کا گٹا کندھوں تک یا تھوڑا اسا اوپر ہو اور انگوٹھا کانوں کی لوتک ہو جیسا کہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں صراحت ہے: ((عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ)) ترجمہ: عبد الجبار بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا اور انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کیا پھر تکبیر کہی۔ (سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 192، حدیث 724، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

(6) شوافع کے دلائل میں سے ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، اور ان کا اپنا عمل اس کے برعکس مروی ہے۔ موطا امام مالک میں ہے: ((عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ حَكِيمٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةِ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَلَمْ يَرْفَعْهُمَا فِيمَا سِوَى ذَلِكَ)) ترجمہ: عبد العزیز بن حکیم فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھاتے، اور اس کے سوا کسی اور جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے۔ (موطا امام مالک، باب افتتاح الصلاۃ، ج 1، ص 59، المکتبۃ العلمیہ)

(7) فقہاء احناف نے دونوں طرح کی احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی ہے کہ حضور علیہ السلام کا بعض مواقع پر کندھوں تک ہاتھ اٹھانا کسی عذر کے سبب ہے ورنہ سنت کانوں کی لوتک ہاتھ اٹھانا ہے۔ علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں: "والجواب عن حديث رفع اليدين إلى المنكبين: أنه محمول على حالة العذر. وقال الطحاوي في "شرح الآثار" "إنما كان رفعهم الأيدي إلى المناكب لعلة البُرد، بدليل أن وائل ابن حُجر "روى الرفع إلى الأذنين قال في حديثه: ثم أتيته من العام المقبل وعليهم الأكسية والبرانس، فكانوا يرفعون أيديهم إلى المناكب، قال: وتحمل أحاديث المناكب على حالة العذر، وتتفق الآثار بذلك" ترجمہ: جس حدیث میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حالت عذر پر محمول ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الآثار میں فرمایا: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانا سردی کے عذر کے سبب تھا۔ اس پر دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، انہوں نے

کانوں تک ہاتھ اٹھانا روایت کیا ہے، انہوں نے اپنی حدیث میں کہا: پھر میں آئندہ سال آیا تو ان پر چادریں اور ٹوپیاں تھیں تو وہ اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے۔ فرمایا: کندھوں والی حدیث کو حالت عذر پر محمول کیا جائے گا اور اس کے ساتھ آثار میں تطبیق ہو جائے گی۔ (شرح ابی داود للعینی، باب فی رفع الیدین، ج3، ص295، مکتبۃ الرشد، ریاض)

بوقتِ تکبیرِ تحریمہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے انگلیاں کھولنا

احناف کا مؤقف:

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

(تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھانا اور اپنی انگلیوں کو پھیلانا سنت ہے) اس لئے کہ مروی ہے: ((أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ نَاشِرًا أَصَابِعَهُ)) ترجمہ: حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو انگلیاں کھولے ہوئے اٹھاتے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بالکل ملا نہ دے اور نہ ہی بہت زیادہ کشادہ کرے بلکہ ان کو ان کی حالت پر کھلی ہوئی چھوڑ دے۔ (تبیین الحقائق، سنن الصلاۃ، ج1، ص106، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابو الحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الام" میں فرماتے ہیں: (تکبیر تحریمہ کے لیے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو کھولے) جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((ان النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان إذا كبر في الصلاة نشر أصابعه)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں تکبیر کہتے تو انگلیوں کو کشادہ رکھتے تھے۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، فرع فی رفع الیدین، ج2، ص174، دار المنہاج، جدہ)

حنابلہ کا مؤقف:

مقنع میں ہے:

تکبیر تحریمہ کی ابتدا میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے انگلیوں کو سیدھے کیے ہوئے، ایک دوسرے سے ملائے ہوئے اپنے کندھوں تک یا اپنے کانوں کے اوپر والے حصہ تک۔ (المقنع مع المبدع، تکبیرۃ الاحرام، ج1، ص379،380، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کے تحت علامہ ابراہیم بن محمد ابن مفلح حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

(انگلیوں کو سیدھے کئے ہوئے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے سبب:((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ مَدًّا)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سیدھے کئے ہوئے اٹھاتے تھے۔اسے امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔(ایک دوسرے کے ساتھ ملائے ہوئے) یہی مذہب ہے کیونکہ انگلیاں جب ملائی جائیں تو وہ سیدھی ہو جاتی ہیں۔اور امام احمد سے منقول ہے کہ کشادہ کی ہوئی ہوں، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ نَشَرَ أَصَابِعَهُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر دیتے۔اس کو امام احمد نے ذکر کیا اور اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ خطا ہے پھر اگر صحیح ہو تو اس کا معنی ہے سیدھا کرنا کیونکہ نشر تفریق کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ کپڑے کا پھیلانا۔اور ہاتھ اٹھانے میں دونوں ہاتھوں کا اندر والا حصہ قبلہ رو ہو، اس کو ابن تمیم، مبہج اور فروع نے ذکر کیا۔ (المبدع فی شرح المقنع، تکبیرۃ الاحرام، ج 1، ص380، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ شہاب الدین نفراوی (متوفی 1126ھ) فرماتے ہیں:

تینوں اقوال میں سے ہر ایک کے مطابق دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کھڑے ہوں اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر کرے اور انگلیاں کانوں کے برابر پہلے قول کے مطابق اور یہی رغبت کرنے والے کا طریقہ کیونکہ کسی چیز کی طرف رغبت کرنے والا اس کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا دیتا ہے اور سحنون کے نزدیک دونوں کو راہب (ڈرے ہوئے) کی طرح اٹھائے وہ اس طرح کہ ان کی پشت آسمان کی طرف کرے اور اندر والا حصہ زمین کی طرف۔

(الفواکہ الدوانی، باب صفۃ العمل فی الصلوات المفروضہ، ج 1، ص 177، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر176

بَابٌ فِي فَضْلِ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى

تکبیر اُولیٰ کی فضیلت

241- حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ، وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَا :حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، عَنْ طُعْمَةَ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ :بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ ،قال ابوعيسٰى : وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَنَسٍ مَوْقُوفًا، وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ إِلَّا مَا رَوَى سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، عَنْ طُعْمَةَ بْنِ عَمْرٍو "وَإِنَّمَا يُرْوَى هَذَا عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ الْبَجَلِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَوْلَهُ .حَدَّثَنَا بِذَلِكَ هَنَّادٌ قَالَ :حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ خَالِدِ بْنِ طَهْمَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ الْبَجَلِيِّ، عَنْ أَنَسٍ قَوْلَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ . وَرَوَى إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا .وَهَذَا حَدِيثٌ غَيْرُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ (کی رضا) کے لئے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے (یوں کہ) تکبیر اُولیٰ پاتا رہے تو اُس کے لئے دونجاتیں لکھ دی جائیں گی، ایک نجات آگ سے، اور (دوسری) نفاق سے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔ اور میرے علم میں نہیں کہ سلم بن قتیبہ عن طُعمہ بن عمرو کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہو۔

یہ حدیث حضرت حبیب بن ابوحبیب بجلی کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ کے قول کے طور پر مروی ہے۔ (اس کی سند یہ ہے) ہمیں ہناد نے یہ حدیث بیان کی، (وہ کہتے ہیں) ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی اور حضرت وکیع، خالد بن طہمان سے راوی (اور وہ) حبیب بن ابوحبیب بجلی سے راوی اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول روایت کرتے ہیں اور اُنہوں نے مرفوعاً اسے بیان نہیں کیا۔

اور اسماعیل بن عیاش نے یہ حدیث عمارہ بن غزیہ اور انس بن مالک کے واسطہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

مَحْفُوظٍ، وَهُوَ حَدِيثٌ مُرْسَلٌ . عُمَارَةُ بْنُ غَزِيَّةَ لَمْ يُدْرِكْ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَبِيبُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ يُكْنَى أَبَا الْكَشُوثَاءِ، وَيُقَالُ أَبُو عُمَيْرَةَ	یہ حدیث غیر محفوظ اور مرسل ہے (کیونکہ) عمارہ بن غزیہ نے انس بن مالک کو نہیں پایا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ حبیب بن ابی حبیب کی کنیت ابوالکشوثا ہے اور ایک قول کے مطابق ابوعُمیرہ ہے۔

تخریج حدیث 241: (مصنف عبدالرزاق، باب فضل الصلاۃ فی جماعۃ، ج1، ص528، حدیث 2019، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ معجم ابن الاعرابی، باب ی، ج2، ص610، حدیث 1175، دار ابن الجوزی، عرب ☆ شعب الایمان، فصل فی الصلوات الخمس فی الجماعۃ، ج4، ص346، حدیث 2615، مکتبۃ الرشد للنشر التوزیع، ریاض ☆ الترغیب فی فضائل الاعمال لابن شاہین، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ج1، ص26، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شرح حدیث

تکبیر اولیٰ سے مراد

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((تکبیر اولی)) اس کا ظاہر یہ ہے کہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ ہو، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ رکوع کے وقت ملنے والے مقتدی کی تکبیر تحریمہ کو بھی شامل ہو، لہذا نماز کو پانے سے مراد مکمل نماز کو جماعت کے ساتھ پانا ہوگا اور یہ پہلی رکعت کو پا کر نماز کو مکمل کرنے والا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی الماموم الخ، ج3، ص880، دار الفکر، بیروت)

علامہ علی قاری "شرح مسند ابی حنیفہ" میں فرماتے ہیں:

اصح قول یہ ہے کہ جس نے امام کو رکوع کی تکبیر سے قبل پالیا تو اس نے تکبیر اولی کو پالیا۔

(شرح مسند ابی حنیفہ، فضیلۃ التکبیرۃ الاولی، ج1، ص152، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

تکبیر اولیٰ کی فضیلت پانے کے وقت میں فقہاء نے کلام کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ جس نے پہلی رکعت کو پالیا تو اس نے تکبیر اولیٰ کی فضیلت کو پالیا۔ (فتاوی ہندیہ، الفصل الاول فی فرائض الصلاۃ، ج1، ص69، دار الفکر، بیروت)

بہار شریعت میں ہے:

پہلی رکعت کا رکوع مل گیا، تو تکبیر اولیٰ کی فضیلت پا گیا۔ (بہار شریعت، حصہ3، ص509، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نار و نفاق سے براءت

((آگ سے بری)) یعنی آگ سے خلاصی اور نجات پانا، کہا جاتا ہے: برء من الدین و العیب، ترجمہ: دین اور عیب سے بری ہو گیا یعنی خلاصی پا گیا ((نفاق سے بری)) علامہ طیبی نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں اس بات سے امن دے گا کہ وہ منافق والے عمل کرے، اور اس کو اہل اخلاص کے علم کی توفیق دے گا۔ اور آخرت میں اس کو اس عذاب سے امن میں رکھے گا جو منافقوں کو ہوگا اور وہ اس کے حق میں گواہی دے گا کہ یہ منافق نہیں کیونکہ منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے جبکہ اس کا حال ان کے برعکس ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کلام کیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی الماموم الخ، ج3، ص880، دار الفکر، بیروت)

چالیس دن کی وجہ

چالیس کے عدد میں سالکین کے لیے راز ہے، اللہ رب العلمین کی کتاب اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس کا واضح بیان ہے، ایک حدیث میں یہ ہے: ((مَنْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ظَهَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ)) ترجمہ: جو شخص چالیس دن اللہ عزوجل کے لیے اخلاص اختیار کرے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر ظاہر ہوں گے۔ گویا کہ زمانہ کی اس مقدار کو ہر کام میں کمال کیلئے معیار بنایا گیا ہے جیسا کہ عادات میں سے ہر عادت اس مقدار میں کامل ہو جاتی ہے، اللہ عزوجل حقائق اسرار اور دقائق آثار کو بہتر جانتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی المأموم الخ، ج3، ص880، دار الفکر، بیروت)

موقوف اور منقطع ہونے کے باوجود فضائل اعمال میں معمول بہ ہے

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا)) اور فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موقوفا مروی ہے، اسے میرک نے نقل کیا، میں نے کہا: اس طرح کی بات اپنی رائے سے نہیں کی جاسکتی تو اس طرح کی موقوف روایت کے لیے بھی مرفوع کا حکم ہے، علامہ ابن حجر نے فرمایا: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو منقطع سند کے ساتھ روایت کیا اور اس کے باوجود فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جائے گا۔ بزار اور ابوداؤد نے روایت کیا: ((لِكُلِّ شَيْءٍ صَفْوَةٌ وَ صَفْوَةُ الصَّلَاةِ التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى، فَحَافِظُوا عَلَيْهَا)) ترجمہ: ہر شے کے لیے عمدگی ہے اور نماز کی عمدگی تکبیر اولی کے ساتھ ہے تو اس پر محافظت کرو۔ اسی وجہ سے تکبیر اولی کو پانا سنت مؤکدہ ہے، اور سلف صالحین میں سے کسی کی اگر تکبیر اولی فوت ہو جاتی تو تین دن تک وہ خود سے تعزیت کرتے، اور ان حضرات میں سے کسی کی جماعت فوت جاتی تو سات دن تک اپنے آپ سے تعزیت کرتے، اھ۔ اور گویا کہ ان کا جمعہ فوت نہیں ہوا، ورنہ وہ ستر روز خود سے تعزیت کرتے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی المأموم الخ، ج3، ص880، دار الفکر، بیروت)

تکبیر اولی کے فضائل اور اس کی ترغیب

(1) جامع الترمذی میں ہے: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کی رضا کے لئے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے (یوں کہ) تکبیر اُولی پاتا رہے تو اُس کے لئے دو نجاتیں لکھ دی جائیں گی، ایک نجات آگ سے، اور دوسری نفاق سے۔

(جامع الترمذی، باب فی فضل التکبیرۃ الاولی، ج2، ص7، مصطفی البابی، مصر)

(2)سنن ابن ماجہ میں ہے:((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ:مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدٍ جَمَاعَةً أَرْبَعِينَ لَيْلَةً لَا تَفُوتُهُ الرَّكْعَةُ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهَا عِتْقًا مِنَ النَّارِ)) ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص چالیس راتیں مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھے کہ عشا کی رکعت اولیٰ (تکبیرہ اُولیٰ) فوت نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھ دے گا۔

(سنن ابن ماجہ، باب صلاۃ العشاء والفجر فی جماعۃ، ج1، ص261، داراحیاء الکتب العربیہ، حلب)

(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((لِكُلِّ شيء صفوة وصفوة الصَّلاة التكبيرة الأولى)) ترجمہ: ہر شے کے لیے ایک عمدگی ہے اور نماز کی عمدگی تکبیر تحریمہ ہے۔

(مسند بزار، مسند ابی حمزہ انس بن مالک، ج17، ص110، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

(4) حضرت مجاہد فرماتے ہیں:((سَمِعْتُ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بَدْرًا، قَالَ لِابْنِهِ:أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ مَعَنَا؟قَالَ:أَدْرَكْتَ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى؟ قَالَ:لَا قَالَ:لَمَا فَاتَكَ مِنْهَا خَيْرٌ مِنْ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا سُودُ الْعَيْنِ)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص کو فرماتے ہوئے سنا: میں انہیں اتنا ہی جانتا ہوں کہ انہوں نے بدر میں شرکت کی ہے، انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا: کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز کو پایا؟ کیا تو نے تکبیر اولی کو پایا؟ اس نے کہا: نہیں، فرمایا: جب تو سو اونٹنیاں جو سب کی سب سیاہ آنکھوں والی ہوں ان سے بھی زیادہ خیر تم سے فوت ہوگئی۔

(مصنف عبدالرزاق، باب فضل الصلاۃ فی جماعۃ، ج1، ص528، المکتب الاسلامی، بیروت)

(5) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((لِكُلِّ شَيْءٍ أُنُفَةٌ وَأَنَّ أُنُفَةَ الصَّلَاةِ: التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى، فَحَافِظُوا عَلَيْهَا)) ترجمہ: ہر چیز کے لیے ایک شادابی ہے اور نماز کے شادابی تکبیر اولیٰ ہے تو اس پر محافظت کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ماروا ہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ، ج1، ص55، دارالوطن، ریاض ☆ مسند الشامیین للطبرانی، رجاء عن ام الدرداء، ج3، ص214، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

(6) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((مَنْ سَبَقَ إِلَى الصَّلَاةِ إِلَى الْمَسْجِدِ خَوْفَ أَنْ تَفُوتَهُ التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى، أَدْخَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى الْجَنَّةَ وَمَنْ شَغَلَهُ عَنْهَا غَيْرُهَا، لَمْ يُدْرِكْ مَا فَاتَهُ مِنْهَا بِعَمَلِ سَنَةٍ)) ترجمہ: جو نماز باجماعت کیلئے مسجد کی طرف چلا خوف کرتے ہوئے کہ اس کی تکبیر اولی فوت نہ ہو جائے تو اللہ عزوجل اسے جنت میں داخل فرمائے گا، جس کو اس کے غیر نے تکبیر اولی سے مشغول رکھا تو جو اس سے فوت ہوا اس کو وہ ایک سال کے عمل کے ساتھ بھی نہیں پاسکتا۔

(حدیث ابی الفضل الزہری، من سبق الی الصلاۃ الی المسجد الخ، ج1، ص621، اضواء السلف، ریاض)

(7) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى يُدْرِكُهَا أَحَدُكُمْ مَعَ الْإِمَامِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ بَدَنَةٍ يُهْدِيهَا)) ترجمہ: تم میں سے کسی کا امام کے ساتھ تکبیر اولی کو پانا ایک ہزار جانور ہدیہ کرنے سے بہتر ہے۔

(الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک، باب فضل تکبیرۃ الاحرام، ج1، ص43، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(8) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((اجْتَمَعَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ حُذَيْفَةُ قَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: مَا يَسُرُّنِي أَنِّي فَاتَتْنِي التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى مَعَ الْإِمَامِ وَأَنَّ لِي خَمْسِينَ مِنَ الْغَنَمِ. وَقَالَ الْآخَرُ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّهَا فَاتَتْنِي مَعَ الْإِمَامِ وَأَنَّ لِي مِائَةً مِنَ الْغَنَمِ. وَقَالَ الْآخَرُ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّهَا فَاتَتْنِي مَعَ الْإِمَامِ وَأَنَّ لِي مَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. وَقَالَ الْآخَرُ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّهَا فَاتَتْنِي مَعَ الْإِمَامِ وَأَنِّي صَلَّيْتُ مِنَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ إِلَى الْفَجْرِ، وَلَوْ فَعَلْتُ مَا رَأَيْتُ أَنِّي فَعَلْتُ مَا فَاتَتْنِي)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام علیہم الرضوان ایک جگہ جمع ہوئے ان میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان میں سے ایک آدمی نے کہا: مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میری تکبیر اولی امام کے ساتھ فوت ہو جائے اور میری پاس پچاس بکریاں ہوں، دوسرا بولا: مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میری تکبیر اولی امام کے ساتھ فوت ہو جائے اور میری پاس سو بکریاں ہوں، ایک اور نے کہا: مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی میری تکبیر اولی امام کے ساتھ فوت ہو جائے اور میرے لئے ہر وہ چیز ہو جس پر سورج طلوع ہوا، ایک اور نے کہا: مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میری تکبیر اولی امام کے ساتھ فوت ہو جائے اور میں عشاء سے فجر تک نماز پڑھوں، اور اگر میں ایسا کروں تو میں نہیں سمجھتا کہ میں وہ کر پاؤں جو مجھ سے فوت ہو گیا۔

(الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک، باب فضل تکبیرۃ الاحرام، ج1، ص43، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(9) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى وَصَلَاةُ الْقِيَامِ خَيْرٌ مِنْ إِبِلٍ أَلْفٍ)) ترجمہ: تکبیر اولی اور نماز کا قیام ہزار اونٹوں سے بہتر ہے۔

(الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک، باب فضل تکبیرۃ الاحرام، ج1، ص43، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(10) حضرت ابو العالیہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((مَنْ شَهِدَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ)) ترجمہ: جو شخص چالیس رات پانچوں نمازوں میں جماعت میں حاضر ہو کہ تکبیر اولی کا پالے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، باب فضل الصلاۃ فی جماعۃ، ج1، ص528، المکتب الاسلامی، بیروت)

(11) ثابت بنانی کہتے ہیں: ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي قَوْلِهِ ﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ قَالَ: التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے فرمان ﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ (بڑھ کر چلو اپنے رب کی

بخشش کی طرف)(الحدید21) کے بارے مروی ہے کہ یہ تکبیر اولی ہے۔

(شعب الایمان، فصل المشی الی المساجد، ج4، ص363، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(12) قاضی مَرْ وَ کہتے ہیں: ((سَمِعْتُ مُقَاتِلَ بْنَ سُلَيْمَانَ يَقُولُ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ قَالَ: التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى)) ترجمہ: میں نے مقاتل بن سلیمان کو اللہ عزوجل کے فرمان ﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ بڑھ کر چلو اپنے رب کی بخشش کی طرف) کے بارے فرماتے ہوئے سنا کہ یہ تکبیر اولی ہے۔

(شعب الایمان، فصل المشی الی المساجد، ج4، ص363، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

(13) حضرت وکیع فرماتے ہیں: ((مَنْ لَمْ يُدْرِكِ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى فَلَا تَرْجُو خَيْرَهُ)) ترجمہ: جو تکبیر اولی کو نہیں پاتا اس سے بھلائی کی امید نہیں۔ (الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک، باب فضل تکبیرۃ الاحرام، ج1، ص43، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(14) وَلید النخعی سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: عَلَيْكُمْ بِحَدِّ الصَّلَاةِ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى))

ترجمہ: حضرت عبداللہ نے کہا: تم پر نماز کی تکبیر اولی لازم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، فی فضل التکبیرۃ الاولی، ج1، ص271، دار الوطن، ریاض)

(15) حضرت خیثمہ فرماتے ہیں: ((بِكْرُ الصَّلَاةِ التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى)) ترجمہ: نماز کا شروع تکبیر اولیٰ ہے

(مصنف ابن ابی شیبہ، فی فضل التکبیرۃ الاولی، ج1، ص271، دار الوطن، ریاض)

(16) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں: ((إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَتَهَاوَنُ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى فَاغْسِلْ يَدَكَ مِنْهُ))

ترجمہ: جب تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ تکبیر اولی میں سستی کرتا ہے تو اس سے ہاتھ دھولے یعنی اس سے دور ہوجا۔

(حلیۃ الاولیاء، یزید بن شریک التیمی والد ابراہیم، ج4، ص215، دار الکتاب العربی، بیروت)

(17) حضرت سعید بن میسب فرماتے ہیں: ((مَا فَاتَتْنِي التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى مُنْذُ خَمْسِينَ سَنَةً وَمَا نَظَرْتُ فِي قَفَا رَجُلٍ فِي الصَّلَاةِ مُنْذُ خَمْسِينَ سَنَةً)) ترجمہ: میری پچاس سال میں کبھی تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی اور میں نے پچاس سال میں کبھی نماز میں کسی آدمی کی گدی کی طرف نظر نہیں کی۔ (حلیۃ الاولیاء، سعید بن میسب، ج2، ص163، دار الکتاب العربی، بیروت)

(18) حضرت وکیع کہتے ہیں: ((كَانَ الْأَعْمَشُ قَرِيبًا مِنْ سَبْعِينَ سَنَةً لَمْ تَفُتْهُ التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى، وَاخْتَلَفْتُ إِلَيْهِ قَرِيبًا مِنْ سِتِّينَ، فَمَا رَأَيْتُهُ يَقْضِي رَكْعَةً)) ترجمہ: امام اعمش کی عمر ستر سال تھی ان کی تکبیر اولی کبھی فوت نہ ہوئی، میں ساٹھ سال ان کے قریب آتا جاتا رہا میں نے کبھی ان کی ایک رکعت بھی قضا ہوتے ہوئے نہیں دیکھی۔

(حلیۃ الاولیاء، سلیمان الاعمش، ج5، ص49، دار الکتاب العربی، بیروت)

(19) اُسید بن جعفر بن بشر بن منصور کہتے ہیں: ((بِشْرُ بْنُ مَنْصُورٍ مَا فَاتَتْهُ التَّكْبِيرَةُ الْأُولَى قَطُّ)) ترجمہ: بشر

بن منصور کی تکبیر اولی کبھی بھی فوت نہ ہوئی۔ (حلیۃ الاولیاء، بشر بن منصور، ج6، ص240، دار الکتاب العربی، بیروت)

باب نمبر 177

بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

نماز شروع کرتے وقت کیا کہے؟

242- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْبَصْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَلِيٍّ الرِّفَاعِيِّ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ بِاللَّيْلِ كَبَّرَ، ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، ثُمَّ يَقُولُ: أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، وَابْنِ عُمَرَ، قال ابوعيسى: وَحَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ أَشْهَرُ حَدِيثٍ فِي هَذَا الْبَابِ، وَقَدْ أَخَذَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَأَمَّا أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَقَالُوا: إِنَّمَا يُرْوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت نماز کے لئے قیام فرماتے تو تکبیر کہتے اور پھر یہ پڑھتے "سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك" پھر کہتے "الله أكبر كبيرا" اور پھر پڑھتے "أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم، من همزه ونفخه ونفثه"

اس باب میں حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث زیادہ مشہور ہے۔

علما کی ایک جماعت نے اس حدیث کو اختیار کیا لیکن اکثر علما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صرف یہ مروی ہے کہ آپ کہا کرتے: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔ اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن

أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ، وَغَيْرِهِمْ وَقَدْ تُكُلِّمَ فِي إِسْنَادِ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ، كَانَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ يَتَكَلَّمُ فِي عَلِيِّ بْنِ عَلِيٍّ الرِّفَاعِيِّ "، وقَالَ أَحْمَدُ :لَا يَصِحُّ هَذَا الحَدِيثُ

مسعود رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے، تابعین وغیر تابعین میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

اور حضرت ابو سعید کی حدیث کی سند میں کلام کیا گیا ہے، یحییٰ بن سعید، علی بن علی کے متعلق کلام کرتے تھے، اور امام احمد فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

243- حَدَّثَنَا الحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ أَبِي الرِّجَالِ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ : سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، قال ابوعيسى :هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَحَارِثَةُ قَدْ تُكُلِّمَ فِيهِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، وَأَبُو الرِّجَالِ اسْمُهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ المَدِينِيُّ "

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو آپ یہ پڑھتے "سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك"

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کو ہم صرف اسی طریق سے پہچانتے ہیں۔

حارثہ کے حفظ میں کلام کیا گیا۔ ابو رجال کا نام محمد بن عبد الرحمٰن ہے۔

تخریج حدیث242: (سنن ابی داؤد، باب من رای الاستفتاح بسبحانک اللھم الخ، ج1 ص206، حدیث775، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاۃ، ج2، ص132، حدیث899، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب افتتاح الصلاۃ، ج1 ص264، حدیث804، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

تخریج حدیث234: (سنن ابی داؤد، باب من رای الاستفتاح بسبحانک اللھم الخ، ج1، ص206، حدیث776، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب افتتاح الصلاۃ، ج1، ص265، حدیث806، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

"ثناء" کا معنی

علامہ محمد بن قاسم الانباری (متوفی 328ھ) فرماتے ہیں:

"سبحانک" کا معنی ہے: اے ہمارے رب تو اولاد، زوجہ اور شرکاء سے منزہ ہے، یعنی ہم تیری تنزیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ (الزاہر فی معانی کلمات الناس، معنی قولہم سبحانک، ج1، ص49، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

"وبحمدک" یعنی اے مولا عزوجل! تیری حمد وثنا سے ہم ابتداء کرتے ہیں، اور تیری حمد وثنا سے افتتاح کرتے ہیں، تو یہاں فعل محذوف ہے اس پر معنی کی دلالت کے سبب۔ (الزاہر فی معانی کلمات الناس، معنی قولہم وبحمدک، ج1، ص52، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

"تعالی جدک" یعنی تیرا جلال بلند ہے اور تیری عظمت بہت ارفع واعلی ہے۔

(الزاہر فی معانی کلمات الناس، معنی قولہم تعالی جدک، ج1، ص54، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

لفظِ شیطان کے معنی اور وجہ تسمیہ

علامہ محمد بن قاسم الانباری (متوفی 328ھ) فرماتے ہیں:

شیطان کے بارے دو قول ہیں:

پہلا قول: اس کو شیطان نام دیا گیا کیونکہ وہ خیر سے دور ہے اور یہ لفظ عرب کے قول "دار شطون" (ایسا گھر جو دور ہو) سے اخذ کیا گیا اور اور شطون کا معنی ہے دور۔

دوسرا قول: اس کی سرکشی اور ہلاکت کے سبب شیطان کو یہ نام دیا گیا کیونکہ، اور یہ عرب لوگوں کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ "قد شاط الرجل یشیط" جب وہ ہلاک ہو جائے۔ (الزاہر فی معانی کلمات الناس، معنی قولہم اعوذ الخ، ج1، ص56، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

رجیم کا معنی

رجیم کے بارے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: اس کا معنی ہے مرجوم بالنجوم یعنی جسے ستاروں کے ذریعے رجم کیا گیا ہو، تو اسے مرجوم سے رجیم کی طرف پھیر دیا گیا۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ رجیم کا معنی مرجوم یعنی جو سب وشتم کیا ہوا ہو تو اس کا معنی وہ ہوگا جو اللہ عزوجل کے فرمان میں ہے: ((لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ)) ترجمہ: **بیشک اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے رجم کروں گا۔** یعنی میں تمہیں سب وشتم کروں گا........

تیسرا قول: الرجیم: بمعنی ملعون، یہ اہل تفسیر کا مذہب ہے، اور عرب لوگوں کے نزدیک ملعون کا معنی ہے مطرود یعنی دور کیا ہوا، جب عرب کہتے ہیں "لعن الله فلانا" تو اس کا معنی ہوتا ہے اللہ عزوجل اس کو دور کرے۔

(الزاہر فی معانی کلمات الناس، معنی قولہم اعوذ الخ، ج1، ص57، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

نماز میں ثنا اور تعوذ کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن حسین سغدی (متوفی 461ھ) فرماتے ہیں:

بہر حال وہ چیزیں جو سنن میں سے ہیں وہ گیارہ خصائل ہیں: پہلا: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا، دوسرا: اللہ عزوجل کی ثناء بیان کرنا، تیسرا: تعوذ پڑھنا......... (النتف فی الفتاوی للسغدی، المسنون، ج1، ص63، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

یہ کہتے ہوئے ہاتھ باندھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ فرض میں اس پر اضافہ نہ کرے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ساتھ یہ بھی ملایا جائے: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، اور ان دونوں میں سے جس سے چاہے ابتداء کرے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو جمع کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقط توجہ (وَجَّهْتُ وَجْهِيَ الخ) پڑھے کیونکہ حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر پڑھتے: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ........ الخ۔

اور ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ إِلَى آخِرِهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب نماز کی ابتدا فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ .... الخ۔ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو روایت کیا، یہی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور جمہور تابعین کا مذہب ہے، تو یہ ان دونوں پر حجت ہے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت نماز تہجد پر محمول ہے۔

اور جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی وہ ابتداء اسلام پر محمول ہے، پھر منسوخ ہو گئی اور آپ کے اصحاب سے اللہ عزوجل کے فرمان: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ﴾(الطور 48) کے بارے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: جب وہ نماز کے لیے کھڑا ہو تو کہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ .... الخ۔ اور اس وجہ سے کہ جو ہم نے کہا وہ اللہ عزوجل کی ثنا ہے تو یہ اپنے حال کی خبر دینے سے اولی ہے جیسا کہ حالت رکوع اور سجود میں اپنے حال کی خبر میں مشغول نہیں ہوتا یعنی وہ یہ نہیں کہتا: اے اللہ میں نے تیرے لیے رکوع کیا، تیرے لیے سجدہ کیا، بلکہ وہ تسبیح میں مشغول ہوتا ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ تکبیر سے پہلے بھی "انی وجھت وجھی" نہ پڑھے کیونکہ یہ قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے قیام کو لمبا کرنے کی طرف لے جائے گا اور یہ شرعاً مذموم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں حیرت زدہ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نیت اور تکبیر کے درمیان اس کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ عزیمت میں زیادہ بلیغ ہے۔

(تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاۃ وبیان احرامہا، ج1، ص111، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

علامہ علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

اور وہ مردود شیطان سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگے، اللہ عزوجل کے اس فرمان کے سبب: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ جب تو قرآن پڑھے تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ۔ (النحل 98)، اس کا معنی ہے کہ جب وہ قراءت کا ارادہ کرے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اللہ کی پناہ مانگے تا کہ وہ قرآن کے موافق ہو جائے اور اعوذ باللہ اس سے قریب ہے، پھر تعوذ قراءت کے تابع ہے نہ کہ ثنا کے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اس وجہ سے جو ہم نے آیت تلاوت کی یہاں تک مسبوق اس کو پڑھے نہ کہ مقتدی۔ (ہدایہ، مدخل، ج1، ص49، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

مسائل الامام احمد روایۃ ابی داؤد میں ہے:

میں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے عرض کی کیا نماز کی ابتدا "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ" سے کی جائے؟ فرمایا: جی ہاں۔ اور میں نے آپ سے دوسری بار یہی سوال کیا: تو فرمایا: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استفتاح نماز کی طرف گئے ہیں۔ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی: کیا وہ تکبیر سے قبل کچھ پڑھے گا؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے امام احمد کو فرماتے سنا جب آپ سے پوچھا گیا کہ آدمی کا تعوذ پڑھنا کیسا؟ فرمایا: جی ہاں، جب نماز کی ابتداء کرے تو پڑھے۔ (مسائل الامام احمد روایۃ ابی داؤد، الاستفتاح، ج1، ص46، مکتبہ ابن تیمیہ، مصر)

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

(مکروہ کہے: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك) اکثر اہل علم کے قول میں ثنا پڑھنا یہ نماز کی سنن میں سے ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نہیں بلکہ تکبیر کہے اور قراءت کرے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: ((كان النبي صلى الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر يفتتحون الصلاة بالحمد لله رب العالمين)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کرتے۔ متفق علیہ۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتدا اس کے ساتھ فرماتے تھے جو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور صحابہ کرام کا اسی پر عمل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں ثناء اونچی آواز سے پڑھتے تاکہ لوگ سن لیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسا ہی کرتے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں قراءت مراد ہے کہ قراءت کا آغاز سورۂ فاتحہ سے کرتے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے: ((قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين)) ترجمہ: میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نماز کو نصف نصف تقسیم کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تفسیر فاتحہ کے ساتھ کی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ: ((كان النبي صلى الله عليه وسلم يفتتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد لله رب العالمين)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا آغاز تکبیر اور الحمد للہ رب العالمین کی قراءت سے فرماتے۔ اس کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے کیونکہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل ذکر کیا ہے۔ امام احمد کا مذہب نماز آغاز ثنا سے ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، اگر آدمی نماز کا آغاز اس میں سے بعض کے ساتھ کرے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے تو یہ اچھا ہے اور امام احمد جس کی طرف گئے وہ اکثر اہل علم کی رائے ہے، ان میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن مسعود، امام ثوری، امام اسحاق اور اصحاب رائے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: تابعین وغیرہ میں سے اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ امام شافعی، ابن منذر اس آغاز کی طرف گئے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور یہ پڑھتے: ((وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا وما أنا من المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين، لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين، اللهم أنت الملك لا إله إلا أنت أنا عبدك ظلمت نفسي واعترفت بذنبي فاغفر لي ذنوبي جميعا انه لا يغفر الذنوب إلا أنت واهدني لاحسن الاخلاق لا يهدي لاحسنها إلا أنت واصرف عني سيئها لا يصرف عني سيئها إلا أنت لبيك وسعديك والخير كله في يديك والشر ليس اليك أنا بك واليك تباركت ربنا وتعاليت أستغفرك وأتوب اليك)) اسے

امام مسلم وابوداود نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو کچھ دیر خاموش رہتے اور فرمایا: تکبیر اور قراءت کے درمیان برکت ہے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاننا چاہتا ہوں آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان جو خاموش رہتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں، فرمایا: میں کہتا ہوں: ((اللهم باعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقني من خطاياي كما ينقي الثوب الأبيض من الدنس. اللهم اغسلني من خطاياي بالثلج والماء والبرد))، متفق علیہ۔ اور امام احمد نے اول ثنا اختیار کی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی ابتداء فرماتے تو یہ پڑھتے: ((سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك)) اسے امام ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا۔

امام نسائی، ترمذی کی روایت میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کیا، امام ترمذی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل کیا۔ اسی سبب امام احمد نے اس کو اختیار کیا اور اس کے علاوہ ثنا والے کلمات کو جائز مانا کیونکہ وہ صحیح ہیں مگر ان کے بارے جو احادیث ہیں ان کے بارے بعض علما نے کہا: وہ رات کی نماز کے بارے ہے اور اس وجہ سے اس پر عمل متروک ہے۔ اور ہم کسی ایک کو بھی نہیں جانتے جو وارد شدہ تمام ثنا کے کلمات ادا کرے، وہ بھی صرف اس کا اول ہی نماز کی ابتدا میں پڑھتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا: امام ثنا میں آواز بلند نہیں کرے گا، اسی پر عام اہل علم ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جہر نہیں کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں جہر اس سبب سے کیا کہ لوگ اسے جان لیں۔

اگر نمازی اسے بھول گیا یا اسے قصداً ترک کیا یہاں تک اس نے تعوذ شروع کر دی تو واپس نہ لوٹے کیونکہ یہ سنت ہے اس کا محل فوت ہو گیا، اسی طرح اگر تعوذ بھول گیا حتی کہ قراءت شروع کر دی تو اس کی طرف واپس نہ لوٹے،

(پھر کہے أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) نماز میں قراءت سے قبل تعوذ پڑھنا سنت ہے امام حسن، ابن سیرین، ثوری، اوزاعی، شافعی، اصحاب رائے کے نزدیک۔ اللہ عزوجل کے اس فرمان کے سبب: ﴿فإذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم﴾ ترجمہ: جب تو قرآن پڑھے تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ۔ (النحل 98) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ثناء پڑھتے پھر یہ پڑھتے: ((أعوذ بالله السميع العليم، من الشيطان الرجيم، من همزه و نفخه ونفثه))، امام ترمذی نے کہا یہ اس باب میں مشہور حدیث ہے۔ امام مالک نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے سبب وہ تعوذ نہیں پڑھے گا، اور اس بات کا

جواب پہلے گزر چکا، اور آیت مبارکہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے، ابن منذور نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قراءت سے قبل "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھتے تھے، امام احمد سے مروی ہے کہ تعوذ یوں پڑھے گا: ((أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم))، حضرت ابوسعید کی حدیث کے سبب کہ وہ اضافہ کو متضمن ہے، امام احمد بن حنبل سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے بعد یہ اضافہ بھی کرے گا: ((ان الله هو السميع العليم)) اور یہ تمام کی وسعت رکھتا ہے اور کسی بھی طرح استعاذ تو حسن ہے۔ (الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلہ وتصح الصلاۃ الیہا الا المقبرۃ ج1، ص515 تا 517، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

شوافع کا موقف:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نمازی تکبیر کے بعد یہ پڑھے: وجهت وجهي للذي فطر السموات وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ امام ماوردی نے کہا: یہ صحیح ہے، "توجہ" بالاجماع مسنون ہے، لیکن دو باتوں میں اختلاف ہے: ان میں سے ایک اس کے طریقہ میں، دوسرا اس کے محل میں۔ بہرحال توجہت کا طریقہ تو وہ ہے جسے امام شافعی نے ذکر کیا، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں ثناء وہ پڑھی جائے گی جو ابوالجوزاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی ابتداء فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَٰهَ غَيْرُكَ۔ ان کی دلیل ایک تو یہ حدیث پاک ہے اور اللہ سبحانہ کے اس فرمان سے استدلال ہے: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ﴾۔

ہماری دلیل: حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السموات وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي، وَنُسُكِي، وَمَحْيَايَ، وَمَمَاتِي، لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وأنا أول الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ، اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا لَا يَغْفِرُهَا إِلَّا أَنْتَ اصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ، وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔ اور عطاء بن یسار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی، امام شافعی اس روایت کی طرف تین وجوہ سے گئے ہیں: پہلی: یہ روایت کے اعتبار

سے اصح، سند کے اعتبار سے اثبت ہے اور متن کے اعتبار سے محدثین کے نزدیک مشہور ہے۔

دوسری: یہ قرآن عظیم کے موافق ہے اور مصلی کے حال سے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ وہ کئی انواع پر مشتمل ہے اور وہ ایک نوع ہے تو ہم جس طرف گئے ہیں وہ زیادہ بہتر ہے۔

تو جب ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد سنت وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا تو یہ مرد و عورت دونوں کے لیے فرض اور نفل دونوں میں سنت ہے مگر یہ کہ وہ امام ہو تو اس میں "وانا من المسلمین" تک اقتصار کرے۔ اس کے بعد والا کلام نہ پڑھے تا کہ نماز لمبی نہ ہو جائے اور لوگ اپنے مشاغل سے منقطع نہ ہو جائیں اور ان میں سے جو مریض ہیں وہ تکلیف نہ پائیں اور یہ کلمات نہ کہے: "وانا من المسلمین" کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔

مسئلہ: امام شافعی فرماتے ہیں: پھر تعوذ پڑھے اور کہے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، علامہ ماوردی نے کہا: یہ جیسے انہوں نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ "توجہ" کے بعد قراءت سے پہلے تعوذ پڑھے۔

(الحاوی الکبیر، مسئلہ، ج 2 ص 100 تا 102، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

مدونہ میں ہے:

امام مالک رضی اللہ عنہ اس کو درست نہیں سمجھتے تھے یہ جو کلمات لوگ ادا کرتے ہیں: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ اور وہ اس کو نہیں پہچانتے تھے، ابن وہب نے سفیان بن عیینہ سے اس نے ایوب سے اس نے قتادہ بن دعامہ سے اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نماز کی ابتدا ﴿ الحمد للہ رب العالمین ﴾ سے کرتے تھے۔ امام مالک نے کہا: جو امام کے پیچھے ہو، منفرد ہو اور جو امام ہو وہ یہ نہ کہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ بلکہ وہ تکبیر کہے پھر ابتداء قراءت سے کرے۔

(المدونہ، الاحرام للصلاۃ، ج 1، ص 161، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابو القاسم محمد بن احمد غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

دعا کو قراءت سے مقدم نہ کیا جائے اور نہ ہی "توجہ" (انی وجھت وجھی...... الخ) کو مقدم کرے۔ امام شافعی کے نزدیک تقدیم میں یہ ہے: وجھت وَجْهِی للّذی فطر السَّمٰوٰت وَالْاَرض آخر تک۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقدیم یہ ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ تبارك اسمك وَتَعَالَى جدك وَلَا إِلٰه غَيْرُكَ۔ اور نہ ہی تعوذ پڑھے، ان سب کے

برخلاف۔ (القوانین الفقہیہ، الباب العاشر فی القراءۃ، ج1، ص44، مطبوعہ بیروت)

"ثنا" کے ثبوت پر احادیث وآثار

متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے "ثنا" روایت کی ہے:

(1) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سنن دارقطنی میں ہے: ((حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْأَحْوَلُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ الْمَرْوَزِيُّ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَبِيبٍ، حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُمَرَ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ، قَالَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ

(سنن الدارقطنی، باب دعاء الاستفتاح بعد التکبیر، ج2، ص60، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی (متوفی 597ھ) فرماتے ہیں:

انہوں نے کہا: دارقطنی نے کہا اس شیخ یعنی عبد الرحمٰن بن عمرو نے اس کو مرفوعا ذکر کیا ہے، اور محفوظ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے کلام سے ہے۔ ہم کہتے ہیں: عبد الرحمٰن ثقہ ہے، اس سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے اور حضرت عمر پر اس کے موقوف ہونے کے بارے یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا اور بے شک انہوں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے ہی کہا ہوگا۔ (التحقیق فی مسائل الخلاف، مسئلہ سن الافتتاح، ج1، ص340، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(2) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسند ابی یعلیٰ میں ہے: ((حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْأَسْوَدِ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتداء فرماتے تو تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک اپنے انگوٹھے کانوں کے برابر کرتے، پھر آپ پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ (مسند ابی یعلیٰ موصلی، حمید الطویل عن انس بن مالک، ج6، ص389، دار المامون للتراث، دمشق)

اس کی سند کے بارے میں علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں: "هٰذَا إِسْنَادٌ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ" ترجمہ: اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (التحقیق فی مسائل الخلاف، مسئلہ یسن الافتتاح، ج 1، ص 341، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام طبرانی نے یوں روایت کی ہے: ((حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ أَنَسُ بْنُ سَلْمٍ الْخَوْلَانِيُّ، ثنا أَبُو الْأَصْبَغِ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ، ثنا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ عَائِذِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ)) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔

(الدعاء للطبرانی، جامع ابواب القول عند افتتاح الصلاۃ الخ، ج 1، ص 173، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(3) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سنن اربعہ میں ہے: ((حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَلِيٍّ الرِّفَاعِيِّ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ، ثُمَّ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ، ثُمَّ يَقُولُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ يَقُولُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثَلَاثًا، أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ)) ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ ۔ پھر تین بار کہتے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ پھر تین بار کہتے: اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ

(سنن ابی داؤد، باب من رای الاستفتاح بسبحانک الخ، ج 1، ص 206، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ جامع الترمذی، باب ما یقول عند افتتاح الصلاۃ، ج 2، ص 9، مصطفیٰ البابی، مصر ☆ سنن نسائی، نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاۃ، ج 2، ص 132، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب افتتاح الصلاۃ، ج 1، ص 264، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

(4) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے، واللفظ لابی داؤد: ((حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ الْمُلَائِيُّ، عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ)) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ

وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔

(سنن ابی داؤد، باب من رای الاستفتاح بسبحانک اللہم، ج1، ص206، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ جامع الترمذی، باب مایقول عند افتتاح الصلاۃ، ج2، ص11، مصطفی البابی، مصر ☆ سنن ابن ماجہ، باب افتتاح الصلاۃ، ج1، ص265، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

علامہ ابن جوزی اس حدیث پاک کے تحت لکھتے ہیں:

اگر معترض کہے کہ امام ابوداود نے کہا: اس حدیث کو عبدالسلام سے طلق بن غنام کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور یہ حدیث قوی نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ طلق ثقہ ہے امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے روایت بیان کی ہے اور اس کے ضعف کی کوئی وجہ نہیں، امام ترمذی نے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طریق سے روایت کیا ہے حارثہ بن ابی رجال عن عمرہ عن عائشہ۔ اور فرمایا: میں اس کو صرف اسی طریق سے پہچانتا ہوں، اھ۔ اور ہم نے اس کو اس کے علاوہ دوسرے طریق سے بھی ذکر کردیا ہے اور ہمیں حارثہ کی سند پسند نہیں کہ وہ سب کے نزدیک ضعیف ہے۔ (التحقیق فی مسائل الخلاف، مسئلہ سنن الافتتاح، ج1، ص342، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(5) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

امام طبرانی روایت کرتے ہیں: ((حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ ثنا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ فُلَيْحٍ الْمَكِّيُّ، ثنا الْمُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرٍ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔

(الدعاء للطبرانی، جامع ابواب القول عند افتتاح الصلاۃ الخ، ج1، ص173، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(6) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

المعجم الاوسط للطبرانی میں ہے: ((حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: نا ثَوْبَانُ قَالَ: نا سَعِيدُ بْنُ عُرْوَةَ الْبَصْرِيُّ قَالَ: نا عَلِيُّ بْنُ عَابِسٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا إِذَا اسْتَفْتَحْنَا الصَّلَاةَ أَنْ نَقُولَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ. وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَفْعَلُ ذَلِكَ. وَكَانَ عُمَرُ يُعَلِّمُنَا وَيَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهُ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھاتے تھے کہ جب ہم نماز شروع کریں تو یہ پڑھیں: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے، اور حضرت عمر رضی

اللہ عنہ ہمیں سکھاتے اور فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے تھے۔ (المعجم الاوسط، من اسمہ احمد، ج1، ص305، دار الحرمین، القاہرہ)

(7) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

المعجم الاوسط میں ہے: ((حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ زَكَرِيَّا ثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحُصَيْنِ الْعُقَيْلِيُّ، نا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْقُرَشِيُّ، ثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)) لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ مَكْحُولٍ إِلَّا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ، وَابْنُ جَابِرٍ، وَلَا رَوَاهُ عَنْهُمَا إِلَّا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، تَفَرَّدَ بِهِ: عَمْرُو بْنُ الْحُصَيْنِ، وَلَا يُرْوَى عَنْ وَاثِلَةَ إِلَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ" ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ اس حدیث کو مکحول کے علاوہ سے ذکر نہیں کیا مگر سعید بن عبدالملک بن مروان اور ابن جابر نے، اور ان دونوں سے روایت نہیں کیا مگر عبدالملک بن عبدالملک نے، عمرو بن حصین اس میں متفرد ہیں اور اس کو واثلہ سے روایت نہیں کیا مگر اسی اسناد سے۔ (المعجم الاوسط، من اسمہ موسیٰ، ج8، ص185، دار الحرمین، القاہرہ)

(8) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل:

صحیح مسلم میں ہے: ((انَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَجْهَرُ بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)) ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کلمات کو بلند آواز سے ادا فرماتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، تَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔

(صحیح مسلم، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ، ج1، ص299، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(9) حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا عمل۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے: ((عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعَنْ عُمَرَ، وَعَنْ عُثْمَانَ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا اسْتَفْتَحُوا قَالُوا: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)) ترجمہ: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جب یہ نماز شروع کرتے تو کہتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب استفتاح الصلاۃ، ج2، ص75، المکتب الاسلامی، بیروت)

امام شافعی کے احتجاج کا جواب

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

امام شافعی نے دو حدیثوں سے حجت پکڑی ہے، پہلی حدیث: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی ابتداء فرماتے تو تکبیر کہتے اور پھر یہ پڑھتے: وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي ونسكي ومحياى وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۔ دوسری حدیث: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی ابتداء فرماتے تو پڑھتے: إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وبذلك أمرت وأنا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ وأحسن الْأَعْمَالِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وقنى سيء الْأَخْلَاق والْأَعْمَال لَا يَقِي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔

جواب یہ ہے کہ یہ دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص وقت پڑھتے یا اول اسلام میں حکم تھا یا نوافل میں پڑھتے یا ثنا کے بعد پڑھتے، بہر حال کلام اس مسنون کے بارے میں ہے جس پر دوام فرمایا ہے، اور اس سے واضح ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث ذکر کی گئی۔ (التحقیق فی مسائل الخلاف، مسئلہ سن الافتتاح، ج 1، ص 342، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علی ابن علی:

علامہ ابو الفضل احمد بن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

علی بن علی بن نجاد بن رفاعہ رافعی یشکری ابو اسماعیل بصری، اس نے ابو متوکل ناجی، ابن ابو الحسن کے دونوں بیٹوں، حسن اور سعید سے روایت بیان کی اور امام ثوری، ابن مبارک، وکیع، جعفر بن سلیمان ضبعی، زید بن حباب، یعقوب بن اسحاق، حرمی بن عمارہ، ابو اسامہ، عفان، موسی بن اسماعیل، ابو نعیم، علی ابن جعد، شیبان بن فروخ نے اس سے روایت بیان کی۔ حرب نے امام احمد کے حوالے سے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں، اور ایک اور روایت امام احمد بن حنبل سے کہا: کہ وہ صالح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، عثمان دارمی نے ابن معین اور ابو زرعہ سے نقل کیا کہ وہ ثقہ ہے، ابن عمار نے کہا: وہ ایک عبادت گزار شخص ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس کی بیس احادیث ہوں، ان سے پوچھا گیا کیا وہ ثقہ ہے؟ فرمایا: ہاں۔

ابن سعد نے کہا: ہمیں فضل بن دکین اور عفان نے کہا: کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے، ابن ابو حاتم نے اپنے والد کے حوالہ سے بیان کیا کہ اس کی حدیث میں کو حرج نہیں، میں نے کہا ان کی حدیث حجت ہے؟ فرمایا: نہیں۔ پھر کہا

کہ انہیں وکیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہمیں علی بن علی نے بیان کی اور وہ ثقہ تھے، ابو حاتم نے کہا وہ فی نفسہ فاضل تھے اور قرآن خوبصورت آواز میں پڑھتے تھے، آجری نے کہا: ابو داؤد نے ان کی تعریف کی ہے اور امام نسائی نے کہا: لا باس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں)۔

ابن مدینی نے یحیٰ بن سعید کے حوالہ سے نقل کیا کہ وہ انہیں قدری سمجھتے تھے، یعقوب حضرمی نے کہا ہمارے پاس شعبہ آئے تو لوگوں نے کہا ہمیں ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے علی بن علی الرفاعی کے پاس لے چلو۔ مالک بن دینار سے مروی ہے کہ ان کو زاہر العرب کہا گیا ہے، میں کہتا ہوں: امام ترمذی نے کہا یحیٰی یعنی قطان نے اس کے بارے میں کلام کیا۔ مروذی نے امام احمد سے نقل کیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں مگر یہ کہ اس نے احادیث کو مرفوعا ذکر کیا ہے اور ابو بکر بن بزار بصری نے کہا: لیس بہ باس۔ (تہذیب التہذیب، من اسمہ علی، ج 7، ص 366، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند)

علامہ یوسف بن عبد الرحمٰن الکلبی المزی (متوفی 742ھ) فرماتے ہیں:

حرب بن اسماعیل نے امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے نقل کیا کہ علی بن علی میں کوئی حرج نہیں، محمد بن علی وراق نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا کہ ان سے علی بن علی کی حدیث کے بارے سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا: وہ صالح ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ محمد بن اسحاق صاغانی نے امام احمد بن حنبل سے اسی کی مثل نقل کیا ہے۔ عثمان بن سعید دارمی نے یحیٰی بن معین سے نقل کیا کہ ابو زرعہ ثقہ ہے، امام محمد بن عبد اللہ بن عمار نے کہا: لوگوں کا گمان ہے کہ وہ روزانہ چھ سو رکعات نماز ادا کرتے تھے، اور ان کی آنکھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے مشابہ تھیں، اور وہ ایک عبادت گزار آدمی تھے، میرا نہیں خیال کہ ان کی احادیث بیس ہوں، ان سے کہا گیا کیا وہ ثقہ ہے؟ فرمایا: جی ہاں! محمد بن سعد نے کہا: ہمیں فضل بن دکین اور عفان نے بیان کیا: علی بن علی رفاعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے، عبد الرحمٰن بن ابو حاتم نے کہا میں نے اپنے والد سے اس کے بارے پوچھا، تو انہوں نے کہا اس کی حدیث میں کو حرج نہیں، میں نے کہا ان کی حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ پھر کہا: وکیع نے ان سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا علی بن علی نے ہمیں حدیث بیان کی اور وہ ثقہ تھے۔ میرے والد نے کہا: وہ قرآن بہت خوبصورت آواز میں پڑھتے اور فی نفسہ فاضل تھے۔

ابو عبید آجری نے کہا: ابو داؤد سے سلیمان بن سلیمان اور علی بن علی رفاعی کے بارے سوال ہوا: تو فرمایا؛ علی بن علی رفاعی ، اور پھر علی بن علی کی تعریف کرنے لگے، امام نسائی نے کہا: لا باس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں)۔ علی بن مدینی نے کہا: یحیٰی بن سعید اس کو قدری خیال کرتے تھے، فضل بن سہل اعرج نے یعقوب بن اسحاق حضرمی کے حوالے سے کہا کہ ہمارے پاس امام شعبہ آئے تو فرمایا: تم لوگ ہمیں ہمارے سردار اور ابن سردار علی بن علی رفاعی کے پاس لے چلو، ابو عبید حداد نے حسن بن ابو ہمام

صاحب بصری کے حوالے سے کہا: مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جب علی بن علی رفاعی کو دیکھتے تو فرماتے یہ عرب کا راہب ہے، امام بخاری نے اپنی کتاب الادب میں اس سے روایت کی اور باقیوں نے بھی سوائے امام امام مسلم کے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، علی بن علی بن نجاد، ج 21، ص 72 تا 75، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حارثہ بن ابی الرجال:

علامہ ابو محمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم (متوفی 327ھ) فرماتے ہیں:

حارثہ بن ابو الرجال، عبدالرحمٰن بن ابو رجال اور مالک بن ابو رجال کا بھائی ہے، اور ابو رجال کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حارثہ بن نعمان ہے، اس کی اصل مدینی ہے، اس نے اپنی دادی اپنے عمرہ سے روایت کی اور امام ثوری، ہریم بن سفیان، عبدہ بن سلیمان، ابن ابی زائدہ، ابو خالد الاحمر، ابن نمیر، شجاع بن ولید نے اس سے روایت کی، میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا، ہمیں بیان کیا عبدالرحمٰن نے اس نے محمد بن حموی بن حسن سے اس نے کہا میں نے ابو طالب کو کہتے سنا، کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حارثہ یعنی ابن ابو رجال کے بارے سوال کیا: تو انہوں نے فرمایا: وہ ضعیف ہے، کوئی شئی نہیں ۔ہمیں عبدالرحمٰن نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے عباس بن محمد الدوری پر یحیٰ بن معین کے حوالہ سے پڑھا کہ انہوں نے کہا: حارثہ بن ابی رجال ثقہ نہیں ہے۔ ہمیں عبدالرحمٰن نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا: حارثہ بن محمد یعنی ابن ابو رجال یہ منکر الحدیث، ضعیف ہے، عبداللہ بن سعید مقبری کی مثل۔ ہمیں عبدالرحمٰن نے بیان کیا وہ کہتے ہیں: ابو زرعہ سے حارثہ کے بارے سوال ہوا: تو انہوں نے کہا: وہ واھی الحدیث اور اضعف الحدیث ہے۔

(الجرح التعدیل لابن ابی حاتم، حارثہ، ج 3، ص 255، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ احمد بن علی المقریزی (متوفی 845ھ) فرماتے ہیں:

حارثہ بن ابو رجال، اس کا نام محمد بن عبدالرحمٰن مدینی ہے۔ امام ابن معین نے کہا: وہ ضعیف ہے، اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی، عمرہ نے کہا: حفص اور ابو معاویہ نے اس سے روایت کیا، وہ ثقہ نہیں۔ امام بخاری نے کہا: کسی ایک نے بھی حارثہ بن ابو رجال کو (قابلِ اعتبار) شمار نہیں کیا، اسکی اصل مدنی ہے، منکر الحدیث ہے، امام نسائی نے کہا: متروک الحدیث ہے، ابن عدی نے کہا: بعض روایات جو اس سے مروی ہیں وہ منکر ہیں اور ان کے متابع بھی نہیں۔

(مختصر الکامل فی الضعفاء، من اسمہ حارثہ، ج 1، ص 238، مکتبۃ السنہ، مصر)

باب نمبر(178)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجَهْرِ بِ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھنا

244- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ:حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَايَةَ، عَنْ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ،قَالَ:سَمِعَنِي أَبِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ، أَقُولُ:بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، فَقَالَ لِي:أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ إِيَّاكَ وَالحَدَثَ، قَالَ:وَلَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبْغَضَ إِلَيْهِ الحَدَثُ فِي الإِسْلَامِ -يَعْنِي مِنْهُ -قَالَ " :وَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَمَعَ عُمَرَ، وَمَعَ عُثْمَانَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُهَا، فَلَا تَقُلْهَا، إِذَا أَنْتَ صَلَّيْتَ فَقُلْ: (الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ). قال ابوعيسىٰ :حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ :أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَغَيْرُهُمْ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ :

حضرت ابن عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھے نماز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا: اے بیٹے! یہ نیا کام ہے، نئے کام سے بچو (عبداللہ بن مغفل نے فرمایا) میں نے صحابہ کرام میں سے کسی کو اُن (اپنے والد) سے زیادہ اسلام میں نئے کام سے بغض رکھتے نہیں دیکھا، نیز یہ بھی فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، لیکن ان میں سے کسی کو یہ (بسم اللہ جہراً) کہتے ہوئے نہیں سنا لہٰذا تم بھی اسے (جہراً) نہ کہو۔ جب نماز پڑھو تو "الحمدللہ رب العلمین "پڑھو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث ''حسن'' ہے۔

صحابہ کرام میں سے جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، اور تابعین میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے، اسی کے قائل امام سفیان ثوری، امام عبداللہ ابن مبارک، امام احمد اور امام اسحاق ہیں، ان سب کا مسلک یہ ہے کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' اونچی آواز سے نہ پڑھی جائے، (بلکہ)

لَا يَرَوْنَ أَنْ يَجْهَرَ بِ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)،قَالُوا :وَيَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ "

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اپنے دل میں (یعنی آہستہ) پڑھے۔

تخریج حدیث244:(سنن ابن ماجہ،باب افتتاح القراءۃ،ج1،ص267،حدیث815،داراحیاء الکتب العربیہ،بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل،حدیث عبداللہ بن مغفل،ج27، ص342،حدیث16787،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت)

تسمیہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں مذاہب

احناف کا مؤقف

امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آہستہ پڑھے۔

(الاصل المعروف بالمبسوط للشیبانی، باب الدخول فی الصلاۃ، ج 1، ص 3، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ عمر بن حسین الخرقی حنبلی (متوفی 334ھ) فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نماز کی ابتداء کرے اور اس کو جہرا نہ پڑھے۔

(مختصر الخرقی، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 22، دار الصحابۃ للتراث، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ یحیی بن ابی الخیر بن سالم یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

جن نمازوں میں جہرًا قراءت کی جاتی ہے ان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہرًا پڑھنے میں اہل علم کا اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جن نمازوں میں قراءت جہری ہے ان میں فاتحہ اور سورت کے شروع میں بسم اللہ جہرًا پڑھے، اور جن نمازوں میں قراءت سرًا کی جاتی ہے ان میں بسم اللہ بھی سرًا پڑھے۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، فرع قراءۃ البسملۃ، ج 2، ص 185، دار المنہاج، جدہ)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو القاسم محمد بن احمد غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

اور بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ آہستہ پڑھے اور نہ بلند آواز سے پڑھے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ان کے نزدیک سری نماز میں سرًا پڑھے اور جہری میں جہر کے ساتھ پڑھے، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر حال میں یعنی چاہے نماز سری ہو یا جہری بسم اللہ الرحمن الرحیم سرًا ہی پڑھے۔

(القوانین الفقہیہ، الباب العاشر فی القراءۃ، ج 1، ص 44، مطبوعہ بیروت)

"بسم اللہ" آہستہ پڑھنے پر دلائل

(1) صحیح مسلم میں ہے: ((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، كِلَاهُمَا عَنْ غُنْدَرٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾)) ترجمہ: شعبہ کہتے ہیں میں نے حضرت قتادہ کو حضرت انس سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی تو میں نے کسی ایک کو بھی بسم الله الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے نہ سنا۔

(صحیح مسلم، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ، ج1، ص299، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) صحیح بخاری میں ہے: ((حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے قراءت شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، باب ما یقول بعد التکبیر، ج1، ص149، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

یعنی ثناء اور تعوذ و تسمیہ آہستہ پڑھتے تھے اور قراءت الحمد شریف سے شروع کرتے تھے۔

یہ روایت سنن ابی داود میں اس طرح ہے: ((حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے قراءت شروع کرتے تھے۔

(سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب من لم یر الجہر ب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جلد1، صفحہ 207، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

(3) امام نسائی روایت کرتے ہیں: ((أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهِ عَنْهُمْ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ (بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی، میں نے ان میں سے کسی سے بھی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" جہر کے ساتھ نہیں سنی۔

(السنن الصغری للنسائی، کتاب الافتتاح، ترک الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جلد2، صفحہ 135، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب)

(4) امام طحاوی روایت کرتے ہیں:

((وَكَمَا حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي دَاوُدَ ,قَالَ:ثنا دُحَيْمُ بْنُ الْيَتِيمِ ,قَالَ :ثنا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ,عَنْ عِمْرَانَ الْقَصِيرِ,عَنِ الْحَسَنِ ,عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانُوا يُسِرُّونَ بِ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾)) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الخ، ج1، ص203، مطبوعہ عالم الکتب)

(5) جامع ترمذی میں ہے: ((حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ:حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَايَةَ عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ:سَمِعَنِي أَبِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ أَقُولُ:بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، فَقَالَ لِي:أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ إِيَّاكَ وَالحَدَثَ قَالَ: وَلَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبْغَضَ إِلَيْهِ الحَدَثُ فِي الإِسْلَامِ، يَعْنِي مِنْهُ قَالَ: وَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَمَعَ عُمَرَ، وَمَعَ عُثْمَانَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُهَا، فَلَا تَقُلْهَا، إِذَا أَنْتَ صَلَّيْتَ فَقُلْ﴿الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ﴾حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ:أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَغَيْرُهُمْ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ.وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ:لَا يَرَوْنَ أَنْ يَجْهَرَ بِ (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)، قَالُوا:وَيَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بیٹے فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے مجھے نماز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھتے ہوئے سُنا تو مجھ سے فرمایا: اے بیٹے! یہ نیا کام ہے، نئے کام سے بچو (ابن عبداللہ بن مغفل نے فرمایا) میں نے صحابۂ کرام میں سے کسی کو اُن (اپنے والد) سے زیادہ اسلام میں نئے کام سے بغض رکھتے نہیں دیکھا۔ حضرت عبداللہ نے یہ بھی فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی، لیکن ان میں سے کسی کو یہ (بسم اللہ جہراً) کہتے ہوئے نہیں سُنا لہٰذا تم بھی اسے (جہراً) نہ کہو۔ جب نماز پڑھو تو ﴿الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ﴾ پڑھو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن" ہے۔ صحابۂ کرام میں سے اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں، اور تابعین میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے، اسی کے قائل امام سفیان ثوری، امام عبداللہ ابن مبارک، امام احمد اور امام اسحاق ہیں، ان سب کا مسلک یہ ہے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اونچی آواز سے نہ پڑھی جائے، (بلکہ) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اپنے دل میں (یعنی آہستہ) پڑھے۔

(سنن الترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی ترک الجہر ب (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)، جلد1، صفحہ 326، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

(6) صحیح مسلم میں ہے:((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي الْأَحْمَرَ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، ح قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ. وَالْقِرَاءَةِ بِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتداء تکبیر اور قراءت کی ابتداء ﴿الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ﴾ کے ساتھ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم، باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ و ما یفتح، ج1، ص357، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس کے تحت علامہ زیلعی فرماتے ہیں: یہ بسم اللہ کو بلند آواز سے نہ پڑھنے میں ظاہر ہے۔

(نصب الرایۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص334، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

(7) فتح الباری لابن رجب میں ہے:((عَبْد الرحيم بْن زياد السكري: ثنا عَبْد الله بْن إدريس، عَن عُبَيْدِ الله بْن عُمَر، عَن نَافِع، عَن ابن عُمَر، قَالَ: صليت خلف رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وأبي بَكْر وعمر وعثمان فَلَمْ يقنتوا ولم يجهروا. وهذا الإسناد أَيْضاً كلهم ثقات مشهورون)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی وہ قنوت نہیں پڑھتے اور نہ ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہرا پڑھتے، ان اسناد میں تمام کے تمام روای مشہور ثقات ہیں۔

(فتح الباری لابن رجب، باب ما یقول بعد التکبیر، ج6، ص417، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

(8) فتح الباری لابن رجب میں ہے:((وروى عُبَيْدِ الله بْن عَمْرو الرقي، عَن زيد بْن أَبِي أنيسة عَن عَمْرِو بْن مرة عَن نَافِع بْن جبير بْن مطعم، عَن أَبِيه أن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يجهر فِي صلاته بِ ﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾)) ترجمہ: حضرت نافع بن جبیر بن مطعم اپنے والد جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب ما یقول بعد التکبیر، ج6، ص417، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

(9) حضرت ابووائل فرماتے ہیں:((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ (ابن مسعود) أَنَّهُ كَانَ يُخْفِي (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ) وَالِاسْتِعَاذَةَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تعوذ اور ربنا لک الحمد کو آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج1، ص360، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(10) حضرت حُمید فرماتے ہیں:((عَنْ أَنَسٍ، "أَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ الْقِرَاءَةَ بِ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

)) ترجمہ: حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ نماز میں قراءت کی ابتداء ﴿الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ﴾ سے کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ج 1، ص 360، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(11) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ((الْجَهْرُ بِ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ قِرَاءَةُ الْأَعْرَابِ)) ترجمہ: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کو بلند آواز سے قراءت کرنا دیہاتیوں کی قراءت ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، باب ما یخفی الامام، ج 2، ص 88، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ج 1، ص 361، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(12) حضرت ابوفاختہ فرماتے ہیں: ((انَّ عَلِيًّا كَانَ لَا يَجْهَرُ بِ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ كَانَ يَجْهَرُ بِ ﴿الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ﴾)) ترجمہ: حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جہر سے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ نہیں پڑھتے تھے اور ﴿الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ﴾ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق، باب ما یخفی الامام، ج 2، ص 88، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ج 1، ص 361، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(13) حضرت ابووائل فرماتے ہیں: ((انَّ عَلِيًّا وَعَمَّارًا كَانَا لَا يَجْهَرَانِ بِ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾)) ترجمہ: حضرت علی و عمار رضی اللہ عنہما ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ جہر سے نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ج 1، ص 361، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(14) حضرت عاصم کہتے ہیں: ((سمعتُ أبَا وَائِلٍ "يَسْتَفْتِحُ الْقِرَاءَةَ بِ (الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾)) ترجمہ: میں نے حضرت ابووائل کو سنا کہ انہوں نے قراءت کی ابتداء ﴿الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ﴾ سے کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ج 1، ص 360، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(15) حضرت ابن عون کہتے ہیں: ((عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، أَنَّهُ كَانَ يُخْفِي ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾)) ترجمہ: امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ وہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کو آہستہ پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم، ج 1، ص 360، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(16) حضرت حماد کہتے ہیں: ((عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، وَالِاسْتِعَاذَةِ وَآمِينَ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ")) ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چار چیزوں کو امام آہستہ کرے گا: (1) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ (2) تعوذ (3) آمین (4) رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہنا جب وہ (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے۔

(مصنف عبدالرزاق، باب ما یخفی الامام، ج 2، ص 87، المکتب الاسلامی، بیروت)

(17) حضرت مغیرہ کہتے ہیں: ((عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: جَهْرُ الْإِمَامِ بِ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ بِدْعَةٌ))

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام کا ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کو جہراً پڑھنا بدعت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج 1، ص 360، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(18) حضرت مالک بن زیاد فرماتے ہیں: ((صَلَّى بِنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، فَافْتَتَحَ الصَّلَاةَ بِ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾)) ترجمہ: حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کی ابتداء ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے فرمائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج 1، ص 361، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(19) حضرت شعبہ کہتے ہیں: ((سَأَلْتُ الْحَكَمَ، وَحَمَّادًا، وَأَبَا إِسْحَاقَ عَنِ الْجَهْرِ، فَقَالَ: اقْرَأْ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ فِي نَفْسِكَ)) ترجمہ: میں نے حکم، حماد اور ابو اسحاق سے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھنے کے بارے سوال کیا تو فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اپنے نفس میں پڑھو یعنی آہستہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج 1، ص 361، مکتبۃ الرشد، ریاض)

تسمیہ بالجہر کے دلائل کا جواب:

جن احادیث میں جہر کا ذکر ہے ان کے تین طرح سے جوابات دیئے گئے ہیں:

(1) علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

"وَسَائِرُ أَخْبَارِ الْجَهْرِ ضَعِيفَةٌ؛ فَإِنَّ رُوَاتَهَا هُمْ رُوَاةُ الْإِخْفَاءِ، وَإِسْنَادُ الْإِخْفَاءِ صَحِيحٌ ثَابِتٌ بِغَيْرِ خِلَافٍ فِيهِ، فَدَلَّ عَلَى ضَعْفِ رِوَايَةِ الْجَهْرِ، وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ الدَّارَقُطْنِيَّ قَالَ: لَمْ يَصِحَّ فِي الْجَهْرِ حَدِيثٌ" ترجمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نماز میں جہراً پڑھنے سے متعلق جتنی روایات ہیں سب ضعیف ہیں، کیونکہ جہر سے پڑھنے سے متعلق روایت کرنے والے تمام روات وہی ہیں جو سراً پڑھنے کے روای ہیں اور تمام اسناد جن میں اخفاء (یعنی آہستہ پڑھنے کا ذکر ہے) وہ صحیح ثابت ہیں بغیر کسی اختلاف کے تو یہ بات جہر کی روایات کے ضعف پر دلالت کرتی ہے۔ اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ امام دارقطنی نے کہا: جہر سے متعلق کوئی روایت درست نہیں ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ الجہر بالبسملۃ فی الصلاۃ، ج 1، ص 346، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ زین الدین ابن رجب (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں: "وقد قَالَ العقيلي فِي "كتابه": لا يصح فِي الجهر بالبسملة حَدِيْث مسند. يعني: مرفوعاً إلى النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وحكى مثله عَن الدارقطني" ترجمہ: عقیلی نے اپنی کتاب میں کہا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نماز میں جہراً یعنی بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں کوئی مسند یعنی مرفوع صحیح

حدیث نہیں ہے، انہوں نے اسی کی مثل دارقطنی سے بیان کیا۔

(فتح الباری لابن رجب، باب ما یقول بعد التکبیر، ج6،ص414،مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

(1) اصل سنت تسمیہ آہستہ کہنے میں ہے اور جن روایتوں سے جہر ثابت ہے وہ تعلیم پر محمول ہیں۔

(2) یہ ابتداء میں تھا بعد میں اس آیت سے منسوخ ہو گیا: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

علامہ محمد بن محمد جمال الدین الرومی البابرتی (متوفی 786ھ) فرماتے ہیں" (قلنا هو محمول على التعليم) كما شرع الجهر بالتكبير للإعلام، كما روى عن عمر أنه جهر بالثناء بعد التكبير للتعليم؛ لأن أنسا رضى الله عنه قال صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلف أبى بكر وعمر وعثمان رضى الله عنهم فلم أسمع أحدا منهم يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم وإذا تعارضت الآثار وجب التأويل، وهو كما قلنا من الحمل على التعليم.وقيل كان الجهر فى الابتداء قبل نزول قوله تعالى ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ فإنهم كانوا يجهرون بالثناء "ترجمہ: ہم نے کہا جہر کے ساتھ پڑھنا تعلیم پر محمول ہے جیسے تکبیر بتانے کے لئے جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تعلیم کے لئے تکبیر کے بعد ثنا بلند آواز سے پڑھی۔ اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان میں سے کسی سے بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم جہر کے ساتھ نہیں سنی۔ جب آثار میں تعارض آجائے تو تاویل کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور وہ ایسے ہی جو ہم نے کہا کہ جہر کے ساتھ تسمیہ پڑھنا تعلیم پر محمول ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ جہر کے ساتھ تسمیہ پڑھنا ابتدا میں تھا اس آیت سے قبل: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔ (الاعراف 55) صحابہ کرام اس آیت سے قبل ثنا (بھی) جہر کے ساتھ پڑھتے تھے۔

(العنایہ شرح الہدایہ، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلوٰۃ، جلد1، صفحہ 291، دار الفکر، بیروت)

سورۂ فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ" نہ پڑھنے کے بارے میں مالکیہ کے دلائل اور ان کا جواب

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(وہ سورۂ فاتحہ کی ابتداء کرے گا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے) بیشک بسم اللہ الرحمن الرحیم کی قراءت نماز میں سورۂ فاتحہ اور تمام سورتوں کے شروع میں اکثر اہل علم کے نزدیک مشروع ہے، امام مالک اور امام اوزاعی نے فرمایا: وہ فاتحہ کے شروع

میں اس کی قراءت نہ کرے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سبب اور حضرت ابن عبداللہ ابن مغفل سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میرے والد صاحب نے مجھے نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیم کہتے ہوئے سنا تو فرمایا: اے میرے بیٹے یہ نئی چیز کیا ہے؟ نئی کاموں سے بچو۔ یہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ان سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئے کاموں سے نفرت کرنے والا نہیں دیکھا۔ (وہ کہتے ہیں کہ) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی، تو کسی ایک کو بھی یہ کہتے نہیں سنا تو تم بھی نہ کہو، جب نماز پڑھو تو یوں کہو الحمد للہ رب العالمین، اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

ہمارے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) نعیم مُجمِر سے روایت کیا گیا کہ انہوں نے کہا: ((صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ)) میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پڑھا بسم اللہ الرحمن الرحیم، پھر سورہ فاتحہ کی قراءت فرمائی اور فرمایا: اس کی قسم جس قبضہ قدرت میں میری جان ہے بیشک تم میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ میری نماز ہے، اس کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

(۲) ابن منذر نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیم پڑھی۔

(۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصَّلَاةِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، وَعَدَّهَا آيَةً وَ (الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) (الفاتحة 2:) اثْنَيْنِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیم پڑھی اور اسے ایک آیت شمار کیا اور ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کو دوسری آیت۔

اور بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث تو اس کا جواب گزر گیا، ہم اس کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ ان سے الحمد للہ رب العالمین سنا گیا اور اس کی تصریح آئی ہے۔

شعبہ اور شیبان نے قتادہ سے روایت کیا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں ادا کیں ان میں سے کسی کو بھی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ بلند آواز سے پڑھتے نہیں دیکھا، ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: وہ تمام کے تمام ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کو آہستہ پڑھتے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کو آہستہ پڑھتے، اس روایت کو ابن شاہین نے بیان کیا اور حضرت ابن عبداللہ بن مغفل والی حدیث بھی اسی پر محمول ہے احادیث کو تطبیق دینے کے لیے۔

اوراس وجہ سے کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کے ساتھ ساری سورتوں کوشروع کیا جاتا ہے تو فاتحہ کی ابتدا اس کے ساتھ بدرجۂ اولی ہونی چاہیے کیونکہ وہ قرآن کی ابتدا اور آغاز کرنے والی ہے اور امام مالک نے اس کو تسلیم کیا کہ انہوں نے قیام رمضان کے بارے میں فرمایا: سورہ فاتحہ کے شروع میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ نہ پڑھے اور بقیہ سورتوں کی ابتداء میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھے۔ (المغنی لابن قدامہ، قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلاۃ، ج1، ص344، مکتبۃ القاہرہ)

سنن دارقطنی میں ہے: ((حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي أَخِي مُحَمَّدُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ إِسْحَاقَ, ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ, ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَسَنٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحَسَنِ, عَنْ أَبِيهِ, عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ, عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ, قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ فِي صَلَاتِهِ)) ترجمہ: حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھتے تھے۔

(سنن دارقطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج2، ص65، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

"بسم اللہ" سورۂ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں، مذاہب ائمہ

شوافع کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہمارے نزدیک ہر سورت کی ایک آیت ہے، فاتحہ ہو یا اس کے علاوہ مگر سورہ توبہ کی آیت نہیں ہے۔

(الحاوی الکبیر، مسئلہ: بیدنھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج2، ص105، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ محمد بن احمد الکلبی الغرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیت نہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ قرآن کی کسی سورت کی آیت ہے سوائے سورہ نمل کے۔ یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے خلاف ہے۔

(القوانین الفقہیہ، الباب العاشر فی القراءۃ، ج1، ص44، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہمارے نزدیک سورہ فاتحہ سے نہیں، نہ ہی قرآن سے ہے سوائے سورہ نمل کے۔

(مواہب الجلیل، فرع اخفاء التشہد، ج1، ص544، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی حنبلی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ سورہ فاتحہ سے نہیں یعنی اس کی آیت نہیں) یہی مذہب ہے اور اس پر جمہور اصحاب ہیں، اسی پر امام احمد نے نص کی ہے، مصنف اور شارح نے کہا: ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ منصورہ ہے، اور امام احمد سے مروی ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ میں سے ہے۔ ابوعبداللہ بن بطہ اور ابوحفص عکبری نے اسی کو اختیار کیا۔

مستوعب اور کافی میں ان دونوں کو مطلق رکھا تو مذہب کے مطابق یہ قرآن ہے اور یہ ایک آیت ہے جو ہر دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کے لیے نازل ہوئی ہے سوائے سورہ براءت کے، اور یہی مذہب ہے اسی پر جمہور اصحاب ہیں۔

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، باب صفۃ الصلاۃ، ج2، ص48، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

احناف کا موقف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:"

ہمارے اصحاب کا مذہب صحیح یہ ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" قرآن میں سے ہے کیونکہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو دو گتوں کے درمیان وحی کے قلم سے لکھا گیا وہ قرآن ہے، اور تسمیہ بھی اسی طرح ہے۔

(بدائع الصنائع، الکلام فی التسمیہ، ج1، ص203,204، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عمر بن اسحٰق الہندی الغزنوی الحنفی (متوفی 773ھ) فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" سورہ فاتحہ کی آیت نہیں بلکہ یہ قرآن عظیم کی ایک مستقل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فاصلے کے لیے نازل ہوئی، اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ (الغرۃ المنیفۃ فی تحقیق بعض مسائل الامام ابی حنیفۃ، کتاب الصلاۃ، ج1، ص41، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ)

دلائل پر بحث ونظر

علامہ عمر بن اسحٰق الہندی الغزنوی الحنفی (متوفی 773ھ) فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل وہ ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: (الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ)، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَإِذَا

قَالَ:(مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ)، قَالَ:مَجَّدَنِي عَبْدِي وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ:(إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ)قَالَ:هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ:(اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ)قَالَ:هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ")) ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا ہے،اس کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے،میرے بندہ کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے پس جب وہ کہتا ہے:"الحمد للہ رب العالمین" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :میری بندے نے میری حمد کی،اور جب وہ کہتا ہے "الرحمٰن الرحیم" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا بیان کی ،اور جب وہ کہتا ہے "مالک یوم الدین" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور کبھی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرے سپرد کردیا،پس جب بندہ کہتا ہے:"ایاک نعبد وایاک نستعین" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے،اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے سوال کیا،پس جب بندہ کہتا ہے:"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ "تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو اس نے سوال کیا۔

(صحیح مسلم، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ الخ، ج1،ص296،دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث پاک میں کئی وجوہ سے حجت موجود ہے:

(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ذکر نہیں فرمایا تو اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کی آیت ہوتی تو ضرور فاتحہ کے ساتھ ذکر فرماتے۔

(2) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"میں نے نماز کو تقسیم کیا اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا" یہاں نماز سے مراد فاتحہ ہے جیسا کہ حدیث پاک سے واضح ہے، یہ تنصیف تب حاصل ہوگی جب ہم کہیں گے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کی آیت نہیں کیونکہ سورہ فاتحہ کی سات آیات ہیں تو ساڑھے تین آیات اللہ عزوجل کے لیے ہیں اور وہ یہ ہیں الحمد للہ سے لے کر ایاک نعبد تک،اور بندے کے لیے جو ساڑھے تین ہیں وہ اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: وایاک نستعین سے سورت کے آخر تک تو جب ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم کو سورہ فاتحہ کی آیت قرار دیں گے تو اللہ عزوجل کے لیے ساڑھے چار آیات اور بندے کے لیے اڑھائی آیات ہوں گی، اس طرح تنصیف باطل ہوجائے گی۔

(3) جو صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفتتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد لله رب العالمين)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ابتداء تکبیر سے اور قراءت کی ابتدا"

الحمدلله رب العالمین" سے کرتے اور اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کی آیت ہوتی تو اسی سے فاتحہ کا افتتاح فرماتے۔

(4) اہل مدینہ نے اپنے اباء واجداد جو تابعین سے تھے انہوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے روایت کیا کہ وہ نماز کا افتتاح "الحمدلله رب العالمین" سے کرتے تھے۔

(5) قرآن تواتر سے ثابت ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کا سورہ فاتحہ کی آیت ہونے پر تواتر نہیں۔

(6) علما کا بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سورہ فاتحہ کی آیت ہونے میں اختلاف ہے اور بہت شدید اختلاف ہے اور اختلاف کا ادنی درجہ یہ ہے کہ جس چیز میں اختلاف ہو اس میں شبہہ پیدا ہو جاتا ہے اور قرآن بغیر یقین کے ثابت نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" مصحف کے خط میں لکھا ہوتا ہے، اور اکابرین قرآن پاک کی حفاظت اور اس کو غیر کے اختلاط سے بچانے کے لیے بہت شدت سے مصحف میں غیر قرآن کی کتابت سے منع فرماتے تھے، لہٰذا بسم اللہ کا اس طرح لکھا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے۔ امام شافعی کی بات کا جواب یہ ہے کہ قرآن عظیم میں تواتر فی المحل کو شرط قرار دیا گیا اور تواتر فی المحل نہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ یہ سورت فاتحہ کی آیت نہیں ہے لہٰذا اس کا فاتحہ سے ہونا احتمال کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکتا، جو تم (شوافع) نے ذکر کیا اس کا انتہائی تقاضا یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اور یہ ہمارے نزدیک بھی مسلم ہے لیکن تمہارا مطلوب یہ تھا کہ یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور تمہاری دلیل اس بات پر دلالت نہیں کرتی۔

اور معوذتین کے قرآن ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، اور معاملہ کی انتہا یہ ہے کہ یہ سورتیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود نہیں، اور یہ بات ان کے قرآن نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ ان سورتوں کا اس مصحف میں لکھا ہوا نہ ہونا اس بنیاد پر کہ ان کا معاملہ واضح ہے، بے شک حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان کی تصریح نہیں کی کہ یہ قرآن نہیں اور اس بات پر اجماع اور تواتر ہے کہ معوذتین قرآن کا حصہ ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

(الغرۃ المنیفۃ فی تحقیق بعض مسائل الامام ابی حنیفۃ، کتاب الصلاۃ، ج 1، ص 41، موسسۃ الکتب الثقافیۃ)

حدیث الباب کی سند پر کلام

علامہ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا، ابن عبداللہ بن مغفل نے بیان کیا: ((سَمِعَنِي أَبِي وَأَنَا أَقُولُ: بسم الله الرحمن الرحيم، فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ، قَالَ: وَلَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبْغَضَ

إِلَيْهِ الْحَدَثُ فِي الْإِسْلَامِ يَعْنِي مِنْهُ قَالَ: وَصَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ. وَمَعَ عُمَرَ. وَمَعَ عُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُهَا فَلَا تَقُلْهَا أَنْتَ، إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، انْتَهَى. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثٌ حَسَنٌ. وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ. وَعُمَرُ. وَعُثْمَانُ. وَعَلِيٌّ. وَغَيْرُهُمْ. وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ. وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ. وَإِسْحَاقُ لَا يَرَوْنَ الْجَهْرَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ انْتَهَى)) ترجمہ: میرے والدصاحب نے مجھے کہتا سنا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ توانہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تو نئے کام سے بچ، اور فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک کو بھی ان سے زیادہ نئے کام سے نفرت کرتے نہیں دیکھا اور فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمازیں ادا کیں لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی نماز میں بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا لہٰذا تو بھی یہ نہ پڑھ، جب تو نماز پڑھے تو کہہ الحمدللہ رب العالمین ۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور ان کے علاوہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور ان کے بعد والوں میں سے تابعین کا اسی پر عمل ہے یہی امام سفیان ثوری، ابن مبارک، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے کہ وہ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہرا پڑھنے کے قائل نہیں اور ان کے نزدیک وہ دل میں یعنی آہستہ پڑھے، انتہیٰ ۔

علامہ نووی نے خلاصۃ میں لکھا: حفاظ حدیث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا، اور انہوں نے امام ترمذی کی تحسین کا انکار کیا، جیسا کہ ابن خزیمہ اور ابن عبد البر اور خطیب، انہوں نے کہا کہ اس حدیث کا مدار ہے علی بن عبداللہ بن مغفل پر ہے اور وہ مجہول ہے، انتہیٰ ۔

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اسے حضرت ابونعامہ سے روایت کیا، ابونعامہ نے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بیٹوں سے روایت کیا، انہوں نے کہا: ((كَانَ أَبُونَا إِذَا سَمِعَ أَحَدًا مِنَّا يَقُولُ: بسم الله الرحمن الرحيم يَقُولُ: أَيْ بُنَيَّ! صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَأَبِي بَكْرٍ. وَعُمَرَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُ: بسم الله الرحمن الرحيم)) ترجمہ: جب ہمارے والدصاحب نے ہم سے کسی ایک سے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے سنا تو فرمایا: اے میرے بیٹے! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز ادا کی ان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہیں سنا۔

(۲) اسے امام طبرانی نے اپنی معجم میں حضرت عبداللہ بن بریدہ سے انہوں نے حضرت ابن عبداللہ بن مغفل سے انہوں نے اپنے والد سے اسی کی مثل روایت کیا۔

(۳) پھر امام طبرانی نے اس کو ابوسفیان طریف بن شہاب سے روایت کیا، انہوں نے یزید بن عبداللہ بن مغفل سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا: میں نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے بسم اللہ کو جہرا پڑھا تو جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ ہم سے یہ چیز پوشیدہ تھی جس کے ساتھ میں نے تجھے جہر کرتے دیکھا ہے؟ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز ادا کی انہوں نے بسم اللہ کو نماز میں جہرا نہیں پڑھا۔

ان تین راویوں نے یہ حدیث ابن اعبداللہ بن مغفل سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی اور یہ ابونعامہ حنفی، قیس بن عبایہ ہیں اور تحقیق امام ابن معین وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، علامہ ابن عبدالبر نے کہا: یہ سب کے نزدیک ثقہ ہیں۔ خطیب نے کہا: میں کسی کو نہیں جانتا جس نے ان کی طرف دین میں بدعت یا روایت میں جھوٹ کی نسبت کی ہو۔

اور عبداللہ بن بریدہ اس سے زیادہ شہرت رکھنے والے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے، اور ابوسفیان سعدی اگر چہ ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے لیکن وہ ان کی وہ روایت معتبر جس میں ان کے علاوہ ثقات نے ان کی متابعت کی ہو، یہ وہی ہیں جنہوں نے ابن عبداللہ بن مغفل کو یزید کہا ہے، جیسا کہ فقط امام طبرانی کے نزدیک ہے تو تحقیق ابن عبداللہ بن مغفل سے ان تینوں کے روایت کرنے سے جہالت ختم ہوگئی۔

اور مسند امام احمد کے حوالے سے پیچھے یہ روایت گزر گئی کہ انہوں نے ابونعامہ سے روایت کیا اور ابونعامہ نے عبداللہ بن مغفل کے بیٹوں سے اور وہ بیٹے جن سے روایت مروی ہیں وہ یزید، زیاد اور محمد ہیں۔ اور نسائی و ابن حبان وغیرہ ان جیسوں کو حجت مانتے ہیں حالانکہ وہ سب روایت کرنے میں مشہور نہیں ہیں، اور ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسی حدیث منکر روایت نہیں کی جس کا نہ تو کوئی شاہد ہو اور نہ ہی کوئی متابع یہاں تک کہ اس کے سبب ان پر جرح کی جائے، انہوں نے تو وہی روایات نقل کیں جو ان کے علاوہ ثقات نے بیان کی ہیں، بہر حال یزید وہی ہے جس کو اس حدیث میں ذکر کیا گیا، اور محمد اس سے امام طبرانی نے ان کے والد کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ((مَا مِنْ إِمَامٍ يَبِيتُ غَاشًّا لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) ترجمہ: کوئی امام اس حال میں رات بسر نہیں کرتا کہ وہ اپنی رعایا کو دھوکہ دینے والا ہو مگر اللہ عزوجل اس پر جنت حرام فرما دیتا ہے۔

اور زیاد سے بھی امام طبرانی نے اس کے والد کے حوالے سے مرفوعا روایت بیان کی کہ: ((لَا تَخْذِفُوا، فَإِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهَا صَيْدٌ وَلَا يُنْكَأُ بِهِ عَدُوٌّ وَلَكِنَّهَا تَكْسِرُ السِّنَّ، وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ))

بالجملہ یہ حدیث بسم اللہ کو جہرا نہ پڑھنے میں صریح ہے اور یہ اگر چہ صحیح کی اقسام سے نہیں لیکن درجہ حسن سے نیچے نہیں جاتی اور امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا، اور حدیث حسن سے حجت لی جاتی ہے، خصوصا جبکہ اس کے متعدد شواہد ہوں اور

اس کے متابع کثیر ہوں، وہ لوگ جنہوں نے اس میں کلام کیا اور ابن عبداللہ بن مغفل کی جہالت کے سبب اس سے دلیل پکڑنے کو ترک کر دیا، انہوں نے اس مسئلہ میں اس سے بھی زیادہ ضعیف سے دلیل لی ہے بلکہ خطیب نے اس سے استدلال کیا جس کو وہ جانتے ہیں کہ وہ موضوع ہے۔

اور بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اچھا نہیں کیا کیونکہ انہوں نے کتاب المعرفۃ میں حضرت ابونعامہ کی حدیث کو اس کی پچھلی سند اور سنن کے متن کے ساتھ روایت کرنے کے بعد کہا: اس حدیث میں ابونعامہ قیس بن عبایہ متفرد ہیں، اور ابونعامہ اور ابن عبداللہ بن مغفل ان دونوں سے صاحبان صحیح نے دلیل نہیں لی۔

تو امام بیہقی کا قول کہ ابونعامہ اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہیں یہ درست نہیں، تحقیق عبداللہ بن بریدہ اور ابوسفیان نے اس کی متابعت کی جیسے کہ ہم نے پہلے بیان کیا، اور ان کا یہ کہنا کہ ابونعامہ اور ابن عبداللہ بن مغفل سے صاحبان صحیح نے استدلال نہیں کیا تو یہ بات اسناد کے صحیح ہونے میں ضروری نہیں اور اگر ہم تسلیم کرلیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ حسن ہے اور حسن حجت ہوتی ہے، اور یہ حدیث ان میں سے ہے جو دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک بسم اللہ کو جہراً نہ پڑھنا ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور وراثت ملا جس کو بعد والوں نے اپنے اگلوں نے وراثت میں لیا،

یہ ایک بات ہی اس مسئلہ کے لیے کافی ہے کہ جہری نمازیں ہمیشہ صبح وشام ہوتی ہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں میں جہراً "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو ہمیشہ پڑھا ہوتا تو اس میں اختلاف اور شبہ پیدا نہ ہوتا لیکن اس میں اضطراب معلوم ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ نہ فرماتے: ((لَمْ يَجْهَرْ بِهَا علیہ السلام وَلَا خُلَفَاؤُهُ الرَّاشِدُونَ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہراً نہیں پڑھا، اور عبداللہ بن مغفل بھی اس طرح نہ کہتے اور انہوں نے اس کو نئے ایجاد شدہ کام کا نام دیا، اور اہل مدینہ کا محراب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقام میں ترک جہر پر ہی لگاتار عمل نہ ہوتا، ان کے بعد والے پہلے سے وراثت پاتے اور یہ ان کے ہاں صاع اور مد کی طرح جاری ہوتا بلکہ اس سے زیادہ ہوتا کیونکہ نماز میں تو تمام مسلمان شریک ہوتے ہیں اور اس وجہ سے کہ نماز ہر دن رات میں کئی بار ہوتی ہے اور کتنے لوگ ہیں جو صاع اور مد کے محتاج نہیں ہوتے اور جو محتاج ہوتے ہیں وہ بھی کتنی مدت تک محتاج نہیں ہوتے اور کوئی عاقل یہ گمان نہیں کر سکتا کہ اکابر صحابہ، تابعین اور اکثر اہل علم حضرات اس کام کے خلاف پر مواظبت کرلیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

(نصب الرایۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 332 تا 334، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

باب نمبر179

بَابُ مَنْ رَأَى الْجَهْرَ بِـ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)

نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھنا

245- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادٍ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ " : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ بِ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) "، قَالَ ابوعيسٰى :وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ، وَقَدْ قَالَ بِهَذَا عِدَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مِنْهُمْ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَابْنُ عُمَرَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَابْنُ الزُّبَيْرِ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، رَأَوْا الْجَهْرَ بِ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ .وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادٍ هُوَ ابْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، وَأَبُو خَالِدٍ، هُوَ أَبُو خَالِدٍ الْوَالِبِيُّ وَاسْمُهُ هُرْمُزُ وَهُوَ كُوفِيٌّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے ساتھ نماز شروع فرماتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند اس درجہ کی (یعنی قوی) نہیں۔

صحابۂ کرام میں سے اُن میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور ان کے بعد میں آنے والے تابعین میں سے متعدد اہل علم بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے قائل ہیں اور امام شافعی کا بھی یہی موقف ہے۔

اسماعیل بن حماد، ابوسلیمان کے بیٹے ہیں۔ اور ابوخالد سے مراد ابوخالد والبی ہیں، ان کا نام "ہرمز" ہے اور وہ کوفی ہیں۔

تخریج حدیث245: (شرح السنۃ للبغوی، باب افتتاح القراءۃ بالفاتحۃ الخ، ج3، ص55، حدیث584، المکتب الاسلامی، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے ساتھ نماز شروع فرماتے تھے یعنی آہستہ آواز سے تاکہ اس کے منافی نہ ہو جو ماقبل گزرا کہ آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے تھے بلکہ ابتداء ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کے ساتھ یعنی سورہ فاتحہ سے کرتے تھے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ ج2،ص695، دار الفکر، بیروت)

مذکورہ حدیث کی سند پر کلام

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اسے امام ترمذی علیہ الرحمہ نے روایت کیا اور فرمایا: اس حدیث کی اسناد اتنی قوی نہیں)) یعنی اس قوت کے ساتھ نہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا: ذاک سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو علم حدیث کے ماہرین کے ذہن میں ہے اور جسے وہ اسناد قوی مانتے ہیں، علامہ تورپشتی نے کہا: اس حدیث کی اسناد میں وہم ہے، اس کو روایت کرنے میں امام ترمذی تنہا ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ ج2،ص695، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

میں نے کہا: اس کے معارض ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے فرض نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً یعنی بلند آواز سے نہیں پڑھا۔ ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً یعنی بلند آواز سے پڑھنا منسوخ ہے، عنقریب حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث آئے گی کہ: اے بیٹے! تو نئے کاموں سے بچ، میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ادا کرنے کی سعادت پائی ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً) کہتے ہوئے نہیں سنا، اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اس کو حسن قرار دیا، بعض تابعین نے کہا: یہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً پڑھنا) بدعت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ ج2،ص695، دار الفکر، بیروت)

علامہ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب (متوفی 795ھ) اس حدیث کی سند پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

معتمر بن سلیمان نے اسماعیل بن حماد سے، انہوں نے ابو خالد سے انہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی

کہ ((أن النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يفتتح صلاته بـ﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرتے تھے۔امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اس طریق پر بیان کیا، اور فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے۔اور امام ترمذی نے فرمایا: اس کے اسناد قوی نہیں، اور فرمایا: اسماعیل بن حماد وہ ابن ابی سلیمان ہے اور ابو خالد وہ والبی ہے اسی طرح کہا ہے۔

اور امام احمد نے ایک روایت میں فرمایا: اسماعیل بن حماد میں کوئی حرج نہیں، اور میں ابو خالد کو نہیں پہچانتا یعنی وہ غیر والبی ہے۔اسی طرح عقیلی نے کہا: اسماعیل بن حماد بن ابوسلیمان کی حدیث محفوظ نہیں یعنی یہ حدیث، کہ اس نے ایک مجہول کوفی سے روایت کی ہے اور ابن عدی نے اپنی کتاب میں معتمر کی سند سے اس کی تخریج کی ہے جیسا کہ ابوداؤد اور ان کے علاوہ نے اس کی تخریج کی۔اور انہوں نے ایک دوسرے طریق سے بھی معتمر سے تخریج کی ہے، انہوں نے کہا میں نے ابن حماد سے سنا، انہوں نے عمران بن خالد سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔پھر فرمایا: یہ حدیث معتمر کے علاوہ کسی سے مروی نہیں اور یہ غیر محفوظ ہے، چاہے ابو خالد سے بیان کرے یا عمران بن خالد سے کہ یہ دونوں مجہول ہیں، علامہ ابن عبد البر نے کہا: یہ حدیث واللہ تعالیٰ اعلم انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فعل سے بیان کی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں۔

(فتح الباری لابن رجب، باب مایقول بعد التکبیر، ج6، ص404، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

باب نمبر180

بَابٌ فِي افْتِتَاحِ الْقِرَاءَةِ بِ (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)

سورۂ فاتحہ سے قراءت کا آغاز کرنا

246- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، يَفْتَتِحُونَ القِرَاءَةَ بِالحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ. قال ابوعیسی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ: كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ القِرَاءَةَ بِالحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ. قَالَ الشَّافِعِيُّ: إِنَّمَا مَعْنَى هَذَا الحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، كَانُوا يَفْتَتِحُونَ القِرَاءَةَ بِالحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ، مَعْنَاهُ: أَنَّهُمْ كَانُوا يَبْدَءُونَ بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الكِتَابِ قَبْلَ السُّورَةِ، وَلَيْسَ مَعْنَاهُ: أَنَّهُمْ كَانُوا لَا يَقْرَءُونَ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)، وَكَانَ الشَّافِعِيُّ يَرَى: أَنْ يُبْدَأَ بِ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)، وَأَنْ يُجْهَرَ بِهَا إِذَا جُهِرَ بِالقِرَاءَةِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ''(یعنی سورۂ فاتحہ) سے قراءت کا آغاز کیا کرتے تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔

صحابۂ کرام، تابعین اور اُن کے بعد میں آنے والے (علما) کا اسی پر عمل ہے۔ یہ حضرات قراءت کا آغاز "الحمدلله رب العلمين" (سورۂ فاتحہ) سے کیا کرتے تھے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: یہ حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم (نماز میں) "الحمد لله رب العلمين" سے قراءت شروع کیا کرتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی سورۃ (کو پڑھنے) سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ "بسم الله الرحمن الرحيم" (بالکل) نہیں پڑھتے تھے۔ اور امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ نمازی ''بسم الله الرحمن الرحيم'' سے (قراءت) شروع کرے اور جب قراءت بلند آواز سے کرے (یعنی جہری نمازوں میں) ''بسم اللہ'' بھی اونچی آواز سے پڑھے۔

تخریج حدیث246: (صحیح بخاری، باب ما یقول بعد التکبیر، ج1، ص149، حدیث743، دار طوق النجاة ☆ صحیح مسلم، باب حجة من قال لا یجهر بالبسملة، ج1، ص299، دار احیاء

التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب من لم یر الجہر ب(بسم اللہ الرحمن الرحیم)، ج1، ص207، حدیث782، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب افتتاح القراءۃ، ج1، ص267، حدیث813، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ مسند الشافعی، ومن کتاب استقبال القبلۃ فی الصلاۃ، ج1، ص36، دارالکتب العلمیہ، بیروت ☆ مسند الحمیدی، احادیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج2، ص308، حدیث1233، دارالسقا، دمشق)

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے قراءت کا آغاز کیا کرتے تھے)) اور یہ بسم اللہ کے بلند آواز سے نہ ہونے میں ظاہر ہے اور "سورۃ کا نام مراد ہونے" کی تاویل اس بات پر موقوف ہوگی کہ ان کے ہاں اس جملہ کو سورت کا نام دیا جاتا ہو، ورنہ حقیقتِ لفظ سے عدول نہیں کیا جائے گا اور اس کے ظاہر کو مجاز کی طرف نہیں پھیرا جائے گا مگر دلیل سے۔ اور بعض نے یہ کہا ان کے اس قول ((كانوا يفتتحون)) کہ وہ سورۂ فاتحہ سے قراءت کا آغاز کرتے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بسم اللہ کی قراءت سراً نہیں کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مایقول بعد التکبیر، ج5، ص281، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

پھر "حدیثِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کی مختلف کتبِ حدیث سے اسنادِ مختلفہ اور الفاظ مختلفہ کے ساتھ تخریج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان روایات کے تمام روای ثقہ ہیں، ان سے صحیح میں احادیث کی تخریج کی گئی ہے........ اس کے تمام الفاظ ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ سات الفاظ ہیں:

پہلا: ((كَانُوا لَا يستفتحون الْقِرَاءَةَ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)) ترجمہ: وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے قراءت کی ابتداء نہیں فرماتے تھے۔

دوسرا: ((فَلَم أسمع أحدا مِنهُم يَقُول أو يقرأ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)) ترجمہ: پس میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے یا پڑھتے نہیں سنا۔

تیسرا: ((فَلَم يَكُونُوا يقرؤن بِسمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)) ترجمہ: وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے۔

چوتھا: ((فَلَم أسمع أحدا مِنهُم يجهر بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)) ترجمہ: میں نے ان سے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں سنی۔

پانچواں: ((فَكَانُوا لَا يجهرون بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)) ترجمہ: وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً نہیں پڑھا کرتے تھے۔

چھٹا: ((فَكَانُوا يسرون بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)) ترجمہ: وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے۔

ساتواں: ((فَكَانُوا يستفتحون الْقِرَاءَةَ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾)) ترجمہ: وہ قراءت کی ابتداء ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب مایقول بعد التکبیر، ج5، ص283، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

Scanned by CamScanner

باب نمبر 181

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ

سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز (کامل) نہیں ہوتی

247- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَا :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ .وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي قَتَادَةَ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ ابوعيسىٰ :حَدِيثُ عُبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ :عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَغَيْرُهُمْ، قَالُوا :لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الكِتَابِ، وَبِهِ يَقُولُ ابْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اُس کی نماز (کامل) نہیں۔

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابوقتادہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

اور اکثر صحابۂ کرام کا اسی پر عمل ہے جن میں حضرت عمر بن خطاب، جابر عبداللہ اور عمران بن حصین وغیرہم بھی شامل ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔ اور عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہ ہی مسلک ہے۔

تخریج حدیث 247: (صحیح بخاری، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم، ج1، ص151، حدیث756، دارطوق النجاۃ☆ صحیح مسلم، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ الخ، ج1، ص295، حدیث394، داراحیاء التراث العربی، بیروت☆ سنن ابی داؤد، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الخ، ج1، ص217، المکتبۃ العصریہ، بیروت☆ سنن نسائی، ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلاۃ، ج2، ص137، حدیث910، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب☆ سنن ابن ماجہ، باب القراءۃ خلف الامام، ج1، ص273، حدیث 837، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) مذکورہ حدیث کو اسناد مختلفہ اور الفاظ مختلفہ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

یہ تمام احادیث سورۂ فاتحہ کے فرض ہونے پر دلالت نہیں کرتیں، کیونکہ حدیث میں: ((غیـــر تـمـــام)) کے ذریعہ وضاحت فرمادی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بغیر نماز درست ہے لیکن ناقص ہے کیونکہ ((غیر تمام)) کا معنی ہے کہ نماز ناقص ہے۔ اور ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ اگر سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ناقص ہو جائے گی۔

(شرح سنن ابی داؤد للعینی، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ الخ، ج3، ص492، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز (کامل) نہیں)) اس حدیث سے امام شافعی نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نماز پنجگانہ حتی کہ نماز جنازہ میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ حدیث میں اس کے بغیر نماز درست ہونے کی نفی کردی گئی ہے۔ اور امام اعظم نے فرمایا: قراءت کی فرضیت اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (قرآن میں سے جو تمہیں میسر آئے پڑھو) سے ثابت ہے، اور یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد کی نقل میں شبہ ہوتا ہے لہذا اس کے ذریعہ فرضیت ثابت نہیں ہوگی لیکن اس حدیث سے سورہ فاتحہ کا وجوب ثابت ہوا تا کہ دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے، لہذا یہاں کمالِ نماز کی نفی مراد ہوگی۔

(شرح مسند ابی حنیفہ، حدیث القراءۃ فی الصلاۃ، ج1، ص141، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سورۂ فاتحہ کو "فاتحۃ الکتاب" اور "ام القرآن" کہنے کی وجہ

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

"فاتحۃ الکتاب" کے ساتھ اس سورت کو اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ مصحف شریف کا آغاز اس سورت سے ہوتا ہے۔ اور "فاتحہ" نام کی ایک وجہ بھی یہی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کا افتتاح اس سورت سے ہوتا ہے۔ یا اس کی علت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے پر سات اعضا میں خیر کے دروازے کھول دیتی ہے اور جہنم کے دروازے بند کر دیتی ہے اور اس سورت کی برکت سے جنت کے آٹھ یا سات "علی الاختلاف، جس طرح سورہ فاتحہ کی آیتوں کی تعداد میں اختلاف ہے" دروازے کھل جاتے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ، ج2، ص682، دار الفکر، بیروت)

صحیح مسلم کی روایت میں سورۂ فاتحہ کو "ام القرآن" کہا گیا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

سورۂ فاتحہ کا نام ام القرآن اس لئے رکھا گیا کہ یہ سورت قرآن کے مقاصد پر مشتمل ہے، یعنی (۱) اللہ کے حق میں کونسی چیزیں واجب اور کونسی اشیا اُس پر محال ہیں اور کیا چیز اُس کے حق میں ممکن ہے اُن کا اثبات، اور اُس کے انبیاء کے لئے اسی طرح کی چیزوں کا بیان (یعنی انبیاء کے حق میں واجب، محال اور ممکن اشیاء کا بیان) (۲) زندگی اور مَعاد (مرکر دوبارہ اٹھنے) کے اَحوال (۳) خبر وطلب کا بیان (۴) قصص (۵) ہدایت یافتہ کی مدح (۶) ان کی ضد کی مذمت (۷) اور ایسوں کی قسموں کا بیان یعنی "جن پر غضب ہوا" اور "گمراہ" وغیرہ وغیرہ۔ حتی کہ بعض عارفین نے فرمایا: سیر الی اللہ کے مسافرین کی تمام منزلیں ﴿ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ پر مبنی ہیں۔ اور بعض علمانے فرمایا: پورا قرآن اجمالی طور پر سورہ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ بسم اللہ میں ہے اور پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، باء میں ہے اور پوری باء، اُس کے نقطہ میں ہے۔ گویا نقطہ سے توحیدی معنی مراد ہیں۔ اسی لئے کہا گیا: علم ایک نقطہ ہے جس کو جاہلوں نے کثیر کر دیا یعنی جاہلین اس کی کثرت کا سبب بنے کیونکہ اُنہوں نے (اُس نقطے کے) اجمال کو نہیں سمجھا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ، ج2، ص682، دار الفکر، بیروت)

سورۂ فاتحہ فرض ہے یا نہیں

احناف کا مؤقف

عند الاحناف سورۂ فاتحہ یا کوئی معینہ سورت فرض نہیں۔ (فتاوی ہندیہ، الفصل الاول فی فرائض الصلاۃ، ج1، ص69، دار الفکر، بیروت)

اور سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت ملانا (یعنی ایک چھوٹی سورت یا ایک یا دو آیتیں تین چھوٹی کے برابر پڑھنا) فرض کی دو پہلی رکعتوں میں اور نفل و وتر کی ہر رکعت میں واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ، الفصل الثانی فی واجبات الصلاۃ، ج1، ص69، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

نماز کے چودہ ارکان ہیں...... ان میں ایک فاتحہ کی قراءت ہے، اس کی دلیل یہ حدیث پاک ہے: ((لا صلاۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب)) ترجمہ: جس نے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ ہاں امام مقتدی کی قراءت کا متحمل ہوتا ہے۔

(الروض المربع شرح زاد المستقنع، فصل ارکان الصلاۃ وواجباتہا، ج1، ص102، دار المؤید، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

فاتحہ کی قراءت نماز میں واجب (ضروری) ہے اور نماز کے ارکان میں ایک رکن ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہو گی، امام احمد بن حنبل کے مشہور قول کے مطابق ایسا ہی ہے، اس کو ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ قراءت الفاتحہ فی الصلاۃ، ج 1، ص 343، مکتبۃ القاہرہ)

یہی علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہر رکعت میں فاتحہ کی قراءت ضروری ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 246، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز میں قرأت کے لیے سورۂ فاتحہ متعین ہے، اس پر قادر کی نماز اس کے بغیر نہیں ہوگی۔

(المجموع شرح المہذب، مسائل متعلقہ بالتعوذ، ج 3، ص 327، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

نمازی پر لازم ہے کہ سورۂ فاتحہ کو ہر رکعت میں پڑھے، پس اگر ایک رکعت میں بھی ترک کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

(الحاوی الکبیر، فصل، ج 2، ص 109، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

امام اور منفرد کے لئے فرض اور نفل کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی اور نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ سرًّا پڑھا جائے اور نہ جہرًا۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب القراءۃ، ج 1، ص 201، مکتبۃ الریاض الحدیثہ، ریاض)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

(1) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے: ((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اُس کی نماز نہیں۔

(صحیح بخاری، باب وجوب القراءۃ للامام، ج 1، ص 151، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب وجوب القراءۃ، ج 1، ص 295، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔

احناف کے دلائل:

(1) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ترجمہ: قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہوا تنا پڑھو۔ (سورۃ المزمل، آیت 20)

اس آیت مبارکہ میں بغیر تعیین کے مطلق قراءت کا حکم ہے تو فاتحہ کو فرض قرار دینا یہ قرآن کے اطلاق کو منسوخ کرنا ہے، اور فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہونے کے بارے میں وارد روایت خبر واحد ہے اور خبر واحد سے ایسا کرنا جائز نہیں۔ اور شوافع کے نزدیک تو کتاب اللہ کا نسخ خبر متواتر سے بھی جائز نہیں تو خبر واحد سے کیسے جائز ہوگا؟

(بدائع الصنائع، فصل الواجبات الاصلیہ، ج1، ص160، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(2) صحیح بخاری میں ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَدَّ وَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ يُصَلِّي كَمَا صَلَّى، ثُمَّ جَاءَ، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ القُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، پھر ایک شخص داخل ہوا، پس اُس نے نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: لوٹ جاؤ، پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، سو وہ لوٹ گیا اور اُس طرح نماز پڑھنے لگا جیسے پہلے پڑھی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: لوٹ جاؤ، پس نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، یہ تین مرتبہ ہوا، پھر اُس شخص نے کہا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں اس سے بہتر طریقے سے نماز نہیں پڑھ سکتا، سو آپ مجھے نماز کی تعلیم دیجیے، پس آپ نے فرمایا: جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو پس اللہ اکبر کہو، پھر جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہو اتنا قرآن پڑھو، پھر تم رکوع کرو حتی کہ تم اطمینان سے رکوع کرو پھر تم سر اٹھاؤ حتی کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر تم سجدہ کرو حتی کہ تم اطمینان سے سجدہ کرو پھر تم سجدہ سے سر اٹھاؤ حتی کہ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور اپنی پوری نماز میں اسی طرح کرو۔ (صحیح بخاری، باب وجوب القراءۃ للامام، ج1، ص152، دار طوق النجاۃ)

(3) رکنیت وفرضیت دلیل قطعی ہی سے ثابت ہوتی ہے اور خبر واحد (ظنی ہے، اس) سے عمل ثابت ہوتا ہے، نہ کہ علم، لہذا خبر واحد سے فاتحہ کا واجب ہونا ثابت ہوگا۔

(مبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج1، ص19، دار المعرفہ، بیروت)

(4) قراءت سے مقصود تعظیم باللسان ہے اور یہ فاتحہ اور اس کے علاوہ کی قراءت سے مختلف نہیں ہوگا۔

(مبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج1، ص19، دار المعرفہ، بیروت)

(5) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی فعل پر مواظبت (ہمیشگی) فرمانا فرضیت پر دلالت نہیں کرتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجبات پر بھی مواظبت فرماتے تھے۔

(بدائع الصنائع، فصل الواجبات الاصلیہ، ج1، ص160، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

احناف کے نزدیک ایک سورت یا کسی بھی سورت سے تین چھوٹی آیتیں ملانا نماز کے واجبات میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں کثیر احادیث وارد ہیں:

ایک حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا)) ترجمہ: سورہ فاتحہ اور ساتھ کچھ اور پڑھے بغیر نماز نہیں۔ اس کو ابن عدی نے الکامل میں روایت کیا۔

اور ایک روایت میں ہے: ((أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَقْرَأَ الْفَاتِحَةَ وَمَا تَيَسَّرَ)) ترجمہ: ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ جو آسان معلوم ہو پڑھیں۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((لَا تجزىء صَلَاةٌ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا غَيْرُهَا)) یعنی سورہ فاتحہ اور اُس کے ساتھ کچھ اور ملائے بغیر نماز کافی نہیں ہوگی۔ ایک روایت میں ہے: ((وَسُورَةٍ فِي فَرِيضَةٍ أَوْ فِي غَيْرِهَا)) یعنی فرض نماز ہو یا کوئی اور اُس میں ایک سورت بھی ملائی جائے۔ اور اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید کے حوالہ سے روایت کیا، آپ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وتحريمها التَّكْبِيرُ، وتحليلها التَّسْلِيمُ، وَلَا صَلَاةَ لمن لَا يقرأ بِالْحَمْدِ وَسُورَةٍ فِي فَرِيضَةٍ أَوْ فِي غَيْرِهَا)) ترجمہ: نماز کی کنجی طہارت ہے، اس کی حرمت، تکبیر تحریمہ اور اس کی حلت، سلام ہے۔ اُس شخص کی نماز (کامل) نہیں جس نے سورہ فاتحہ اور ایک سورت تلاوت نہیں کی، فرض نماز ہو یا کوئی دوسری نماز۔

اور امام ابوداؤد کے حضرت ابونضرہ کے حوالہ سے یہ الفاظ ہیں: ((أَمَرَنَا أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ)) ترجمہ: ہمیں حکم ہوا کہ سورۂ فاتحہ اور جو کچھ آسان معلوم ہو، تلاوت کریں۔ اور امام ابن حبان نے بھی ''صحیح ابن حبان'' میں اس حدیث کو روایت کیا اور اُس کے الفاظ یہ ہیں: ((أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَقْرَأَ الْفَاتِحَةَ وَمَا تَيَسَّرَ)) اس حدیث

کو امام احمد اور ابویعلیٰ نے اپنی اپنی مسند میں روایت کیا۔ اور ابن عدی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے روایت کیا، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تجزیء الْمَكْتُوبَة إلاّ بفَاتِحَة الْكتاب وَثَلاث آيَات فَصَاعِدا)) ترجمہ: سورۂ فاتحہ اور تین یا اس سے زیادہ آیات (کے پڑھے) بغیر فرض نماز نہیں ہوگی۔

اور امام ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں روایت کیا کہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تجزیء صَلَاة لَا يقْرَأ فِيهَا بفَاتِحَة الْكتاب وَشَيْء مَعهَا)) ترجمہ: وہ نماز درست نہیں جس میں سورۂ فاتحہ اور ساتھ کچھ (مزید قرآن) نہ پڑھا جائے۔

اور ہمارے علما نے تمام احادیث پر عمل کیا وہ یوں کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک سورت یا تین آیتیں ملانے کو واجب قرار دیا کیونکہ یہ احادیث خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں لہذا ان کے ذریعہ فرضیت ثابت نہیں ہوگی اور عندالاحناف صرف مطلق قراءت فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ترجمہ: قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو۔ اللہ عزوجل نے مطلقاً اس قدر قراءت کا حکم فرمایا جتنا قرآن میں سے آسان ہو۔ اور اس مطلق کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ مقید کرنا مطلق نص پر زیادتی ہے اور مطلق نص پر زیادتی جائز نہیں ہے لہذا ہم نے تمام نصوص پر عمل کیا اور سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک (چھوٹی) سورت یا تین آیتیں پڑھنے کو واجب قرار دیا اور ہم نے کہا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان: ((لَا صَلَاة إلاّ بفَاتِحَة الْكتاب)) (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) یہ ایسا ہی ہے جیسا آپ کا یہ فرمان ہے: ((لَا صَلَاة لِجَار الْمَسْجِد إلاّ فِي الْمَسْجِد)) (مسجد کے پڑوسی نماز نہیں مگر مسجد میں) اور صحابہ کی ایک جماعت سے بھی ان کا واجب ہونا ثابت ہے۔ اور بعض نے فرمایا: اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز درست نہیں، ہم نے کہا: اُس کی نماز باطل نہیں ہوگی ہاں اگر قصداً ترک کیا تو اساءت کا ارتکاب کیا اور بھول کر کیا تو اُس پر سجدۂ سہو لازم ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب القراءۃ فی الفجر، ج6، ص33,34، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر182

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّأْمِينِ

آمین کہنے کا بیان

248- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَا :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ حُجْرِ بْنِ عَنْبَسٍ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ :(غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ)، فَقَالَ : آمِينَ، وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ .قال ابوعيسىٰ :حَدِيثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ،وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ :يَرَوْنَ أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلَ صَوْتَهُ بِالتَّأْمِينِ، وَلَا يُخْفِيهَا، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ .وَرَوَى شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ :(غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) ، فَقَالَ : آمِينَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ .قال ابوعيسىٰ :سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ " :حَدِيثُ سُفْيَانَ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ'' پڑھا اور آواز کھینچ کر آمین کہی۔

اس باب میں حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات منقول ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن" ہے۔ اور متعدد صحابۂ کرام، تابعین اور اُن کے بعد آنے والے علما کا یہی مسلک ہے کہ نمازی بلند آواز سے ''آمین'' کہے اور اس کو ہلکی آواز سے نہ کہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہی مؤقف ہے۔

امام شعبہ نے اس حدیث کو سلمہ بن کہیل، حجر ابوعنبس اور علقمہ بن وائل بن حجر کے واسطہ کے ساتھ وائل بن حجر سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھا اور آہستہ آواز سے ''آمین'' کہی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا کہ اس بارے میں سفیان کی روایت شعبہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے، شعبہ نے اس روایت کے کئی مقامات پر غلطی کی ہے، چنانچہ اُنہوں نے ''حجر ابوعنبس'' کہا

أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ فِي هٰذَا، وَأَخْطَأَ شُعْبَةُ فِي مَوَاضِعَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ: عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ، وَإِنَّمَا هُوَ حُجْرُ بْنُ عَنْبَسٍ وَيُكْنَى أَبَا السَّكَنِ، وَزَادَ فِيهِ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، وَلَيْسَ فِيهِ عَنْ عَلْقَمَةَ، وَإِنَّمَا هُوَ حُجْرُ بْنُ عَنْبَسٍ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَقَالَ: وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ، وَإِنَّمَا هُوَ: وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ. "وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ، فَقَالَ: حَدِيثُ سُفْيَانَ فِي هٰذَا أَصَحُّ، قَالَ: وَرَوَى الْعَلَاءُ بْنُ صَالِحٍ الْأَسَدِيُّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، نَحْوَ رِوَايَةِ سُفْيَانَ

جبکہ وہ ''حجر بن عنبس'' ہیں جن کی کنیت ''ابوالسکن'' ہے۔اور (دوسری خطاء یہ ہے کہ) شعبہ نے سند میں ''علقمہ بن وائل'' کا اضافہ کیا حالانکہ سند میں علقمہ نہیں ہیں بلکہ حجر بن عنبس نے (براہِ راست) وائل بن حجر سے روایت کیا۔اور (تیسری خطا یہ ہے کہ) شعبہ نے کہا ''خفض بھا صوتہ'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پست آواز میں آمین کہی حالانکہ الفاظِ حدیث یہ ہیں ''مد بھا صوتہ'' یعنی حضور نے آواز کھینچ کر آمین کہی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کے متعلق ابوزرعہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا: اس بارے میں سفیان کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔(مزید) آپ نے فرمایا: علاء بن صالح اسدی نے سلمہ بن کہیل سے سفیان کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

249 قال ابو عيسىٰ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ صَالِحٍ الْأَسَدِيِّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ حُجْرِ بْنِ عَنْبَسٍ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ سُفْيَانَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے (اس کی سند بیان کرتے ہوئے) کہا: ہمیں ابوبکر محمد ابن ابان نے حدیث بیان کی (وہ کہتے ہیں) ہمیں عبداللہ بن نمیر نے علاء بن صالح اسدی، سلمہ بن کہیل، حجر بن عنبس اور وائل بن حجر کے واسطہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے سفیان کی مثل حدیث بیان کی جو (سفیان نے) سلمہ بن کہیل سے روایت کی۔

تخریج حدیث 248: (سنن ابی داؤد، باب التامین وراء الامام، ج1، ص246، حدیث 932، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب رفع الیدین حیال الاذنین، ج2، ص122 مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرحِ حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

ترجمہ: ((آمین کھینچ کر آواز کھینچ کر کہی)) یعنی اس کے آخر کو اور یہ مدعارض ہوگی، اس میں طول، توسط اور قصر جائز ہے یا اس کھینچنے سے مراد اس کے الف کو کھینچنا ہے۔ آواز کی سماعت سے آمین کا جہر سے پڑھنا لازم نہیں آتا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اور اس کو تعلیم اُمت یا بیان جواز پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ اور ہمارے علمانے آمین میں اونچی آواز فرمانے والی حدیث کو شروع اسلام پر اور تعلیم اُمت کے لئے ہونے پر محمول کیا ہے۔ پھر جب یہ چیز (لوگوں کے اذہان میں) قرار پکڑ گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آہستہ آواز سے آمین کہنے پر عمل شروع فرمایا۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ، ج2، ص696، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

امام ابن ہمام فرماتے ہیں: امام احمد، امام ابو یعلی، امام طبرانی، امام دار قطنی اور امام حاکم نے حدیث پاک شعبہ عن علقمہ بن وائل عن ابیہ کی سند سے ذکر کی: ((انَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ قَالَ: آمِيْنَ "وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ")) ترجمہ: حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پر پہنچے تو "آمین" کہی اور اسے آہستہ آواز میں ادا کیا۔ اور اسے امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہما نے سفیان عن وائل بن حُجر کی سند سے بیان کیا اور اس میں ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ آواز کو بلند کیا۔ تو سفیان نے رفع میں شعبہ کی مخالفت کی ہے۔ اور جب اس معاملہ میں حدیث مختلف ہوگئی تو صاحبِ ہدایہ نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کیا کہ وہ آہستہ آمین کہا کرتے تھے، یہ اس بات کا مؤید ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آہستہ آمین کہا کرتے تھے، میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ ساتھ یہ ہے کہ دعا میں اصل اخفا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔ (الاعراف 55) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ "آمین" دعا ہے، تو تعارض کے وقت اس کے ذریعہ اخفا کو ترجیح دی جائے گی اور دیگر اذکار اور ادعیہ پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ "آمین" بالاجماع قرآن میں سے نہیں، تو مناسب نہیں کہ اسے قرآن کی آواز پر پڑھا جائے، جیسا کہ مصحف میں اس کی کتابت جائز نہیں، اسی لیے تعوذ کے اخفا پر اجماع ہے کیونکہ وہ قرآن میں سے نہیں، اختلاف تو بسم اللہ کے جہر میں ہے جو اس اختلاف پر مبنی ہے کہ یہ قرآن میں ہے یا نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ، ج2، ص696، دار الفکر، بیروت)

52/52

"آمین" کہنے اور اس کے آہستہ اور بلند آواز سے ہونے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

جب فاتحہ سے فارغ ہو تو "آمین" کہے چاہے امام ہو، مقتدی ہو یا منفرد ہو اور یہ جمہور علما کا قول ہے ---- پھر ہمارے نزدیک آمین آہستہ کہنا سنت ہے۔

(بدائع الصنائع، بحث آمین، ج1، ص207، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

حاصل یہ کہ فاتحہ سے فراغت کے وقت امام اور مقتدی دونوں کے لیے آمین کہنا سنت ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ التامین عند فراغ الفاتحۃ فی الصلاۃ، ج1، ص352، مکتبۃ القاہرہ)

مزید فرماتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ امام اور مقتدی جہری نماز میں آمین بلند آواز سے کہیں اور سری نماز میں آمین آہستہ کہیں۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ التامین عند فراغ الفاتحۃ فی الصلاۃ، ج1، ص352، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف:

علامہ ابوبکر بن محمد تقی الدین شافعی (متوفی 829ھ) فرماتے ہیں:

سری نماز میں آہستہ آمین کہی جائے گی اور جہری نماز میں امام اور منفرد بلند آواز سے کہیں گے۔

(کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، باب ہیئات الصلاۃ، ج1، ص115، دار الخیر، دمشق)

مالکیہ کا مؤقف:

المدونہ میں ہے:

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مقتدی آہستہ آمین کہے گا اور امام آمین نہیں کہے گا اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے آمین کہنے میں حرج نہیں۔

(المدونہ، الرکوع والسجود، ج1، ص167، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

آہستہ "آمین" کہنے پر دلائل:

(1) امام حاکم حدیث پاک روایت کرتے ہیں: ((أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ الْفَقِيهُ وَأَبُو عَبْدِ اللَّهِ الصَّفَّارُ الزَّاهِدُ وَعَلِيُّ بْنُ حَمْشَاذَ الْعَدْلُ قَالُوا: ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْحَاقَ الْقَاضِي، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو الْوَلِيدِ قَالَا: ثنا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ حُجْرًا أَبَا الْعَنْبَسِ، يُحَدِّثُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ: آمِينَ يَخْفِضُ بِهَا صَوْتَهُ۔۔۔ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ (التعليق: من تلخيص الذهبي) على شرط البخاری و مسلم)) ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تو آپ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو آہستہ رکھا۔ (امام حاکم نے فرمایا:) یہ حدیث امام بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ علامہ ذہبی نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، من کتاب قراءات النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما لم یخرجاہ وقد صح سندہ، جلد 2، صفحہ 253، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یہ حدیث پاک جامع ترمذی میں بھی ہے۔ (جامع ترمذی، باب ما جاء فی التامین، ج2، ص27، مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

مذکورہ بالا حدیث پاک پر امام ترمذی نے امام بخاری کے حوالہ سے جو اعتراض نقل کیا تھا علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر تم کہو کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا کہ اس بارے میں سفیان کی روایت شعبہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے، شعبہ نے اس روایت کے کئی مقامات پر غلطی کی ہے، چنانچہ انہوں نے ''حجر ابو عنبس'' کہا جبکہ وہ ''حجر بن عنبس'' ہیں جن کی کنیت ''ابو السکن'' ہے۔ اور (دوسری خطاء یہ ہے کہ) شعبہ نے سند میں ''علقمہ بن وائل'' کا اضافہ کیا حالانکہ سند میں علقمہ نہیں ہیں بلکہ حجر بن عنبس نے (براہِ راست) وائل بن حجر سے روایت کیا۔ اور (تیسری خطا یہ ہے کہ) شعبہ نے کہا ''خفض بها صوته'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پست آواز میں آمین کہی حالانکہ الفاظ حدیث یہ ہیں ''مدّ بها صوته'' یعنی حضور نے آواز کھینچ کر آمین کہی۔

تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: امام شعبہ جیسے کی طرف خطا کی نسبت کرنا خود خطا ہے، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی غلطی کریں کہ وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں اور ان کا قول حجت ہے اور یہ عنبس کے بیٹے ہی ہیں، عنبس کے والد

نہیں، (ہاں ان کی کنیت ابوعنبس بھی ہے) اس پر امام ابن حبان نے "الثقات" میں جزم کیا ہے کہ ان کی کنیت ان کے والد کے نام کی طرح ہے اور امام بخاری کا یہ کہنا کہ ان کی کنیت "ابوالسکن" ہے یہ ان کی کنیت "ابوعنبس" ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ اس سے مانع کوئی چیز نہیں کہ ایک شخص کی دو کنیتیں ہوں۔ اور علقمہ کی زیادتی بھی نقصان دہ نہیں کیونکہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے، بالخصوص شعبہ جیسے امام کی طرف سے ہو۔ اور ان کا یہ کہنا کہ حدیث میں "مدبھا صوتہ" ہے "خفض بھا صوتہ" نہیں حالانکہ "خفض بھا صوتہ" کی تائید دارقطنی کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے وائل بن حجر سے روایت کی ہے کہ: ((عن وائل بن حجر قال:صليت مع رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بجمعة حين قال:غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال: آمين، وأخفى صوته)) ترجمہ: وائل بن حجر سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جُمُعَہ کی نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھا تو کہا: آمین، اور "آمین" کہنے میں اپنی آواز کو آہستہ کیا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب جہر الامام بالتأمین، ج6، ص51، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) سنن نسائی میں ہے: ((أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْعُودٍ قَالَ:حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ:حَدَّثَنِي مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِذَا قَالَ الْإِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ فَقُولُوا:آمِينَ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُولُ :آمِينَ، وَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُ:آمِينَ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امام کہے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تو تم آمین کہو کیونکہ ملائکہ آمین کہتے ہیں اور بے شک امام آمین کہتا ہے تو جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگئی اُس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(سنن نسائی، جہر الامام بآمین، ج2، ص144، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، بیروت)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ((وَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُ:آمِينَ)) (اور بے شک امام "آمین" کہتا ہے) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام "آمین" آہستہ کہتا ہے، کیونکہ اگر امام بلند آواز سے "آمین" کہتا ہو تو پھر اس فرمان کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

(3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ، فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو، پس بلاشبہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی، اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(صحیح بخاری، باب جہر الامام بالتأمین، ج1، ص156، مطبوعہ دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب التسمیع والتحمید والتأمین، ج1، ص306، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ملائکہ کی موافقت آمین آہستہ کہنے میں ہوگی کیونکہ ملائکہ آہستہ آمین کہتے ہیں کہ ہمیں ان کی آمین سنائی نہیں دیتی۔

(4)اس حدیث پاک سے استدلال کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں "سمع الله لمن حمده "کے جواب میں "ربنا لك الحمد "کہنے کی فضیلت میں بھی یہی کہا گیا ہے چنانچہ صحیح البخاری میں ہے:((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ:أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِذَا قَالَ الإِمَامُ:سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا:اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ المَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جب امام "سمع الله لمن حمده"پڑھے تو تم پڑھو "اللهم ربنا لك الحمد"جس کا پڑھنا ملائکہ کے پڑھنے کے موافق ہوگیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

(صحیح البخاری،کتاب الاذان،باب فضل اللھم ربنا لک الحمد،جلد1،صفحہ 158،دار طوق النجاۃ،مصر☆صحیح مسلم،باب التسمیع والتحمید والتامین،ج1،ص306،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

اللھم ربنا لک الحمد سب آہستہ کہتے ہیں اور وہی فضیلت ملتی ہے جو آمین کہنے میں ملتی ہے،تو جس طرح ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا جائے گا اسی طرح آمین بھی آہستہ پڑھی جائے گی۔

(5)شرح معانی الآثار میں ہے:((حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ الْكَيْسَانِيُّ قَالَ:ثنا عَلِيُّ بْنُ مَعْبَدٍ ,قَالَ:ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ,عَنْ أَبِي سَعِيدٍ,عَنْ أَبِي وَائِلٍ ,قَالَ:كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِ(بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)وَلَا بِالتَّعَوُّذِ ,وَلَا بِالتَّأْمِينِ)) ترجمہ:حضرت ابووائل سے مروی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،اعوذ باللہ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے۔ (شرح معانی الآثار،باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الخ،ج1،ص203،مطبوعہ عالم الکتب)

(6)"امین" دعا ہے،اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کا معنی ہے "اللھم احب "(اے اللہ قبول فرما!) جیسا امام حسن نے بیان کیا ہے،اور ایک دلیل یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور ہارون علیہ السلام "آمین" کہہ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ترجمہ:تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔(یونس 89)تو یہاں "آمین" کہنے کو بھی "دعا" فرمایا ہے۔ اور دعا میں اخفا اولیٰ ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ترجمہ:اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔(الاعراف 55)اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((خیر الدعاء الخفي وخير الرزق ما يكفي)) ترجمہ: بہترین دعا وہ ہے جس میں اخفا ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔ (مبسوط للسرخسی،مکروہات الصلاۃ،ج1،ص32،دارالمعرفہ،بیروت)

(7)علامہ عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی الحنفی (متوفی 743ھ) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُخْفِي الْإِمَامُ أَرْبَعًا:التَّعَوُّذَ وَالْبَسْمَلَةَ وَآمِينَ وَرَبَّنَا لَك الْحَمْدُ وَيُرْوَى مِثْلُ قَوْلِهِ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْ الصَّحَابَةِ

بَعْضُهُمْ يَقُولُ أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ خَمْسَةٌ وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ ثَلَاثَةٌ، وَكُلُّهُمْ بَعْدَ التَّأْمِينِ مِنْهَا؛ وَلِأَنَّهُ دُعَاءٌ فَيَكُونُ مَبْنَاهُ عَلَى الْإِخْفَاءِ؛ وَلِأَنَّهُ لَوْ جَهَرَ بِهَا عَقِيبَ الْجَهْرِ بِالْقُرْآنِ لَأَوْهَمَ أَنَّهَا مِنَ الْقُرْآنِ فَيُمْنَعُ مِنْهُ دَفْعًا لِلْإِيهَامِ" ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چار جگہوں پر امام آہستہ پڑھے گا: تعوذ، تسمیہ، آمین اور ربنا لک الحمد ۔اور اسی کی مثل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: چار جگہوں پر اور بعض نے فرمایا پانچ جگہوں پر اور بعض نے فرمایا تین جگہوں پر آہستہ پڑھے گا۔ البتہ تمام کے تمام نے فرمایا کہ آمین آہستہ پڑھے۔اور آمین آہستہ پڑھنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ دعا ہے اور دعا آہستہ پڑھی جاتی ہے۔اور ایک دلیل یہ ہے کہ اگر اسے بھی اونچی آواز میں پڑھا جائے گا تو قرآن کے بعد اسے پڑھنا یہ وہم ڈالتا ہے کہ یہ بھی قرآن ہے تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے اونچی آواز میں آمین پڑھنا منع کیا گیا۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، جلد 1، صفحہ 114، کتاب الصلوٰۃ، آداب الصلوٰۃ، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، القاہرۃ)

(8) علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں: ((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ التَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَآمِينَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چار جگہوں پر امام آہستہ پڑھے گا: تعوذ، تسمیہ، آمین اور ربنا لک الحمد۔

(ہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، مدخل، ج 1، ص 49، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(9) کتاب الآثار لابی یوسف میں ہے: ((عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ: أَرْبَعٌ يُسِرُّهُنَّ الْإِمَامُ فِي نَفْسِهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَالتَّعَوُّذُ وَآمِينَ)) ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے (1) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (2) سبحانک اللھم وبحمدک (3) اعوذ باللہ اور (4) آمین۔

(کتاب الآثار لابی یوسف، باب افتتاح الصلاۃ، ج 1، ص 21، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مصنف عبد الرزاق میں یہ روایت یوں ہے:

((عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْإِمَامُ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، وَالِاسْتِعَاذَةِ وَآمِينَ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) ترجمہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: چار مواقع پر امام آہستہ پڑھے گا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تعوذ، آمین، جب امام کہے سمع اللہ لمن حمدہ پڑھے ربنا لک الحمد۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلوٰۃ، باب ما تخفی الامام، جلد 2، صفحہ 87، المکتب الاسلامی، بیروت)

(10) شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا أمن الإمام فأمنوا فإن الملائكة تؤمن فمن وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه)) ترجمہ: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ ملائکہ آمین کہتے

ہیں تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی، اُس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔اور ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:((فقولوا آمین، فإن الإمام یقولها)) پس تم آمین کہو کیونکہ امام آمین کہتا ہے۔اور یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ امام اونچی آواز سے آمین نہیں کہے گا۔یہی ہمارے علما کا قول ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب ہے۔

(مبسوط للسرخسی، مکروہات الصلاۃ، ج 1، ص 32، دار المعرفہ، بیروت)

"آمین بالجہر" کے دلائل اور ان کے جوابات:

(1) سنن ابن ماجہ میں ہے:((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ:حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِیسَی قَالَ:حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ رَافِعٍ، عَنْ أَبِی عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمِّ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ:تَرَكَ النَّاسُ التَّأْمِينَ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ:﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ:آمِينَ حَتَّی يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجَّ بِهَا الْمَسْجِدُ)) ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:لوگوں نے آمین پڑھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پڑھتے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ تو فرماتے "آمین" یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگ سنتے تھے اور اس سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب الجہر بآمین، جلد 1، صفحہ 278، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس کی اسناد میں بشر بن رافع الحارثی ہے جس کو امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، امام احمد بن حنبل، امام یحیی بن معین اور امام ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے۔ابن قطان نے اپنی کتاب میں لکھا:بشر بن رافع ابو الاسباط الحارثی ضعیف ہے اور اس نے اس حدیث کو ابو عبد اللہ ابن عم ابی ہریرہ کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اور ابو عبد اللہ کا حال معلوم نہیں اور اس سے بشر کے علاوہ کسی نے روایت بھی نہیں کیا اور یہ حدیث اس وجہ سے صحیح نہیں، انتہی کلام ابن قطان۔

(نصب الرایہ، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 371، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

(2) دوسری دلیل جامع ترمذی کے اسی باب کی پہلی حدیث پاک ہے، جو ابوداؤد شریف میں اس طرح ہے:((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ حُجْرٍ أَبِي الْعَنْبَسِ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ:كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ:آمِينَ، وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ)) ترجمہ:حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرماتے ہیں:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ﴿وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ پر پہنچے تو آمین کہی اور اپنی آواز کو بلند کیا۔

(سنن أبی داود، کتاب الصلوۃ، باب التامین وراء الامام، جلد 1، صفحہ 246، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) یہاں حضور علیہ السلام کا بلند آواز سے پڑھنا اتفاقاً تھا قصداً نہ تھا (۲) یا یہاں بلند آواز سے آمین پڑھنا بطور تعلیم تھا تا کہ پتہ چل جائے کہ یہاں آمین پڑھنا ہے جب صحابہ کو پتہ چل گیا کہ یہاں آمین پڑھنا ہے تو اس کے بعد آپ نے آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔ (مبسوط للسرخسی، مکروہات الصلاۃ، ج1، ص32، دار المعرفۃ، بیروت)

(۳) علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

"وَحَدِيثُ وَائِلٍ طَعَنَ فِيهِ النَّخعِيّ وَقَالَ: أَشَهِدَ وَائِلٌ؟ وَغَابَ عَبْدُ اللّٰهِ" ترجمہ: اور حدیثِ وائل کے متعلق ابراہیم نخعی نے طعن کیا اور فرمایا: کیا وائل بن حجر (حضور کی بارگاہ میں) حاضر تھے اور عبداللہ بن مسعود غائب تھے؟ (یہ کیسے ہو سکتا ہے؟) (بدائع الصنائع، بحث آمین، ج1، ص207، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۴) پھر اس حدیث پاک میں صرف مقتدیوں کا بلند آواز سے آمین پڑھنا ثابت نہیں ہو رہا یہاں صرف امام کا بلند آواز سے آمین پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

مالکیہ کی دلیل اور اس کا جواب:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ (متوفی 620) فرماتے ہیں:

فاتحہ سے فارغ ہو کر "آمین" کہنا امام اور مقتدی دونوں کے لیے سنت ہے، یہی بات حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، اسی کے قائل امام سفیان ثوری، عطا، شافعی، یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق، ابو خیثمہ، ابن ابی شیبہ، سلیمان بن داؤد اور اصحاب رائے رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ اصحابِ مالک کہتے ہیں: امام کے لیے آمین کہنا حسن نہیں۔ کیونکہ امام مالک نے سمی اور ابو صالح کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ((انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الْإِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ فَقُولُوا: آمِينَ؛ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم کہو: آمین، کہ بے شک جس کا قول ملائکہ کے قول سے موافق ہو جائے اس کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ امام "آمین" نہیں کہے گا۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ)) ترجمہ: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جائے اس کی بخشش کر دی جائے گی۔ (متفق علیہ) اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَالَ: وَلَا الضَّالِّينَ. قَالَ: آمِينَ، وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ﴿وَلَا الضَّآلِّينَ.﴾ کہتے تو آمین بھی کہتے اور آواز کو بلند فرماتے۔ (سنن ابی داود، جامع ترمذی) اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

جو حدیث پاک مالکیہ نے پیش کی اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں کہ یہاں ان کے آمین کہنے کے محل کو بتانے کا قصد کیا گیا ہے اور وہ امام کے (وَلَا الضَّالِّينَ) کہنے کے بعد ہے، کیونکہ یہی امام کے آمین کہنے کی جگہ ہے تاکہ امام اور مقتدیوں کی آمین ایک وقت میں ہو ملائکہ کی آمین کی موافقت میں۔ اور یہ جو بات ہم نے کی ہے حدیث پاک میں اس کی صراحت بھی موجود ہے، چنانچہ امام احمد اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: وَلَا الضَّآلِّينَ. فَقُولُوا: آمِينَ. فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُولُ: آمِينَ. وَالْإِمَامُ يَقُولُ: آمِينَ. فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امام کہے ﴿وَلَا الضَّآلِّينَ﴾ تو تم آمین کہو کیونکہ ملائکہ آمین کہتے ہیں اور امام آمین کہتا ہے تو جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ التامین عند فراغ الفاتحہ، ج 1، ص 352، مکتبۃ القاہرہ)

باب نمبر 183

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّأْمِينِ

آمین کہنے کی فضیلت

250- حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امام "آمین" کہے تو تم بھی کہو کیونکہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے تو اُس کے گزشتہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

تخریج حدیث 250: (صحیح بخاری، باب جہر الامام بالتأمین، ج 1، ص 156، حدیث 780، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب التسمیع والتحمید والتأمین، ج 1، ص 306، حدیث 410، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب التأمین وراء الامام، ج 1، ص 246، حدیث 936، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، جہر الامام بآمین، ج 2، ص 144، حدیث 928، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

موافقت کس چیز میں؟

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

امام کی آمین کا فرشتوں کی آمین کے موافق ہونے کا ظاہر زمانہ میں موافقت ہونا ہے، اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے: ((إذا قال أحدكم: آمين، وقالت الملائكة في السماء: آمين. فوافقت إحداهما الأخرى)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے اور فرشتے بھی آسمان پر آمین کہتے ہیں پس اُن میں سے ایک کا قول دوسرے کے موافق ہو جائے۔ اور احتمال ہے کہ موافقت کا تعلق آمین کہنے کی صفت سے ہو یعنی اخلاص یا دیگر اچھی صفات میں نمازی کی آمین ملائکہ کی آمین کی طرح ہو۔ اور پہلا احتمال زیادہ ظاہر ہے۔ (احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، حدیث اذا امن الامام فامنوا، ج1، ص228,227، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ)

ملائکہ کون سے؟

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

ان ملائکہ کے مصداق کے متعلق اختلاف ہے جو آمین کہتے ہیں، اس بارے میں چند اقوال ہیں: (1) کہا گیا کہ وہ حفظہ یعنی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں (2) ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ فرشتے ہیں جو صبح و شام باری باری آتے ہیں (3) اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے علاوہ فرشتے مراد ہیں، کیونکہ بخاری شریف میں ہے: ((إذا قال القارى: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ فقال من خلفه: آمين، ووافق ذلك قول أهل السماء: آمين، غفر له ما تقدم من ذنبه)) ترجمہ: جب پڑھنے والا (یعنی امام) ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہتا ہے اور اس کے مقتدی آمین کہتے ہیں اور ان کا آمین کہنا آسمان کے فرشتوں کے قول (آمین) کے موافق ہو جاتا ہے تو ان کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس حدیث کو امام دارمی نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا۔ (4) اور ایک قول یہ ہے کہ تمام فرشتے آمین کہتے ہیں کہ الفاظ ملائکہ میں عموم ہے کیونکہ جس جمع پر الف لام ہو وہ مفید استغراق ہوتی ہے یعنی حفظہ میں جو حاضر ہوتے ہیں وہ اور اُن کے اوپر والے فرشتے حتی کہ ملاء اعلیٰ اور آسمانوں والے بھی آمین کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری، باب جہر الامام بالتامین، ج6، ص49، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں:

پھر اس کا ظاہر یہ ہے کہ ملائکہ سے تمام فرشتے مراد ہیں۔ اس کو ابن بزیزہ نے اختیار کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حفظہ

یعنی حفاظت کرنے والے فرشتے مراد ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ فرشتے مراد ہیں جو باری باری (یکے بعد دیگرے) زمین پر آتے ہیں اس قول کی بنا پر کہ یہ فرشتے حفظہ کے علاوہ ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ زمینی یا آسمانی وہ فرشتے مراد ہیں جو اس نماز میں حاضر ہوتے ہیں جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے ((وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ)) ترجمہ: اور آسمانی فرشتے کہتے ہیں۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے: ((فَوَافَقَ ذٰلِكَ قَوْلَ أَهْلِ السَّمَاءِ)) ترجمہ: اور اُس کا آمین کہنا آسمان والے فرشتوں کے موافق ہو جائے۔ اور حافظ عبدالرزاق نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، آپ فرماتے ہیں: ((صُفُوفُ أَهْلِ الْأَرْضِ عَلَى صُفُوفِ أَهْلِ السَّمَاءِ، فَإِذَا وَافَقَ آمِينَ فِي الْأَرْضِ آمِينَ فِي السَّمَاءِ غُفِرَ لِلْعَبْدِ)) زمین والے فرشتوں کی صفیں آسمان والے فرشتوں کی صفوں کے مطابق ہیں لہذا جب آمین کہنے میں زمین اور آسمان والے فرشتوں کی موافقت کرے گا تو بندہ کی بخشش کر دی جائیگی۔

(شرح الزرقانی علی المؤطا، باب ما جاء فی التأمین خلف الامام، ج1، ص329، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، القاہرہ)

مقتدی "آمین" کب کہے؟

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

علامہ خطابی نے فرمایا: یعنی تم امام کے ساتھ آمین کہو، اور یہ تاخیر پر دلالت نہیں کر رہا، جیسا کہ تم کہتے ہو "إِذَا رَحَلَ الْأَمِيرُ فَارْحَلُوا" یعنی جب امام کوچ کرے تم بھی کوچ کرو۔ مراد یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم امام کے ساتھ آمین کہو، اس کی دلیل آنے والی روایت ہے۔ اور یہ مطلب ہمارے مذہب کے مطابق متعین ہے کیونکہ عندالاحناف نمازی آہستہ آمین کہے گا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب القراءۃ فی الصلاۃ، ج2، ص686، دار الفکر، بیروت)

کون سے گناہوں کی بخشش ہوگی؟

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ جب وضو سے گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو نماز سے کس چیز کا کفارہ ہوگا؟ اور جب پانچ نمازوں سے کفارہ ہو گیا تو تو جمعہ اور رمضان سے کس چیز کا کفارہ ہوگا؟ یوں ہی عرفہ کے دن کا روزہ بھی دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عاشورہ کا روزہ ایک سال کا کفارہ ہے اور جب کسی شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جائے تو اُس کے تمام پچھلے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے؟ اس سوال کا جواب علما نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ تمام عبادات گناہوں کا کفارہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اگر کسی کے صغیرہ گناہ ہوں تو اُن کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اگر اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ نہ ہوں تو اس کی نیکیاں لکھ دی جاتی ہے اور درجات بلند کر دیے جاتے ہیں اور اگر صغیرہ گناہ نہ ہوں لیکن کبیرہ ہوں تو ہمیں اُمید ہے کہ اُس کے کبیرہ گناہوں میں تخفیف

ہو جائے گی۔ (شرح النووی علی مسلم، باب فضل الوضوء الخ، ج3، ص113، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یہی عبارت علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) نے بھی عمدۃ القاری میں نقل کی ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔ (عمدۃ القاری، باب الاستنثار فی الوضوء، ج3، ص13، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 184

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّكْتَتَيْنِ

نماز کے دو سکتوں کا بیان

251- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، قَالَ: سَكْتَتَانِ حَفِظْتُهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْكَرَ ذَلِكَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، وَقَالَ: حَفِظْنَا سَكْتَةً، فَكَتَبْنَا إِلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ بِالْمَدِينَةِ، فَكَتَبَ أُبَيٌّ: أَنْ حَفِظَ سَمُرَةُ، قَالَ سَعِيدٌ، فَقُلْنَا لِقَتَادَةَ: مَا هَاتَانِ السَّكْتَتَانِ؟ قَالَ: إِذَا دَخَلَ فِي صَلَاتِهِ، وَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ، ثُمَّ قَالَ بَعْدَ ذَلِكَ: وَإِذَا قَرَأَ: (وَلَا الضَّالِّينَ)، قَالَ: وَكَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ أَنْ يَسْكُتَ حَتَّى يَتَرَادَّ إِلَيْهِ نَفَسُهُ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: يَسْتَحِبُّونَ لِلْإِمَامِ أَنْ يَسْكُتَ بَعْدَمَا يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ وَبَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ وَأَصْحَابُنَا

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد کئے، اور عمران بن حصین نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا: ہم نے (حضور سے) ایک سکتہ یاد کیا (راوی کہتے ہیں) پس ہم حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ، خط لکھا تو اُنہوں نے (جوابی) خط یہ لکھا کہ سمرہ کی یادداشت صحیح ہے۔

سعید کہتے ہیں: پھر ہم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ دو سکتے کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: نماز کے آغاز اور قرأت کے اختتام پر، پھر فرمایا: اور جب "وَلَا الضَّآلِّيْنَ" پڑھے۔ (سعید کہتے ہیں) حضرت قتادہ کو پسند تھا کہ جب قراءت سے فارغ ہولیں تو سکتہ کریں یہاں تک کہ اُس کا سانس واپس آجائے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت سمرہ کی حدیث "حسن" ہے۔ اور کئی علما کا یہ ہی مؤقف ہے کہ نماز کے آغاز اور قرأت کے اختتام پر امام کے لئے کچھ دیر ٹھہرنا مستحب ہے۔ امام احمد، امام اسحاق اور ہمارے اصحاب کا یہ ہی قول ہے۔

تخریج حدیث 251: (سنن ابی داؤد، باب السکتۃ عند الافتتاح، ج1، ص207، حدیث 780، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب فی سکتتی الامام، ج1، ص275، حدیث 844، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

سکتوں سے مراد اور ان کا فائدہ

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

ظاہر تر یہ ہے کہ پہلا سکتہ ثناء پڑھنے کے لیے ہے اور دوسرا سکتہ آمین کہنے کے لیے۔ زین العرب نے کہا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو سکتے کیے ہیں: ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد تھا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ مقتدی نیت اور تکبیر تحریمہ کہہ کر فارغ ہو جائیں تاکہ کہیں سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ سماعت سے رہ نہ جائے۔ اور دوسرا سکتہ، سورہ فاتحہ مکمل ہونے کے بعد تھا اور اس کی غرض یہ ہے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لے اور اس وقت امام سانس اور آرام لے لے، اھ۔

اور دونوں ہی باتوں محل غور ہیں کیونکہ پہلا سکتہ ذکر سے خالی نہیں ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اُس میں بلند آواز سے ذکر نہیں۔ اور دوسرا سکتہ سانس لینے اور راحت لینے کے لیے ہے یہ قابل تسلیم ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہونا کہ مقتدی قراءت کر لے، یہ تو قلب موضوع ہے اور حدیث سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہو رہی۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما یقرء بعد التکبیر، ج 2، ص 680، دار الفکر، بیروت)

امام حسن بصری کا حضرت سمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع

مذکورہ روایت میں امام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، امام حسن کا حضرت سمرہ سے سماع ہے یا نہیں، اس بارے میں تین مذاہب ہیں، چنانچہ علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع کے حوالے سے تین مذاہب ہیں:

(1) ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مطلقاً ان سے سماعت کی ہے اور یہ ابن مدینی کا قول ہے، ان کے حوالہ سے امام بخاری نے اپنی تاریخ اوسط کے اول میں ذکر کیا تو فرمایا: ہم سے حمیدی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے سفیان نے اسرائیل کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حسن کو یہ کہتے ہوئے سنا: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی رہ گئے تھے تو میری ولادت ہوئی۔" علی کہتے ہیں: حسن کا سمرہ سے سماع صحیح ہے، انتہیٰ۔ اس بات کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا پس "صلاۃ الوسطی" کے باب میں فرمایا: محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علی یعنی ابن المدینی نے ارشاد فرمایا: حسن کا سمرہ سے سماع صحیح ہے۔ انتہی۔ اور ہمارے شیخ علاء الدین نے اس کی اچھی طرح تحقیق نہیں کی پس

انہوں نے اپنے غیر کی تقلید کرتے ہوئے فرمایا: امام ترمذی فرماتے ہیں: حسن کا حضرت سمرہ سے سماع میرے ہاں صحیح ہے، حالانکہ امام ترمذی نے یہ نہ کہا (بلکہ) انہوں نے تو امام بخاری اور انہوں نے ابن المدینی سے روایت کیا جیسا کہ اس بات کو ہم نے ذکر کردیا، لیکن امام ترمذی کے کلام سے ظاہر یہی ہے کہ وہ اس قول کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں حسن کی سمرہ سے مروی، بہت سی روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام حاکم نے اس قول کو اختیار فرمایا لہذا مستدرک میں امام حسن کی حضرت سمرہ سے مروی اس حدیث ((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ سَكْتَتَانِ: سَكْتَةٌ إِذَا كَبَّرَ. وَسَكْتَةٌ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَتِهِ)) (بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو مرتبہ سکتہ فرماتے تھے، ایک سکتہ اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے اور دوسرا سکتہ اس وقت جب اپنی قراءت سے فارغ ہوتے۔") کو روایت کرکے فرمایا: اور اس بات کا وہم نہ ہو کہ حسن نے حضرت سمرہ سے سماع نہیں کیا کیونکہ حسن نے سمرہ سے سنا ہے۔ انتھی. اور انہوں نے بھی اپنی کتاب میں بہت سی حضرت سمرہ کی احادیث بواسطہ حسن روایت کی ہیں اور ان میں بعض احادیث کے بارے میں فرمایا: یہ امام بخاری کی شرط پر ہے۔ اور کتاب البیوع میں حضرت سمرہ کی حدیث بواسطہ حسن ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الشَّاةِ بِاللَّحْمِ)) (بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوشت کے بدلے بکری کی بیع سے منع فرمایا ہے۔) روایت کرنے کے بعد فرمایا: اور تحقیق امام بخاری نے بھی حسن کی سمرہ سے مروی روایات سے استدلال کیا ہے۔ انتھی.

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ امام حسن نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ نہیں سنا اور ابن حبان نے اسی بات کو اپنی صحیح میں اختیار کیا ہے پس انہوں "قسم خامس" کی "نوع رابع" میں حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث: "بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو مرتبہ سکتہ فرماتے تھے۔" بواسطہ حسن روایت کرکے فرمایا: اور حسن نے حضرت سمرہ سے کچھ نہیں سنا۔ انتھی. اور صاحب تنقیح کہتے ہیں: امام ابن معین نے کہا: حسن نے حضرت سمرہ سے ملاقات نہیں کی۔ اور شعبہ کہتے ہیں: حسن نے حضرت سمرہ سے سماعت نہ کی۔ اور بردیجی کہتے ہیں: حسن کی حضرت سمرہ سے مروی احادیث کتاب کی صورت میں ہیں اور ان سے کوئی حدیث ایسی ثابت نہیں ہے جس میں انہوں نے کہا ہو کہ ''میں نے سمرہ سے سنا ہے۔'' ان کا کلام مکمل ہوا.

(3) تیسرا قول یہ ہے کہ امام حسن نے ان سے صرف حدیثِ عقیقہ سنی ہے، یہ بات امام نسائی نے کہی اور اسی بات کی طرف دار قطنی اپنی سنن میں مائل ہوئے لہذا انہوں نے دو سکتوں والی حدیث میں فرمایا: اور حسن کے حضرت سمرہ سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے اور قریش بن انس کے کہنے کے مطابق حسن نے ان سے صرف حدیث عقیقہ سنی ہے۔ انتھی. اور اسی بات کو عبد الحق نے اپنی کتاب ''الاحکام'' میں اختیار فرمایا چنانچہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اور حسن نے سمرہ سے صرف

53

حدیث عقیقہ سنی ہے، اور اسی بات کو بزار نے اپنی مسند میں مختار رکھا پس انہوں نے سعید بن مسیب کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کے ترجمہ کے آخر میں فرمایا: اور حسن نے حضرت سمرہ سے حدیث عقیقہ سماعت کی ہے پھر وہ ان سے سماع کے علاوہ میں مشغول ہوگئے، اور جب انہوں نے ان کے بیٹوں کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے ان کو ایک صحیفہ نکال کر دکھایا جو انہوں نے اپنے والد سے سنا تھا پس حسن ان کے صحیفہ سے بغیر ان سے سماعت کئے روایت کیا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ان سے سماعت نہیں کی تھی۔ انتھی۔ (نصب الرایۃ، فصل فی غسل، ج 1، ص 88 تا 90، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

امام حسن کی حضرت سمرہ سے سماعت کے متعلق اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ سماعت ثابت ہے۔ اور امام ابن حبان نے "صحیح ابن حبان" میں اس کو روایت کیا۔ اور بعض حفاظ حدیث نے فرمایا: یہ حدیث حضرت سمرہ، حضرت اُبی بن کعب اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بطریق صحت ثابت ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا: اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور اس کی سند حسن بلکہ صحیح ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ما یقرء بعد التکبیر، ج 2، ص 680، دار الفکر، بیروت)

نماز میں سکتے، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ پہلا سکتہ ثناء کے لئے اور دوسرا سکتہ آمین کہنے کے لئے ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما یقرء بعد التکبیر، ج 2، ص 680، دار الفکر، بیروت)

علامہ جمال الدین علی بن ابی یحیی زکریا انصاری حنفی (متوفی 686ھ) فرماتے ہیں:

اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے: ((كَانَ لِرَسُول الله صلى الله تعالىٰ عَلَيْهِ وَسلم سكتتانه سكتة بعد الدُّخُول فِي الصَّلَاة وسكتة بعد الْقِرَاءَة)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کیا کرتے تھے، ایک سکتہ نماز شروع کرنے کے بعد اور ایک سکتہ قراءت کے بعد۔" اور اس دوسرے سکتہ کا کوئی مقصد نہیں مگر یہ کہ مقتدی قراءت کر لے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ دوسرا سکتہ اس لئے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قراءت، تکبیر رکوع کے ساتھ متصل ہو جائے اور قرآن، غیر قرآن کے ساتھ خلط ملط ہو جائے۔

(اللباب فی جمع بین السنۃ والکتاب، باب لا تجب القراءۃ علی المأموم الخ، ج 1، ص 249,250، دار القلم، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابولولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

ایک قوم کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں کثیر سکتے مستحسن ہیں: (1) ایک اُس وقت جب تکبیر کہے (2) اور ایک اُس وقت کہ جب سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہو (3) اور ایک جب قراءت سے فارغ ہو یعنی قبل اَز رکوع۔ اس کے قائلین میں امام شافعی، امام ابوثور، امام اَوزاعی ہیں جبکہ امام مالک اور اُن کے تلامذہ نے اس کا انکار کیا۔ اور علما کے اختلاف کا سبب حدیث ابوہریرہ کی صحت میں اختلاف ہونا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((كَانَتْ لَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَكَتَاتٌ فِي الصَّلَاةِ: حِينَ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ قَبْلَ الرُّكُوعِ)) ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں سکتے کیا کرتے تھے: (1) جب سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے (2) اور جب رکوع سے قبل قراءت سے فارغ ہوتے۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الاول فی اقوال الصلاۃ، ج1، ص131,132، دار الحدیث، القاہرہ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

الاکمال میں فرمایا: امام شافعی، امام اَوزاعی، امام احمد اور اسحاق کا نظریہ ہے کہ امام کے ذمے تین سکتے ہیں (1) تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھنے کے لئے (2) سورہ فاتحہ مکمل ہونے کے بعد اور (3) قراءت کے بعد تاکہ مقتدی ان دونوں میں قراءت کر لیں۔ اور امام مالک نے ان تمام سکتوں کا انکار کیا ہے۔

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فرع اخفاء التشہد، ج1، ص544، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا موقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

شوافع کے نزدیک جہری نماز میں امام کے لئے چار سکتے مستحب ہیں: (1) تکبیر تحریمہ کے بعد جس کے دوران ثناء پڑھے (2) ''وَلَا الضَّالِّينَ'' اور ''آمِينَ'' کہنے کے درمیان ایک لطیف سکتہ (3) آمین کہنے کے بعد اس قدر طویل سکتہ کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے (4) سورت سے فارغ ہونے کے بعد ایک انتہائی لطیف سا سکتہ تاکہ اس کے ذریعہ قراءت اور رکوع کی تکبیر کے درمیان فاصلہ ہو جائے۔ اور پہلے سکتہ کو مجازاً سکتہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں سکتہ (خاموشی) نہیں ہے بلکہ یہاں تو ثناء پڑھنا ہے لیکن احادیث صحیحہ میں اس کو سکتہ کہا گیا ہے جیسا کہ اس کی وجہ گزری کہ اس وقت کوئی مقتدی امام کا کلام نہیں سنتا لہٰذا وہ سکتہ کرنے والے کی مانند ہے۔ جبکہ دوسرا اور چوتھا سکتہ حقیقت میں سکتہ ہیں اور جہاں تک تیسرے سکتہ کا تعلق ہے تو ہم نے

سرخی کے حوالہ سے بیان کر دیا ہے کہ اس موقع پر امام (خاموش نہ رہے بلکہ) دعا اور ذکر پڑھے۔

اور چوتھے سکتہ کے مستحب ہونے پر ہمارے علما متفق ہیں، اس کی تصریح کرنے والوں میں شیخ ابو محمد (تبصرہ میں) اور صاحب البیان ہیں۔ اور علمانے حضرت حسن بحوالہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ((أَنَّهُ كَانَ يَسْكُتُ سَكْتَتَيْنِ إِذَا اسْتَفْتَحَ وَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ كُلِّهَا)) ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو سکتے کیا کرتے تھے (1) جب ثناء پڑھتے (2) اور جب پوری قراءت سے فارغ ہوتے۔ اور ایک روایت میں ہے: ((إِذَا فَرَغَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ عِنْدَ الرُّكُوعِ)) جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوتے اور جب سورت سے فارغ ہوتے یعنی رکوع کے وقت۔ لیکن اس کا عمران بن حصین نے انکار کیا اور اس کے متعلق حضرت ابن کعب کی طرف مدینہ خط روانہ کیا تو اُنہوں نے حضرت سمرہ کی تصدیق کی۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے ان دو الفاظ سے روایت کیا، ابوداؤد کی ایک روایت اور ترمذی کی روایت میں ہے: ((سكتة إذ استفتح وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ)) ایک سکتہ اُس وقت جب ثناء پڑھے اور ایک سکتہ اُس وقت کہ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کی قراءت سے فارغ ہو۔ اور یہ روایت سابقہ دو روایتوں کے مخالف نہیں بلکہ مجموعۂ احادیث سے تین سکتوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(المجموع شرح المہذب، مسائل مہمۃ تتعلق بقراءۃ الفاتحۃ وغیرہا، ج3، ص395، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ علی بن سلیمان المرداوی حنبلی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

مصنف نے ہمیں اس بات کا بھی اِفادہ کیا ہے کہ امام کے لئے سکتے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے۔ مجد اور اُن کے متبعین نے فرمایا: یہ دو سکتے ہیں جو کہ مستحب ہیں: (1) ایک سکتہ پہلی رکعت کے ساتھ مخصوص ہے ثناء پڑھنے کے لئے (2) اور دوسرا ایک خفیف سا سکتہ ہے پوری قراءت کے بعد تا کہ امام کا سانس واپس آجائے اس لئے نہیں کہ مقتدی قراءت کر لیں۔ یہ امام احمد بن حنبل کے کلام کے ظاہر کے مطابق ہے۔

شیخ تقی الدین نے فرمایا: امام احمد کے نزدیک جہری نماز میں دو سکتے مستحب ہیں (1) تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھنے کی غرض سے (2) اور رکوع سے قبل تا کہ (قراءت اور رکوع کی تکبیر میں) فاصلہ ہو جائے۔ اور یہ مستحب نہیں ہے کہ امام اتنا طویل سکتہ کرے کہ مقتدی قراءت کر لے لیکن بعض علما کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ (شیخ تقی الدین کا کلام مکمل ہوا)

''مطلع'' میں فرمایا: امام کے تین سکتے ہیں: پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے، سورہ فاتحہ کے بعد اور رکوع سے پہلے۔

اور دو سکتے بقیہ رکعات میں ہیں (1) سورہ فاتحہ کے بعد اور (2) رکوع سے پہلے ۔ (کلام ختم ہوا) اور یہ ہی مصنف اور کثیر اصحاب کے کلام کا ظاہر ہے۔ جب تمہیں اس کا علم ہو گیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے کہ مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے کی بہ قدر سکوت کرے۔ کافی، ابن تمیم، فائق، رعایت صغری اور حاوی صغیر میں اس پر جزم کیا۔ اور فروع میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ سورہ فاتحہ سے پہلے بھی امام سکوت کرے۔

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، باب صلاۃ الجماعۃ، ج 2، ص 229,230، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر185

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ

نماز کے دوران دایاں ہاتھ، بائیں ہاتھ پر رکھنا

252- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا، فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَغُطَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ. قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ هُلْبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، يَرَوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ، وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يَضَعَهُمَا فَوْقَ السُّرَّةِ، وَرَأَى بَعْضُهُمْ: أَنْ يَضَعَهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ، وَكُلُّ ذَلِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُمْ. وَاسْمُ هُلْبٍ: يَزِيدُ بْنُ قُنَافَةَ الطَّائِيُّ

حضرت قبیصہ بن ہلب اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت فرماتے اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔

اس باب میں حضرت وائل بن حجر، حضرت غطیف بن حارث، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت سہل بن سہل رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: ہلب کی حدیث "حسن" ہے۔ اور صحابۂ کرام، تابعین اور اُن کے بعد کے علما کا اسی پر عمل ہے، وہ کہتے ہیں کہ دورانِ نماز آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ ناف کے اوپر رکھے اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ ناف کے نیچے رکھے جبکہ اُن علما کے نزدیک دونوں کی گنجائش ہے۔

"ہلب" کا نام یزید بن قُنافہ طائی ہے۔

تخریج حدیث252: (سنن ابن ماجہ، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ، ج1، ص266، حدیث809، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل، حدیث ہلب الطائی، ج34، ص304، حدیث21974، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

قیام میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف:

علامہ محمد بن احمد سمرقندی حنفی (متوفی 540ھ) فرماتے ہیں:

نمازی تکبیر تحریمہ کہہ کر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

(تحفۃ الفقہاء، باب افتتاح الصلاۃ، ج1، ص126، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور جہاں تک ہاتھ رکھنے کے مقام کا تعلق ہے تو مرد ناف کے نیچے اور عورت سینہ پر رکھے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص201، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مستحب ہے، کیونکہ حضرت ہلب سے روایت ہے: ((کان رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یؤمنا فیأخذ شمالہ بیمینہ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت فرماتے اور بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے ذریعہ پکڑ لیتے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھتے تھے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: ((السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلاۃ تحت السرۃ)) ترجمہ: نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ (ابوداؤد) اور امام احمد سے ایک قول یہ ہے ناف سے اوپر ہاتھ رکھے اور ایک قول یہ ہے کہ اسے اختیار ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص244، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ، گٹے اور کلائی کے پشت پر رکھے۔ اسے امام ابوداؤد نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا یوں ہی امام ابوداؤد اور امام بیہقی وغیرہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((اَنَّہٗ کَانَ یُصَلِّی فَوَضَعَ یَدَہُ الْیُسْرٰی عَلَی الْیُمْنٰی فَرَآہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی)) ترجمہ: وہ بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اُن کا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اسنادِ صحیح کے ساتھ امام مسلم کی شرائط کے مطابق روایت کیا۔اور ہلب طائی فرماتے ہیں: ((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّنَا فَیَاْخُذُ شِمَالَہٗ بِیَمِیْنِہٖ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت فرماتے اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔ (المجموع شرح المہذب، مسائل منثورۃ تتعلق بالرفع، ج3، ص312، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

ہمارے مذہب میں مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینہ کے نیچے اور ناف سے اوپر رکھے۔

(المجموع شرح المہذب، مسائل منثورۃ تتعلق بالرفع، ج3، ص313، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

شیخ احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں:

اور ہر نمازی کے لئے اپنے دونوں پہلوؤں کی طرف ہاتھوں کو چھوڑ دینا مطلقاً مستحب ہے۔فرض میں ہاتھ باندھنا مکروہ ہے۔کیا نفل نماز میں ہاتھ باندھنا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر جائز ہے، چاہے نوافل طویل ہوں یا نہ ہوں، یا طویل ہوں تو جائز ہے اور مختصر ہوں تو مکروہ ہے، ان میں دونوں طرح کے اقوال ہیں۔

(الشرح الکبیر للشیخ الدردیر، مندوبات الصلاۃ، ج1، ص250، دار الفکر، بیروت)

دلائل پر بحث ونظر:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

جہاں تک پہلی شق کا تعلق ہے تو علما فرماتے ہیں: داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ہی سنت ہے۔اور امام مالک نے فرمایا: لٹکانا ہی سنت ہے۔امام مالک کے موقف کی دلیل یہ ہے کہ لٹکانا بدن پر زیادہ شاق ہے اور ہاتھ باندھنا راحت لینے کے لئے ہے۔اس کی دلیل ابراہیم نخعی کی روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: صحابۂ کرام انگلیوں کے سروں میں خون جمع ہونے کے خوف سے یہ عمل کیا کرتے تھے کیونکہ وہ لمبی نماز پڑھا کرتے تھے۔اور افضل عمل وہ ہی ہے جس میں مشقت زیادہ ہو جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ثَلَاثٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ، تَعْجِیْلُ الْاِفْطَارِ، وَتَاْخِیْرُ السُّحُوْرِ، وَاَخْذُ الشِّمَالِ بِالْیَمِیْنِ فِی الصَّلَاۃِ)) تین چیزیں مرسلین علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں: (1) افطار میں جلدی کرنا

(2) سحری میں تاخیر کرنا اور (3) نماز میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا۔ اور ایک روایت میں ہے: ((وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ فِي الصَّلَاةِ)) یعنی نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا۔

اور جہاں تک ہاتھ رکھنے کے مقام کا تعلق ہے تو مرد ناف کے نیچے رکھے اور عورت سینہ پر ہاتھ باندھے۔ امام شافعی نے فرمایا: مرد و عورت دونوں ہی سینہ پر ہاتھ باندھیں۔ اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔'' وَ انْحَرْ '' سے مراد داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر نحر یعنی سینہ پر رکھنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ایسا ہی منقول ہے۔ اور ہم احناف کی دلیل ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ثَلَاثٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ مِنْ جُمْلَتِهَا وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ فِي الصَّلَاةِ)) ترجمہ: تین چیزیں مرسلین علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں: اُن میں سے نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔ اور جہاں تک آیت مبارکہ کا تعلق ہے تو اُس سے مراد ہے ''صَلِّ صَلَاةَ الْعِيدِ وَانْحَرِ الْجَزُورَ '' یعنی عید کی نماز ادا فرمایئے اور اونٹ کی قربانی کیجیے۔ اور یہ ہی تاویل درست ہے، کیونکہ اس صورت میں شے کا عطف اُس کے غیر پر ہو جائے گا جیسا کہ اُصولی طور پر عطف کا یہ ہی تقاضا ہے۔ اور ہاتھ باندھنا نماز کے اَفعال اور حصوں میں سے ہے، اور بعض اور کل کے درمیان مغایرت نہیں ہے۔ یا جو کچھ ہم نے بیان کیا اُس کا بھی اس میں احتمال ہے لہذا احتمال کے ہوتے ہوئے یہ آیت حجت نہیں بن سکتی علاوہ ازیں حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: ((السُّنَّةُ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ترجمہ: دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ لہذا آیت کی تفسیر اس سے نہیں ہو گی۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص201، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

قیامِ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا اکثر اہل علم کے نزدیک سنت ہے، یہی حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، امام نخعی، ابو مجلز، سعید بن جبیر، امام ثوری، امام شافعی اور اصحابِ رائے سے مروی ہے، اسی کو ابن المنذر نے امام مالک سے روایت کیا ہے جبکہ امام مالک کے مذہب کا ظاہر جس پر ان کے اصحاب ہیں وہ ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا ہے، اور یہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر اور امام حسن سے مروی ہے۔ ہماری دلیل قبیصہ بن ہلب کی اپنے والد ہلب سے روایت ہے: ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری امامت فرماتے تھے اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے، اور صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والوں کا اسی پر عمل ہے۔ ابی حازم سہیل بن سعد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ((كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ

الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ)) ترجمہ: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔
ابو حازم کہتے ہیں کہ میں اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی طرف جانتا ہوں۔ (صحیح بخاری)، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى الْيُمْنَى فَرَآهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى)) ترجمہ: وہ بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اُن کا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا، اور ان دونوں کو اثرم نے روایت کیا۔
مسند میں حضرت غُطیف سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((مَا نَسِيتُ مِنَ الْأَشْيَاءِ فَلَمْ أَنْسَ أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ)) ترجمہ: میں کچھ اشیاء نہیں بھولا، پس میں نہیں بھولا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے دیکھا۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ الاستفتاح من سنن الصلاۃ، ج 1، ص 341، مکتبۃ القاہرہ)

نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے پر دلائل

(1) مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث پاک ہے: ((حدثنا وكيع عن موسىٰ بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رايتُ النبيَّ صلى الله عليه وآله وسلم وَضعَ يَمينه عَلى شماله في الصلوٰة تحت السرة)) ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل بن حجر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر زیرِ ناف باندھتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 1، صفحہ 390، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

یہ حدیث صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، یہ حدیث مروجہ مصنف ابن ابی شیبہ کے نسخوں میں موجود نہیں لیکن عظیم محدث وفقیہ علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی نے اختیار شرح مختار کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے اسے نقل کیا تھا اور مصنف ابن ابی شیبہ کے ایسے نسخہ پر تنبیہ کی جس میں "تحت السرة" کے الفاظ موجود تھے اور اس کے راویوں کی توثیق کی تھی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "امام علامہ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللّٰہ تعالیٰ در تخریج احادیث اختیار شرح مختار فرماید سندہ جید ورواتہ کلهم ثقات" ترجمہ: امام علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اختیار شرح مختار کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید اور تمام راوی ثقہ ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج 6، ص 144، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
لیکن مخالفین کا مطالبہ تھا کہ ایسا نسخہ دکھاؤ جس میں یہ روایت موجود ہو بالآخر 2006ء شیخ محمد عوامہ کی تحقیق سے ایک نسخہ "ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ" سے شائع ہوا جس میں صراحتاً "تحت السرة" کے الفاظ موجود ہیں، یہ روایت علامہ عابد سندھی

اور علامہ مرتضی زبیدی رحمہما اللہ کے نسخوں سے نقل کی ہے......... جس نے تفصیل دیکھنی ہو"الدرۃ فی عقد الایدی تحت السرۃ" میں دیکھ لے۔

(2) سنن ابی داؤد میں ہے:((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔

(سنن ابی داؤد، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، ج 1، ص 201، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی فرماتے ہیں:"وَاعْلَمْ أَنَّ لَفْظَةَ السُّنَّةِ يَدْخُلُ فِي الْمَرْفُوعِ عِنْدَهُمْ، قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي التَّقَصِّي: وَاعْلَمْ أَنَّ الصَّحَابِيَّ إِذَا أَطْلَقَ اسْمَ السُّنَّةِ، فَالْمُرَادُ بِهِ سُنَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَذَلِكَ إِذَا أَطْلَقَهَا غَيْرُهُ مَا لَمْ يُضِفْ إِلَى صَاحِبِهَا، كَقَوْلِهِمْ: سُنَّةُ الْعُمَرَيْنِ، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، انْتَهَى كَلَامُهُ."

ترجمہ: جان لو کہ لفظِ سنت محدثین کے نزدیک مرفوع کے حکم میں ہے، علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: یہ بات جان لو کہ صحابی جب مطلقاً سنت کہے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہوتی ہے اور ایسے ہی جب صحابی کے علاوہ کوئی مطلقاً سنت کہے تو اس سے مراد نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہوگا جب تک اس کے صاحب کی طرف اضافت نہ کرے جیسا کہ سنت عمرین وغیرہ، علامہ ابن عبدالبر کا کلام ختم ہوا۔

(نصب الرایہ، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 314، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر، بیروت)

☆اس روایت کے راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق پر بعض نے جو جرح کی ہے وہ مبہم غیر مفسر ہے اور ایسی جرح معتبر نہیں ہوتی جبکہ دیگر محدثین نے ان کی توثیق بھی بیان کی ہے اور ان کی روایتوں کی تصحیح بھی کی ہے۔ امام جوزی نے جرح مفسر بیان کی ہے جس میں واضح کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق پر جرح کی وجہ عبدالرحمٰن عن نعمان عن المغیرہ کی سند پر ہے۔ مذکورہ مسئلہ میں چونکہ یہ سند نہیں جس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن اسحاق کی درج ذیل محدثین نے تعدیل کی ہے: امام حاکم نے صحیح کہا، امام ذہبی نے صحیح کہا، امام ترمذی نے ان کی روایات کو حسن غریب کہا، امام ابن خزیمہ، ابن معین، احمد بن حنبل، بیہقی، مقدسی، مقری، رازی، ابونعیم، ابن مبارک، خطیب بغدادی، ابوداؤد، بزار نے ان کی روایت سے حجت پکڑی ہے۔ البانی نے سنن ابی ابوداؤد میں ایک جگہ عبدالرحمٰن کی روایت کو صحیح کہا اور دوسری جگہ حسن صحیح کہا، سنن ابن ماجہ میں ان کی ایک روایت کو حسن صحیح کہا اور دوسری جگہ صحیح کہا، سنن ترمذی میں ان کی روایت دو روایتوں کو صحیح الاسناد کہا، دو روایتوں کو صحیح کہا، پانچ روایات کو حسن کہا، ایک روایت کو حسن صحیح کہا۔

جس سے پتہ چلا کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کم از کم حسن درجہ کے راوی ہیں پھر اس حدیث کے کئی شواہد و متابعات ہیں

جس کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف کہنا قطعاً غلط ہے۔

(3) علامہ علاء الدین علی بن حسام الدین (متوفی 975ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے "کنز العمال" میں ابن شاہین اور ابو محمد ابراہیم کے حوالہ سے روایت نقل کیا ہے:((عن علي قال:ثلاثة من أخلاق الأنبياء :تعجيل الإفطار، وتأخير السحور، ووضع الأكف تحت السرة في الصلاة)) ترجمہ:حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے:افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔

(کنز العمال، الثالث، ج16، ص230، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

(4) سنن ابی داود میں ہے:((حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ الْكُوفِيِّ، عَنْ سَيَّارٍ أَبِي الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ:قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ:أَخْذُ الْأَكُفِّ عَلَى الْأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ناف سے نیچے باندھنے ہیں۔

(سنن ابی داود، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، ج1، ص201، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس روایت پر بھی عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی کی وجہ سے اعتراض کیا جاتا ہے، جس کا جواب ہو چکا۔

(5) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:((حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ رَبِيعٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ:يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ)) ترجمہ:حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں:نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھ کر ناف سے نیچے رکھے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، وضع الیمین علی الشمال، ج1، ص343، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(6) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:((حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ:أَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ حَسَّانَ قَالَ:سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ، أَوْ سَأَلْتُهُ قَالَ:قُلْتُ:كَيْفَ يَصْنَعُ؟ قَالَ:يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِينِهِ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَيَجْعَلُهَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ)) ترجمہ:: حجاج بن حسان نے فرمایا میں نے ابو مجلز سے سنا یا ان سے سوال کیا کہ ہاتھ کیسے رکھا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا باطن بائیں ہاتھ کے ظاہر پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، وضع الیمین علی الشمال، جلد1، صفحہ343، مکتبۃ الرشد، الریاض)

(7) امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"تحت السرة اقوى فى الحديث واقرب الى التواضع "ترجمہ:ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا حدیث کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور تواضع کے زیادہ قریب ہے۔

(مسائل الامام احمد بن حنبل واسحاق بن راهویہ، قلت این یضع یمینہ علی شمالہ؟، جلد2، صفحہ551، عمادۃ البحث العلمی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

سینے پر ہاتھ باندھنے کے دلائل اور ان کا جواب

(1) صحیح ابن خزیمہ میں ہے:((نا أبو موسی، نا مؤمل، نا سفیان عن عاصم بن کلیب عن أبیہ عن وائل بن حجر قال:صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ووضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ))
ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ علیہ السلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر سینے پر رکھا۔

(صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصلوۃ، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ قبل افتتاح القراءۃ، جلد1، صفحہ243، المکتب الاسلامی، بیروت)

اس کے حاشیہ میں وہابیوں کے پیشوا البانی نے لکھا:"إسنادہ ضعیف لأن مؤملا وھو ابن اسماعیل سیء الحفظ" ترجمہ: اس کی سند ضعیف ہے اس لئے کہ مؤمل جو ابن اسماعیل ہے کمزور حافظہ والا ہے۔

(2) سنن ابی داؤد میں ہے:((حدثنا أبو توبۃ، حدثنا الھیثم یعنی ابن حمید، عن ثور، عن سلیمان بن موسی، عن طاوس، قال:کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری، ثم یشد بینھما علی صدرہ وھو فی الصلاۃ)) ترجمہ: حضرت طاؤس سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھتے پھر دونوں کو سینے پر رکھتے تھے۔

(سنن أبی داود، کتاب الصلوۃ، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، جلد1، صفحہ201، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل مخالفین کے نزدیک قابلِ عمل نہیں ہے اس لیے یہ ان کی دلیل نہ ہوئی۔

دوسرا یہ کہ اس میں ایک راوی الہیثم بن حمید ہے، جس پر ابو مسہر نے کافی جرح کی ہے اور اسے قدری فرقہ میں سے کہا ہے۔تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی (المتوفی 852ھ) ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں:"قال معاویۃ بن صالح قال لی أبو مسھر کان ضعیفا قدریا وقال محمد بن إسحاق الصنعانی عن أبی مسھر ثنا الھیثم بن حمید و کان ضعیفا وقال أبو بکر بن أبی خیثمۃ أخبرنی أبو محمد التیمی ثنا أبو مسھر ثنا الھیثم بن حمید و کان صاحب کتب ولم یکن الاثبات ولا من أھل الحفظ وقد کنت أمسکت عن الحدیث عنہ استضعفتہ" ترجمہ: معاویہ بن صالح کہتے ہیں مجھ سے ابو مسہر نے فرمایا کہ الہیثم بن حمید ضعیف ہے قدری ہے، محمد بن اسحاق صنعانی نے ابو مسہر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: مجھے الہیثم بن حمید نے بیان کیا اور وہ ضعیف ہے۔ابو بکر بن ابی خیثمہ کہتے ہیں مجھے ابو محمد التیمی نے خبر دی، وہ کہتے

ہیں ہمیں ابو مسہر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں مجھے الہیثم بن حمید نے بیان کیا اور وہ صاحب کتب ہے: اس کے لیے اثبات نہیں اور وہ اہل حفظ میں سے نہیں۔ اور میں اس کی حدیث سے اجتناب کرتا ہوں اور اسے ضعیف قرار دیتا ہوں۔

(تہذیب التہذیب، جلد 11، صفحہ 92، مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، الہند)

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فارسی فتوی کا خلاصہ درج ذیل ہے: ''عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں، اس مسئلہ پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے علماء کے جم غفیر نے یہ بات اپنی اپنی کتب میں بغیر اختلاف کے نقل کی ہے...... اور حدیث میں اگر یہ نہیں آیا کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے تو یہ بھی نہیں آیا کہ عورت سینے پر ہاتھ نہ باندھے ..... میں اللہ کی توفیق کے سہارے پر کہتا ہوں اور اس مسئلہ کو مستند احادیث سے ثابت کرنے کے رنگ میں پیش کرتا ہوں تقریر اسکی یہ ہے کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟ اس سلسلہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو صورتیں مروی ہیں، ایک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی، اس سلسلہ میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں، ان ہی میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا، حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ((رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضع یمینه علی شماله فی صلاة تحت السرة)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔ امام علامہ قاسم ابن قطلو بغا حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سنده جید ورواته کلهم ثقات'' ترجمہ: اس حدیث کی سند بہت اچھی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور دوسری حدیث سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ہے جسے امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور یہ حدیث بھی حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ((صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فوضع یده الیمنی علی یده الیسری علی صدره)) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر سینے پر رکھا۔

ان دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم نہیں کہ کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی حدیث بعد کی، لیکن دونوں حدیثیں ثابت اور مقبول ہیں، مجبوراً ایک کو ترجیح دینا پڑھی، جب ہم نماز کے اس فعل بلکہ نماز کے تمام افعال پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ تمام کے تمام تعظیم پر مبنی نظر آتے ہیں اور قیام میں مسلم ومعروف تعظیم کا طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے لہذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہے: ''فیحال علی المعهود من وضعها حال قصد التعظیم فی القیام والمعهود فی الشاهد منه تحت السرة'' ترجمہ: قیام میں بقصد تعظیم ہاتھ باندھنے کا معاملہ معروف ومعہود طریقہ پر چھوڑا جائے اور قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی بطور تعظیم کے معروف ہے۔

تو مردوں کے سلسہ میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی حدیث کو ترجیح دی گئی۔

اورعورتوں کے سلسلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ کو عورتوں کا زیادہ سے زیادہ پردہ میں ہونا پسند ہے جیسا کہ حضور سرورکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں فرمایا:((خیر صفوف الرجال اولها وشرها اٰخرها و خیر صفوف النساء اٰخرها وشرها اولها)) اخرجه الستة الاالبخاری عن ابی هریرة۔ترجمہ:مردوں کی پہلی صف سب سے افضل ہے اور آخری سب سے کم تر اور عورتوں کی آخری صف سب سے افضل اور اول سب سے کمتر۔اس حدیث پاک کو کتب ستہ میں بخاری کے علاوہ سب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:((صلاة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها)) ترجمہ:عورت کا دالان میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی میں نماز پڑھنا دالان میں، یہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:((اخروهن من حیث اخرهن الله)) اخرجه عبدالرزاق فی المصنف۔ترجمہ:صفوں میں عورتوں کو پیچھے کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے کیا ہے،اس کو حافظ عبدالرزاق نے مصنف میں ذکر کیا۔

نیز خواتین کے لئے حکم ہے کہ بوقتِ سجدہ زمین کے ساتھ چمٹ جائیں حالانکہ مردوں کے لئے اس کے خلاف کرنا سنّت ہے،امام ابوداؤد نے المراسیل میں یزید بن حبیب سے روایت کیا:((ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة لیست فی ذالك كالرجل)) ترجمہ:حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں،آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملالیا کرو کیونکہ اس مسئلہ میں عورت کا حکم مرد کی طرح نہیں ہے۔

خاص کر عورتوں کے لئے تورک(حالتِ قعدہ میں زمین کے ساتھ چمٹ کر بیٹھنا) سنّت ہے،اس کو امام ابوحنیفہ نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے،اس باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، فرماتے ہیں:((اذا صلت المرأة فلتحتفر)) ترجمہ:جب عورت نماز پڑھے تو سرین کے بل بیٹھے(المغنی)۔

اگر خواتین جماعت کروانا چاہیں تو ان کی امام خاتون ان کے درمیان کھڑی ہو،مصنف عبدالرزاق میں ہے:((ان عائشة رضی الله تعالیٰ عنها كانت تؤم النساء فی الشهر رمضان فتوم وسطا)) ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان کے مہینے میں عورتوں کی امامت فرماتی تھیں اور درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عورت چھپانے کی چیز ہے اور اس کے کاموں میں بھی پردہ کا خیال رکھا گیا ہے،ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:((المرأة عورة)) ترجمہ:

عورت تمام کی تمام کی تمام قابل ستر وحجاب ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ عورت کا سینے پر ہاتھ باندھنے میں زیادہ پردہ ہے اور حیا کے بھی زیادہ قریب ہے، اور ان کی تعظیم بھی ستر اور پردہ ہی سے ہے کیونکہ مقولہ ہے: تعظیم ادب سے ہے اور ادب حیا سے ہے اور حیا پردے سے ہے۔

لہذا ان تمام احادیث کی روشنی میں عورتوں کے زیادہ لائق یہی ہے کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ دونوں مسئلے حدیث سے ثابت ہیں، اس کی مثال قعدے میں بیٹھنے کا مسئلہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے قعدے میں دو طرح بیٹھنا ثابت ہے (1) سیدھے پاؤں کو کھڑا کرنا اور الٹے پاؤں پر بیٹھنا (2) سرین کے بل بیٹھنا۔ ہمارے علماء نے مردوں کے لئے پہلی صورت کو اختیار کیا اس لئے کہ اس میں زیادہ مشقت ہے اور جتنی مشقت زیادہ اتنا ثواب بھی زیادہ۔ اور عورتوں کے لئے دوسری صورت کو اختیار کیا اس لئے کہ اس میں زیادہ پردہ ہے اور وہ شرعاً مطلوب ہے"۔

(فتاوی رضویہ، ج6، ص144 تا 149، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 186

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع اور سجود کرتے وقت تکبیر کہنے کا بیان

253- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ، وَالأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، وَقِيَامٍ وَقُعُودٍ، وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ. وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَأَبِي مَالِكٍ الأَشْعَرِيِّ، وَأَبِي مُوسَى، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ أبوعيسىٰ: حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَغَيْرُهُمْ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، وَعَلَيْهِ عَامَّةُ الفُقَهَاءِ وَالعُلَمَاءِ

حضرت عبدالرحمٰن بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما (دورانِ نماز) نیچے جھکتے، اوپر اٹھتے، کھڑے ہوتے اور بیٹھتے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔

اس باب میں حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر، حضرت ابومالک اشعری، حضرت ابوموسیٰ، حضرت عمران بن حصین، حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اس پر صحابہ کرام (مثلاً) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی وغیرہم اور اُن کے بعد میں آنے والے یعنی تابعین کا عمل ہے۔ اکثر فقہاء اور علما کا بھی یہ ہی موقف ہے۔

254- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُنِيرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ الحَسَنِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ المُبَارَكِ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (سجدہ کے لئے) جھکتے ہوئے تکبیر فرمایا کرتے تھے۔

أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ وَهُوَ يَهْوِي. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، قَالُوا: يُكَبِّرُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَهْوِي لِلرُّكُوعِ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور اُن کے بعد والے (علما) کا یہی مسلک ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نمازی رکوع وسجود کے لئے جھکتے ہوئے تکبیر کہے۔

تخریج حدیث253: (سنن نسائی، باب التکبیر للسجود، ج2، ص205، حدیث1083، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

تخریج حدیث254: (صحیح بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، باب اتمام التکبیر فی الرکوع، ج1، ص157، حدیث789، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، باب اثبات التکبیر فی کل خفض ورفع، ج1، ص293، حدیث392، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داود، باب تمام التکبیر، ج1، ص221، حدیث836، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب التکبیر للرکوع، ج2، ص181، حدیث1023، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

اس حدیث پاک سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ جمیع انتقالات میں (یعنی رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے ہوئے، سجدے میں جاتے وقت، سجدے سے اٹھتے ہوئے، پھر سجدے میں جاتے ہوئے، پھر سجدے سے قیام کی طرف اٹھتے ہوئے) تکبیر کہنی چاہیے۔ مگر رکوع سے اٹھتے ہوئے تسمیع (سمع اللہ لمن حمدہ) اور تحمید (ربنا ولک الحمد) کہنا دیگر احادیث کریمہ سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: ((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ ")) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: امام تو اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ کہے: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، تو پس کہو: رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھے تم سب بھی بیٹھ جاؤ۔ (صحیح بخاری، باب ایجاب التکبیر وافتتاح الصلاۃ، ج1، ص147، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

لہذا یہ حکم عام مخصوص منہ البعض ہے، علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

نماز کے تمام انتقالات میں تکبیر کہے، لیکن اس میں رکوع سے اٹھنے کو بالاجماع خاص کیا گیا ہے پس بے شک اس میں تحمید مشروع ہے۔ (عمدۃ القاری، باب اتمام التکبیر فی الرکوع، ج6، ص58، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بعض علما نے فرمایا کہ اس حدیث پاک میں غالب انتقالات مراد لیے گئے ہیں، علامہ محمد بن عبد الہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

((ہر جھکنے اور اٹھنے میں تکبیر کہتے)) اس میں اکثر اور غالب مراد ہے ورنہ رکوع سے اٹھنے میں کوئی تکبیر نہیں ہے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن نسائی، کتاب الافتتاح، ج2، ص205، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

پھر تکبیرات انتقالات کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ علامہ محمد بن اسماعیل الصنعانی (متوفی 1182ھ) فرماتے ہیں:

اور تکبیرات انتقالات میں علماء کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ واجب ہیں اور یہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت اختیار فرمائی اور ارشاد فرمایا: ((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي

اُصَلِّی)) یعنی اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔اور جمہور علماء اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز کو درست نہ پڑھنے والے شخص کو اس کی تعلیم ارشاد نہیں فرمائی اور اس کو صرف تکبیر تحریمہ کی تعلیم دی حالانکہ وہ واجب کے بیان کرنے کا موقع تھا۔ (سبل السلام، مایقولہ المصلی عند رفع وخفض، ج1، ص268، مطبوعہ دارالحدیث)

تکبیرات انتقال، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور جب نمازی قراءت سے فارغ ہو تو رکوع کے لئے جھکے اور جھکتے ہوئے تکبیر کہے اور اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھائے۔ بہرحال قیام سے رکوع کی طرف منتقل ہونے کے لئے تکبیر کہنا جمہور علما کے نزدیک سنت ہے۔اور بعض نے کہا رکوع کرتے ہوئے تکبیر نہ کہے، صرف رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے اور صحیح عام علما کا قول ہے۔اس حدیث کی بنا پر جو حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسی الاشعری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:((انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُکَبِّرُ عِنْدَ کُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ)) یعنی بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر فرمایا کرتے تھے۔اور مروی ہے: (انَّہُ کَانَ یُکَبِّرُ وَھُوَ یَھْوِی) یعنی آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جھکتے اور اٹھتے ہوئے تکبیر فرمایا کرتے تھے۔اور واؤ حال کے لیے ہے۔

اور اس وجہ سے بھی ہر رکن میں ذکر کرنا سنت ہے تاکہ نمازی نماز کے ارکان میں ذکر کے ذریعے اللہ عزوجل کی تعظیم کرنے والا ہو جائے جیسا کہ وہ بالفعل اللہ عزوجل کی تعظیم بجالاتا ہے تو یوں تعظیم کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی۔اور ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا یہ بھی رکن کی طرف وسیلہ ہونے کی وجہ سے رکن کی طرح ہی ہے پس اس میں بھی ذکر مسنون ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص201، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ کاسانی مزید فرماتے ہیں:

سجدے کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ سجدہ کرتے وقت اور سجدے سے اٹھتے وقت تکبیر کہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن السجود، ج1، ص192، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ اکمل الدین بابرتی حنفی (متوفی 786ھ) فرماتے ہیں:

پھر تکبیر کہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔اور جھکنے اور اٹھنے سے مراد ہر رکن کی

ابتدا اور انتہا ہے۔اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل بلند وبالا ہے اس بات سے کہ اتنی عبادت سے اس کا حق ادا کر دیا جائے ۔اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام رکوع سے اٹھتے ہوئے جو تسمیع (سمع الله لمن حمده) کہتا ہے اور مقتدی تحمید (ربنا ولك الحمد) کہتا ہے وہ مشروع نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا (یہ اعتراض اس لیے وارد نہیں ہوگا) کیونکہ یہ راوی کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی حکایت ہے پس یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول معارض نہیں ہے:((إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) یعنی جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل اللھم ربنا لک الحمد، جلد 1، صفحہ 158، دار طوق النجاۃ، مصر☆ صحیح مسلم، باب التسمیع والتحمید والتأمین، ج 1، ص 306، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

پس حدیث میں ان کے قول کو اس کے محتمل ہونے کی وجہ سے بعض اٹھنے پر محمول کیا جائے گا۔

(العنایہ شرح الہدایہ، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 296، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

نماز کے واجبات سات ہیں: (۱) تکبیر تحریمہ کے علاوہ تکبیرات (۲) رکوع وسجود میں ایک ایک مرتبہ تسبیح (۳) تسمیع وتحمید (۴) دو سجدوں کے درمیان "ربی اغفرلی" کہنا (۵) پہلا تشہد پڑھنا اور (۶) اس میں بیٹھنا (۷) تشہد اخیر میں درود پاک پڑھنا۔نمازی اگر ان کو جان بوجھ کر ترک کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر سہواً کرے گا تو سجدہ سہو کرے گا۔

(عمدۃ الفقہ، باب ارکان الصلاۃ وواجباتھا، ج 1، ص 26، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اور نماز کی چونتیس (۳۴) سنتیں ہیں: تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کا اٹھانا......... تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات اور رکوع سے اٹھ کر تسمیع اور تحمید اور رکوع اور سجدہ میں تسبیح پڑھنا۔ (التنبیہ فی الفقہ الشافعی ملتقطاً، باب فروض الصلاۃ وسننھا، ج 1، ص 33، مطبوعہ عالم الکتب)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابو عمر یوسف ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اور نماز کی سنتوں میں سے سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورت کی تلاوت کرنا اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات۔ یہی صحیح قول ہے اور اسی پر جمہور علما ہیں۔ اور اسی طرح ابوزید نے ابن القاسم سے روایت کی اس شخص کے بارے میں جو تکبیر تحریمہ کے علاوہ ساری تکبیرات بھول جائے کہ وہ سجدہ سہو کرے اور انہوں نے اعادہ کا انکار فرمایا اور یہ اولی ہے اس روایت سے جسے سحون اور عیسی نے ان سے روایت کیا...... پھر پہلا قعدہ کرنا اور دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا اور جہری نماز میں جہر سے پڑھنا اور سری میں سری پڑھنا۔ اور جو نماز کے سنتوں میں سے کچھ چھوڑ دے تو اس پر سجدہ سہو ہونے کے بارے میں اہل مدینہ اور غیر اہل مدینہ کے اصحاب مالک وغیرہ کا اختلاف ہے۔ ان میں بعض سجدہ سہو لازم نہ ہونے کے قائل ہیں اور بعض لازم ہونے کے قائل ہیں اور یہ تمام اقوال حسن ہیں اور جو جہالت سے یا جان بوجھ کر ان کو ترک کرے تو بعض نے ان پر نماز کے اعادہ کا حکم دیا اور یہ قول کچھ نہیں ہے۔ اور مذہب کا حاصل یہ ہے تکبیرات مسنونہ اور دیگر سنتوں کے ترک پر سجدہ سہو مستحب ہے اور یہی ابہری اور ابن الجلاب کا مختار ہے۔ (الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب السہو فی الصلاۃ، ج1، ص227,228، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

باب نمبر 187

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ

رکوع کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا

255- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَزَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِيثِهِ: وَكَانَ لَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

حدیث: حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے راوی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے (تو بھی یوں ہی ہاتھ اٹھاتے)۔

ابن ابی عمر نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا: اور دو سجدوں کے درمیان ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

256- قَالَ ابوعيسىٰ: حَدَّثَنَا الفَضْلُ بْنُ الصَّبَّاحِ البَغْدَادِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي عُمَرَ، وَفِي البَابِ عَنْ عُمَرَ، وَعَلِيٍّ، وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَمَالِكِ بْنِ الحُوَيْرِثِ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي حُمَيْدٍ، وَأَبِي أُسَيْدٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ، وَأَبِي قَتَادَةَ، وَأَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، وَجَابِرٍ، وَعُمَيْرٍ اللَّيْثِيِّ. قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَبِهَذَا يَقُولُ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ: ابْنُ عُمَرَ، وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبُو

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: ہم سے فضل بن صباح بغدادی نے حدیث بیان کی (وہ کہتے ہیں) ہمیں سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی (وہ کہتے ہیں کہ) ہمیں زہری نے اسی سند کے ساتھ ابن ابی عمر کے ہم معنی روایت بیان کی۔

اس باب میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت وائل بن حجر، حضرت مالک بن حُویرث، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوحمید، حضرت ابوسعید، حضرت سہل بن سعد، حضرت محمد بن سلمہ، حضرت ابوقتادہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت جابر اور حضرت عُمیر لیثی رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٌ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَغَيْرُهُمْ، وَمِنَ التَّابِعِينَ :الحَسَنُ البَصْرِيُّ، وَعَطَاءٌ، وَطَاوُسٌ، وَمُجَاهِدٌ، وَنَافِعٌ، وَسَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، وَغَيْرُهُمْ، وَبِهِ يَقُولُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ،وقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ المُبَارَكِ :قَدْ ثَبَتَ حَدِيثُ مَنْ يَرْفَعُ، وَذَكَرَ حَدِيثَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ .حَدَّثَنَا بِذَلِكَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الآمُلِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ زَمْعَةَ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ المَلِكِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ المُبَارَكِ

257- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ :حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ :أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَصَلَّى، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ .وَفِي البَابِ عَنْ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ .قال ابوعيسىٰ :حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وغیرہم اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری، حضرت عطاء، حضرت طاوس، امام مجاہد، حضرت نافع، حضرت سالم بن عبداللہ، سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ موقف ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہ مسلک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: رفع یدین والی حدیث ثابت ہے۔ اور (پھر) انہوں نے زہری کی حدیث جو سالم کے حوالہ سے اُن کے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے منقول ہے، ذکر کی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہلی بار (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کیا، ثابت نہیں۔

حدیث: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز نہ پڑھاوں تو آپ نے نماز پڑھی اور پہلی بار (تکبیر تحریمہ) کے سوا اپنے ہاتھ نہ اُٹھائے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود

أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے۔اور متعدد صحابہ کرام اور تابعین اسی

وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ کے قائل ہے۔سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہ مسلک ہے۔

تخریج حدیث 255: (صحیح بخاری، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ، ج1، ص148، حدیث 735، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب استحباب رفع الیدین الخ، ج1، ص292، حدیث 390، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داود، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، ج1، ص192، حدیث 722، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب رفع الیدین للرکوع الخ، ج2، ص182، حدیث 1025، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

تخریج حدیث 257: (سنن ابی داود، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ج1، ص199، حدیث 748، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، الرخصۃ فی ترک ذلک، ج2، ص195، حدیث 1058، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

رفع یدین، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانا ہمارے نزدیک سنت نہیں ہے مگر صرف تکبیر تحریمہ میں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھائے۔ (بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص207، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف:

المدونہ میں ہے:

اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ نماز میں کسی جگہ نہ جھکتے ہوئے اور نہ اٹھتے ہوئے تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کو نہیں جانتا....... ابن القاسم کہتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنا ضعیف ہے۔ (المدونہ، رفع الیدین فی الرکوع والاحرام، ج1، ص165، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

بہر حال رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھانا تو ایک قول میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور مدونہ میں ان کا یہی مذہب مذکور ہے اور اس روایت پر دلیل وہ ہے جو سماع اشہب سے الصلاۃ الاول کی رسم میں امام مالک کے فعل کی حکایت ہے۔ اور ایک قول کے مطابق آپ نے اسے مستحسن قرار دیا اور اس کے ترک کرنے کو بھی جائز جانا، اس میں وسعت دیتے ہوئے اور امام مالک کا یہ قول سماع اشہب سے الصلاۃ الثانی کی رسم میں موجود ہے۔

(البیان والتحصیل، مسئلہ رفع الیدین فی الدعاء وفی الصلاۃ عند التکبیر، ج1، ص376، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

شیخ احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں:

اور تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھانا مستحب ہے یوں کہ ان کا ظاہر آسمان کی طرف ہو اور ان کا باطن زمین کی طرف ہو۔ نہ کہ رکوع کرتے ہوئے اور نہ ہی اس سے اٹھتے ہوئے۔

(الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی، مندوبات الصلاۃ، ج1، ص323,324، مطبوعہ دار المعارف)

شوافع کا موقف:

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

بے شک تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھوں کے اٹھانے پر ان لوگوں کا اجماع ہے جن کے اجماع کا اعتبار کیا جاتا ہے۔اور اس میں کچھ ہے جسے ہم نے اس کی جگہ پر ذکر کیا ہے۔ بہر حال رکوع کی تکبیر کہتے ہوئے اور اس سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانا تو ہمارے مذہب میں یہ دونوں سنت ہیں۔ (المجموع شرح المہذب، مسائل مہمۃ تتعلق بقراءۃ الفاتحۃ وغیرہا، ج3، ص399، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب اور جمہور علما نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: ((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاۃَ وَإِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَہُ مِنَ الرُّکُوعِ رَفَعَھُمَا کَذٰلِکَ)) ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا کرتے تھے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے اور رکوع سے سرِ اقدس اٹھاتے تو بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔اس حدیث پاک کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں کثیر طرق سے روایت کیا۔اور حضرت ابو قلابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا ((إِذَا صَلَّی کَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ یَرْکَعَ رَفَعَ یَدَیْہِ. وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَہُ مِنَ الرُّکُوعِ رَفَعَ یَدَیْہِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَفْعَلُ ھٰکَذَا)) ترجمہ: جب انہوں نے نماز پڑھی تو تکبیر کہی پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں کیا کرتے تھے۔ (المجموع شرح المہذب، مسائل مہمۃ تتعلق بقراءۃ الفاتحۃ وغیرہا، ج3، ص399، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 682ھ) فرماتے ہیں:

بہر حال نماز کے افعال کی سنتیں تو وہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کرتے اور اس سے اٹھتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھانا اور قیام میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا ہے.......... (الشرح الکبیر علی متن المقنع، مسئلۃ اذا نابہ شئی الخ، ج1، ص654، دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع)

دلائل پر بحث ونظر:

ملک العلما علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا اس روایت کی بنا پر جو صحابہ کی ایک جماعت مثلاً حضرت علی اور حضرت وائل بن حجر اور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ: ((اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنَ الرُّکُوْعِ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث پاک جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ((اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ عِنْدَ تَکْبِیْرَۃِ الْاِفْتِتَاحِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ بَعْدَ ذٰلِكَ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے اور اس کے بعد دوبارہ نہ اٹھاتے تھے۔ اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: ((صَلَّیْتُ خَلْفَ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنَ الرُّکُوْعِ)) ترجمہ: میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس انہوں نے رکوع کرتے اور اس سے اٹھتے ہوئے ہاتھ نہ اٹھائے۔ تو میں نے عرض کی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کیوں نہ اٹھائے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ((صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ فَلَمْ یَرْفَعُوْا اَیْدِیَھُمْ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الَّتِیْ تُفْتَتَحُ بِھَا الصَّلَاۃُ)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی پس یہ حضرات تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ((اِنَّ الْعَشَرَۃَ الَّذِیْنَ شَھِدَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّۃِ مَا کَانُوْا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَھُمْ اِلَّا لِافْتِتَاحِ الصَّلَاۃِ)) ترجمہ: وہ دس صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے وہ سوائے تکبیرِ تحریمہ کے ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ اور ان صحابہ کرام علیہم الرضوان کا خلاف کرنا برا ہے۔ اور مشہور احادیث میں ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تُرْفَعُ الْاَیْدِیْ اِلَّا فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاۃِ وَفِی الْعِیْدَیْنِ، وَالْقُنُوْتِ فِی الْوِتْرِ، وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ، وَعَلَی الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَبِعَرَفَاتٍ وَبِجَمْعٍ وَعِنْدَ الْمَقَامَیْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَیْنِ)) ترجمہ: ہاتھ نہ اٹھائے جائیں مگر سات مواقع پر نماز کو شروع کرتے وقت، دونوں عید کی نمازوں میں، وتر میں تکبیرِ قنوت کہتے ہوئے، حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے، اور صفا اور مروہ پر اور عرفات میں، مزدلفہ میں اور دونوں جمروں میں کھڑے ہونے کے وقت۔

اور مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان کو رکوع کرتے اور اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: ((مَا لِیْ اَرَاکُمْ رَافِعِیْ اَیْدِیَکُمْ کَاَنَّھَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمْسٍ اُسْکُنُوْا فِی الصَّلَاۃِ)) یعنی کیا ہے کہ میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ اور ایک روایت میں ہے: ((قَارُّوْا فِی الصَّلَاۃِ)) ترجمہ: نماز میں قرار اختیار کرو۔

اوراس وجہ سے بھی کہ اس تکبیر کو حالتِ انتقال میں ادا کیا جاتا ہے لہٰذا اس میں ہاتھوں کو اٹھانا مسنون نہیں ہے جیسا کہ سجدے کی تکبیرات کا معاملہ ہے۔اوراس کی تاثیر یہ ہے کہ ہاتھوں کو اٹھانے سے مقصود اپنے پیچھے بہرے شخص کو نماز کے شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے اور ہاتھ اٹھا کر اطلاع دینے کی ضرورت ان تکبیرات میں ہوتی ہے جو کھڑے ہونے کی حالت میں ادا کی جاتی ہیں جیسا کہ عیدین میں تکبیراتِ زوائد اور تکبیرِ قنوت۔

بہرحال وہ تکبیرات جو حالتِ انتقال میں ادا کی جاتی ہیں تو ان میں ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بہرا شخص دوسرے رکن میں منتقل ہونے کو دیکھ لیتا ہے لہٰذا ہاتھوں کو اٹھانے کی محتاجی نہیں ہے۔اور جو حدیث پاک شوافع نے روایت کی وہ منسوخ ہے۔پس بے شک مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے پھر ترک فرما دیا۔اس دلیل کی بنا پر جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:((رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعْنَا وَتَرَكَ فَتَرَكْنَا)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو اٹھایا پس ہم نے اٹھالیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ترک فرما دیا تو ہم نے بھی اسے چھوڑ دیا۔اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ہاتھ اٹھانے کی حدیث کا مدار حضرت علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات پر ہے۔اور عاصم بن کلیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:((صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيٍّ سَنَتَيْنِ فَكَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي تَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ)) ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے دوسال نماز پڑھی آپ رضی اللہ عنہ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

اور امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:((صَلَّيْتُ خَلْفَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ سَنَتَيْنِ فَكَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي تَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ)) میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دوسال نماز پڑھی تو وہ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔تو ان دونوں حضرات کا عمل ان کی روایات کے خلاف ہے یہ ان کے رفع یدین کے منسوخ ہونے کی معرفت پر مبنی ہے مزید یہ ہے احادیث کے تعارض کے وقت رفع یدین کو ترک کرنا اولی ہے۔کیونکہ اگر رفع یدین ثابت بھی مانا جائے تو اس کا درجہ سنت سے نہیں بڑھے گا اور اگر ثابت نہ ہوا تو اس کا کرنا بدعت کہلائے گا اور بدعت کو چھوڑنا ،سنت کی ادائیگی سے اولی ہے۔اوراس وجہ سے بھی کہ رفع یدین کے ثابت ہونے کے باوجود اس کو ترک کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا اور ثابت نہ ہونے کے باوجود اس کو بجالانا نماز کو فاسد کردے گا کیونکہ یہ دونوں ہاتھوں کو ایسے عمل میں مشغول کرنا جو نماز کے اعمال سے نہیں ہے اور یہی عمل کثیر کی تعریف ہے۔

(بدائع الصنائع،فصل فی سنن حکم التکبیر الخ،ج1،ص207،208،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

رفع یدین کے نہ کرنے پر تفصیلی دلائل

احناف کے نزدیک نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہرگز کسی حدیث میں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ رفع یدین فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا خلاف یعنی ہمیشہ نہ کرنا ثابت ہے۔ احادیث صحیحہ اس کے فعل و ترک دونوں میں وارد ہیں اور تطبیق یہ ہے کہ رفع یدین پہلے کیا گیا اور بعد میں منسوخ ہوگیا۔ ترکِ رفع یدین پر احناف کے پاس کئی دلائل ہیں:

(1) سنن ابی داؤد و سنن نسائی و جامع ترمذی وغیرہا میں ایسی سند سے ہے جس کے رجال صحیح مسلم ہیں بطریق عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: (اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يُعِدْ) یعنی "کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے یہ کہہ کر نماز کو کھڑے ہوئے تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے۔"

(سنن نسائی، ترک ذلک، ج2، ص182، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابی داود، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، ج1، ص199، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ جامع ترمذی، باب رفع الیدین عند الرکوع، ج2، ص40، مصطفیٰ البابی، مصر)

اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں:

(حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَاَهْلِ الْكُوفَةِ) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حسن ہے۔ اور اسی کے قائل متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین ہیں اور یہی قول حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

(جامع ترمذی، باب رفع الیدین عند الرکوع، ج2، ص40، مصطفیٰ البابی، مصر)

اس حدیث پاک کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث چند وجوہ سے بہت قوی ہے:

(۱) ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ (۲) دوسرا یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتا، معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز دیکھی تھی۔(۳) تیسرا یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا بلکہ حسن فرمایا۔(۴) چوتھا یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء و صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔(۵) پانچواں یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔

(جاء الحق، ص843، مکتبہ غوثیہ کراچی)

رفع یدین نہ کرنے پر حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت لی جاتی ہے اور رفع یدین نہ کرنے پر حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت۔محدثین فرماتے ہیں: جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں باہم اختلاف ہو تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترجیح دی جائے گی چنانچہ المستدرک، السنن الکبریٰ للبیہقی اور سنن الدار قطنی میں ہے "إِذَا اجْتَمَعَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عُمَرَ وَاخْتَلَفَا فَابْنُ مَسْعُودٍ أَوْلَى أَنْ يُتَّبَعَ "ترجمہ: جب ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک مسئلہ میں باہم اختلاف کریں تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع اولیٰ ہے۔

(سنن الدار قطنی، کتاب الطہارۃ، باب ما روی فی لمس القبل والدبر والذکر والحکم فی ذلک، جلد 1، صفحہ 273، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(2) صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: (خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ) ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: کیا ہوا کہ میں تمہیں رفع یدین کرتے دیکھتا ہوں گویا تمہارے ہاتھ چنچل گھوڑوں کی دُمیں ہیں، قرار سے رہو نماز میں۔ (صحیح مسلم، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ، ج1، ص322، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) مسند امام اعظم رضی اللہ عنہ میں سند صحیح کے ساتھ ہے: (حدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمه والاسود عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان لا يرفع يديه الا عند افتتاح الصلوٰة ولا يعود لشيء من ذلك) ترجمہ: ہمیں حماد نے ابراہیم سے علقمہ و اسود سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین فرماتے پھر کسی جگہ ہاتھ نہ اُٹھاتے۔

(مسند الامام اعظم، اجتماع الاوزاعی وابی حنیفہ، ص50، مطبوعہ نور محمد کتب خانہ، کراچی)

(4) امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں: (ثَنَا أَبُو بَكْرَةَ قَالَ: ثنا مُؤَمَّلٌ قَالَ: ثنا سُفْيَانُ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ: حَدِيثُ وَائِلٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ؟ فَقَالَ: إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ، فَقَدْ رَآهُ عَبْدُ اللهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ) ابو بکرہ نے ہمیں حدیث بیان کی کہا ہمیں مومل نے حدیث بیان کی کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی ہے مغیرہ

سے اور مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم نخعی سے حدیث وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت دریافت کیا کہ انھوں نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے نماز شروع کرتے اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین فرمایا ابراہیم نے فرمایا حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پچاس بار دیکھا کہ حضور نے رفع یدین نہ کیا۔

(شرح معانی الآثار، باب التکبیر عندالرکوع، ج1، ص224، مطبوعہ عالم الکتب)

(5) سنن ابی داود میں ہے: (حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ) ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کانوں کی لو تک رفعِ دین کرتے، پھر رفع یدین نہ کرتے۔

(سنن ابی داود، باب من لم یذکر الرفع عندالرکوع، ج1، ص200، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

یہ روایت مسند ابی یعلی میں یوں ہے: (حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ، قَالَ: سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ أَبِي زِيَادٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ حَتَّى رَأَيْتُ إِبْهَامَيْهِ قَرِيبًا مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا) ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرمائی تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھایا پھر رفع یدین نہیں کیا۔

(مسند ابی یعلی، مسند البراء بن عازب، جلد3، صفحہ 249، دارالمامون للتراث، دمشق)

بعض نے اس حدیث کے ایک راوی یزید بن ابی زیاد پر جرح کی ہے مگر کثیر محدثین نے یزید بن ابی زیاد کی توثیق کی ہے۔ جن محدثین نے یزید بن ابی زیاد کو ضعیف کہا وہ آخری عمر میں اختلاط کی وجہ سے کہا ہے اور اصول حدیث میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ جس راوی کو اختلاط ہو تو اس کی اختلاط سے قبل روایات صحیح ہوں گی۔ یزید بن ابی زیاد کی ترک رفع یدین پر روایت اختلاط سے قبل ہے اور پھر اس حدیث کے کئی متابعات اور شواہد بھی ہیں۔

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں یوں ہے: ((حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا وَكِيعٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، وَعِيسَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتَّى يَفْرُغَ)) ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب

نمازشروع کرتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز ختم ہونے تک رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود، جلد 1، صفحہ 213، مکتبۃ الرشد، الریاض)

(6) مسند ابو یعلی، السنن الکبری للبیہقی اور سنن دار قطنی میں ہے واللفظ للدار قطنی: (حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ الْحَنَّاطُ ,وَعَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عِيسَى بْنِ أَبِي حَيَّةَ قَالَا:نا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي إِسْرَائِيلَ ,نا مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ ,عَنْ حَمَّادٍ ,عَنْ إِبْرَاهِيمَ ,عَنْ عَلْقَمَةَ ,عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ,قَالَ:صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ) ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما کے ساتھ نماز پڑھی۔ وہ سب سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(سنن دار قطنی، باب ذکر التکبیر ورفع الیدین الخ، ج2، ص52، موسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ مسند ابو یعلی، مسند عبداللہ بن مسعود، جلد 8، صفحہ 453، دار المامون للتراث، دمشق)

(7) مصنف بن ابی شیبہ اور شرح معانی الآثار میں ہے: (حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي دَاوُدَ ,قَالَ:ثنا الْحِمَّانِيُّ قَالَ:ثنا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبْجَرَ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ ,قَالَ:رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ,ثُمَّ لَا يَعُودُ) ترجمہ: اسود کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود، ج1، ص227، مطبوعہ عالم الکتب ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا، ج1، ص214، مکتبۃ الرشد، ریاض)

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی (متوفی 321) فرماتے ہیں: "فَهَذَا عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ أَيْضًا إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى فِي هَذَا الْحَدِيثِ ,وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ لِأَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَيَّاشٍ ,وَإِنْ كَانَ هَذَا الْحَدِيثُ إِنَّمَا دَارَ عَلَيْهِ ,فَإِنَّهُ ثِقَةٌ حُجَّةٌ ,قَدْ ذَكَرَ ذَلِكَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ وَغَيْرُهُ" ترجمہ: تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو اس حدیث کے مطابق صرف پہلی تکبیر میں ہی رفع یدین کیا کرتے تھے اور یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اگرچہ اس حدیث کا دارومدار حسن بن عیاش پر ہے پس وہ ثقہ، حجت ہیں۔ اس بات کو امام یحیی بن معین وغیرہ نے ذکر فرمایا۔

(شرح معانی الآثار، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود، ج1، ص227، مطبوعہ عالم الکتب)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی فرماتے ہیں: "قَالَ ابْنُ الْهُمَامِ:وَقَدْ أَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَابْنُ عَدِيٍّ، عَنْ مُحَمَّدِ

بْنِ جَابِرٍ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، فَلَمْ يَرْفَعُوا إِلَّا عِنْدَ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ، وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ، ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيثِ الْحَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُودُ" ترجمہ: امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دارقطنی اور ابن عدی نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی۔ وہ سب سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اور امام طحاوی پھر امام بیہقی نے حضرت حسن بن عیاش سے بسند صحیح روایت کیا کہ حضرت اسود نے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین کرتے اسکے بعد رفع یدین نہ کرتے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوٰۃ، صفۃ الصلوٰۃ، جلد2، صفحہ669، دار الفکر، بیروت)

(8) شرح معانی الآثار اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: (حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَا يَفْتَتِحُ) ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز کے شروع کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود، ج1، ص225، مطبوعہ عالم الکتب ☆ مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا، ج 1، ص214، مکتبۃ الرشد، ریاض)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں:

"فَهَذَا ابْنُ عُمَرَ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ، ثُمَّ قَدْ تَرَكَ هُوَ الرَّفْعَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَكُونُ ذَلِكَ إِلَّا وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُ نَسْخُ مَا قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِعْلَهُ وَقَامَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِ بِذَلِكَ" ترجمہ: پس یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا پھر اسی ہاتھ اٹھانے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ترک کر دیا تو یہ نہیں ہوا ہوگا مگر اس وقت کہ جب ان کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اس کا منسوخ ہونا ثابت ہوگا اور اس بارے میں ان پر دلیل قائم ہوئی ہوگی۔

(شرح معانی الآثار، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود، ج1، ص225، مطبوعہ عالم الکتب)

(9) امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں روایت کیا: (حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي لَيْلَى، حَدَّثَنِي أَبِي، ثنا ابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُرْفَعُ الْأَيْدِي إِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ حِينَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ، وَحِينَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَيَنْظُرُ إِلَى الْبَيْتِ، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الصَّفَا، وَحِينَ يَقُومُ عَلَى الْمَرْوَةِ، وَحِينَ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ، وَبِجَمْعٍ، وَالْمَقَامَيْنِ

حِينَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاتھ صرف سات جگہ اٹھائے جائیں: (۱) نماز شروع کرتے وقت (۲) جب مسجد الحرام میں داخل ہو اور کعبہ معظمہ کو دیکھے (۳) جب صفا پر کھڑا ہو (۴) جب مروہ پر کھڑا ہو (۵) عرفات میں (۶) جمع (مزدلفہ) میں (۷) اور جب رمی کرے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، مقسم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ج 11، ص 385، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا، ج 1، ص 214، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(10) مصنف ابی ابن شیبہ اور شرح معانی الآثار میں ہے:

(حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قِطَافٍ النَّهْشَلِيِّ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ لَا يَعُودُ) ترجمہ: حضرت کلیب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف تکبیر تحریمہ ہی میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا، ج 1، ص 213، مکتبۃ الرشد، ریاض ☆ شرح معانی الآثار، باب التکبیر للرکوع الخ، ج 1، ص 225، مطبوعہ عالم الکتب)

اس کو نقل کرنے کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں: ''وهو اثر صحيح'' ترجمہ: یہ اثر صحیح ہے۔

(شرح سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب فی رفع الیدین، ج 3، ص 301، مکتبۃ الرشد، الریاض)

(11) حضرت طلحہ فرماتے ہیں: (عَنْ خَيْثَمَةَ وَإِبْرَاهِيمَ، قَالَ: كَانَا لَا يَرْفَعَانِ أَيْدِيَهُمَا إِلَّا فِي بَدْءِ الصَّلَاةِ) ترجمہ: حضرت سیدنا خیثمہ اور ابراہیم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ دونوں حضرات صرف نماز کی ابتدا میں ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا، ج 1، ص 214، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(12) حضرت ابو اسحاق کہتے ہیں: (كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللَّهِ وَأَصْحَابُ عَلِيٍّ، لَا يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ قَالَ وَكِيعٌ: ثُمَّ لَا يَعُودُونَ) ترجمہ: حضرت عبداللہ اور حضرت علی کے اصحاب رضی اللہ عنہم صرف نماز کو شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ وکیع کہتے ہیں: پھر اس کے بعد دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا، ج 1، ص 214، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(13) حضرت اشعث کہتے ہیں: ''عَنِ الشَّعْبِيِّ، أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ، ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا'' ترجمہ: امام شعبی کے حوالہ سے روایت ہے: وہ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر دوبارہ نہ اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا، ج 1، ص 213، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(14) علامہ محمود بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

جس روایت سے رفع یدین کرنے والوں نے احتجاج کیا ہے وہ ابتداءِ اسلام پر محمول ہے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اس پر دلیل یہ روایت ہے:((ان عبد الله بن الزبیر رای رجلا یرفع یَدَیْهِ فِی الصَّلَاۃ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وعند رفع راسه من الرُّکُوْعِ فَقَالَ لَهُ: لَا تفعل، فَاِنَّ هٰذَا شَیْءٌ فعله رَسُوْل الله صلی الله عَلَیْهِ وسلم ثُمَّ تَرَکَه)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔

منسوخ ہونے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام طحاوی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے:(حَدثنَا ابْن ابی دَاوُد، قَالَ: اخبرنَا اَحْمد بن عبد الله ابْن یُوْنُس قَالَ: حَدثنَا اَبُو بکر بن عَیَّاش عَن حُصَیْن عَن مُجَاهِد، قَالَ: صلیت خلف ابْن عمر فَلم یکن یرفع یَدَیْهِ اِلَّا فِی التَّکْبِیرَۃ الاولی من الصَّلَاۃ) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ امام طحاوی نے فرمایا: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

اسی طرح ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کی:(حَدثنَا اَبُو بکر بن عِیَّاش عَن حُصَیْن عَن مُجَاهِد، قَالَ: مَا رَاَیْت ابْن عمر یرفع یَدَیْهِ اِلَّا فِی اول مَا یفْتَتِح) یعنی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شروع نماز کے علاوہ رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

مخالف نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے کہ حضرت طاوس نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے جو حضور علیہ السلام سے مروی روایت کے موافق ہے۔ ہم (احناف) نے کہا: جائز ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رفع یدین کرنے کا عمل طاوس نے اس وقت دیکھا ہو کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک نسخ کی حجت قائم نہ ہوئی ہو، پھر جب رفع یدین منسوخ ہونے کی حجت ان پر قائم ہو گئی تو انہوں نے رفع یدین ترک کر دیا ہو جس کا ذکر امام مجاہد نے کیا ہے۔

(عمدۃ القاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی مع الافتتاح سواء، جلد 5، صفحہ 273، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(15) علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی "شرح سنن ابی داود" میں فرماتے ہیں:

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اور ہمارا مذہب عقلی اعتبار سے بھی قوی ہے: کیونکہ سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین ہے اور دو سجدوں کے درمیان تکبیر پر رفع یدین نہیں ہے۔ اور تکبیر رکوع اور اس سے اٹھنے کی تکبیر میں اختلاف ہے پس ایک قوم نے ان دونوں تکبیروں کو تکبیر اولی سے ملایا ہے اور ایک قوم نے انہیں دونوں سجدوں کی

تکبیرات کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ تکبیر اولی نماز کی بنیاد سے ہے اور اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور دو سجدوں کے درمیان والی تکبیر کا معاملہ اس طرح نہیں ہے اور ہم نے دیکھا کہ رکوع کرنے اور اس سے اٹھنے کی تکبیر بھی نماز کی بنیاد سے نہیں ہے پس ہم نے اسے بھی دو سجدوں والی تکبیر کے ساتھ لاحق کر دیا۔اور اشرف الدین بن نجیب کاسانی رحمۃ اللہ علیہ "بدائع الصنائع" میں ارشاد فرماتے ہیں: حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا:((إن العشرة الذين شهد لهم رسول الله بالجنة ما كانوا يرفعون أيديهم إلا لافتتاح الصلاة)) ترجمہ: عشرہ مبشرہ صحابہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت عطا فرمائی وہ صرف تکبیرِ اولی میں ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: ان دلائل کی بنیاد پر امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب، جماعتِ صحابہ وتابعین اور ان سے بعد والوں کا مذہب ہے۔ بہر حال صحابہ میں اس مذہب والے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہم ہیں، یہ تو عشرہ مبشرہ ہیں۔اور (دیگر صحابہ میں) حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم ہیں۔اور ان کے بعد تابعین میں امام ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلی، علقمہ، اسود، شعبی، ابواسحاق، خیثمہ، قیس، ثوری، مالک، ابن قاسم، مغیر، وکیع، عاصم بن کلیب اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے حضرات رضی اللہ عنہم کا مذہب بھی یہی ہے۔

اور رفع یدین والی احادیث کا جواب یہ ہے کہ وہ منسوخ ہیں اس دلیل کی بنا پر جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:((رفع رسول الله فرفعنا وترك فتركنا)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین فرمایا تو ہم نے بھی کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک فرمایا تو ہم نے بھی چھوڑ دیا۔مزید یہ ہے کہ احادیث کے تعارض کے وقت رفع یدین کو ترک کرنا ہی اولی ہے کیونکہ اگر رفع یدین کو ثابت مانا جائے تو علما اس کا درجہ سنت سے بھی کم رکھتے ہیں اور رفع یدین کو ثابت مانتے ہوئے اسے ترک کرنا فساد کا موجب نہیں ہے میری مراد نماز کا فساد ہے جبکہ اس کے عدم ثبوت کی صورت میں اس کا بجالانا نماز کے فساد کا موجب ہے کیونکہ یہ دونوں ہاتھوں کو نماز میں مشغول کرنا ہے اور یہی عمل کثیر کی تفسیر ہے۔(لہٰذا نماز فاسد ہو جائے گی۔) (شرح سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب فی رفع الیدین، ج3، ص303,304، مکتبۃ الرشد، الریاض)

حضرت عبداللہ بن مبارک کے قول کا جواب

اولاً حضرت عبداللہ بن مبارک نے اپنے اس قول "وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ

يَرْفَعُ إِلَّا فِی أَوَّلِ مَرَّةٍ" سے رجوع فرمالیا تھا کیونکہ انہوں نے خود اس حدیث کو روایت کیا ہے، چنانچہ سنن نسائی میں ہے:((أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يُعِدْ))۔

(سنن نسائی، ترک ذلک، ج2، ص182، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

"الدرایہ" میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے "وکیع" کے تفرد کے جواب میں عبداللہ بن مبارک کی اس روایت کو علما کے حوالے سے بطورِ متابعت پیش کیا ہے حالانکہ پہلے عبداللہ ابن مبارک کی جرح پیش کی ہے، لکھا: وَنقل عَن ابْن الْمُبَارك أَنه قَالَ لم يثبت عِنْدِي "اور تھوڑا آگے لکھا: "وَقَالَ غير ابْن الْقطَّان لم ينْفَرد بهَا وَكِيع بل أوردهَا النَّسَائِيّ من طَرِيق ابْن الْمُبَارك عَن الثَّوْرِيّ "یعنی ابن قطان کے علاوہ بقیہ علما نے فرمایا ہے کہ اس روایت کو اکیلے وکیع نے ہی روایت نہیں کیا بلکہ امام نسائی نے اسے ابن مبارک عن الثوری کے طریق سے ذکر کیا ہے۔

(الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، ومن الآثار فی ذلک، ج1، ص150، دار المعرفہ، بیروت)

اس سے پتہ چلا کہ اگر ابن مبارک کی وہ جرح معتبر اور باقی ہوتی تو علما متابعت میں ابن مبارک کی روایت پیش نہ کرتے کیونکہ ایک چیز کا جب ثبوت ہی نہیں تو اسے متابعت میں کیسے پیش کیا جا سکتا ہے!!

ثانیاً عبداللہ بن مبارک کی جرح "لم یثبت" جرح مفسر نہیں، لہٰذا مقبول نہیں۔

باب نمبر 188

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الرُّكْبَتَيْنِ فِي الرُّكُوعِ

رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا بیان

258- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: قَالَ لَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ الرُّكَبَ سُنَّتْ لَكُمْ، فَخُذُوا بِالرُّكَبِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي حُمَيْدٍ، وَأَبِي أُسَيْدٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ، وَأَبِي مَسْعُودٍ. قَالَ ابوعيسىٰ: حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ فِي ذَلِكَ، إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَبَعْضِ أَصْحَابِهِ، أَنَّهُمْ كَانُوا يُطَبِّقُونَ وَالتَّطْبِيقُ مَنْسُوخٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ابوعبدالرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا: گھٹنوں (پر ہاتھ رکھنا) تمہارے لیے سنت ہے لہٰذا گھٹنوں پر ہاتھ رکھا کرو۔

اس باب میں حضرت سعد، حضرت انس، حضرت ابوحمید، حضرت ابواُسید، حضرت سہل بن سعد، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام، تابعین اور اُن کے بعد والے (علما) کا اسی پر عمل ہے، اس مسئلہ میں اُن کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعض اصحاب کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تطبیق کرتے تھے (یعنی رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر رانوں کے درمیان کر لیتے) اور اہل علم کے نزدیک تطبیق منسوخ ہے۔

259- قَالَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ: كُنَّا نَفْعَلُ ذَلِكَ، فَنُهِينَا عَنْهُ، وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ الْأَكُفَّ عَلَى الرُّكَبِ، حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، عَنْ

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم تطبیق کرتے تھے پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(امام ترمذی فرماتے ہیں) ہمیں یہ حدیث قتیبہ نے بھی بیان کی، آپ کو ابوعوانہ نے ابویعفور اور مصعب بن سعد

مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ سَعْدٍ بِهٰذَا. کے واسطہ کے ساتھ حضرت سعد کے حوالہ سے بیان کی۔

تخریج حدیث258,259: (صحیح بخاری، باب وضع الاکف علی الرکب فی الرکوع، ج1، ص157، دارطوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب الندب الی وضع الایدی علی الرکب، ج1، ص380، حدیث535، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، وضع الیدین علی الرکبتین، ج1، ص229، حدیث867، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب التطبیق، ج2، ص185، حدیث1032، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب وضع الیدین علی الرکبتین، ج1، ص283، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

گھٹنے پر ہاتھ رکھنے اور تطبیق کے بارے میں مذاہب ائمہ

حالتِ رکوع میں احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا سنت ہے اور حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ تطبیق (یعنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ملا کر دونوں رانوں کے درمیان رکھنا) منسوخ ہے۔

الاحناف

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور ان سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے اور یہی جمہور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا قول ہے۔ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سنت تطبیق ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملائے اور انہیں دونوں رانوں کے درمیان رکھ دے۔ اور صحیح جمہور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا قول ہی ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: ((إِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَفَرِّجْ بَيْنَ أَصَابِعِكَ)) ترجمہ: جب تو رکوع کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ دے اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھ۔ اور ایک روایت میں یوں ہے: ((وَفَرِّقْ بَيْنَ أَصَابِعِكَ)) یعنی اپنی انگلیوں کو متفرق کردے۔ اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ((ثُنِيَتْ لَكُمُ الرُّكَبُ فَخُذُوا بِالرُّكَبِ)) ترجمہ: تمہارے لئے گھٹنے دوہرے کیے گئے ہیں پس (نماز میں) اپنے گھٹنوں کو پکڑے رکھو۔ اور تطبیق منسوخ ہے اس حدیث کی بنا پر جو یوں مروی ہے کہ بے شک حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نماز میں تطبیق کرتے دیکھا تو اس سے منع فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نماز میں تطبیق کرتے دیکھا ہے۔ تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ((رَحِمَ اللهُ ابْنَ مَسْعُودٍ كُنَّا نُطَبِّقُ فِي الِابْتِدَاءِ ثُمَّ نُهِينَا عَنْهُ)) ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم ہو ہم ابتدا میں تطبیق کیا کرتے تھے پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ تو ہوسکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وجہ سے تطبیق کرتے ہوں کہ آپ کو منسوخ ہونا نہ پہنچا ہو۔

(بدائع الصنائع، سنن الرکوع، ج1، ص208، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

المالکیہ

علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

اور اپنے ہاتھوں کو رکوع میں اپنے گھٹنوں پر رکھے اور یہ رکوع کی سنت ہے۔

(الکافی فی فقہ اہل المدینہ، باب الرکوع والسجود، ج1، ص203، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض)

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

اپنی ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھوں سے تطبیق کیا کرتے تھے یعنی اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں کے درمیان رکھتے تھے۔ ہماری دلیل صحیح بخاری کی حدیث پاک ہے کہ حضرت سیدنا مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((صَلَّیْتُ اِلَی جَنْبِ اَبِی فطبقت بَیْنَ کَفَّیَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَیْنَ فَخِذَیَّ فَنَهَانِی وَقَالَ كُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِینَا عَنْهُ وَاُمِرْنَا اَنْ نَضَعَ اَیْدِینَا عَلَی الرُّكَبِ)) ترجمہ: میں نے اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی پس میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ تطبیق کی، میں نے ان کو اپنی رانوں کے درمیان رکھ دیا پس انہوں نے مجھے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم یوں کیا کرتے تھے پس ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں۔

اور یہ دلیل ہے پہلی بات منسوخ ہونے اور دوسری کے مشروع ہونے پر۔

(الذخیرۃ للقرافی، الباب الرابع فی ارکان الصلاۃ، ج2، ص190، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

الشوافع

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

جب نمازی رکوع کرے تو سنت یہ ہے کہ اپنے ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((یُطَبِّقُ یَدَیْهِ وَیَتْرُكُهُمَا بَیْنَ رُكْبَتَیْهِ)) ترجمہ: اپنے دونوں ہاتھوں سے تطبیق کرے اور ان کو دونوں گھٹنوں کے درمیان چھوڑ دے۔ اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: ((عَلَّمَنَا رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ وَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا رَكَعَ طَبَّقَ يَدَيْهِ بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ)) ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم دی اور تکبیر کہی اور ہاتھوں کو اٹھایا پس جب رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان تطبیق کی۔ اور یہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا یہ شروع اسلام میں سنت تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اور حضرت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((اَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ حَدِيثَ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ صَدَقَ اَخِي كُنَّا نَفْعَلُ هَذَا ثُمَّ اُمِرْنَا بِهَذَا يَعْنِي :الْاِمْسَاكَ عَلَى الرُّكْبَتَيْنِ)) ترجمہ: انہوں نے جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سنی تو فرمایا کہ میرے بھائی نے درست کہا ہم یونہی کیا کرتے تھے پھر ہمیں اس کا حکم دیا گیا یعنی گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا۔ اور مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ((صَلَّيْتُ اِلَى جَنْبِ اَبِي فَطَبَّقْتُ فَنَهَانِي قَالَ: كُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِينَا)) ترجمہ: میں نے اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں نے تطبیق کی پس انہوں نے مجھے اس

سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہم یوں کیا کرتے تھے پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔

(الحاوی الکبیر، قال الشافعی: وضع راحتیہ ارکبتیہ، ج2، ص117، دار الکتب العلمیہ بیروت)

الحنابلہ

علامہ موفق الدین بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رکوع کرنے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت نے یوں ہی کیا ہے۔ اور امام ثوری، مالک، شافعی، اسحاق اور اصحاب رائے بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ بزرگوں کی ایک جماعت تطبیق کی جانب بھی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک کو دوسرے پر رکھے پھر ان کو اپنے دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھے جب رکوع کرے۔ یہ اول اسلام میں تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت سیدنا مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((رَكَعْتُ فَجَعَلْتُ يَدَيَّ بَيْنَ رُكْبَتَيَّ. فَنَهَانِي أَبِي، وَقَالَ: إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُ هٰذَا فَنُهِينَا عَنْهُ وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ)) ترجمہ: میں نے رکوع کیا پس میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھا تو میرے والد نے مجھے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: ہم یوں کیا کرتے تھے پس ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں (متفق علیہ)۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ یستحب للراکع ان یضع یدیہ علی رکبتیہ، ج1، ص359، مکتبہ القاہرہ)

باب نمبر 189

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُجَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ فِي الرُّكُوعِ

دورانِ رکوع ہاتھوں کو پہلوؤں سے جُدا رکھنے کا بیان

260-حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ العَقَدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ، قَالَ: اجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ، وَأَبُو أُسَيْدٍ، وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ، فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَ، فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا، وَوَتَّرَ يَدَيْهِ، فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ. وَفِي البَابِ عَنْ أَنَسٍ. قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أَبِي حُمَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَهْلُ العِلْمِ: أَنْ يُجَافِيَ الرَّجُلُ يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

حضرت عباس بن سہل بیان کرتے ہیں: حضرت ابوحمید، ابواُسید، سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم (ایک مقام پر) اکٹھے ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کرنے لگے، چنانچہ حضرت ابوحمید نے کہا: میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں (پھر آپ نے بیان کیا کہ) حضور نے رکوع فرمایا اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا (ایسا معلوم ہوا کہ) گویا آپ نے ان کو پکڑا ہوا ہے، آپ نے ہاتھوں کو کمان کی طرح کیا اور پہلوؤں سے جُدا رکھا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوحُمید رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور علما نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ نمازی رکوع و سجود میں اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے جُدا رکھے۔

تخریج حدیث 260: (سنن ابی داؤد، باب افتتاح الصلاۃ، ج1، ص196، حدیث 734، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب اتمام الصلاۃ، ج1، ص337، حدیث 1061، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو کمان کی طرح کر لیتے)) یعنی ان کو ٹیڑھا کر لیتے یہ "اَلتَّوْتِیْر" سے مشتق ہے اور وہ کمان پر تانت (بھیڑ، بکری یا گائے وغیرہ کی وہ انتڑی جو بٹ کر کمان، سارنگی وغیرہ میں لگاتے ہیں، فیروز اللغات) ڈالنے کو کہتے ہیں۔ ((پس وہ انہیں اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے)) یہ "نَحّٰی تَنْحِیَةً" سے ہے جو دور کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھتے تھے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تانت کی طرح ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک کمان طرح ہوتے۔ اور "نہایہ" میں ہے کہ ان دونوں ہاتھوں کو تانت کی طرح رکھتے۔ یہ تیرے اس کہنے کی مانند ہے: "وَتَّرْتُ الْقَوْسَ وَاَوْتَرْتُهُ" یعنی میں نے کمان میں تانت ڈالی۔ تو اس میں رکوع کرنے والے کے ہاتھ کو کمان میں تانت ڈالنے سے تشبیہ دی جب وہ اپنے ہاتھوں کو کھینچ کر گھٹنوں پر رکھتا ہے۔ ہدایہ میں فرمایا: اپنی پنڈلیوں کو سیدھا رکھے ہوئے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے۔ علامہ ابن الھمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان دونوں پنڈلیوں کو کمان کے مشابہ کرنا جیسا کہ عام لوگ کرتے ہیں مکروہ ہے، اس مسئلہ کو "روضۃ العلما" میں ذکر فرمایا۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب صفۃ الصلاۃ، ج2، ص662، دار الفکر، بیروت)

رکوع کا طریقہ، مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

اتنا جھکنا کہ ہاتھ بڑھائے تو گھٹنے کو پہنچ جائیں، یہ رکوع کا ادنیٰ درجہ ہے۔

(در مختار مع رد المحتار، مقدمہ یتعلق الفرض علی ما یقابل الرکن، ج1، ص447، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن احمد سمرقندی حنفی (متوفی 540ھ) فرماتے ہیں:

بہر حال رکوع کی سنتیں تو وہ یہ ہیں کہ اپنی پیٹھ کو بچھائے اور اپنے سر کو اونچا، نیچا نہ کرے حتی کہ اس کا سر اس کی پیٹھ کے برابر ہو جائے اور یہ کہ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے یوں کہ گھٹنوں کو پکڑے ہوئے ہو اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے تا کہ گھٹنے پکڑنے میں زیادہ آسانی ہو۔

(تحفۃ الفقہاء، باب افتتاح الصلاۃ، ج1، ص133، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

(اور اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ((اِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ يَدَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَفَرِّجْ بَيْنَ أَصَابِعِكَ)) ترجمہ: جب تو رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھ۔ اور نماز میں صرف اسی حالت میں انگلیوں کا کھلا رکھنا مستحب ہے تاکہ پکڑنے میں زیادہ آسانی ہو اور صرف سجدہ کی حالت میں انگلیوں کا ملانا مستحب ہے اور اس کے علاوہ انگلیوں کو عادت کے مطابق رکھا جائے گا۔ (اور پیٹھ کو بچھا دے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تو پیٹھ کو بچھا دیتے (اپنے سر کو اونچا نیچا نہ کرے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اپنے سر کو نہ جھکاتے اور نہ ہی اٹھاتے۔

(ہدایہ، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص50، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس کے تحت علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

اپنی پنڈلیوں کو سیدھا رکھے ہوئے اور ان کو کمان کی طرح ٹیڑھا کرنا جیسا کہ عام لوگ کرتے ہیں مکروہ ہے اس مسئلہ کو ''روضۃ العلماء'' میں ذکر فرمایا۔ (فتح القدیر، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص297، دار الفکر، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ محمد ابن مفلح مقدسی رامینی حنبلی (متوفی 763ھ) فرماتے ہیں:

اور رکوع کرے پس اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس حالت میں رکھے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوئی ہوں۔ اور اس کا سر اس کی پیٹھ کے برابر ہو اور اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اور اسے اتنی مقدار جھکنا کفایت کرے گا کہ اسے ہاتھوں سے گھٹنوں کو چھونا ممکن ہو جائے۔ (الفروع وتصحیح الفروع، فصل ثم یرفع یدیہ الخ، ج2، ص195، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کھلا رکھے اور اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھے اور سر کو اونچا، نیچا نہ کرے) اور حضرت سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ میں ذکر فرمایا: ((رَأَيْتُهُ إِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ. يَعْنِي عَصَرَهُ حَتَّى يَعْتَدِلَ وَلَا يَبْقَى مُحْدَوْدِبًا)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا پھر اپنی پیٹھ کو سیدھا کیا حتی کہ وہ برابر ہو گئی اور ٹیڑھا پن باقی نہ رہا۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ((ثُمَّ اعْتَدَلَ فَلَمْ يُصَوِّبْ وَلَمْ يُقْنِعْ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ))

ترجمہ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم معتدل ہو گئے پس نہ سر جھکایا اور نہ بلند کیا اور اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا۔اور سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو اپنے سر کو نہ اٹھاتے اور نہ ہی اسے جھکاتے لیکن اسے درمیان میں رکھتے۔(متفق علیہ)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسے چاہیے کہ جب رکوع کرے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کھول دے اور اپنے بازوؤں اور کلائیوں پر سہارا لے اور اپنی پیٹھ کو سیدھا کرے اور سر کو اونچا، نیچا نہ کرے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے کہ: ((أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَكَعَ لَوْ كَانَ قَدَحُ مَاءٍ عَلَى ظَهْرِهِ مَا تَحَرَّكَ)) ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع فرماتے تو اگر پانی کا پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر رکھ دیا جاتا تو وہ حرکت نہ کرتا۔اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک کے سیدھا ہونے کی وجہ سے تھا۔

اور رکوع میں اتنا جھکنا واجب ہے کہ نمازی کے لئے اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو چھونا ممکن ہو جائے کیونکہ وہ قیام سے رکوع کی حد میں اسی صورت سے داخل ہوگا۔اور دونوں ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا لازم نہیں ہے وہ صرف مستحب ہے پس اگر دونوں ہاتھوں میں کوئی بیماری ہو کہ اس کے لئے گھٹنوں پر رکھنا ممکن نہ ہو تو وہ رکوع کے لئے جھکے اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر نہ رکھے اور اگر ان میں سے ایک میں کوئی بیماری ہو تو دوسرے کو گھٹنے پر رکھے۔اور مستحب ہے کہ اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھے۔پس بے شک حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا: ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر یوں رکھتے گویا وہ انہیں پکڑے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو کمان کی تانت کی طرح رکھتے پس انہیں اپنے پہلوؤں سے جدا فرما لیتے۔یہ حدیث صحیح ہے ....اور رکوع میں اطمینان سے ٹھہرنا واجب ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نمازی رکوع کی حد میں پہنچے تو کچھ دیر ٹھہرے۔

(المغنی لابن قدامہ، یستحب للراکع ان یضع یدیہ علی رکبتیہ، ج1، ص359,360، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیی بن اسماعیل مزنی شافعی (متوفی 264ھ) فرماتے ہیں:

اور اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے اور اپنی پیٹھ اور گردن کو سیدھا کرے اور اپنی گردن کو اپنی پیٹھ سے جھکائے نہ اونچا کرے اور اس کو سیدھا رکھے اور اپنی دونوں کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اور جب رکوع کرے تو تین مرتبہ یوں کہے: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ۔اور یہ کمال کا ادنی درجہ ہے۔

(مختصر مزنی، باب صفۃ الصلاۃ الخ، ج8، ص107، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اور اس حد تک جھکنا واجب ہے کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں کو پہنچ جائیں کیونکہ اس سے کم جھکنے والے کو رکوع کرنے والا نہیں کہا جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے اس حدیث پاک کی بنا پر جو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کی: ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امسك راحتیہ علی رکبتیہ کالقابض علیھما وفرج بین اصابعہ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا گویا کہ وہ انہیں تھامے ہوئے ہیں اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھا........ اور مستحب ہے کہ اپنی گردن اور پیٹھ کو سیدھا کرے اور اپنے سر کو نہ جھکائے نہ اٹھائے اس حدیث پاک کی بنا پر جو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کے بیان میں روایت کی: ((فقام فرکع واعتدل ولم یصوب راسہ ولم یقنعہ)) ترجمہ: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا پھر رکوع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم معتدل ہو گئے پس نہ اپنے سر کو بلند کیا اور نہ جھکایا۔ اور مستحب ہے کہ اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کیا۔ پس اگر عورت ہو تو وہ جدا نہ رکھے بلکہ اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے ملا دے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ ستر کا سبب ہے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 143، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابن الحاجب کردری مالکی (متوفی 646ھ) فرماتے ہیں:

اور رکوع کی کم از کم حد یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں کے قریب ہو جائیں اور مستحب ہے کہ اپنے گھٹنوں کو سیدھا رکھے اور اپنے ہاتھوں کو ان پر رکھے اور اپنی کہنیوں کو جدا رکھے اور اپنے سر کو زمین کی طرف نہ جھکائے۔

(جامع الامہات، وللصلاۃ شروط وفرائض وسنن الخ، ج 1، ص 96، مطبوعہ بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی (متوفی 684ھ) فرماتے ہیں:

اور "جواہر" میں ہے کہ رکوع کی کم از کم حد یہ ہے کہ نمازی کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں یا ان کے قریب ہو جائیں اور رکوع کی کامل صورت یہ ہے کہ پیٹھ اور گردن کو برابر کرے اور اپنے گھٹنوں کو سیدھا کرے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اور جھکنے اور برابر ہونے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

(الذخیرۃ للقرافی، الباب الرابع فی ارکان الصلاۃ، ج 2، ص 188، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر 190

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع وسجود کی تسبیحات کا بیان

261- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ يَزِيدَ الْهُذَلِيِّ، عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ، فَقَالَ فِي رُكُوعِهِ :سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ، وَذَلِكَ أَدْنَاهُ، وَإِذَا سَجَدَ، فَقَالَ فِي سُجُودِهِ :سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ، وَذَلِكَ أَدْنَاهُ ." وَفِي الْبَابِ عَنْ حُذَيْفَةَ، وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ .قال ابوعيسىٰ :حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ، عَوْنُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ لَمْ يَلْقَ ابْنَ مَسْعُودٍ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ :يَسْتَحِبُّونَ أَنْ لَا يَنْقُصَ الرَّجُلُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ مِنْ ثَلَاثِ تَسْبِيحَاتٍ. وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ :أَسْتَحِبُّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُسَبِّحَ خَمْسَ تَسْبِيحَاتٍ لِكَيْ يُدْرِكَ مَنْ خَلْفَهُ ثَلَاثَ تَسْبِيحَاتٍ وَهَكَذَا قَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ-

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: تم میں سے کوئی جب رکوع کرے اور رکوع میں تین بار" سبحان ربی العظیم " کہے اس کا رکوع مکمل ہوگیا، اور یہ (تین بار) کم از کم ہے۔ اور جب سجدہ کرے اور سجدے میں تین بار" سبحان ربی الاعلیٰ " کہے تو اس کا سجدہ مکمل ہوگیا، اور یہ (مقدار) کم از کم ہے۔

اس باب میں حضرت حذیفہ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند متصل نہیں ہے (کیونکہ) عون بن عبداللہ بن عتبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی۔

اسی پر عمل کرتے ہوئے علمائے کرام رکوع وسجود میں تسبیحات تین بار سے کم نہ پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔

ابن مبارک کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں امام کے لئے پانچ بار تسبیحات کو پسند کرتا ہوں تاکہ مقتدی تین تسبیحات پاسکیں۔

اسحاق بن ابراہیم نے بھی یوں ہی فرمایا ہے۔

262- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ، عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ، عَنْ حُذَيْفَةَ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، وَفِي سُجُودِهِ، سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى، وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ، وَمَا أَتَى عَلَى آيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ. قَالَ ابوعيسىٰ: وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کہتے، آپ آیت رحمت پر ٹھہرتے اور دُعا مانگتے اور عذاب والی آیت پر ٹھہرتے اور پناہ مانگتے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

263- وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ نَحْوَهُ

(امام ترمذی فرماتے ہیں) ہم سے محمد بن بشار نے بواسطہ عبدالرحمٰن بن مہدی، حضرت شعبہ سے کے حوالہ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

تخریج حدیث 261: (سنن ابی داؤد، باب مقدار الرکوع والسجود، ج 1، ص 234، حدیث 886، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب التسبیح فی السجود والرکوع، ج 1، ص 287، حدیث 890، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

تخریج حدیث 262: (سنن ابی داؤد، باب مقدار الرکوع والسجود، ج 1، ص 230، حدیث 871، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، تعوذ القاریٔ اذا مر بآیۃ عذاب، ج 2، ص 176، حدیث 1008، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب التسبیح فی الرکوع والسجود، حدیث 888، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

عظیم کا معنی

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عظیم کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہستی جو اپنی ذات وصفات میں کامل ہو، جلیل کا معنی جو اپنی صفات میں کامل ہو اور کبیر کا معنی یہ ہے کہ وہ ہستی جو اپنی ذات میں کامل ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص714، دار الفکر، بیروت)

سجدے میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کی تخصیص کی وجہ

علامہ محمد بن عبد الہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

اور سجدے میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ "اعلیٰ" تعظیم میں زیادہ بلیغ ہے لہٰذا اِس کو اُس حالت میں پڑھنے کے لئے رکھا گیا جو تواضع میں زیادہ بلیغ ہے اور وہ سجدہ کی حالت ہے اور تحقیق روایت میں موجود ہے کہ بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے تو یوں قربِ مسافت کا وہم ہوتا ہے لہٰذا اس وہم کو دور کرنے کے لئے "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھنے کو مندوب قرار دیا گیا اور اسی طرح حالتِ سجدہ میں بندہ کی عاجزی کی انتہا ہے لہٰذا اسے مناسب ہے کہ بلندی کی صفت کے ساتھ اپنے رب کی تعریف کرے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب التسبیح فی الرکوع والسجود، ج1، ص289، 288، دار الجیل، بیروت)

"ذلک ادناہ" کا معنی

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((اور یہ تین مرتبہ تسبیح کم از کم ہے)) اور صاحبِ ہدایہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: یعنی جمع کے کمال کا ادنی ہے اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: یعنی سنت کے کمال کا ادنی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا: اور یہ اس کا ادنی ہے یعنی کمال کا ادنی ہے۔

(شرح ابی داود للعینی، باب مقدار الرکوع والسجود، ج4، ص100، مکتبۃ الرشد، ریاض)

لیس اسنادہ بمتصل

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ عون نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی))اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور یہ بات اس مقام پر کوئی ضرر نہیں دیتی ہے کیونکہ منقطع فضائل میں بالاجماع معمول بہ ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص715، دار الفکر، بیروت)

آیت رحمت اور آیت عذاب پر ٹھہرنا

علامہ علی قاری مزید فرماتے ہیں:

((اور وہ آیت رحمت پر ٹھہرتے اور سوال کرتے)) یعنی رب کی رحمت کا سوال کرتے۔((اور آیت عذاب پر وقف کرتے اور پناہ مانگتے)) یعنی اللہ عزوجل سے اس کے عذاب کی پناہ مانگتے۔اس بات کو ہمارے اصحاب اور مالکیہ رحمہم اللہ نے نفل نماز پر محمول کیا ہے کیونکہ یہ حضرات فرض میں قراءت کے دوران رب کے عذاب سے پناہ مانگنے اور سوال رحمت کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کو بیانِ جواز پر محمول کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ اس کے ساتھ نماز اجماعا درست ہو جائے گی اور اس کا کم وقوع پذیر ہونا بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص715، دار الفکر، بیروت)

رکوع و سجود کی تسبیح کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

رکوع کی سنتیں بیان کرتے ہوئے علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور رکوع کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ نمازی رکوع میں تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" کہے۔اور یہ جمہور علما کا قول ہے........اور اس کے سنت ہونے کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جو حضرت سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:((لَمَّا نَزَلَ قَوْلُہ تَعَالَی ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ﴾ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اجْعَلُوْھَا فِی رُکُوْعِکُمْ، وَلَمَّا نَزَلَ قَوْلُہ تَعَالَی (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی) قَالَ :اجْعَلُوْھَا فِی سُجُوْدِکُمْ)) ترجمہ: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ﴾ (ترجمہ کنز الایمان: تو اے محبوب تم پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی۔(الواقعہ 74)) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے رکوع میں شامل کرلو۔اور جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی﴾ (ترجمہ کنز الایمان: اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔(الاعلی 1)) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے سجدوں میں شامل کرلو۔ پھر اس میں سنت یہ ہے کہ کم از کم تین مرتبہ کہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ کہنا کفایت کرے گا کیونکہ کسی کام کا حکم دینا تکرار کا متقاضی نہیں ہے تو وہ اس کو ایک مرتبہ کہنے سے ہی اس حکم کی

بجا آوری کرنے والا کہلائے گا۔اور ہماری دلیل وہ حدیث پاک ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ فِي رُكُوعِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا وَفِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَدْنَاهُ)) ترجمہ: تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے رکوع میں تین مرتبہ یوں کہے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" اور سجدوں میں تین مرتبہ یوں کہے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى" اور یہ اس کا کم از کم ہے اور کسی کام کا حکم دینا یہ تکرار کا احتمال رکھتا ہے لہذا قیامِ دلیل کے وقت اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر نمازی ایک مرتبہ تسبیح کرے تو مکروہ ہے اس لئے کہ حدیث نے تین کے عدد کو تمام کا کم از کم قرار دیا ہے تو جو تین سے بھی کم ہوگا تو وہ ناقص کہلائے گا لہذا مکروہ ہے اور اگر تین پر زائد کرے تو یہ افضل ہے اس لئے کہ حدیث میں یہ قول کہ "یہ اس کا کم از کم ہے" زیادہ کے مستحب ہونے کی دلیل ہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو پس اگر وہ مقتدی ہو تو امام کے سر اٹھانے تک تسبیح پڑھتا رہے۔اور بہر حال جب امام ہو تو اسے چاہیے کہ تین مرتبہ تسبیح کہے اور قوم پر نماز کو طول نہ دے ان احادیث کی بنا پر جو ہم نے روایت کیں اور اس وجہ سے بھی کہ تطویل تنفیرِ عوام کا سبب ہے اور یہ مکروہ ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر، ج1، ص208، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رکوع کرے تو تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" کہے اور یہ کمال کا کم از کم درجہ ہے۔ماوردی کہتے ہیں: اور یہ اسی طرح ہی ہے جیسا انہوں نے فرمایا: رکوع و سجود میں تسبیح کرنا سنتِ ماثورہ ہے اور واجب نہیں ہے اور یہ تمام فقہا کا قول ہے۔اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے ان میں تسبیح کرنا واجب ہے انہوں نے فرمایا: جب اللہ عزوجل کا یہ فرمان نازل ہوا ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ (ترجمہ کنز الایمان: تو اے محبوب تم پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے رکوع میں شامل کرلو۔اور جب یہ فرمان نازل ہوا ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (ترجمہ کنز الایمان: اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے سجود میں شامل کرلو۔اور صلہ بن زفر نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ((أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، وَفِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى)) ترجمہ: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

رکوع میں یوں فرماتے تھے "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ "اور سجود میں یوں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی "

اور ہماری دلیل حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعرابی کو یہ فرمانا ہے:((ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا)) ترجمہ: پھر تو رکوع کر حتی کہ رکوع میں اطمینان حاصل کر لے پھر تو اٹھ حتی کہ سیدھا کھڑا ہوجا۔اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض (اور واجب) کے بیان پر اقتصار فرمایا اور اس میں تسبیح کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا اور اسی طرح ہے جب حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کو بیان کیا۔اور اس وجہ سے بھی کہ نماز کے افعال دو قسموں پر ہیں: ان میں سے ایک قسم وہ ہے کہ جس میں فی نفسہ عاجزی نہ ہو جیسے قیام اور قعود کیونکہ یہ خالق اور مخلوق کے مابین مشترک ہے پس یہ محتاج ہے ایسے ذکر کی طرف جو اس کو مخلوق کے افعال سے جدا کر دے۔اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں فی نفسہ عاجزی ہو جیسا کہ رکوع و سجود کیونکہ یہ افعال صرف خالق کے لئے ہی جائز ہیں نہ کہ مخلوق کے لئے پس ان میں ایسے ذکر کی طرف محتاجی نہیں ہے جو ان کو مخلوق کے افعال سے جدا کرے بہر حال جو حدیث میں موجود ہے تو وہ استحباب کے طور پر ہے۔

پس جب یہ ثابت ہوا کہ تسبیح کرنا سنت ہے تو اس کے کمال کا ادنی تین ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ وَقَالَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثَلَاثًا فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ وَهُوَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ وَقَالَ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی "فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ وَهُوَ أَدْنَاهُ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور تین مرتبہ " سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ "کہے تو تحقیق اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ اس کی ادنی مقدار ہے اور جب سجدہ کرے اور "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی " کہے تو تحقیق اس کا سجدہ مکمل ہو گیا اور یہ اس کا اَدنی ہے۔بہر حال کمال کی تمامیت تو وہ گیارہ مرتبہ یا نو مرتبہ پڑھنا ہے اور اس کی درمیانی مقدار پانچ ہے اور اگر نمازی ایک مرتبہ تسبیح کرے تو وہ بھی اسے کفایت کرے گی۔

(الحاوی الکبیر، مسئلہ، ج2، ص119,120، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(اور وہ تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" کہے اور یہ کمال کا ادنی ہے اور اگر وہ ایک مرتبہ کہے تو وہ اسے کفایت کرے گا) اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ رکوع میں " سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ " کا کہنا مشروع ہے اور امام شافعی اور اصحاب رائے بھی اسی کے قائل ہیں۔اور امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک رکوع اور سجود میں کوئی حد بندی نہیں ہے۔اور ہماری دلیل وہ

حدیث پاک ہے کہ جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا:((لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ)) ترجمہ: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ (ترجمہ کنزالایمان: تو اے محبوب تم پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں شامل کرلو۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:((إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ. وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ)) ترجمہ: جب تم رکوع کرو تو تم تین مرتبہ " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ " کہو اور یہ اس کی کم ازکم مقدار ہے۔ ان دونوں احادیث کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:((إِذَا رَكَعَ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)) ترجمہ: جب وہ رکوع کرے تو تین مرتبہ " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ " کہے۔ اسے اثرم نے روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد نے بھی اسے روایت کیا اور یہ نہ فرمایا تین مرتبہ پڑھنی ہے اور ایک مرتبہ تسبیح کرنا بھی کفایت کرے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تسبیح کا حکم دیا اور کسی عدد کو ذکر نہ کیا تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی ادنی مقدار بھی کفایت کرے گی اور کمال کا ادنی تین ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ارشاد فرمایا اور یہ اس کا کم ازکم ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ: التسبیح فی الرکوع، ج 1، ص 361، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ ابن قدامہ مزید فرماتے ہیں:

پھر وہ "سبحان ربی العظیم" کہے اور اس میں دو روایتیں ہیں:

ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ واجب ہے اس حدیث پاک کی بنا پر جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:((لما نزل ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ قال النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجعلوها فی رکوعکم فلما نزل ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ قال: اجعلوها فی سجودکم)) ترجمہ: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ (ترجمہ کنزالایمان: تو اے محبوب تم پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے اپنے رکوع میں شامل کرلو۔ تو جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (ترجمہ کنز الایمان: اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے سجود میں شامل کرلو۔ (ابوداؤد) اور اس وجہ سے بھی کہ یہ نماز میں ایک فعل ہے پس یہ واجب ذکر سے خالی نہیں ہوگا جیسا کہ قیام۔

اور دوسری روایت ہے کہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کمی کرنے والے کو اس بات کی

تعلیم نہیں دی اور کمال کا کم از کم تین ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اذا رکع احدکم فلیقل :سبحان ربی العظیم ثلاثاً وذلك ادناه واذا سجد فلیقل:سبحان ربی الاعلی ثلاثاً وذلك ادناه)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو وہ تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم " کہے اور یہ اس کی کم از کم مقدار ہے اور جب سجدہ کرے تو وہ تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلی " کہے اور اس کی کم از کم مقدار ہے۔اس حدیث پاک اثرم اور ترمذی نے روایت کیا۔اور اگر وہ ایک تسبیح پر اکتفا کرے تو اسے کفایت کرے گا کیونکہ یہ مکرر ذکر ہے لہذا ایک مرتبہ ہونا کفایت کرے گا جیسا کہ تمام اذکار کا معاملہ ہے۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص250,251، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ مرعی بن یوسف مقدسی حنبلی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

اور واجبات آٹھ ہیں....... رکوع میں ایک مرتبہ "سبحان ربی العظیم " کہنا اور سجدہ میں ایک مرتبہ "سبحان ربی الاعلی" کہنا۔ (دلیل الطالب لنیل المطالب، مدخل، ج1، ص36، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ریاض)

مالکیہ کا موقف:

علامہ ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

اور علما نے اختلاف کیا کہ کیا رکوع و سجود میں تسبیح کی کوئی مقدار محدود ہے جسے نمازی پڑھے یا نہیں ہے؟ پس امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی محدود مقدار نہیں ہے۔اور امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور ان کے علاوہ ایک جماعت رحمہم اللہ اس طرف گئی ہے کہ بے شک نمازی اپنے رکوع میں تین مرتبہ '' سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیمِ '' کہے اور سجود میں تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی '' کہے جیسا کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے۔

اور اس باب میں اختلاف کا سبب حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پاک کا حضرت سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہونا ہے اور یہ یوں ہے کہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اَلَا وَاِنِّی نُهِیتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا، فَاَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِيهِ فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ)) ترجمہ: خبردار مجھے رکوع یا سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے بہرحال رکوع میں تم اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجود میں دعا میں زیادہ کوشش کرو کیونکہ یہ تمہاری دعا قبول ہونے کے زیادہ لائق ہے۔اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: ((لَمَّا نَزَلَتْ

﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ، وَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى قَالَ: اجْعَلُوهَا فِي سُجُودِكُمْ)) ترجمہ: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ (ترجمہ کنزالایمان: تو اے محبوب تم پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے رکوع میں شامل کرلو اور یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (ترجمہ کنزالایمان: اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے اپنے سجود میں شامل کرلو۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الاول فی اقوال الصلاۃ، ج1، ص137، دار الحدیث، القاہرہ)

باب نمبر 191

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ القِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع اور سجود میں تلاوت کی ممانعت

264- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، ح وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُبْسِ القَسِّيِّ، وَالمُعَصْفَرِ، وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ، وَعَنْ قِرَاءَةِ القُرْآنِ فِي الرُّكُوعِ. وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ. قال ابوعيسى: حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، كَرِهُوا القِرَاءَةَ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑے ،کسم کے رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی پہننے نیز رکوع میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور اُن کے بعد میں آنے والے (علما) کا یہ ہی قول ہے کہ رکوع اور سجود میں تلاوت کرنا مکروہ ہے۔

تخریج حدیث 264: (صحیح مسلم، باب النهی عن لبس الرجل الثوب، ج3، ص1648، حدیث 2078، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب من کرہہ، ج4، ص47، حدیث 4044، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، النهی عن القراءة فی الرکوع، ج2، ص188، حدیث 1042، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

قَسّی کا معنی اور وجہ تسمیہ:

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف القرطبی الباجی (متوفی 474ھ) فرماتے ہیں:

((حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قَسّی یعنی ریشمی کپڑے پہننے سے منع فرمایا)) قَسّی: قاف کے زبر اور سین کے تشدید کے ساتھ ہے۔ سحنون نے اپنی تفسیر میں ابن وہب سے روایت کیا کہ اس سے مراد ایسے کپڑے ہیں جو دھاری دار ہوں، ان کی مراد یہ ہے کہ جن پر ریشم کے ساتھ نقش ونگار بنایا گیا ہو، جو "قس ماحوز" کے علاقہ میں جو "فرما" کے ساتھ ملا ہے وہاں بنایا جاتا ہے (اسی علاقہ سے نسبت کی بنا پر اسے "قَسّی" کہا جاتا ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لباس کے پہننے سے ممانعت فرمائی، اور یہ خالص ریشم کے بارے میں ہے یا جس پر اکثر طور پر خالص ریشم ہو تو اس کا پہننا حرام ہے۔

(المنتقی شرح الموطا، العمل فی القراءۃ، ج1، ص149، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((قَسّی پہننے سے ممانعت فرمائی)) قسی: کاف کے زبر اور سین مکسور کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ مصر کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف نسبت ہے، جس کی طرف کپڑوں کو منسوب کیا جاتا ہے۔ بعض شارحین فرماتے ہیں: قسی سے مراد کپڑوں کی وہ قسم ہے جس میں ریشم کی دھاریاں ہوں، اور ممانعت تنزیہی وتقوی کے لیے ہے، ابن ملک نے کہا: جس کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو ریشم سے بنا ہو یعنی وہ تمام کا تمام یا اس کا بانا ریشم کا ہو، تو یہ ممانعت تحریمی ہے۔ نہایہ میں ہے: قسی سے مراد وہ اونی کپڑا ہے جس کے ساتھ ریشم ملائی گئی ہو۔ یہ مصر سے لایا جاتا تھا اور یہ سمندر کے ساحل پر ایک گاؤں کی طرف منسوب ہے اس کو قَسّ (کاف کے زبر کے ساتھ) کہا جاتا تھا، بعض محدثین نے اس کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، ایک قول یہ ہے کہ قسی کی اصل "القَزّی" ہے اور یہ منسوب ہے "قز" کی طرف اور یہ ریشم کی ایک قسم ہے اور زاء کو سین سے بدل دیا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے: "قز" خالص ریشم کے کپڑے کو کہا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کپڑا جو اون کے ساتھ ملا ہوا، اور دوسرا جائز ہے لہٰذا اول ہی مراد ہے۔ میں کہتا ہوں: میں نے اس کی تفصیل کو پہلے بیان کر دیا ہے تو غور وفکر کر، کیونکہ یہ پھسلنے کا مقام ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، ج7، ص2787، دار الفکر، بیروت)

شرح حدیث

قَسِّی کا معنی اور وجہ تسمیہ:

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف القرطبی الباجی (متوفی 474ھ) فرماتے ہیں:

((حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قَسِّی یعنی ریشمی کپڑے پہننے سے منع فرمایا)) قَسِّی: قاف کے زبر اور سین کے تشدید کے ساتھ ہے۔ سحون نے اپنی تفسیر میں ابن وہب سے روایت کیا کہ اس سے مراد ایسے کپڑے ہیں جو دھاری دار ہوں، ان کی مراد یہ ہے کہ جن پر ریشم کے ساتھ نقش و نگار بنایا گیا ہو، جو "قس ماحوز" کے علاقہ میں جو "فرما" کے ساتھ ملا ہے وہاں بنایا جاتا ہے (اسی علاقہ سے نسبت کی بنا پر اسے "قسی" کہا جاتا ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لباس کے پہننے سے ممانعت فرمائی، اور یہ خالص ریشم کے بارے میں ہے یا جس پر اکثر طور پر خالص ریشم ہو تو اس کا پہننا حرام ہے۔

(المنتقی شرح الموطا، العمل فی القراءۃ، ج1، ص149، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((قَسِّی پہننے سے ممانعت فرمائی)) قسی: کاف کے زبر اور سین مکسور کی تشدید کے ساتھ ہے اور یہ مصر کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف نسبت ہے جس کی طرف کپڑوں کو منسوب کیا جاتا ہے۔ بعض شارحین فرماتے ہیں: قسی سے مراد کپڑوں کی وہ قسم ہے جس میں ریشم کی دھاریاں ہوں، اور ممانعت تنزیہی و تقوی کے لیے ہے، ابن ملک نے کہا: جس کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو ریشم سے بنا ہو یعنی وہ تمام کا تمام یا اس کا بانا ریشم کا ہو، تو یہ ممانعت تحریمی ہے۔ نہایہ میں ہے: قسی سے مراد وہ ادنی کپڑا ہے جس کے ساتھ ریشم ملائی گئی ہو۔ یہ مصر سے لایا جاتا تھا اور یہ سمندر کے ساحل پر ایک گاؤں کی طرف منسوب ہے اس کو قَسّ (کاف کے زبر کے ساتھ) کہا جاتا تھا، بعض محدثین نے اس کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، ایک قول یہ ہے کہ قسی کی اصل "الـقَـزّی" ہے اور یہ منسوب ہے "قز" کی طرف اور یہ ریشم کی ایک قسم ہے اور زاء کو سین سے بدل دیا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے: "قز" خالص ریشم کے کپڑے کو کہا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کپڑا جو اون کے ساتھ ملا ہوا، اور دوسرا جائز ہے لہٰذا اول ہی مراد ہے۔ میں کہتا ہوں: میں نے اس کی تفصیل کو پہلے بیان کر دیا ہے تو غور و فکر کر، کیونکہ یہ پھسلنے کا مقام ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، ج7، ص2787، دار الفکر، بیروت)

معصفر کا معنی اور حکم:

((معصفر سے منع فرمایا)) یعنی جو کسم سے رنگا ہوا ہو، اور یہ مطلق ہونے کی وجہ سے بننے کے بعد اور اس سے پہلے دونوں قسم کے رنگے ہوئے کپڑوں کو شامل ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، ج7، ص2785، دار الفکر، بیروت)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسم کا رنگا ہوا سرخ اور کیسر کا زرد جنہیں معصفر و مزعفر کہتے ہیں مرد کو پہننا ناجائز و ممنوع ہے اور ان سے نماز مکروہ تحریمی۔ اور ان کے سوا اور رنگ کا زرد بلا کراہت مباح خالص ہے........

اور خالص سرخ غیر معصفر میں اضطراب اقوال ہے اور صحیح و معتمد جواز بلکہ علامہ حسن شرنبلالی نے فرمایا: اس کا پہننا مستحب۔ حق یہ کہ احادیث نہی سرخ معصفر کے بارے میں ہیں جیسے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مذکور سوال اور احادیث جواز سرخ غیر معصفر میں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا بیان جواز کے لئے ہے۔

(پھر کتب فقہ سے جزئیات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) بااینہمہ انصاف یہ کہ شدت اختلاف کے باعث احتراز اولیٰ اور اعتراض بے جا۔" (فتاوی رضویہ، ج22، ص196 تا 198، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسم یا زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہننا مرد کو منع ہے گہرا رنگ ہو کہ سرخ ہو جائے یا ہلکا ہو کہ زرد رہے دونوں کا ایک حکم ہے۔ عورتوں کو یہ دونوں قسم کے رنگ جائز ہیں، ان دونوں رنگوں کے سوا باقی ہر قسم کے رنگ زرد، سرخ، دھانی، بسنتی، چمپئی، نارنجی وغیرہا مردوں کو بھی جائز ہیں۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ سرخ رنگ یا شوخ رنگ کے کپڑے مرد نہ پہنے، خصوصاً جن رنگوں میں زنانہ پن ہو مرد اس کو بالکل نہ پہنے۔

اور یہ ممانعت رنگ کی وجہ سے نہیں بلکہ عورتوں سے تشبہ ہوتا ہے اس وجہ سے ممانعت ہے، لہٰذا اگر یہ علت نہ ہو تو ممانعت بھی نہ ہوگی، مثلاً بعض رنگ اس قسم کے ہیں کہ عمامہ رنگا جا سکتا ہے اور کرتہ پاجامہ اسی رنگ سے رنگا جائے یا چادر رنگ کر اوڑھیں تو اس میں زنانہ پن ظاہر ہوتا ہے تو عمامہ کو جائز کہا جائے گا اور دوسرے کپڑوں کو مکروہ۔" (بہار شریعت، حصہ 16، ص415،416، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سونے کی انگوٹھی اور اسے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

((سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا)) یعنی مردوں کو یہ پہننے سے منع کیا جیسا کہ عنقریب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت آئے گی کہ ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ حَرِيرًا فَجَعَلَهُ فِي يَمِينِهِ وَأَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهُ فِي

شِمَالِهِ. وَقَالَ:إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي)) یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں میں سونا پکڑا اور فرمایا: بیشک یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں تھیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الخاتم، ج7، ص2797، دار الفکر، بیروت)

مرد نے سونے کی انگوٹھی یا دیگر ناجائز زیورات میں سے کوئی زیور پہن کر نماز پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی کہ انگوٹھی وغیرہ کو اتار کر پھر نماز پڑھنا واجب ہوگا اور توبہ بھی کرنی ہوگی۔

سیّدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:

فی الواقع ریشمیں کپڑا پہن کر نماز مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ اسے اتار کر پھر پڑھنا واجب جبکہ اللہ عزوجل نے مرد کو ریشمیں کپڑا گھر میں پہننا حرام کیا تو خود اس کے دربار میں اسے پہن کر حاضر ہونا کس درجہ گستاخی و بے ادبی ہوگا، جو بات گھر بیٹھ کر تنہائی میں کرنا تو قانون سلطانی میں جرم ہو وہ خود بارگاہ سلطانی میں اس کے حضور کھڑے ہوکر کرنا کیسی صریح بیباکی اور بادشاہ کا موجبِ ناراضی ہوگا والعیاذ باللہ تعالیٰ اور پُر ظاہر کہ نماز امام کی یہ کراہت نماز مقتدیان کی طرف بھی سرایت کرے گا تو اُن سب کی نمازیں خراب وناقص ہونے کا یہی شخص باعث ہوا اور معاذ اللہ ارشاد حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی کا مصداق ٹھہرا۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش درہمہ آفاق زد

(بے ادب تنہا اپنے آپ کو ہی تباہ نہیں کرتا بلکہ اس ایک کی بے ادبی تمام عالم کو برباد کر دیتی ہے)

بعینہٖ یہی حکم ان سب چیزوں کا ہے جن کا پہننا ناجائز ہے جیسے ریشمیں کمر بند یا مغرق ٹوپی یا وہ کپڑا جس پر ریشم یا چاندی یا سونے کے کام کا کوئی بیل بُوٹا چار انگل سے زیادہ عرض کا ہو یا ہاتھ خواہ پاؤں میں تانبے سونے چاندی پیتل لوہے کے چھلّے یا کان میں بالی یا بُندا یا سونے خواہ تانبے پیتل لوہے کی انگوٹھی اگرچہ ایک تار کی ہو یا ساڑھے چار ماشے چاندی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا کئی انگوٹھیاں اگرچہ سب مل کر ایک ہی ماشہ کی ہوں کہ یہ سب چیزیں مردوں کو حرام وناجائز ہیں اور اُن سے نماز مکروہ تحریمی۔

(فتاوی رضویہ مخرج شدہ جلد نمبر 7 صفحہ نمبر 306.307 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

رکوع وسجود میں قرآن پڑھنے کے منع ہونے کی وجوہات

(1) رکوع وسجود یہ عاجزی کا مقام ہے اور بندوں کی طرف سے اللہ کریم کی ذات کے جلال کے لیے تذلل ہے

لہذا قرآن عظیم جو بلند شان والا ہے اوراس کا مقام ومحل بلند ہے اس کو عاجزی وتذلل کی ہیئت میں پڑھنے سے منع فرمایا گیا، تاکہ اہل علم حضرات کے لیے کتاب عزیز کے معانی واضح ہوجائیں اور اہل بصیرت کے لیے قرآن عظیم کی حقیقت منکشف ہوجائے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب فی الدعاء فی الرکوع والسجود، ج4، ص86، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(2) رکوع وسجود میں قراءت سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کو رکوع میں اللہ عزوجل کی تعظیم کا حکم ہے اوراس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اسی کے لیے منفرد ہو۔

(3) ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے ان دونوں حالتوں میں سے ہر حالت کو عمل کی ایک نوع کے ساتھ خاص کیا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ عمل اسی حالت کے ساتھ خاص ہے ورنہ تخصیص کا فائدہ باطل ہوجائے گا تو بغیر دلیل کے اس کے ظاہر سے عدول نہیں کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(المنتقیٰ شرح الموطا، العمل فی القراءۃ، ج1، ص149،150، مطبعۃ السعادۃ، مصر)

(4) علامہ خطابی فرماتے ہیں: جب رکوع وسجود دونوں انتہائی عاجزی وانکساری کی حالتیں اور ذکر وتسبیح کے ساتھ مخصوص ہیں لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حالتوں میں قراءت کرنے سے منع فرمادیا گویا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے کلام اور مخلوق کے کلام کو ایک جگہ جمع کرنے کو ناپسند فرمایا کہ یہ دونوں برابر تصور کیے جائیں، اس بات کو علامہ طیبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا اوراس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بات حالتِ قیام ان دونوں (تسبیح وقراءت) کے جمع ہونے سے رد ہو جاتی ہے۔

(5) ابن ملک کہتے ہیں: اس کی حکمت یہ ہے کہ نماز کے ارکان میں سے افضل رکن قیام ہے اور اذکار میں سے افضل ذکر قرآن عظیم ہے، تو افضل کو افضل کے لیے بنادیا گیا، اوراس کے غیر سے اس کی ممانعت کردی تاکہ بقیہ اذکار کے ساتھ اس کی برابری کا وہم نہ ہو۔

(6) ایک قول یہ ہے کہ قراءت کو قیام کے ساتھ خاص کیا یا قعود کے ساتھ کہ جب قیام سے عاجز ہو کیونکہ یہ دونوں افعال عادیہ میں سے ہیں اور محض عبادت کے لیے ہیں بخلاف رکوع وسجود کے کہ وہ دونوں اپنی ذات کے اعتبار سے عادت کے مخالف ہیں اور عاجزی اور عبادت پر دلالت کرتے ہیں۔

(7) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رکوع اور سجود دونوں ایسی حالتیں ہیں جو عاجزی پر دلالت کرتی ہیں اور دعا اور تسبیح ہی ان دونوں حالتوں کے مناسب ہے تو قرآن کریم کی تعظیم اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کھڑے ہونے والے اس قرآن کے قاری کی عزت کی بنا پر ان دونوں حالتوں میں قراءت کرنے سے منع کردیا گیا۔ اور اللہ عزوجل ہر شے کا جاننے والا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص711، دار الفکر، بیروت)

رکوع میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں مذاہب اربعہ

احناف کے نزدیک رکوع بلکہ قیام کے علاوہ ہر جگہ قرآن مجید پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی مکروہ وممنوع ہے، کیونکہ حدیث مبارکہ میں اس سے منع فرمادیا گیا۔

الاحناف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور نمازی کے لیے قیام کے سوا کسی رکن میں قراءت مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع وسجود میں قراءت سے منع فرمایا۔ (بدائع الصنائع، فصل بیان مایستحب فی الصلاۃ وما یکرہ، ج1، ص218، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:

اور قیام کے سوا رکوع وسجود وقعود کسی جگہ بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں کہ وہ آیہ قرآنی ہے اور نماز میں قیام کے سوا کسی جگہ کوئی آیت پڑھنی ممنوع ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج6، ص350، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بہار شریعت میں نماز کے مکروہات تحریمہ کے بیان میں ہے:

قیام کے علاوہ اور کسی موقع پر قرآن مجید پڑھنا، یا رکوع میں قراءت ختم کرنا۔

(بہار شریعت، ج1، حصہ سوم، ص629، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

المالکیہ

علامہ محمد بن عبداللہ الخرشی المالکی (متوفی 1101ھ) فرماتے ہیں:

اسی طرح رکوع یا تشہد یا سجود میں قراءتِ قرآن مکروہ ہے، اس حدیث کے سبب جس میں یہ ہے کہ: مجھے رکوع یا سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ (شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی فرائض الصلاۃ، ج1، ص291، دار الفکر للطباعۃ، بیروت)

علامہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

رکوع وسجود میں قراءت قرآن کے بارے تمام علماء کرام اس بات پر ہیں کہ یہ ناجائز ہے اس باب کی حدیث کے سبب۔

(الاستذکار، باب العمل فی القراءۃ، ج1، ص431، دار الکتب العلمی، بیروت)

الشوافع

علامہ زکریا بن محمد بن احمد انصاری شافعی (متوفی 926ھ) فرماتے ہیں:

رکوع اور اس کے علاوہ نماز کے بقیہ ارکان میں سوائے قیام کے قراءت مکروہ ہے جیسا کہ مجموع میں ہے۔

(فتح الوہاب بشرح منہج الطلاب، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص50، دار الفکر للطباعۃ والنشر)

الحنابلہ

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ) فرماتے ہیں:

(رکوع وسجود میں قراءت کرنا مکروہ ہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا، اور اس لیے کہ رکوع وسجود کی حالت عاجزی وانکساری والی ہے اور قرآن مجید أشرف الکلام ہے۔

(کشاف القناع عن متن الاقناع، فصل یرفع یدیہ عند افتتاح الصلاۃ، ج1، ص348، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر192

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يُقِيمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع وسجود میں پیٹھ سیدھی نہ رکھنے کا حکم

265- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ الأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تُجْزِيءُ صَلَاةٌ لَا يُقِيمُ فِيهَا الرَّجُلُ - يَعْنِي -صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ .وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَرِفَاعَةَ الزُّرَقِيِّ .قَال ابوعيسىٰ :حَدِيثُ أَبِي مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، يَرَوْنَ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ .قَالَ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ :مَنْ لَا يُقِيمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فَصَلَاتُهُ فَاسِدَةٌ لِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ فِيهَا صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَأَبُو مَعْمَرٍ اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَخْبَرَةَ، وَأَبُو مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيُّ البَدْرِيُّ اسْمُهُ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ نماز کافی (درست) نہیں جس کے رکوع وسجود میں نمازی اپنی پیٹھ سیدھی نہ رکھے۔

اس باب میں حضرت علی بن شیبان، حضرت انس، حضرت ابوھریرہ اور حضرت رُفاعہ زرقی رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

صحابہ کرام اور اُن کے بعد میں آنے والے (علما) کا اسی پرعمل ہے۔اُن کا نظریہ ہے کہ نمازی رکوع وسجو میں اپنی پیٹھ سیدھی رکھے۔

امام شافعی، امام احمد اور اسحاق فرماتے ہیں: جو شخص رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں رکھتا اس حدیث کی روشنی میں اُس کی نماز فاسد ہے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) " وہ نماز کافی نہیں جس کے رکوع سجود میں نمازی اپنی پیٹھ سیدھی نہیں رکھتا"

"ابومعمر" کا نام عبداللہ بن سخمرہ ہے، اور ابومسعود انصاری بدری کا نام عقبہ بن عمرو ہے۔

تخریج حدیث265: (سنن ابی داؤد، باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع، ج1، ص226، حدیث855، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، اقامۃ الصلب فی الرکوع، ج2، ص183، حدیث1027، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب الرکوع فی الصلاۃ، ج1، ص282، حدیث870، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((وہ نماز کافی نہیں جس کے رکوع وسجود میں نمازی اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے)) یعنی ایسی نماز درست نہیں جس میں نمازی اپنی پیٹھ برابر نہ کرے اور مراد اس سے طمانینت (اطمینان) ہے اور یہ ان دونوں (رکوع وسجود) میں واجب ہے۔

(فیض القدیر، حرف "لا"، ج6، ص390، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((وہ نماز کافی نہیں جس کے رکوع وسجود میں نمازی اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے)) یہاں طمانینت مراد ہے۔۔۔۔۔۔۔ "منیۃ المصلی" کی شرح میں ہے: تعدیل ارکان وہ طمانینت اور اعضاء سے اضطراب کو ختم کرنا ہے۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدیث مذکور کے سبب تعدیل ارکان کا قلیل درجہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار ہے اور یہ فرض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ فرض وہ ہوتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، اور تعدیل ارکان امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے کیونکہ یہ دلیل ظنی سے ثابت ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تعدیل ارکان سنت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص713،714، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نماز کافی نہیں جس کے رکوع وسجود میں نمازی اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے)) ۔۔۔۔۔۔۔۔ ((حضرت طلحہ حنفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اس بندے کی نماز کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو نماز کے رکوع وسجود میں پیٹھ سیدھی نہیں رکھتا)) ۔۔۔۔۔۔۔۔ ((حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: اللہ عزوجل اس آدمی کی نماز کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو رکوع وسجود کے دوران پیٹھ سیدھی نہیں کرتا)) ۔۔۔۔۔۔۔۔ ((حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے، لوگوں نے عرض کی: وہ نماز میں کیسے چوری کرے گا؟ تو فرمایا: وہ نماز کے رکوع وسجود پورے ادا نہیں کرتا)) ۔۔۔۔۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ نے ان احادیث طیبہ سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ رکوع وسجود میں اطمینان فرض ہے حتی کہ اگر کوئی شخص نماز میں اس کو ترک کرے گا تو اس کی نماز باطل ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف، ثوری، اوزاعی، اسحاق، ابن وھب، داود کا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور

57
57

امام محمد رحمہا اللہ فرماتے ہیں: رکوع وسجود میں اطمینان واجب ہے فرض نہیں۔اور ''خلاصہ'' میں ذکر ہے کہ ان کے نزدیک سنت ہے۔ میں کہتا ہوں: کہ جرجانی کی تخریج میں ان کے نزدیک یہ اساءت ہے۔اور امام کرخی کی تخریج میں واجب ہے اس کے ترک پر سجدہ سہو ہوگا، کیونکہ رکوع لغۃً ٹیڑھا ہونے اور جھکنے کو کہتے ہیں اور سجود پستی کی طرف جھکنے کو کہتے ہیں لہٰذا رکنیت ان کے ادنی درجہ کے ساتھ متعلق ہوگی۔اور اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نماز جو بغیر تعدیل ارکان کے ادا کی گئی اس کے لیے نماز کے نام کا اطلاق فرمایا یہاں تک حضرت ابو ہریرہ کی روایت جو عنقریب آئے گی اس کے آخر میں فرمایا: کہ تو نے اس میں جو کمی کی تو اپنی نماز میں کمی کی۔اور اگر وہ نماز باطل ہوتی تو حضور اس کو نماز کا نام کیوں دیتے؟ کیونکہ جو باطل ہے وہ نماز نہیں ہے۔اور اسی طرح یہ بھی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کو نقص کے ساتھ موصوف فرمایا تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ نماز درست ہے لیکن ناقص ہے۔اسی طرح ہم کہتے ہیں ان مذکورہ احادیث اور ان کی مثل احادیث میں مراد کمال کی نفی ہے، نفس نماز کی نفی نہیں ہے۔ (شرح ابی داؤد للعینی، باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ الخ، ج4، ص47،48، مکتبۃ الرشد، ریاض)

رکوع وسجود میں اطمینان یعنی تعدیل ارکان، مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

ضروری ہے کہ نمازی رکوع میں اطمینان کرے اور یہ پانچواں رکن ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز میں خطا کرنے والے کو فرمایا: پھر تو رکوع کر، یہاں تک کہ تجھے رکوع میں اطمینان ہو جائے، متفق علیہ۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص250، دار الکتب العلمی، بیروت)

یہی علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں فرماتے ہیں:

اور نمازی کے لیے ضروری ہے کہ رکوع میں اطمینان رکھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ رکوع کی حد کو پہنچ جائے تو قلیل مقدار کے لیے ٹھہر جائے۔...... ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو آپ نے نماز میں خطا کرنے والے سے فرمایا: ((ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا)) ترجمہ: پھر تو رکوع کرے یہاں تک کہ تجھے رکوع میں اطمینان ہو جائے، متفق علیہ۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ ؟ قَالَ: لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا وَقَالَ: لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ صُلْبَهُ صَلَاتِهِ. قِيلَ: وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ؟ قَالَ: لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا وَقَالَ: لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ صُلْبَهُ فِيهَا فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ)) ترجمہ: لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے، لوگوں نے عرض کی: وہ نماز میں

کیسے چوری کرے گا؟ تو فرمایا: وہ نماز کے رکوع وسجود پورے ادا نہ کرے۔اور فرمایا: وہ نماز کافی نہیں جس کے رکوع وسجود میں نمازی اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرے۔اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

(المغنی لابن قدامہ، یستحب للراکع ان یضع یدیہ علی رکبتیہ، ج1، ص359,360، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

واجب وضروری ہے کہ نمازی رکوع میں اطمینان کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سبب کہ نماز میں غلطی کرنے والے کے لیے فرمایا: پھر تو رکوع کر یہاں تک کہ تجھے رکوع میں اطمینان ہو جائے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص143، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوالقاسم محمد بن احمد ابن جزی غرناطی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

رکوع وسجود اور تمام ارکان نماز میں اعتدال واجب وضروری ہے اور یہ امام شافعی کے موافق ہے اور کہا گیا کہ یہ سنت ہے۔

(القوانین الفقہیہ، الباب الثانی عشر فی الرکوع الخ، ج1، ص45، مطبوعہ بیروت)

احناف کا مؤقف اور دلائل

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں اور امام ابو یوسف اور شافعی رضی اللہ عنہما کے نزدیک فرض ہے۔ان دونوں حضرات نے استدلال کیا اعرابی کی حدیث سے جو مسجد میں داخل ہوا اور نماز میں تخفیف کی تو اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) ترجمہ: اٹھ، نماز پڑھ، پس بے شک تو نے نماز نہیں پڑھی۔اسی طرح تین بار ہوا تو اعرابی نے عرض کی میں اس علاوہ کی استطاعت نہیں رکھتا پس آپ علیہ السلام مجھے تعلیم دیں۔تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا أَرَدْتَ الصَّلَاةَ فَتَطَهَّرْ كَمَا أَمَرَكَ اللَّهُ تَعَالَى وَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَقُلْ: اللَّهُ أَكْبَرُ وَاقْرَأْ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى يَطْمَئِنَّ كُلُّ عُضْوٍ مِنْكَ ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَسْتَقِيمَ قَائِمًا)) ترجمہ: جب تم نماز کا ارادہ کرو تو خوب پاکی حاصل کرو جیسا کہ اللہ عزوجل نے تمہیں حکم فرمایا، اور قبلہ کی طرف منہ کرو اور کہو: "اللہ اکبر" اور قرآن میں سے جو آتا ہو اس میں سے پڑھو، پھر رکوع کرو یہاں تک تمہارا ہر عضو قرار پذیر ہو جائے تو اپنا سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے

کھڑے ہو جاؤ۔

اس حدیث مبارک سے تین طرز پر استدلال ہے۔ پہلی وجہ: اعرابی کو نماز کے اعادہ کا حکم ہوا اور اعادہ واجب نہیں ہوتا مگر فساد نماز کے وقت اور نماز کا فساد اس کے رکن کے فوت ہونے کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسری وجہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ادا کی ہوئی نماز کی نفی اپنے اس قول سے فرمائی "پس بے شک تم نے نماز نہیں پڑھی۔" تیسری وجہ: اس کو اطمینان کا حکم دیا اور مطلق امر فرضیت کے لیے ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہما نے تعدیل ارکان کے فرض نہ ہونے کی دلیل اللہ عزوجل کے اس فرمان سے لی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو۔ (الحج 77)۔ یہاں مطلق رکوع و سجود کا امر فرمایا۔ اور رکوع لغت میں ٹیڑھا ہونے، جھکنے اور مائل ہونے کو کہتے ہیں، جب کھجور کا درخت زمین کی طرف مائل ہو تو کہا جاتا ہے "رکعت النخلة" یعنی کھجور کے درخت نے رکوع کیا۔

اور سجود لغت میں پست ہونا، انتہا درجہ کا جھکنا ہے۔ جب کھجور کا درخت بہت زیادہ پست ہو جائے تو کہا جاتا ہے" سَجَدَتُ النَّخُلَة " یعنی کھجور کے درخت نے سجدہ کیا۔ جب اونٹنی اپنی گردن کا اگلا حصہ زمین پر رکھے اور چرنے کے لیے اپنا سر جھکائے تو کہا جاتا ہے "سجدت الناقة "یعنی اونٹنی نے سجدہ کیا۔ تو جب کوئی اصلِ انحناء (جھکنے) اور وضع (زمین پر چہرہ رکھنے) کو بجا لایا تو تحقیق اس نے اُس حکم کی تعمیل کر لی جس پر رکوع و سجود کے نام کا اطلاق ہوتا ہے۔ بہرحال اطمینان یعنی تعدیل ارکان وہ اصل فعل پر دوام اختیار کرنا ہے اور فعل بجالانے کا حکم دوام کا مقتضی نہیں۔

بہرحال جو اعرابی والی حدیث ہے وہ خبر واحد ہے تو اس کو کتاب اللہ کے لیے ناسخ ماننا درست نہیں۔ لیکن خبر اس کو مکمل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس بارے میں اعتدال کا جو حکم ہے اسے وجوب پر محمول کیا جائے گا۔

اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کی نفی کرنے کو کمالِ نماز کی نفی کرنے پر اور وہ نقصانِ فاحش جو من وجہ نماز کے عدم کو واجب کرتا ہے پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس کو اعادہ کا حکم بطور وجوب دینا نقصان کو پورا کرنے کے لیے ہے۔ یا اس کی مثل دوبارہ کرنے سے زجر و توبیخ کے لئے ہے جیسے کہ جب شراب کی حرمت کی آیات نازل ہوئیں تو غرض کی تکمیل کے لئے شراب کے برتن توڑنے کا حکم فرمایا۔

مزید یہ کہ (مذکورہ) حدیث ان دونوں حضرات (امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ) کے خلاف حجت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو ہر مرتبہ پہلی نماز کو توڑنے کا حکم نہیں فرمایا کیونکہ اگر یہ نماز جائز نہ ہوتی تو اس میں مشغول ہونا عبث ہوتا اس لئے کہ نماز کے فساد کو برقرار نہیں رکھا جاتا تو چاہیے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے نماز نہ پڑھنے دیتے۔

پھر امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے ہاں رکوع میں اطمینان واجب ہے امام کرخی رحمہ اللہ نے اسی طرح ذکر کیا حتی کہ اگر وہ

نماز میں طمانینت کو بھول کر ترک کرتا ہے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے۔ اور علامہ ابوعبداللہ جرجانی نے کہا: یہ سنت ہے یہاں تک بھول کر اس کے ترک پر سجدہ سہو نہیں ہوگا۔ اسی طرح رکوع اور سجود کے درمیان قومہ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا بھی یہی حکم ہے اور صحیح وہ ہے جسے امام کرخی نے ذکر کیا کیونکہ اطمینان رکن کو کامل کرنے کے لیے ہے اور رکن کو پورا کرنا واجب ہے جیسا کہ قراءت کا اکمال سورہ فاتحہ سے ہوتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی کی نماز کو عدم کے ساتھ ملحق فرمایا اور نماز پر عدم کا حکم لگانے کی دو ہی صورتیں ہیں: ایک رکن کے ترک کی وجہ سے اصلاً منعدم ہونا اور دوسرا ترکِ واجب کی وجہ سے ناقص ادا ہونا کہ اس صورت میں بھی من وجہٍ معدوم ہوگی، جبکہ ترکِ سنت سے نماز معدوم نہیں ہو جاتی کیونکہ یہ بہت بڑے نقصان کا موجب نہیں۔

(بدائع الصنائع، فصل الواجبات الاصلیہ فی الصلاۃ، ج1، ص162، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر193

بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

نمازی جب رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کہے؟

266- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ قَالَ :حَدَّثَنِي عَمِّي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ :سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ .وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ أَبِي أَوْفَى، وَأَبِي جُحَيْفَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ .قَال ابوعيسیٰ :حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ :الشَّافِعِيُّ قَالَ :يَقُولُ هَذَا فِي الْمَكْتُوبَةِ وَالتَّطَوُّعِ وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْكُوفَةِ: يَقُولُ هَذَا فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ، وَلَا يَقُولُهُ فِي صَلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو یہ پڑھتے ''سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ،رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْد '' (سن لیا اللہ نے جس نے اس کی تعریف کی ۔اے ہمارے رب! اور تیرے لئے سب تعریفیں ہیں جن سے بھرے ہوئے ہیں آسمان اور زمین اور بھری ہوئی ہیں وہ تمام چیزیں جو ان کے درمیان ہیں اور ان کے بعد بھری ہوئی ہے ہر وہ چیز جو تو نے چاہی۔)

امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن ابی اَوفی، حضرت ابوجُحَیفہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔بعض علما کا اس پر عمل ہے، اور امام شافعی کا بھی یہ ہی مسلک ہے، آپ فرماتے ہیں یہ (کلمات) فرض اور نفل دونوں (نمازوں) کے لئے ہیں۔اور بعض اہل کوفہ کہتے ہیں: یہ (کلمات) نفل نماز میں (پڑھنا) ہے، فرض نماز میں یہ نہ پڑھے۔

تخریج حدیث265: (سنن ابی داؤد، باب صلاۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع، ج1، ص226، حدیث855، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، اقامۃ الصلب فی الرکوع، ج2، ص183، حدیث1027، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب الرکوع فی الصلاۃ، ج1، ص282، حدیث870، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((سب تعریفیں تیرے لیے ہیں جن سے بھرے ہوئے ہیں آسمان)) یہ کثرت سے مجاز ہے۔ مظہر نے کہا: یہاں کلام بطور مثال وتقریب ہے کیونکہ کلام کو نہ ہی پیمانے کے ساتھ ماپا جاسکتا ہے نہ ہی برتن اس کی وسعت رکھتے ہیں، اور یہاں اس سے مراد عدد کی کثرت ہے یہاں تک اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ کلمات ایسے اجسام ہیں جو جگہوں کو بھرنے والے ہیں تو یہ اپنی کثرت کی بنا پر زمین وآسمان کو بھر دیتے۔

((اور زمین بھری ہوئی ہے اور ان کے بعد بھری ہوئی ہے ہر وہ چیز جو تونے چاہی)) یعنی ان دونوں (زمین وآسمان) کے بھرنے کے بعد جو ان دونوں کے درمیان ہے وہ بھی بھرا ہوا ہے یا اس سے مذکورہ چیزوں علاوہ اور کچھ مراد ہے مثلاً عرش، کرسی اور جو تحت الثری ہے۔ زیادہ واضح یہ ہے کہ یہاں آسمانوں اور زمینوں سے مراد بلندی وپستی کی جہت ہے، اور آسمان وزمین کے بعد جس شے کو تونے چاہا وہ بھی تیری حمد سے بھری ہے یہاں مراد وہ اشیاء ہیں جن کا تعلق مشیت الٰہیہ سے ہے۔ علامہ تورپشتی نے کہا: یہاں یعنی "ہر وہ شے جسے تونے چاہا وہ بھری ہوئی ہے" یہ مکمل کوشش کے باوجود حمد کی ادائیگی سے عاجز ہونے کے اعتراف کی طرف اشارہ ہے۔ پس بے شک اس نمازی نے اللہ عزوجل کی ایسی حمد کی جس نے آسمان وزمین کو بھر دیا، اور یہ سابقین کے اقدام کی انتہا ہے، پھر نمازی نے اللہ عزوجل کی تعریف میں ترقی کی پھر اس معاملہ کو اللہ عزوجل کی مشیت کے سپرد کردیا کیونکہ اس کے علاوہ حمد کا کوئی منتہی نہیں ہے اور اسی رتبہ کی بنا پر کہ جس تک اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے کوئی نہیں پہنچا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی احمد رکھا گیا۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص712، دار الفکر، بیروت)

احناف کے نزدیک یہ کلمات نمازِ تہجد پر محمول ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ کلمات نماز تہجد میں ادا فرمائے ہیں جیسا کہ اگلے باب میں مبسوط للسرخسی کے حوالہ سے آرہا ہے۔

باب نمبر 194

بَابُ مِنْهُ آخَرُ

عنوان بالا کا دوسرا باب

267- حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ المَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ "قَالَ ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ أَنْ يَقُولَ الإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَيَقُولَ مَنْ خَلْفَ الإِمَامِ: رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ، وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ "وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَغَيْرُهُ: يَقُولُ مَنْ خَلْفَ الإِمَامِ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الحَمْدُ، مِثْلَ مَا يَقُولُ الإِمَامُ، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَإِسْحَاقُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "ربنا و لك الحمد" کہو کیونکہ جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہوگیا اُس کے گزشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

بعض صحابۂ کرام اور اُن کے بعد والوں (تابعین) کا اسی پر عمل ہے کہ امام "سمع الله لمن حمده" کہے اور امام کے پیچھے والے (مقتدی) "ربنا ولك الحمد" کہیں۔ امام احمد کا یہی مؤقف ہے۔

ابن سیرین اور دیگر علما فرماتے ہیں: امام کی اقتدا کرنے والے "سمع الله لمن حمده اور ربنا ولك الحمد" (دونوں کلمات) کہیں جس طرح امام کہتا ہے۔ امام شافعی اور اسحاق کا یہی مسلک ہے۔

تخریج حدیث 267: (صحیح بخاری، باب فضل اللهم ربنا لک الحمد، ج1، ص158، حدیث 796، دار طوق النجاة ☆ صحیح مسلم، باب التسمیع والتحمید والتامین، ج1، ص306، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داود، باب مایقول اذا رفع رأسہ من الرکوع، ج1، ص224، المکتبة العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب قولہ ربنا ولک الحمد، ج2، ص196، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں اس حدیث میں دلیل ہے کہ فرشتے نمازی کے ساتھ یہ کہتے ہیں اور وہ استغفار کرتے ہیں اور وہ دعا و ذکر میں حاضر رہتے ہیں۔ (معالم السنن، ومن باب ما یقول، ج1، ص209، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

علامہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ فرشتے بھی وہی کہتے ہیں جو نمازی کہتے ہیں۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا: میری نزدیک اس میں ذکر کی فضیلت کی عظمت کا بیان ہے، واللہ تعالیٰ اعلم اور یہ کہ بے شک ذکر گناہوں کے بوجھ کو اتار دیتا اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے اور بے شک اللہ عزوجل نے فرشتوں کے بارے میں خبر دی کہ وہ ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں تو جو اس کی مثل قول کہے اخلاص، کوشش، سچی نیت اور صحیح توبہ کے ساتھ، تو اس کے گناہ ان شاء اللہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (تنویر الحوالک، باب وقوت الصلاۃ، ج1، ص85، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

((اور جب امام کہے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" تو تم "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کہو)) یہ حدیث پاک تقاضا کرتی ہے اس بات کا جو امام مالک رحمہ اللہ نے کہی اور جس نے آپ کی مثل کہی اس بارے میں کہ بے شک امام "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہنے پر اقتصار کرے اور یہ حدیث اس کے خلاف حجت ہے جس نے کہا کہ امام " سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ " مکمل کہے جیسا کہ منفرد کہتا ہے۔ (التمہید لما فی الموطا من المعانی، الحدیث الثانی، ج6، ص148، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ، المغرب)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ)) (اللہ تعالیٰ نے اس کی سن لی جس نے اس کی حمد کی) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس بندے کی حمد کو قبول کر لیا، (یعنی یہاں سننا قبول کرنے کے معنی میں ہے) جیسا کہ تو کہتا ہے کہ اے اللہ! میری دعا سن لے یعنی قبول فرما۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص711، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

((جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہو جائے)) یعنی اس وقت کہنے میں موافقت ہو جائے یا قبولیت میں

موافقت ہو جائے ((تو اس کے جو گناہ پہلے ہوئے بخش دیے جائیں گے)) یعنی صغائر بطور عدل کے اور کبائر بطور فضل کے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب الرکوع، ج2، ص711، دار الفکر، بیروت)

تسمیع وتحمید کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

پھر وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتا ہوا اپنا سر اٹھائے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرے جس طرح پہلے کیا پھر جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو کہے: ربنا لك الحمد ملء السموات وملء الأرض وملء ما شئت من شیء بعد ۔ اور مقتدی صرف "ربنا ولك الحمد" کہنے پر اکتفاء کرے۔

(عمدۃ الفقہ، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص25، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

مسائل امام احمد میں ہے:

امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا اس بارے میں جب مقتدی امام کے ساتھ رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کہے؟ فرمایا: جب امام کہے: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ، اور جو امام کے پیچھے ہوں وہ یوں کہیں: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، اور اگر وہ چاہیں تو یہ ہیں: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، اس سے زیادہ نہ کہیں۔

(مسائل امام احمد روایۃ ابی داود، عند الرفع بیشر اصابعہ، ج1، ص51، مکتبۃ ابن تیمیہ، مصر)

علامہ ابو القاسم عمر بن حسین بن عبد اللہ خرقی حنبلی (متوفی 334ھ) فرماتے ہیں:

جس شخص نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ میں سے کوئی تکبیر ترک کی یا رکوع وسجود کی تسبیح چھوڑی یا سمع اللہ لمن حمدہ یا ربنا لک الحمد یا رب اغفر لی رب اغفر لی یا تشہد اول یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود قعدۂ اخیرہ میں جان بوجھ کر ترک کیا تو اس کی نماز باطل ہے۔ اور ان میں سے کوئی شے اگر بھولے سے رہ گئی ہو تو سجدہ سہو کر لے۔

(مختصر الخرقی، باب، ما یبطل الصلاۃ الخ، ج1، ص26، مطبوعہ دار الصحابہ للتراث)

شوافع کا موقف

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

سنت ہے کہ جب اٹھنے کی ابتدا کرے امام ہو یا مقتدی یوں کہے: سمع الله لمن حمده ۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے کندھوں کے برابر۔ یہاں دو سنتیں ہیں: (۱) اس کا "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا اور (۲) دوسرا جب وہ سیدھا کھڑا ہو تو ہاتھوں کو

کندھوں کے برابر اٹھانا اور کہے: رَبَّنَا وَلَكَ الحمد ملء السموات وَمِلْءَ الْأَرْضِ، وَمَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، امام ہو یا مقتدی۔ (الحاوی الکبیر، فصل، ج2، ص123، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی شافعی (متوفی 478ھ) فرماتے ہیں:

پھر رکوع سے اٹھنے والا "سمع الله لمن حمده، ربنا لك الحمد" کہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا: سمع الله لمن حمده، ربنا لك الحمدُ ملءَ السموات والأرض، وملء ما شئتَ من شيء بعد، أهل الثناء و المجد حق ما يقول العبد، كلنا لك عبد، لا مانع لما أعطيتَ ولا معطيَ لِمَا منعت، ولا ينفعُ ذَا الجَدِّ مِنكَ الجَدُّ. اور شاید کہ یہ دعائیں منفرد کے لئے درست ہیں پس امام اس کہنے پر اقتصار کرے: سمع الله لمن حمده ربّنا لك الحمد۔ کیونکہ امام کو اپنے مقتدیوں پر آسانی کرنے کا حکم ہے۔

(نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب، باب صفۃ الصلاۃ، ج2، ص160، مطبوعہ دار المنہاج)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو محمد عبدالوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

امام جب اپنا سر رکوع سے اٹھائے تو کہے: سمع الله لمن حمده۔ اور وہ " ربنا ولك الحمد" نہ کہے اور مقتدی "سمع الله لمن حمده" نہ کہے اور "اللهم ربنا ولك الحمد" کہے اور منفرد دونوں ادا کرے۔

(التلقین فی الفقہ المالکی، باب العمل فی الصلاۃ، ج1، ص46، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ خلف بن ابی القاسم محمد الازدی القیروانی مالکی (متوفی 372ھ) فرماتے ہیں:

اور اگر اللہ اکبر کی جگہ کسی نے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا اور "سمع اللہ لمن حمدہ" کی جگہ "اللہ اکبر" پڑھا تو چاہیے کہ وہ لوٹے اور جس طرح اس پر کہنا لازمی ہے اسی طرح کہے اور اگر وہ نہ لوٹے اور نماز مکمل کر لے اور آخر میں سلام سے قبل سجدۂ سہو کرے امام ہو یا منفرد۔

(التہذیب فی اختصار المدونہ، کتاب الصلاۃ الثانی، ج1، ص303، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث، دبئی)

احناف کا مؤقف

علامہ ابو الحسن علی بن حسین السغدی حنفی (متوفی 461ھ) فرماتے ہیں:

گیارہ چیزیں مسنون ہیں...... گیارہویں سنت "سمع الله لمن حمده" کہنا ہے اور یہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہم کے قول کے مطابق امام اور اکیلا نماز پڑھنے والا کہے۔ بارہویں سنت "ربنا لک الحمد کہنا" کہنا ہے جب نمازی

سیدھا کھڑا ہو جائے اور یہ امام ابو یوسف اور محمد علیہما الرحمۃ کے قول کے مطابق مقتدی اور امام دونوں پر ہے (یعنی دونوں اسے پڑھیں گے) اور امام اعظم کے قول کے مطابق "ربنا لک الحمد" امام نہیں کہے گا۔

(الملتقط فی الفتاوی، المسنون، ج 1، ص 63، دار الفرقان، عمان اردن)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی (متوفی 956ھ) فرماتے ہیں:

پھر امام "سمع الله لمن حمده" کہتا ہوا اٹھے اور اسی پر اکتفا کرے اور صاحبین نے فرمایا: اس کے ساتھ "رَبنا لَكَ الحَمد" ملائے اور مقتدی صرف "ربنا لک الحمد" پڑھے اس پر ائمہ ثلاثہ متفق ہیں۔ اور اصح قول کے مطابق منفرد ان دونوں کو جمع کرے۔

(ملتقی الابحر، فصل، ج 1، ص 146، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ محمد بن فرامرز بن علی الشہیر بملا خسرو حنفی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

(پھر تسمیع پڑھے) یعنی وہ کہے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" (اپنے سر کو اٹھاتے ہوئے) رکوع سے۔ (امام اتنے پر اکتفا کرے گا) یعنی صرف تسمیع کہے گا (اور مقتدی صرف تحمید پر اکتفاء کرے) یعنی "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" پر۔ اس حدیث کی بنا پر جو یوں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ)) ترجمہ: جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "ربنالك الحمد" کہو۔ اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث پاک میں ان اذکار کو امام اور مقتدی کے درمیان تقسیم کیا گیا اور قسمت شرکت کے منافی ہے۔ اور محیط میں ہے کہ "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہنا افضل ہے کیونکہ اس میں ثناء کی زیادتی ہے۔ (منفرد کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ مثل مقتدی کے ہے) یعنی صرف تحمید پر اکتفا کرے، امام زیلعی نے کہا اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ اور مبسوط میں ہے: یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ تسمیع اس اپنے ساتھ والے کو تحمید پر ابھارنے کے لیے ہے جبکہ منفرد کے ساتھ کوئی نہیں جس کو یہ ابھارے (ایک قول یہ ہے کہ) منفرد (دونوں کو جمع کرے) یعنی تسمیع اور تحمید کو۔ اور یہ امام حسن نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں یہی اصح ہے۔

(درر الحکام شرح غرر الاحکام، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 71، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

پھر امام کہے: سمع الله لمن حمده۔ اور اس کے پیچھے والا یعنی مقتدی کہے: ربنا لك الحمد۔ اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں یہ ہے کہ امام ربنا لک الحمد نہیں کہے گا۔ امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق کہے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو پڑھتے: سمع الله لمن حمده، ربنا لك الحمد۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب امام "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو تم "ربنا

لک الحمد" کہو۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں ذکروں کو امام اور مقتدی کے درمیان تقسیم فرمادیا اور مطلق تقسیم تقاضا کرتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے صاحب کی قسم میں شریک نہ ہو۔

اور ایک دلیل یہ ہے کہ مقتدی امام کے ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہنے کے وقت ''ربنا لک الحمد'' کہتا ہے تو اگر امام، مقتدی کے اس قول کے بعد خود بھی یہی کہے تو اس کا کہنا مقتدی کے کہنے کے بعد ہوگا تو یہ فعل امامت کے طریقہ کے خلاف ہے۔

اور حدیث مرفوع کی تاویل تہجد کے وقت حالتِ انفراد سے کی جائے گی اور اس بات کے ہم بھی قائل ہیں۔ منفرد صاحبین کے قول کے مطابق دونوں ذکروں کو جمع کرے گا اور امام اعظم علیہ الرحمۃ سے اس بارے دو روایات ہیں۔ امام حسن کی امام اعظم سے روایت صاحبین کے مطابق ہے اور امام ابو یوسف کی امام اعظم سے روایت یہ ہے کہ منفرد ''ربنا لک الحمد'' کہے اور ''سمع اللہ لمن حمدہ'' نہ کہے............

امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہر نمازی دونوں ذکر (تسمیع وتحمید) جمع کرے اور یہ بعید ہے۔ کیونکہ امام اپنے پیچھے والوں کو تحمید پر ابھارتا ہے تو ابھارنے کے حوالہ سے قوم کا امام کے مقابل ہونے کا کوئی معنی نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ تحمید میں مشغول ہو جائیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ اس ذکر میں کچھ کلمات زیادہ کرتے ہیں اس حدیث کی بنا پر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (کہ وہ ساتھ یہ بھی کہے): ''ملء السموات وملء الأرض وملء ما شئت من شيء بعد، أهل الثناء والمجد أحق ما قال العبد، وكلنا لك عبد إلخ'' ہمارے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے کہ نماز تہجد کے بارے میں ہے۔

(المبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج 1، ص 20، دار المعرفہ، بیروت)

باب نمبر195

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ فِي السُّجُودِ

سجدے میں (جاتے ہوئے) ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنے کا بیان

268- حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، وَالحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الحُلْوَانِيُّ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُنِيرٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا:حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ :أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ :رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ،وَزَادَ الحَسَنُ بْنُ عَلِيٌّ فِي حَدِيثِهِ،قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، وَلَمْ يَرْوِ شَرِيكٌ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، إِلَّا هَذَا الحَدِيثَ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُ أَحَدًا رَوَاهُ غَيْرَ شَرِيكٍ وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ،يَرَوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ وَرَوَى هَمَّامٌ، عَنْ عَاصِمٍ هَذَا مُرْسَلًا، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ"

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ جب سجدے میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے (زمین پر) رکھتے اور جب (سجدے سے) اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے ۔

حسن بن علی نے اپنی روایت میں یزید بن ہارون کے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ''شریک نے عاصم بن کلیب سے فقط یہ حدیث روایت کی ہے۔''

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "غریب حسن" ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ شریک کے سوا کسی نے اس کو روایت کیا ہو۔

علما اسی پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نمازی (سجدے میں جاتے ہوئے) گھٹنے پہلے اور ہاتھ بعد میں رکھے، اور اٹھتے وقت پہلے ہاتھ پھر گھٹنے اٹھائے۔

ہمام نے یہ حدیث عاصم کے حوالہ سے مرسل روایت کی جس میں اُنہوں نے وائل بن حجر کا ذکر نہیں کیا۔

تخریج حدیث268: (سنن ابی داؤد، باب کیف یضع رکبتیہ قبل یدیہ ج1، ص222، حدیث838، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب اول ما یصل الی الارض من الانسان الخ، ج2، ص206، حدیث1089 مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب السجود، ج1، ص286، حدیث882، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

باب نمبر 196

بَابُ آخَرُ مِنْهُ

ماقبل عنوان کا دوسرا باب

269- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَسَنٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَبْرُكُ فِي صَلَاتِهِ بَرْكَ الجَمَلِ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي الزِّنَادِ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الحَدِيثُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدٍ المَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ المَقْبُرِيُّ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ وَغَيْرُهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اپنی نماز میں ایسے بیٹھتا ہے جیسے اونٹ بیٹھا کرتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "غریب" ہے۔ہم اس حدیث کو ابو الزناد کے حوالہ سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔یہ حدیث عبداللہ بن سعید مقبری نے بھی اپنے والد (سعید مقبری) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسطہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

اور عبداللہ بن سعید مقبری کو یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تخریج حدیث 269: (سنن ابی داؤد، باب کیف یضع رکبتہ قبل یدیہ، ج1، ص222، حدیث 841، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب اول ما یصل الی الارض الخ، ج2، ص 207، حدیث 1090، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی (متوفی 388ھ) فرماتے ہیں:

((حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ علیہ السلام نے سجدہ کیا تو اپنے گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھا اور جب سجدہ سے اٹھے تو گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا)) اس معاملہ میں علما کا اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ سجدہ میں ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے جائیں۔ اور یہ نمازی کے لیے آسان ہے اور دیکھنے میں احسن ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سجدے میں اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے۔ ایسے ہی امام اوزاعی نے فرمایا۔ میرا گمان ہے کہ وہ دونوں دوسری حدیث کی طرف گئے ہیں، جسے امام ابوداؤد نے اسی باب میں ذکر کیا۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: ہمیں حدیث بیان کی سعید بن منصور نے انہیں حدیث بیان کی عبد العزیز بن محمد نے انہیں حدیث بیان کی محمد بن عبد اللہ بن حسن نے انہوں نے ابوزناد، انہوں نے اعرج سے اور اعرج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه)) ترجمہ: تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو یوں نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور چاہیے کہ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے۔ میں کہتا ہوں: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت اس (دوسری روایت) سے زیادہ ثابت ہے۔ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس بارے میں سلمہ بن کھیل سے مروی ہے کہ انہوں نے مصعب بن سعد سے روایت کیا کہ: ((كنا نضع اليدين قبل الركبتين فأمرنا بالركبتين قبل اليدين)) ترجمہ: ہم سجدہ میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتے تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھیں، اسے صحیح ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

(معالم السنن، ومن باب الاقعاء بین السجدتین، ج1، ص208، المطبعۃ العلمیہ، حلب)

سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے رکھنے کے بارے میں مذاہب اربعہ

احناف کا موقف

علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو، پھر چہرے

کو رکھے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرے۔ اور سجدہ سے قیام کے لیے اٹھتے وقت اس کا برعکس کرنا سنت ہے کہ پہلے سجدے سے اپنا چہرہ اٹھائے، پھر اپنے دونوں ہاتھ اور پھر دونوں گھٹنے اٹھائے جبکہ کوئی عذر نہ ہو۔

(مراقی الفلاح، فصل فی سننہا، ج1، ص100، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ہماری دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک ہے: ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یضع یدیہ قبل رکبتیہ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنے رکھنے سے پہلے اپنے ہاتھ رکھتے۔ اور اعرج نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ((أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نہی أن یبرك المصلی بروك الإبل وقال لیضع رکبتیہ قبل یدیہ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ اونٹ کی طرح بیٹھے کہ اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھے۔ یعنی اونٹ اپنے بیٹھنے میں ہاتھ سے ابتدا کرتا ہے تو نمازی کو چاہیے کہ وہ پاؤں سے ابتدا کرے۔

اور اس وجہ سے بھی کہ نمازی اولاً اس حصہ کو زمین پر رکھے جو زمین سے زیادہ قریب ہے پس نمازی پہلے گھٹنے رکھے، پھر دونوں ہاتھ، پھر اپنا چہرہ، اور اٹھتے ہوئے اس حصہ کو اٹھائے جو زمین سے زیادہ دور ہے پس پہلے اپنا چہرہ اٹھائے، پھر دونوں ہاتھ، پھر دونوں گھٹنے۔ (مبسوط للسرخسی، مکروہات الصلاۃ، ج1، ص32، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

سجدہ کی سنتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھے پھر اپنے ہاتھوں کو رکھے یہ عندالاحناف ہے۔ امام مالک اور شافعی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سجدہ کرتے ہوئے پہلے اپنے ہاتھ رکھے، پھر گھٹنے۔ (شوافع کا یہ موقف نہیں، ان کی کتب میں اس کے برعکس لکھا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ہاشم) اور ان دونوں حضرات نے اس روایت سے دلیل لی ہے: ((نَهَى عَنْ بُرُوكِ الْجَمَلِ فِي الصَّلَاةِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اونٹ کی طرح بیٹھنے کی ممانعت فرمائی۔ اور ان کے نزدیک وہ یوں ہے کہ کوئی اپنے گھٹنوں کو پہلے رکھے۔ اور یہ حدیث پاک ہماری بھی دلیل ہے کیونکہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ہمارے قول کی مثل مروی ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص210، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی فرماتے ہیں:

اور مستحب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے اپنے گھٹنے، پھر ہاتھ، پھر پیشانی اور پھر اپنی ناک رکھے جیسا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا:((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه وإذانهض رفع يديه قبل ركبتيه)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص144، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بعض کتب احناف میں شوافع کا مؤقف یہ لکھا ہے کہ پہلے ہاتھ رکھے پھر گھٹنے حالانکہ شوافع کی تمام معتبر کتب میں یہی لکھا ہے کہ پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ جیسا کہ (۱) حلیۃ العلما، (۲) البیان فی مذہب الامام الشافعی، (۳) فتح العزیز بشرح الوجیز، (۴) المجموع شرح المہذب، (۵) روضۃ الطالبین، (۶) منہاج الطالبین، (۷) المقدمۃ الحضرمیہ (۸)، اسنی المطالب، (۹) الغرر البہیہ وغیرہا میں اس کی صراحت ہے۔

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو محمد عبد الوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

اور جب وہ سجود کا ارادہ کرے تو اگر چاہے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے یا اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھے مگر پہلے ہاتھوں کو رکھنا احسن ہے۔ (التلقین فی الفقہ المالکی، باب العمل فی الصلاۃ، ج1، ص46، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

کیا نمازی سجدہ میں گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ رکھے یا ہاتھوں سے پہلے گھٹنے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے۔ ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:((رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ، وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ایسے نہ بیٹھے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے اور اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سجدہ میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے۔ بعض محدثین نے فرمایا: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ ثابت ہے۔ (بدایۃ المجتہد، الفصل الثانی فی الافعال التی ہی ارکان الخ، ج1، ص147، دار الحدیث، القاہرہ)

حنابلہ کا مؤقف:

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

نماز کے افعال کی سنتیں بائیس ہیں: تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔۔۔اور سجود میں ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنا، اور سجدہ سے اٹھنے میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھانا۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص263، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں فرماتے ہیں:

(سب سے پہلے وہ اپنے دونوں گھٹنے، پھر اپنے دونوں ہاتھ، پھر اپنی پیشانی اور پھر ناک کو زمین پر رکھے) یہ مشہور مذہب میں مستحب ہے۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی بات کے مسلم بن یسار، امام نخعی، امام ابوحنیفہ، امام ثوری اور امام شافعی رضی اللہ عنہم قائل ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دوسری روایت مروی ہے کہ نمازی اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ وَلَا يَبْرُكْ بُرُوكَ الْبَعِيرِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے اور جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے اس طرح نہ بیٹھے۔ اس حدیث پاک کو امام نسائی نے روایت کیا۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔ اس کو ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے روایت کیا۔ علامہ خطابی نے کہا: یہ (وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی) حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ((كُنَّا نَضَعُ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ، فَأُمِرْنَا بِوَضْعِ الرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ)) ترجمہ: ہم سجدہ میں اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھتے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھیں۔ اسے صحیح ابن خزیمہ نے روایت کیا، اور یہ حدیث اپنے ماقبل حکم کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اثرم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث یوں روایت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِرُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَلَا يَبْرُكْ بُرُوكَ الْفَحْلِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھے اور جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے اس طرح نہ بیٹھے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ اول ما یقع منہ علی الارض الخ، ج1، ص370، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ ابراہیم بن محمد ابن مفلح حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

جمہور علما کا قول اس حدیث کے مطابق ہے جسے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا: ((رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُکْبَتَیْہِ قَبْلَ یَدَیْہِ وَإِذَا نَھَضَ رَفَعَ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ سجدہ کرتے اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔ اسے امام نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے ہم نے کسی ایک کو بھی نہیں جانا جس نے شریک کے علاوہ اس کو روایت کیا ہو اور اکثر اہل علم حضرات کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو جید اسناد کے ساتھ شریک کے علاوہ طریق سے روایت کیا ہے۔

اور اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ صورت نمازی کے لئے زیادہ آسان اور دیکھنے میں زیادہ خوبصورت ہے۔ امام احمد سے اس کا عکس بھی مروی ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا سَجَدَ أَحَدُکُمْ فَلْیَضَعْ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ وَلَا یَبْرُکْ بُرُوکَ الْبَعِیرِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے اور اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ لیکن علامہ خطابی فرماتے ہیں: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی حدیث (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے) زیادہ صحیح ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ امام مسلم کی شرط پر ہے اور اس حدیث کی دوسری حدیث کے ساتھ برابری فرض کرنے پر بھی یہ اس حدیث سے منسوخ ہے جسے ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ((کُنَّا نَضَعُ الْیَدَیْنِ قَبْلَ الرُّکْبَتَیْنِ، فَأُمِرْنَا بِوَضْعِ الرُّکْبَتَیْنِ قَبْلَ الْیَدَیْنِ)) ترجمہ: ہم سجدہ میں اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھتے تو ہمیں گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(المبدع فی شرح المقنع، السجود وصفتہ، ج1، ص400، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

باب نمبر 197
بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى الجَبْهَةِ وَالأَنْفِ
پیشانی اور ناک پر سجدہ کرنے کا بیان

270- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ بُنْدَارٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ مِنَ الأَرْضِ، وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ أَبِي حُمَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: أَنْ يَسْجُدَ الرَّجُلُ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ، فَإِنْ سَجَدَ عَلَى جَبْهَتِهِ دُونَ أَنْفِهِ، فَقَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ: يُجْزِئُهُ، وَقَالَ غَيْرُهُمْ: لَا يُجْزِئُهُ حَتَّى يَسْجُدَ عَلَى الجَبْهَةِ وَالأَنْفِ "

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر جما دیتے ، دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے جُدا رکھتے اور دونوں ہتھیلیاں کندھوں کے برابر رکھتے۔

اس باب میں حضرت ابن عباس، حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔ اور علما کا اسی پر عمل ہے کہ نمازی اپنی پیشانی اور ناک پر سجدہ کرے، اگر کسی نے صرف پیشانی پر سجدہ کیا تو بعض علما کے نزدیک کفایت کرے گا اور بعض علما نے فرمایا جب تک پیشانی اور ناک (دونوں) پر سجدہ نہ کرے کافی نہ ہوگا۔

تخریج حدیث 270. (سنن ابی داؤد، باب افتتاح الصلاۃ، ج1، ص196، حدیث 734، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ شرح معانی الآثار، باب وضع الیدین فی السجود، ج1، ص257، حدیث 1531، عالم الکتب ☆ صحیح ابن حبان، ذکر بیان بان علی المصلی رفع الیدین، ج5، ص189، حدیث 1871، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ محمود بدر الدین عینی اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ نمازی اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا رکھے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب افتتاح الصلاۃ، ج3، ص317، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر رکھتے)) علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: صحیح مسلم میں حضرتِ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ((اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَجَدَ وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا اور اپنے چہرے مبارک کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا۔" اور جو یوں کرے گا تو اس کے دونوں ہاتھ اس کے دونوں کانوں کی سیدھ میں ہوں گے۔ تو یہ بخاری میں حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے معارض ہے: ((اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا سَجَدَ وَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان رکھتے۔"

اور سابقہ حدیث کو اس پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ فلیح بن سلیمان جو بخاری کی سند میں موجود ہے اگرچہ راجح اس کی تثبیت (مضبوطی) ہی ہے لیکن متکلم فیہ راوی ہے، پس امام نسائی، ابن معین، ابو حاتم، ابو داؤد، یحییٰ بن قطان، اور ساجی نے اس کی تضعیف کی اور تحقیق متعدد احادیث میں موجود ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے درمیان رکھا کرتے تھے۔" اور اگر کوئی کہنے والا یوں کہے کہ آسانی کے لیے ان دونوں طریقوں میں سے جس پر چاہے عمل کر لے سنت ادا ہو جائے گی تا کہ تمام احادیث جمع ہو جائیں اس بنا پر کہ کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں بھی کیا کرتے تھے (یہ بات ٹھیک ہے) مگر (بہر حال) دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں مجافاتِ مسنونہ (یعنی اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے جدا کرنے کی سنت) کے لیے خلاصی پانا ہے جو دوسرے طریقہ میں نہیں ہے تو یہ طریقہ بہتر ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب صفۃ الصلاۃ، ج2، ص662,663، دار الفکر، بیروت)

اعضائے سجدہ کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

(اور اپنی ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت اختیار فرمائی۔ تو اگر نمازی ان دونوں میں سے کسی ایک پر اقتصار کرے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناک پر بغیر عذر کے اقتصار جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح کی ایک روایت امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم)) ترجمہ: مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" اور ان سات میں پیشانی کو بھی شمار فرمایا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ چہرہ کے بعض حصہ کو رکھنے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے اور اسی بات کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ رخسار اور ٹھوڑی اجماعاً اس سے خارج ہیں۔ اور جو مشہور حدیث اس بارے میں روایت کی گئی ہے اس میں چہرہ کا ہی ذکر ہے۔ اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے کیونکہ سجدہ ان کے بغیر بھی ادا ہو جاتا ہے بہر حال قدموں کا رکھنا تو امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں قدموں کا رکھنا فرض ہے۔ (الهدایہ، مدخل، ج 1، ص 51، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ردالمحتار میں ہاتھ اور گھٹنے زمین پر لگانے کے حوالے سے ہے:

اسی بات (یعنی ہاتھ اور گھٹنے زمین پر لگنے کے سنت ہونے) ہی کی کثیر مشائخ نے تصریح کی ہے۔ اور فتح القدیر میں وجوب کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ یہ حدیث کا مقتضی ہے اور ساتھ میں مواظبت بھی ہے۔ بحر میں فرمایا: اور وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اصول کی موافقت کی بناء پر تمام اقوال میں مناسب قول ہے۔ اور حلیہ میں فرمایا: اور یہ قول حسن ہے جو قواعد مذہبیہ پر مبنی ہے پھر اس کے مویدات کا ذکر فرمایا۔ (ردالمحتار مع در مختار، ج 1، ص 476، دار الفکر، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

نمازی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں اور دونوں قدموں پر سجدہ کرے۔ بہر حال پیشانی پر سجدہ کرنا تو واجب ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا سجدت فمكن جبهتك من الأرض ولا تنقر نقرا)) ترجمہ: جب تم سجدہ کرو تو اپنی پیشانی کو زمین پر جما لو اور چونچ نہ مارو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الام" میں فرماتے ہیں: اگر نمازی پیشانی کا بعض حصہ رکھے تو مکروہ ہے اور اسے کفایت کر جائے گا کیونکہ اس

نے پیشانی پر سجدہ کیا ہے۔

پس اگر اس نے کسی ایسی حائل چیز پر جو پیشانی سے متصل ہے اس پر سجدہ کیا نہ کہ پیشانی پر تو اسے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: ((شكونا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم حر الرمضاء في جباهنا وأكفنا فلم يشكنا)) ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی پیشانیوں اور اپنے ہاتھوں میں زمین کی گرمی کی شدت کی شکایت کی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری یہ شکایت قبول نہ فرمائی۔ بہر حال ناک پر سجدہ کرنا تو وہ سنت ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ نے روایت کی: ((ان النبي صلى الله عليه وسلم سجد ومكن جبهته وأنفه من الأرض)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا اور اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر جمایا۔ اور اگر نمازی اسے ترک کرے تو اسے کفایت کرے گا اس حدیث کی بنا پر جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم سجد بأعلى جبهته على قصاص الشعر)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی کے اوپری حصہ، بالوں کے اگنے کی جگہ پر سجدہ فرمایا۔ اور جب اپنی پیشانی کے اوپری حصہ پر سجدہ کیا جائے تو وہ ناک پر سجدہ نہیں ہوتا۔ بہر حال دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں پر سجدہ کرنے کے بارے میں دو قول ہیں: ان میں مشہور یہی ہے کہ ان پر سجدہ کرنا واجب نہیں ہے اور اگر یہ واجب ہوتا تو سجدہ کرنے سے عجز کی صورت میں ان میں بھی اشارہ واجب ہوتا جیسا کہ پیشانی سے عجز کی صورت میں اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ((أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر أن يسجد على سبعة أعضاء: يديه وركبتيه وأطراف أصابعه وجبهته)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا: دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں پر اور پاؤں کی انگلیوں کے اطراف پر اور پیشانی پر۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 145، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابو القاسم محمد بن احمد ابن الجزی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

اور سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اور وہ سات ہڈیاں یہ ہیں: چہرہ، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو قدم۔ بہر حال چہرہ اور دونوں ہاتھ پر سجدہ کرنا تو یہ اجماعاً واجب وضروری ہے۔ بہر حال دونوں گھٹنے اور دونوں قدم تو ان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ سجدہ میں ان کا لگانا واجب ہے اور ایک قول سنت کا ہے اور اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر جمائے تو اگر ان میں سے ایک پر

اقتصار کرے تو ایک قول ہے کہ یوں کرنا کفایت کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنا پیشانی میں (پیشانی نہ لگانے کی صورت میں) کفایت نہیں کرے گا بخلاف ناک کے اور یہی مشہور ہے، امام شافعی کے موافق۔ اور جس کی پیشانی میں زخم ہوں جو سجدہ کرنے پر اسے تکلیف پہنچاتے ہوں تو ابن القاسم کے نزدیک وہ اشارہ سے کرے اور اشہب کے نزدیک وہ ناک پر سجدہ کرے۔

(القوانین الفقہیہ، الباب الثالث عشر فی السجود، ج1، ص45،46، مطبوعہ بیروت)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

(سب سے پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے، پھر اپنے دونوں ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک رکھے) ان تمام اعضاء پر سجدہ کرنا فرض ہے۔ سوائے ناک کہ اس میں اختلاف ہے جسے ان شاء اللہ عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ یہی امام طاؤس، امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک اور امام اسحاق کا قول ہے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی علیہم الرحمۃ دوسرے قول میں فرماتے ہیں کہ پیشانی کے علاوہ پر سجود فرض نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((سَجَدَ وَجْهِي)) ترجمہ: میرے چہرے نے سجدہ کیا۔

اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ سجدہ چہرے پر ہوتا ہے اور چہرہ پر سجدہ کرنے والے ہی کو ساجد کہا جاتا ہے اور اس کے علاوہ (کسی اور حصہ بدن) کو زمین پر رکھنے والے کو ساجد نہیں کہا جاتا لہٰذا سجدہ کرنے کے حکم کو اسی حالت کی طرف پھیرا جائے کہ جس حالت میں ہونے والے کو ساجد کہا جائے گا نہ کہ کسی اور حالت کی طرف۔ کیونکہ اگر ان اعضاء پر سجدہ کرنا لازم ہوتا تو ان کو کھولنا لازم ہوتا جس طرح کہ پیشانی کو کھولنا لازم ہے۔ اور آمدی نے اس روایت کو امام احمد سے روایت کیا۔ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع'' میں فرمایا: امام احمد کے کلام سے وہی ظاہر ہے۔ کیونکہ انہوں نے مریض کے بارے بیان کیا کہ اگر وہ کسی شے کو اوپر کی طرف اٹھائے اور اس پر سجدہ کرے تو اس کو کفایت کرے گا اور یہ بات معلوم ہے کہ اس نے ہاتھوں پر سجدہ کرنے میں کوتاہی کی ہے۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أُمِرْتُ بِالسُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ؛ الْيَدَيْنِ، وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَالْقَدَمَيْنِ، وَالْجَبْهَةِ)) ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں یعنی دونوں ہاتھوں، گھٹنوں، دونوں پاؤں اور پیشانی پر۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے: ((إِنَّ الْيَدَيْنِ يَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ فَإِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ وَجْهَهُ فَلْيَضَعْ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَهُ

فَلْمَرْ فَعْهُمَا)) ترجمہ: دونوں ہاتھ سجدہ کرتے ہیں جس طرح پیشانی سجدہ کرتی ہے، تو جب تم میں سے کوئی اپنے چہرے کو رکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھوں کو رکھے اور جب چہرے کو اٹھائے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ چہرے کو سجدہ میں لگانا اس کے علاوہ اعضاء کے سجدہ کرنے کی نفی نہیں کرتا اور کھولنے کا سقوط، سجدہ کی فرضیت کے مانع نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق اسی طرح پیشانی کا حکم ہے۔

اور ایک دوسری روایت کے مطابق پیشانی ہی اصل ہے۔ اور یہ عادۃً کھلی ہوتی ہے بخلاف بقیہ اعضاء کے۔ اور اگر سجدہ میں ان اعضا میں سے کسی عضو کو چھوڑ دے تو ان علما کے ہاں اس کی نماز صحیح نہیں جو اس کو سجدہ میں لگانا فرض قرار دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی ان اعضاء میں سے بعض پر سجود سے عاجز ہو تو وہ بقیہ اعضاء پر سجدہ کرے۔ مریض عضو کو زمین سے قریب کرے جتنی مقدار ممکن ہو اور اس پر واجب نہیں کہ کسی شے کو اپنی طرف اوپر اٹھائے، کیونکہ سجدہ تو خاکساری کرنے کا نام ہے جبکہ جس پر سجدہ کیا جائے گا اس کو اٹھانے سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی پر پیشانی سے سجود ساقط ہو جائے کسی عارضہ مثلاً مرض یا اس کے علاوہ کسی اور سبب سے تو اسکے بقیہ اعضاء سے بھی ساقط ہو جائے گا کیونکہ پیشانی اصل ہے اور اس کے علاوہ سب اس کے تابع ہیں تو جب اصل سے ساقط ہو گیا تو تابع سے بھی ساقط ہو گیا۔ اسی وجہ سے امام احمد نے مریض کے متعلق فرمایا: وہ اپنے پیشانی کی طرف کوئی شے اٹھا کر اس پر سجدہ کرے تو یہ اس کو کفایت کرے گا۔

ناک کے متعلق حنابلہ کی دو روایات ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس پر سجدہ کرنا فرض ہے۔ امام سعید بن جبیر، امام اسحاق، ابو خیثمہ، ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: الْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى أَنْفِهِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ)) ترجمہ: مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی اور اپنے مبارک ہاتھ سے اپنی ناک کی طرف اشارہ فرمایا اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے اطراف۔ (متفق علیہ) آپ علیہ السلام کا اپنی ناک کی طرف اشارہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے اس کا ارادہ فرمایا۔ امام نسائی نے ان الفاظ سے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، الْجَبْهَةِ وَالْأَنْفِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ)) ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، گھٹنے اور دونوں پاؤں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا يُصِيبُ أَنْفُهُ مِنَ الْأَرْضِ مَا تُصِيبُ الْجَبْهَةُ)) ترجمہ: اس شخص کی نماز نہیں جس کی ناک زمین کے اس حصہ پر نہ لگے جس پر پیشانی لگتی ہے۔ اسے اثرم اور امام احمد نے روایت کیا۔

اور ابو بکر بن عبد العزیز نے اسے روایت کیا اور دار قطنی نے افراد میں متصلاً عکرمہ سے روایت کیا، انہوں نے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ مرسل حدیث ہے۔

اور حنابلہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ ناک لگانا سجدہ میں فرض نہیں۔ امام عطاء، طاؤس، عکرمہ، حسن، ابن سیرین، شافعی ،ابوثور اور صاحبین امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ)) ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ اور اس روایت میں ناک کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے اپنی پیشانی کے اوپر والے حصہ جس جگہ سے بال اگتے ہیں اس پر سجدہ کیا۔ تمام نے اس کو اپنے "فوائد" میں بیان کیا اور ان کے علاوہ نے بھی۔ اور جب کوئی پیشانی کے اوپر والے حصے پر سجدہ کرے تو ناک پر سجدہ نہیں ہو سکتا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنی ناک پر سجدہ کرے پیشانی پر نہ کرے تو وہ اسے کفایت کرے گا۔ ابن منذر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس قول میں امام اعظم سے سبقت کی ہو۔ اور شاید کہ امام اعظم کی مراد یہ ہے پیشانی اور ناک ایک عضو ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پیشانی کا ذکر کیا تو ناک کی طرف اشارہ فرمایا اور ایک عضو کے بعض حصہ پر سجدہ کرنا کفایت کرتا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ اول ماتقع منہ علی الارض الخ، ج 1، ص 370,371، مکتبۃ القاہرہ)

پیشانی اور ناک پر سجدہ

فقہ حنفی میں ناک اور پیشانی پر سجدہ کرنے کے بارے میں صاحبین کے قول پر فتوی ہے یعنی بغیر حالت عذر کے صرف ناک پر سجدہ کیا تو سجدہ نہ ہوگا اور حالت عذر میں ہو جائے گا، جبکہ بغیر عذر کے صرف پیشانی پر سجدہ کیا تو سجدہ ہو جائے گا مگر مکروہ تحریمی ہے۔ بالفاظ دیگر سجدے میں پیشانی لگانا فرض ہے جبکہ ناک لگانا واجب ہے۔ یاد رہے کہ امام اعظم سے صاحبین کی مثل بھی ایک روایت ہے۔

علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی حنفی (متوفی 1069ھ) فرماتے ہیں:

سجدہ میں ناک کا سخت حصہ پیشانی کے ساتھ لگانا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی۔ صحیح قول کے مطابق سجود میں صرف ناک پر اقتصار کرنے کے سبب نماز جائز نہیں۔

(مراقی الفلاح، فصل فی واجب الصلاۃ، ج 1، ص 94، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی حنفی (متوفی 800ھ) فرماتے ہیں:

(اور وہ اپنی ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے) اور ناک کا ذکر پہلے اس وجہ سے کیا کیونکہ سجدے میں اس عضو کو پہلے

رکھا جاتا ہے جو زمین سے سجود کے وقت زیادہ قریب ہوتا ہے اور ناک پیشانی سے زیادہ قریب ہے۔ **(پس اگر اس نے ان میں سے کسی ایک پر اقتصار کیا تو امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک جائز ہے)** اور صرف ناک پر اقتصار کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ ناک کے سخت حصہ پر سجدہ کرے بہر حال جب وہ ناک کے نرم حصہ پر سجدہ کرے اور وہ ناک کا بانسہ ہے تو وہ جائز نہیں۔ **(اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں بغیر عذر کے ناک پر اقتصار کرنا جائز نہیں ہے)** اور یہی ایک روایت امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص53، المطبعۃ الخیریہ)

علامہ عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان شیخی زادہ (متوفی 1078ھ) فرماتے ہیں:

(اور اپنی ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے) "تحفہ" میں ہے: پیشانی رکھے پھر ناک رکھے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کو بیک وقت رکھے۔ **(پس اگر وہ اقتصار کرے اپنے سجود میں ان میں سے کسی ایک پر)** یعنی پیشانی یا ناک پر۔۔۔۔ **(تو کراہت کے ساتھ جائز ہے)**۔۔۔۔۔۔

(صاحبین فرماتے ہیں: بغیر عذر کے صرف ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے) یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور امام سے ایک روایت یہ بھی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور ان میں پیشانی کو شمار فرمایا تو واجب ہے سجدہ صرف ناک کے لگانے سے ادا نہ ہو جیسا کہ رخسار اور ٹھوڑی رکھنے سے ادا نہیں ہوتا۔

(مجمع الانھر، فصل صفۃ الشروع فی الصلاۃ، ج1، ص97,98، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

امام ابو یوسف اور محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سجدے کے لیے متعین طور پر پیشانی ہی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اختیار کی حالت میں پیشانی پر سجدہ کرنے کو ترک کرے تو یہ اسے کفایت نہیں کرے گا۔ اور علما کا اجماع ہے کہ اگر عذر کی حالت میں صرف ناک پر اقتصار کرے تو جائز ہے۔ اور اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ناک اور پیشانی دونوں کو اختیار کی حالت میں جمع کرنا افضل ہے۔ انہوں نے دلیل لی ہے اس روایت سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَكِّنْ جَبْهَتَكَ وَأَنْفَكَ مِنَ الْأَرْضِ)) ترجمہ: تو اپنی پیشانی اور ناک زمین پر ٹھہرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اکٹھا زمین پر رکھنے کا حکم دیا مگر یہ کہ جب نمازی صرف پیشانی کو رکھا تو یہ قابلِ اعتبار سجدہ ہے کیونکہ پیشانی ہی اس باب میں اصل ہے اور ناک تابع ہے اور اصل کے موجود ہونے پر تابع کے فوت ہونے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ اکثر کو بجا لایا ہے اور اکثر کے لیے کل کا حکم ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل ارکان الصلاۃ، ج1، ص105، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ امین ابن عابدین شامی (متوفی 1252ھ) فرماتے ہیں:

(انہی میں سے سجدہ بھی ہے) یہ لغوی طور پر عاجزی کا نام ہے، قاموس۔ اور "مغرب" میں اس کی تفسیر پیشانی کو زمین پر رکھنے سے کی۔ اور "بحر" میں ہے: سجدہ کی حقیقت یہ ہے کہ چہرہ کے بعض حصہ کو زمین پر اس طرح رکھنا کہ جس میں مسخرہ پن نہ ہو پس اس میں ناک داخل ہے اور رخسار اور ٹھوڑی خارج ہے۔ اور بہرحال جب وہ اپنے قدموں کو سجدہ میں اٹھائے گا پس بے شک وہ قدموں کو اٹھانے کیساتھ کھیل کود کے زیادہ مشابہ ہے بہ نسبت تعظیم کے، اھ۔ اور یہ تمام گفتگو اس پر موجود ہمارے حاشیہ میں ہے۔ (مصنف کا قول کہ اپنی پیشانی کے ساتھ) جبکہ اس میں کوئی عذر نہ ہو۔ بہرحال ناک پر اقتصار کرنا تو راجح قول کے مطابق اس کی شرط عذر ہے۔ (ردالمحتار، قد یطلق الفرض علی ما یقابل الرکن، ج1، ص447، دارالفکر، بیروت)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط.......اگر کسی عذر کے سبب پیشانی زمین پر نہیں لگا سکتا، تو صرف ناک سے سجدہ کرے پھر بھی فقط ناک کی نوک لگنا کافی نہیں، بلکہ ناک کی ہڈی زمین پر لگنا ضرور ہے۔ رخسارہ یا ٹھوڑی زمین پر لگانے سے سجدہ نہ ہوگا خواہ عذر کے سبب ہو یا بلا عذر، اگر عذر ہو تو اشارہ کا حکم ہے۔

(بہارشریعت، ج1، حصہ3، ص513، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید فرماتے ہیں:

اگر پیشانی خوب نہ دبی، تو نماز ہی نہ ہوئی اور ناک ہڈی تک نہ دبی تو مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی۔

(بہارشریعت، ج1، حصہ3، ص514، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سجدے میں ہاتھوں اور گھٹنوں کا لگانا

احناف کے نزدیک سجدے میں ہاتھ اور گھٹنے لگانے کے بارے میں دو اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق سنت ہے اور دوسرے قول کے مطابق واجب۔ دوسرا یعنی وجوب والا قول راجح ہے۔

بحرالرائق میں ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر لگانے کے حوالے سے تحریر ہے "وأما اليدان والركبتان فظاهر الرواية عدم افتراض وضعهما قال في التجنيس والخلاصة وعليه فتوى مشايخنا، وفي منية المصلي ليس بواجب عندنا واختار الفقيه أبو الليث الافتراض وصححه في العيون ولا دليل عليه؛ لأن القطعي إنما أفاد وضع بعض الوجه على الأرض دون اليدين والركبتين والظني المتقدم لا يفيده، لكن مقتضاه ومقتضى المواظبة الوجوب، وقد اختاره المحقق في فتح القدير، وهو إن شاء الله تعالى أعدل الأقوال لموافقته الأصول، وإن صرح كثير من

مشایخنا بالسنیة ومنهم صاحب الھدایة ''ترجمہ: رہا دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے تو ظاہر الروایۃ ہے کہ ان دونوں کا رکھنا فرض نہیں ہے۔تجنیس اور خلاصہ میں فرمایا: اور اسی پر فتوی ہے۔اور منیۃ المصلی میں ہے ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے اور فقیہ ابو اللیث نے فرضیت کو اختیار کیا ہے اور عیون میں اس کی تصحیح کی ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ دلیل قطعی نے بعض چہرے کے زمین پر رکھنے کا فائدہ دیا ہے نہ کہ دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کے رکھنے کا اور ظنی دلیل جو پیچھے گزر گئی وہ اس کا فائدہ نہیں دیتی ہاں اس کا تقاضا اور مواظبت کا تقاضا وجوب ہے اور محقق نے فتح القدیر میں اس کو اختیار کیا ہے اور وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اصول کی موافقت کی بناء پر تمام اقوال میں سے سب سے زیادہ مناسب ہے اگرچہ ہمارے کثیر مشائخ نے سنیت کی تصریح کی ہے اور انہی میں سے صاحب ہدایہ ہیں۔ (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ج1، ص336، دار الکتاب الاسلامی)

ردالمحتار میں ہاتھ اور گھٹنے زمین پر لگانے کے حوالے سے ہے: ''ھو ما صرح به كثير من المشايخ ...واختار في الفتح الوجوب لأنه مقتضى الحديث مع المواظبة .قال في البحر:وهو إن شاء الله تعالى أعدل الأقوال لموافقته الأصول .اهـ .وقال في الحلبة:وهو حسن ماش على القواعد المذهبية ثم ذكر ما يؤيده ''ترجمہ: اسی بات (یعنی ہاتھ اور گھٹنے زمین پر لگنے کے سنت ہونے) ہی کی کثیر مشائخ نے تصریح کی ہے۔اور فتح القدیر میں وجوب کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ یہ حدیث کا مقتضی ہے، ساتھ میں مواظبت بھی ہے۔بحر میں فرمایا: اور وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اصول کی موافقت کی بناء پر تمام اقوال میں مناسب قول ہے۔اور حلیہ میں فرمایا: اور یہ قول حسن ہے جو قواعدِ مذہبیہ پر مبنی ہے پھر اس کے مویدات کا ذکر فرمایا۔

(ردالمحتار مع درمختار، ج1، ص476، دار الفکر، بیروت)

حلیہ میں جو مویدات ذکر کیے ان میں مسند ابی یعلی کی یہ روایت بھی ہے، مسند ابی یعلی میں ہے: ((عن عامر بن سعد عن أبيه قال:أمر العبد أن يسجد على سبعة آراب منه:وجهه وكفيه وركبتيه وقدميه أيها لم يضع فقد انتقص)) ترجمہ: حضرت عامر بن سعد اپنے والد سے راوی، ان کے والد نے فرمایا: بندے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سات ہڈیوں پر سجدہ کرے: اپنے چہرے پر، اپنی دونوں ہتھیلیوں پر، اپنے دونوں گھٹنوں پر اور اپنے دونوں قدموں پر، ان میں سے جس کسی کو رکھنا چھوڑا اس سے اس کی نماز ناقص ہوگی۔ (مسند ابی یعلی، ج2، ص60، دار المامون للتراث، دمشق ☆ حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی، ج2، ص140، مکتبہ اسد، دمشق)

کثیر مشائخ کے سنت قرار دینے اور علامہ ابن ہمام کے واجب قرار دینے میں تطبیق کرتے ہوئے امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: ''وربما لا ینافیه ما ذكر كثير من المشائخ ،فربما يطلقون السنة على الواجب كالوتر وصلاة العيدين وغيرهما ''ترجمہ: اور بہت دفعہ اس کے منافی نہیں ہوتا وہ جو کثیر مشائخ نے ذکر فرمایا ہے کیونکہ بہت

دفعہ وہ سنت کا واجب پر اطلاق کرتے ہیں جیسے وتر، عیدین کی نماز وغیرہ۔

(جد الممتار علی رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ج3، ص180، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نرم جگہوں پر سجدہ کرنے والے متوجہ ہوں!

کسی نرم چیز مثلاً گھاس، روئی، قالین وغیرہا پر سجدہ کیا تو اگر پیشانی جم گئی یعنی اتنی دبی کہ اب دبانے سے نہ دبے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔ (عالمگیری) بعض جگہ جاڑوں میں مسجد میں پیال بچھاتے ہیں، ان لوگوں کو سجدہ کرنے میں اس کا لحاظ بہت ضروری ہے کہ اگر پیشانی خوب نہ دبی، تو نماز ہی نہ ہوئی اور ناک ہڈی تک نہ دبی تو مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی، کمانی دار (اسپرنگ والے) گدے پر سجدہ میں پیشانی خوب نہیں دبتی لہٰذا نماز نہ ہوگی۔ (بہار شریعت، ج1، حصہ3، ص514، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

باب نمبر 198

بَابُ مَا جَاءَ أَيْنَ يَضَعُ الرَّجُلُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ

نمازی جب سجدہ کرے تو اپنا چہرہ کہاں رکھے؟

271- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الحَجَّاجِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ :قُلْتُ لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ :أَيْنَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ، فَقَالَ :بَيْنَ كَفَّيْهِ، وَفِي البَابِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، وَأَبِي حُمَيْدٍ، " حَدِيثُ البَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ :أَنْ تَكُونَ يَدَاهُ قَرِيبًا مِنْ أُذُنَيْهِ "

حضرت ابواسحاق کہتے ہیں: میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنا چہرہ کہاں رکھتے تھے؟ اُنہوں نے فرمایا: دونوں ہتھیلوں کے درمیان۔

اس باب میں حضرت وائل بن حجر، حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہما سے بھی روایات موجود ہیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ''حسن غریب'' ہے۔

بعض علمانے اسی کو اختیار کیا ہے کہ (سجدہ میں) نمازی کے دونوں ہاتھ اُس کے کانوں کے قریب ہوں۔

تخریج حدیث 271 (صحیح مسلم عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری الخ، ج1،ص301، حدیث 401، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، ج1،ص192، حدیث 723، المکتبۃ العصریہ، بیروت☆)

سجدہ میں ہاتھ رکھنے کی جگہ کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف:

علامہ علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

اور سجدہ کرنے والا اپنا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر رکھے، اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کیا۔ (الہدایہ، مدخل، ج1، ص51، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ کمال الدین ابن ہمام (متوفی 861ھ) فرماتے ہیں:

(اور سجدہ کرنے والا اپنا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر رکھے)

صحیح مسلم میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:((أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَجَدَ وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ اس حال میں کیا کہ آپ نے اپنا چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا۔

اور جو اس طرح سجدہ کرے تو اس کے ہاتھ اس کے دونوں کانوں کے برابر ہو جائیں گے تو یہ معارض ہے اس حدیث کے جس کو امام بخاری نے حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:((أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا سَجَدَ وَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے کندھوں کے برابر رکھتے۔ اور اسی کی مثل ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔

اس پر سابقہ حدیث کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ فلیح بن سلیمان جو امام بخاری کی سند میں موجود ہے اگرچہ راجح اس کی درستگی اور تثبیت ہی ہے لیکن یہ متکلم فیہ (اس میں کلام کیا گیا) ہے لہٰذا امام نسائی، ابن معین، ابو حاتم، ابوداؤد، یحییٰ قطان، ساجی نے اس کی تضعیف کی۔

اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: ہمیں خبر دی امام ثوری نے انہوں نے عاصم بن کلیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں:((رَمَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر رکھتے۔ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہمیں امام ثوری نے ان الفاظ سے یہ روایت بیان کی کہ:((كَانَتْ يَدَاهُ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے

کانوں کے مقابل رکھے۔ امام طحاوی نے حفص بن غیاث سے انہوں نے حجاج سے انہوں نے ابواسحاق سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: ((سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ أَيْنَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ جَبْهَتَهُ إِذَا صَلَّى؟ قَالَ بَيْنَ كَفَّيْهِ))
ترجمہ: میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنا چہرہ کہاں رکھتے تھے؟ اُنہوں نے فرمایا: دونوں ہتھیلیوں کے درمیان۔

(فتح القدیر، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص302,303، دار الفکر، بیروت)

شمس الائمہ احمد بن محمد سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

جو حدیث حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ((كان إذا سجد وضع يديه حذو منكبيه))
ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے درمیان رکھتے۔ یہ حدیث عذر پر محمول ہے عمر کے زیادہ ہونے اور یا مرض کی وجہ سے۔

اور سجدہ کرنے والا وہ اپنی انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھے کہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے: ((أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد وضع أصابعه تجاه القبلة)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے انگلیاں قبلہ کی جانب رکھتے۔

(مبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج1، ص22، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابوالمعالی محمود بن احمد حنفی (متوفی 616ھ) فرماتے ہیں:
سجدہ کی حالت میں انگلیوں کو مکمل طور پر ملا کر رکھے گا کیونکہ وہ سجدے میں اپنی ہتھیلیوں پر اعتماد کی طرف محتاج ہے اور انگلیاں ملی ہونے کی صورت میں اعتماد پر زیادہ قادر ہوگا۔

(محیط برہانی، الفصل الرابع فی کیفیتھا، ج1، ص291، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ منصور بن یونس البہوتی حنبلی فرماتے ہیں:
(اور) سجدہ کرنے والے کے لیے سنت ہے کہ (اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر رکھے یوں کہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں) حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کی بنا پر کہ: ((كَانَ إِذَا سَجَدَ مَكَّنَ جَبْهَتَهُ وَأَنْفَهُ مِنَ الْأَرْضِ وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)) ترجمہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنی پیشانی اور ناک زمین پر جما دیتے، اپنے ہاتھوں کو اپنی کروٹوں سے جدا رکھتے، اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر رکھتے۔ اسے امام ابوداود اور امام ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنی انگلیوں کو ملا لیتے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

(شرح منتہی الارادات، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص198، مطبوعہ عالم الکتب)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابوالحسین یحییٰ بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر رکھے اور اپنی انگلیوں کو ملا کر رکھے اور انگوٹھا بھی انگلیوں سے ملائے اور انگلیوں کے سرے قبلہ کی جانب رکھے جیسا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ((أن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کان إذا سجد ضم أصابعه وجعل یدیه حذو منکبیه)) ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنی انگلیوں کو ملاتے تھے اور اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے مقابل رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ((أن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کان إذا سجد . وضع أصابعه تجاہ القبلة)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنی انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھتے۔ اور رکوع و سجود میں انگلیوں کے ملانے میں فرق یہ ہے کہ جب نمازی رکوع میں گھٹنوں پر اپنی انگلیوں کو پھیلا کر رکھے گا تو یہ رکوع کے لئے زیادہ آسان ہوگا اور گرنے سے امن ہوگا اور سجدہ میں گرنے کا کوئی خوف نہیں ہے اور اس وجہ سے بھی جب وہ سجود میں اپنی انگلیوں کو ملائے گا تو وہ قبلہ کی طرف ہو جائیں گی اور اگر وہ انگلیوں کو پھیلا کر رکھے گا تو وہ قبلہ کی طرف نہ ہوں گی اور رکوع میں انگلیوں کو قبلہ کی طرف ہونی نہیں چاہے ملا کر رکھے یا کشادہ رکھے۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، مسئلہ فرضیۃ السجود، ج2، ص221، دار المنہاج، جدہ)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوالقاسم محمد بن احمد ابن الجزی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

سجدہ کے آداب میں سے آٹھ چیزیں ہیں کہ وہ اپنے گھٹنوں کہنیوں، کروٹوں اور رانوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھے، اس سے مراد پھیل کر سجدہ کرنا ہے اور عورت کے سجدے میں پھیلاؤ نہیں ہے۔ سجدہ کرنے والا اپنی کہنیوں کو زمین سے اٹھائے گا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کرے اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر سجدہ کرتے وقت گھٹنوں سے پہلے رکھے.........

(القوانین الفقہیہ، الباب الثالث عشر فی السجود، ج1، ص46، مطبوعہ بیروت)

باب نمبر 199

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ

سات اَعضا پر سجدہ کرنے کا بیان

272- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنِ ابْنِ الهَادِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنِ العَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا سَجَدَ العَبْدُ سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ آرَابٍ: وَجْهُهُ، وَكَفَّاهُ، وَرُكْبَتَاهُ، وَقَدَمَاهُ، وَفِي البَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ العَبَّاسِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَعَلَيْهِ العَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ"

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (فرماتے ہیں) کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اُس کے ہمراہ سات اَعضا سجدہ کرتے ہیں، اُسکا چہرہ، اُس کی دونوں ہتھیلیاں، گھٹنے اور دونوں پاؤں۔

اس باب میں حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے اور علما کا اسی پر عمل ہے۔

273- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ، وَلَا يَكُفَّ شَعْرَهُ وَلَا ثِيَابَهُ، قال ابوعيسىٰ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ (نمازی) سات اعضا پر سجدہ کرے اور اپنے کپڑے اور بال نہ سمیٹے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

تخریج حدیث 272: (سنن ابی داؤد، باب اعضاء السجود، ج 1، ص 235، حدیث 891، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، تفسیر ذلک، ج 2، ص 208، حدیث 1094، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب السجود، ج 1 ص 286، حدیث 885، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

تخریج حدیث 273: (صحیح بخاری، باب السجود علی سبعۃ اعظم، ج 1، ص 162، حدیث 809، دار طوق النجاۃ ☆ سنن ابی داؤد، باب اعضاء السجود، ج 1، ص 235، حدیث 890، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب علی کم السجود، ج 2، ص 208، حدیث 1093، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب السجود، ج 1، ص 286، حدیث 884، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

سات ہڈیاں یعنی سات اعضا تو ہر عضو کو ایک ہڈی کا نام دیا اگرچہ ان میں کثیر ہڈیاں ہیں۔

(شرح السیوطی علی مسلم، ج2، ص180، دار ابن عفان للنشر والتوزیع، عرب)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ((**حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان: مجھے حکم دیا گیا**)) یہ عرفاً دلالت کرتا ہے کہ حکم دینے والی ذات اللہ عزوجل کی ہے اور یہ ان اعضا کو حالتِ سجدہ میں زمین پر رکھنے کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور اس میں علماء کے کئی اقوال ہیں: پس امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک اور امام احمد کے نزدیک ظاہر حدیث کے اعتبار سے ان تمام کو رکھنا واجب ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ صرف پیشانی رکھنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "رفاعہ" والے واقعہ میں صرف اسی پر اکتفا کیا۔ فرمایا: ((فَلْيُمَكِّنْ جَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ)) ترجمہ: اسے چاہیے کہ اپنے پیشانی زمین پر جمائے رکھے۔ اور باقی سات اعضا کو زمین پر رکھنا سنت ہے اور حدیث میں موجود امر کو اس امر پر محمول کیا گیا ہے جو واجب اور مستحب کے درمیان مشترک ہے تاکہ دونوں احادیث میں موافقت ہو سکے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب السجود وفضلہ، ج2، ص718، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

((**کپڑے اور بال نہ سمیٹے**)) علامہ طبری کہتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کا بیان ہے کہ مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ یوں نماز پڑھے کہ اپنے بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے ہو یا اپنے کپڑوں کو سمیٹے ہوئے ہو۔

(شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب لا یکف شعرا الخ، ج2، ص434، مکتبۃ الرشد، ریاض)

کفِ شعر سے ممانعت کی حکمت

علامہ یحییٰ بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

علما فرماتے ہیں: کفِ شعر یعنی بال سمیٹنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ بال بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں۔

(شرح النووی علی مسلم، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر، ج4، ص209، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بلکہ اس بارے میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی موجود ہے، فرماتے ہیں: ((إن الشعر يسجد معه

ولہ بکل شعرۃ أجر)) ترجمہ: بال اس کے ساتھ سجدہ کریں گے اور اس کے لیے ہر بال کے عوض اجر ہے۔

(البیان والتحصیل، الطویل الشعر الخ، ج1، ص444، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

کفِ ثوب وکفِ شعر میں مذاہبِ اربعہ

مذاہبِ اربعہ میں کفِ ثوب (کپڑے سمیٹنا، فولڈ کرنا) اور کفِ شعر (بال سمیٹنا، جوڑا باندھنا) نماز میں مکروہ وممنوع ہے۔ تفصیلی عبارات درج ذیل ہیں:

الاحناف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور نماز میں کپڑوں کو فولڈ کرنا مکروہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، وَأَنْ لَا أَكُفَّ ثَوْبًا وَلَا أَكْفِتَ شَعْرًا)) ترجمہ: مجھے حکم ہوا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور نہ اپنے کپڑے سمیٹوں اور نہ اپنے بالوں کو۔۔۔۔ بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس حدیث پاک کی بنا پر جو حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّهُ رَأَى الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُصَلِّي عَاقِصًا شَعْرَهُ فَحَلَّ الْعُقْدَةَ فَنَظَرَ إِلَيْهِ الْحَسَنُ مُغْضَبًا فَقَالَ: يَا ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ أَقْبِلْ عَلَى صَلَاتِكَ وَلَا تَغْضَبْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ذَلِكَ وَقَالَ ذَاكَ كِفْلُ الشَّيْطَانِ)) ترجمہ: انہوں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ اپنے بالوں کا جوڑا بنا کر نماز ادا کر رہے تھے تو حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بالوں کی گرہ کھول دی تو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف غصہ کی حالت میں دیکھا تو انہوں نے عرض کی: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی کے بیٹے! اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو جائیے اور مجھ پر غصہ نہ کیجئے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے اس منع فرمایا۔ اور فرمایا: کہ یہ (نماز میں) شیطان کا حصہ ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے: ((مَقْعَدُ الشَّيْطَانِ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ)) ترجمہ: بندے کی نماز میں یہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اور عقص کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بالوں کی مینڈھیاں اپنے سر کے گرد لپیٹے جس طرح کہ عورتیں کرتی ہیں یا اپنے بالوں کو اکٹھا کر کے اپنے سر کے آخر میں اس کو باندھ دے۔

(بدائع الصنائع، فصل بیان ما یستحب فی الصلاۃ وما یکرہ، ج1، ص216، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الحنابلہ

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اور بالوں یا کپڑوں کو لپیٹنا یا اپنی آستینوں کو سمیٹنا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم، ولا أکف شعرًا ولا ثوبًا متفق علیه)) ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور اپنے بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں۔ متفق علیہ۔ (الکافی فی فقہ الامام احمد، باب ما یکرہ فی الصلاۃ، ج 1، ص 285، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الشوافع

علامہ ابو الحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

نماز میں اپنی بالوں اور لباس کو لپیٹنا مکروہ ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((أمر النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أن يسجد علی سبعة أعظم، ونُهي أن يكفَّ شعرهُ وثوبه في الصلاة)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں اور نماز میں بالوں اور لباس کو لپیٹنے سے ممانعت فرمائی گئی۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، مسئلہ مکروہات الصلاۃ، ج 2، ص 319، دار المنہاج، جدہ)

المالکیہ

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی (متوفی 520ھ) فرماتے ہیں:

مولف نے کہا: نماز میں بالوں کو لپیٹنا مکروہ ہے جیسا کہ مروی ہے:((أن رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نهى أن يصلي الرجل وشعره معقوص)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی کہ کوئی آدمی نماز ادا کرے اس حال میں کہ اس نے سر پر جوڑا باندھا ہو۔ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:((إن الشعر يسجد معه وله بكل شعرة أجر)) ترجمہ: بال اس کے ساتھ سجدہ کریں گے اور اس کے لیے ہر بال کے عوض اجر ہے۔ اور یہ بات رائے سے نہیں ہوسکتی اور یہ اسی کی مثل ہے جو "مدونہ" میں ہے۔ اور توفیق اللہ عزوجل کی طرف سے ہی ہے۔

(البیان والتحصیل، الطویل الشعر الخ، ج 1، ص 444، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

مدونہ میں ہے:

اگر اس کا یہ لباس اور ہیئت نماز میں داخل ہونے سے پہلے ہو یا وہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جس کے سبب اس نے آستینیں چڑھائی ہوئی ہیں تو جس حال میں وہ تھا اسی میں نماز میں داخل ہوگیا تو اس حال میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس نے یہ اس لیے کیا تا کہ بالوں یا کپڑوں کو سمیٹے تو اس میں کوئی خیر نہیں۔ سحنون اور وکیع نے علی بن زیاد سے انہوں نے سفیان سے انہوں نے مخول بن راشد سے، انہوں نے ایک مرد سے انہوں نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُصَلِّیَ الرَّجُلُ وَشَعْرُہٗ مَعْقُوْصٌ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص اس حال میں نماز ادا کرے کہ اس کے سر پر بالوں کا جُوڑا ہو۔ اور حضرت علی بن ابو طالب کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص جو نماز میں اپنے بالوں کو جوڑا کیے نماز ادا کر رہا تھا اس کے بالوں کو سختی سے کھولا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو مکروہ جانا اور فرمایا: ((اِنَّ الشَّعْرَ یَسْجُدُ مَعَکَ وَلَکَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ اَجْرٌ)) بال تیرے ساتھ سجدہ کریں گے اور تیرے لیے ہر بال کے عوض اجر ہے۔ اور ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص بالوں کا جوڑا بنا کر نماز ادا کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کندھوں کے پیچھے اپنے ہاتھوں کو باندھنے والا۔ (المدونہ، الصلاۃ فی السراویل، ج1، ص186، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کف ثوب کے کچھ احکام اور صورتیں

عند الاحناف نماز میں کفِ ثوب مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے: ''(وَ) کُرِہَ (کَفُّہُ) أَیْ رَفْعُہُ وَلَوْ لِتُرَابٍ کَمُشَمِّرِ کُمٍّ أَوْ ذَیْلٍ'' ترجمہ: کف ثوب یعنی کپڑے لپٹنا، اٹھانا اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو مکروہ ہے جیسا کہ آستین اور دامن کو چڑھانے والا۔ (الدر المختار مع رد المحتار، فروع مشی المصلی مستقبل القبلۃ ہل تفسد، ج1، ص640، دار الفکر، بیروت)

اس کے تحت رد المحتار میں ہے: ''وَحَرَّرَ الْخَیْرُ الرَّمْلِیُّ مَا یُفِیدُ أَنَّ الْکَرَاھَۃَ فِیہِ تَحْرِیمِیَّۃٌ'' ترجمہ: شیخ خیر الدین رملی کی عبارت اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔

(رد المحتار، فروع مشی المصلی مستقبل القبلۃ ہل تفسد، ج1، ص640، دار الفکر، بیروت)

نماز کے اندر کفِ ثوب کریں یا باہر سے کر کے اندر جائیں بہر صورت نماز مکروہ تحریمی ہے۔ فتح الباری میں ہے ''وأکثر العلماء علی الکراھۃ فی الحالین، ومنھم الاوزاعی واللیث وأبو حنیفۃ والشافعی، وقد سبق عن جماعۃ من الصحابۃ ما یدل علیہ، منھم عمر وعثمان وابن مسعود وحذیفۃ وابن عباس وأبو رافع وغیرھم'' ترجمہ: اکثر علماء کے نزدیک کراہت دونوں حالتوں میں ہے۔ ان علماء میں امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمہم اللہ ہیں اور تحقیق صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت روایات سابق میں گزر چکی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں ان صحابہ میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس اور ابو رافع وغیرہم شامل ہیں رضی اللہ تعالی عنہم۔

(فتح الباری، کتاب الصلوۃ، لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ، جلد2، صفحہ380، قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بالوں اور کپڑوں کو سمیٹنا دونوں صورتوں میں مکروہ ہے چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے ''وفیہ کراھۃ کف الثوب والشعر وظاھر الحدیث النھی عنہ فی حال الصلاۃ وإلیہ مال الداودی وردہ

عیاض بأنه خلاف ما علیه الجمهور فإنهم کرهوا ذلك للمصلی سواء فعله فی الصلاة أو قبل أن یدخل فیها
''ترجمہ: اور اس میں بالوں اور کپڑوں کو لپیٹنے کی کراہت موجود ہے اور ظاہر حدیث مقتضی یہی ہے کہ ممانعت کا تعلق نماز کی حالت سے ہے اور اسی طرف داودی مائل ہوئے ہیں اور عیاض نے اس کا یوں رد کیا ہے کہ جمہور کے خلاف ہے کیونکہ جمہور نے اس بات کو نمازی کے لئے مکروہ جانا ہے خواہ اس نے یہ کام نماز میں کیا ہو یا نماز میں داخل ہونے سے پہلے کیا ہو۔

(عمدۃ القاری، کتاب الاذان، باب السجود علی سبعۃ اعظم، جلد6، صفحہ 131، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ردالمحتار میں ہے'' کما لو دخل فی الصلوٰۃ و ہو مشمر کمہ أو ذیلہ، و اشار بذلك الی ان الکراہۃ لا تختص بالکف و ہو فی الصلوٰۃ '' ترجمہ: جیسے اگر کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے۔ اور مصنف (صاحب درمختار) نے اپنے اس قول سے اسی بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ نماز کی حالت میں کپڑے اڑسنے پر کراہیت موقوف نہیں۔ (بلکہ نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔) (درمختار مع ردالمحتار، باب ما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیھا، جلد2، صفحہ 490، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

کف ثوب میں نصف کلائی سے زیادہ آستین چڑھا لینا، شلوار یا پینٹ کو اوپر یا نیچے سے فولڈ کرنا، تہبند کو پیچھے سے گھرسنا وغیرہ شامل ہیں۔ بحرالرائق میں ہے:'' یدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمیہ '' ترجمہ: کفِ ثوب میں آستینوں کا چڑھانا بھی داخل ہے۔ (بحرالرائق، ج2، ص24، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

غنیۃ میں ہے'' یکرہ ان یکف ثوبہ وھوفی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ اومن خلفہ عندالسجود اویدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھومشمر الکم او الذیل '' ترجمہ: عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا سمیٹے ہوئے داخل ہونا جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا ہو۔ (غنیۃ المستملی، ص348، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور)

اعلی حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:

''تمام متون مذہب میں ہے: کرہ کف ثوبہ (کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے) فتح القدیر، بحرالرائق میں ہے: یدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمیہ (کف ثوب میں آستینوں کا چڑھانا بھی داخل ہے) درمختار میں ہے: کرہ کف ای رفعہ ولولتراب کمشمر کم اوذیل (کفِ ثوب یعنی کپڑے کا اٹھانا اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو مکروہ ہے جیسا کہ آستین اور دامن چڑھانا) ردالمحتار میں ہے: حرر الخیر الرملی مایفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ (شیخ خیرالدین رملی کی عبارت اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔) غنیۃ میں ہے: یکرہ ان یکف ثوبہ وھوفی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ

من بین یدیه او من خلفه عندالسجود اویدخل فیها وهو مکفوف کما اذا دخل وهو مشمر الکم او الذیل (عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا ہو۔ علامتین محققین جلیلین شارحین منیہ تحقیق فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔ غنیۃ میں ہے: یکرہ ایضا (ان یرفع کمه ای یشمره الی المرفقین وهذا قید اتفاقی فانه لو شمر الی مادون المرفق یکره ایضا لانه کف للثوب وهی منهی عنه فی الصلاۃ لما مر وهذا اذا شمره خارج الصلاۃ وشرع فی الصلاۃ وهو کذالك اما لو شمره فی الصلاۃ تفسد لانه عمل کثیر۔ (اور یہ بھی مکروہ ہے کہ (آستین چڑھائی ہو (کہنیوں تک) اور یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ کہنیوں کے نیچے تک بھی چڑھائی ہوں تب بھی کراہت ہے کیونکہ یہ کفِ ثوب ہے حالانکہ وہ نماز میں ممنوع ہے جیسا کہ اس پر احادیث گزری ہیں اور یہ اس وقت ہے جب اس نے نماز سے باہر آستین کو چڑھایا تھا اور اسی حال میں نماز شروع کردی، اور اگر دوران نماز آستین چڑھاتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔" (فتاوی رضویہ، ج7، ص310 تا 311، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک مقام پر فرماتے ہیں "واقعی ساری پیچھے سے نہ کھولنا کراہت نماز کا موجب ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: امرت ان لا اکف شعراً ولا ثوباً۔" (فتاوی رضویہ، ج7، ص312 رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہو یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔" (بہار شریعت حصہ 3 ص84 مطبوعہ ضیاء القرآن)

نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری میں "ولا یــــکف" کی شرح کرتے ہوئے مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یعنی بال یا کپڑے کو غیر معتاد طریقے سے سمیٹنا، مثلاً بالوں کا جوڑا (مردوں کے لیے) باندھنا یا ان کو سمیٹ کر عمامے کے اندر کر لینا یا آستین چڑھا لینا یا تہبند اور پائجامے کو گھرس لینا اس سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج2، ص64، فرید بک سٹال لاہور)

مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "پائجامہ، تہبند، شلوار، پتلون یا کسی اور کپڑے کو نیچے سے موڑ دینا یا اوپر اٹھا کر اڑس لینا کفِ ثوب ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کفِ ثوب کے بارے میں ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس باب میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے: ((امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لا اکف شعراً ولا ثوبا)) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے اور بال اور کپڑے نہ سمیٹنے کا حکم

دیا گیا ہے۔اسی حدیث کی بناء پر ہمارے تمام فقہاء نے کفِ ثوب یعنی کپڑے سمیٹنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔علامہ علاء الدین حصکفی متوفی (1088ھ) نے درمختار میں لکھا: کرہ کف ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل "کپڑے کو اڑسنا یعنی اوپر اٹھانا جس طرح آستین اٹھائی یا دامن سمیٹا یا دامن سمیٹا جاتا ہے، مکروہ ہے۔اگرچہ مٹی سے بچنے کی خاطر ایسا کیا جائے۔...... یہ خیال رہے کہ جو نماز کراہتِ تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے"

(وقار الفتاوی، ج2، ص243، بزم وقار الدین، کراچی)

یاد رہے کہ شلوار نیفے کو باہر سے اندر کی طرف فولڈ کریں یا اندر سے باہر کی طرف، اسی طرح پینٹ کے پائنچے کو باہر کی طرف فولڈ کریں یا اندر کی طرف کریں، بہر صورت کفِ ثوب میں شمار ہوگا کیونکہ حدیث پاک اور جزئیات میں مطلقاً ممانعت آئی ہے اندر باہر کی قید نہیں۔

کفِ شعر یعنی بال سمیٹنے کی ممانعت صرف مرد کے لیے ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جوڑا باندھنے کی کراہت مرد کے لئے ضرور ہے، حدیث میں صاف نهی الرجل (مرد کو منع فرمایا) ہے، عورت کے بال عورت ہیں پریشان ہوں گے تو انکشاف کا خوف ہے اور چوٹی کھولنے کا اسے غسل میں بھی حکم نہ ہوا کہ نماز میں کف شعر گندھی چوٹی میں ہے جب اس میں حرج نہیں جوڑے میں کیا حرج ہے، مرد کے لئے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ سجدے میں وہ بھی زمین پر گریں اور اس کے ساتھ سجدہ کریں کما فی المرقاة وغیرہ (جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔) اور عورت ہرگز اس کے مامور نہیں، لاجرم امام زین الدین عراقی نے فرمایا: ھو مختص بالرجال دون النساء (یہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ، ج7، ص298، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر200

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّجَافِي فِي السُّجُودِ

سجدے میں (بازوؤں کو پہلو سے) جُدا رکھنے کا بیان

274-حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ،عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الأَقْرَمِ الخُزَاعِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ أَبِي بِالقَاعِ بِنْ نَمِرَةَ، فَمَرَّتْ رَكَبَةٌ، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي،قَالَ:فَكُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عُفْرَتَيْ إِبِطَيْهِ إِذَا سَجَدَ، أَرَى بَيَاضَهُ، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ،وَابْنِ بُحَيْنَةَ، وَجَابِرٍ، وَأَحْمَرَ بْنِ جَزْءٍ، وَمَيْمُونَةَ، وَأَبِي حُمَيْدٍ، وَأَبِي مَسْعُودٍ، وَأَبِي أُسَيْدٍ، وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ،وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ، وَالبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، وَعَدِيِّ بْنِ عَمِيرَةَ، وَعَائِشَةَ،قَالَ ابوعيسىٰ :حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَقْرَمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ، وَلَا نَعْرِفُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَقْرَمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هَذَا الحَدِيثِ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ،وَأَحْمَرُ بْنُ جَزْءٍ هَذَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ حَدِيثٌ وَاحِدٌ،وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَرْقَمَ الزُّهْرِيُّ، كَاتِبُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ،وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَرْقَمَ

حضرت عُبید اللہ اپنے والد عبداللہ بن اَقرم خزاعی سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ وادی نمرہ کے مقام ''قاع'' میں تھا اسی اثناء میں کچھ سوار گزرے اچانک دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں (راوی کا بیان ہے) جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام سجدہ کرتے تو مجھے آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت ابن عباس، حضرت ابن بُحینہ، حضرت جابر، حضرت اَحمر بن جزء، حضرت میمونہ، حضرت ابوحمید، حضرت ابومسعود، حضرت سہل بن سعد حضرت محمد بن سلمہ، حضرت براء بن عازب، حضرت عدی بن عُمیرہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن اَقرم کی حدیث ''حسن'' ہے جسے ہم داؤد بن قیس کے حوالہ سے ہی پہنچانتے ہیں۔

عبداللہ بن اَقرم کی اس کے علاوہ کوئی حدیث منقول نہیں۔ علما کا اسی پر عمل ہے۔

اوراحمر بن جزء ایک صحابی ہیں، اُن کی ایک حدیث (منقول) ہے۔ اور عبداللہ بن اَرقم زہری حضرت

الْخُزَاعِيُّ إِنَّمَا يُعْرَفُ لَهُ هَذَا الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے۔اور عبداللہ بن ارقم خزاعی سے بھی فقط یہ حدیث معروف ہے۔

تخریج حدیث 274:(سنن ابن ماجہ، باب السجود، ج 1،ص 285،حدیث 881،دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ مسند الشافعی، ومن کتاب استقبال القبلۃ فی الصلاۃ، ج 1،ص 40، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ مسند الحمیدی، حدیث عبداللہ ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج 2،ص 167، حدیث 952، دار السقا، دمشق)

شرح حدیث

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دورانِ سجدہ اپنے بازو کروٹوں سے جدا رکھتے تھے کیونکہ بغلوں کی سفیدی اسی صورت میں ظاہر ہوگی جبکہ بازو کروٹوں سے جدا ہوں جیسا کہ علامہ محمد بن عبد الہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں: یہ بغلوں کی سفیدی صرف اسی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب بازو کروٹوں سے جدا رکھے کیے جائیں۔ (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب السجود، ج1، ص287، دار الجیل، بیروت)

سجدہ میں اعضاء ایک دوسرے سے جدا رکھنے کی حکمتیں

علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ) فرماتے ہیں:

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: سجود میں اس حالت کے مستحب ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اس حالت میں چہرے پر اعتماد خفیف وآسان ہوجاتا ہے اور سجدہ کرنے والے کی ناک اور پیشانی متاثر نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ (سجدہ کی حالت میں) زمین کی ملاقات سے اذیت پاتا ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے علما نے کہا: یہ حالت تواضع کے زیادہ مشابہ ہے اور اس میں پیشانی اور ناک زمین پر جمانے میں زیادہ مبالغہ ہے مزید یہ سستی کی حالت کے بھی مخالف ہے۔ ناصر دین بن منیر نے حاشیہ میں کہا: اس میں یہ حکمت ہے کہ ہر عضو بذاتہ ظاہر اور ممتاز ہوجائے یہاں تک ایک انسان اپنے سجدہ میں یوں ہوجائے گویا وہ متعدد ہو اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ ہر عضو بنفسہ مستقل ہوجائے اور بعض اعضاء بعض پر حالت سجود میں اعتماد کیے ہوئے نہ ہوں۔ اور یہ مخالف ہے اس حکم کے جو صفوں میں ایک عضو کو دوسرے عضو سے ملانے کے حوالے سے موجود ہے کیونکہ وہاں نمازیوں کے درمیان اتحاد کو ظاہر کرنا ہے گویا وہ ایک جسم کی مانند ہیں۔ (فتح الباری لابن حجر، قولہ باب یبدی ضبعیہ الخ، ج2، ص294، دار المعرفہ، بیروت)

یہ حکم وجوبی یا استحبابی

علامہ ابن حجر عسقلانی مزید فرماتے ہیں:

امام طبرانی اور ان کے علاوہ محدثین نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیح اسناد کے ساتھ بیان کی کہ ارشاد فرمایا: ((لَا تَفْتَرِشِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ وَادَّعِمْ عَلَى رَاحَتَيْكَ وَأَبْدِ ضَبْعَيْكَ فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ سَجَدَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْكَ)) ترجمہ: درندے کی طرح کلائیاں نہ بچھاؤ اور اپنے ہاتھوں کے ساتھ ٹیک لگاؤ اور بغلوں کو جدا رکھو، جب تو نے اس طرح سجدہ کیا تو تیرا ہر عضو تیرے ساتھ سجدہ کرے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جسے امام مسلم نے روایت کیا: ((نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنی کلائیاں درندے کی طرح بچھائے۔ امام ترمذی نے عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی اور اس کی تحسین فرمائی، کہ وہ فرماتے ہیں: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ إِذَا سَجَدَ)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی طرف دیکھ رہا تھا۔

اور امام ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا کہ ((إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ وَلْيَضُمَّ فَخِذَيْهِ)) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنی کلائیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے، اور اسے چاہیے کہ اپنی رانوں کو ملا دے۔ امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کی اور وہ حضرت عبداللہ بن ارقم کی حدیث کی مثل ہے اور ان سے امام حاکم نے روایت کی: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ يُرَى وَضَحُ إِبْطَيْهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔ اور امام مسلم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت بیان کی: ((إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ)) ترجمہ: جب تو سجدہ کرے تو اپنی ہتھیلیاں رکھ دے اور کہنیوں کو اٹھالے۔ ان احادیث کے ساتھ میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث امام مسلم نے بیان کی کہ: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَافِي يَدَيْهِ فَلَوْ أَنَّ بَهِيمَةً أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ لمرت)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ رکھتے کہ اگر بکری کا چھوٹا بچہ اس میں سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔ مزید ابن بحینہ کی حدیث جو وہاں معلق مذکور ہے تو ان تمام احادیث کا ظاہر تفریج مذکور (یعنی ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا رکھنے) کے وجوب پر دلالت کر رہا ہے۔ لیکن امام ابو داؤد نے وہ حدیث روایت کی جو اس کے استحباب پر دلالت کر رہی ہے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ((شَكَا أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ مَشَقَّةَ السُّجُودِ عَلَيْهِمْ إِذَا انْفَرَجُوا فَقَالَ اسْتَعِينُوا بِالرُّكَبِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی سجدہ کی مشقت کی شکایت کی جب وہ کھل کر سجدہ کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھٹنوں سے مدد حاصل کرو۔ اور اس حدیث کا ''ترجمۃ الباب'' بھی ترکِ تفریج میں رخصت کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ابن عجلان نے کہا کہ یہ یوں ہے کہ نمازی اپنی کہنیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لے جب سجدہ طویل ہو جائے اور وہ تھک جائے۔ (فتح الباری لابن حجر، قولہ باب یبدی ضبعیہ الخ، ج2، ص294، دار المعرفہ، بیروت)

سجدے میں بازؤں کو پہلو سے جدا رکھنے کے بارے میں مذاہب اربعہ

احناف کے نزدیک مرد کے لیے سجدہ میں سنت یہ ہے کہ بازو کروٹوں (پہلوؤں) سے جدا ہوں، اور پیٹ رانوں سے جدا ہوں اور کلائیاں زمین پر نہ بچھائے، ہاں جب صف میں ہو تو بازو کروٹوں سے جدا نہ ہوں گے۔ جبکہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے، یعنی بازو کروٹوں سے ملا دے، اور پیٹ ران سے، اور ران پنڈلیوں سے، اور پنڈلیاں زمین سے۔ حنابلہ کے نزدیک بھی اسی طرح کرنا سنت ہے جبکہ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک یہ مستحب ہے، تفصیل نیچے ملاحظہ ہو۔

الاحناف

علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی حنفی (متوفی) نماز کی سنتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نمازی سجدے میں اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے اور کہنیوں کو اپنی کروٹوں سے اور کلائیوں کو زمین سے جدا رکھے.......

اور عورت سمٹ کر سجدہ کرے اور اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملا دے۔ (نور الایضاح، فصل فی سنتھا، ج 1، ص 57، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

(اور وہ اپنی بغلوں کو ظاہر کرے) اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عبد اللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ يُجَنِّحُ حَتَّى يُرَى وَضَحُ إِبْطَيْهِ أَيْ بَيَاضُهُمَا)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بازو رکھتے ہوئے سجدہ کرتے تو آپ کی بغلیں دکھائی دیتیں۔ یعنی ان کی سفیدی نظر آتی۔ کہا گیا کہ جب صف میں ازدحام ہو تو کہنیوں کو کھلا نہ رکھے تا کہ اس کے ساتھ والے کو تکلیف نہ ہو، بخلاف اس صورت میں کہ جب ازدحام نہ ہو۔ **(اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا رکھے)** حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے سبب کہ ((كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافَى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى إِنَّ بَهْمَةً لَوْ أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ مَرَّتْ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے بازوؤں کو جدا رکھتے یہاں تک بکری کا چھوٹا بچہ اگر آپ کے ہاتھوں کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر جاتا۔

(اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی جانب رکھے) حضرت ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے سبب کہ: ((أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضَهُمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرماتے تو اپنے بازوؤں کو بچھاتے نہ ہی اپنے ساتھ ملا لیتے اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں کے سرے قبلہ کی جانب رکھتے........ **(اور عورت سمٹ کر سجدہ کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملا لے)** اس حدیث کی بنا پر جو حضرت یزید بن حبیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ فَقَالَ إِذَا

سَجَدْتُمَا فضمَّا بعض اللَّحْمِ إلَى بَعْضٍ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِي ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ)) ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتی ہوئی دو عورتوں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ جب تم دونوں سجدہ کرو تو اپنے بعض گوشت کو بعض سے ملا لو پس بے شک عورت اس معاملے میں مرد کی طرح نہیں ہے۔ (تبیین الحقائق فصل الشروع فی الصلاۃ الخ، ج1، ص118، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

الحنابلہ

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

(اور اپنے بازوؤں کو اپنی کروٹ سے، اپنے پیٹ کو اپنی رانوں اور اپنی رانوں کو اپنی پنڈلیوں سے جدا رکھے، اور اپنی (پاؤں کی) انگلیوں کے اطراف پر سجدہ کرے۔) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک یہ سنت ہے کہ جب کوئی سجدہ کرے تو سجدے میں اپنے بازو اپنی کروٹوں سے، اپنا پیٹ اپنی رانوں سے جدا رکھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔ امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل نے اپنے رسالہ میں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ جب سجدہ کرتے اگر جانور کا بچہ گزرنا چاہتا گزر جاتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے بازو اور کہنیوں کو اٹھانے میں مبالغہ فرماتے۔ اسی طرح اس کو امام ابوداؤد نے بھی حضرت ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بیان کیا کہ: ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ جَافَى عَضُدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے بازو اپنی کروٹوں سے جدا رکھتے۔ ابوداؤد کے الفاظ میں یہ بھی ہے: ((ثُمَّ سَجَدَ فَأَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)) ترجمہ: پھر سجدہ کیا اور اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر جما دیا اور اپنے بازو اپنی کروٹوں سے جدا رکھے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر رکھا۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ یجافی عضدیہ عن جنبیہ، ج1، ص373، مکتبۃ القاہرہ)

الشوافع

علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

سجدہ میں اپنے بازو اپنی کروٹوں سے جدا رکھنا مستحب ہے، اس حدیث کی بنا پر جو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ((أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد جافى عضديه عن جنبيه)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے بازو اپنی کروٹوں سے جدا رکھتے۔ اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا رکھے اس حدیث کی بنا پر جو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد جخ)) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے جدا رکھتے۔ اور اگر عورت ہو تو اپنی جسم کے بعض اعضا کو بعض سے ملالے کیونکہ اس کے لیے اس

میں ستر زیادہ ہے۔
(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 145,146، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

المالکیہ

علامہ محمد بن یوسف غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

(سجدہ میں آدمی اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے اور اپنی کہنیوں اور گھٹنوں کو جدا رکھے) قاضی عیاض مالکی اس بارے فرماتے ہیں: نماز کے فضائل اور اس کے مستحبات میں سے ہے کہ آدمی رکوع اور سجود میں اپنے بازو اپنی کروٹوں سے جدا رکھے اور ان دونوں کو نہ ملائے اور اپنے کلائیوں کو نہ بچھائے۔ "مدونہ" میں فرمایا: سجود میں اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا رکھے اور اپنے بازو کو درمیانے انداز میں جدا رکھے۔ ابن شاس نے گھٹنوں کے درمیان فرق رکھنے کو مستحب قرار دیا۔ رسالہ میں ہے: اور تو اپنے بازوں کو اپنی کروٹوں سے جدا رکھ۔ پھر فرمایا: بہر حال عورت سجود میں، بیٹھنے میں اور تمام معاملات میں جسم کو ملانے والی اور سمیٹنے والی رہے۔
(التاج والاکلیل لمختصر خلیل، ج 2، ص 245,246، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کیا حضرت عبد اللہ بن اقرم سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے؟

علامہ مغلطائی بن قلیج بن عبد اللہ مصری حنفی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کہ "حضرت عبد اللہ بن اقرم سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے" میں نظر ہے، کیونکہ امام بغوی نے اپنی کتاب "معرفۃ الصحابہ" میں ان سے ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ عبد الرحمٰن بن محمد نے روایت کیا ولید بن سعید سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن اقرم کو فرماتے سنا، انہوں نے فرمایا: ((سمعت النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول في قوله تعالى: ﴿تساقط عليك رُطَبًا جَنِيا﴾ الحديث)) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا..... الخ۔ امام بغوی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد میں لین (نرمی و کمزوری) ہے۔
(شرح ابن ماجہ لمغلطائی، کتاب الصلاۃ، باب السجود، جلد 1، ص 1487، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، عرب)

باب نمبر 201
بَابُ مَا جَاءَ فِیْ الاِعْتِدَالِ فِی السُّجُودِ
سجدے میں اعتدال

275- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ:حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ، عَنْ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ،أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَعْتَدِلْ،وَلَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ،وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شِبْلٍ، وَأَنَسٍ، وَالْبَرَاءِ،وَأَبِي حُمَيْدٍ، وَعَائِشَةَ،قَال ابوعيسیٰ :حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ:يَخْتَارُونَ الاِعْتِدَالَ فِي السُّجُودِ، وَيَكْرَهُونَ الاِفْتِرَاشَ كَافْتِرَاشِ السَّبُعِ "

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اعتدال سے کرے اور اپنے بازوؤں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: اور اس باب میں حضرت عبدالرحمٰن بن شبل، حضرت براء، حضرت انس، حضرت ابوحمید اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔ اور علما کا اس پر عمل ہے وہ سجدے میں اعتدال کو پسند کرتے ہیں اور درندوں کی طرح (اپنے ہاتھ) بچھانے کو مکروہ جانتے ہیں۔

276- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ:حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَال :سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ :إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَبْسُطَنَّ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ فِي الصَّلَاةِ بَسْطَ الْكَلْبِ،قال ابوعيسیٰ : هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حدیث: حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا: سجدے میں اعتدال کرو اور تم میں سے کوئی نماز میں کتے کی مانند اپنے بازوؤں کو نہ بچھائے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔

تخریج حدیث 275: (سنن نسائی، باب النهی عن بسط الذراعین فی السجود، ج2، ص 211، حدیث 1103، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب الاعتدال فی السجود،

ج1،ص288،حدیث891،داراحیاء الکتب العربیہ،بیروت)

تخریج حدیث276:(صحیح بخاری،باب المصلی یناجی ربہ عزوجل،ج1،ص112،حدیث532،دار طوق النجاۃ☆صحیح مسلم،باب الاعتدال فی السجود،ج1،ص355،حدیث 493،داراحیاء التراث العربی،بیروت☆سنن ابی داؤد،باب صفۃ السجود،ج1،ص236،حدیث897،المکتبۃ العصریہ،بیروت☆سنن نسائی،الاعتدال فی السجود،ج2،ص183، حدیث1028،مکتب المطبوعات الاسلامیہ،حلب☆سنن ابن ماجہ،باب الاعتدال فی السجود،ج1،ص288،حدیث892،داراحیاء الکتب العربیہ،بیروت)

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((اعتدال کرو)) یعنی کلائیاں زمین پر بچھانے اور پہلوؤں سے ملانے کی درمیانی حالت پر ہو جاؤ اور حاصل یہ ہے کہ اعتدال سجود سے مراد انسان کا کلائیاں زمین پر بچھانے اور پہلوؤں سے ملانے کی درمیانی حالت پر ہونا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب لا یفترش ذراعیہ فی السجود، ج6، ص97، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ عبدالرؤف مناوی (متوفی 1031ھ) فرماتے ہیں:

((جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اعتدال کرے)) یعنی سجدہ میں کلائیاں زمین پر بچھانے اور ان کو سمیٹنے کی درمیانی حالت کو اختیار کرے یوں کہ ہاتھوں کو زمین پر رکھے اور اپنی کلائیوں کو زمین سے اٹھالے اور پہلوؤں کو کلائیوں سے جدا رکھے کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے اور اس میں نماز کو زیادہ اہتمام سے پڑھنا پایا جاتا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ بے شک اپنے پیٹ اور کہنیوں کو اپنی رانوں اور پہلوؤں سے جدا رکھنا مستحب ہے لیکن یہ خطاب مردوں کے لئے ہے جیسا کہ اس کو "باحدکم" (یعنی مذکر کے صیغے کے) ساتھ تعبیر کرنا اس پر دلالت کررہا ہے بہرحال عورت اپنے اعضا کو ایک دوسرے کے ساتھ ملائے گی اس لئے کہ اس کے لئے ستر مطلوب ہے۔

((اور اپنی کلائیوں کو نہ بچھائے)) بایں طور کہ وہ اپنی کلائیوں کو یوں کردے جیسا کہ فرش اور بچھونا ہوتا ہے۔

((کتے کی طرح بچھانا)) کیونکہ اس میں افضل العبادات نماز کی توہین پائی جاتی ہے پس اگر نمازی نے ایسا کیا تو وہ اساءت اور کراہتِ تنزیہی کا مرتکب قرار پائے گا اور کلب عربی میں ہر کاٹنے والے درندے کو کہتے ہیں، غالب طور پر اس کا اطلاق کتے پر ہوتا ہے۔ اور ابو داؤد کی حدیث نے اس کو وجوب سے پھیرا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں علیحدہ نماز پڑھنے کی صورت میں سجدہ کی مشقت کے حوالہ سے شکایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھٹنوں سے مدد حاصل کرو یعنی کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کے ساتھ جیسا کہ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی ابن عجلان نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ (فیض القدیر، حرف الہمزہ، ج1، ص373، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

اعتدال کرنے اور کلائیاں نہ بچھانے کی حکمتیں

علامہ عینی "شرح ابی داؤد" میں فرماتے ہیں:

((اور اپنی کلائیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے)) اور اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ حالت تواضع کے زیادہ قریب اور ناک اور پیشانی زمین پر جمانے میں زیادہ کفایت والی اور سستی کی ہیئت سے دور ہے پس بیشک کلائیاں پھیلانے والا کتے کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور اس کی حالت نماز کے ہلکا ہونے کو اور اس کے اہتمام کرنے اور اس کی طرف توجہ کرنے کی کمی کو بتلاتی ہے پس اگر وہ اسے ترک کرے گا تو وہ اساءت اور کراہت تنزیہی کا مرتکب ہوگا اور اس کی نماز صحیح ہے۔

(شرح ابی داؤد، باب صفۃ السجود، ج4، ص118، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ محمد بن عبد الہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

((پس نمازی اعتدال کرے)) یعنی کلائیاں زمین پر بچھانے اور ان کو سمیٹنے کی درمیانی حالت کو اختیار کرے یوں کہ ہاتھوں کو زمین پر رکھ دے اور کہنیوں کو زمین سے اٹھالے اور پیٹ کو ران سے جدا رکھے یہ حالت تواضع کے زیادہ قریب اور پیشانی کو زمین پر جمانے میں زیادہ آسان ہے اور سستی سے دور ہے اور کتے کی طرح کلائیاں بچھانے سے مراد کہ کہنیوں کو ہاتھوں سمیت زمین پر رکھنا ہے۔ (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب الاعتدال فی السجود، ج1، ص289، دار الجیل، بیروت)

نماز میں جانوروں کی ہیئت اپنانے کی ممانعت

علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی (متوفی 1182ھ) فرماتے ہیں:

"پس وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے" پس بے شک اس کے بیٹھنے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ وہ ہاتھوں کو ٹانگوں پر مقدم کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کی ہیئت میں تمام حیوانوں کی مخالفت کرنے کا حکم دینا ثابت ہے پس آپ علیہ السلام نے لومڑی کی طرح چہرے کو پھیرنے اور درندوں کی طرح کلائیاں بچھانے اور کتے کی طرح سرین کے بل بیٹھنے اور کوے کی طرح چونچ مارنے اور سرکش گھوڑوں کے دم ہلانے کی طرح ہاتھوں کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سبل السلام، ہیئۃ النزول الی السجود، ج1، ص281، مطبوعہ دار الحدیث)

سجدے میں بازو بچھانے کے بارے میں ائمہ اربعہ کی آرا

احناف کا موقف

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) سجدے کی سنتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سجدے کی سنتوں میں سے ہے کہ سجدہ میں اعتدال کرے اور اپنی کلائیاں نہ بچھائے اس وجہ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَسْجُدْ أَحَدُكُمْ وَهُوَ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ

كَالْكَلْبِ)) ترجمہ: سجدہ میں اعتدال کرو اور تم میں سے کوئی بھی کتے کی طرح اپنی کلائیاں نہ بچھائے۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا نفل میں بچھائے اور فرض میں نہ بچھائے اور یہ بات درست نہیں اس حدیث پاک کی بنا پر جو ہم نے (نفل اور فرض میں) بغیر فرق کے روایت کی اور یہ مرد کے حق میں ہے بہرحال عورت کو تو یہی چاہیے کہ اپنی کلائیاں بچھائے اور پست ہو اور مرد کی طرح نہ کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے اس لئے کہ اس میں اس کا پردہ زیادہ ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر الخ، ج1، ص210، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

(اور نمازی اپنے سجدے میں اعتدال کی حالت پر رہے) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: اہل علم سجدہ میں اعتدال کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَعْتَدِلْ وَلَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ)) جب تم میں سے کوئی بھی سجدہ کرے تو وہ اعتدال کے ساتھ کرے اور کتے کی طرح اپنی کلائیاں نہ بچھائے۔ اور امام ترمذی نے ارشاد فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کیا ہے، اس روایت کو امام ابوداؤد نے بیان کیا ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَسْجُدْ أَحَدُكُمْ وَهُوَ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ)) ترجمہ: سجدہ کرنے میں اعتدال کرو اور تم میں سے کوئی بھی کتے کی طرح اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے سجدہ نہ کرے۔ اور یہ افتراش جس سے حدیث پاک میں منع فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ نمازی اپنی کلائیاں زمین پر بچھادے جیسا کہ درندے کرتے ہیں اور اہل علم نے اس چیز کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلہ یجافی عضدیہ عن جنبیہ، ج1، ص373، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابو الحسین یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی 558ھ) فرماتے ہیں:

اور اپنی کہنیوں کو اٹھالے اور ہتھیلیوں پر سہارا لے اس حدیث پاک کی وجہ سے جس کو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا سجدت..... فضع كفيك وارفع مرفقيك)) جب تو سجدہ کرے تو اپنی ہتھیلیوں کو (زمین سے) ملادے اور اپنی کہنیوں کو اٹھالے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إذا سجد أحدكم.

.فلا یفترش ذراعیه افتراش الکلب)) جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنی کلائیاں کتے کی طرح نہ بچھائے۔

(البیان فی مذہب الامام الشافعی، مسئلہ فرضیۃ السجود، ج 2، ص 221، دار المنہاج، جدہ)

مالکیہ کا موقف:

فقہ مالکی کی کتاب " کفایۃ الطالب الربانی" میں ہے:

(اپنی کلائیوں کو زمین پر نہ پھیلاؤ) درندوں کی طرح کلائیاں پھیلانا اُس حدیث پاک کی وجہ سے جو صحیح طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی طرح کلائیاں پھیلانے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کتے کی طرح کلائیاں بچھانے سے منع فرمایا ہے۔

(اور اپنے بازوؤں کو اپنے پہلوؤں کے ساتھ نہ ملائے لیکن انہیں درمیانے انداز میں پھیلائے) اور یہ بازوؤں کو پھیلانا مردوں کے حق میں مستحب ہے۔ (کفایۃ الطالب الربانی مع حاشیۃ العدوی، باب فی صفۃ العمل فی الصلاۃ، ج 1، ص 270، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر202

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ فِي السُّجُودِ

سجدے میں ہاتھوں کو رکھنے اور پاؤں کو کھڑ ے کرنے کا بیان

277- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ :أَخْبَرَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ،

278- قَالَ عَبْدُ اللَّهِ:وَقَالَ الْمُعَلَّى: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ،عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْيَدَيْنِ .فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ. قال ابوعيسىٰ :وَرَوَى يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ مُرْسَلٌ، وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ وُهَيْبٍ، وَهُوَ الَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَاخْتَارُوهُ "

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (سجدے میں)ہاتھوں کو رکھنے اور پاؤں کو کھڑا کرنے کا حکم فرمایا۔

عبداللہ نے بواسطہ مُعلّٰی ،حماد بن مسعدہ،محمد بن عجلان،محمد بن ابراہیم،عامر بن سعد، سے یہ ہی حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو رکھنے کا حکم فرمایا،اور اس کی مثل حدیث ذکر کی ،لیکن اس میں عامر کے والد (سعد)کا ذکر نہیں ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں اور یحیی بن سعید قطان اور کئی راویوں نے بواسطہ محمد بن عجلان اور محمد بن ابراہیم،حضرت عامر بن سعد سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (سجدے میں)ہاتھوں کو رکھنے اور پاؤں کو کھڑا کرنے کا حکم فرمایا،یہ حدیث مرسل ہے،اور یہ وہیب کی روایت کے مقابلہ میں اصح ہے۔اس مسئلہ پر علما کا اجماع ہے اور ان سب نے اُسے اختیار کیا ہے۔

تخریج حدیث277,278:(مصنف عبدالرزاق،باب السجود،ج2،ص174،حدیث2944،المکتب الاسلامی،بیروت☆مصنف ابن ابی شیبہ،باب ما یسجد علیہ من الیدالخ،ج1، ص234،حدیث2677،مکتبۃ الرشد،ریاض☆مسند البزار،وممارویٰ محمد بن ابراہیم التیمی الخ،ج3،ص316 حدیث1111،مکتبۃ العلوم والحکم،المدینۃ المنورہ)

شرح حدیث

اس حدیث پاک میں حکم دیا گیا کہ سجدے میں دونوں ہاتھ (ہتھیلیاں) زمین پر رکھیں اور پاؤں کھڑے رکھیں یعنی انگلیوں کے پیٹ پر سجدہ کیا جائے، پیچھے "بَابُ مَاجَاءَ فِی السجود علی الجبهة والانف" میں یہ تفصیل بیان ہو چکی کہ احناف کے راجح قول میں ہتھیلیاں زمین پر رکھنا واجب ہے جبکہ پاؤں (انگلیوں) کا کچھ نہ کچھ حصہ لگنا فرض ہے، شوافع کا سجدے میں ہاتھ اور پاؤں لگانے کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ واجب ہے اور دوسرا یہ کہ واجب نہیں (بلکہ سنت ہے)، حنابلہ کے نزدیک ہاتھ اور پاؤں دونوں سجدے میں لگانا واجب ہے، مالکیہ کے نزدیک ہاتھ لگانا واجب ہے جبکہ پاؤں کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ واجب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے۔

سجدے میں پاؤں کی انگلیاں لگانے کا حکم

سجدہ میں پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگنا فرض ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب ہے، اور دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور دسوں کا قبلہ رُو ہونا بھی سُنت ہے۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فرماتے ہیں:

سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج3، ص253، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط (ہے)، تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے، نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی، جب بھی نہ ہوئی اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں۔

(بہار شریعت، ج1، حصہ3، ص513، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید فرماتے ہیں:

سجدہ میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دسوں کا قبلہ رُو ہونا سُنت۔ (بہار شریعت، ج1، حصہ3، ص530، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اعلیٰ حضرت اپنے ایک تفصیلی فتویٰ میں فرماتے ہیں:

پاؤں کی انگلی پر اعتماد نہ ہوا سجدہ نہ ہوا اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی، امام ابوبکر جصاص وامام کرخی وامام قدوری وامام برہان الدین صاحب ہدایہ وغیرہم اجلہ ائمہ نے اس کی تصریح فرمائی، محیط وخلاصہ و بزازیہ وکافی وفتح القدیر وسراج وکفایہ ومجتبیٰ و شرح المجمع للمصنف ومنیہ وغنیۃ شرح منیہ وفیض المولی الکریم وجوہرۂ نیرہ ونورالایضاح ومراقی الفلاح ودر منتقی و در مختار وعلمگیر یہ و فتح المعین علامہ ابوالسعو دازہری وحواشی علامہ نوح آفندی وغیرہا کتب معتمدہ میں اسی پر جزم فرمایا زاہدی نے کہا یہی ظاہر الروایۃ ہے علامہ ابراہیم کرکی نے فرمایا: اسی پر فتوی ہے، جامع الرموز میں قنیہ سے نقل کیا یہی صحیح ہے، ردالمحتار میں لکھا کتب مذہب میں یہی مشہور ہے۔

درمختار میں ہے: فيه (اى فى شرح الملتقى) يفترض وضع اصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة والا لم تجز والناس عنه غافلون وشرط طهارة المكان وان يجد حجم الارض والناس عنه غافلون اه ملخصاً (شرح الملتقی میں ہے قدم کی انگلیوں کا زمین پر جانب قبلہ رکھنا فرض ہے خواہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو ورنہ جائز نہیں اور لوگ اس سے غافل ہیں اور مکان کا پاک ہونا بھی شرط ہے اور حجم زمین کو پانا اور لوگ اس سے بھی غافل ہیں۔ت)

اسی میں ہے: منها (اى من الفرائض) السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط۔ (ان میں سے (یعنی فرائض میں سے) پیشانی اور قدمین پر سجدہ کرنا ہے اور ان دونوں پاؤں میں سے ایک انگلی کا لگنا شرط ہے۔ت)

منیہ میں ہے: لو سجد ولم يضع قدميه على الارض لايجوز ولو وضع احدهما جاز۔ (اگر سجدہ کیا لیکن قدم زمین پر نہ لگے تو وہ جائز نہ ہوگا اور اگر ان سے ایک قدم لگ گیا تو جائز ہوگا۔ت)

غنیہ میں ہے: المراد من وضع القدم وضع اصابعها قال الزاهدى ووضع رؤس القدمين حالة السجود فرض، وفى مختصر الكرخى سجد ورفع اصابع رجليه عن الارض لاتجوز، وكذا فى الخلاصة والبزازى وضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعا واحدة اووضع ظهرالقدم بلااصابع ان وجع مع ذلك احدى قدميه صح والافلا، فهم من هذا ان المراد بوضع الاصابع توجيهها نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها والافهو وضع ظهرالقدم وقدجعله غيرمعتبر وهذا ممايجب التنبيه له فان اكثرالناس عنه غافلون۔ (قدم رکھنے سے مراد اس کی انگلیوں کو رکھنا ہے، زاہدی نے کہا حالت سجدہ میں دونوں قدموں کی انگلیوں کے سروں کا زمین پر رکھنا فرض ہے۔ مختصر کرخی میں ہے اگر کسی نے سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں زمین سے اٹھی رہیں تو سجدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح خلاصہ میں ہے۔ بزازیہ میں قدم رکھنے سے مراد انگلیوں کا رکھنا ہے اور اگر قدم کی پشت انگلیوں کے بغیر لگائی تو اگر اس کے ساتھ کسی ایک قدم کو بھی لگایا تو صحیح ورنہ نہیں، اس سے یہ بھی سمجھ آ رہا ہے کہ انگلیوں کے رکھنے سے مراد انہیں قبلہ کی طرف کرنا ہے تا کہ ان پر ٹیک ہو ورنہ قدم کی پشت پر ہوگا اور

اُسی میں زیرِقولِ کنز "وجه اصابع رجليه نحو القبلة" (پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرکے زمین پر لگایا جائے۔

ت)فرمایا:خص اصابع الرجلين بالذكر مع ان اصابع اليدين كذلك حتى يكره تحويلها عن القبلة انما خصها وضعها موجهة كما ذكره نوح افندى ونصه قال الزاهدى ووضع رؤس القدمين حالة السجود فرض وفى مختصر الكرخى سجد ورفع اصابع رجليه عن الارض لايجوز قال وفهم من هذا ان المراد بوضع الاصابع توجيهها نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها والا فهو وضع لظهر القدم وهو غير معتبر الخ وكذا الحلبى عن المنية الخ۔(یہاں پاؤں کی انگلیوں کا ذکر ہوا ہے حالانکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا لگنا بھی اسی طرح ہے حتی کہ ان کا قبلہ سے پھر جانا بھی مکروہ ہے مگر مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا فرض ہے جیسا کہ نوح آفندی نے ذکر کیا اور اس کے الفاظ یہ ہیں زاہدی نے کہا حالت سجدہ میں قدمین کی انگلیوں کے سروں کا لگنا فرض ہے، مختصر کرخی میں ہے کسی نے سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں زمین پر نہ لگیں تو یہ جائز نہیں، اور فرمایا اس سے یہ بھی سمجھ آ رہا ہے کہ انگلیوں کے لگانے سے مراد انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ہے تا کہ اعتماد ان پر ہو ورنہ تو پشت قدم پر ہوگا جو معتبر نہیں الخ حلبی میں منیہ سے یہی ہے۔ت)

نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:من شرط صحة السجود وضع شئى من اصابع الرجلين موجها بباطنه نحو القبلة ولايكفى لصحة السجود وضع ظاهر القدم۔صحت سجدہ کے لئے پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر زمین پر لگنا شرط ہے فقط ظاہر قدم کا زمین پر لگنا کافی نہیں۔ت) (فتاوی رضویہ،ج7،ص363 تا 367،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ "جد الممتار" میں ارشاد فرماتے ہیں:''انما ارادوا رحمهم الله تعالى على ماالهمنى الملك المنعام عزجلاله ان يقولوا:يفترض وضع بطن الاصبع ولايكفى وضع ظهرها ولا رأسها الكائن عند ظفرها لان على الاول يكون وضع ظهر القدم وقد اسقطوه عن الاعتبار وعلى الثانى يكون وضعا مجردا عن الاعتماد والمقصود الاعتماد، وقد بين هذا بقوله:(ليكون الاعتماد عليها والا فهو وضع ظهر القدم و قد جعله غير معتبر) ......وذلك مانقل الامام ابن اميرالحاج فى الحلبة عن التحقيق مقرا عليه(المعتبر فى القدمين بطون الاصابع)''ترجمہ:اللہ تعالی نے جو مجھے الہام کیا ہے اس کے مطابق فقہاء یہ فرمانا چاہتے ہیں:انگلی کا پیٹ رکھنا فرض ہے اور انگلی کی پیٹھ کا رکھنا کافی نہیں اور نہ انگلی کے اس سرے کا رکھنا کافی ہے جو انگوٹھے کے پاس ہے اس لئے کہ پہلی صورت میں قدم کی پیٹھ رکھنا ہوگا اور اس کا فقہاء نے اعتبار نہیں کیا اور دوسری صورت میں قدم کا محض رکھنا ہوگا، اعتماد نہیں پایا جائے گا حالانکہ مقصود اعتماد ہے اور اس چیز کو علامہ شامی نے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے:تا کہ انگلی پر اعتماد ہو ورنہ تو وہ قدم کی پیٹھ کا رکھنا ہوگا اور اس کو انہوں نے غیر معتبر قرار دیا ہے۔اور یہ وہی ہے جسے امام ابن امیر الحاج نے حلبہ میں تحقیق کے حوالے سے نقل کیا اسے

اسے تو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے اور اس پر متنبہ ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔ت)

بحرالرائق وشرنبلالیہ میں ہے: السجود فی الشریعة وضع بعض الوجه ممالاسخرية فيه وخرج بقولنا لاسخرية فيه ما اذا رفع قدميه فی السجود فانه لايصح لان السجود مع رفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظيم والاجلال ويكفيه وضع اصبع واحدة فلو لم يضع الاصابع اصلا ووضع ظاهر القدم فانه لايجوز لان وضع القدم بوضع الاصبع اه ملتقطا۔ (شریعت میں سجدہ یہ ہے چہرہ کا زمین پر رکھنا اور اس میں تمسخر یت نہ ہو "لاتمسخریۃ فیہ" سے وہ صورت خارج ہوجاتی ہے جس میں دونوں قدم حالت سجدہ میں زمین پر نہ ہوں کیونکہ حالت سجدہ میں ان کا زمین سے اٹھا ہوا ہونا تعظیم وعزت کے بجائے مذاق پر دلالت کرتا ہے اور اس میں ایک انگلی کا زمین پر لگ جانا کافی ہوتا ہے۔ پس اگر کسی نے انگلیاں بالکل نہیں لگائیں مگر پشت قدم کو لگایا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قدم کے رکھنے سے مراد انگلی کا لگانا ہے۔ت)

جوہرہ نیّرہ میں ہے: من شرط جواز السجود ان لايرفع قدميه فان رفعهما فی حال سجوده لاتجزيه السجدة وان رفع احدهما قال فی المرتبة يجزيه مع الكراهة ولوصلی عن الدكان وادلی رجليه عن الدكان عند السجود لايجوزو كذا علی السرير اذا ادلی رجليه عنها لايجوز۔ (جواز سجدہ کے لئے شرط یہ ہے کہ دونوں قدم زمین سے اُٹھے ہوئے نہ ہوں اگر حالت سجدہ میں اٹھے ہوئے رہے تو سجدہ جائز نہیں ہوگا، اور اگر ان میں ایک رکھا ہوا تھا تو مرتبہ میں ہے کہ سجدہ جائز مگر مکروہ ہوگا، اگر کسی نے اونچی جگہ نماز پڑھی اور سجدہ کے وقت پاؤں نیچے لڑھکا دیئے تو جائز نہیں، اسی طرح چارپائی سے اگر پاؤں نیچے لڑھکا دیئے تو سجدہ نہ ہوگا۔ت)

فتح القدیر میں ہے: اما افتراض وضع القدم فلان السجود قدم مع رفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظيم ولاجلال ويكفيه وضع اصبع واحدة وفی الوجيزوضع القدمين فرض فان رفع احدهما دون الاخری جاز و يكره۔ (قدم کا زمین پر لگنا اس لئے ضروری ہے کہ ان کا اٹھا ہوا ہونا تعظیم وعزت کے بجائے مذاق کے زیادہ قریب ہے البتہ ایک انگلی کا لگ جانا بھی کافی ہوتا ہے وجیز میں ہے کہ دونوں قدموں کا لگانا فرض ہے اگر ایک لگا رہا اور دوسرا اُٹھ گیا تو جائز مگر مکروہ ہے۔ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے: الصحيح ان رفع القدمين مفسد كما فی القنية۔ (صحیح یہی ہے کہ قدمین کا زمین سے اٹھ جانا نماز کو فاسد کردیتا ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ت)

فتح اللہ المعین میں ہے: وضع اصبع واحدة من القدمين شرط۔ (قدمین کی ایک انگلی کا لگنا شرط ہے۔ت)

اُسی میں ہے: يفترض وضع واحدة من اصابع القدم۔ (قدم کی انگلیوں میں سے ایک کا لگنا فرض ہے۔ت)

مقرر رکھتے ہوئے کہ قدموں میں انگلیوں کے پیٹ رکھنا معتبر ہے۔ (جد الممتار علی رد المحتار، ج 3، ص 209، 210، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

یہ بات ذہن نشین رہے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے والی حدیث پاک (اسی طرح اس باب کی حدیث پاک) ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہے لہٰذا احناف اس سے پاؤں کی انگلی کا پیٹ لگنے کی فرضیت ثابت نہیں کرتے۔ بحر الرائق میں ہے"وأما ما في الصحيحين مرفوعا أمرت أن أسجد على سبعة أعظم ......فلا يفيد الافتراض؛ لأنه ظني الثبوت قطعا وظني الدلالة على خلاف فيه، بناء على أن لفظ "أمرت "مستعمل في الوجوب والندب هو الأعم بمعنى طلب مني ذلك أو في الندب أو في الوجوب "ترجمہ: صحیحین میں جو مرفوعا روایت ہے کہ:" مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں" یہ روایت فرضیت کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ یقیناً یہ ظنی الثبوت ہے اور ظنی الدلالۃ ہے اس میں اختلاف ہونے کی وجہ سے، اس بناء پر کہ لفظ "امرت" وجوب اور ندب میں مستعمل ہے وہ اعم ہے مطلب یہ ہے کہ مجھ سے اس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے، اب یا تو مراد یہ ہے کہ مستحب والا مطالبہ ہے یا وجوب والا۔ (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ج 1، ص 335، دار الکتاب الاسلامی)

بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ فرض ہے اور یہ فرض قدم رکھے بغیر ادا نہیں ہوگا کیونکہ سجدے کی تعریف ہے: وضع بعض الوجه مما لا سخرية فيه، یعنی بعض چہرے (پیشانی) کا زمین پر اس طرح رکھنا کہ اس میں تحریت (مسخرہ پن) نہ ہو۔ لہٰذا اگر بغیر قدم رکھے سجدہ کیا گیا تو یہ لہو ولعب ہوگا تعظیم نہیں ہوگی جبکہ سجدہ تو تعظیم کے لئے ہوتا ہے۔ بحر الرائق و شرنبلالیہ میں ہے: السجود في الشريعة وضع بعض الوجه مما لا سخرية فيه ويخرج بقولنا لا سخرية فيه ما اذا رفع قدميه في السجود فانه لا يصح لان السجود مع رفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظيم والاجلال ويكفيه وضع اصبع واحدة فلو لم يضع الاصابع اصلا ووضع ظاهر القدم فانه لا يجوز لان وضع القدم بوضع الاصبع اه ملتقطا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے بعض چہرہ کا زمین پر رکھنا اور اس میں تحریت نہ ہو "لا سخرية فيه" سے وہ صورت خارج ہو جاتی ہے جس میں دونوں قدم حالت سجدہ میں زمین پر نہ ہوں کیونکہ حالت سجدہ میں ان کا زمین سے اٹھا ہوا ہونا تعظیم و عزت کے بجائے مذاق پر دلالت کرتا ہے اور اس میں ایک انگلی کا زمین پر لگ جانا کافی ہوتا ہے۔ پس اگر کسی نے انگلیاں بالکل نہیں لگائیں مگر پشت قدم کو لگایا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قدم کے رکھنے سے مراد انگلی کا لگانا ہے۔ (بحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ج 1، ص 336، دار الکتاب الاسلامی)

فتح القدیر میں ہے" وأما افتراض وضع القدم فلأن السجود مع رفعهما بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم والإجلال، ويكفيه وضع أصبع واحدة "ترجمہ: سجدہ میں قدم زمین پر لگانے کی فرضیت اس وجہ سے ہے کہ قدم اٹھانے کی حالت میں ہونے والے سجدے تعظیم و بزرگی کے مقابلے میں لہو ولعب کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں اور اس کو ایک انگلی کا رکھنا کفایت کر جائے گا۔ (فتح القدیر، باب صفۃ الصلوۃ، ج 1، ص 305، دار الفکر، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے "کان وضع القدم مما لا یتوصل الی الفرض الا بہ فکان فرضا لا جرم" قدم رکھنا اس میں سے ہے جس کے بغیر فرض کو حاصل نہیں کیا جا سکتا پس یقیناً یہ بھی فرض ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج 7، ص 373، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مرسل کی تعریف اور اس کا حکم

علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بے شک مرسل حدیث مطلقاً حجت ہے راوی کی ظاہری حالت پر بنیاد رکھتے ہوئے اور وہ اس کے ساتھ اس بات کا حسن ظن رکھنا ہے کہ انہوں نے صحابی سے ہی حدیث روایت کی ہوگی اور اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے تابعی نے اسے حذف کر دیا ہوگا جیسا کہ اس نے اس حدیث کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت سے سنا ہو (اور سب کا نام لینا ممکن نہ ہو لہٰذا راوی کو حذف ہی کر دیا ہو) جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس حدیث کو مطلق (بغیر راوی کے) اس وقت بیان کیا جب میں نے اس حدیث کو ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے سنا۔ اور کبھی کبھی یہ حضرات مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام فتنہ کے خوف کی بنا پر حذف کیا کرتے تھے۔

(شرح نخبۃ الفکر لملا علی قاری، جلد 1، صفحہ 403، دار الارقم، بیروت)

علامہ عبد الرحمٰن جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابن جریر فرماتے ہیں: تمام تابعین کا مرسل حدیث کے قبول کرنے پر اجماع ہے اور مرسل حدیث کے بارے میں ان کا اور نہ ہی دوسری صدی ہجری کے آخر تک ان کے بعد کے ائمہ میں کسی کا انکار منقول نہیں۔ علامہ عبد البر فرماتے ہیں: گویا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ سب سے پہلے ہیں کہ جنہوں نے مرسل کو رد کیا۔ اور بعض نے مرسل کے بارے میں مبالغہ کیا تو اسے مسند پر تقویت دے دی اور یوں فرمایا: جس نے اسناد کیا پس تحقیق اس نے تیرے حوالہ کر دیا اور جس نے ارسال کیا پس تحقیق اس نے اپنے ذمہ لے لیا۔ (تدریب الراوی فی شرح التقریب، جلد 1، صفحہ 223، دار طیبہ)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مرسل کی تعریف و حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور وہ حدیث جس میں تابعی کے بعد ایک راوی آخر سے ساقط ہو وہ "مرسل" ہے...... پس اگر اس تابعی کی عادت معروف ہو کہ وہ ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہے تو جمہور محدثین احتمال کے باقی رہنے کی وجہ سے "توقف" کی طرف گئے ہیں اور یہ امام احمد کے دو اقوال میں سے ایک ہے اور ان کا دوسرا قول اور وہی مالکی اور کوفی حضرات کا ہے: کہ حدیث مرسل مطلقاً قبول کی جائے گی۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ حدیث مرسل اس وقت قبول کی جائے گی اگر وہ مرسل حدیث کسی دوسرے ایسے طریق

سے آجائے جو پہلے کے علاوہ ہو وہ دوسری حدیث خواہ مرسل ہو یا مسند ہو تا کہ نفس الامر میں محذوف راوی کے ثقہ ہونے کا احتمال راجح ہو جائے۔ (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، جلد 1، صفحہ 101 تا 102، مطبوعہ سفیر، الریاض)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے حدیث مرسل سے حجت پکڑی ہے اور اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان دونوں حضرات کے مقلدین اور پیروکاروں نے بھی حدیث مرسل سے استدلال کیا اور مراد دونوں گروہوں کے جمہور علما ہیں بلکہ محدثین کی ایک جماعت نے بھی اس سے استدلال کیا اور ایک روایت میں امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس سے حجت پکڑی ہے، اسے امام نووی، ابن قیم اور ابن کثیر وغیرہ نے ذکر کیا۔ (فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، جلد 1، صفحہ 175، مکتبۃ السنۃ، مصر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مرسل حدیث کی تعریف میں فرماتے ہیں:

اور اگر سند کے آخر سے راوی ساقط ہو تو اگر وہ تابعی کے بعد ہو تو وہ حدیث مرسل ہے اور یہ فعل "ارسال" کہلاتا ہے جیسا کہ تابعی کا یوں کہنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کبھی محدثین کے ہاں مرسل اور منقطع ایک ہی معنی میں ہوتی ہے اور پہلی اصطلاح ہی زیادہ مشہور ہے۔

اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اور مرسل کا حکم جمہور علما کے ہاں توقف ہے کیونکہ معلوم نہیں ہوتا کہ جو راوی ساقط ہوا وہ ثقہ ہے یا نہیں کیونکہ تابعی کبھی تابعی سے ہی روایت کرتا ہے اور تابعین میں ثقہ بھی ہیں اور غیر ثقہ بھی۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مرسل مطلقا مقبول ہے۔ اور وہ حضرات فرماتے ہیں: تابعی کمال وثوق اور اعتماد کی بنا پر ہی ارسال کرتا ہے کیونکہ کلام ثقہ کے بارے میں ہے اور اگر وہ ساقط راوی تابعی کے ہاں صحیح نہ ہوتا تو وہ اسے ارسال کرتا اور نہ ہی یوں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مرسل حدیث کسی دوسری مرسل یا مسند حدیث سے مضبوطی پا جائے اگرچہ وہ مسند ضعیف ہی ہو تو مرسل حدیث کو قبول کیا جائے گا۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو قول ہیں۔ اور تمام اختلافات اس وقت ہیں جب تابعی کی عادت معلوم ہو کہ وہ ثقات سے ہی ارسال کرتا ہے اور اگر اس کی عادت یہ ہے کہ وہ ثقات و غیر ثقات سے ارسال کرتا ہے تو اس مرسل حدیث کا حکم بالاتفاق "توقف" ہے اسی طرح کہا گیا ہے اور اس میں اس سے زیادہ تفصیل ہے جس کو امام سخاوی رحمہ اللہ نے "شرح الالفیۃ" میں ذکر کیا ہے۔ (المقدمہ للشیخ، صفحہ 11 تا 13، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علامہ ابو عمر عثمان بن عبدالرحمٰن المعروف بابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پھر جان لو کہ مرسل حدیث پر حدیث ضعیف کا حکم ہے مگر یہ کہ اس حدیث کی بنیاد اس حدیث کے کسی دوسری سند سے

آنے کی وجہ سے صحیح قرار پائے...... اسی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی مرسلات سے استدلال کیا ہے کیونکہ وہ مرسلات دوسری اسناد سے مسندل جاتی ہیں اور یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی مرسلات کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے..... اور جو ہم نے مرسل حدیث سے استدلال کے ساقط ہونے اور مرسل حدیث پر ضعف کے حکم کا ذکر کیا ہے یہ وہ مذہب ہے کہ جس پر جمہور حفاظ ونقادِ حدیث برقرار ہیں اور اسی بات کو انہوں نے اپنی تصانیف میں ذکر فرمایا ہے...... ایک گروہ کی مرسل حدیث سے استدلال کرنا یہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ (المقدمہ لابن الصلاح، صفحہ 130 تا 31، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پھر جمہور محدثین، امام شافعی، کثیر فقہا اور اصحاب اصول رحمہم اللہ کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف ہے۔ اور امام مالک اور ابوحنیفہ رحمہا اللہ ایک گروہ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث مرسل صحیح ہے تو اگر مرسل حدیث کی بنیاد حدیث مرسل کے کسی اور سند سے آنے کی وجہ سے درست قرار پا جائے وہ دوسری سند مسند ہو یا ایسی مرسل ہو جسے ارسال کرنے والے راوی نے پہلی حدیث کے رجال کے علاوہ سے روایت کیا ہو تو ایسی حدیث صحیح قرار پائے گی اور اس بات سے مرسل حدیث کی صحت واضح ہو گی اور یہ دونوں احادیث صحیح کہلائیں گی اگر کوئی صحیح حدیث کسی طریق سے ان کے معارض آجاتی ہے تو اگر ان میں تطبیق ممکن نہ ہو تو ہم ان دونوں احادیث کو اس صحیح حدیث پر ترجیح دیں گے۔ یہ تمام گفتگو غیر صحابی کی مرسل حدیث کے بارے میں ہے ورنہ مذہب صحیح پر صحابی کی مرسل حدیث پر صحت کا حکم ہے۔ اور کہا گیا کہ وہ بھی غیر صحابی کی مرسل کی طرح ہی ہے مگر یہ کہ وہ صحابی سے روایت لینے کی وضاحت کر دے۔ (التقریب والتیسیر، جلد 1، صفحہ 35، دار الکتاب العربی، بیروت)

"تیسیر مصطلح الحدیث" میں ہے:

مرسل حدیث اپنی اصل کے اعتبار سے ضعیف و مردود ہے کیونکہ اس میں قبولیت کی شرائط میں سے ایک شرط مفقود ہے اور وہ اتصالِ سند ہے اور محذوف راوی کے حال کا معلوم نہ ہونا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ محذوف راوی صحابی نہ ہو اور اس صورت میں اس کے ضعیف ہونے کا احتمال ہے لیکن علما و محدثین وغیرہ کا مرسل کے حکم اور اس سے استدلال کے بارے میں اختلاف ہے کیونکہ انقطاع کی یہ قسم سند میں انقطاع کی دوسری قسم سے مختلف ہے کیونکہ یہاں ساقط ہونے والا راوی غالباً صحابی ہی ہوگا اور صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں ان کی معرفت نہ ہونا ضرر نہیں دیتا۔ اور اجمالی طور پر مرسل حدیث کے بارے میں علما کے تین اقوال ہیں:

(1) مرسل حدیث ضعیف و مردود ہے: اور یہ جمہور محدثین اور کثیر اصولیین اور فقہا کا مذہب ہے اور ان لوگوں کی دلیل

یہ ہے کہ محذوف راوی کا حال معلوم نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ صحابی نہ ہو۔

(2) مرسل حدیث صحیح ہے اس سے استدلال کیا جائے گا: اور یہ ائمہ ثلاثہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک رحمہما اللہ کا اور امام احمد رحمہ اللہ کے مشہور قول کے مطابق اُن کا اور علما کے ایک گروہ کا مذہب ہے اس شرط کے ساتھ کہ ارسال کرنے والا راوی ثقہ ہو اور ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہو۔ اوران کی دلیل یہ ہے کہ تابعی ثقہ سے یہ متصور نہیں کہ وہ یوں کہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' مگر اسی صورت میں جب اس نے کسی ثقہ سے ایسا سنا ہو۔

(3) چند شرائط کے ساتھ مرسل حدیث کو قبول کیا جائے گا: یعنی مرسل حدیث شرائط کے ساتھ صحیح ہے۔ اور یہ مذہب امام شافعی اور بعض اہل علم کا ہے اور وہ چار شرائط ہیں۔ تین شرطیں ارسال کرنے والے راوی میں اور ایک شرط حدیث مرسل میں ہے۔ (تیسیر مصطلح الحدیث، المطلب الثانی، الخبر المردود، صفحہ 89، مکتبۃ المعارف)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:

پس بے شک مرسل حدیث ہمارے اور جمہور کے ہاں قبول ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 1، صفحہ 549، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باب نمبر 203

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الصُّلْبِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَالرُّكُوعِ

رکوع وسجود سے سر اٹھا کر پیٹھ سیدھی رکھنا

279- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَإِذَا سَجَدَ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ: قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ "، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ،

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت موجود ہے۔

280- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، نَحْوَهُ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار نے بواسطہ جعفر اور شعبہ، حکم سے اسی کے ہم معنی روایت نقل کی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت براء کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔

تخریج حدیث 279: (صحیح بخاری، باب حد اتمام الرکوع والاعتدال فیہ، ج 1، ص 158، حدیث 792، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب الاعتدال ارکان الصلاۃ وتخفیفہا، ج 1، ص 343، حدیث 471، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب طول القیام من الرکوع الخ، ج 1، ص 225، حدیث 852، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، قدر القیام بین الرفع من الرکوع والسجود، ج 2، ص 197، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ تقریباً برابر ہوتے، اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مقدار کے حوالے سے قریب قریب تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور رکوع سے اٹھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ اور سجدہ سے اٹھنا تقریباً مقدار میں برابر تھے، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام میں قراءت کے لئے اور قعود میں تشہد پڑھنے کے لئے طول دیا کرتے تھے اور مصنف کا اس باب میں یہ حدیث پاک لانے سے مقصود یہ ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں کچھ وقت تک ٹھہرا کرتے تھے تو اس کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اعتدال اور اطمینان اختیار فرماتے تھے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب استواء الظہر فی الرکوع، ج7، ص164، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

علامہ ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (852ھ) فرماتے ہیں:

((تقریباً برابر ہوتے تھے)) "تقریباً" کہنے میں یہ شعور دینا ہے کہ ان میں تفاوت تھا لیکن اس کی تعیین نہیں کی اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سجدوں کے درمیان اعتدال اور طمانیت پر دال ہے اس وجہ سے کہ رکوع وسجود میں طول دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف عادتِ کریمہ سے معلوم ہے۔

(فتح الباری لابن حجر، قولہ باب الاطمانیۃ، ج2، ص288، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((تقریباً برابر ہوتے تھے)) یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض افعال میں بعض کی نسبت کچھ طوالت ہوتی۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب طول القیام الخ، ج4، ص43، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ عینی "عمدۃ القاری" میں فرماتے ہیں:

اور حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ رکوع وسجود اور جلسہ وقومہ میں ان کی اصل حقیقت سے کچھ زیادہ ٹھہرنا ہوتا ہے اور زیادہ ٹھہرنا ہی طمانینت اور اعتدال ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب حد اتمام الرکوع الخ، ج6، ص66، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

باب نمبر 204

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُبَادَرَ الْإِمَامُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع وسجود میں امام سے سبقت کرنے کی ممانعت کا بیان

281- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ، وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ، قَالَ: "كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، لَمْ يَحْنِ رَجُلٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَسْجُدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَسْجُدَ، وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ، وَمُعَاوِيَةَ، وَابْنِ مَسْعَدَةَ صَاحِبِ الْجُيُوشِ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ أَهْلُ الْعِلْمِ، إِنَّ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ إِنَّمَا يَتْبَعُونَ الْإِمَامَ فِيمَا يَصْنَعُ وَلَا يَرْكَعُونَ إِلَّا بَعْدَ رُكُوعِهِ، وَلَا يَرْفَعُونَ إِلَّا بَعْدَ رَفْعِهِ، لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِي ذَلِكَ اخْتِلَافًا"

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے اور حضور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے اور جب تک سجدے میں نہ چلے جاتے ہم میں سے کوئی اپنی پیٹھ کو ٹیڑھا نہیں کرتا (جب حضور سجدہ میں چلے جاتے) پھر ہم سجدہ کرتے۔

اس باب میں حضرت انس، حضرت معاویہ، حضرت ابن مسعدہ (لشکروں والے) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے۔ اور علما کا یہی قول ہے کہ مقتدی، امام کی پیروی کریں اُن افعال میں جن کو وہ بجالاتا ہے لہٰذا امام کے بعد ہی رکوع کریں، اور امام کے بعد ہی رکوع سے سر اٹھائیں۔ اور ہم اس مسئلہ میں علما کا مابین کوئی اختلاف ہم نہیں جانتے۔

تخریج حدیث 281: (مسند احمد بن حنبل، حدیث البراء بن عازب، ج30، ص606، حدیث 18656، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ مسند الرویانی، ثابت بن عبید الخ، ج1، ص279 حدیث 414، مؤسسۃ قرطبہ، القاہرہ)

شرح حدیث

"غیر کذوب" کے الفاظ کس کے بارے میں:

علامہ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

((مجھ سے حضرت سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور وہ غیر کذوب ہیں)) حدیث پاک کا سیاق وسباق اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن یزید کا قول ہے اور اسی کو علامہ خطابی وغیرہ نے ترجیح دی اور امام یحیی ابن معین وغیرہ نے فرمایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن یزید کے بارے میں ابو اسحاق کا قول ہے۔ اور انہوں نے مزید یہ کہا کہ: "صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان اس بات سے بلند وبالا ہے کہ ان کو کذب کی نفی سے موصوف کیا جائے۔" ان (یحی بن معین وغیرہ) کا یہ قول کوئی شے نہیں کیونکہ کذب کی نفی کرنا مدح بیان کرنا ہے نہ کہ ذم اور دیگر عیوب کی نفی کرنا بھی اسی طرح ہی ہے۔ اور بے شک حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) فرمایا کرتے تھے: اللہ عزوجل کی قسم نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولا نہ ہی میں نے جھوٹ بولا۔" پس اس جملہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات سے کذب کی نفی کی اور جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو خبر دی اُن سے کذب کی نفی کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ کریمہ ہے۔ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ارشاد فرمایا: "بے شک ضرور آپ حضرات بغیر جھوٹ بولے اور بغیر جھٹلائے ہوئے گفتگو کرتے ہیں لیکن سننے میں خطا ہو جاتی ہے۔" اور اس سے زیادہ بلیغ بات یہ ہے کہ بے شک اللہ عزوجل نے اپنی ذات سے نقائص وعیوب کی نفی فرمائی جیسا کہ ظلم اور ارادۂ ظلم اور غفلت ونسیان اور اپنی ذات سے شریک، بیوی اور اولاد کی نفی کرنا اور اس میں سے کسی بات میں کسی صورت نقص نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ "خطمی" ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ہی شمار ہوتے ہیں اور ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بھی موجود ہے تو حضرت سیدنا براء رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر صرف حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے کذب کی نفی کرنا کیسے حسن ہے حالانکہ دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما اگرچہ براء رضی اللہ عنہ اُن (عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ) سے زیادہ مشہور اور کثیر روایات والے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتح الباری لابن رجب، باب متی یسجد من خلف الامام، ج6، ص163، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

علامہ محمود بدر الدین عینی حنفی (متوفی 855) فرماتے ہیں:

((وہ غیر کذوب ہیں)) حدیث کے اس جز کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس کے بارے میں کہا گیا ہے تو

یحیی بن معین اور حمیدی اور ابن جوزی نے فرمایا: ابو اسحاق کے قول "غیر کذوب" میں حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے نہ کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی طرف کیونکہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان عادل ہیں اور ان میں سے کسی کے بھی تزکیہ وتعدیل کی ضرورت نہیں ہے۔خطیب نے ارشاد فرمایا: اگر یہ ابو اسحاق کا قول ہے تو عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے اور اگر یہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کا قول ہے تو پھر یہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔اور علامہ خطابی نے ارشاد فرمایا: یہ قول راوی میں کسی تہمت کے پائے جانے کو واجب نہیں کرتا بلکہ یہ تو راوی کے سچا ہونے کو بتلاتا ہے اس لئے کہ یہ حضرات جب راوی کے علم وعمل کی تاکید کا ارادہ کرتے ہیں تو اسی طرح کرتے ہیں۔حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کرتے تھے: ((سَمِعت خلیلی الصَّادِق المصدوق)) میں نے اپنے صادق ومصدوق (سچے اور جن کو سچا جانا گیا ہے) خلیل سے سنا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ((حَدثنِی الصَّادِق المصدوق)) مجھ سے صادق ومصدوق نے بیان فرمایا۔قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا اور ارشاد فرمایا: انہوں نے اس جملہ سے ان کی عدالت بیان کرنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے حدیث کی مضبوطی بیان کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ اس حدیث پاک کو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور وہ متہم (تہمت زدہ) نہیں ہیں۔اور اسی کی مثل ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، مجھ سے حبیب امین نے بیان کیا۔

اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: اس کلام کا معنی یہ ہے کہ مجھ سے حضرت سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور وہ متہم نہیں ہیں جیسا کہ تمہیں معلوم ہے لہٰذا اس حدیث پر بھی اعتماد کرو جس کی میں تمہیں ان کے حوالہ سے خبر دیتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: علامہ خطابی، عیاض اور نووی رحمہم اللہ تعالی کے کلام سے ظاہر ہے کہ روایت میں موجود یہ قول حضرت سیدنا براء رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے اور یہ بات دو وجوہات کی بنا پر ترجیح پاتی ہے: اول یہ ہے کہ ابو اسحاق رحمہ اللہ کے بعض طرق میں یہ حدیث یوں روایت کی گئی ہے: ((سَمِعت عبد الله بن یزید وَهُوَ یخطب یَقُول: حَدثنَا الْبَراء، وَكَانَ غیر كذوب)) میں نے عبداللہ بن یزید سے سنا وہ خطاب کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ ہم سے براء نے بیان کیا اور وہ غیر کذوب (جھوٹے نہیں) تھے۔علامہ ابن دقیق العید نے کہا: "اس روایت سے بعض نے یہ استدلال کیا کہ یہ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔" میں کہتا ہوں: کہ جب یہ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کا کلام ہے تو پھر حضرت براء رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی ہے۔اور اس سے بھی زیادہ واضح اور روشن وہ روایت ہے کہ جو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں محارب بن دثار کے طریق سے روایت کی انہوں نے ارشاد فرمایا: ((سَمِعت عبد الله بن یزید علی الْمِنبَر یَقُول: حَدثنِی الْبَراء وَكَانَ غیر كذوب)) میں نے عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا: مجھ سے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور وہ غیر کذوب تھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں موجود "ھو" ضمیر مذکورین میں سے اقرب کی لوٹے گی اور وہ حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی

ہیں۔

اگر تو کہے کہ امام یحیی بن معین نے کس طرح حضرت براء رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے تعدیل کے الفاظ سے منزہ کیا جبکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کو منزہ نہیں کیا حالانکہ وہ بھی صحابی ہیں؟ **میں کہتا ہوں کہ امام یحیی بن معین** کے نزدیک ان کی صحابیت ثابت نہیں اس لیے انہوں نے یہ لفظ ان کی طرف منسوب کیا ہے اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اور مصعب زبیری نے بھی ان کی موافقت کی اور امام احمد، ابو حاتم اور ابو داؤد نے ان کی صحابیت میں توقف کیا اور ابن برقی، دار قطنی اور دوسروں نے ان کی صحابیت کو ثابت کیا۔

اگر تو کہے کہ کذوبیت کی نفی کاذبیت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے حالانکہ ان دونوں حضرات رضی اللہ عنہما سے مطلقاً کذب کی نفی کرنا ضروری ہے؟ **تو میں کہتا ہوں** اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان عالیشان کے متعلق کہا گیا: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (فصلت 46) یعنی تمہارا رب ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب متی یسجد من خلف الامام، ج 5، ص 221، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سبب روایت اور اتباع امام

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

پس اگر تو کہے کہ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کے اس حدیث پاک کے روایت کرنے کا سبب کیا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حدیث روایت فرمائی کہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کوفہ میں نماز پڑھا رہے تھے تو لوگ ان کے (زمین پر) سر رکھنے سے پہلے اپنے سروں کو رکھ رلیتے تھے اور ان کے سر اٹھانے سے پہلے اپنے سروں کو اٹھا لیتے تھے پس انہوں نے یہ حدیث پاک لوگوں کو منع کرنے کے لئے بیان کی۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب متی یسجد من خلف الامام، ج 5، ص 221، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک میں اس بات پر دلیل ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرے اور اس کے افعال امام کے افعال کے بعد ہوں۔ پس بے شک حضرت براء رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ حضرات (صحابہ کرام علیہم الرضوان) جب رکوع سے اٹھتے تھے تو ان میں سے کوئی بھی اپنی کمر (سجدہ کے لئے) نہ جھکاتا حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تشریف لے جاتے پھر ان کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان سجدہ کیا کرتے تھے۔

(فتح الباری لابن رجب، باب متی یسجد من خلف الامام، ج 6، ص 163، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

متابعت سے مراد مواصلت ہے یعنی ساتھ ساتھ افعال کرنا

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس حدیث پاک سے مستنبط ہونے والے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ امام کے افعال میں متابعت کا ہونا واجب ہے، علامہ ابن جوزی نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا ہے کہ مقتدی کسی رکن کو شروع نہ کرے حتی کہ امام اسے مکمل کر لے۔ اور اس میں نظر ہے کیونکہ امام جب رکن کو مکمل کرے اور پھر اس کے بعد مقتدی اسے شروع کرے تو وہ امام کی اتباع کرنے والا نہیں کہلائے گا اور نہ ہی جو افعال اس نے ادا کیے وہ شمار ہوں گے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ مقتدی امام کے رکن شروع کرنے کے بعد اور ختم کرنے سے پہلے شروع ہوتا کہ متابعت پائی جائے اور حضرت عمرو بن سلیم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا جسے امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ: ((فَكَانَ لَا يحنى أحد منا ظهره حَتَّى يَسْتَقِيم سَاجِدًا)) ہم سے کوئی بھی اپنی پیٹھ (سجدہ کے لئے) ٹیڑھی نہ کرتا حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درست طور پر سجدہ کر لیتے تھے۔ اور امام ابو یعلی نے حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں روایت کیا: ((حَتَّى يتَمَكَّن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من السُّجُود)) یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جماؤ اختیار فرما لیتے تھے۔ اور ان تمام احادیث کا معنی اس بارے میں ظاہر ہے کہ مقتدی اپنے رکن کی ابتدا امام کے رکن شروع کرنے کے بعد اور ختم کرنے سے پہلے کرے اور علماء کے ایک گروہ نے اس سے طول اطمینان پر بھی استدلال کیا ہے اور اس میں نظر ہے اس وجہ سے کہ حدیث پاک اس بات پر دلالت نہیں کرتی۔ اور اس حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام کے مختلف ارکان کی طرف منتقل ہونے میں اس کی اتباع کرنے کے لئے اس کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب متی یسجد من خلف الامام، ج5، ص222، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام کی متابعت، مواصلت کے طور پر (یعنی ساتھ ساتھ) واجب ہے یہاں تک کہ اگر امام رکوع یا سجود میں مقتدی کے تین مرتبہ تسبیح کرنے سے پہلے اپنا سر اٹھا لے تو صحیح یہ ہے کہ وہ امام کی موافقت کرے، اور اگر مقتدی رکوع یا سجود میں امام سے پہلے اپنا سر اٹھا لے تو واجب ہے کہ دوبارہ لوٹ جائے اور یہ دو رکوع قرار نہیں پائیں گے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی الماموم من المتابعۃ الخ، ج3، ص875، دار الفکر، بیروت)

امام سے سبقت کرنے پر وعید

بخاری و مسلم وغیرہما میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ، أَنْ يُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ؟)) ترجمہ: کیا جو شخص امام سے پہلے سر اُٹھاتا ہے، اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر کر دے؟

(صحیح بخاری، باب اثم من رفع رأسہ قبل الامام، ج1، ص140، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب النھی عن سبق الامام برکوع الخ، ج1، ص320، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

بعض محدثین سے منقول ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث لینے کے لیے ایک بڑے مشہور شخص کے پاس دمشق میں گئے اور ان کے پاس بہت کچھ پڑھا، مگر وہ پردہ ڈال کر پڑھاتے، مدتوں تک ان کے پاس بہت کچھ پڑھا، مگر ان کا منہ نہ دیکھا، جب زمانہ دراز گزرا اور انہوں نے دیکھا کہ ان کو حدیث کی بہت خواہش ہے تو ایک روز پردہ ہٹا دیا، دیکھتے کیا ہیں کہ ان کا منہ گدھے کا سا ہے، انہوں نے کہا، "صاحب زادے! امام پر سبقت کرنے سے ڈرو کہ یہ حدیث جب مجھ کو پہنچی میں نے اسے مستبعد جانا اور میں نے امام پر قصداً سبقت کی، تو میرا منہ ایسا ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب ما علی الماموم من المتابعۃ الخ، ج3، ص879، دار الفکر، بیروت)

مرقاۃ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا نام مذکور نہیں، صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نووی کے نام کے ساتھ اسے بیان فرمایا ہے۔ (بہار شریعت، امامت کا بیان، حصہ 3، ص560، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

متابعتِ امام کے کچھ مسائل

☆ قعدہ اُولیٰ میں امام تشہد پڑھ کر کھڑا ہو گیا اور بعض مقتدی تشہد پڑھنا بھول گئے، وہ بھی امام کے ساتھ کھڑے ہو گئے، تو جس نے تشہد نہیں پڑھا تھا وہ بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر امام کی متابعت کرے، اگرچہ رکعت فوت ہو جائے۔ رکوع یا سجدہ سے امام کے پہلے مقتدی نے سر اٹھالیا، تو اسے لوٹنا واجب ہے اور یہ دو رکوع، دو سجدے نہیں ہوں گے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل السادس، ج2، ص90)

☆ امام نے طویل سجدہ کیا، مقتدی نے سر اٹھایا اور یہ خیال کیا کہ امام دوسرے سجدہ میں ہے اس نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا، تو اگر سجدہ اُولیٰ کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی یا ثانیہ اور متابعت کی نیت کی تو اُولیٰ ہوا اور اگر صرف ثانیہ کی نیت کی تو ثانیہ ہوا پھر اگر وہ اسی سجدے میں تھا کہ امام نے بھی سجدہ کیا اور مشارکت ہو گئی تو جائز ہے اور امام کے دوسرا سجدہ کرنے سے پہلے اگر اس نے سر اٹھالیا تو جائز نہ ہوا اور اس پر اس سجدہ کا اعادہ ضروری ہے، اگر اعادہ نہ کریگا نماز فاسد ہو جائے گی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل السادس، ج2، ص90)

☆ پانچ چیزیں وہ ہیں کہ امام چھوڑ دے تو مقتدی بھی نہ کرے اور امام کا ساتھ دے: (۱) تکبیرات عیدین، (۲) قعدہ

اُولیٰ، (۳) سجدہ تلاوت، (۴) سجدہ سہو، (۵) قنوت جب کہ رکوع فوت ہونے کا اندیشہ ہو، ورنہ قنوت پڑھ کر رکوع کرے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل السادس، ج2، ص90)

مگر قعدہ اُولیٰ نہ کیا اور ابھی سیدھا کھڑا نہ ہوا تو مقتدی ابھی اس کے ترک میں متابعت امام کی نہ کرے بلکہ اسے بتائے ،تا کہ وہ واپس آئے ، اگر واپس آ گیا فبہا اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو اب نہ بتائے کہ نماز جاتی رہے گی ، بلکہ خود بھی قعدہ چھوڑ دے اور کھڑا ہو جائے۔

(بہار شریعت، حصہ 3، ص593، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

☆چار چیزیں وہ ہیں کہ امام کرے تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں: (۱) نماز میں کوئی زائد سجدہ کیا، (۲) تکبیرات عیدین میں اقوال صحابہ پر زیادتی کی، (۳) جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں، (۴) پانچویں رکعت کے لیے بھول کر کھڑا ہو گیا، پھر اس صورت میں اگر قعدہ اخیرہ کر چکا ہے تو مقتدی اس کا انتظار کرے، اگر پانچویں کے سجدہ سے پہلے لوٹ آیا تو مقتدی بھی اس کا ساتھ دے، اس کے ساتھ سلام پھیرے اور اس کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو مقتدی تنہا سلام پھیر لے۔ اور اگر قعدہ اخیرہ نہیں کیا تھا اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو سب کی نماز فاسد ہو گئی، اگر چہ مقتدی نے تشہد پڑھ کر سلام پھیر لیا ہو۔

(فتاوی ھندیہ، کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل السادس، ج2، ص90)

☆نو چیزیں ہیں کہ امام اگر نہ کرے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کرے، بلکہ بجالائے: (۱) تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اُٹھانا، (۲) ثنا پڑھنا، جبکہ امام فاتحہ میں ہو اور آہستہ پڑھتا ہو، (۳) رکوع، (۴) سجود کی تکبیرات و (۵) تسبیحات، (۶) تسمیع، (۷) تشہد پڑھنا، (۸) سلام پھیرنا، (۹) تکبیرات تشریق۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل السادس، ج2، ص90)

☆مقتدی نے سب رکعتوں میں امام سے پہلے رکوع، سجود کر لیا، تو ایک رکعت بعد کو بغیر قراءت پڑھے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل السادس، ج2، ص90)

☆امام سے پہلے سجدہ کیا مگر اس کے سر اٹھانے سے پہلے امام بھی سجدہ میں پہنچ گیا تو سجدہ ہو گیا، مگر مقتدی کو ایسا کرنا حرام ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلاۃ الباب الخامس فی الامامۃ، الفصل السادس، ج2، ص90)

باب نمبر 205

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الإِقْعَاءِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

دو سجدوں کے درمیان اقعاء کی ممانعت کا بیان

282- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَلِيُّ، أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي، وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِي، لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، قَالَ ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ، إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ وَقَدْ ضَعَّفَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ الحَارِثَ الأَعْوَرَ "وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا الحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ: يَكْرَهُونَ الإِقْعَاءَ "وَفِي البَابِ عَنْ عَائِشَةَ، وَأَنَسٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! میں تیرے لئے وہ بات پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے پسند ہے اور وہ بات تیرے لئے بھی ناپسند کرتا ہوں جسے اپنے لئے پسند نہیں کرتا، سجدوں کے درمیان اِقعاء نہ کیا کرو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: ہم یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صرف ابواسحاق بواسطہ حارث ہی جانتے ہیں۔ بعض علما نے حارث اعور کو ضعیف قرار دیا ہے اور اکثر علما کا اس حدیث پر عمل ہے اور وہ اِقعاء کو مکروہ جانتے ہیں۔

اس باب میں حضرت عائشہ، حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

تخریج حدیث 282: (سنن ابن ماجہ، باب الجلوس بین السجدتین، ج1، ص289، حدیث 894، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

باب نمبر 206

بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْإِقْعَاءِ

اقعاء کی رُخصت

283- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا، يَقُولُ: قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الإِقْعَاءِ عَلَى القَدَمَيْنِ، قَالَ: هِيَ السُّنَّةُ، فَقُلْنَا: إِنَّا لَنَرَاهُ جَفَاءً بِالرَّجُلِ، قَالَ: بَلْ هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قال ابوعيسىٰ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ إِلَى هَذَا الحَدِيثِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَرَوْنَ بِالإِقْعَاءِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ مَكَّةَ مِنْ أَهْلِ الفِقْهِ، وَالعِلْمِ، وَأَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ يَكْرَهُونَ الإِقْعَاءَ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

حضرت طاؤس کہتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اِقعاء (دونوں قدموں پر بیٹھنے) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ سنت ہے، (طاؤس کہتے ہیں) پھر ہم نے کہا بے شک ہم تو اسے انسان کے حق میں گراں سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن" ہے۔

اور بعض صحابۂ کرام نے اس کو اختیار کیا اور وہ اِقعاء میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور مکہ مکرمہ کے بعض فقہا کا بھی یہ ہی قول ہے لیکن اکثر علما کے نزدیک دو سجدوں کے درمیان اِقعاء مکروہ ہے۔

تخریج حدیث 283: (صحیح مسلم، باب جواز الاقعاء علی العقبین، ج1، ص380، حدیث 536، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب الاقعاء بین السجدتین، ج1، ص 223، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اے علی! میں تیرے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تیرے لئے اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جو میں اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں)): اس جملہ سے مقصود نصیحت کرنے کے لئے محبت کا اظہار کرنا تھا ورنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر مؤمن کے ساتھ اسی طرح ہیں۔ **((دو سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو))** اقعا کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اپنی سرین کو زمین پر رکھے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کرلے اور کتے کی طرح اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنی سرین کو اپنی ایڑیوں پر رکھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اپنے قدموں اور رانوں کو کھڑا کئے ہوئے اپنی سرین پر بیٹھے اور یہی اصح ہے۔ اور کتے کا اقعاء اس کا ہاتھوں کو کھڑا کرنا ہے اور آدمی کا اقعاء اس کا گھٹنوں کو سینے کی سمت کھڑا کرنا ہے اور اس بات کو "شرح المنیۃ" میں ذکر کیا ہے۔ اور علامہ ابن حجر نے ارشاد فرمایا: اپنی رانوں کو کھڑا کئے ہوئے سرین پر نہ بیٹھو اس لئے کہ یہ بہت سے علماء کے نزدیک مکروہ ہے یا یہ کہ اپنی ایڑیوں پر نہ بیٹھو کیونکہ ایک جماعت کے نزدیک یہ مکروہ ہے لیکن مسلم کی حدیث میں وارد ہوا کہ: دو سجدوں کے درمیان اقعاء سنت ہے اور علامہ خطابی نے گمان کیا کہ یہ حرام ہے۔ اور بے شک حدیث منسوخ، ضعیف ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب السجود وفضلہ، ج2، ص727، دار الفکر، بیروت)

علامہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی شافعی فرماتے ہیں:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اقعاء کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی سرین کو زمین کے ساتھ ملا دے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کرے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھ دے کتے کے بیٹھنے کی طرح اور اسی نوع کی کراہیت سے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے۔

اور دوسری یہ کہ دو سجدوں کے درمیان اپنی سرین کو اپنی ایڑیوں پر رکھے اور محققین کی ایک جماعت نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پاک کو اسی پر محمول کیا ہے ان میں امام بیہقی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ شامل ہیں۔

(شرح السیوطی علی مسلم، ج2، ص214، دار ابن عفان، عرب)

اقعاء کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

(اقعاء کرنا مکروہ ہے) حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک کی وجہ سے کہ: ((نَهَانِي خَلِيلِي عَنْ ثَلَاثٍ أَنْ أَنْقُرَ نَقْرَ الدِّيكِ وَأَنْ أُقْعِيَ إِقْعَاءَ الْكَلْبِ وَأَنْ أَفْتَرِشَ افْتِرَاشَ الثَّعْلَبِ)) "یعنی مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) تین باتوں سے منع فرمایا (پہلی) یہ کہ میں مرغ کی طرح چونچ ماروں اور (دوسری) یہ کہ کتے کی طرح بیٹھوں اور (تیسری) یہ کہ لومڑی کی طرح بازو بچھاؤں۔" اور امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک اقعاء یہ ہے کہ آدمی اپنی سرین پر بیٹھے اور اپنی رانوں کو کھڑا کرے اور اپنے گھٹنوں کو اپنے سینے کی طرف ملائے اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھ دے۔ اور امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک اقعاء یہ ہے انسان اپنے قدموں کو کھڑا کرے اور اپنی ایڑیوں پر بیٹھے یوں کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھے ہوئے ہو اور پہلی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ کتے کے بیٹھنے کے زیادہ مشابہ ہے۔ (تبیین الحقائق، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، ج 1، ص 163، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

(اقعاء کرنا مکروہ ہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے اور وہ (شیطان کی بیٹھک) اقعاء کرنا ہے اور مسند امام احمد میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنْ نَقْرَةٍ كَنَقْرَةِ الدِّيكِ وَإِقْعَاءٍ كَإِقْعَاءِ الْكَلْبِ وَالْتِفَاتٍ كَالْتِفَاتِ الثَّعْلَبِ)) "ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا ہے: (۱) مرغ کی طرح چونچ مارنے سے (۲) کتے کی طرح بیٹھنے سے (۳) لومڑی کی طرح التفات کرنے سے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو رکوع و سجود میں جلدی کرتا اور ان میں کمی کرتا ہے اس مرغ سے تشبیہ دی جو دانہ چگتا ہے جیسا کہ "نہایہ" میں ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہے نہی مذکور کی وجہ سے جیسا کہ ہم پہلے اسے اصل سے بیان کر چکے۔

پھر حدیث پاک میں موجود "اقعاء" کے حوالہ سے علماء نے اختلاف کیا تو صاحبِ ہدایہ اور علماء میں سے اکثر نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ اقعا یہ ہے کہ انسان اپنی سرین کو زمین پر رکھے اور اپنے گھٹنوں کو کھڑا رکھے جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول ہے اور بہت سے علماء نے اس بات کو زیادہ کیا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھے اور بعض علماء نے اس بات کو بھی زیادہ کیا کہ اپنے گھٹنوں کو سینے کی طرف ملائے اس لئے کہ کتے کا بیٹھنا اسی طرح ہوتا ہے مگر یہ کہ کتے کا اقعاء (بیٹھنا) ہاتھوں کو کھڑا کرنے میں

ہوتا ہے اور آدمی کا اقعاء گھٹنوں کو سینے کی سمت کھڑا کرنے میں ہوتا ہے اور امام کرخی رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ آدمی اپنے قدموں کو کھڑا کرے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھے ہوئے اپنی ایڑیوں پر بیٹھے اور یہ شیطان کا وہی بیٹھنا ہے کہ جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے اور یہ تمام صورتیں مکروہ ہیں کیونکہ اس میں مسنون طریقہ پر بیٹھنے کا ترک کرنا ہے اسی طرح بدائع، غایۃ البیان اور مجتبیٰ میں ہے اور فتح القدیر میں اس بات کو زیادہ کیا کہ ان کے قول " صحیح " سے مراد یہ ہے کہ حدیث پاک سے یہ (پہلی تعریف) مراد لینا صحیح ہے، یہ مراد نہیں کہ جو صورت امام کرخی نے بیان کی وہ غیر مکروہ ہے بلکہ وہ بھی مکروہ ہے۔

اور "عُقْبَۃ" عین کے ضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ ہے اور ''عَقِب'' عین کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا معنی اقعا ہے۔ اسی طرح "مُغْرِب" میں ہے۔

اور "فتح القدیر" میں ہے: بہر حال وہ حدیث جو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ: ((قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْإِقْعَاءِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ فَقَالَ هِيَ السُّنَّةُ فَقُلْتُ إِنَّا نَرَاهُ جَفَاءً بِالرَّجُلِ فَقَالَ بَلْ هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) میں نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قدموں پر بیٹھنے کے متعلق پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ وہ سنت ہے تو میں نے کہا کہ ہم تو انسان کے حق میں گراں سمجھتے ہیں، تو ارشار فرمایا بلکہ یہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔" اور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ((أَنَّهُمْ كَانُوا يُقْعُونَ)) وہ اقعاء کیا کرتے تھے۔ پس اس کا محقق جواب یہ ہے کہ اقعاء کی دو قسمیں ہیں: ان میں ایک مستحب ہے وہ یہ کہ اپنی سرین کو ایڑیوں پر رکھے اور دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھے اور عبادلہ (عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) سے یہی مروی ہے اور منع یہ ہے کہ اپنی سرین اور ہاتھوں کو زمین پر رکھے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑا رکھے، اھ۔

اور یہ اس مسئلہ کے مخالف بات ہے کہ جس کو انہوں نے اور ان کے علاوہ اوروں نے ذکر کیا کہ اقعاء اپنی دونوں قسموں سمیت مکروہ ہے اور حق یہ ہے کہ یہ جواب ہمارے ائمہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ صرف امام بیہقی اور علامہ نووی رحمہا اللہ کا جواب ہے اس وجہ سے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقعاء مستحب ہے (اور دونوں حضرات شافعی ہیں) کیونکہ تو نے ہمارے نزدیک اس کی دونوں قسموں کا مکروہ ہونا جان لیا اور اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ اگر بعض روایات سے نماز میں اقعاء کا ہونا ثابت ہے تو اسے حالتِ عذر پر محمول کیا جائے اور (نماز میں ہونا) ثابت نہ ہو تو اسے خارج نماز پر محمول کی جائے یا اس لئے بھی کہ جب مانع اور مبیح متعارض ہو جائیں اور تاریخ معلوم نہ ہو تو ترجیح مانع کو ہوتی ہے۔ صاحب مغرب نے ''عقب الشیطان'' کی تفسیر امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک اقعاء کے ساتھ کی ہے پس وہ اسے منع کرتے ہیں تو اسے مکروہ تنزیہہ ہونا چاہیے بخلاف اس نوع کے جس کی کراہت پر اتفاق ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے۔

(البحر الرائق، الاقعاء فی الصلاۃ، ج 2، ص 23،24، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اس قعدے اور نماز کے تمام قعدوں میں اقعا کرنا مکروہ ہے اور اقعاء کی مراد میں تین صورتیں ہیں: ان میں سب سے زیادہ صحیح صورت یہ ہے کہ آدمی سرین کے بل بیٹھے اور رانوں اور گھٹنوں کو کھڑا رکھے اور ابو عبید نے اس کے ساتھ یہ بھی ملایا کہ ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے پاؤں کو بچھائے اور اپنی سرین کو اپنی ایڑیوں پر رکھے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو زمین رکھے اور اپنی انگلیوں کے اطراف پر بیٹھے۔ میں کہتا ہوں کہ درست پہلی صورت ہی ہے بہرحال دوسری صورت تو وہ غلط ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم شریف میں ثابت ہے: بے شک اقعاء ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور علماء نے اس کی تفسیر اس صورت کے ساتھ کی جو دوسری صورت میں ہے اور اس صورت کے دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے مستحب ہونے پر امام شافعی رحمہ اللہ نے "بویطی" اور "املاء" میں نص فرمائی۔ علما نے فرمایا: پس اقعا کی دو قسمیں ہیں مکروہ اور غیر مکروہ۔ پس مکروہ وہ کہ جس کا پہلی صورت میں بیان ہوا اور غیر مکروہ دوسری صورت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، فصل، ج 1، ص 235، المکتب الاسلامی، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

اقعا مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے قدموں کو بچھائے اور اپنی ایڑیوں پر بیٹھے اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے اسے بیان فرمایا۔ ابو عبید نے کہا کہ یہ اصحابِ حدیث کا قول ہے۔ اور اہل عرب کے نزدیک اقعا یہ ہے کہ مرد اپنی رانوں کو کھڑا کیے ہوئے اپنی سرین پر بیٹھے جیسا کہ کتے اور درندوں کا بیٹھنا۔ اور میں نہیں جانتا کہ کسی نے اقعا کی اس صورت کو مستحب کہا ہو۔ بہرحال پہلے طریقہ کو حضرت علی، ابو ہریرہ اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امام مالک، شافعی و اصحاب رائے رحمہم اللہ نے مکروہ کہا اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے کیا ہے اور ارشاد فرمایا: ((لَا تَقْتَدُوا بِي، فَإِنِّي قَدْ كَبِرْتُ)) میری اقتداء نہ کرو کیونکہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے۔

اور مھنّا نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: کہ میں اسے نہیں کرتا اور جو اسے کرتا ہے اس پر عیب بھی نہیں لگاتا۔ اور ارشاد فرمایا: عبادلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اسے کیا کرتے تھے۔ اور طاؤس رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: میں نے عبادلہ صحابہ یعنی عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ یوں کیا کرتے تھے۔ اور حضرت سیدنا عبد اللہ بن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ سنت سے ہے کہ (نماز میں) تیری سرین تیرے قدموں کو چھولے۔ طاؤس رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: ہم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سجدوں میں قدموں پر اقعاء کرنے سے متعلق سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: یہ سنت مبارکہ ہے۔

انہوں نے کہا کہ: ہم نے کہا کہ ہم تو اسے انسان پر گراں سمجھتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ امام مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ نے اسے روایت کیا۔ اور ہماری دلیل وہ ہے جسے حارث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ)) دو سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَلَا تُقْعِ كَمَا يُقْعِي الْكَلْبُ)) جب تم سجدہ سے اپنا سر اٹھاؤ تو اس طرح نہ بیٹھو جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ابوحمید کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کے طریقہ میں یوں ہے: ((ثُمَّ ثَنَى رِجْلَهُ الْيُسْرَى، وَقَعَدَ عَلَيْهَا)) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں موڑتے اور اس پر بیٹھ جاتے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: ((كَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى، وَيَنْصِبُ الْيُمْنَى، وَيَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور سیدھا کھڑا رکھتے تھے اور شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے۔ یہ احادیث اکثر اور اصح ہیں، پس یہی اَولی ہیں۔ بہر حال حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اقعاء کیا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے: میرے اقتداء نہ کرو۔ (المغنی لابن قدامہ، فصل الاقعاء علی القدمین الخ، ج 1 ص 376.377، مکتبۃ القاہرہ)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالقاسم محمد بن احمد الجزی مالکی (متوفی 741ھ) فرماتے ہیں:

بیٹھنے میں اقعاء کرنا چاروں ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک مکروہ ہے........ اور وہ یہ کہ اپنی سرین کے بل اپنی رانوں کو کھڑا کئے ہوئے بیٹھے جیسا کہ کتا بیٹھتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اپنی سرین کو اپنی ایڑیوں پر رکھے اور دونوں قدموں کے ابتدائی حصوں پر بیٹھے۔ (القوانین الفقہیۃ، الباب الرابع عشر فی الجلوس، ج 1 ص 46، مطبوعہ بیروت)

باب نمبر 207

بَابُ مَا يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

سجدوں کے درمیان کیا پڑھے

284- حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاجْبُرْنِي، وَاهْدِنِي، وَارْزُقْنِي

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، میرے نقصان کی تلافی فرما، مجھے ہدایت عطا کر اور مجھے رزق عنایت فرما۔

285- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَابٍ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ نَحْوَهُ، قال ابو عيسى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: يَرَوْنَ هَذَا جَائِزًا فِي الْمَكْتُوبَةِ وَالتَّطَوُّعِ "وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ مُرْسَلًا

حدیث: حسن بن علی خلال نے بواسطہ یزید بن ہارون، زید بن حباب اور کامل ابوالعلاء سے اسی کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی مسلک ہے اور وہ اسے فرضوں اور نفلوں (دونوں قسم کی نماز) میں جائز قرار دیتے ہیں۔ اور بعض محدثین نے اس حدیث کو کامل ابوالعلاء سے مرسلاً روایت کیا۔

تخریج حدیث 284: (سنن ابی داؤد، باب الدعاء بین السجدتین، ج1، ص224، حدیث 850، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن ابن ماجہ، باب مایقول بین السجدتین، ج1، ص290، حدیث 898، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ سنن نسائی اختصاراً، باب الدعاء بین السجدتین، ج2، ص231، حدیث 1145، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان فرمایا کرتے تھے)) ہمارے نزدیک یہ نفل پر محمول ہے **((اے اللہ عزوجل! میری بخشش فرما))** یعنی میرے گناہوں کی یا میری طاعت میں تقصیر کی **((اور مجھ پر رحم فرما))** یعنی اپنی جناب سے نہ کہ میرے عمل کی وجہ سے یا میری عبادت کو قبول فرما کر مجھ پر رحم فرما **((اور مجھے ہدایت دے))** نیک اعمال کی یا دین حق پر مجھے ثابت رکھ **((اور مجھے عافیت دے))** دین و دنیا میں بلاؤں سے یا ظاہری اور باطنی امراض سے **((اور مجھے رزق دے))** اچھا رزق یا فرمانبرداری کی توفیق یا آخرت میں اونچا درجہ دے۔ **((اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا))** میرک نے کہا: اس حدیث پاک کو حاکم، ابن ماجہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے روایت کیا۔ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ صحیح الاسناد ہے۔ اور اس میں فرمایا: ((رَبِّ اغْفِرْ لِی)) اے میرے رب! مجھے بخش دے۔ اور ترمذی اور بیہقی نے یہ بھی زائد کیا: ((وَاجْبُرْنِی)) یعنی میرے نقصان کی تلافی فرما اور میرے فقر کو زائل کر دے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب السجود وفضلہ، ج2، ص726، دار الفکر، بیروت)

دو سجدوں کے درمیان دعا، مذاہب ائمہ

احناف کا مؤقف

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

اور دو سجدوں کے درمیان کوئی مسنون ذکر نہیں اسی طرح رکوع سے اٹھنے کے بعد بھی اور جو دو سجدوں میں دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ تہجد کی نماز پر محمول ہیں۔ امام یعقوب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے اس مرد کے بارے میں سوال کیا جو فرض نماز میں اپنا سر رکوع سے اٹھاتا ہے تو کہتا ہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: "وہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہے اور پھر خاموش رہے اور اسی طرح دو سجدوں کے درمیان بھی خاموش رہے۔" پس تحقیق آپ رحمہ اللہ نے بہت اچھا جواب ارشاد فرمایا اس لیے کہ آپ رحمہ اللہ نے اس سے احتراز کی شدت کے باوجود بھی صراحۃً استغفار سے منع نہیں فرمایا اور اس میں حمد بیان کرنے اور اس کے بعد سکوت کرنے کو ترجیح دینے سے ان کا مقصود بھی حاصل ہو گیا۔

(تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاۃ وبیان احرامہا، ج1، ص118، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، القاہرہ)

دوسجدوں کے درمیان دعاپڑھنے والی روایت کوتہجد پرمحمول کرنے کی تائید سنن ابن ماجہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے:((حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ:حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ صَبِيحٍ عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ، قَالَ:سَمِعْتُ حَبِيبَ بْنَ أَبِي ثَابِتٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ رَبِّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاجْبُرْنِي، وَارْزُقْنِي، وَارْفَعْنِي)) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں دوسجدوں کے درمیان: رب اغفر لی، وَارْحَمْنِي، وَاجْبُرْنِي، وَارْزُقْنِي، وَارْفَعْنِي (ترجمہ: اے میرے رب میری مغفرت فرما،اور مجھ پر رحم فرما،اور میرے نقصان کی تلافی فرمااور مجھے رزق عطافرمااور مجھے بلندی عطافرما) کہا کرتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، باب مایقول بین السجدتین، ج1، ص290، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شوافع کا موقف

علامہ ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

مستحب ہے کہ آدمی جلسہ میں یوں کہے: اللھم اغفر لی واجبرنی وعافنی وارزقنی واھدنی (اے اللہ عزوجل میری بخشش فرمااور میرے نقصان کی تلافی فرمااور مجھے عافیت دے اور مجھے رزق دے اور مجھے ہدایت دے) اس حدیث پاک کی وجہ سے جس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسجدوں کے درمیان یوں فرمایا کرتے تھے۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص147، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی حنبلی (متوفی 885ھ) فرماتے ہیں:

(اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک مرتبہ مغفرت کا سوال کرنا) یعنی یہ واجب ہے اور یہی مذہب ہے اور اسی پر ہمارے اصحاب ہیں اور امام احمد سے ایک روایت اس کے رکن ہونے کی ہے اور ایک روایت سنت کی ہے۔

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، باب صفۃ الصلاۃ، ج2، ص115، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل کے نزدیک دوسجدوں کے درمیان یوں کہنا مستحب ہے: رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي (اے میرے رب! میری مغفرت فرمادے، میرے مغفرت فرمادے) بار بار اس کا تکرار کرے اور ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اور

کمال کا کم از کم درجہ تین ہے اور اس میں کمال رکوع وسجود کی تسبیح کے کمال کی مثل ہے جیسا کہ دو روایتوں کا اختلاف گزر چکا اور اہل علم کا اختلاف اس کی مثل ہے جو ہم نے رکوع وسجود کی تسبیح میں ذکر کیا۔ اور اصل اس میں وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یوں کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاهْدِنِي، وَعَافِنِي؛ وَارْزُقْنِي (اے اللہ! میری مغفرت فرما، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے ہدایت دے، اور مجھے عافیت دے اور مجھے رزق عطا فرما۔) اس حدیث پاک کو امام ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے روایت کیا مگر یہ کہ امام ابن ماجہ نے فرمایا کہ رات کی نماز میں۔ اور اگر وہ "رَبِّ اغْفِرْ لِي" کی جگہ یہ کہے: رَبِّ اغْفِرْ لَنَا، یا یہ کہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا (ترجمہ: اے رب ہماری بخشش فرما یا اے اللہ ہماری بخشش فرما۔) تو جائز ہے۔

(المغنی لابن قدامہ، مسئلہ یقول بین السجدتین الخ، ج 1، ص 377، مکتبۃ القاہرہ)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954ھ) فرماتے ہیں:

دو سجدوں کے درمیان دعا مکروہ نہیں۔ جزولی نے کہا: دو سجدوں کے درمیان دعا مستحب ہے۔ اور تحقیق مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یوں فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاسْتُرْنِي وَاجْبُرْنِي وَارْزُقْنِي وَاعْفُ عَنِّي وَعَافِنِي (اے اللہ! میری بخشش فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے اپنی چادرِ رحمت میں چھپا لے اور میرے نقصان کی تلافی فرما اور مجھے رزق عطا فرما اور مجھے معاف فرما اور عافیت عطا فرما۔)

(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، فرع اخفاء التشہد، ج 1، ص 545، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 208

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِمَادِ فِي السُّجُودِ

سجدے میں سہارا لینے کا بیان

286- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: اشْتَكَى أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشَقَّةَ السُّجُودِ عَلَيْهِمْ إِذَا تَفَرَّجُوا، فَقَالَ: اسْتَعِينُوا بِالرُّكَبِ، قال ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَحْوَ هٰذَا وَكَأَنَّ رِوَايَةَ هٰؤُلَاءِ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ اللَّيْثِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں شکایت کی کہ سجدے کی حالت میں جب وہ کشادہ ہوتے ہیں تو اُنہیں مشقت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے گھٹنوں (پر کہنیاں رکھ کر ان) سے مدد لے لیا کرو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: ابوصالح کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہم صرف اسی (لیث عن ابن عجلان والی) سند سے جانتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ اور دیگر کئی راویوں نے سمی بواسطہ نعمان ابن ابی عیاش سے یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے۔ اور لیث کی روایت کے مقابلے میں ان حضرات کی روایت صحیح ترین ہے۔

تخریج حدیث 286: (سنن ابی داؤد، باب الرخصۃ فی ذلک للضرورۃ، ج 1، ص 237، حدیث 902، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج 14، ص 182، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ مغلطائی بن قلیج مصری حنفی (متوفی 762ھ) فرماتے ہیں:

((گھٹنوں سے مدد حاصل کرو)) ابن عجلان نے فرمایا: اور یہ یوں ہے کہ اپنی کہنیاں اپنے گھٹنے پر رکھ لے جب سجدہ لمبا ہو جائے اور تھک جائے۔

(شرح ابن ماجہ لمغلطائی، باب الاعتدال فی السجود، ج1، ص1504، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، عرب)

علامہ ابن رجب حنبلی (متوفی 795ھ) فرماتے ہیں:

پس اگر وہ سجدہ میں طول دے اور اسے پھیل کر سجدہ کرنے کی وجہ سے مشقت لاحق ہو پس اسے یہ اجازت ہے اپنی کہنیاں گھٹنوں پر رکھ کر سہارا لے۔ اور تحقیق ابن عجلان نے سمی سے روایت کی، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی سجدہ کی مشقت کی شکایت کی جب وہ پھیل کر سجدہ کریں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھٹنوں سے مدد حاصل کرو۔

(فتح الباری لابن رجب، باب یبدی ضبعیہ ویجافی فی السجود، ج7، ص245، مکتبۃ الغرباء الاثریہ، المدینۃ المنورہ)

"سنن ابی داؤد" کے جس باب میں مذکورہ حدیث پاک ہے اس کے تحت علامہ محمود بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

یہ باب ضرورت کے وقت ہاتھوں کو بچھانے کی رخصت کے بیان میں ہے۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب الرخصۃ فی ذلک، ج4، ص123، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ عینی "عمدۃ القاری" میں فرماتے ہیں:

اور اس کو امام طحاوی نے بھی اسی طرح روایت کیا اور ان کے لفظ یہ ہیں: ((اشْتَکَی النَّاس إِلَی النَّبِی صلی الله عَلَيْهِ وَسلم التفرج فِي الصَّلَاة فَقَالَ صلی الله عَلَيْهِ وَسلم: اسْتَعِينُوا بالركب)) ترجمہ: لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نماز میں پھیلنے کے حوالے سے شکایت کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھٹنوں سے مدد حاصل کرو۔

پس اگر تو کہے امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے اس حدیث سے رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کے حوالہ سے استدلال کیوں نہیں کیا؟ بہر حال ابو داؤد رحمہ اللہ تو انہوں نے اس حدیث کو سجدہ میں ہاتھوں کو بچھانے کی رخصت کے باب میں ذکر کیا۔ اور ترمذی رحمہ اللہ تو انہوں نے اسے سجود میں ٹیک لگانے کے باب میں ذکر کیا۔ میں کہتا ہوں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک: "گھٹنوں سے مدد حاصل کرو" یہ مدد حاصل کرنا عام ہے خواہ وہ رکوع میں ہو یا سجدہ میں ہو۔ اور معنی یہ ہے کہ ہاتھوں کو

گھٹنوں پر رکھنے کے ذریعے سے مدد حاصل کرو اور اسی وجہ سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کو جماعت مذکورین کے استدلال کے لیے تخریج کیا اور اسی طرح انہوں ابو حصین عثمان بن عاصم الاسدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جو انہوں نے ابوعبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: گھٹنے پکڑے رہو پس گھٹنے تمہارے لئے سنت قرار دے دیے گئے ہیں۔ اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث پاک کو روایت کیا اور ان کے الفاظ یوں ہیں: ((قَالَ لنا عمر بن الْخطاب رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ: إن الركب سنة لكم، فَخُذُوا بالركب)) ترجمہ: ہم سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بے شک گھٹنے تمہارے لئے سنت ہیں پس گھٹنوں کو پکڑو۔ اور انہیں کی ایک روایت میں یوں ہے کہ: ((سنت لكم الركب فامسكوا بالركب)) گھٹنوں کو تمہارے لئے سنت قرار دے دیا گیا ہے پس گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑو۔

(عمدۃ القاری، باب اذا لم یتم الرکوع، ج6، ص64، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں:

"صاحب تتمہ " نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اکیلا نماز پڑھے اور سجدہ میں طول دے اور کندھوں پر ٹیک دینے کی وجہ سے اسے مشقت لاحق ہو تو وہ اپنی کلائیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ لے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے۔

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الصلاۃ، ج1، ص139، جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ)

باب نمبر 209

بَابُ كَيْفَ النُّهُوضُ مِنَ السُّجُودِ

نمازی، سجدے سے کس انداز میں اٹھے؟

287- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُ، رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، فَكَانَ إِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا، قال ابوعيسیٰ: حَدِيثُ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پس آپ جب طاق (پہلی اور تیسری) رکعات میں ہوتے تو جب تک اطمینان سے بیٹھ نہ جاتے، کھڑے نہ ہوتے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن صحیح" ہے، بعض علما کا اسی پر عمل ہے اور ہمارے بعض اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں۔

تخریج حدیث 287: (صحیح مسلم، باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ الخ، ج1، ص357، حدیث498، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن نسائی، باب الاستواء للجلوس عند الرفع الخ، ج2، ص234، حدیث1152، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب الجلوس بین السجدتین، ج1، ص288، حدیث893، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

باب نمبر210

بَابُ مِنْهُ أَيْضًا

گذشتہ عنوان کا دوسرا باب

288- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ:حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ صَالِحٍ، مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ،قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَيْهِ العَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ:يَخْتَارُونَ أَنْ يَنْهَضَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ .وَخَالِدُ بْنُ إِيَاسٍ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الحَدِيثِ، وَيُقَالُ:خَالِدُ بْنُ إِلْيَاسَ، وَصَالِحٌ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ هُوَ صَالِحُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ،وَأَبُو صَالِحٍ اسْمُهُ نَبْهَانُ وَهُوَ مَدَنِيٌّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (بغیر بیٹھے) اپنے قدموں کے اگلے حصے پر کھڑے ہوتے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر علما کا عمل ہے وہ نمازی کا اپنے قدموں کے اگلے حصے پر کھڑے ہونے کو اختیار کرتے ہیں۔

خالد بن ایاس محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اور اسے خالد بن الیاس بھی کہا جاتا ہے۔

توأمہ کے غلام صالح سے مراد صالح بن ابی صالح ہے اور ابوصالح کا نام نبہان مدنی ہے۔

تخریج حدیث288:(المعجم الاوسط،من اسمہ بکر،ج3،ص320،حدیث3281،دارالحرمین،القاہرہ☆السنن الکبریٰ للبیہقی،باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ الخ،ج2،ص179، دارالکتب العلمیہ،بیروت☆شرح السنۃ للبغوی،باب کیفیۃ النہوض،ج3،ص166،المکتب الاسلامی،بیروت)

جلسہ استراحت، مذاہب اربعہ

احناف کا مؤقف

امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط میں ہے:

میں نے عرض کیا کہ کیا نمازی کے لئے مستحب ہے کہ جب وہ سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنے قدموں کے اگلے حصے پر کھڑا ہو یہاں تک کہ وہ پورا کھڑا ہو جائے اور نہ بیٹھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ہاں نمازی کے لئے ایسا کرنا مستحب ہے۔

(الاصل المعروف بالمبسوط، باب الدخول فی الصلاۃ، ج 1، ص 7، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

حنابلہ کا مؤقف

علامہ ابراہیم بن محمد ابن مفلح حنبلی (متوفی 884ھ) فرماتے ہیں:

(اور اپنے قدموں کے اگلے حصے پر کھڑا ہو اپنے گھٹنوں پر ٹیک دیتے ہوئے) اور اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ جلسہ استراحت کے طور پر نہ بیٹھے اور وہی ہمارے اصحاب کا مذہبِ منصور ہے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی: ((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَنْھَضُ عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْہِ)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں کے اگلے حصے پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس حدیث پاک کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا کہ جس میں ضعف ہے۔ اور یہی حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: اکثر احادیث اسی پر ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: اسی پر اہلِ علم کا عمل ہے۔ ابو الزناد نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے..... **(اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اٹھتے ہوئے جلسہ استراحت کرے)** ابو بکر عبد العزیز اور ان کے شیخ خلال رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا اور انہوں نے ذکر کیا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے پہلے قول سے رجوع کر لیا تھا، اس حدیث پاک کی وجہ سے جس کو مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کیا کہ: ((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْلِسُ اِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ السُّجُوْدِ قَبْلَ اَنْ یَّنْھَضَ)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اٹھنے سے قبل بیٹھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)۔ ایک قول یہ ہے اگر نمازی ضعیف تو پھر اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ مؤلف نے کہا: اور اس قول میں تمام احادیث کا جمع کرنا ہے وگرنہ اس کی مثل حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما پر مخفی نہیں ہو سکتا۔

(المبدع فی شرح المقنع، الرفع من السجود وصفتہ، ج 1، ص 407,408، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی (متوفی 450ھ) فرماتے ہیں:

جب نمازی ہمارے بیان کردہ طریقہ کے مطابق سجدہ سے اپنے سر کو اٹھالے پس اس نے اپنی پہلی رکعت کو مکمل کرلیا تو اس کے لئے مستحب ہے کہ دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے سے پہلے جلسہ استراحت کرے اور یہ سنت مبارکہ ہے، واجب نہیں ہے۔ (الحاوی الکبیر، مسئلہ جلسہ استراحت، ج2، ص131، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی (متوفی 463ھ) فرماتے ہیں:

فقہائے کرام رحمہم اللہ نے سجدہ سے قیام کی طرف اٹھنے کے حوالہ سے اختلاف کیا تو امام مالک اور امام اوزاعی اور امام ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قدموں کے اگلے حصہ پر کھڑا ہو اور جلسہ استراحت نہ کرے۔ اور یہ حضرت ابن مسعود اور ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور نعمان بن ابوعیاش کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب کو یوں ہی کرتے پایا۔ اور ابوالزناد نے کہا کہ یہ سنت ہے اور یہی امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ کا قول ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اکثر احادیث اسی پر ہیں۔ اثرم نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا کہ آپ سجدہ کے بعد (اگلی رکعت کے لئے) اپنے قدموں کے اگلے حصہ پر اٹھتے تھے اور اٹھنے سے پہلے بیٹھتے نہ تھے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت ابوسعید، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے متعلق روایات میں مذکور ہے یہ حضرات رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے قدموں کے اگلے حصوں پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اور امام شافعی نے ارشاد فرمایا: نمازی جب سجدہ سے سر اٹھائے تو بیٹھے پھر اس کے بعد کھڑا ہو۔

(التمہید، حدیث اول لعبد الرحمن الخ، ج19، ص254، وزارۃ عموم الاوقاف والشئون الاسلامیہ، المغرب)

جلسہ استراحت کے سنت نہ ہونے پر دلائل

(1) امام ابوجعفر طحاوی (متوفی 321ھ) "شرح معانی الآثار" میں حدیث روایت کرتے ہے: ((عَنِ ابْنِ عَيَّاشِ بْنِ سَهْلِ السَّاعِدِيِّ وَكَانَ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَبُوهُ ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْمَجْلِسِ أَبُو هُرَيْرَةَ وَأَبُو أُسَيْدٍ وَأَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ وَالْأَنْصَارُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ، أَنَّهُمْ تَذَاكَرُوا الصَّلَاةَ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبَعْتُ ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . قَالُوا : فَأَرِنَا ، فَقَامَ يُصَلِّي

وَهُمْ يَنْظُرُونَ . فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ التَّكْبِيرِ, ثُمَّ ذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا . ذَكَرَ فِيهِ أَنَّهُ لَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولَى, قَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ)) ترجمہ: حضرت ابن عیاش بن سھل الساعدی سے روایت ہے اور وہ اس مجلس میں تھے جس میں ان کے والد تھے اور ان کے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے اور اس مجلس میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو اسید، حضرت ابوحمید الساعدی اور انصار صحابہ کرام علیہم الرضوان تھے۔ ان حضرات نے نماز کے متعلق آپس میں مذاکرہ کیا تو ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں تم سب سے زیادہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جاننے والا ہوں اور میں اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والا ہوں۔ تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا: تو پھر ہمیں دکھائیں، تو وہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور وہ حضرات انہیں دیکھ رہے تھے تو انہوں نے تکبیر کہی تو پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھ اٹھائے۔ پھر راوی نے طویل حدیث ذکر کی اور اس میں ذکر کیا کہ جب انہوں نے پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا تو اگلی رکعت کے لئے کھڑے ہوئے اور نہ بیٹھے۔ (شرح معانی الآثار، باب ما ینبغی المصلی بعد ان ج، ج4، ص354، مطبوعہ عالم الکتب)

اس حدیث کو "شرح مشکل الآثار" میں نقل کرنے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں: "فَكَانَ فِي الْحَدِيثِ تَرْكُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُعُودَ بَعْدَ رَفْعِهِ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأُولَى" ترجمہ: تو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھنے کا ترک کرنا موجود ہے۔

(شرح مشکل الآثار، السجدۃ الآخیرۃ من الرکعۃ التی ہی شفع صلاۃ أن یقعد قعدۃ ثم یقوم للثانیۃ، ج15، ص352، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(2) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ . وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ، وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کے ساتھ نماز شروع فرماتے تھے اور ﴿الحمد للہ رب العالمین﴾ سے قراءت شروع کرتے تھے، جب رکوع کرتے تھے تو سر مبارک کو نہ اونچا کرتے تھے اور نہ نیچا کرتے تھے بلکہ سیدھا رکھتے تھے۔ جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو اس وقت تک سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھا کھڑے نہ ہو جاتے، جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تب تک دوسرا سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھا بیٹھ نہ جاتے۔ آپ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھتے اور اور بائیں پاؤں کو بچھاتے اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے اور درندوں کی طرح آدمی اپنے دونوں ہاتھ

زمین پر بچھادے اس سے بھی منع فرماتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کے ساتھ نماز ختم کرتے۔

(صحیح مسلم، باب ما تجمع صلاۃ، ج1، ص357، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل، حدیث السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا، جلد6، صفحہ194، مؤسسۃ قرطبۃ، القاہرۃ)

اس حدیث پاک میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری نماز بتائی لیکن جلسہ استراحت کا ذکر نہیں۔

(3) حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أَرَدْتَ الصَّلَاةَ فَتَوَضَّأْ فَأَحْسِنِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ قُمْ فَاسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ ثُمَّ كَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَطْمَئِنَّ قَاعِدًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، فَإِذَا صَنَعْتَ ذَلِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ صَلَاتَكَ وَمَا انْتَقَصْتَ مِنْ ذَلِكَ فَإِنَّمَا تَنْقُصُهُ مِنْ صَلَاتِكَ)) ترجمہ: جب تو نماز کا ارادہ کرے تو وضو کر پس اچھا وضو کر پھر کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف رخ کر، پھر تکبیر کہہ، پھر قراءت کر، پھر رکوع کر حتی کہ رکوع میں اطمینان حاصل کرلے پھر رکوع سے اٹھ یہاں تک کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان حاصل کرلے، پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ تو سجدہ میں اطمینان حاصل کرلے، پس جب تو نے ایسا کرلیا تو تحقیق تو نے اپنی نماز کو پورا کرلیا اور اس میں سے جو تو کم کرے گا تو اتنا ہی تیری نماز ناقص قرار پائے گی۔ (سنن نسائی، باب الرخصۃ فی ترک الذکر، ج2، ص193، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

اس حدیث پاک میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز کا طریقہ بتایا مگر اس میں رکعت پوری ہونے کے بعد بیٹھ کر اٹھنے کا نہیں فرمایا۔

(4) جامع ترمذی میں ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ)) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے اگلے حصہ پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ (جامع الترمذی، باب کیف النہوض فی الصلاۃ، ج2، ص80، مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

"فَإِن قلت: فِي سَنَده خَالِد بن إِيَاس، وَقيل: خَالِد بن إِيَاس ضعفه البُخَارِيّ وَالنَّسَائِيّ وَأحمد وَابْن معِين؟ قلت: قَالَ التِّرْمِذِيّ: مَعَ ضعفه يكْتب حَدِيثه، ويقويه مَا رُوِيَ عَن الصَّحَابَة فِي ذَلِك على مَا ذَكرنَاهُ" ترجمہ: اگر تو کہے کہ اس حدیث پاک کی سند میں خالد بن ایاس ہے اور کہا گیا ہے کہ خالد بن ایاس کو امام بخاری، نسائی، احمد اور ابن معین نے ضعیف قرار دیا۔ تو میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے ضعف کے باوجود اس کی حدیث لکھی

جائے گی اور اس حدیث کو ان روایتوں سے بھی تقویت ملتی ہے جو اس بارے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب اہل العلم والفضل، ج 5، ص 202، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) حضرت نعمان بن ابی عیاش سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((أَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَالثَّالِثَةِ قَامَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِس)) ترجمہ: میں نے متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پایا تو وہ جب وہ پہلی یا تیسری رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے اٹھتے تھے تو بغیر بیٹھے قیام کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، من کان یقول إذا رفعت رأسک من السجدۃ الثانیۃ فی الرکعۃ الأولی فلا تجلس، ج 1، ص 347، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(6) حضرت ابراہیم سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ لَا يَقْعُدُ حِينَ يُرِيدُ أَنْ يَقُومَ حَتَّى يَقُومَ)) ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلی اور تیسری رکعت میں جب کھڑے ہوتے تو بیٹھے بغیر کھڑے ہوتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، من کان یقول إذا رفعت رأسک الخ، ج 1، ص 346، مکتبۃ الرشد، ریاض)

حضرت عبد الرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں: ((رَمَقْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ فِي الصَّلَاةِ فَرَأَيْتُهُ يَنْهَضُ، وَلَا يَجْلِسُ قَالَ: يَنْهَضُ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى، وَالثَّانِيَةِ)) ترجمہ: میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی نماز کو اچھی طرح دیکھا تو میں نے دیکھا کہ وہ بغیر بیٹھے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ پہلی اور دوسری رکعت میں قدموں کے اگلے حصے پر زور دے کر کھڑے ہوتے تھے۔ (المعجم الکبیر، باب العین، جلد 9، صفحہ 266، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرۃ)

علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (متوفی 807ھ) نے مجمع الزوائد میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: ''ورجاله رجال الصحيح'' ترجمہ: اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد، باب القنوت، ج 2، ص 136، مکتبۃ القدسی، القاہرہ)

(7) حضرت شعبی فرماتے ہیں: ((انَّ عُمَرَ، وَعَلِيًّا وَأَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يَنْهَضُونَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ أَقْدَامِهِمْ)) ترجمہ: بے شک حضرت عمر اور حضرت علی اور دیگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز میں اپنے قدموں پر زور دے کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، من کان یقول إذا رفعت رأسک الخ، ج 1، ص 346، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(8) حضرت ابو عطیہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں: ((انَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَابْنَ عُمَرَ كَانَا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ))
ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلوۃ، باب کیف النہوض من السجدۃ الآخرۃ من الرکعۃ الأولی والثانیۃ، جلد 2، صفحہ 178، المجلس العلمی، الہند)

(9) حضرت وہب بن کیسان فرماتے ہیں: ((رَأَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ، إِذَا سَجَدَ السَّجْدَةَ الثَّانِيَةَ قَامَ كَمَا هُوَ عَلَى

صُدُورِ قَدَمَيْهِ) ترجمہ: میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب دوسرا سجدہ کر کے قیام کی طرف کھڑے ہوتے تھے تو اپنے قدموں کے اگلے حصے پر زور دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، من کان یقول إذا رفعت رأسک الخ، ج 1، ص 346، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(10) امام شہاب الدین زہری فرماتے ہیں: ((كَانَ أَشْيَاخُنَا لَا يُمَايِلُونَ، يَعْنِي، إِذَا رَفَعَ أَحَدُهُمْ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَالثَّالِثَةِ يَنْهَضُ كَمَا هُوَ، وَلَمْ يَجْلِسْ)) ترجمہ: ہمارے شیوخ مائل نہیں ہوتے تھے یعنی جب ان میں سے کوئی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو وہ کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹھتے نہ تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، من کان یقول إذا رفعت رأسک الخ، ج 1، ص 346، مکتبۃ الرشد، ریاض)

(11) امام ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں: "فَرَأَيْنَا الرَّجُلَ إِذَا أَرَادَ الرُّكُوعَ كَبَّرَ، وَخَرَّ رَاكِعًا، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَإِذَا خَرَّ لِلسُّجُودِ مِنَ الْقِيَامِ، قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ، وَإِذَا عَادَ إِلَى السُّجُودِ، فَعَلَ ذَلِكَ أَيْضًا، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ بَعْدِ رَفْعِهِ رَأْسَهُ إِلَى أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا غَيْرُ تَكْبِيرَةٍ وَاحِدَةٍ. فَدَلَّ ذَلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ سُجُودِهِ وَقِيَامِهِ جُلُوسٌ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ بَيْنَهُمَا جُلُوسٌ لَاحْتَاجَ إِلَى أَنْ يُكَبِّرَ عِنْدَ قِيَامِهِ مِنَ الْجُلُوسِ تَكْبِيرَةً، كَمَا يُكَبِّرُ عِنْدَ قِيَامِهِ مِنَ الْجُلُوسِ فِي صَلَاتِهِ إِذَا أَرَادَ الْقِيَامَ إِلَى الرَّكْعَةِ الَّتِي بَعْدَ ذَلِكَ الْجُلُوسِ تَكْبِيرَةً، وَإِذَا انْتَفَى أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ تَكْبِيرَةُ جُلُوسٍ ثَبَتَ أَنْ لَا قُعُودَ بَيْنَ الرَّفْعِ، وَالْقِيَامِ، هَذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي هَذَا الْبَابِ مَعَ مَا قَدْ شَهِدَ لَهُ مِنَ الْآثَارِ الْمَرْوِيَّةِ فِيهِ، وَمَعَ مَا لِرُوَاتِهَا مِنَ الْعَدَدِ الَّذِي لَيْسَ لِمَنْ رَوَى مَا يُخَالِفُهَا مِثْلَ ذَلِكَ" ترجمہ: پس ہم نے نماز پڑھنے والے آدمی کو دیکھا کہ جب اس نے رکوع کا ارادہ کیا تو تکبیر کہی اور رکوع کرنے کے لئے جھک گیا اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو اس نے کہا: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" (اللہ عزوجل نے اس کی سن لی جس نے اس کی حمد کی) اور جب قیام سے سجدہ کی طرف جھکے تو "اللهُ أَكْبَرُ" کہا اور جب سجدہ سے اپنا سر اٹھایا تو "اللهُ أَكْبَرُ" کہا اور جب دوبارہ سجدہ کیا تو اسی طرح کیا اور جب سجدہ سے (قیام کے لئے) سر اٹھایا تو اپنے سر کو اٹھانے سے لے کر سیدھا کھڑے ہونے تک سوائے تکبیر کے کچھ نہ کہا۔" تو یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ اور قیام کے درمیان بیٹھنا نہیں ہے کیونکہ اگر ان دونوں کے درمیان بیٹھنا ہوتا تو بیٹھنے سے قیام (کے لئے اٹھنے) کے وقت ایک اور تکبیر کہنے کی محتاجی ہوتی جیسا کہ نماز کی جس رکعت میں بیٹھنا ہوتا ہے اس سے قیام (کے لئے اٹھنے) کے وقت تکبیر کہی جاتی ہے تو جب یہاں تکبیر جلوس منتفی ہے تو ثابت ہوا کہ قیام اور قیام کے لئے اٹھنے کے درمیان بیٹھنا نہیں ہوتا، اس باب میں قیاس کا تقاضا یہی ہے ساتھ میں بہت سی مروی احادیث بھی اس کی شاہد ہیں اور مزید اس بارے میں مروی احادیث کے راویوں کی جو تعداد ہے وہ اس کے مخالف مروی روایات کی تعداد

کے مثل نہیں ہے (یعنی زیادہ ہے)۔

(شرح مشکل الآثار، السجدۃ الاخیرۃ من الرکعۃ التی ہی ثلث صلاۃ أن یقعد قعدۃ ثم یقوم للثانیۃ، ج15، ص357، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اسی دلیل کو علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) نے یوں بیان فرمایا:

''وَلِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَشْرُوعَةً لَشُرِعَ التَّكْبِيرُ عِنْدَ الِانْتِقَالِ مِنْهَا إِلَى الْقِيَامِ كَمَا فِي سَائِرِ الِانْتِقَالَاتِ فِي الصَّلَاةِ مِنْ حَالَةٍ إِلَى حَالَةٍ'' ترجمہ: اور اس وجہ سے کہ اگر جلسہ استراحت مشروع ہوتا تو اس سے قیام کی طرف انتقال کرنے لئے تکبیر بھی مشروع ہوتی جیسا کہ نماز کے تمام انتقالات میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے میں ہوتا ہے۔

(تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاۃ، ج1، ص119، المطبعۃ الکبری الامیریہ القاہرہ)

(12) علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی حنفی (متوفی 593) فرماتے ہیں:

''ولأن ھذہ قعدۃ استراحۃ والصلاۃ ما وضعت لھا'' ترجمہ: قعدۂ استراحت کے مشروع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قعدہ استراحت کے لیے ہے اور نماز کی وضع استراحت کے لیے نہیں۔

(ہدایہ، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص52، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جلسہ استراحت کی دلیل اور اس کا جواب

شوافع کی جلسہ استراحت کے ثبوت پر باب نمبر 209 کی حدیث پاک ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، فَكَانَ إِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پس آپ جب طاق (پہلی اور تیسری) رکعات میں تھے تو جب تک اطمینان سے بیٹھ نہ گئے، کھڑے نہ ہوئے۔

(جامع ترمذی، باب کیف النہوض من السجود، ج2، ص79، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

یہ حدیث پاک صحیح بخاری میں بھی ہے۔

جلسہ استراحت کو سنت نہ ماننے والوں کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ کا بیان ہے اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا پہلی اور تیسری رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر قیام کرنا بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے ہو ورنہ سنت یہی ہے کہ بغیر بیٹھے ہی قیام کے لئے کھڑے ہوں جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

"شرح مشکل الآثار" میں امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''وَكَانَ حَدِيثُ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ يَحْتَمِلُ أَنْ

یکون ما ذُکِرَ فِیہِ بِمَّا رَأَی رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ فَعَلَہُ مِنَ الجلسۃِ الَّتِی ذَکَرَھَا فِیہِ عَنْہُ کَانَ ذٰلِکَ لِعِلَّۃٍ کَانَتْ بِہِ صلی اللہ علیہ وسلم حِینَئِذٍ، فَفَعَلَ مِنْ ذٰلِکَ مَا فَعَلَ لِتِلْکَ العِلَّۃِ، لَا لِأَنَّ ذٰلِکَ مِنْ سُنَّۃِ صَلَاتِہِ .وَالدَّلِیلُ عَلٰی ذٰلِکَ أَنَّ مَالِکَ بْنَ الحُوَیْرِثِ، إِنَّمَا کَانَ أَقَامَ عِنْدَہُ صلی اللہ علیہ وسلم أَیَّامًا، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰی أَھْلِہِ'' ترجمہ: یعنی مالک بن حویرث والی حدیث میں جس میں انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جلسہ کرتے دیکھا اس میں احتمال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماری وعذر کے سبب بیٹھے ہوں تو اس صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیٹھنا سنت کے طور پر نہ تھا بلکہ عذر کے طور پر تھا۔اس پر دلیل یہ ہے کہ مالک بن حویرث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند دنوں کے لئے آئے تھے اس کے بعد واپس اپنے اہل کی طرف چلے گئے تھے۔

(شرح مشکل الآثار، السجدۃ الاخیرۃ من الرکعۃ التی ہی شفع صلاۃ أن یقعد قعدۃ ثم یقوم للثانیۃ، ج15، ص355، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ہوسکتا ہے آخری عمر مبارک میں ضعف کی وجہ سے ہو۔علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

''وَمَا رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ مَحْمُولٌ عَلٰی حَالَۃِ الضَّعْفِ حَتّٰی کَانَ یَقُولُ لِأَصْحَابِہِ لَا تُبَادِرُونِی بِالرُّکُوعِ وَ السُّجُودِ فَإِنِّی قَدْ بَدُنْتُ أَیْ کَبِرْتُ وَأَسْنَنْتُ'' ترجمہ: اور جس حدیث پاک کو امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا وہ ضعف کی حالت پر محمول ہے حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کو فرمایا کرتے تھے رکوع سجود میں مجھ سے جلدی نہ کیا کرو بے شک میری عمر زیادہ ہوگئی ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر، ج1، ص211، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

''وَمَا رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ مَحْمُولٌ عَلٰی حَالَۃِ الضَّعْفِ بِسَبَبِ الْکِبَرِ لِمَا رُوِیَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ فَعَلَ ذٰلِکَ، ثُمَّ اعْتَذَرَ فَقَالَ إِنَّ رِجْلَیَّ لَا تَحْمِلَانِی؛ وَلِأَنَّھَا لَوْ کَانَتْ مَشْرُوعَۃً لَشُرِعَ التَّکْبِیرُ عِنْدَ الِانْتِقَالِ مِنْھَا إِلَی الْقِیَامِ کَمَا فِی سَائِرِ الِانْتِقَالَاتِ فِی الصَّلَاۃِ مِنْ حَالَۃٍ إِلٰی حَالَۃٍ'' ترجمہ: اور جو حدیث پاک امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی وہ عمر کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ضعف پر محمول ہے، اس روایت کی وجہ سے کہ بے شک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یوں کیا تو پھر عذر بیان فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہیں۔اور اس وجہ سے بھی کہ اگر یہ مشروع ہوتا تو اس سے قیام کی طرف انتقال کرنے کے لئے تکبیر بھی مشروع ہوتی جیسا کہ نماز کے تمام انتقالات میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کے لئے مشروع ہے۔

(تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاۃ، ج1، ص119، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جواز کی تعلیم دینے کے لیے ایسا عمل فرمایا ہو۔ علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی (متوفی 970ھ) فرماتے ہیں:

''فَالْأَوْلٰی أَنْ یُحْمَلَ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْجَوَازِ فَلِذَا وَاللّٰہُ أَعْلَمُ قَالَ فِی الْفَتَاوَی الظَّهِیْرِیَّةِ قَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِیُّ إِنَّ الْخِلَافَ إِنَّمَا هُوَ فِی الْأَفْضَلِیَّةِ حَتّٰی لَوْ فَعَلَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِیِّ لَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَنَا اہ'' ترجمہ: اولی یہ ہے کہ اسے تعلیم جواز پر محمول کیا جائے پس واللہ اعلم اسی وجہ سے ''فتاوی ظہیریہ'' میں فرمایا کہ شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بے شک اختلاف صرف افضلیت میں ہے حتی کہ نمازی اگر ایسا کرے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے تو ہمارے نزدیک بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(البحر الرائق، آداب الصلاۃ، ج 1، ص 340، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

باب نمبر 211

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد کا بیان

289- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ الأَشْجَعِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ الأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَنْ نَقُولَ: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَفِي البَابِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي مُوسَى، وَعَائِشَةَ، قال ابوعيسى: حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَهُوَ أَصَحُّ حَدِيثٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّشَهُّدِ وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المُبَارَكِ، وَأَحْمَدَ،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (تشہد کے متعلق) یہ تعلیم دی کہ جب ہم دو رکعتوں پر بیٹھیں تو یہ پڑھیں: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ - یعنی تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، یا نبی اللہ! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو۔ ہم پر اور اللہ عزوجل کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اس باب میں حضرت عبد اللہ ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کئی طرق سے مروی ہے۔ اور تشہد کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد احادیث میں سے صحیح ترین حدیث ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور اُن کے بعد میں آنے والے تابعین کا اس پر عمل ہے۔ اور امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ ابن مبارک، امام

وَإِسْحَاقَ "

احمد اور امام اسحاق کا یہ ہی مؤقف ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى قَالَ:أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ خُصَيْفٍ قَالَ:رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ، فَقُلْتُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ النَّاسَ قَدْ اخْتَلَفُوا فِي التَّشَهُّدِ، فَقَالَ:عَلَيْكَ بِتَشَهُّدِ ابْنِ مَسْعُودٍ

ہم سے احمد بن محمد بن موسی نے بیان کیا، انہوں نے فرمایا :ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی، انہوں نے معمر سے روایت کی ،انہوں نے خصیف سے روایت کی ،انہوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک لوگ تشہد کے حوالے سے اختلاف کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد لازم ہے۔

تخریج حدیث289: (صحیح بخاری، باب التشہد فی الآخرۃ، ج1، ص166، حدیث831، دار طوق النجاۃ ☆ صحیح مسلم، باب التشہد فی الصلاۃ، ج1، ص301، حدیث402، دار احیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب التشہد، ج1، ص254، حدیث968، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، کیف التشہد الاول، ج2، ص237، حدیث1162، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی التشہد، ج1، ص290، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

باب نمبر212

بَابُ مِنْهُ أَيْضًا

عنوان بالا کا دوسرا باب

290- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، وَطَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ، فَكَانَ يَقُولُ: التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ، الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ-قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حُمَيْدٍ الرُّؤَاسِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ نَحْوَ حَدِيثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، وَرَوَى أَيْمَنُ بْنُ نَابِلٍ الْمَكِّيُّ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَذَهَبَ الشَّافِعِيُّ إِلَى حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي التَّشَهُّدِ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اسی طرح تشہد سکھاتے جس طرح ہمیں قرآن پاک کی تعلیم دیتے، چنانچہ آپ (تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے) فرماتے: التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلَّهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ-

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث "حسن صحیح غریب" ہے۔ عبدالرحمٰن بن حمید رواسی نے بھی یہ حدیث ابوزبیر سے لیث بن سعد کی مثل روایت کی ہے۔ اور ایمن بن نابل مکی نے بواسطہ ابوزبیر، حضرت جابر سے یہ حدیث روایت کی لیکن وہ محفوظ نہیں ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تشہد کے معاملہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اختیار کیا ہے۔

تخریج حدیث 290: (صحیح مسلم، باب التشہد فی الصلاۃ، ج1، ص302، حدیث403، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داؤد، باب التشہد، ج1، ص256، حدیث974، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، نوع آخر من التشہد، ج2، ص242، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی التشہد، ج1، ص291، حدیث900، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر)) یعنی نمازیوں میں سے حاضرین کے گروہ اور جوان کے ساتھ فرشتے ہیں اور جن وانس کے مؤمنین۔ اور اس میں اپنی جانوں کو مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ دعا کا ادب ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم کیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہمارے لئے وسیلہ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب التشہد، ج2ص732، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبدالہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

((التحیات للہ)) "التحیات" کو عبادات قولیہ اور فعلیہ پر محمول کیا گیا اس اعتبار سے کہ "صلوات" ان کی اصل ہے اور "طیبات" کو عباداتِ مالیہ پر محمول کیا گیا ہے اور مقصود یہ ہے کہ عبادات اپنی تمام انواع کے ساتھ اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہیں **((علینا، یعنی ہم پر))** شاید ان سے مراد نماز پڑھنے والوں کی جماعت ہے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی التشہد، ج1، ص291، دار الجیل، بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

علامہ طیبی نے فرمایا: امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو اختیار فرمایا اگرچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ وہ (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) بڑے فقیہ ہیں۔ میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں: یہ شوافع کے نزدیک ہے وگرنہ ہمارے امام صاحب کے نزدیک خلفائے اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور یہی بات زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اپنی عمر کے بڑے حصے میں ہونا اور ان کا کثرت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور ان کی خدمت پر ہمیشگی کرنا یوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکین اور تکیہ مبارک اور طہارت کے برتن اور جائے نماز کی حفاظت کرنا (یہ سب باتیں ان کے زیادہ فقیہ ہونے کا تقاضا کرتی ہیں)۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا: اور اس وجہ سے بھی (امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو اختیار فرمایا) کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت زیادتی پر مشتمل ہے تو میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں: ثقہ کی زیادتی مقبول ہے لیکن یہ بات ترجیح کو لازم نہیں کرتی۔ علامہ طیبی نے یہ بھی دلیل دی کہ ان کی روایت اللہ عزوجل کے اس فرمان کے موافق ہے: ﴿تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾ (النور61) (ترجمہ کنز

الایمان: ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کے پاس سے مبارک پاکیزہ۔)

تو میں (علامہ علی قاری) کہتا ہوں: موافقت تو صرف لفظوں میں ہے وگرنہ مذکورہ آیت کریمہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کے حوالے سے ہے۔انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو الفاظ ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے یاد رکھنے کی زیادتی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ ان کا یہ قول ہے: ((كَانَ يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآن)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن کی سورت کی (طرح) تشہد کی تعلیم دیا کرتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کے اور ان کے غیر کے درمیان مشترک ہوتی تھی۔اور ان کی یہ نقل ان کی زیادتی ضبط پر دال نہیں ہے۔بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد کی روایت میں جو (الفاظ) صحیح طور پر ثابت ہیں وہ تمہارا رد کرتے ہیں (اور وہ یہ ہیں): ((عَلَّمَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ)) مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم یوں دی جیسا کہ مجھے قرآن کی سورت یاد کروایا کرتے تھے اس حال میں میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا: ((التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ إلخ))۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التشہد، ج2 ص733، دار الفکر، بیروت)

تشہد کے الفاظ کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

اور تشہد یہ ہے کہ یوں کہے: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله " اور یہی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد مختار ہے۔

(المبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج1 ص27، دار المعرفہ، بیروت)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی فرماتے ہیں:

پھر تشہد پڑھے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((علمني رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التشهد، كفي بين كفيه كما يعلمني السورة من القرآن: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام

عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله)) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی جیسا کہ مجھے قرآن پاک کی سورت کی تعلیم دیا کرتے تھے یوں کہ میرا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا: التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله (متفق علیہ) امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد کے بارے میں مروی ہیں یہ ان میں صحیح ترین روایت ہے تو امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے اسے اختیار فرمایا۔

(الکافی فی فقہ الامام احمد، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص256، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

علامہ عبدالوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی 422ھ) فرماتے ہیں:

تشہد کے الفاظ میں مختار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں: التحيات لله الزاكيات لله الطيبات الصلوات لله السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله۔

(التلقین فی الفقہ المالکی، باب العمل فی الصلاۃ، ج1، ص43، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شوافع کا مؤقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

اور تشہد پڑھے اور تشہد میں افضل یہ ہے کہ یوں کہے: التحيات المباركات الصوات الطيبات لله سلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته سلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله۔ اس وجہ سے جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص149، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تشہد ابن مسعود کے مختار ہونے کی وجوہات اور دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ان کے ضبط و نقل کے حسن کی وجہ سے اختیار کیا ہے پس بے شک

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: حضرت حماد رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت حماد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے یوں تشہد سکھایا جس طرح مجھے قرآن کی سورت سکھایا کرتے تھے اور "واؤ" اور "الف" کا بھی ہم سے مؤاخذہ فرمایا کرتے تھے۔ اور علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: تشہد میں سے وہی صحیح ہے کہ جو اہل کوفہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور اہل بصرہ نے حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور حضرت خصیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام فقلت كثر الاختلاف في التشهد فبماذا تأمرني أن آخذ قال بتشهد ابن مسعود رضي الله تعالى عنه)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ تشہد کے حوالے سے بہت اختلاف ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کون سا تشہد اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کر۔

اور اس کے اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد اللہ عزوجل کی تعریف میں زیادہ بلیغ ہے پس بے شک اس میں موجود "واوات (واؤ کی جمع)" ہر لفظ کو جداگانہ اللہ عزوجل کی تعریف بنا دیتی ہیں۔

(المبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج 1، ص 28، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نوجوان صحابہ علیہم الرضوان میں سے تھے وہ صرف اسی مسئلہ کو اختیار فرماتے تھے کہ جس پر معاملہ برقرار رہا ہو بہرحال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو وہ بڑے صحابہ میں سے تھے وہ اُس مسئلہ کو نقل فرماتے جو ابتداء میں تھا جیسا کہ امام شافعی سے اس طرح کی تطبیق وغیرہ منقول ہے اور اس وجہ سے بھی کہ یہ کتاب اللہ کے موافق ہے کیونکہ اس میں تحیت کی صفت برکت کے ساتھ بیان کی گئی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمانِ عالیشان ہے: ﴿تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً﴾ ترجمہ کنز الایمان: ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کے پاس سے مبارک پاکیزہ۔ (النور: 61) اور اُس تشہد میں لفظ سلام کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: نوح پر سلام ہو جہاں والوں میں۔ (الصافات 79) ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ (الصافات 109) ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ ترجمہ کنز الایمان: ان پر سلام ہوگا مہربان رب کا فرمایا ہوا۔ (یٰس: 58) تو لہٰذا اس کو لینا اولیٰ ہے۔

امام مالک نے استدلال کیا کہ بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تشہد سکھایا۔ اور ہماری دلیل وہ ہے کہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تشہد کی یوں تعلیم دی جیسا کہ مجھے قرآن کی سورت سکھایا کرتے تھے اور ارشاد فرمایا کہ کہہ: ''اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ۔۔الخ'' اور ارشاد فرمایا: ((إِذَا قُلْتَ هٰذَا أَوْ فَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ)) جب تو نے یہ کہہ دیا یا یوں کرلیا تو تیری نماز مکمل ہوگئی۔ اور تعلیم دیتے ہوئے ہاتھ کا پکڑنا متعلم کے لئے تعلیم کی تاکید و پختگی پر دال ہے۔ اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو " قل " کہہ کر اس کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس طرح نماز کی تمامیت کو اس تشہد کے ساتھ معلق فرمایا لہٰذا جو اسے نہیں پڑھے گا اس کی نماز تمامیت کے وصف سے متصف نہ ہوگی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہی تشہد امت میں مشہور ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں شائع و ذائع ہے۔ اور بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کو اسی طرح تشہد سکھایا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی نے بھی آپ رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں کیا لہٰذا یہ اجماع ہوگیا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ لوگوں کو یوں تشہد سکھایا کرتے تھے جیسا کہ بچوں کو مکتب میں تعلیم دی جاتی ہے اور انہوں نے بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کی مثل ذکر کیا۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے لوگوں کو منبر پر اسی تشہد کی تعلیم دی جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشہد کی تعلیم دی اور انہوں نے بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کا ذکر فرمایا اور اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح تشہد پڑھا۔

اور اس کو اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد اللہ عزوجل کی ثنا میں زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ اس میں موجود "واؤ" بعض کلمات کے بعض پر عطف کو ثابت کرتا ہے تو یوں ہر لفظ علیحدہ طور پر اللہ عزوجل کی ثناء قرار پاتا ہے اور جو حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد میں مذکور ہے اس میں کلام صفت کے طریقے پر بیان کرنا پایا جاتا ہے تو وہ تمام ایک ہی کلام قرار پاتا ہے جیسا کہ قسم میں ہوتا ہے تو قسم کھانے والے کا یوں کہنا ''وَاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ وَالرَّحِيْمِ'' (اللہ عزوجل کی قسم اور رحمٰن کی قسم اور رحیم کی قسم) یہ تین قسمیں کہلائیں گی۔ اور قسم کھانے والے کا یوں کہنا ''وَاللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' (اللہ، رحمٰن ،رحیم کی قسم) یہ ایک قسم شمار ہوگی۔ اسی طرح تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں لفظ ''سلام'' الف لام کے ساتھ مذکور ہے اور تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما میں نکرہ مذکور ہے اور بے شک ''لام'' کا ہونا کلام کے زیادہ بلیغ ہونے پر دال ہے اس لئے کہ ''لام'' جنس کے

استغراق کے لئے ہے مزید یہ کہ یہ تشہد قرآن پاک کے موافق بھی ہے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی﴾ (ترجمہ کنزالایمان: اور سلامتی اسے جو ہدایت کی پیروی کرے۔) (طہ 47)، ﴿وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ﴾ (ترجمہ کنزالایمان: اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔) (مریم:33) اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ وجہ ترجیح درست نہیں کیونکہ وہ وجہ نوجوانوں کی روایت کو مہاجرین اکابر صحابہ کی روایت پر مقدم کرنے کی طرف لے جاتی ہے اور کوئی ایک بھی اس بات کا قائل نہیں۔ اور جو بات امام مالک رحمہ اللہ نے روایت ذکر کی وہ ضعیف ہے پس بے شک حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد سکھایا لہٰذا اسی کو لینا اولیٰ ہے۔

(بدائع الصنائع، فصل فی سنن التکبیر، ج1، ص211،212، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عبداللہ بن محمود موصلی حنفی (متوفی 683ھ) فرماتے ہیں:

تشہدِ ابن مسعود والی روایت کو دوسری کی نسبت لینا اولیٰ ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑنا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دینا یہ زیادتی تاکید پر دال ہے اور ائمہ حدیث نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ تشہد کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے احسن سند منقول نہیں۔ اور اس وجہ سے کہ اس میں "واؤ" کی زیادتی ہے اور یہ اللہ عزوجل کی ثناء کے تعدد کو واجب کرتی ہے کیونکہ معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد ایک ہی ثناء ہے کیونکہ اس میں بعض الفاظ بعض کی صفت کے طور پر مذکور ہیں۔

(الاختیار لتعلیل المختار، باب الافعال فی الصلاۃ، ج1، ص53، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی حنفی (متوفی 743ھ) فرماتے ہیں:

اہل نقل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کے منقول ہونے اور صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ امام ترمذی، خطابی، ابن منذر، ابن عبدالبر رحمہم اللہ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد، تشہد کے بارے میں ذکر کردہ احادیث میں سب سے زیادہ صحیح ہے اور اہل نقل کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد اس بارے میں مروی روایات میں سب سے اصح ہے اور اسی پر صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم کا عمل ہے حتی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یوں تشہد سکھایا کرتے تھے جیسا کہ بچوں کو مکتب میں تعلیم دی جاتی ہے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ہی ذکر فرمایا۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ہم تشہد یوں سیکھا کرتے تھے جیسا کہ قرآن کی سورت کو سیکھا کرتے تھے اور انہوں نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ذکر فرمایا۔

(تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاۃ، ج1، ص121، المطبعۃ الکبری الامیریہ، القاہرہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ان سے متعدد وجوہ سے مروی ہے، اور اسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور ان کے بعد تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے اکثر اہل علم کا عمل ہے۔ (جامع ترمذی، باب ما جاء فی التشھد، ج2، ص81، مصطفی البابی، مصر)

علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (متوفی 1122ھ) فرماتے ہیں:

اور امام بزار رحمہ اللہ سے جب سوال کیا گیا کہ تشہد کے باب میں سب سے اصح حدیث کون سی ہے؟ تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا: میرے نزدیک وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بیس سے زائد طرق سے مروی ہے پھر انہوں نے ان میں سے اکثر (طرق) بیان بھی کر دیئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تشہد کے بارے اس سے زیادہ ثابت شدہ اور سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور رجال کے اعتبار سے زیادہ مشہور نہیں پاتا۔ حافظ نے ارشاد فرمایا: اور اس بارے میں محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور ان لوگوں میں علامہ بغوی علیہ الرحمۃ بھی ہیں جنہوں نے "شرح السنۃ" میں اس بات پر جزم کیا اور اس روایت کے مرجحات میں سے یہ بات بھی ہے کہ یہ متفق علیہ ہے جبکہ دوسری روایت ایسی نہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے تمام راوی ثقہ ہیں انہوں نے روایت کے الفاظ میں اختلاف نہیں کیا جبکہ دوسری روایات میں اختلاف ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس تشہد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ حاصل کیا۔ پس امام طحاوی رحمہ اللہ نے ان سے روایت نقل کی: ((أَخَذْتُ التَّشَهُّدَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَّنَنِيهِ كَلِمَةً كَلِمَةً)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد کو حاصل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بالمشافہ کلمہ کلمہ کر کے سکھایا۔ اور بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تشہد کی تعلیم دی جیسا کہ مجھے قرآن کی سورت سکھایا کرتے تھے اس حال میں کہ میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

اور اسی طرح "صلوات" اور "طیبات" میں "واؤ" آنے کی وجہ سے بھی اس روایت کو ترجیح ہے کہ واؤ کا ہونا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کا تقاضا کرتا ہے تو یوں ہر جملہ مستقل طور پر اللہ عزوجل کی ثناء قرار پاتا ہے جبکہ "واؤ" کے حذف کی صورت میں مابعد، ماقبل کی صفت واقع ہوگا اور اللہ عزوجل کی ثناء کا پہلی صورت میں متعدد ہونا صریح ہے لہٰذا وہی اولیٰ ہے۔ (شرح الزرقانی علی الموطا، باب التشھد فی الصلاۃ، ج1، ص399، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، القاہرہ)

قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ کا حکم اور ان میں تشہد پڑھنے کا حکم

فتاوی ہندیہ میں ہے:

فرائض میں سے سے مقدارِ تشہد تک قعدۂ اخیرہ بھی ہے، ایسا ہی تبیین میں ہے اور مقدارِ تشہد سے مراد "التحیات" سے لے کر "عبدہ ورسولہ" تک ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، الفصل الثانی فی الفرائض، ج 1، ص 70، دار الفکر، بیروت)

اسی میں ہے:

جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو چار اور تین رکعت والی نماز میں قعدۂ اولی تشہد کی مقدار واجب ہے اور یہی اصح ہے، ایسا ہی ظہیریہ میں ہے اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے اور ایسے ہی قعدۂ اولی میں بھی تشہد پڑھنا واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، الفصل الثانی فی الواجبات، ج 1، ص 71، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

اور واجبات میں سے قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ ان کے قول کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر اس پر مواظبت فرمائی اور یہ (ان کے نزدیک) فرضیت کی دلیل ہے۔

اور حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ہم تشہد کے فرض ہونے سے قبل یوں کہا کرتے تھے "اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْل" (سلام ہو اللہ عزوجل پر، سلام ہو جبریل اور میکائیل علیہما السلام پر) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف توجہ فرمائی پس ارشاد فرمایا کہ یوں کہو: "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ" ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں تشہد پڑھنے کا یوں حکم فرمایا۔ "قُوْلُوْا" اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے اس کی فرضیت پر نص فرمائی "قَبْلَ اَنْ یُفْرَضَ التَّشَهُّدُ"

اور ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعرابی کو یوں فرمانا ہے کہ "جب تو آخری سجدہ سے اپنا سر اٹھالے اور تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو تیری نماز مکمل ہوگئی" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تمامیت کو صرف قعدہ کرنے پر برقرار رکھا۔

اگر تشہد فرض ہوتا تو نماز کی تمامیت اس کے بغیر نہ ہوتی تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ تشہد فرض نہیں لیکن وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشگی کی وجہ سے واجب ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات پر مواظبت (ہمیشگی) فرمانا کہ جس کی فرضیت پر دلیل قائم نہ ہو یہ دلیل وجوب ہے تو یہاں بھی اس کی عدم فرضیت پر دلیل قائم ہے اور وہ دلیل وہ ہے کہ جسے ہم نے ذکر کیا لہٰذا یہ واجب ہوا فرض نہ ہوا۔ واللہ اعلم اور حدیث میں موجود امر (حکم) وجوب پر دلالت کرتا ہے نہ کہ فرضیت پر۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور وہ وجوب ثابت کرنے کی تو صلاحیت رکھی ہے، فرضیت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول "قَبْلَ اَنْ یُفْرَضَ" سے مراد یہ ہے اس معروف مقدار کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس لئے کہ فرض لغوی طور پر مقدار بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ (بدائع الصنائع، فصل الواجبات الاصلیہ الخ، ج 1، ص 163، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

محبوبانِ خدا کو دور و نزدیک سے نداء کرنے کی تحقیق

باب نمبر 211 کی حدیث پاک صحیح بخاری میں اس طرح ہے:((قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ:كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا:السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، فَلْيَقُلْ:التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)) ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے تو (قعدہ میں) کہتے کہ حضرت جبریل ومیکائیل پر سلام ہو، فلاں اور فلاں پر سلام ہو۔ نماز کے بعد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: بے شک اللہ ہی سلام ہے، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اس طرح کہے: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، جب تم اس طرح کہو گے تو تمہارا سلام زمین وآسمان میں موجود اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گا (پھر کہو) أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

(صحیح بخاری، باب التشہد فی الآخرۃ، ج1، ص166، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

اس حدیث پاک سے چند فائدے حاصل ہوئے:

(1) نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خود اپنی بارگاہ میں ندا کر کے سلام کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے۔

(2) اس حدیث پاک کی رو سے نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو حیات ظاہری میں، وصال ظاہری کے بعد، قریب سے، دور سے، ہر طرح ندا کی جاسکتی ہے۔

(3) "السلام علیك ایها النبی "اور" الصلوة والسلام علیك یارسول الله" خطاب کر کے حرفِ ندا کے ساتھ حضور کی بارگاہ میں سلام بھیجنے میں یکساں ہیں، جب پہلا درست ہے تو دوسرا بھی صحیح ہے۔

(4) امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "حضور سید عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو نداء کرنے کے عمدہ دلائل سے " التحیات" ہے جسے ہر نمازی ہر نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے: السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سلام آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ اگر ندا معاذ اللہ شرک ہے، تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی

العظیم۔ (فتاوی رضویہ، ج29، ص567، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(5) اس حدیث پاک سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہوگئی کہ جو یہ کہتے ہیں کہ التحیات میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو سلام کرنے کی نیت نہیں کریں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو "السلام علیک ایھا النبی" فرمایا تھا، اس لیے سلام کے الفاظ بطورِ حکایت زبان سے دہرالیں گے، کیونکہ صحیح بخاری کی اس حدیث پاک میں موجود ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان علیحدہ علیحدہ فرشتوں کو سلام پہنچانے کی نیت سے سلام کہتے تھے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے انہیں جامع کلمات سکھادیئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِين" کہ یوں کہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا سلام زمین وآسمان میں موجود اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے تک پہنچادے گا۔ اس سے پتا چلا کہ یہاں صرف سلام دہرانا مقصود نہیں۔

امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یہ جاہلانہ خیال محض باطل کہ التحیات زمانہ اقدس سے ویسے ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں کی ادا ہے نہ کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نداء حاشا وکلا شریعتِ مطہرہ نے نماز میں کوئی ایسا ذکر نہیں رکھا ہے جس میں صرف زبان سے لفظ نکالے جائیں اور معنی مراد نہ ہوں، نہیں نہیں بلکہ قطعاً یہی درکار ہے۔ التحیاتُ للہ والصلوات سے حمدِ الٰہی کا قصد رکھے اور السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سلام کرتا اور حضور سے بالقصد عرض کررہا ہوں کہ سلام حضور اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

فتاوی عالمگیری میں شرح قدوری سے ہے "وَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَقْصِدَ بِأَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ مَعَانِيَهَا الَّتِي وُضِعَتْ لَهَا مِنْ عِنْدِهِ كَأَنَّهُ يُحَيِّي اللّٰهَ وَيُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى" تشہد کے الفاظ سے ان معانی کا قصد کرنا ضروری ہے جن کے لیے ان الفاظ کو وضع کیا گیا ہے اور جو نمازی کی طرف سے مقصود ہوں، گویا کہ نمازی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ عبادت پیش کررہا ہے، اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر، خود اپنی ذات پر اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے۔

(الفتاوی الھندیہ، کتاب الصلوۃ، الفصل الثانی، ج1، ص72، نورانی کتب خانہ، پشاور)

تنویر الابصار اور اس کی شرح دُرِ مختار میں ہے "(وَيَقْصِدُ بِأَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ) مَعَانِيَهَا مُرَادَةً لَهُ عَلَى وَجْهِ (الْإِنْشَاءِ) كَأَنَّهُ يُحَيِّي اللّٰهَ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَائِهِ (لَا الْإِخْبَارَ) عَنْ ذٰلِكَ ذَكَرَهُ فِي الْمُجْتَبَى" ترجمہ: الفاظِ تشہد سے اُن کے معانی مقصودہ کا بطور انشاء قصد کرے، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار بندگی کررہا ہے اور اس کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، خود اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے، ان الفاظ سے حکایت وخبر کا قصد نہ کرے اس کو مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے۔

(الدر المختار شرح تنویر الابصار، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ج1، ص77، مطبع مجتبائی، دہلی)

علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں "یقصد معانیہ ، مرادۃ لہ، علی انّہ، ینشئھا تحیۃ وسلاما منہ" ترجمہ: قصد کرے معنی مقصودہ کا بایں طور کہ نمازی اپنی طرف سے تحیہ اور سلام پیش کررہا ہے۔

(مراقی الفلاح علی حاشیہ الطحطاوی، کتاب الصلوۃ، ص155، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

اسی طرح بہت علماء نے تصریح فرمائی۔" (فتاوی رضویہ، ج29، ص566 تا 568، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حیات ظاہری میں "یا" کے ساتھ پکارنا

صحیح مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں داخل ہوئے تو: ((فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُونَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللهِ)) ترجمہ: عورتیں اور مرد چھتوں پر چڑھ گئے، بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔ (صحیح مسلم، ج2، ص419، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ندا خود سکھائی

ایک اور حدیث پاک میں ہے: ((عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ فَقَالَ: ادْعُهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ)) ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، ایک نابینا آدمی نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: میرے لیے اللہ تعالی سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت دے۔ فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کو مؤخر کردوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر چاہو تو دعا کروں۔ اس نے عرض کیا: دعا فردیں۔ تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور اس طرح دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں، یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہو کہ میری حاجت روا ہو۔ الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

(سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی صلوۃ الحاجۃ، ج1، ص441، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت ☆ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعاء الضیف، ج5، ص461، دارالغرب الاسلامی، بیروت ☆ مسند احمد بن حنبل، حدیث عثمان بن حنیف، ج28، ص478، موسسۃ الرسالہ، بیروت ☆ صحیح ابن خزیمہ، باب صلوۃ الترغیب والترہیب، ج2، ص225، المکتب الاسلامی، بیروت)

الاسلامی، بیروت ☆ المستدرک، کتاب صلوۃ التطوع، باب دعاء رد البصر، ج1، ص458، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ دلائل النبوۃ، باب ما فی تعلیمہ الضریر ما کان فیہ، ج6، ص166، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے "قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ" ترجمہ: امام ابو اسحٰق نے کہا: یہ صحیح حدیث ہے۔ (سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی صلوۃ الحاجۃ، ج1، ص441، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت)

امام حاکم نے اس حدیث کے بارے میں لکھا "هَـذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ" ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (المستدرک، کتاب صلوۃ التطوع، باب دعاء رد البصر، ج1، ص458، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام بیہقی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "وَرَوَيْـنَـاهُ فِـي كِتَابِ الدَّعَوَاتِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ عَنْ رَوْحِ بْنِ عُبَادَةَ عَنْ شُعْبَةَ، فَـفَـعَـلَ الـرَّجُلُ فَبَرَأَ" ترجمہ: اور ہم نے اس کو کتاب الدعوات میں اسنادِ صحیح کے ساتھ روح بن عبادہ عن شعبہ سے روایت کیا، پس اس شخص نے ایسا کیا تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

(دلائل النبوۃ، باب ما فی تعلیمہ الضریر ما کان فیہ، ج6، ص167، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام ترمذی نے اس کے بارے میں کہا "هَـذَا حَـدِيـثٌ حَسَـنٌ صَـحِيحٌ غَرِيب" ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعاء الضیف، ج5، ص461، دار الغرب الاسلامی، بیروت)

وصالِ ظاہری کے بعد پکارنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَنَّ رَجُلًا، كَـانَ يَـخْتَـلِفُ إِلَـى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِـي حَـاجَةٍ لَـهُ، فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ، فَلَقِيَ ابْنَ حُنَيْفٍ فَشَكَى ذَلِكَ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: اِئْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَتَقْضِي لِي حَاجَتِي وَتُـذْكُـرُ حَاجَتَكَ وَرُحْ حَتَّى أَرُوحَ مَعَكَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهُ، ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَـجَـاءَ الْبَـوَّابُ حَتَّى أَخَذَ بِيَـدِهِ فَـأَدْخَـلَهُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَـأَجْـلَسَـهُ مَـعَـهُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ، فَقَالَ: حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ وَقَضَاهَا لَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: مَا ذَكَرْتُ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَ السَّاعَةُ، وَقَالَ: مَا كَانَتْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ فَأْذْكُرْهَا، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ، فَقَالَ لَهُ: جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا مَا كَانَ يَنْظُرُ فِي حَاجَتِي وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَيَّ حَتَّى كَلَّمْتَهُ فِيَّ، فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: وَاللهِ مَا كَلَّمْتُهُ، وَلَكِنِّي شَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتَاهُ ضَرِيرٌ فَشَكَى إِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:فَتَصَبَّرْ فَقَالَ:يَا رَسُولَ اللهِ، لَيْسَ لِي قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ادْعُ بِهَذِهِ الدَّعَوَاتِ قَالَ ابْنُ حُنَيْفٍ:فَوَاللهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضُرٌّ قَطُّ))

ترجمہ:ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات فرماتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر دعا مانگ :الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روائی فرمائے۔اور اپنی حاجت ذکر کر، پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔حاجتمند نے (کہ وہ بھی صحابی یا کبار تابعین میں سے تھے۔) یوں ہی کیا، پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا، امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا، مطلب پوچھا، عرض کیا، فوراً روا فرمایا، اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت اپنا مطلب بیان کیا، پھر فرمایا : جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف سے ملے اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تو تمہارے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہوا یہ کہ میں نے سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو دیکھا حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یونہی اس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا کرے۔خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی وہ اندھا نہ تھا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ما اسند عثمان بن حنیف، ج9، ص30، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

امام منذری اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں"قَالَ الطَّبَرَانِيّ بعد ذکر طرقه والْحَدِيث صَحِيح "ترجمہ: امام طبرانی نے اس کے طرق ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(الترغیب والترہیب، کتاب النوافل الترغیب فی المحافظۃ، ج1، ص273، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یا نبی اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں:((أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى فَرَسِهِ مِنْ

مَسْکَنِہٖ بِالسُّنْحِ حَتّٰی نَزَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ یُکَلِّمِ النَّاسَ حَتّٰی دَخَلَ عَلٰی عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا فَتَیَمَّمَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُسَجًّی بِبُرْدِ حِبَرَۃٍ فَکَشَفَ عَنْ وَجْھِہٖ ثُمَّ أَکَبَّ عَلَیْہِ فَقَبَّلَہٗ ثُمَّ بَکٰی، فَقَالَ: بِأَبِی أَنْتَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ لَا یَجْمَعُ اللّٰہُ عَلَیْکَ مَوْتَتَیْنِ، أَمَّا الْمَوْتَۃُ الَّتِی کُتِبَتْ عَلَیْکَ فَقَدْ مُتَّھَا)) ترجمہ: (جب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وصال ہو گیا تو) حضرت ابو بکر اپنے گھر سے جو کہ سُنح نامی محلّہ میں تھا گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، یہاں تک کہ آپ مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے اور لوگوں سے بات چیت نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے پھر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آئے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا چہرہ حبرہ چادر میں ڈھکا ہوا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چہرے سے چادر کو ہٹایا اور اپنے آپ کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر گرا دیا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو چوما اور روتے ہوئے کہا: یا نبی اللہ! میرے والد آپ پر فدا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا (بلکہ آپ کو ابھی آن واحد کے لیے ایک ہی موت آنی تھی) اور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ ہو چکی۔ (صحیح بخاری، باب الدخول علی المیت بعد الموت، ج2، ص71، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

روضہ اقدس پر یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا

حضرت مالک الدار سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِی زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ اسْتَسْقِ لِأُمَّتِکَ فَإِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوا، فَأَتَی الرَّجُلَ فِی الْمَنَامِ فَقِیلَ لَہٗ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْہُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْہُ أَنَّکُمْ مُسْتَقِیمُونَ وَقُلْ لَہٗ: عَلَیْکَ الْکَیْسُ، عَلَیْکَ الْکَیْسُ"، فَأَتٰی عُمَرَ فَأَخْبَرَہٗ فَبَکٰی عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: یَا رَبِّ لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْہُ)) ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑھ گیا۔ ایک آدمی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! اللہ عزوجل سے اپنی امت کے لئے بارش طلب کریں کہ یہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس آدمی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کو میرا اسلام کہنا اور اسے خبر دینا کہ بارش ہو گی، اور یہ بھی کہنا کہ نرمی اختیار کرے، اس شخص نے حاضر ہو کر خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر روئے، پھر کہا: اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس چیز میں جس سے میں عاجز ہوں۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الفضائل، ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلد 12، صفحہ 32، الدار السلفیۃ، الھندیۃ)

چند باتیں قابلِ توجہ ہیں

(1) اس روایت کی سند کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح کہا ہے، الفاظ یہ ہیں "وروی بن أَبِی شَیْبَۃَ بِإِسْنَادٍ صَحِیحٍ" ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے اسنادِ صحیح کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری، باب سوال الناس الامام الاستسقاء، ج2، ص495، دار المعرفہ، بیروت)

(2) حافظ ابن کثیر نے بھی مصنف ابن ابی شیبہ والی سند کے ساتھ روایت بیان کر کے لکھا ہے "وَهٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ" ترجمہ: یہ سند صحیح ہے۔ (البدایۃ النہایۃ، ج7، ص105، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(3) حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایک اور سند کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ یہ پکارنے والے صحابی رسول تھے جن کا نام بلال بن حارث تھا۔ الفاظ یہ ہیں: ((وَقَدْ رَوَى سَيْفٌ فِي الْفُتُوحِ أَنَّ الَّذِي رَأَى الْمَنَامَ الْمَذْكُورَ هُوَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيُّ أَحَدُ الصَّحَابَةِ)) ترجمہ: سیف نے فتوح میں روایت کیا ہے کہ جس نے خواب دیکھا تھا وہ بلال بن حارث مزنی صحابی تھے۔ (فتح الباری، باب سوال الناس الامام الاستسقاء، ج2، ص496، دار المعرفہ، بیروت)

(4) اس سے پتا چلا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے وصالِ ظاہری کے بعد ایک صحابی رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پریشانی کے حل کے لیے روضہ انور پر جا کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو "یا رسول اللہ" کہہ کر پکارا اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مدد بھی فرمائی۔

(5) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں یہ واقعہ پیش آیا، جس دور میں کثیر صحابہ کرام موجود ہیں، اگر مزار اقدس پر جا کر پریشانی کے حل کے لیے "یارسول اللہ" کہہ کر پکارنا شرک ہوتا تو کیا عمر فاروق اعظم اور دیگر صحابہ کرام خاموش رہتے، یقیناً فتویٰ صادر کرتے کہ تم مشرک ہو چکے ہو، ابھی توبہ کرو ورنہ تمہیں مرتدین والی سزا دی جائے گی۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔

بیابان جنگل میں اکیلے مدد کے لئے پکارنا

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ)) وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ۔ ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کر دے یا اسے مدد کی حاجت ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے: اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا وہ اس کی مدد کریںگے۔ یہ پکار مجرب (تجربہ شدہ) ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ما اسند عتبہ بن غزوان، ج17، ص117، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ((إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا، يَا عِبَادَ اللَّهِ احْبِسُوا، فَإِنَّ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ)) ترجمہ: جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے تو یوں ندا کرے اے اللہ کے بندو! روک دو، اے اللہ کے بندو! روک دو، زمین پر اللہ

عزوجل کے کچھ بندے حاضر رہتے ہیں، وہ اس جانور کو روک دیں گے۔

(مسند ابو یعلی الموصلی، مسند عبداللہ بن مسعود، ج9، ص177، دار المامون للتراث، دمشق * عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی، باب ما یقول اذا انفلتت الدابۃ، ج1، ص455، دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ ومؤسسۃ علوم القرآن، بیروت)

حضرت ابان بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اِذَا نَفَرَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ أَوْ بَعِيرُهُ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا يَرَى بِهَا أَحَدًا، فَلْيَقُلْ: أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ فَإِنَّهُ سَيُعَانُ)) ترجمہ: جنگل بیابان میں جب تم میں سے کسی کا جانور بھاگ جائے، وہاں وہ کسی مددگار کو نہ دیکھے تو کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، تو اس کی مدد کی جائے گی۔ (المصنف لابن ابی شیبہ، ما یقول الرجل اذا انفلتت بہ دابتہ او بعیرہ فی سفر، ج6، ص103، مکتبۃ الرشد، الریاض)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان تین احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "یہ حدیثیں کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمائیں قدیم سے اکابر علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقبول و معمول و مجرب ہیں۔"

(فتاوی رضویہ، ج21، ص318، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یارسول اللہ علیہ السلام! میری شفاعت کیجئے

حضرت ابو حرب ہلالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((حَجَّ أَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا جَاءَ إِلَى بَابِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَعَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ حَتَّى أَتَى الْقَبْرَ وَوَقَفَ بِحِذَاءِ وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ جِئْتُكَ مُثْقَلاً بِالذُّنُوبِ وَالْخَطَايَا مُسْتَشْفِعًا بِكَ عَلَى رَبِّكَ لِأَنَّهُ قَالَ فِي مُحْكَمِ كِتَابِهِ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ وَقَدْ جِئْتُكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مُثْقَلاً بِالذُّنُوبِ وَالْخَطَايَا أَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى رَبِّكَ أَنْ يَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي وَأَنْ تَشْفَعَ فِيَّ)) ترجمہ: ایک اعرابی نے حج کیا پس جب وہ مسجد نبوی کے دروازے پر آیا تو اس نے اپنی سواری کو بٹھا کر باندھ دیا پھر وہ مسجد میں داخل ہوا یہاں تک کہ قبر انور کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا میں گناہوں اور خطاؤں کے بوجھ سے لتھڑا آپ کی بارگاہ میں آپ کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح کتاب میں ارشاد فرمایا: ﴿اور اگر مومنین اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ سے استغفار کریں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے استغفار کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے﴾ آپ پر میرے ماں باپ فدا تحقیق میں آپ کی بارگاہ میں گناہوں سے لتھڑا اس لئے حاضر ہوا

ہوں کہ آپ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی مغفرت کی شفاعت طلب کروں، اور آپ میری شفاعت فرمائیں۔

(شعب الایمان، فضل الحج والعمرۃ، ج6، ص60، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض)

اس طرح کی روایت امام قرطبی نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کی ہے، اس کے آخر میں ہے: ((فَنُودِیَ مِنَ الْقَبْرِ اِنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ)) ترجمہ: قبر انور سے آواز آئی کہ تمہاری بخشش کر دی گئی۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، تحت الآیۃ ﴿ولو انهم اذ ظلموا انفسهم ---﴾، ج5، ص265,266، دار الکتب المصریہ، القاہرہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور نداء

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 256ھ) نے "الادب المفرد" میں روایت نقل کی ہے: ((خَدِرَتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: اذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّد)) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا، ایک آدمی نے ان سے کہا: انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت نے کہا: یا محمد (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم)!۔

(الادب المفرد، باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ، ج1، ص335، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت)

امام ابن سنی رحمۃ اللہ علیہ (364ھ) نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی، اس کے آخر کے الفاظ یہ ہیں: ((فَقَالَ: يَا مُحَمَّدَاهُ فَقَامَ فَمَشَى)) ترجمہ: جب "یا محمداہ" کہا تو (پاؤں ٹھیک ہو گیا) اٹھے اور چل پڑے۔

(عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول الرجل اذا خدرت رجلہ، ج1، ص141، دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، بیروت)

اہلِ مدینہ میں قدیم سے اس یا محمداہ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔

علامہ شہاب خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں "هذا مما تعاهده اهل المدينة"

ترجمہ: یہ اہل مدینہ کے معمولات میں سے ہے۔ (نسیم الریاض شرح الشفاء، فصل فیما روی عن السلف، ص271، مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات)

دور سے نداء

حلب جو کہ مدینۂ منورہ زادھا اللہ شرفا وتعظیما سے دور ہے ملک شام کا ایک شہر ہے، جب اس کو فتح کرنے کے لئے صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے وہاں جہاد کیا تو ایک موقعہ پر گھمسان کا رن پڑا اور مسلمانوں کو سخت آزمائش ہوئی، ایسے میں صحابی رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو طرز عمل تھا اسے مشہور مؤرخ محمد بن عمر واقدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 207ھ) نے اپنی مشہور کتاب فتوح الشام میں یوں تحریر کیا ہے "كعب بن ضمرة قلق على المسلمين فجاهد عنهم وهو يحول بالراية وينادى يا محمد يا محمد يا نصر الله انزل معاشر المسلمين اثبتوا انما هى ساعة ويأتى النصر

وأنتم الأعلون فاجتمع المسلمون علیه ''ترجمہ: حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے متعلق بے قرار اور بے چین ہوگئے، پس آپ نے ان کی طرف سے جہاد کیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت یہ تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لہلاتے جاتے اور یوں پکارتے جاتے: ''اے محمد، اے محمد، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اے اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہو، اے مسلمانوں کے گروہ! تم ثابت قدم رہو بس یہ ایک گھڑی ہے اور مدد آئے گی اور تم ہی غالب آؤ گے، پس مسلمان ان کے گرد جمع ہوگئے۔

(فتوح الشام، ج1، ص240، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نداء

حضرت بلال بن الحارث مُزنی سے قحطِ عام الرمادہ میں کہ بعد خلافتِ فاروقی 18ھ میں واقع ہوا، ان کی قوم بنی مزینہ نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں کوئی بکری ذبح کیجئے فرمایا بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے، انہوں نے اصرار کیا، آخر ذبح کی، کھال کھینچی تو نِری سرخ ہڈی نکلی، یہ دیکھ کر بلال بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ندا کی۔ یا محمداہ، پھر حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی۔ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (630ھ) نے یہ روایت الکامل فی التاریخ میں تفصیلاً نقل کی ہے، جس کا کچھ حصہ یہ ہے: ((فَقَالَ أَهْلُ بَيْتٍ مِنْ مُزَيْنَةَ لِصَاحِبِهِمْ، وَهُوَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ: قَدْ هَلَكْنَا فَاذْبَحْ لَنَا شَاةً. قَالَ: لَيْسَ فِيهِنَّ شَيْءٌ. لَمْ يَزَالُوا بِهِ حَتَّى ذَبَحَ فَسَلَخَ عَنْ عَظْمٍ أَحْمَرَ، فَنَادَى: يَا مُحَمَّدَاهُ! فَأُرِيَ فِي الْمَنَامِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ)) ترجمہ: بنی مزینہ نے اپنے صاحب حضرت بلال بن حارث سے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں کوئی بکری ذبح کیجئے فرمایا بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے، انہوں نے اصرار کیا، آخر ذبح کی، کھال کھینچی تو نری سرخ ہڈی نکلی، یہ دیکھ کر بلال بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ندا کی: یا محمداہ، پھر حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی۔

(الکامل فی التاریخ، ثم دخلت سنہ ثمان عشرۃ، ج2، ص375، دار الکتاب العربی، بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے اور نداء

امام مجتہد فقیہ اجل عبد الرحمٰن ہذلی کوفی مسعودی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلہ تبع تابعین و اکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں سر پر بلند ٹوپی رکھتے جس میں لکھا تھا: محمد یا منصور۔ چنانچہ ہیثم بن جمیل انطا کی کہ ثقات علمائے محدثین سے ہیں، انہیں امام اجل کی نسبت فرماتے ہیں ''رأيته وعلى رأسه قلنسوته اطول من ذراع مكتوب فيها مُحمد يا منصور'' ترجمہ: میں نے اُن کو دیکھا ان کے سر پر ہاتھ بھر سے لمبی ٹوپی تھی جس میں لکھا ہوا تھا: محمد یا منصور۔

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج2، ص574، دار المعرفۃ للطباعۃ، بیروت)

محدثین اور نداء

عظیم محدث امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں: "وروی عن أبی بكر بن أبی علی قال كان ابن المقرء يقول كنت أنا والطبرانی وأبو الشيخ بالمدينة فضاق بنا الوقت فواصلنا ذلك اليوم فلما كان وقت العشاء حضرت القبر وقلت يا رسول الله الجوع؛ فقال لی الطبرانی اجلس فإما أن يكون الرزق أو الموت، فقمت أنا وأبو الشيخ فحضر الباب علوی ففتحنا له فإذا معه غلامان بقفتين فيهما شیء كثير وقال شكوتمونی إلى النبی صلی الله عليه وآله وسلم رأيته فی النوم فأمرنی بحمل شیء إليكم "ترجمہ: حضرت ابن المقری فرماتے ہیں کہ میں، طبرانی اور ابو شیخ رحمہم اللہ مدینہ منورہ میں تھے، ہمارا خرچ ختم ہو گیا اور ہم تنگدستی کا شکار ہو گئے، ایک دن عشاء کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پاک پر حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بھوک سے نڈھال ہیں۔ امام طبرانی کہنے لگے بیٹھ جاؤ یا ہمیں کھانا مل جائے گا یا موت آ جائے گی۔ میں اور ابو شیخ اٹھ کر دروازے کے پاس آئے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک علوی اپنے دو غلاموں کے ساتھ تھا، وہ ٹوکرے میں بہت سی چیزیں لئے کھڑے تھے۔ علوی بولا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت کی ہے اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں آ کر تمہیں کچھ دینے کا حکم دیا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ، جلد 3، صفحہ 122، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام شہاب رملی اور نداء

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاوی میں ہے "(سُئِلَ) عَمَّا يَقَعُ مِنَ الْعَامَّةِ مِنْ قَوْلِهِمْ عِنْدَ الشَّدَائِدِ يَا شَيْخُ فُلَانٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَنَحْوِ ذَلِكَ مِنَ الِاسْتِغَاثَةِ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ فَهَلْ ذَلِكَ جَائِزٌ أَمْ لَا وَهَلْ لِلرُّسُلِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالْمَشَايِخِ إغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ وَمَاذَا يُرَجِّحُ ذَلِكَ؟(فَأَجَابَ) بِأَنَّ الِاسْتِغَاثَةَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِينَ جَائِزَةٌ وَلِلرُّسُلِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ إغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ "ترجمہ: ان سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء و مرسلین و اولیاء و صالحین سے فریاد کرتے اور یا شیخ فلاں (یارسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبد القادر جیلانی) اور ان کی مثل کلمات کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیاء بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء و مرسلین و اولیاء و علماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔

(فتاوی الرملی فی فروع الفقہ الشافعی، مسائل شتی، ج 4، ص 733، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ خیر الدین رملی اور نداء

علامہ خیر الدین رملی حنفی (اُستاذ صاحب دُرمختار) فتاویٰ خیریہ میں فرماتے ہیں "قولهم يا شيخ عبدالقادر فهو نداء فما الموجب لحرمته" ترجمہ: لوگوں کا کہنا کہ: یا شیخ عبدالقادر، یہ ایک نداء ہے پھر اُس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔

(فتاویٰ خیریہ، کتاب الکراھیۃ والاستحسان، ج2، ص182، دار المعرفۃ للطباعۃ، بیروت)

امام ابن جوزی اور نداء

امام ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں تین اولیائے عظام کا عظیم الشان واقعہ بسندِ مسلسل روایت کیا کہ وہ تین بھائی سواران دلاور ساکنانِ شام تھے کہ ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کرتے "فاسره الروم مرّة قال لهم الملك انى اجعل فيكم الملك وازوّجكم بناتى و تدخلون فى النصرانيّة فابَوا وقالوا يا مُحَمَّدَاهُ" ترجمہ: ایک بار نصاری روم انہیں قید کر کے لے گئے بادشاہ نے کہا میں تمہیں سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تمہیں بیاہ دوں گا تم نصرانی ہو جاؤ۔ انہوں نے نہ مانا اور ندا کی یا محمداہ۔

بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کرا کر دو صاحبوں کو اس میں ڈال دیا، تیسرے کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا فرما کر بچالیا۔ وہ دونوں چھ مہینے کے بعد مع ایک جماعت ملائکہ کے بیداری میں ان کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے انہوں نے حال پوچھا فرمایا: ما كانت الّا الغطسة التى رأيت حتّٰى خرجنا فى الفردوس۔ ترجمہ: بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا اس کے بعد ہم جنت اعلیٰ میں تھے۔

امام فرماتے ہیں: كانا مشهورين بذلك معروفين بالشام فى الزمن الاوّل۔ ترجمہ: یہ حضرات زمانہ سلف میں مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف۔

پھر فرمایا: شعراء نے ان کی منقبت میں قصیدے لکھے۔

(شرح الصدور، بحوالہ عیون الحکایات، باب زیارۃ القبور وعلم الموتی، ص90، خلافت اکیڈمی منگورہ، سوات)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "یہ واقعہ عجیب، نفس و روح پرور ہے، میں بخیالِ تطویل اسے مختصر کر گیا، تمام و کمال امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور میں ہے، من شاء فليرجع اليه (جو تفصیل چاہتا ہے اس کی طرف رجوع کرے) یہاں مقصود اس قدر ہے کہ مصیبت میں "یا رسول اللہ" کہنا اگر شرک ہے تو مشرک کی مغفرت و شہادت کیسی، اور جنت الفردوس میں جگہ پائی کے کیا معنے، اور ان کی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا کیونکر معقول؟ اور ان

ائمہ دین نے یہ روایت کیونکر مقبول اوران کی شہادت وولایت کس وجہ سے مسلم رکھی۔اوروہ مردانِ خدا خود بھی سلفِ صالح میں تھے کہ واقعہ شہر طرطوس کی آبادی سے پہلے کا ہے اور طرطوس ایک ثغر ہے یعنی دارالاسلام کی سرحد کا شہر جسے خلیفہ ہارون رشید نے آباد کیا۔

(شرح الصدور، باب زیارۃ القبور، ص89، مصطفی البابی، مصر)

ہارون رشید کا زمانہ زمانہ تابعین وتبع تابعین تھا تو یہ تینوں شہدائے کرام اگر تابعی نہ تھے لا اقل تبع تابعین سے تھے واللہ الھادی۔

(فتاویٰ رضویہ، ج29، ص555تا556، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ اور نداء

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں ''من استغاث بی فی کربۃٍ کشفت عنه و من نادی باسمی فی شدۃ فرجت عنه من توسّل بی الی اللّٰہ عزوجل فی حاجۃٍ قضیت له و من صلّٰی رکعتین یقرأفی کل رکعۃٍ بعد الفاتحۃ سورۃ اخلاص اِحدٰی عشرۃ مرّۃً ثم یصلّی علی رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بعد السلام ویسلم علیه ویذکرنی ثم یخطوالٰی جھۃ العراق احدٰی عشرۃ خطوۃ یذکرھا اسمی ویذکر حاجته فانھا تقضٰی باذن اللّٰہ ''ترجمہ: جوکسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف دفع ہواور جوکسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہواور جو کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت برآئے۔اور جو دورکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مجھے یاد کرے، پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے ان میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے تو اس کی وہ حاجت اللہ کے اذن سے روا ہو۔

(بہجۃ الاسرار، ذکر فضل اصحابہ وبشراہم، ص102، مصطفی البابی، مصر☆زبدۃ الاسرار، ذکر فضل اصحابہ ومریدیہ ومحسبیہ، ص101، بکسلنگ کمپنی، بمبئی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس فرمانِ غوث اعظم کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں'' اکابر علمائے کرام و اولیائے عظام مثل (1) امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی شطنوفی (2) وامام عبداللہ بن اسد یافعی مکّی (3) مولانا علی قاری مکی صاحب مرقاۃ شرح مشکوۃ (4) مولٰینا ابوالمعالی محمد سلمی قادری و(5) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اپنی تصانیف جلیلہ (1) بہجۃ الاسرار (2) وخلاصۃ المفاخر (3) ونزہۃ الخاطر (4) وتحفہ قادریہ (5) وزبدۃ الآثار وغیرہا میں یہ کلمات رحمت آیات حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل وروایت فرماتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج29، ص557، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور نداء

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ ربانی کتاب "لواقح الانوار فی طبقات الاخیار" میں فرماتے ہیں

''سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید بازار میں تشریف لیے جاتے تھے ان کے جانور کا پاؤں پھسلا، با آواز پکارا یا سیدی محمد یا غمری، ادھر ابن عمر حاکمِ صعید کو بحکم سلطان چقمق قید کیے لیے جاتے تھے، ابن عمر نے فقیر کا نداء کرنا سنا، پوچھا یہ سیدی محمد کون ہیں؟ کہا میرے شیخ کہا میں ذلیل بھی کہتا ہوں، یا سیدی یا غمری لاحظنی، اے میرے سردار اے محمد غمری! مجھ پر نظرِ عنایت کرو، ان کا یہ کہنا تھا کہ حضرت سیّدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور مدد فرمائی کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی جان پر بن گئی، مجبورانہ ابن عمر کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار، ترجمہ الشیخ محمد الغمری، ج2، ص88، مصطفی البابی، مصر)

اسی میں ہے ''سیدی شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرہ خلوت میں وضو فرما رہے تھے ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کہ غائب ہوگئی حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے جب تک وہ پہلی واپس آئے، ایک مدت کے بعد ملکِ شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع اور ہدایا کے حاضر لایا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے، جب چور میرے سینہ پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا میں نے اپنے دل میں کہا: یا سیدی محمد یا حنفی، اُسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آ کر اس کے سینہ پر لگی کہ غش کھا کر الٹا ہوگیا اور مجھے بہ برکتِ حضرت شمس الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجات بخشی۔ (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار، ترجمہ سیدنا و مولانا شمس الدین حنفی، ج2، ص95، مصطفی البابی، مصر)

اسی میں ہے ''ولیِ ممدوح قدس سرّہ کی زوجہ مقدسہ بیماری سے قریبِ مرگ ہوئیں تو وہ یوں ندا کرتی تھیں: یا سیدی احمد یا بدویؒ خاطرک معی، اے میرے سردار اے احمد بدوی! حضرت کی توجہ میرے ساتھ ہے۔ ایک دن حضرت سیدی احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں، کب تک مجھے پکارے گی اور مجھ سے فریاد کرے گی تو جانتی نہیں کہ تو ایک بڑے صاحبِ تمکین (یعنی اپنے شوہر) کی حمایت میں ہے، اور جو کسی ولیِ کبیر کی درگاہ میں ہوتا ہے ہم اس کی نداء پر اجابت نہیں کرتے، یوں کہہ: یا سیدی محمد یا حنفی، کہ یہ کہے گی تو اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے گا۔

ان بی بی نے یونہی کہا، صبح کو تندرست اُٹھیں، گویا کبھی مرض نہ تھا۔

(لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ سیدنا و مولٰنا شمس الدین الحنفی، ج2، ص96، مصطفی البابی، مصر)

شیخ بہاء الحق اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار شریف میں ذکر مبارک حضرت سید اجل شیخ بہاء الحق والدین بن ابراہیم عطاء اللہ الانصاری القادری الشطاری الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت ممدوح کے رسالہ مبارکہ شطاریہ سے نقل فرماتے ہیں ''ذکرِ کشفِ ارواح یا احمد یا محمد در دو طریق ست، یک طریق آنست یا احمد را

در داستا بگوید و یا محمد را در چپا بگوید و در دل ضرب کند یا رسول اللہ طریق دوم آنست کہ یا احمد را در راستا گوید و چپا یا محمد و در دل و مر کند یا مصطفی دیگر ذکر یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ شش طرفی ذکر کند کشف جمیع ارواح شود دیگر اسمائے ملائکہ مقرب ہمیں تاثیر دارند یا جبریل یا میکائیل یا اسرافیل یا عزرائیل چہار ضربی دیگر ذکر اسم شیخ یعنی بگوید یا شیخ یا شیخ ہزار بار بگوید کہ حرفِ نداء را از دل بکشد طرف راستا برد و لفظ شیخ را در دل ضرب کند

''ترجمہ: کشف ارواح کے ذکر یا احمد و یا محمد میں دو طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد دائیں طرف اور یا محمد بائیں طرف سے کہتے ہوئے دل پر یا رسول اللہ کی ضرب لگائے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد دائیں طرف اور یا محمد بائیں طرف سے کہتے ہوئے دل میں یا مصطفی کا خیال جمائے۔ اس کے علاوہ دیگر اذکار یا محمد، یا احمد، یا علی، یا حسن، یا حسین، یا فاطمہ کا چھ طرفی ذکر کرنے سے تمام ارواح کا کشف حاصل ہو جاتا ہے۔ مقرب فرشتوں کے ناموں کا ذکر بھی تاثیر رکھتا ہے، یا جبرائیل، یا میکائیل، یا اسرافیل، یا عزرائیل کا چار ضربی ذکر کرے، نیز اسم شیخ کا ذکر کرتے ہوئے یا شیخ یا شیخ ہزار بار اس طرح کرے کہ حرف ندا کو دل سے کھینچتے ہوئے دائیں طرف لے جائے اور لفظِ شیخ سے دل پر ضرب لگائے۔

(اخبار الاخیار ترجمہ شیخ بہاؤ الدین ابراہیم عطاء اللہ انصاری، ص199، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

شاہ ولی اللہ اور نداء

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم میں لکھتے ہیں:

وصلّی علیك اللّٰہ یا خیر خلقه ویاخیر مامول ویاخیرَ واھب

ویاخیرمن یرجٰی لکشف رَزِیّة ومن جوده، قد فاق جودالسحائب

وانت مجیری من ھجوم مُلمّة اذا انشبت فی القلب شرّ المخالب

ترجمہ: اے خلقِ خدا سے بہتر! آپ پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے، اے بہترین شخص جس سے امید کی جاتی ہے اور اے بہترین عطا کرنے والے اور اے بہترین شخص کہ مصیبت کو دور کرنے میں جس سے امید رکھی جاتی ہے، اور جس کی سخاوت بارش پر فوقیت رکھتی ہے۔ آپ ہی مجھے مصیبتوں کے ہجوم سے پناہ دینے والے ہیں جب وہ میرے دل میں بدترین پنجے گاڑتی ہیں۔

(اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم، فصل یازدہم، ص22، مطبع مجتبائی، دہلی)

یہی شاہ صاحب قصیدہ ''مدحیہ حزبیہ'' میں لکھتے ہیں:

ینادی ضارعاً لخضوع قلب ۔۔۔ وذلّ وابتهال والتجاء

رسول اللہ یا خیر البرایا ۔۔۔ نوالك ابتغی یوم القضاء

اذا ما حلّ خطب مدلهم ۔۔۔ فانت الحصن من کل البلاء

الیك توجهی وبك استنادی ۔۔۔ وفیك مطامعی وبك ارتجائی

اور خود ہی اس کی شرح وترجمہ میں لکھتے ہیں ''فصل ششم در مخاطبہ جناب عالی علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات والتسلیمات ندا کند زاد وخوار شدہ بشکستگی دل و اظہار بے قدری خود بہ اخلاص در مناجات و بہ پناہ گرفتن بایں طریق کہ اے رسول خدا اے بہترین مخلوقات عطائے مے خواہم روز فیصل کردن. وقتے کہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی پس توئی پناہ از ہر بلا بسوئے تست رو آوردن من و بہ تست پناہ گرفتن من و در تست امید داشتنِ من اہ ملخصاً'' ترجمہ: چھٹی فصل عالی مرتبت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنے کے بیان میں۔ آپ پر بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو۔ ذلیل وخوار شخص شکستہ دل، ذلت ورسوائی عجز وانکسار کے ساتھ پناہ طلب کرتے ہوئے یوں پکارتا ہے، اے اللہ تعالیٰ کے رسول، اے بہترین خلق! میں فیصلے کے دن آپ کی عطا کا طلبگار ہوں، جب انتہائی اندھیرے میں بہت بڑی مصیبت نازل ہوتو ہر بلا سے پناہ گاہ تو ہی ہے۔ میری توجہ تیری طرف ہے، تجھ ہی سے میں پناہ لیتا ہوں، تجھ ہی سے طمع وامید رکھتا ہوں۔ (اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم، فصل ششم، 33,34، مطبع مجتبائی، دہلی)

ملا جامی اور نداء

روح البیان میں ہے: ''قال المولی الجامی قدس سرہ: یا نبی اللہ السلام علیك ...انما الفوز و الفلاح لدیك'' ترجمہ: مولیٰ جامی قدس سرہ نے فرمایا: یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پر سلام ہو کامیابی وکامرانی آپ ہی کی بارگاہ سے ملتی ہے۔ (روح البیان، فی التفسیر، سورۃ البقرہ، آیت 62)

شیخ بوصیری اور نداء

شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ یوں فریاد کرتے ہیں:

یا اکرم الخلق مالی من الوذ به

سوائك عند حلول الحادث العمم

ترجمہ: اے بہترین مخلوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ آفت و مصیبت کے وقت میں جس کی پناہ لوں اس لئے کرم فرمایئے۔

(قصیدہ بردہ شریف)

باب نمبر 213

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُخْفِى التَّشَهُّدَ

تشہد آہستہ پڑھنے کا بیان

291- حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدِ الأَشَجُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُخْفِيَ التَّشَهُّدَ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ نمازی تشہد آہستہ پڑھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن غریب" ہے۔ اور علما کا اس پر عمل ہے۔

تخریج حدیث 291: (سنن ابی داؤد، باب اخفاء التشہد، ج1، ص259، حدیث986، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ مسند البزار، عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابیہ عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ج5، ص72، حدیث1643، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ ☆ المستدرک علی الصحیحین، اما حدیث انس، ج1، ص354، حدیث838، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ محمود بدرالدین عینی حنفی (متوفی 855ھ) فرماتے ہیں:

((سنت یہ ہے کہ نمازی تشہد آہستہ پڑھے)) اسی روایت سے علماء نے اخذ کیا کہ نمازی تشہد کو آہستہ پڑھے اور آہستہ پڑھنے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ آہستہ ہو۔

(شرح ابی داؤد للعینی، باب اخفاء التشہد، ج4، ص271، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ علی بن سلطان القاری حنفی (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں:

((سنت یہ ہے کہ نمازی تشہد آہستہ پڑھے)) علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی صحابی یوں کہے: "یہ چیز سنت سے ہے" یا "سنت اسی طرح ہے" تو یہ یوں کہنے کی طرح ہی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا" یہ جمہور فقہاء اور محدثین کا مذہب ہے اور بعضوں نے اسے موقوف مانا اور یہ قول کوئی شے نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ "سن کذا" (اسی طرح سنت ہے) یہ "قال، فعل اور قرر" (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اور برقرار رکھا) کے معنی کو شامل ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التشہد، ج2، ص738، دار الفکر، بیروت)

تشہد کو آہستہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ سب کے نزدیک تشہد آہستہ پڑھنا سنت ہے، سب کی کتب سے عبارات درج ذیل ہیں:

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

تشہد میں آہستہ پڑھنا سنت ہے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں امام آہستہ کہے اور ان میں سے تشہد کو بھی شمار فرمایا اور اس وجہ سے کہ اللہ عزوجل کی ثناء کے قبیل سے ہے اور ثناء اور دعاؤں میں اصل آہستہ پڑھنا ہی ہے۔ (بدائع الصنائع، فصل فی سنن حکم التکبیر، ج1، ص214، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 767ھ) فرماتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ تشہد آہستہ پڑھنا سنت ہے اور اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو سنن ابی داؤد اور ترمذی اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ((من السنّة أن يخفى

التشھد)) ترجمہ: سنت یہ ہے کہ نمازی تشہد آہستہ پڑھے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور امام حاکم نے فرمایا: صحیح ہے۔ اور جب صحابی رضی اللہ عنہ یوں کہے: سنت سے یونہی ہے تو ان کا یہ قول اسی معنی میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ارشاد فرمایا" یہی مذہب صحیح وپسندیدہ ہے جس پر جمہور فقہاء ومحدثین اور اصحاب اصول اور متکلمین رحمہم اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ پس اگر اس نے بلند آواز سے تشہد پڑھی تو مکروہ ہے اور اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔

(الاذکار للنووی، السہو فی التشہد الاسرار بہ، ج1، ص66، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

اور سنت تشہد کو آہستہ پڑھنا ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جہر کے ساتھ نہیں پڑھا کیونکہ اگر آپ اسے جہر کے ساتھ پڑھتے تو یہ قراءت کی طرح منقول ہوتا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ((من السنّۃ اخفاء التشھد)) ترجمہ: تشہد آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ (ابوداؤد) اور اس کو آہستہ پڑھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ قراءت کے علاوہ ایسا ذکر ہے کہ جس کے ذریعہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل نہیں ہوا جاتا تو اس میں اخفا مستحب ہے جیسا کہ تسبیحات۔ ہم اس مسئلہ میں اختلاف کو نہیں جانتے۔ (المغنی لابن قدامہ، مسئلۃ الدعاء فی الصلاۃ، ج1، ص391، مکتبۃ القاہرہ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد رُعینی مالکی (متوفی 954) فرماتے ہیں:

استذکار میں فرمایا: تشہد کو آہستہ پڑھنا تمام ائمہ کے نزدیک سنت ہے اور اس کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنا بدعت اور جہل ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (مواہب الجلیل، فرع اخفاء التشہد، ج1، ص543، دار الفکر، بیروت)

باب نمبر 214

بَابٌ كَيْفَ الْجُلُوسُ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد میں بیٹھنے کا انداز

292- حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، قُلْتُ: لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ: افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى -يَعْنِي- عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى، وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى. قَالَ ابوعيسىٰ: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَأَهْلِ الْكُوفَةِ، وَابْنِ الْمُبَارَكِ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، میں نے (دل میں) کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ضرور ملاحظہ کروں گا، جب آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بائیں ران پر بایاں ہاتھ رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ اور اکثر علما کا اس پر عمل ہے۔ امام سفیان ثوری، امام عبداللہ ابن مبارک اور اہل کوفہ (امام اعظم اور اُن کے تلامذہ) کا یہی نظریہ ہے۔

تخریج حدیث 292: (سنن ابی داؤد، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، ج 1، ص 193، حدیث 726، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب موضع الیدین عند الجلوس الخ، ج 2، ص 236، حدیث 1159، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

باب نمبر(215)

بَابُ مِنْهُ أَيْضًا

اُسی عنوان کا دوسرا باب

293- حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ قَالَ:حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَ:حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمَدَنِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ السَّاعِدِيُّ، قَالَ:اجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ،وَأَبُو أُسَيْدٍ، وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ، فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ :أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ -يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ -فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى، وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ، وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى، وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى،وَأَشَارَ بِأُصْبُعِهِ -يَعْنِي السَّبَّابَةَ -قَالَ ابوعيسىٰ :وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ قَالُوا :يَقْعُدُ فِي التَّشَهُّدِ الْآخِرِ عَلَى وَرِكِهِ، وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ،وَقَالُوا:يَقْعُدُ فِي التَّشَهُّدِ الْأَوَّلِ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ الْيُمْنَى "

حضرت عباس بن سہل ساعدی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوحمید، ابواُسید، سہل بن سعد اور محمد بن سلمہ (یہ چاروں حضرات ایک جگہ) جمع ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کرنے لگے، حضرت ابوحمید نے کہا میں تم سب سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں، آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو بائیں پاؤں کو بچھایا اور دائیں پاؤں کا اگلا حصہ قبلہ رُخ کرلیا، دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔علما کا یہ ہی قول ہے۔امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہ ہی مسلک ہے وہ کہتے ہیں کہ قعدۂ اخیرہ میں اپنی سُرین پر بیٹھے، اور اُنہوں نے ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا اور کہا کہ قعدۂ اُولیٰ میں بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے۔

تخریج حدیث 293: (سنن ابی داؤد، باب افتتاح الصلاۃ، ج 1، ص 196، حدیث 734، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ صحیح ابن خزیمہ، باب۔ بیۃ الجلوس فی التشہد الاول، ج 1، ص 343، حدیث 689، المکتب الاسلامی، بیروت ☆ صحیح ابن حبان، ذکر البیان بان علی المصلی رفع الیدین، ج 5، ص 189، حدیث 1871، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ، مذاہب ائمہ

حنابلہ کا موقف

شمس الدین محمد بن عبداللہ زرکشی حنبلی (متوفی 772ھ) فرماتے ہیں:

نمازی جب دوسجدوں کے درمیان بیٹھے اور سیدھا ہوجائے تو اس کا بیٹھنا بائیں پاؤں پر ہو اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے۔۔۔۔صحیح حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ((کان یفرش رجله الیسری وینصب الیمنی)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں کو کھڑا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(شرح الزرکشی علی مختصر، رفع الرأس من السجود، ج1، ص571، دار العبیکان)

قعدۂ اولیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

جب اس میں تشہد کے لئے بیٹھے تو دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کی طرح ہو۔

(شرح الزرکشی علی مختصر، کیفیۃ الجلوس فی التشہد، ج1، ص579، دار العبیکان)

قعدۂ اخیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

(جب قعدۂ اخیرہ کے لئے بیٹھے تو "تورک" کرے یعنی سرین کے بل بیٹھے) ہمارا مذہب یہ ہے کہ وہ نماز کے تمام جلسوں میں بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھے مگر اس نماز کے قعدہ اخیرہ میں کہ جس میں دو اصلی تشہد ہوں، سرین کے بل بیٹھے۔ اور اس بارے میں دلیل حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پاک ہے جو انہوں نے دس صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان بیان کی پس اس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کو بیان کیا اور پہلے تشہد میں پاؤں بچھا کر بیٹھنا بیان فرمایا اور دوسرے تشہد میں سرین کے بل۔

(شرح الزرکشی علی مختصر، التورک فی الجلوس للتشہد الاخیر، ج1، ص584,585، دار العبیکان)

شوافع کا موقف

دوسجدوں کے درمیاں بیٹھنے کے بارے میں علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

پھر مفترشا بیٹھے یعنی بائیں پاؤں کو بچھالے اور دائیں کو کھڑا کردے۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج1، ص147، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام الحرمین علامہ عبد الملک بن عبد اللہ جوینی شافعی (متوفی 478ھ) قعدۂ اولی اور قعدہ اخیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: پہلے تشہد مفترشا بیٹھے یعنی بائیں پاؤں کو بچھالے اور دائیں کو کھڑا کردے اور دوسرے میں تورک کرے یعنی سرین کے بل بیٹھے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بارے میں اس حدیث پر اعتماد کیا جو مروی ہے کہ بے شک حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ((رأيتُ النبي صلى الله عليه وسلم إذا جلس في الركعتين، جلس على رجله اليسرى، وإذا جلس في الركعة الأخيرة قدم رجله اليسرى، و جلس على مَقْعَدَتِه)) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکعتوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں پاؤں پر بیٹھے اور جب قعدہ اخیرہ میں بیٹھے تو دایاں پاؤں آگے کردیا اور سرین کے بل تشریف فرما ہوئے۔ (نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب، باب صفۃ الصلاۃ، ج2، ص174، مطبوعہ دار المنہاج)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں: اور عورت کا بیٹھنا مرد کے بیٹھنے کی طرح ہی ہے۔

(شرح النووی علی مسلم، باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ، ج4، ص215، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مالکیہ کا مؤقف

مدونہ میں ہے:

اور امام مالک رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا تشہد میں بیٹھنے کی طرح ہی ہے۔ اپنی سرین کو زمین سے ملادے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں موڑ لے اور جب دایاں پاؤں کھڑا کرے تو انگوٹھے کے اندرونی حصہ کو زمین پر رکھ دے نہ کہ انگوٹھے کے ظاہر کو۔ (المدونہ، جلوس الصلاۃ، ج1، ص168، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ محمد بن احمد ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

پس امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اپنی دونوں سرین کو زمین سے ملادے اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں موڑ لے اور عورت کا بیٹھنا ان کے نزدیک مرد کے بیٹھنے کی طرح ہے۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الثانی فی الافعال، ج1، ص144، دار الحدیث، القاہرہ)

احناف کا مؤقف اور اس پر دلائل

شمس الائمہ احمد بن محمد سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:

(اور جب دوسری میں یا چوتھی رکعت میں بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھالے تو اسے اپنی دونوں سرین کے درمیان

کرلے اوراس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو سیدھا کھڑا کرلے اور اپنے دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کردے) اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قعدوں میں مسنون یہ ہے کہ سرین کے بل بیٹھے اور یہ یوں ہے کہ اپنے دونوں پاؤں ایک طرف کو نکال دے اور اپنی دونوں سرین زمین سے ملادے حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے کہ "بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز میں بیٹھے تو سرین کے بل بیٹھے۔" اور امام شافعی رحمہ اللہ قعدہ اولی میں ہمارے قول کی مثل ہی فرماتے ہیں اس وجہ کہ وہ طویل نہیں ہوتا اور نمازی کو قیام کرنے کی حاجت ہوتی ہے اور اس صفت کے ساتھ بیٹھنا قیام کی تیاری کے زیادہ قریب ہے اور قعدہ ثانیہ کے حوالے سے امام مالک رحمہ اللہ کی طرح فرماتے ہیں اس لئے کہ وہ طویل ہوتا ہے اور اس کے بعد قیام کی طرف محتاج نہیں ہوتی تو نمازی کو چاہیے کہ زمین پر ٹھہراؤ کے ساتھ رہے۔

ہماری دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ بے شک انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں بیٹھنا بیان فرمایا تو انہوں نے یوں ذکر فرمایا: ((كان إذا قعد افترش رجله اليسرى ويقعد عليها وينصب اليمنى نصبا)) بے شک جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر تشریف فرما ہوتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے۔ اور جو اس کے خلاف مروی روایت ہے وہ عمر زیادہ ہونے کی بنا پر عذر کی حالت پر محمول ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ ہماری بیان کردہ صورت کے مطابق بیٹھنا بدن پر زیادہ شاق ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعمال میں سب سے افضل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((أحمزها)) جو ان میں سب سے مشکل ہو یعنی بدن پر زیادہ شاق ہو۔ اور جو امام شافعی فرماتے ہیں اس کا ایک جواب یہ ہے کہ نماز کے افعال میں جو متکرر ہیں تو دوسرا طریقہ میں پہلے کے مخالف نہیں ہوتا جیسا کہ بقیا تمام افعال۔ بہرحال عورت کو سرین کے بل بیٹھنا چاہیے اس روایت کی وجہ سے: ((أن النبی صلی اللہ علیه وسلم رأى امرأتين تصليان فلما فرغتا دعاهما وقال: اسمعا، إذا قعدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو جب وہ دونوں فارغ ہوئیں تو انہیں بلایا اور ارشاد فرمایا: میری بات سنو کہ جب تم بیٹھو تو اپنے بعض گوشت کو زمین کے ساتھ ملالو۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یوں بیٹھنا ان کے حق میں ستر سے زیادہ قریب ہے۔

(مبسوط للسرخسی، باب کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ، ج 1، ص 24،25، دار المعرفہ، بیروت)

ملک العلما علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی 587ھ) فرماتے ہیں:

پس سنت یہ ہے کہ دونوں قعدوں میں بایاں پاؤں بچھائے اور اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں سیدھا کھڑا کرے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: قعدہ اولی میں یہی سنت ہے بہرحال دوسرے قعدے میں سرین کے بل بیٹھے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: دونوں قعدوں میں تورک کرے۔ اور تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سرین کو سرین سے ملادے اور دونوں پاؤں کو

دائیں طرف نکال دے اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا جو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا وصف یوں بیان فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھالیا اور سیدھا کھڑا کرلیا اور جب دوسری رکعت میں تشریف فرما ہوئے تو اپنے دونوں پاؤں جدا کر کے انہیں دائیں سرین کے نیچے سے نکال لیا۔

اور ہماری دلیل وُہ حدیث پاک ہے جو سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:((كَانَ إِذَا قَعَدَ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنَى نَصْبًا)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب تشریف فرما ہوتے تو بایاں پاؤں بچھا لیتے اور اس پر تشریف فرما ہوتے اور سیدھا پاؤں کھڑا کر لیتے۔اور حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی:((أَنَّهُ نَهَى عَنِ التَّوَرُّكِ فِي الصَّلَاةِ)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تورک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک عمر کی زیادتی اور ضعف پر محمول ہے اور یہ مرد کے حق میں ہے بہر حال عورت اس ہیئت پر بیٹھے جو اس کے لئے زیادہ ستر والی ہو لہٰذا وہ حالت تورک میں (سرین کے بل) بیٹھے۔اس لیے کہ ستر کے فرض کی رعایت کرنا، قعدہ کی سنت کی رعایت کرنے سے اولی ہے اور وہ اپنے سیدھے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کر دے اس حدیث کی وجہ سے جو پیچھے گزر چکی اور نمازی قعدہ کی حالت میں اپنا سیدھا ہاتھ سیدھی ران پر رکھے اور الٹا ہاتھ الٹی ران پر رکھے اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ سے ''نوادر'' میں مروی ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اول افضل ہے اس حدیث پاک کی وجہ سے جو یوں مروی ہے:((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَعَدَ وَضَعَ مِرْفَقَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْأَيْمَنِ وَكَذَا الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْأَيْسَرِ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں تشریف فرما ہوتے تو اپنی دائیں کہنی کو دائیں ران پر رکھتے اسی طرح بائیں کہنی بائیں ران پر۔اور اس وجہ سے بھی کہ اس میں اپنی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ہے اور جو صورت امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان کی اس میں انگلیوں کا زمین کی طرف متوجہ کرنا پایا جاتا ہے۔

(بدائع الصنائع، کیفیۃ القعدہ، ج1، ص211، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(1) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ((وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى)) ترجمہ: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھایا کرتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کیا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم، باب ما یجمع صفۃ، ج1، ص357، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(2) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:((قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قُلْتُ: لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى يَعْنِي عَلَى فَخِذِهِ

الْيُسْرَى، وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى)) ترجمہ: مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ میں ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں گا، تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے لیے بیٹھا کرتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور اپنا بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھ لیتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے۔

(جامع ترمذی، باب کیف الجلوس فی التشہد، ج2، ص85، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

اس کے تحت امام ترمذی فرماتے ہیں: ''هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ'' ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔

(جامع ترمذی، باب کیف الجلوس فی التشہد، ج2، ص85، مطبعہ مصطفی البابی، مصر)

(3) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: ((إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتَثْنِيَ الْيُسْرَى)) ترجمہ: نماز میں سنت یہ ہے کہ تو اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا دے۔

(صحیح بخاری، باب سنۃ الجلوس فی التشہد، ج1، ص165، مطبوعہ دار طوق النجاۃ ☆سنن ابی داؤد، باب کیف الجلوس فی التشہد، ج1، ص252، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆سنن نسائی، باب کیف الجلوس للتشہد، ج2، ص235، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حدیث پاک مسند ہے اس لئے صحابی رضی اللہ عنہ جب کہے کہ یہ سنت ہے تو ان کی مراد سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے، یعنی یا تو یہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا قول ہوتا ہے جسے ان صحابی نے سنا ہوتا ہے یا فعل ہوتا ہے جسے ان صحابی نے دیکھا ہوتا ہے، ایسا ہی ابن التین نے کہا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب سنۃ الجلوس الخ، ج6، ص102، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(4) حضرت سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّوَرُّكِ)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورک (سرین کے بل بیٹھنے سے) سے منع فرمایا ہے۔

(مسند بزار، مسند سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالی عنہ، ج10، ص433، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ((انَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّوَرُّكِ وَالْاِقْعَاءِ فِي الصَّلَاةِ)) ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تورک اور اقعاء سے منع فرمایا ہے۔

(شرح مشکل الآثار، فی نھیہ عن الاقعاء فی الصلاۃ الخ، ج15، ص478، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

باب نمبر 216

بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِشَارَةِ

تشہد میں اشارہ کا بیان

294- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالُوا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ، وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الَّتِي تَلِي الإِبْهَامَ يَدْعُو بِهَا، وَيَدُهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهِ، وَفِي البَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، وَنُمَيْرٍ الخُزَاعِيِّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي حُمَيْدٍ، وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قال ابوعيسىٰ: حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ إِلَّا مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَالعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، يَخْتَارُونَ الإِشَارَةَ فِي التَّشَهُّدِ، وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِنَا"

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (تشہد کے لئے) جب بیٹھتے تو دایاں ہاتھ داہنے گھٹنے پر رکھتے اور انگوٹھے سے متصل اُنگلی (شہادت والی انگلی) کو اٹھا کر اشارہ فرماتے، اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر بچھا کر رکھتے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب میں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت نمیر خزاعی، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوحمید اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات موجود ہیں۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "حسن غریب" ہے، اور ہمیں یہ حدیث حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے اسی سند سے معلوم ہے۔ بعض صحابۂ کرام اور تابعین کا اسی پر عمل ہے یعنی وہ تشہد میں اشارہ پسند کرتے ہیں۔ اور ہمارے علما کا بھی یہ موقف ہے۔

تخریج حدیث 294: (صحیح مسلم، باب صفۃ الجلوس فی الصلاۃ الخ، ج1، ص408، حدیث 580، داراحیاء التراث العربی، بیروت ☆ سنن ابی داود، باب الاشارۃ فی التشہد، ج1، ص259، المکتبۃ العصریہ، بیروت ☆ سنن نسائی، باب قبض الاصابع من الید الیمنی الخ، ج3، ص36، حدیث 1267، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب ☆ سنن ابن ماجہ، باب الاشارۃ فی التشہد، ج1، ص295، حدیث 913، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت)

شرح حدیث

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

((نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پکارتے تو اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے)) یعنی جب اللہ عزوجل کو اس کی توحید بیان کرتے ہوئے پکارتے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التشہد، ج2 ص735، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں:

حدیث پاک میں تشہد کو دعا کہا گیا کیونکہ اس میں دعا بھی موجود ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب التشہد، ج2 ص735، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن عبد الہادی سندی (متوفی 1138ھ) فرماتے ہیں:

یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ توحید کی طرف اشارہ کرنا بھی دعا (پکارنے) کے قائم مقام ہے بے شک اللہ عزوجل کی توحید بیان کرنا یہ دعا کرنے سے زیادہ اللہ عزوجل کی نعمتوں کے حصول کا سبب ہے۔

(حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ، باب الاشارۃ فی التشہد، ج1، ص295، دار الجیل، بیروت)

اشارہ کی جگہ اور اس میں نیت

علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسنی (التوفی 1182ھ) فرماتے ہیں:

اور اشارہ "لا الہ الا اللہ" کہتے وقت کیا جائے، کیونکہ امام بیہقی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل ایسے ہی روایت کیا ہے۔ اور اشارہ کرتے ہوئے اللہ عزوجل کی توحید اور اس میں اخلاص کی نیت کرے تو یوں اشارہ کرنا نمازی کے فعل، قول اور اعتقاد کا جامع ہوگا (یعنی وہ اپنے قول، فعل اور اعتقاد سب سے اللہ عزوجل کی توحید بیان کرنے والا اقرار پائے گا۔) اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں سے اشارہ کرنا منع فرمادیا اور جس کو دو انگلیوں سے اشارہ کرتے دیکھا اسے فرمایا: ((أَحَد أَحَد)) ایک، ایک..... اور اشارہ کرنے میں حکمت یہ بھی ہے کہ نمازی کا ہر عضو عبادت میں مشغول ہو جائے۔

(سبل السلام، کتاب الصلوۃ تحریک السبابۃ فی التشہد، جلد1، صفحہ 282، دار الحدیث)

اشارہ کا طریقہ:

شہادت پر اشارہ کرنا (سنت ہے)، یوں کہ چھنگلیا اور اس کے پاس والی کو بند کرلے، انگوٹھے اور بیچ کی اُنگلی کا حلقہ باندھے اور لا پر کلمہ کی انگلی اٹھائے اور اِلّا پر رکھ دے اور سب اُنگلیاں سیدھی کرلے۔ حدیث میں ہے جس کو ابوداود و نسائی نے

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دُعا کرتے (تشہد میں کلمہ شہادت پر پہنچتے) تو انگلی سے اشارہ کرتے اور حرکت نہ دیتے۔ (بہار شریعت، حصہ 3، ص530، مکتبۃ المدینہ کراچی)

تشہد میں اشارہ کرنے کے بارے میں مذاہب ائمہ

احناف کا موقف

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی فرماتے ہیں:

معتمد وہی ہے جسے شارحین نے صحیح کہا خصوصاً متاخرین علما علامہ کمال، علامہ حلبی، علامہ بہنسی، علامہ باقانی اور شیخ الاسلام الجد وغیرہم نے اشارہ کرنے کو صحیح قرار دیا کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے اور انھوں نے اس قول کی نسبت امام محمد اور امام اعظم کی طرف کی ہے، بلکہ متن درر البحار اور اسکی شرح غرر الاذکار میں ہے کہ اشارہ کرنا ہمارے نزدیک مفتی بہ قول ہے۔۔۔اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی اشارہ کرے۔۔۔لفظِ صحیح کہہ کر اس سے احتراز کیا ہے جو کہا گیا کہ اشارہ نہ کرے کیونکہ یہ قول (اشارہ نہ کرنے والا) درایت و روایت دونوں کے خلاف ہے اور عینی میں تحفہ کے حوالے سے ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے، اور محیط میں ہے کہ سنت ہے۔ (درمختار ملتقطاً، فروع قرأ بالفارسیۃ الخ، ج1، ص208 تا 210، دار الفکر، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان حنفی فرماتے ہیں:

اس باب (تشہد میں اشارہ کرنے کے بارے) میں احادیث و آثار بکثرت وارد، ہمارے محققین کا بھی مذہب صحیح و معتمد علیہ ہے صغیری میں ملتقط و شرح ہدایہ سے اس کی تصحیح نقل کی اور اسی پر علامہ فہامہ محقق علی الاطلاق مولانا کمال الدین محمد بن الہمام و علامہ ابن امیر الحاج حلبی و فاضل بہنسی و باقانی و ملا خسرو و علامہ شرنبلالی و فاضل ابراہیم طرابلسی وغیرہم اکابر نے اعتماد فرمایا اور انھیں کا صاحب درمختار فاضل مدقق علاء الدین حصکفی و فاضل اجل سید احمد طحطاوی و فاضل ابن عابدین شامی وغیرہم اجلہ نے اتباع کیا، علامہ بدرالدین عینی نے تحفہ سے اس کا استحباب نقل فرمایا اور صاحب محیط و ملا قہستانی نے سنت کہا۔

(فتاوی رضویہ، ج6، ص150 تا 153، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خاتم المحققین علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب نمازی انگشتِ شہادت کو اشارہ کے لیے اٹھائے تو صرف ایک مرتبہ حرکت دے، اور اسی پر جمہور علماء ہیں اور ان میں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (رسائل ابن عابدین، حصہ اول، ص131، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (متوفی 620ھ) فرماتے ہیں:

(اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرے) خنصر (چھوٹی انگلی) اور بنصر (چھوٹی انگلی کے ساتھ والی) کو بند کرلے اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنالے اور سبابہ (شہادت کی انگلی) سے اشارہ کرے اور سبابہ وہ انگلی ہے جو انگوٹھے سے ملی ہوتی ہے اس حدیث پاک کی بنا پر جو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے روایت کی: ((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ مِرْفَقَہُ الْاَیْمَنَ عَلٰی فَخِذِہِ الْیُمْنٰی، ثُمَّ عَقَدَ مِنْ اَصَابِعِہِ الْخِنْصَرَ وَالَّتِی تَلِیھَا وَحَلَّقَ حَلْقَۃً بِاِصْبَعِہِ الْوُسْطٰی وَالْاِبْھَامِ، وَرَفَعَ السَّبَّابَۃَ مُشِیْرًا بِھَا)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دائیں کہنی، دائیں ران پر رکھی پھر اپنی انگلیوں میں سے خنصر اور اس کے ساتھ والی کو بند کردیا اور اپنے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنالیا اور انگشت شہادت کو اشارہ کے لئے بلند کردیا۔

ابوالحسن آمدی کہتے ہیں: تحقیق ابوعبداللہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی تین انگلیوں کو جمع فرماتے اور ان کو انگوٹھے کے ساتھ ملا لیتے جیسا کہ "ترپن کے لئے انگلیوں کا ملانا" ہوتا ہے اس حدیث پاک کی بناء پر جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُمْنٰی، وَعَقَدَ ثَلَاثًا وَخَمْسِیْنَ، وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَۃِ)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھا اور "ترپن" کا عقد بنایا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ فرمایا۔ اس حدیث پاک کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت فرمایا۔ اور آمدی نے کہا: اور مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خنصر اور بنصر کو پھیلاتے تھے تاکہ ان کا رخ بھی قبلہ کی طرف کریں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے پہلی صورت ہی بہتر ہے اور نمازی انگشتِ شہادت سے یوں اشارہ کرے کہ اسے تشہد میں اللہ عزوجل کا ذکر کرتے وقت اٹھائے اس حدیث کی وجہ سے جسے ہم نے روایت کیا۔ اور انگلی کو حرکت نہ دے اس حدیث پاک کی بناء پر جسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا: ((اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُشِیْرُ بِاِصْبَعِہِ وَلَا یُحَرِّکُھَا)) بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے اور اسے حرکت نہ دیتے تھے۔ اس حدیث پاک کو امام ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ایک اور روایت میں یوں ہے: ((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ یَدْعُوْ وَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُمْنٰی، وَیَدَہُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُسْرٰی، وَاَشَارَ بِاِصْبَعِہِ)) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قعدہ میں تشریف فرما ہوتے تو دعا فرمایا کرتے اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا کرتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے۔

(المغنی لابن قدامہ، المصلی اذا جلس للتشہد، ج 1، ص 383، مکتبۃ القاہرہ)

شوافع کا موقف

علامہ ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی (متوفی 476ھ) فرماتے ہیں:

جب نمازی شہادت پر پہنچے تو انگشتِ شہادت کے ساتھ اشارہ کرنا مستحب ہے ان احادیث کی بنا پر جو ہم نے حضرت ابن عمر اور ابن زبیر اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے روایت کیں۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی، باب صفۃ الصلاۃ، ج 1، ص 149، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ یحیی بن شرف النووی شافعی (متوفی 676ھ) فرماتے ہیں:

اور کیا نمازی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اسے حرکت دے گا؟ تو اس بارے میں مختلف صورتیں ہیں: (1) صحیح وہ صورت ہے جسے جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ نے قطعیت کے ساتھ بیان کیا کہ نمازی اشارہ کرتے ہوئے اپنی انگلی کو حرکت نہ دے پس اگر وہ حرکت دے تو ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اس کی نماز باطل نہ ہوگی اس لئے کہ یہ عمل قلیل ہے۔ (2) اور دوسری صورت یہ ہے کہ انگشتِ شہادت کو حرکت دینا حرام ہے لہٰذا اگر وہ حرکت دے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اسے ابوعلی بن ابوہریرہ کے حوالہ سے حکایت کیا گیا ہے اور وہ شاذ اور ضعیف ہے۔ (3) اور تیسری صورت یہ ہے کہ انگشتِ شہادت کا حرکت دینا مستحب ہے۔ اس بات کو شیخ ابو حامد، بندنیجی، قاضی ابو الطیب اور دیگر نے حکایت کیا۔

اور یہ طریقہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور تشہد میں ہاتھوں کے رکھنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (("ثُمَّ رَفَعَ أُصْبُعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُو بِهَا)) پھر اپنی انگشتِ اقدس کو اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حرکت دے کر اشارہ کر رہے تھے۔ اس حدیث پاک کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسنادِ صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: حرکت دینے سے مراد انگلی سے اشارہ کرنا بھی ہو سکتا ہے نہ کہ اس کو بار بار حرکت دینا تو یوں یہ حدیث پاک بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک کے موافق ہو جائے گی۔ اور انہوں نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی کہ: ((كَانَ يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ إِذَا دَعَا لَا يُحَرِّكُهَا)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد پڑھتے تو اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اور اسے حرکت نہ دیتے۔ اس حدیث پاک کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا، بہرحال وہ حدیث پاک جو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی کہ "نماز میں انگلیوں کا حرکت دینا شیطان کو خوفزدہ کرنے کا ذریعہ ہے۔" تو وہ صحیح نہیں۔

(المجموع شرح المہذب، مسائل تتعلق بالسجود، ج 3، ص 454، دار الفکر، بیروت)

مالکیہ کا موقف

علامہ ابن رشد قرطبی مالکی (متوفی 595ھ) لکھتے ہیں:

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اپنا دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا کرتے اور اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اور علماء نے اتفاق کیا کہ بیٹھنے کے طریقوں میں سے یہ طریقہ نماز میں مستحسن ہے اور انگلیوں کو حرکت دینے کے حوالہ سے بھی علما نے اختلاف کیا کیونکہ اس بارے میں احادیث مختلف ہیں اور اتنی بات تو ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ فرمایا کرتے تھے۔

(بدایۃ المجتہد، الفصل الثانی فی الافعال، ج1، ص146، دار الحدیث، القاہرہ)

علامہ محمد بن یوسف بغدادی غرناطی مالکی (متوفی 897ھ) فرماتے ہیں:

علامہ ابن القاسم سے یہ ہے کہ نمازی تشہد میں اپنی انگلی سے اشارہ یوں کرے گا کہ اسے بار بار حرکت دے گا.......

علامہ ابن العربی نے فرمایا: تشہد میں انگلی کو حرکت دینے سے بچو اور امام مالک رحمہ اللہ کی بواسطہ "عتبیہ" روایت کی طرف توجہ نہ کرو کیونکہ وہ آزمائش ہے۔

(التاج والاکلیل، فصل فی فرائض الصلاۃ، ج2، ص249، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تشہد میں انگلی کو بار بار حرکت دینا سنت نہیں ہے

حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ إِذَا دَعَاهُ وَلَا يُحَرِّكُهَا)) ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب دعا (توحید بیان) فرماتے تو اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اور اسے حرکت نہ دیتے تھے۔

(سنن ابی داؤد، باب الاشارۃ فی التشہد، ج1، ص260، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

اس حدیث پاک کے تحت علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی فرماتے ہیں:

علامہ ابن الملک نے کہا: یہ حدیث پاک اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازی جب اشارہ کرنے کے لئے انگلی کو اٹھائے تو اسے حرکت نہ دے اور امام اعظم رحمہ اللہ بھی اسی مسلک پر ہیں۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا) علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے اس بات کو "میرک" نے نقل کیا اور تعارض کے وقت یہ بات حدیث اول پر اس کی ترجیح کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اس کے بارے میں سکوت کیا گیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، باب التشہد، ج2، ص735، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی نے مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ نووی کے حوالے سے اس کی صحت بیان کی، پھر فرمایا: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب نمازی انگشتِ شہادت کو اشارہ کے لیے اٹھائے تو صرف ایک مرتبہ

حرکت دے، اور اسی پر جمہور علماء ہیں اور ان میں سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (رسائل ابن عابدین، حصہ اول، ص 131، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ((حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ فِي الدُّعَاءِ وَلَا يُحَرِّكُهَا)) ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ سے مروی ہے ان کے والد (حضرت عروہ) تشہد میں انگلی سے اشارہ کرتے تھے لیکن حرکت نہیں دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصلاۃ، فی الدعاء فی الصلاۃ یا صبع من رخص فیہ، جلد 2، صفحہ 230، مکتبہ الرشد، الریاض)

انگلی کو حرکت دینے کے بارے میں حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے، چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((فَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ أُصْبُعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُو بِهَا)) ترجمہ: تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلقہ بنایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو اٹھایا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں کو حرکت دے رہے تھے اور اس کے ذریعے اللہ عزوجل کی توحید بیان فرما رہے تھے۔ (سنن نسائی، باب موضع الیمین الخ، ج 2، ص 126، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی اس روایت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ممکن ہے کہ اس حدیث میں حرکت کے معنی انگلی اٹھانا ہو کیونکہ بغیر حرکت کے انگلی اٹھانا ممکن نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب التشہد، جلد 2، صفحہ 734، دار الفکر، بیروت)

علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسنی (المتوفی 1182ھ) فرماتے ہیں:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: احتمال ہے کہ حرکت دینے سے مراد اشارہ کرنا ہے نہ کہ مسلسل حرکت کرتے رہنا ہے، یہاں تک کہ یہ حدیث ابن زبیر کے مخالف نہ ہو (اس طرح دونوں روایات میں تطبیق ہو جائے گی)۔

(سبل السلام، کتاب الصلاۃ، تحریک السبابۃ فی التشہد، جلد 1، صفحہ 282، دار الحدیث)

اشارہ کے بعد انگلیاں سیدھی کر لی جائیں

قعدہ میں شہادتین کی ادائیگی پر اشارہ کرتے ہوئے جو مخصوص انداز میں انگلیوں کو بند کیا جاتا ہے، شہادتین مکمل ہو جانے یعنی اشارہ کرنے کے بعد انگلیاں دوبارہ سیدھی کر دی جائیں گی۔ حاشیۃ الطحطاوی میں ہے: "العقد وقت التشهد فقط فلا يعقد قبل ولا بعد وعليه الفتوى" ترجمہ: انگلیاں بند کرنا فقط شہادتین کی ادائیگی کے وقت ہے لہٰذا نہ تو اس سے پہلے بند کی جائیں گی اور نہ اس کے بعد، اور اسی پر فتوی ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوۃ، فصل فی بیان سننھا، ج 1، ص 270، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بہار شریعت میں نماز کی سنتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"شہادت پر اشارہ کرنا، یوں کہ چھنگلیا اور اس کے پاس والی کو بند کر لے، انگوٹھے اور بیچ کی اُنگلی کا حلقہ باندھے اور لا پر کلمہ کی انگلی اٹھائے اور اِلّا پر رکھ دے اور سب اُنگلیاں سیدھی کر لے۔" (بہار شریعت، ج 1، حصہ 3، ص 530، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"التحیات میں انگلی کا اشارہ سنّت ہے جب اشھد پر پہنچے چھنگلیا اور اس کے برابر کی انگلی کی گرہ باندھے اور انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنائے اور "لا" پر کلمے کی انگلی اٹھائے اور "الا" پر گرا کر ہاتھ کھول دے۔" (فتاوی رضویہ، ج 6، ص 190، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اشارہ کرنے کے بعد دوبارہ انگلیاں سیدھی کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح تمام انگلیاں قبلہ کی طرف رہیں گی اور انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھنا مطلوب ہے اسی وجہ سے رانوں پر ہاتھ رکھنے میں ہاتھ گھٹنے کے قریب رکھنے کا کہا جاتا ہے گھٹنے پکڑنے کا نہیں کہا جاتا تا کہ گھٹنے پکڑنے کی صورت میں انگلیاں زمین کی طرف ہوں گی قبلہ کی طرف نہیں ہوں گی، نیز قعدے کی ابتداء ہی سے انگلیاں بند نہیں کی جاتیں بلکہ پھیلا کر رکھی جاتی ہیں اور پھیلانے میں بھی یہ انداز بیان کیا گیا کہ انگلیوں کو زیادہ کشادہ نہ کیا جائے کہ زیادہ کشادہ کرنے کی صورت میں بعض انگلیوں کا رخ قبلہ سے منحرف ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے: "(ويضع يمناه على فخذه اليمنى ويسراه على اليسرى، ويبسط أصابعه)مفرجة قليلا (جاعلا أطرافها عند ركبتيه)ولا يأخذ الركبة هو الأصح لتتوجه للقبلة" ترجمہ: قعدہ میں اپنا داہنا ہاتھ اپنی داہنی ران پر رکھے گا اور بایاں ہاتھ، بائیں ران پر اور انگلیوں کو تھوڑا سا کشادہ کر کے اس طرح پھیلائے کہ انگلیوں کے کنارے گھٹنے کے پاس رہیں اور گھٹنے کو پکڑے نہیں یہی زیادہ صحیح ہے تا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف رہیں۔ (درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ج 1، ص 508، دارالفکر، بیروت)

ملتقی الابحر میں ہے: "وضع يديه على فخذيه وبسط أصابعه موجهة نحو القبلة" ترجمہ: قعدہ میں اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھے گا اور اپنی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کر کے بچھائے گا۔ (ملتقی الابحر، ج 1، ص 151، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حلیۃ المجلی شرح منیۃ المصلی میں قعدہ کی حالت میں انگلیوں کو مکمل طور پر کشادہ نہ کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "لان فيه توجيه الاصابع الى القبلة من غيرانحراف بخلاف التفريج فانه يزيل الابهام عن القبلة" ترجمہ: کیونکہ اس میں انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرنا ہے بغیر انحراف کے برخلاف کشادہ کرنے کے کہ یہ انگوٹھے کو قبلہ سے پھیر دے گا۔ (حلیۃ المجلی شرح منیۃ المصلی، حصہ 2، ص 173، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے مرأۃ المناجیح میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے قعدہ میں انگلیاں رکھنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"بعد اشارہ پھر ہاتھ بچھا دیتے تا کہ انگلیاں قبلہ رو رہیں (مزید آگے فرماتے ہیں) اول سے ہاتھ بچھا ہوتا پھر بعد میں بھی بچھا دیا جاتا تا کہ انگلیاں متوجہ قبلہ رہیں۔" (مرأۃ المناجیح، ج 2، ص 90-89، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

ماخذ ومراجع

قرآن مجید، کلام الٰہی

(ترجمۂ قرآن کنزالایمان،اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان متوفی1340ھ)

کتب التفاسیر

(تفسیر طبری ،المؤلف :محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، أبو جعفر الطبری المتوفی310ھ)،مؤسسۃالرسالۃ ،بیروت)

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی،ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671 ھ،دارالکتاب العربی، بیروت)

(الدر المنثور،امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی 911ھ،داراحیاء التراث العربی ،بیروت)

(معالم التنزیل(تفسیر بغوی)،امام ابو محمد الحسین بن مسعود فراء بغوی متوفی 516ھ،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(تفسیر نسفی(تفسیر مدارک) ،المؤلف :أبو البرکات عبد اللہ بن أحمد بن محمود حافظ الدین النسفی المتوفی710ھ،دار الکلم الطیب ،بیروت)

(تفسیر جلالین ،امام جلال الدین محلی متوفی863 ھ وامام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ،دار الحدیث ،القاہرہ)

(روح المعانی،ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ، دار الفکر،بیروت)

کتب الحدیث

(المصنف لابن أبی شیبۃ،حافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عبسی متوفی 235 ھ،دارالکتب العلمیہ،بیروت ومکتبۃ الرشد،الریاض والدار السلفیۃ، الہندیۃ)

(صحیح البخاری،امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ، دارطوق النجاۃ،شاملہ وقدیمی کتب خانہ، کراچی)

الادب المفرد،المؤلف :محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن المغیرۃ البخاری، أبو عبد اللہ (المتوفی256ھ)،المکتبۃ الاثریۃ ،سانگلہ ہل

(صحیح مسلم،امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، داراحیاء التراث العربی،بیروت

وقدیمی کتب خانہ، کراچی)
(سنن ابن ماجہ،امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی 273ھ، داراحیاء الکتب العربی،حلب وایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی)
(سنن أبي داود،امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی 275ھ، آفتاب عالم پریس، لاہور)
(جامع ترمذی،امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ، دارالفکر، بیروت وقدیمی کتب خانہ ،کراچی)
(السنن النسائي،المؤلف :أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303)،مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب)
(السنن الصغرى للنسائي،المؤلف :أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى303 :)،مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب)
(مسند أبي يعلى،شیخ الاسلام ابو یعلی احمدبن علی بن مثنی موصلی متوفی 307ھ،مؤسسة علوم القرآن، بیروت)
(دلائل النبوةللبيهقي،المؤلف :أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى458ھ)، دارالکتب العلميه،بیروت)
(مسند بزار،المؤلف :أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى292ھ)،مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنوره)
(شرح معانی الآثار،امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی (متوفی321ھ)،عالم الکتب)
(معالم السنن،علامہ ابوسلیمان احمدبن محمد خطابی،المطبعة العلميه،حلب)
(الجامع الصغير،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی360ھ، المکتب الاسلامی ،بیروت)
(المسندللإمام أحمد بن حنبل،امام احمد بن محمد بن حنبل متوفی 241ھ، مؤسسة الرساله،بیروت و المکتب الاسلامی ،بیروت)
(الترغيب في فضائل الاعمال وثواب ذلك،المؤلف : أبو حفص عمر بن أحمد بن عثمان بن أحمد بن محمد بن أيوب بن أزداذ البغدادي المعروف بـ ابن شاہین (المتوفی 385)،دارالکتب العلميه، بیروت)
(تاریخ دمشق الکبیر ،علامہ علی بن حسن ، متوفیٰ 571ھ،داراحیاء التراث العربی ،بیروت)

(الترغیب والترہیب،امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی 656ھ،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(صحیح ابن حبان،صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان،المؤلف :محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التمیمی، أبو حاتم، الدارمی، البُستی (المتوفی354 :)،موسسة الرسالة،بیروت)

(حلیة الاولیاء لابی نعیم،المؤلف :أبو نعیم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسی بن مهران الأصبهانی (المتوفی430ھ)،دارالکتاب العربی،بیروت

(المعجم الکبیرللطبرانی،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ، المکتبة الفیصلیة، بیروت ومکتبہ ابن تیمیہ،القاہرہ)

(المعجم الأوسط للطبرانی،امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی360ھ، مکتبة المعارف ،ریاض ودارالحرمین،القاہرہ)

(سنن الدارقطنی،المؤلف :أبو الحسن علی بن عمر بن أحمد بن مهدی بن مسعود بن النعمان بن دینار البغدادی الدارقطنی (المتوفی385ھ،دارالمعرفة ،بیروت)

(شعب الایمان،المؤلف :أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر البیهقی (المتوفی458 :ھ)،مکتبة الرشد للنشر والتوزیع،العلوم والحکم، المدینة المنوره)

(مسند أبی یعلی،شیخ الاسلام ابو یعلی احمدبن علی بن مثنی موصلی متوفی 307ھ،مؤسسة علوم القرآن، بیروت)

(صحیح ابن خزیمہ،المؤلف :أبو بکر محمد بن إسحاق بن خزیمة بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسابوری (المتوفی311ھ،المکتب الاسلامی ، بیروت)

(مجمع الزوائد،حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی 807ھ،مکتبة القدسی،القاہرہ وبیروت دارالکتاب بیروت)

(المستدرك للحاکم،امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله حاکم نیشاپوری متوفی 405 ھ،دارالفکر،بیروت ودار الکتب العلمیہ،

(السنن الکبری ،المؤلف :أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر البیهقی (المتوفی458ھ، دارصادر ، بیروت)

(كـنـزالـعـمال ،المؤلف :عـلاء الـديـن عـلـى بـن حـسـام الـديـن ابـن قـاضـى خان القادرى الشاذلى الـهندى البرہانفورى ثم الـمدنى فالمكى الشـهـير بالمتقى الـهـندى (المتوفى975 :ه،مؤسسة الرساله ،بيروت)

(الـمـصنف لعبد الرزاق، لمؤلف :أبـو بـكـر عـبـد الرزاق بن ہمام بن نافع الحميرى اليمانى الصنعانى (المتوفى: 211)، المجلس العلمى، بيروت)

(الســنن الكبير للبيهقى،المؤلف :أحـمـد بـن الحسين بن على بن موسى الخُسْرَوْجِردى الخراسانى، أبو بكر البيهقى (المتوفى458ه،دارالكتب العلميه،بيروت)

كتب شروح حديث

(فتـح البـارى،امـام حـافـظ احمد بن على بن حجر عسقلانى متوفى 852ھ، داراحيـاء ا لتراث العربى،بيروت ودارالمعرفه،بيروت)

(عـمـدةالقارى ،امام بدرالدين ابومحمدمحمودبن احمدعينى، متوفىٰ 855ھ،داراحيـاء ا لتراث العربى،بيروت ودارالكتب العلمية،

بيروت)

(شـرح صـحـيـح البـخـارى لابـن بـطـال، ابـو الـحـسـن عـلـى بـن خـلـف ابـن بـطـال مـالكى عليـه رحمة الله الغنى(متوفى449ھ)243،مكتبة الرشد،الرياض)

(شرح النووى،امام محى الدين ابو زكريا يحيىٰ بن شرف نووى متوفى 676ھ، قديمى كتب خانه، كراچى)

(شرح ابى داود للعينى، بدر الدين عينى حنفى(متوفى855ھ)،مكتبة الرشد، الرياض)

(شــرح الـزرقـانــى عـلــى مـوطـا الامــام مــالك،ابـو عـبـد الـلـه مـحمد بن عبد الباقى زرقـانى مـالكـى (متوفى1122ھ)،مكتبة الثقافية الدينية، قاہرة)

(الـمسـالك فـى شـرح مـوطا مالك ،قاضى محمد بن عبدا لله ابو بكر ابن العربى مالكى (متوفى 543ھ)،دار الغرب الاسلامى)

(قـوت الـمـغـتـذى ،علامه جلال الدين عبد الرحمن بن ابو بكر سيوطى(متوفى 911ھ) ،جـامـعة ام القرى،مكة المكرمة)

(حـاشية الـسـنـدى عـلـى سـنـن الـنـسـائـى، مـحـمد بن عبد الـهادى سندى حنفى (متوفى1138ھ)،مـكتب المطبوعات الاسلاميه،حلب)

(حاشية السندی علی سنن ابن ماجه، محمد بن عبد الهادی سندی حنفی (متوفی 1138ھ)،دار الجیل ،بیروت)

(فیض القدیر،المؤلف :زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی القاہری (المتوفی 1031ھ،دارالمعرفة ،بیروت)

(التیسیر شرح الجامع الصغیر،المؤلف :زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی القاہری (المتوفی1031)،مکتبة الامام الشافعی ،ریاض)

(مرقاة المفاتیح،علامہ ملا علی بن سلطان قاری ،متوفی1014ھ،المکتبة الحبیبیہ کوئٹہ)

(لمعات التنقیح،عبدالحق محدث دہلوی(متوفی1052ھ)، مکتبة المعارف النعمانیہ، لاہور)

(اشعة اللمعات ،عبدالحق محدث دہلوی(متوفی1052ھ)،مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

(نزھة القاری،شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی،برکاتی پبلشرز،کراچی)

(مراۃ المناجیح،مفتی احمدیار خان نعیمی ،گجرات)

کتب اصول حدیث

(مقدمة ابن الصلاح،حافظ ابو عمروعثمان بن عبد الرحمن معروف بہ ابن الصلاح شہرزوری (متوفی643ھ)،دار الفکر ،بیروت)

(شرح نخبة الفکر للقاری،ملا علی قاری(متوفی1014ھ) ،دار الارقم،لبنان)

(فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث،امام شمس الدین سخاوی (متوفی902ھ)،مکتبة السنة،مصر،ملتقطاً)

(تدریب الراوی، جلال الدین سیوطی (متوفی911ھ)،دار طیبہ)

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال،علامہ یوسف بن عبد الرحمن مزی (742ھ)،مؤسسة الرسالہ،بیروت)

(نزہة النظر شرح نخبة الفکر،حافظ ابن حجر عسقلانی(متوفی852ھ)سطبعة الصباح ،دمشق)

کتب السیر

(سیرت حلبیہ(انسان العیون)،المؤلف :علی بن إبراہیم بن أحمد الحلبی، أبو الفرج، نور الدین ابن برہان الدین (المتوفی1044ھ،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(المواہب اللدنیة، المقصد الرابع، الفصل الثانی،شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی 932ھ،المکتب الاسلامی ،بیروت)

(سبل الهدی،المؤلف :محمد بن یوسف الصالحی الشامی (المتوفی 942ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ،المؤلف :أبو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن أحمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی (المتوفی1122ھ، دارالمعرفۃ ،بیروتاالکتب العلمیۃ، بیروت)
(تحفۃ المحتاج،علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی ،المکتبۃ التجایۃ الکبری،مصر)
(الخصائص الکبری،امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی متوفی 911ھ،دار الکتب العلمیہ، بیروت وگجرات، الہند)
(دلائل النبوۃ للبیہقی،أحمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر البیہقی (المتوفی458 :ھ،دارالکتب،بیروت)
(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم،القاضی ابو الفضل عیاض مالکی متوفی544 ھ،دارالفیحاء،عمان)
(تاریخ دمشق لابن عساکراریخ دمشق،أبو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (المتوفی571 :)،دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)
(جلاء الافہام،حافظ ابن قیم(751ھ) ،دارالمعرفہ، کویت)
(نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ،فصل و من ذٰلک ماالطلع ،ج 3،ص153،مرکز اہلسنت برکایت رضا ،گجرات

التراجم والطبقات

(تدریب الراوی، جلال الدین سیوطی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی911ھ)،دار طیبۃ)

کتب فقہ حنفی

(کتاب الآثار للامام ابی یوسف،أبو یوسف یعقوب بن إبراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ الأنصاری (المتوفی182 :ھ)،ادارۃ القرآن، کراچی
(الحجۃ علی اہل المدینہ،امام محمد شیبانی حنفی(متوفی189ھ) ،عالم الکتب،بیروت)
(مبسوط للسرخسی،شمس الائمہ سرخسی حنفی(متوفی483)،دارالمعرفۃ،بیروت)
(بدائع الصنائع،امام ابو بکربن مسعود بن احمد کاسانی حنفی(متوفی 587ھ)،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)
(الہدایۃشرح بدایۃ المبتدی ،امام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی (متوفی593ھ) ،دار احیاء

التراث العربی،بیروت)
(محیط برہانی،ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد حنفی(متوفی616ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(الاختیار لتعلیل المختار،علامہ ابوالفضل عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی(متوفی 683ھ)،مطبعۃ الحلبی،القاہرہ)
(اللباب فی الجمع بین السنۃ الکتاب،جمال الدین علی بن ابی یحیی انصاری حنفی (متوفی686)،دارالقلم،بیروت)
(تبیین الحقائق،علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی حنفی(متوفی743ھ)،المکتبۃ الکبری الامیریۃ،بولاق ،قاہرۃ)
(العنایہ شرح الھدایہ،لمؤلف :محمد بن محمد بن محمود، أکمل الدین أبو عبد اللہ ابن الشیخ شمس الدین ابن الشیخ جمال الدین الرومی البابرتی (المتوفی786 :)،دارالفکر،بیروت)
(الجوہرۃ النیرۃ،علامہ ابو بکر بن علی بن محمد بن الحداد زبیدی حنفی(متوفی800ھ)،المطبعۃ الخیریۃ)
(جامع الفصولین ،محمود بن اسرائیل بن عبدالعزیز ,ابن قاضی سماونہ(المتوفی 823ھ، اسلامی کتب خانہ ،کراچی)
(البنایۃ، بدر الدین محمود العینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ الولی(متوفی855ھ)،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)
(فتح القدیر،المؤلف :کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الھمام (المتوفی861ھ)،مکتبہ، کوئٹہ)
(بحرالرائق،25 زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ(متوفی970ھ) ،دارالکتاب الاسلامی،بیروت)
(نہر الفائق، سراج الدین ابن نجیم(متوفی1005ھ) ،قدیمی کتب خانہ،کراچی)
(نور الایضاح و نجاۃ الارواح ،علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی (متوفی1069ھ)،المکتبۃ العصریۃ)
(مراقی الفلاح، علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی حنفی(متوفی1069ھ) ،المکتبۃ العصریہ،بیروت)
(طحطاوی علی المراقی،علامہ احمد طحطاوی حنفی ،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(مجمع الانہرشرح ملتقی الابحرعلامہ شیخی زادہ ،دار احیاء التراث العربی ،بیروت)
(حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق، شہاب الدین أحمد بن محمد بن أحمد بن یونس بن إسماعیل بن یونس الشِّلْبِیُّ (المتوفی 1021 :، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ -بولاق، القاہرۃ)

(شرعة الاسلام مع شرح مفاتیح الجنان ،امام رکن الاسلام محمد بن ابی بکر ،مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)
(تنویر الابصار،علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد تمرتاشی، متوفی (1004)، دارالفکر، بیروت)
(درمختار،علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی (متوفی1088ھ)،دارالفکر،بیروت)
(ردالمحتار،محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ،دارالفکر،بیروت)
(جد الممتار ،اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمة المنان(متوفی1340ھ)،مکتبة المدینہ، کراچی)
(الموسوعة الفقھیہ الکویتہ،وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة -الکویت، دارالسلاسل ،الکویت)
(النتف فی الفتاوی للسغدی،ابولحسن علی بن الحسین بن محمدسغدی حنفی (متوفی 461ھ) ،مؤسسة الرسالہ،بیروت)
(خلاصہ الفتاوی ،-علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری،(متوفی 542ھ)،مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)
(فتاوی ہندیہ لامہ ہمام مولانا شیخ نظام(متوفی1161 ھ) وجماعة من علماء الھند،دارالفکر،بیروت)
(فتاوی حدیثیہ،امام ابن حجر مکی(متوفی974ھ)،مصطفٰی البابی، بمصر)
(منیةالمصلی،-علامہ سدیدالدین محمد بن محمد کاشغری،(متوفی705)،مکتبہ قادریہ ،لاہور)
(فتاوی رملی،علامہ شہاب الدین احمدبن حمزہ انصاری رملی شافعی (متوفی957ھ)،المکتبة الاسلامیہ)
(فتاوی قاضی خان ،علامہ قاضی خان،مکتبہ حقانیہ ،پشاور)
(فتاوی رضویہ ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان متوفی1340ھ، رضافاؤنڈیشن، لاہور)
(بہار شریعت،صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (المتوفی1367)،مکتبة المدینہ، کراچی)
(الموسوعة الفقھیہ الکویتہ،وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة -الکویت، دارالسلاسل ،الکویت)

کتب فقہ مالکی

(الفواکہ الدوانی علی رسالة ابن ابی زید،فرائض الوضوء،140/1،دارالفکر،بیروت)
(التمھید لابن عبد البر،باب العین،عمرو بن یحیٰی المازنی، 124/20،تحت الحدیث الاول،وزارة عموم الاوقاف والشؤون الاسلامیة)
(القوانین الفقھیہ،علامہ محمد بن احمد غرناطی مالکی(متوفی741ھ) ،مطبوعہ بیروت)
(حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر للشیخ الدردیر،علامہ محمد بن احمد دسوقی

مالکی(متوفی1230ھ)،دارالفکر،بیروت)
(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، محمد بن محمد بن عبد الرحمن طرابلسی مالکی (متوفی 954ھ)،دارالفکر،بیروت)
(الکافی فی فقہ اہل المدینۃ،علامہ ا بن عبد البر قرطبی مالکی(متوفی 463ھ)،مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ ،الریاض)
(البیان التحصیل،قاضی الجماعۃ ابن رشد قرطبی مالکی (متوفی 520ھ)،دارالغرب الاسلامی ،بیروت،ملتقطاً)
(التلقین فی الفقہ المالکی، ابومحمد عبد الوہاب بن علی بغدادی مالکی (متوفی 422ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(التاج والاکلیل لمختصر خلیل،ابو عبد اللہ المواق المالکی (متوفی897ھ)،دار الکتب العلمیۃ)
(المہذب فی فقہ الامام شافعی شیرازی، ابراہیم بن علی شیرازی شافعی(متوفی476ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ابن رشد مالکی(متوفی595ھ) ،دارالحدیث،القاہرہ)
(مدخل لابن حاج،المؤلف :أبو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج (المتوفی 737 :ہ دارالتراث،بیروت)
(الکافی فی فقہ اہل المدینۃ،ابو عمر یوسف بن عبد اللہ قرطبی مالکی (متوفی 463ھ)،مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ ،الریاض)
(الشرح الصغیرمع حاشیۃ الصاوی،شیخ دردیر مالکی(متوفی1201ھ) ،دار المعارف)
(الرسالۃ للقیروانی،عبد اللہ بن ابی زیدقیروانی مالکی(متوفی386ھ)،دار الفکر)
(الاستذکار ،ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی مالکی(متوفی 463ھ)،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)
(شرح مختصر خلیل للخرشی،علامہ محمد بن عبد اللہ خرشی مالکی (متوفی 1101ھ) ،دارالفکرللطباعۃ، بیروت)
(ارشاد السالک الی اشرف المسالک فی الفقہ، عبد الرحمن بن محمد بن عسکر بغدادی مالکی علیہ رحمۃ

الله القوی(متوفی 732ھ)، مطبعۃ مصطفی البابی،مصر)
(الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید،شہاب الدین احمد بن غانم نفراوی مالکی علیہ رحمۃ اللہ الکافی(متوفی 1126ھ) ،دارالفکر،بیروت)
(مختصر خلیل،علامہ خلیل بن اسحاق مصری مالکی (متوفی 776ھ)،دارالحدیث،القاہرہ)
(الذخیرۃ للقرافی،ابو العباس شہاب الدین احمدقرافی مالکی (متوفی 684)،دارالغرب الاسلامی بیروت)
(مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل،شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن طرابلسی مالکی الکافی(متوفی 954ھ ،دارالفکر،بیروت)
(المقدمات الممہدات ، محمدبن احمد بن رشد قرطبی مالکی(متوفی 520ھ)،دارالغرب الاسلامی،بیروت)
(التہذیب فی اختصار المدونۃ،علامہ قیروانی مالکی (متوفی 372ھ)،دارالبحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث،دبئی)
(منح الجلیل شرح مختصر خلیل، محمد بن احمدبن محمد علیش مالکی (1299ھ)،دارالفکر،بیروت)
(شرح مختصر خلیل للخرشی وعلیہ حاشیۃ العدوی،ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خرشی مالکی (متوفی 1101ھ)،دار الفکرللطباعۃ،بیروت)

کتب فقہ حنبلی

(الشرح الکبیر علی متن المقنع ،عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی ،دارالکتاب العربی للنشر والتوزیع،بیروت)
(متن الخرقی، ابو القاسم خرقی،دار الصحابۃ للتراث)
(عمدۃ الفقہ ،موفق الدین ابن قدامہ(متوفی 620ھ)،المکتبۃ العصریۃ)
(المبدع شرح المقنع ،برہان الدین ابن مفلح(متوفی 884ھ)،دار الکتب العلمیۃ ،بیروت
(الاقناع شرف الدین حجاوی (متوفی 968ھ) ،دار المعرفۃ،بیروت)
(زاد المستقنع، علامہ شرف الدین حجاوی (متوفی 968ھ) ،دار الوطن للنشر والتوزیع)
(دلیل الطالب لنیل المطالبمرعی بن یوسف الکرمی(متوفی 1033ھ)،دار طیبہ للنشر والتوزیع)
(دقائق اولی النہی، منصور بن یونس بہوتی (متوفی 1051ھ) ،عالم الکتب)
(کشاف القناع عن متن الاقناع،شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (متوفی 1051ھ)،دار الکتب العلمیۃ

،بیروت)

(الفروع وتصحیح الفروع ملخصا،محمد بن مفلح مقدسی رامینی حنبلی(متوفی 763ھ)،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت)

(المغنی لابن قدامہ، ابن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی620ھ)،مکتبۃ القاہرہ)

(شرح الزرکشی علی مختصرالخرقی، محمد بن عبد اللہ زرکشی حنبلی (متوفی 772ھ)،مطبوعہ دارالعبیکان)

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی (متوفی885ھ)،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

(المجموع شرح المہذب،ابو اسحاق شیرازی (متوفی476ھ)،دار الفکر)

(الروض المربع شرح زاد المستقنع، منصور بن یونس بہوتی حنبلی (متوفی 1051)،دارالمؤید موسسۃ الرسالۃ،بیروت)

(مطالب اولی النہی،علامہ مصطفی بن سعد بن عبدہ سیوطی حنبلی (متوفی 1243ھ)،المکتب الاسلامی،بیروت)

(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف ،علاؤالدین علی بن سلیمان بن احمد مرداوی حنبلی(متوفی885ھ)،دار احیاء التراث العربی بیروت)

(الشرح الکبیر علی متن المقنع،شمس الدین عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن قدامۃ مقدسی حنبلی (متوفی682ھ) ،دار الکتاب العربی ،بیروت)

(الکافی فی فقہ الامام احمد،موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی620ھ) ،دار الکتب العلمیۃ ،بیروت)

(المبدع فی شرح المقنع ،علامہ ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ حنبلی(متوفی 884ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

(مختصر الخرقی،ابو القاسم عمر بن حسین بن عبد اللہ خرقی حنبلی علیہ رحمۃ اللہ الولی(متوفی334ھ)،دار الصحابۃ للتراث)

کتب فقہ شافعی

(البیان فی مذہب الامام الشافعی،علامہ یحیی بن ابی الخیر یمنی شافعی (متوفی558ھ)،دارالمنہاج،جدہ)
(اسنی المطالب فی شرح روض الطالب،علامہ زین الدین زکریا بن محمد بن زکریا انصاری شافعی (متوفی 926ھ) 4،دارالکتاب الاسلامی،بیروت)
(خبایا الزوایا، بدرالدین زرکشی شافعی(متوفی794ھ)وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، کویت)
(التنبیہ فی الفقہ الشافعی ،ابو اسحاق ابراہیم شیرازی شافعی (متوفی 476ھ)،عالم الکتب)
(الفتاوی الفقہیۃ الکبری،علامہ ابن حجر ہیتمی (متوفی974)،المکتبۃ الاسلامیہ)
(المجموع شرح المہذب،مہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی676ھ)،دارالفکر،بیروت)
(الانوار لاعمال الابرار،یوسف بن ابراہیم اردبیلی شافعی (متوفی779ھ)،دار الضیاء للنشر والتوزیع)
(فتاوی رملی،علامہ شہاب الدین رملی شافعی(متوفی957ھ)،المکتبۃ الاسلامیہ)
(الحاوی الکبیر، ابوالحسن علیؒ بن محمد ماوردی شافعی(متوفی450ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(التذکرہ فی الفقہ الشافعی لابن الملقن، ابن ملقن شافعی(متوفی804ھ)دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(حاشیۃ الصاوی علی شرح الصغیر،علامہ احمدبن محمد صاوی مالکی(1241ھ)،مطبوعہ دارالمعارف)
(اللباب فی الفقہ الشافعی،ابو الحسن محاملی (متوفی415ھ)،دار البخاری ،المدینۃ المنورۃ)
(نہایۃ المطلب فی دریۃ المذہب، امام عبد الملک بن عبداللہ جوینی شافعی (متوفی 478ھ)، دارالمنہاج)
(الوسیط فی المذہب،امام محمد بن محمد غزالی (متوفی 505ھ)،دارالسلام،القاہرۃ)
(کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ، نجم الدین ابن رفعہ(متوفی710ھ) ،دار الکتب العلمیۃ، بیروت)
(النجم الوہاج،ابو البقاء کمال الدین دمیری (متوفی808ھ)دار المنہاج، جدہ)
(اسنی المطالب فی شرح الروض الطالب،زین الدین ابو یحیی السنیکی(متوفی 926ھ)،دار الکتاب الاسلامی)
(مغنی المحتاج،خطیب شربینی (متوفی 977ھ)،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)
(غایۃ البیان، شہاب الدین رملی (متوفی1004ھ)،دار المعرفۃ،بیروت)
(نہایۃ المحتاج، شہاب الدین رملی (متوفی1004ھ)، دارالفکر)
(متن ابی شجاع المسمی الغایۃ والتقریب،شہاب الدین ابو الطیب احمد بن حسین اصفہانی (متوفی593ھ)،عالم الکتب)

(فتح العزيز بشرح الوجيز،ابو القاسم عبد الكريم بن محمد رافعی قزوینی شافعی (متوفی623ھ)،دار الفكر)
(شرح المهذب،علامہ ابو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف نووی،دارالفکر،بیروت)
(التمهيد لابن عبد البر، ابو عمر ابن عبد البر قرطبی مالکی (متوفی 463ھ) ،وزارة عموم الاوقاف والشؤون الاسلامية)
(الحاوی الکبیر، ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی(متوفی450ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(مغنی المحتاج،شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی(متوفی977ھ) ،دار الکتب العلمیة،بیروت)
(المجموع شرح المهذب،محیی الدین یحیی بن شرف نووی شافعی (متوفی676ھ) ،دارالفکر،بیروت)
(الأم للشافعي،لمؤلف :الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي (المتوفى204 :) :دار المعرفة -بيروت)
(روضة الطالبين وعمدة المفتين،امام ابو زکریا یحیی بن شرف نووی شافعی (متوفی 676ھ)،المکتب الاسلامی،بیروت)
(المهذب فی فقه الامام شافعی شیرازی، ابراہیم بن علی شیرازی شافعی (متوفی 476ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشی، علامہ بدر الدین زرکشی شافعی(متوفی794)،اضواء السلف ،الریاض)
(نهاية المحتاج الی شرح المنهاج، شہاب الدین رملی شافعی (متوفی 1004ھ)،دارالفکر،بیروت)

کتب تصوف

(قوت القلوب فی معاملة المحبوب، سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی (متوفی 386ھ) ،دار الکتب العلمیة ،بیروت)
(احیاء علوم الدین، امام محمد بن محمد غزالی رحمة الله علیه(متوفی505ھ) ،دار المعرفة ،بیروت)
(شرح الصدور،علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی911ھ)،دارالمعرفہ،بیروت)
(میزان الشریعة الکبری،امام عارف بالله سید عبد الوہاب شعرانی ، دارالکتب ،العلمیة، بیروت)
(فیوض الحرمین،شاہ ولی اللہ صاحب(متوفی1174)،محمد سعید اینڈ سنز ،کراچی)

کتب بدمذہب

(تکمیل الیقین،اشرف علی تھانوی دیوبندی(متوفی1362)،مطبوعہ ہندستان پرنٹنگ پریس)
(تحذیر الناس،قاسم نانوتوی دیوبندی،(متوفی1297)دارالاشاعت،کراچی)
(تقویۃ الایمان،اسماعیل دہلوی(1246)،مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

کتب لغت وفنون

(مقدمۃ فی اصول الحدیث ،شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی(متوفی1052ھ)،دار البشائر الاسلامۃ ،بیروت،لبنان)
(کشاف اصطلاحات الفنون و العلوم،،مکتبۃ لبنان ناشرون،بیروت)
التعریفات للجرجانی۔سید شریف علی بن محمدبن علی الجرجانی840ھ.دارالمنارللطباعۃوالنشر)
(لسان العرب، ابن منظور افریقی(متوفی711ھ) ،دار صادر،بیروت)
(معجم لغہ الفقہاء ،المؤلف :محمد رواس قلعجی ،الناشر :دار النفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع)
(کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون،مہ مصطفی بن عبد اللہ المشہور باسم حاجی خلیفۃ(المتوفی1067ھ)،مکتبۃ المثنی،بغداد)

متفرق کتب

(الدولۃ المکیہ،امام اہل سنت امام احمدرضا خان(متوفی1430)،مطبعہ اہل سنت،بریلی)
(الیواقیت والجواہر ،امام شعرانی،داراحیاء التراث العربی ،بیروت)
(الدعاء للطبرانی،امام طبرانی،دار الکتب العا ،بیروت)
(شمائم امدادیہ،حاجی ا، ٰاد اللہ مہاجر مکی(المتوفی1317ھ))
سل الحسام،رسالہ من رسائل ابن عابدین ،علامہ شامی (متوفی1252)،سہیل اکیڈیمی ،لاہور)
(حیوۃ الحیوان الکبری،علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ (808ھ)،دارالکتب العلمیہ،بیروت)
(الاعلام بقواطع الاسلام ،امام ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ(متوفی 974ھ)،مکتبۃ الحقیقۃ بشارع دارالشفقۃ،استنبول ترکی
(جاء الحق،مفتی احمدیار خان نعیمی(المتوفی1391ھ)،مکتبہ غوثیہ، کراچی)